مختلف گروہوں سے مختلف عنوانات پر

حافظ عبدالمنان صاحب اور حافظ عبدالسلام

کے تحریری مناظرے

مکالماتِ نورپوری

ادارہ تحقیقات سلفیہ ۔ گوجرانوالہ

0300-7453436

مکالمات نورپوری

از قلم

فضیلۃ الشیخ حافظ عبدالمنان نورپوری
حافظ عبدالسلام بھٹوی

ناشر
ادارہ تحقیقات سلفیہ۔ گوجرانوالہ

نام کتاب...مکالمات نور پوری

ازقلم.....................حافظ عبدالمنان نور پوری وحافظ عبدالسلام بھٹوی

ناشر

ادارہ تحقیقات سلفیہ گوجرانوالہ

0300-7453436

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

ابتدائیہ

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے مجھے یہ علمی مواد یکجا جمع کر کے طبع کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔

یہ مکالمات دراصل حافظ عبدالمنان نور پوری حفظہ اللہ تعالیٰ کے ان مناظرات کا مجموعہ ہے جو وقتاً فوقتاً مختلف عنوانات پر بذریعہ خط و کتابت ہوئے۔ ان مکالمات کے اسباب' پس منظر اور حالات و واقعات ہر مناظرے کے شروع میں لکھ دیئے گئے ہیں۔

آخر میں تین مناظرے حافظ عبدالسلام بھٹوی حفظہ اللہ کے بھی شامل کر دیئے گئے ہیں:

❶ ایک دین اور چار مذہب

❷ ایک دین اور چار مذہب کا جواب قاضی حمیداللہ حنفی صاحب دیوبندی نے اظہار المرام کے نام سے دیا۔ اس کا جواب بھٹوی صاحب نے کشف الظلام کے نام سے دیا'

❸ سورۃ فاتحہ اور احناف۔

اس کتاب کے فوائد

❶ اگر کوئی صاحب ان مکالمات کو قلب سلیم کے ساتھ پڑھے گا ان شاء اللہ اس کے لیے صراطِ مستقیم ضرور واضح ہوگی۔

❷ رفع الیدین' تراویح' تقلید' ردمرزائیت' فاتحہ' سینے پر ہاتھ باندھنا وغیرہ عنوانات پر علمی ذخیرہ منطقی نکات' حریف کا ناطقہ بند کر دینے کا طریقہ' نایاب حوالہ جات پر کافی مواد فراہم ہوگا۔ ان شاء اللہ

❸ صحیح بحث ومناظرہ کا بہترین طریقہ حاصل ہوگا۔

❹ مناظرہ کے اصول کو جاننے کے ساتھ ساتھ اصول مناظرہ پر اجراء بھی ہو جائے گا۔

❺ صحیح احادیث کا دفاع' بہترین صبر وتحمل کے ساتھ اپنی ایک ہی بات پر قائم رہنا' حریف کو مجبور کر کے اصل بات پر لانا۔ غیر ثابت روایات کو صحیح قرار دینے کی کوشش کا قلع قمع' اور غیر متعلق باتوں سے اچھے طریقے کے ساتھ عہدہ برآء ہونا۔ ان ساری باتوں کا بخوبی علم حاصل ہوگا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حافظ عبدالمنان نور پوری صاحب کو بہت ساری علمی خوبیوں سے نوازہ ہے۔

والسلام

محمد طیب محمدی

مدرس جامعہ شمس الہدیٰ ڈسکہ

آئینہ کتاب

کیا مرزا غلام احمد قادیانی نبی ہے؟

تحریری مناظرہ

ما بین

حافظ عبدالمنان نور پوری حفظہ اللہ
مدرس جامعہ محمدیہ جی ٹی روڈ گوجرانوالہ

اور

گوجرانوالہ کے مرزائی مربی محمد اعظم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سخن گفتنی

خاکسار محکمہ صحت گوجرانوالہ میں ملازم ہے۔ ہمارے دفتر میں ایک قادیانی حمید عالم اکثر و بیشتر مرزائیت کی تبلیغ کرتا رہتا تھا۔ ایک دِن میں نے اسے کھل کر بات چیت کرنے کو کہا۔ اس نے اپنی جماعت سے مشورہ کے بعد کہا کہ آپ ہمارے ہاں محلّہ امیر پارک میں آئیں اور گفتگو کی شرائط طے کر لیں۔ چنانچہ ہم اپنے چند ساتھیوں کے ہمراہ حافظ عبدالمنان صاحب کو لے کر قادیانیوں کے پاس محلّہ امیر پارک میں پہنچ گئے۔ وہاں جا کر معلوم ہوا کہ قادیانیوں نے باقاعدہ اپنے مربی کو مناظرہ کے لیے بلا رکھا ہے۔ میں اپنے ساتھیوں کی طرف سے امیر مقرر تھا۔ سب سے پہلے میں نے موضوع متعین کرتے ہوئے کہا کہ ہمارا اور آپ کا بنیادی اختلاف یہ ہے کہ آپ کا دعویٰ ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی نبی ہے جبکہ ہم اسے نبی نہیں مانتے۔ باقی سب اختلاف اس کے تابع ہیں۔ اگر وہ نبی ثابت ہو جائے تو پھر وہ جو کچھ کہے درست ہے اور اگر نبی ہی ثابت نہ ہو سکے تو پھر دوسری باتوں پر بحث بیکار ہے۔ چنانچہ آپ کے ذمہ ہوگا کہ صرف قرآن وحدیث کے دلائل سے مرزا قادیانی کی نبوت ثابت کریں۔

مرزائی حمید عالم نے اگرچہ ہمیں صرف شرائط طے کرنے کے لیے بلایا تھا مگر اس کے بلائے ہوئے مربی نے باقاعدہ اس موضوع پر مناظرے کا آغاز کر دیا تو میں نے اپنے ساتھی حافظ عبدالمنان صاحب سے عرض کیا کہ اب آپ گفتگو کریں۔ حافظ

صاحب نے تقریباً تین گھنٹے تک مرزائی مناظر سے اسی موضوع پر گفتگو کی۔ مگر مرزائی مناظر اپنے دعویٰ ''مرزا غلام احمد قادیانی نبی ہے'' کو ثابت نہ کر سکا۔ مجبور ہو کر کہنے لگا کہ میں آئندہ اس دعویٰ کو ثابت کروں گا۔ یہ بات میرے ذمے ہے۔ حافظ صاحب نے کہا کہ آپ اپنا دعویٰ لکھ دیں۔ آئندہ گفتگو تحریری ہوگی تاکہ ریکارڈ رہے۔ چنانچہ مرزائی مناظر محمد اعظم مربی گوجرانوالہ نے یہ دعویٰ لکھ کر دیا:

''حضرت مرزا غلام احمد قادیانی.......... اُمتی نبی ہیں''۔ اس دعویٰ کے دلائل قرآن کریم اور احادیث سے پیش کرنا مجھ پر لازم ہے''۔

(مربی سلسلہ احمدیہ گوجرانوالہ)

اس کا یہ لکھنا کہ ''اس دعویٰ کے دلائل ...... پیش کرنا مجھ پر لازم ہے''۔ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ زبانی گفتگو میں اپنا مؤقف ثابت نہ کر سکا۔ اس کے بعد تحریری گفتگو ہوئی جس میں دعویٰ سمیت دونوں طرف سے کل تین تین تحریریں ہوئیں۔ حافظ عبدالمنان صاحب کی تیسری تحریر کے بعد میں نے بھی عالم قادیانی سے بار بار مطالبہ کیا کہ آپ اس کا جواب لا دیں لیکن آج تک ایک سال گزرنے کے باوجود وہ اپنی تمام تر جدوجہد کے باوجود جواب نہیں لا سکا۔

چونکہ اس گفتگو میں مرزائیوں کے مغالطات اور ان کا بہترین خاموش کن جواب موجود ہے اس لیے اسے افادۂ عوام کے لیے شائع کیا جا رہا ہے۔

منور اختر

۲۲ رجب ۱۴۰۶ھ



مرزائی مربی کی پہلی تحریر......................

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دعویٰ

''حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ الصلوٰۃ والسلام اُمتی نبی ہیں''۔ اس دعویٰ کے دلائل قرآن کریم اور احادیث سے پیش کرنا مجھ پر لازم ہے۔

دستخط مدعی: محمد اعظم

۲۴/۱/۸۳ مربی سلسلہ احمدیہ گوجرانوالہ

حافظ عبدالمنان صاحب کی پہلی تحریر......................

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بخدمت جناب محمد اعظم صاحب:

اَلسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی

ایک ماہ سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہے کہ آپ نے ۲۴/۱/۸۳ مندرجہ ذیل تحریر دی تھی ''حضرت مرزا غلام احمد قادیانی ...... امتی نبی ہیں۔ اس دعویٰ کے دلائل قرآن کریم اور احادیث سے پیش کرنا مجھ پر لازم ہے''۔ مگر تا حال آپ نے اپنے مندرجہ بالا دعویٰ کی کوئی دلیل پیش نہیں کی۔ لہٰذا اس طرف توجہ فرمائیں اور اپنے مذکورہ بالا دعویٰ کی دلیل قرآن مجید اور احادیث ثابتہ سے پیش فرمائیں۔

۱۷؍جمادی الاولیٰ ۱۴۰۳ھ ابن عبدالحق بقلمہ

۳؍مارچ ۱۹۸۳ء سرفراز کالونی جی ٹی روڈ گوجرانوالہ



مرزائی مربی کی دوسری تحریر.........

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ. بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ.
نَحْمَدُهٗ وَ نُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ.

سیدنا حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ الصلوٰۃ والسلام (اپنے محبوب ومطاع سرور انبیاء حضرت محمد مجتبیٰ ﷺ کے ظل و بروز ہوکر مسیح موعود وامام مہدی ہیں جن) کا مقام امتی نبی کا مقام ہے۔ اس حقیقت تک رسائی کے دو اہم مرحلے ہیں:

(ا) قرآن کریم اور احادیث نبویہ ﷺ کی رُو سے امتی نبی کا امکان ہو۔

(ب) حضرت مرزا صاحب کو منجانب اللہ یہ مقام ملنے کا دعویٰ ہو۔

بعض لوگ امکان اور دعویٰ کے ساتھ صداقت کے ثبوت طلب کیا کرتے ہیں جیسا کہ خدا کے تمام فرستادوں کے وقت ہوتا رہا ہے۔

(ا) سورۃ فاتحہ ایک مسلمان ہر نماز میں بار بار پڑھتا اور دعا کرتا ہے:

﴿ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ﴾

انعام یافتہ لوگوں کے راستہ پر چلنے کا نتیجہ انہی انعامات تک رسائی ہے ورنہ وہ چلنا لاحاصل و بیکار ہے۔ قرآن کریم کا ایک حصہ دوسرے کی تفسیر کرتا ہے۔

سورۃ النساء آیت نمبر ۷۰ ہے:

﴿ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ﴾

اللہ اور الرسول یعنی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی کامل اطاعت وہ راستہ ہے جس پر چلنے والے منزل پا لینے پر چار گروہوں میں نظر آتے ہیں: النبیین، صدیقین، شہداء، صالحین.....اس آیت میں چاروں گروہوں کے ساتھ معیت کا تذکرہ ہے لیکن ایک بات واضح ہے کہ چاروں انعامات تک رسائی یکساں ممکن یا ناممکن ہے کیونکہ بیان

یکساں ہے۔ یہاں معیت زمانی اور معیت مکانی ممکن نہیں اس لیے معیت رُتبی ہی مقصود ہے جیسا کہ التفسیر الکبیر المسمیٰ بالبحر المحیط کی جلد ۳ صفحہ ۲۸۷ پر امام راغبؒ کے حوالے سے لکھا ہے:

مِمَّنْ اَنْعَمَ عَلَيْهِمْ مِنَ الْفِرَقِ الْاَرْبَعِ فِي الْمَنْزِلَةِ وَالثَّوَابِ اَلنَّبِيُّ بِالنَّبِيِّ وَالصِّدِّيْقُ بِالصِّدِّيْقِ وَالشَّهِيْدُ بِالشَّهِيْدِ وَالصَّالِحُ بِالصَّالِحِ.

گویا امت میں صالحیت' شہادت' صدیقیت کی طرح نبوت کا بھی امکان ہے۔

حدیث شریف سے امتی نبی کا امکان صحیح مسلم کی الجزء الثامن مطبوعہ ۱۳۳۴ کے صفحہ ۱۹۷ پر نواس بن سمعانؓ کی بیان کردہ طویل حدیث نبویؐ میں امت محمدیہ میں آنے والے کا ذکر کر کے اس کی طرف وحی آنے کا تذکرہ ہے نیز اسے چار دفعہ نبی اللہ کہہ کر پکارا گیا ہے۔ اس حدیث کے پیش نظر امت محمدیہ کا ہمیشہ یہ اعتقاد رہا ہے کہ آنے والا امت میں سے ہوگا نیز نبی ہوگا۔ دوسرے لفظوں میں آنے والے کے امتی نبی ہونے کا ہمیشہ اظہار ہوتا رہا۔

صحاح ستہ میں سے ابن ماجہ کی کتاب الجنائز میں حدیث نبویؐ ہے کہ اپنے صاحبزادہ ابراہیم علیہ السلام کی وفات پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

وَلَوْعَاشَ لَكَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا.

آیت خاتم النبیین کے نزول کے بعد حضورؐ کے اس ارشاد سے امتی نبوت کا امکان واضح ہے ورنہ فرماتے کہ اگر زندہ بھی رہتا تو نبی نہ ہوتا!......اسی طرح حضرت علامہ سیوطیؒ کی الخصائص الکبریٰ جلد اوّل (اُردو ص ۳۵۔۳۱) اور نشر الطیب فی ذکر النبیؐ الحبیب مطبوعہ تاج کمپنی کے صفحہ ۲۶۲۔۲۶۱ پر ایک طویل حدیث درج ہے جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خدا کے حضور امت احمدؐ کا نبی بنائے جانے کی التجا کی جس پر جواب ملا نَبِيُّهَا مِنْهَا کہ اس امت کا نبی اسی میں سے ہوگا۔

الحاصل: قرآن کریم اور احادیث نبویہ کی رُو سے امتی نبی کا امکان واضح ہے۔

(ب) حضرت مرزا صاحب علیہ السلام کا دعویٰ منجانب اللہ:

۱۔ ''مجھے خدا کی پاک اور مطہر وحی سے اطلاع دی گئی ہے کہ میں اس کی طرف سے مسیح موعود اور مہدی معہود اور اندرونی و بیرونی اختلافات کا حکم ہوں۔ یہ جو میرا نام مسیح اور مہدی رکھا گیا ہے ان دونوں ناموں سے رسول اللہ ﷺ نے مجھے مشرف فرمایا اور پھر خدا نے اپنے بلاواسطہ مکالمہ سے یہی میرا نام رکھا اور پھر زمانے کی حالتِ موجودہ نے تقاضا کیا کہ یہی میرا نام ہو''۔ (اربعین حصہ اوّل ص ۳)

۲۔ ''مجھے اس خدا کی قسم ہے جس نے مجھے بھیجا ہے اور جس پر افتراء کرنا لعنتیوں کا کام ہے کہ اس نے مسیح موعود بنا کر مجھے بھیجا ہے اور میں جیسا کہ قرآن شریف کی آیات پر ایمان رکھتا ہوں ایسا ہی بغیر فرق ایک ذرہ کے خدا کی اس کھلی کھلی وحی پر ایمان لاتا ہوں جو مجھے ہوئی جس کی سچائی اس کے متواتر نشانوں سے مجھ پر کھل گئی ہے اور میں بیت اللہ میں کھڑے ہو کر یہ قسم کھا سکتا ہوں کہ وہ پاک وحی جو میرے پر نازل ہوتی ہے وہ اسی خدا کا کلام ہے جس نے حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر اپنا کلام نازل کیا تھا۔ میرے لیے زمین نے بھی گواہی دی اور آسمان نے بھی۔ اس طرح پر میرے لیے آسمان بھی بولا اور زمین بھی کہ میں خلیفۃ اللہ ہوں۔ مگر پیشگوئیوں کے مطابق ضروری تھا کہ انکار بھی کیا جاتا اس لیے جن کے دلوں پر پردے ہیں وہ قبول نہیں کرتے۔ میں جانتا ہوں کہ خدا میری تائید کرے گا جیسا کہ وہ ہمیشہ اپنے رسولوں کی تائید کرتا رہا ہے کوئی نہیں جو میرے مقابل پر ٹھہر سکے کیونکہ خدا کی تائید ان کے ساتھ نہیں۔ اور جس جس جگہ میں نے نبوت یا رسالت سے انکار کیا ہے صرف ان معنوں سے کیا ہے کہ میں مستقل طور پر نبی ہوں مگر ان معنوں سے کہ میں نے اپنے رسولِ مقتدا سے باطنی فیوض حاصل کر کے اور اپنے لیے اس کا نام پا کر اس کے واسطہ سے خدا کی طرف سے علم غیب پایا ہے' رسول اور نبی ہوں

مگر بغیر کسی جدید شریعت کے۔ اس طور کا نبی کہلانے سے میں نے کبھی انکار نہیں کیا بلکہ انہی معنوں سے خدا نے مجھے نبی اور رسول کہہ کے پکارا ہے''۔

(ایک غلطی کا ازالہ ص ۷۔۶)

۳۔ ''یہ شرف مجھے محض آنحضرت ﷺ کی پیروی سے حاصل ہوا ہے۔ اگر میں آنحضرت ﷺ کی امت نہ ہوتا اور آپ کی پیروی نہ کرتا تو اگر دنیا کے تمام پہاڑوں کے برابر میرے اعمال ہوتے تو پھر بھی میں کبھی یہ شرفِ مکالمہ ومخاطبہ نہ پاتا کیونکہ اب بجز محمدی نبوت کے سب نبوتیں بند ہیں۔ شریعت والا نبی کوئی نہیں آ سکتا اور بغیر شریعت کے نبی ہوسکتا ہے مگر وہی جو پہلے امتی ہو پس اسی بنا پر میں امتی بھی ہوں اور نبی بھی اور میری نبوت یعنی مکالمہ و مخاطبہ الہیہ آنحضرت ﷺ کی نبوت کا ایک ظل ہے اور بجز اس کے میری نبوت کچھ بھی نہیں وہی نبوتِ محمدیہ ہے جو مجھ پر ظاہر ہوئی ہے اور چونکہ میں محض ظل ہوں اور اُمتی ہوں اس لیے آنجنابؐ کی اس سے کچھ کسر شان نہیں''۔ (تجلیات الٰہیہ ص ۲۴)

۴۔ خدا نے آپ کو فرمایا: ''جَعَلْنَاکَ الْمَسِیْحَ ابْنَ مَرْیَمَ'' کہ ہم نے تجھے المسیح ابن مریم بنا دیا ہے۔

نوٹ ① حضرت مرزا صاحب علیہ السلام کو امتی نبوت کا مقام ملنا' آنحضرت ﷺ کی ختم نبوت کا نتیجہ واثر ہے۔ کیونکہ:

''اللہ جل شانہ نے آنحضرت ﷺ کو صاحبِ خاتم بنایا یعنی آپ کو افاضہ کمال کے لیے مہر دی جو کسی اور نبی کو ہرگز نہیں دی گئی اسی وجہ سے آپؐ کا نام خاتم النبیین ٹھہرا یعنی آپ کی پیروی کمالاتِ نبوت بخشتی ہے اور آپؐ کی توجہ روحانی نبی تراش ہے اور یہ قوتِ قدسیہ کسی اور نبی کو نہیں ملی''۔

(حقیقۃ الوحی ص ۹۷)

② آنحضرت ﷺ کے ارشاد لَوْعَاشَ لَکَانَ صِدِّیْقًا نَبِیًّا۔ سے امتی نبوت کے جواز پر حضرت ملا علی القاری رحمۃ اللہ علیہ کا تشریحی نوٹ خوب روشنی ڈالتا ہے:

فَلَا یُنَاقِضُ قَوْلَہٗ تَعَالٰی خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ اِذَا لْمَعْنٰی اَنَّہٗ لَایَاْتِیْ بَعْدَہٗ نَبِیٌّ یَنْسَخُ مِلَّتَہٗ وَلَمْ یَکُنْ مِنْ اُمَّتِہٖ۔

گویا ایسے نبی کا امکان ہے جو آنحضرت ﷺ کی شریعت کو منسوخ نہ کرے اور آپ کی امت میں سے ہو۔ (موضوعات کبیر ص ۵۹)

صداقت کے ثبوت

ایک مسلمان کے لیے اطمینان کا طریق یہ ہے کہ وہ قرآن کریم اور آنحضرت ﷺ کے اسوۂ مبارک سے صداقت کے معیار معلوم کر کے ان پر حضرت مرزا صاحب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صداقت پرکھے۔ اوّل تو بہترین ذریعہ ہے کہ مومن تنہائی میں قادرِ مطلق خدا کے حضور دُعا کرے اور اس سے التجاء کرے اگر مرزا صاحبؑ تیری طرف سے ہیں اور سچے ہیں تو کسی نہ کسی طرح مجھ پر آشکار کر دے مسنون دعاءِ استخارہ اور اپنی زبان میں گریہ وزاری صداقت معلوم کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ ہزاروں ہیں جو اس طریق کو اختیار کر کے دنیوی و اخروی فلاں و اطمینان پا گئے۔

دوسرے مختلف معیار اخذ کر کے دیکھنا ضروری ہے مثلاً چند معیار حسبِ ذیل ہیں:

① فَقَدْ لَبِثْتُ فِیْکُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِہٖ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ۔ سے معلوم ہوتا ہے کہ دعویٰ سے پہلے کی پاکیزہ زندگی صداقت کا ثبوت ہوتی ہے جیسا کہ خود آنحضرت ﷺ نے لوگوں کو جمع کر کے اس معیار کو پیش فرمایا حضرت مرزا صاحبؑ کا اس بارہ میں چیلنج ضرورت الامام میں درج ہے اور اپنے پرائے سبھی اس زندگی کو دلکش قرار دیتے ہیں جیسا کہ مولانا محمد حسین بٹالوی اور مولانا ثناء اللہ امرتسری اشاعۃ السنۃ اور تاریخ مرزا میں اقرار کر چکے ہیں۔

② لَوْتَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَ قَاوِيْلِ. الخ کی رُو سے جھوٹے مدعی کو مفتری علی اللہ کو خدا خود ہلاک کرتا ہے۔ اس معیار کے مطابق جس طرح آنحضرت ﷺ کی سچائی روشن ہے اسی طرح آپ کے بروز کی صداقت عیاں ہے۔

③ جھوٹا موت کی تمنا نہیں کرتا جیسا کہ قرآن کریم کی کئی آیات سے واضح ہے۔ حضرت مرزا صاحب علیہ السلام نے بارہا خدا کے حضور مناجات کی ہے کہ اگر تیری نظر میں میں جھوٹا اور مفتری ہوں تو مجھے ہلاک و برباد کر دے۔ اس کے باوجود آپ کا پھلنا پھولنا آپ کی صداقت پر دلیل ہے۔

④ لَایُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ. کے مطابق کثرت سے غیب پر اطلاع صرف خدا اپنے رسولوں کو دیتا ہے حضرت مرزا صاحبؑ پر خدا نے بے شمار غیب کی باتیں آشکار کیں جو ہر دور میں پوری ہو رہی ہیں۔ آج بھی ہو رہی ہیں۔ اور یہ آپ کی صداقت کا زبردست ثبوت ہے۔

مسک الختام ✵ حضرت مرزا صاحب علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

”یہ سلسلہ آسمان سے قائم ہوا ہے۔ تم خدا سے مت لڑو۔ تم اس کو نابود نہیں کر سکتے اس کا ہمیشہ بول بالا ہے۔ اپنے نفسوں پر ظلم مت کرو اور اس سلسلہ کو بے قدری سے نہ دیکھو جو خدا کی طرف سے تمہاری اصلاح کے لیے پیدا ہوا اور یقیناً سمجھو کہ اگر یہ کاروبار انسان کا ہوتا اور کوئی پوشیدہ ہاتھ اس کے ساتھ نہ ہوتا تو یہ سلسلہ کب کا تباہ ہو جاتا اور ایسا مفتری جلد ہلاک ہو جاتا کہ اب اس کی ہڈیوں کا بھی پتہ نہ چلتا۔ اپنی مخالفت کے کاروبار میں نظر ثانی کرو۔ کم از کم یہ تو سوچو کہ شاید غلطی ہوگئی ہو اور شاید یہ لڑائی تمہاری خدا سے ہو“۔ (اربعین نمبر ۴۔ ص ۲۷)

وَ اٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ.

محمد اعظم مربی انچارج ضلع گوجرانوالہ

۲۷/۴/۱۹۸۳

حافظ عبدالمنان صاحب کی دوسری تحریر......

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بخدمت جناب محمد اعظم صاحب!

والسلام علی من اتبع الھدی

امابعد! آپ کو معلوم ہے کہ آپ نے ۲۴ رجنوری ۱۹۸۳ء کو ہم سے زبانی بات چیت کے بعد اپنے ہاتھ سے اپنا دعویٰ ان الفاظ میں لکھا تھا ''حضرت مرزا غلام احمد قادیانی امتی نبی ہیں'' پھر آپ نے اپنی اس مندرجہ بالا دعویٰ والی تحریر میں یہ بھی لکھا ''اس دعویٰ کے دلائل قرآن کریم اور احادیث سے پیش کرنا مجھ پر لازم ہے'' جس سے پتہ چل رہا ہے کہ آپ اس تحریر سے قبل زبانی بات چیت میں مرزا صاحب کے امتی نبی ہونے کی کتاب و سنت سے کوئی دلیل پیش نہ کر سکے تھے ورنہ آپ یوں نہ لکھتے کہ ''اس دعویٰ کے دلائل قرآن کریم اور احادیث سے'' الخ اور جو تحریر آپ نے اب کہ بھیجی ہے اس میں بھی آپ نے اپنے مندرجہ بالا دعویٰ ''حضرت مرزا غلام احمد قادیانی امتی نبی ہیں'' کو ثابت کرنے والی کوئی دلیل پیش نہیں کی نہ تو قرآن پاک سے اور نہ ہی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی سنت و حدیث سے اس لیے جناب سے پرزور التماس ہے کہ آپ اِدھر اُدھر کی باتیں بنانے کی بجائے قرآن کریم کی کوئی آیت یا آخری نبی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی کوئی صحیح حدیث پیش فرمائیں جس سے آپ کا دعویٰ ''حضرت مرزا غلام احمد قادیانی نبی ہیں'' ثابت بھی ہوتا ہو؟۔

امکان و عدم امکان نبوّت والا مسئلہ

آپ نے اپنی اس تحریر میں امکان و عدم امکان نبوت کے مسئلہ پر بحث کی ہے جو فی الواقع غیر مفید ہونے کے ساتھ ساتھ ہماری اس بات چیت میں بھی ذرہ برابر فائدے کی حامل نہیں اولاً تو اس لیے کہ ہماری اس بات چیت کا موضوع ہے آپ کا دعویٰ ''حضرت مرزا غلام احمد قادیانی امتی نبی ہیں'' نہ کہ امکان نبوت اور ثانیاً اس لیے کہ اگر آپ بالفرض امکان و عدم امکان نبوت والے مسئلہ کو اپنی خواہش کے مطابق

ہی حل کر لیتے ہیں تو بھی اس سے آپ کا مدعا ''حضرت مرزا غلام احمد قادیانی امتی نبی ہیں'' تو ہرگز ثابت نہیں ہوگا لہٰذا آپ اپنے دعویٰ ''حضرت مرزا غلام احمد قادیانی امتی نبی ہیں'' کی قرآن کریم اور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی سنت و حدیث سے کوئی ایک ہی دلیل پیش فرما دیں اور امکان و عدم امکان نبوت والی بحث کو چھوڑیں نیز صداقت و عدم صداقت مرزا صاحب والی بحث میں پڑنے کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ جب آپ اپنا مندرجہ بالا دعویٰ ''حضرت مرزا غلام احمد قادیانی امتی نبی ہیں'' قرآن کریم اور آخری نبی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی سنت اور حدیث سے ثابت فرمالیں گے تو اس قسم کی ابحاث خود بخود حل ہو جائیں گی۔

اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ

صحیح مسلم میں موجود حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ والی حدیث میں ایک نبی اللہ کی آمد کا تذکرہ تو ضرور ہے مگر وہ نبی مرزا غلام احمد قادیانی نہیں اور نہ ہی مرزا صاحب کوئی اور نبی ہیں کیونکہ اسی حدیث میں اس نبی اللہ کا لقب اس کا نام اور اس کی والدہ ماجدہ کا نام بھی تو مذکور ہے نا چنانچہ اسی حدیث نواس بن سمعان میں رسول اللہ ﷺ مسیح دجال کا حلیہ اور اس کے چند کرتب بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں ''فَبَيْنَمَا هُوَ كَذَالِكَ اِذْ بَعَثَ اللّٰهُ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ'' اس کے بعد آپ ﷺ فرماتے ہیں: ''ثُمَّ يَأْتِيْ عِيْسٰى قَوْمٌ'' بیان کو جاری رکھتے ہوئے آپؐ مزید فرماتے ہیں: ''اِذْ اَوْحَى اللّٰهُ اِلٰى عِيْسٰى'' اور اس کے بعد اسی حدیث میں نبی کریم ﷺ نے متعدد مقامات پر چار مرتبہ ''نَبِيُّ اللّٰهِ عِيْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ'' کے الفاظ بولے ہیں اور معلوم ہے کہ حضرت مرزا صاحب کا نام غلام احمد ہے عیسیٰ نہیں اور حدیث نواس بن سمعانؓ میں مذکور نبی اللہ کا نام عیسیٰ ہے علیہ الصلاہ والسلام غلام احمد نہیں نیز آپ کو اعتراف ہے کہ مرزا صاحب کی والدہ کا نام مریم نہیں چنانچہ آپ نے ۲۴ رجنوری کی زبانی بات چیت میں اہالیان مجلس کے روبرو بھی اس بات کا اقرار فرمایا تھا اور حدیث نواس بن

سمعانؓ میں آنے والے نبی اللہ کی والدہ کا نام مریم بتایا گیا ہے تو آنے والے نبی اللہ کی والدہ کا نام مریم ہے چراغ بی بی نہیں اور مرزا صاحب کی والدہ کا نام چراغ بی بی ہے مریم نہیں لہٰذا حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ والی حدیث میں جس نبی اللہ کی پیش گوئی ہے وہ نبی اللہ عیسیٰ بن مریم ہیں علیہ الصلاۃ والسلام اور مرزا غلام احمد قادیانی بن چراغ بی بی عیسیٰ بن مریم نہیں اس لیے مرزا صاحب نبی اللہ بھی نہیں۔

آپ اس مقام پر اپنی عبارت پر ذرا نظر ثانی فرمائیں کہ آپ نے اس حدیث نواس بن سمعانؓ میں چار دفعہ نبی اللہ والے لفظ کو تو پکڑ لیا اور اسی حدیث میں موجود ایک بار لفظ ''المسیح بن مریم'' کو دو دفعہ لفظ ''عیسی'' کو اور چار مرتبہ لفظ ''نبی اللّٰہ عیسی علیہ السلام'' سے عیسیٰ کو آپ نے اپنی تحریر میں جان بوجھ کر ذکر تک نہیں کیا ''جان بوجھ کر'' کا لفظ اس لیے لکھ رہا ہوں کہ آپ کی ہی تحریر سے پتہ چل رہا ہے کہ یہ طویل حدیث آپ کے علم میں ہے ہم تو اللہ تعالیٰ سے دعا ہی کریں گے کہ وہ آپ لوگوں کو ہدایت نصیب فرمائے کہ آپ اس قسم کے کاموں ہی سے باز آ جائیں۔

ثابت ہی نہیں ابن ماجہ کی روایت ''وَلَوْ عَاشَ لَكَانَ صَدِّيقًا نَبِيًّا'' کی سند میں ایک راوی ابراہیم بن عثمان نامی بھی ہے جس کے متعلق میزان الاعتدال میں لکھا ہے ''كَذَّبَهُ شُعْبَةُ'' الخ لہٰذا یہ روایت سرے سے ثابت ہی نہیں پہلے اسے ثابت فرمائیں پھر استدلال کریں۔

سند پیش کریں آپ کی تحریر میں پیش کردہ الخصائص الکبری للسیوطی کی روایت ''نَبِيُّهَا مِنْهَا'' کی سند درکار ہے لہٰذا اس روایت کی سند پیش کریں۔

مرزا صاحب کے اقوال نہ قرآن ہیں اور نہ ہی حدیث

آپ نے خود ہی لکھا ہے ''اس دعویٰ کے دلائل قرآن کریم اور احادیث سے پیش کرنا مجھ پر لازم ہے'' اور واضح ہے کہ مرزا صاحب کے اقوال ہمارے نزدیک نہ تو قرآن ہیں اور نہ ہی حدیث اس لیے آپ کا اپنی تحریر میں مرزا صاحب کے اقوال کو

نقل کرنا بے کار ہے نیز روایت لو عاش پر ملا علی قاری کا نوٹ نہ قرآن ہے اور نہ ہی حدیث اس لیے آپ پر ابھی تک لازم ہی ہے کہ آپ اپنے دعویٰ ''مرزا غلام احمد قادیانی اُمتی نبی ہیں'' کے دلائل قرآن کریم اور صحیح حدیث سے پیش فرمائیں۔

۲۳؍رجب ۱۴۰۳ھ ابن عبدالحق بقلمہ

سرفراز کالونی۔ جی ٹی روڈ گوجرانوالہ

مرزائی مربی کی تیسری تحریر

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم. بسم اللہ الرحمن الرحیم

پرچہ دوم..........حصہ اوّل..........بجواب ''معترض''..........ص ا

سیدنا حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ الصلوٰۃ والسلام بموجب حکم الٰہی وہ موعود وجود ہیں جسے ہمارے آقا و مولا سردار انبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے مسیح، مہدی اور عیسیٰ بن مریم وغیرہ ناموں کے ساتھ مختلف حکمتوں کی بناء پر امت کے سامنے بیان فرمایا اور اُمتیوں کو تاکید فرمائی کہ جب وہ آئے تو خواہ برف پر سے گھسٹ کر جانا پڑے اس کے پاس پہنچو، بیعت کرو اور اسے میرا سلام پہنچاؤ۔ سیدنا حضرت مرزا صاحب علیہ السلام نے بموجب حکم الٰہی اس مقام پر منجانب اللہ فائز ہونے کا دعویٰ فرمایا اور تفصیلاً بتایا کہ اس موعود کا مقام ''امتی نبی'' کا مقام ہے۔

تاریخ انبیاء و اقوام شاہد ہے کہ کسی بھی آنے والے کو اہل دنیا نے فوراً سر آنکھوں پر نہیں بٹھایا بلکہ ہمیشہ تمام گروہوں نے اس کی تکذیب و تکفیر کرتے ہوئے مخالفت و استہزاء کا طریق اپنایا۔ امت محمدیہؐ میں آنے والا موعود کسی ایک فرقہ، عالم، مولوی یا حافظ وغیرہ کی خواہشات و توقعات کے عین مطابق نہیں آ سکتا۔ اگر وہ کسی ایک فرقہ وغیرہ کے اعتقادات کے مطابق آتا ہے تو دیگر تمام فرقے فوراً تکذیب کر کے مختلف معیار اپنی خواہشات کی تکمیل میں پیش کریں گے۔ اسی لیے آنے والا موعود کسی ایک فرقہ یا شخص کے اعتقادات و نظریات کا پابند نہیں بلکہ حکم و عدل بیان کیا گیا۔

اہل فہم کے لیے میں نے 'حضرت صاحب علیہ السلام کے صدقِ دعویٰ تک

رسائی کے لیے دو مرحلے اعنی امکان اور بامر الٰہی اس مقام پر منجانب اللہ ہونے کا دعویٰ' اپنے پرچہ اوّل میں تحریر کیے تھے۔

امر اوّل کے متعلق دو آیاتِ قرآنی اور تین احادیثِ نبویہؐ پر مشتمل دلائل کے پیش نظر ''معترض'' نے جواب لکھا ہے:

① ''حدیث میں ایک نبی اللہ کی آمد کا تذکرہ تو ضرور ہے''۔

② ''حدیث میں...... نبی اللہ کی پیش گوئی ہے''۔

امر دوم اعنی بموجب حکم الٰہی اس امکانی مقام پر فائز ہونے کا دعویٰ میں نے حضورؑ کی حلفیہ تحریرات کی رُو سے پیش کیا نیز یہ وحی الٰہی کہ **جعلناک المسیح ابن مریم.** علاوہ ازیں قرآن کریم سے چار معیار بیان کیے جن سے آنحضرت ﷺ یا کسی اور مدعی کی صداقت ثابت ہوتی ہے۔''معترض'' ان دلائل کے سبب اپنی عاجزی کا اظہار یوں کرتے ہیں: (جس طرح امر اوّل کے متعلق اقرار کر چکے ہیں)

''امکان و عدم امکان والی بحث کو چھوڑیں نیز صداقت و عدم صداقت مرزا صاحب والی بحث میں پڑنے کی کوئی ضرورت نہیں''۔ (ص ۱)

یہ صورتِ احوال حضرت مرزا صاحب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے امتی نبی ہونے والے دعویٰ کی صداقت کا ازروئے قرآن کریم واحادیثِ نبویہ محکم ثبوت ہے۔

وما علینا الا البلاغ.



حصہ دوم



سیدنا حضرت مرزا صاحب علیہ السلام کی صداقتِ دعویٰ تو بموجب حصہ اوّل ثابت ہے۔ حصہ دوئم میں ''معترض'' کی زاید باتوں کے متعلق حقیقتِ حال بیان کرنا مقصود ہے۔ زاید اس لیے کہا ہے کہ بنیادی طور پر یہ باتیں دلائل کے رد میں نہیں۔

① مجھے افسوس ہے کہ معترض اپنے علم سے بڑھ کر کام کرنا چاہتے ہیں اپنے پرچہ کے آغاز میں فرماتے ہیں کہ چونکہ میں نے لکھا تھا کہ حضرت مرزا صاحب کی

صداقت پر قرآن وحدیث سے دلائل پیش کرنا مجھ پر لازم ہے لہٰذا ثابت ہوا کہ اس تحریر سے پہلے میں کوئی دلیل پیش نہ کر سکا۔ کسی نے علم منطق کی ابجد سیکھ لیں تو بہتر ہے۔

خدا خوفی سے سوچیں کہ میں نے تحریری پرچہ میں مذکور قرآن وحدیث والے دلائل مذکورہ تحریر سے پہلے زبانی گفتگو میں آپ کے سامنے نہیں بیان کیے تھے؟

② معترض لکھتے ہیں: ''امکان و عدم امکانِ نبوت کے مسئلہ پر بحث ...... فی الواقع غیر مفید ہونے کے ساتھ ساتھ ہماری اس بات چیت میں بھی ذرہ برابر فائدے کی حامل نہیں'' ۔

حضرت! آپ نے پھر بغیر سوچے سمجھے ایک بات کر دی۔ آپ کے اکابر پون صدی سے یہ علمی بحث کرتے آ رہے ہیں اور بایں وجہ احمدیوں کو ختم نبوت کا نعوذ باللہ منکر بتا رہے ہیں۔ کیا ان کا یہ طریق عمل بوجہ جہالت و لاعلمی تھا؟ اور اگر ان کا طریق عمل درست تھا تو آپ کا طرز گفتگو کیسا ہے؟

شاید آپ اس لیے اس موضوع سے کترا رہے ہیں کہ آپ ایک طرف ختم نبوت پر ایمان کے دعویدار ہیں اور دوسری طرف حضورؐ کے بعد امتی نبی کی بجائے ایک مستقل نبی کے منتظر ہیں؟

محترم! اگر ایک مقام کا امکان ہی نہ ہو اور آپ اس مقام کے مدعی پر بحث کرنے لگ جائیں تو ایسی حالت میں دنیا آپ کو کیا کہے گی؟ یہ تو آپ کو علم ہو گا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو رَسُوْلًا اِلٰی بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ ہیں وہ امتِ محمدیہؐ میں نہیں آ سکتے۔ اگر علم نہ ہو تو بے شک دریافت کریں ہم آپ کی پوری مدد کریں گے۔ ان شاء اللہ' مختصر یہ کہ جو فوت ہو جائے وہ نہیں آیا کرتا۔

③ ایک اور عجیب مخمصہ کا آپ شکار ہیں۔ آپ جن بزرگوں کو اپنے بزرگ مانتے ہیں ان کی محنت شاقہ اور مسلسل دعاؤں سے جمع کی ہوئی احادیث کی سندیں ہم

سے طلب کر رہے ہیں' ایک طرف آپ صحاحِ ستہ کہتے ہیں دوسری طرف معترض ہو رہے ہیں۔ یہ کیا چکر ہے۔ آپ خود ہی غور کریں ۔

ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی

④ حدیثِ نبویؐ ولو عاش لکان صدیقا نبیا کو آپ ٹھکرا رہے ہیں کہ سند میں ایک راوی ابراہیم بن عثمان معتبر نہیں۔ حالانکہ آپ کو علم ہونا چاہیے کہ صحاح ستہ میں آنے کے سبب آپ اسے قبول کرنے کے پابند ہیں اس لیے حدیثِ پاک کو رد کرنے میں دلیری نہ کریں! نیز غور فرمائیں:

یہ حدیث آپ اس لیے تو رد نہیں کر رہے کہ آپ کے عقائد سے ٹکراتی ہے!

غالباً ایسا ہی ہے۔

اصل حقائق ۱۔ معترض سے زیادہ علم وفہم رکھنے والے بزرگ حضرت ملا علی القاریؒ نے اس اعتراض کو بیان کر کے فرمایا:

فِیْ مُسْنَدِہٖ[1] اَبُوْشَیْبَۃَ[2] اِبْرَاھِیْمُ بْنُ عُثْمَانَ الْوَاسِطِیُّ وَھُوَ ضَعِیْفٌ لٰکِنْ لَہٗ طُرُقٌ ثَلَاثَۃٌ یَقْوٰی بَعْضُھَا بِبَعْضٍ.

کہ حدیث کی سند میں ابراہیم بن عثمان ضعیف راوی ہیں لیکن یہ حدیث تو تین طریقوں سے بیان ہوئی ہے چنانچہ اس طرح یہ حدیث قوت پا رہی ہے۔

۲۔ رائے مختلف ہو سکتی ہے۔ ایک آدمی کسی وجہ سے ایک کو غیر معتبر سمجھتا ہے اور دوسرا معتبر۔ مومنانہ حسن ظنی سے کام لیا جائے تو مسئلہ آسان ہو سکتا ہے اسی راوی ابوشیبہ ابراہیم بن عثمان کو بعض محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے لیکن بعض نے ثقہ بھی قرار دیا ہے چنانچہ تہذیب التہذیب اور اکمال الاکمال میں لکھا ہے:

قَالَ یَزِیْدُ بْنُ ھَارُوْنَ مَاقَضٰی رَجُلٌ اَعْدَلَ فِی الْقَضَاءِ مِنْہُ وَقَالَ ابْنُ

---

[1]، [2] یہ دونوں لفظ آپ کی تحریر میں اسی طرح ہیں۔

عَدِيٍّ لَهُ اَحَادِيْثُ صَالِحَةٌ وَهُوَ خَيْرٌ مِّنْ اَبِیْ حَيَّةَ.

(تہذیب جلد اوّل ص ۱۲۵ و اکمال ص ۲۰)

یعنی ابن ہارون نے کہا ہے کہ ابراہیم بن عثمان سے بڑھ کر کسی نے قضاء میں عدل نہیں کیا اور ابن عدی کہتے ہیں کہ اس کی احادیث اچھی ہیں اور وہ ابی حیہ سے بہتر راوی ہے۔ ابو حیہ کے متعلق لکھا ہے: وَثَّقَهُ دَارَ قُطْنِیُّ وَقَالَ النَّسَائِیُّ ثِقَةٌ. (تہذیب التہذیب جلد اوّل ص ۱۱۳) یعنی حضرت امام نسائی نے ابو حیہ کو ثقہ قرار دیا ہے۔ اسی طرح بیضاوی کے حاشیہ ''الشہاب علی البیضاوی'' میں بھی اس حدیث کے متعلق لکھا ہے: اَمَّا صِحَّةُ الْحَدِيْثِ فَلَا شُبْهَةَ فِيْهَا. کہ اس حدیث کے صحیح ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔

علامہ شوکانی اس حدیث کے متعلق مذکور اعتراض کو یوں رد فرماتے ہیں:

وَهُوَ عَجِيْبٌ مِّنَ النَّوَوِیِّ مَعَ وُرُوْدِهٖ عَنْ ثَلَاثَةٍ مِّنَ الصَّحَابَةِ وَكَاَنَّهٗ لَمْ يَظْهَرْ لَهٗ تَاْوِيْلُهٗ. (الفوائد المجموعہ ص ۱۴۱)

یعنی نووی کا اس حدیث سے انکار عجیب ہے باوجودیکہ اس حدیث کو تین صحابہؓ نے روایت کیا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نوویؒ پر اس کے صحیح معنی نہیں کھلے۔

علامہ شوکانی کی بات بالکل درست معلوم ہوتی ہے کیونکہ انسانی فطرت ہے کہ جو بات اسے اپنے نظریات کے خلاف معلوم ہو وہ اس کا انکار کر دیتا ہے اور پھر انکار کے جواز کے لیے بہانے تلاش کرتا ہے۔ ورنہ جن خدا رسیدہ بزرگوں نے غور کیا انھوں نے اسے نہ صرف قبول کیا بلکہ پورا مضمون واضح کر دیا۔ مثلاً امام علی القاریؒ فرماتے ہیں کہ بے شک ابراہیم زندہ رہتے تو نبی ہو جاتے مگر امتی نبی جس کا آنا خاتم النبیین والی آیت کے خلاف نہیں:

فَلَا يُنَاقِضُ قَوْلَهٗ تَعَالٰی خَاتَمَ النَّبِيِّيْنَ اِذَا لْمَعْنٰی اَنَّهٗ لَا يَاْتِیْ نَبِیٌّ بَعْدَهٗ يَنْسَخُ مِلَّتَهٗ وَ لَمْ يَكُنْ مِنْ اُمَّتِهٖ.

کہ حضرت خاتم النبیینؐ کے بعد صرف ایسا نبی آ سکتا ہے جو آپ کی شریعت کو منسوخ نہ کرے اور آپ کا امتی ہو۔

الحاصل حدیث لو عاش لکان صدیقا نبیا. سچی اور ہر طرح سے قبول کے لائق ہے اس لیے آئندہ معترض کو چاہیے کہ حسن ظن اور حسن نیت سے کام لے کر قبول کی طرف بڑھنے کی کوشش کریں انکار کے لیے کوشاں ہونا چنداں مفید نہیں۔ باقی آپ کی مرضی ہے ع

صبو اپنا اپنا ہے جام اپنا اپنا کیے جاؤ مے خوارو کام اپنا اپنا

و آخر دعوانا ان الحمدللہ رب العلمین.

۱۹۸۳-۵-۱۴/ المبلغ: محمد اعظم مربی سلسلہ احمدیہ

مسجد احمدیہ باغبانپورہ۔ گوجرانوالہ

نوٹ* امید ہے آئندہ آپ راویوں پر بحث کی بجائے اپنا رُخ اصل موضوع کی طرف رکھیں گے۔ اگر آپ نے اسی فن کی طرف ضرور رجوع کرنا ہے تو زیر بحث حدیث کی سند پر فیصلہ کرلیں پھر کوئی نئی بات کریں۔

حافظ عبدالمنان صاحب کی تیسری تحریر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بخدمت جناب محمد اعظم صاحب!

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی

امابعد! اب تک آپ کی طرف سے ہم کو تین تحریریں موصول ہو چکی ہیں جن میں سے تیسری آپ کی یہ حالیہ تحریر ہے اور پہلی وہ جو آپ نے ہمیں ۲۴ر جنوری ۱۹۸۳ء کو ہم سے زبانی بات چیت کرنے کے بعد اسی وقت اپنے ہاتھ سے لکھ کر دی تھی جس میں آپ کا دعویٰ ''حضرت مرزا غلام احمد قادیانی امتی نبی ہیں'' درج ہے نیز اس میں آپ ہی

نے لکھا ہے ''اس دعویٰ کے دلائل قرآن کریم اور احادیث سے پیش کرنا مجھ پر لازم ہے'' مگر آپ نے اپنی اس حالیہ تحریر پر ''پرچہ دوم'' کے لفظ لکھ کر اپنی ۲۴؍جنوری والی پہلی تحریر کو نظر انداز فرمادیا ہےتو واقع کے لحاظ سے آپ کی یہ حالیہ تحریر پرچہ سوم ہے نہ کہ دوم۔

بندہ نے لکھا تھا ''جس سے (آپ کی پہلی تحریر سے) پتہ چل رہا ہے کہ آپ اس تحریر سے قبل زبانی بات چیت میں مرزا صاحب کے امتی نبی ہونے کی کتاب وسنت سے کوئی دلیل پیش نہ کر سکے تھے ورنہ آپ یوں نہ لکھتے کہ ''اس دعویٰ کے دلائل قرآن کریم اور احادیث سے'' الخ (میرا رقعہ نمبر۲ ص ۱) اس کو پڑھ کر آپ لکھتے ہیں ''مجھے افسوس ہے کہ معترض اپنے علم سے بڑھ کر کام کرنا چاہتے ہیں۔ اپنے پرچہ کے آغاز میں فرماتے ہیں کہ چونکہ میں نے لکھا تھا کہ حضرت مرزا صاحب کی صداقت پر قرآن و حدیث سے دلائل پیش کرنا مجھ پر لازم ہے لہٰذا ثابت ہوا کہ اس تحریر سے پہلے میں کوئی دلیل پیش نہ کرسکا کسی سے علم منطق کی ابجد سیکھ لیں تو بہتر ہے خدا خوفی سے سوچیں کیا میں نے تحریری پرچہ میں مذکور قرآن وحدیث والے دلائل مذکورہ تحریر سے پہلے زبانی گفتگو میں آپ کے سامنے نہیں بیان کیے تھے''۔ (بزعم شما آپ کا پرچہ دوم ص۲)

آپ کے اس بیان میں کئی ایک نقص ہیں:

① آپ کا قول ''میں نے لکھا تھا کہ حضرت مرزا صاحب کی صداقت پر قرآن و حدیث سے دلائل پیش کرنا مجھ پر لازم ہے'' نادرست ہے کیونکہ جو کچھ آپ نے اپنی ۲۴؍جنوری والی تحریر میں لکھا وہ من وعن اوپر درج کیا جاچکا ہے۔ ایک دفعہ پھر سن لیں آپ نے اپنے ۲۴؍جنوری والے پرچہ میں لکھا تھا ''دعویٰ حضرت مرزا غلام احمد قادیانی امتی نبی ہیں اس دعویٰ کے دلائل قرآن کریم اور احادیث سے پیش کرنا مجھ پر لازم ہے'' (آپ کی ۲۴؍جنوری والی تحریر) غور فرمائیں دونوں باتوں ''حضرت مرزا صاحب کی صداقت پر'' الخ اور ''دعویٰ'' حضرت مرزا غلام احمد قادیانی امتی نبی ہیں اس دعویٰ کے دلائل قرآن کریم'' الخ میں کتنا فرق ہے؟

② آپ نے اپنے قول ''مجھے افسوس ہے کہ معترض اپنے علم سے بڑھ کر کام کرنا چاہتے ہیں'' میں خواہ مخواہ بندہ کی نیت پر حملہ کیا ہے جس کا آپ کو قطعاً حق حاصل نہ تھا نہ ہے۔ یہ بندہ اپنے علم سے بڑھ کر کوئی کام نہیں کرنا چاہتا۔ ہاں اگر اللہ تعالیٰ جل وعلا اپنے فضل وکرم کے ذریعہ مجھ سے میرے علم سے بڑھ کر خدمتِ دین کا کوئی کام لے لیں تو اس سے بڑھ کر میرے لیے اور کیا سعادت ہوسکتی ہے رہا آپ کو افسوس والا معاملہ تو اس کا تعلق بندہ کے کسی کام اور ارادے سے نہیں اس کا تعلق ہے تو صرف اور صرف آپ کو اپنے دعویٰ ''حضرت مرزا غلام احمد قادیانی امتی نبی ہیں'' کی قرآن وحدیث میں کوئی دلیل نہ ہونے اور نہ ملنے سے ہے اور یہ افسوس ان شاء اللہ ہمیشہ آپ کا دامن گیر رہے گا الا یہ کہ آپ تائب ہو جائیں۔

③ آپ نے اپنے دو قولوں ''کسی سے علم منطق کی ابجد سیکھ لیں تو بہتر ہے'' اور ''خدا خوفی سے سوچیں'' الخ میں علم منطق سے ناواقف ہونے اور خدا خوفی کے بغیر سوچنے کے بندہ پر دو بہتان لگائے ہیں فخر نہیں اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اس بندہ میں یہ دونوں چیزیں ''علم منطق کی واقفیت اور خدا خوفی'' آپ سے تو زیادہ ہی ہیں چنانچہ اسی تحریری بات چیت سے واضح ہے۔

④ آپ اپنی تحریر میں مذکور آیات وروایات کو اپنے دعویٰ ''حضرت مرزا غلام احمد قادیانی امتی نبی ہیں'' کی دلیل سمجھ رہے ہیں جیسا کہ آپ کے قول خدا خوفی سے سوچیں کیا میں نے تحریری پرچہ'' الخ سے واضح ہو رہا ہے حالانکہ یہ آیات و روایات آپ کے مذکورہ بالا دعویٰ ''حضرت مرزا غلام احمد قادیانی امتی نبی ہیں'' کی دلیل نہیں ہیں اسی لیے تو بندہ نے خدا خوفی سے سوچ کر ہی لکھا تھا ''آپ اس تحریر سے قبل زبانی بات چیت میں مرزا صاحب کے امتی نبی ہونے کی کتاب وسنت سے کوئی دلیل پیش نہ کر سکے تھے ورنہ آپ یوں نہ لکھتے کہ ''اس دعویٰ کے دلائل قرآن کریم اور احادیث سے'' الخ اور جو تحریر آپ نے اب کے بھیجی ہے

اس میں بھی آپ نے اپنے مندرجہ بالا دعویٰ ''حضرت مرزا غلام احمد قادیانی امتی نبی ہیں'' کو ثابت کرنے والی کوئی دلیل پیش نہیں کی نہ تو قرآن کریم سے اور نہ ہی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی سنت وحدیث ہے۔اس لیے جناب سے پرزور التماس ہے کہ آپ اِدھر اُدھر کی باتیں بنانے کی بجائے قرآن کریم کی کوئی آیت یا آخری نبی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی کوئی صحیح حدیث پیش فرمائیں جس سے آپ کا دعویٰ ''حضرت مرزا غلام احمد قادیانی امتی نبی ہیں'' ثابت بھی ہوتا ہو؟'' (میرا رقعہ نمبر۲ص۱)

تفصیل ✷ آپ کی اپنی ۲۴ جنوری والی پہلی تحریر کے مطابق آپ کا دعویٰ ہے ''حضرت مرزا غلام احمد قادیانی امتی نبی ہیں'' اور آپ ہی کی اسی ۲۴ جنوری والی تحریر کے موافق اس دعویٰ کے دلائل قرآن کریم اور احادیث سے پیش کرنا آپ پر لازم ہے آپ کی اپنی تحریر میں پیش کردہ کل آیات مندرجہ ذیل ہیں:

﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ﴾ (سورہ فاتحہ)

﴿ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ ﴾ (سورہ نساء)

﴿لَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ الخ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ. لَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ﴾ الخ

ان مذکورہ بالا آیات مبارکہ سے کسی ایک آیت مبارکہ میں بھی آپ کے دعویٰ ''حضرت مرزا غلام احمد قادیانی امتی نبی ہیں'' پر کوئی سی بھی دلالت نہیں ہے۔ نہ عبارۃً' نہ دلالۃً' نہ اشارۃً' نہ اقتضاءً، نہ مطابقۃً' نہ تضمناً' نہ التزاماً' نہ صراحۃً اور نہ ہی کنایۃً نیز نہ حقیقۃً اور نہ ہی مجازاً۔ پھر آپ کی تحریر میں پیش کردہ ثابت وغیر ثابت کل روایات صرف تین ہیں۔ صحیح مسلم کی حدیث نبی اللہ عیسیٰ علیہ السلام' ابن ماجہ کی غیر ثابت روایت لو عاش الخ اور خصائص کبریٰ للسیوطی کی بے سند پیش کردہ روایت نبیھا منھا

مگر ان تینوں روایات سے کوئی ایک روایت بھی آپ کے دعویٰ ''حضرت مرزا غلام احمد قادیانی امتی نبی ہیں'' پر دال نہیں ہے الغرض مرزا غلام احمد کا امتی نبی ہونا ان تمام آیات و روایات میں سے کسی کا نہ ترجمہ ہے اور نہ ہی مطلب۔

مرزا صاحب کے اقوال نہ قرآن ہیں اور نہ ہی حدیث

آپ نے اپنی تحریر میں مرزا صاحب وغیرہ کے کچھ اقوال بھی نقل کیے تھے جن کے جواب ورد میں بندہ نے لکھا تھا ''آپ نے خود ہی لکھا ہے'' اس دعویٰ کے دلائل قرآن کریم اور احادیث سے پیش کرنا مجھ پر لازم ہے'' اور واضح ہے کہ مرزا صاحب کے اقوال ہمارے نزدیک نہ تو قرآن ہیں اور نہ ہی حدیث۔ اس لیے آپ کا اپنی تحریر میں مرزا صاحب کے اقوال کو نقل کرنا بے کار ہے۔ نیز روایت لو عاش پر ملا علی قاری کا نوٹ نہ قرآن ہے اور نہ ہی حدیث اس لیے آپ پر ابھی تک لازم ہی ہے کہ آپ اپنے دعویٰ ''حضرت مرزا غلام احمد قادیانی امتی نبی ہیں'' کے دلائل قرآن کریم اور صحیح حدیث سے پیش فرمائیں (میرا رقعہ نمبر ۲ ص ۲) لہٰذا آپ کا اب کے پھر لکھنا ''امر دوم اعنی بموجب حکم الٰہی اس امکانی مقام پر فائز ہونے کا دعویٰ میں نے حضور کی حلفیہ تحریرات کی رو سے پیش کیا نیز یہ وحی الٰہی کہ جعلناک المسیح ابن مریم۔ (بزعم شما آپ کا پرچہ دوم ص ۱) بے سود ہے کیونکہ آپ کے حضور مرزا غلام احمد قادیانی کے اقوال حلفیہ وغیر حلفیہ نہ قرآن ہیں اور نہ حدیث اور آپ اپنی ۲۴ جنوری والی تحریر کی رُو سے قرآن و حدیث پیش کرنے کے پابند ہیں اب ذرا آپ بھی خدا خوفی سے سوچ لیں۔ آیا مرزا صاحب کے اقوال پیش کرنے میں آپ کا رخ اصل موضوع کی طرف ہی تھا؟ تو حضرت! آپ سے بار بار مطالبہ کیا جا رہا ہے کہ آپ اپنی ہی ۲۴ جنوری والی تحریر کا پاس رکھتے ہوئے اپنے دعویٰ ''حضرت مرزا غلام احمد امتی نبی ہیں'' کی کوئی ایک ہی دلیل قرآن کریم اور آخری نبی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی حدیث و

سنت سے پیش کر دیں ورنہ اعتراف فرمائیں کہ آپ اپنا دعویٰ ''حضرت مرزا غلام احمد قادیانی امتی نبی ہیں'' قرآن کریم اور احادیث نبویہ محمدیہ ﷺ سے نہ ثابت کر سکے اور نہ ہی ثابت کر سکتے ہیں خواہ مخواہ اپنا اور دوسروں کا وقت ضائع نہ کریں۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ آپ اپنے دعویٰ ''حضرت مرزا غلام احمد قادیانی امتی نبی ہیں'' کا ثبوت کسی ایک فرقہ' عالم' مولوی یا حافظ وغیرہ کی خواہشات و توقعات کے عین مطابق دیں۔ ہمارا مطالبہ تو صرف اور صرف یہی ہے کہ آپ اپنے دعویٰ ''حضرت مرزا غلام احمد قادیانی امتی نبی ہیں'' کا ثبوت اپنے ہی ہاتھوں سے لکھی ہوئی ۲۴ جنوری والی تحریر ''اس دعویٰ کے دلائل قرآن کریم اور احادیث سے پیش کرنا مجھ پر لازم ہے'' کے عین مطابق تو پیش فرمائیں نا۔ تو جناب سے پھر گزارش کروں گا کہ آپ اپنے دعویٰ ''حضرت مرزا غلام احمد قادیانی امتی نبی ہیں'' کی زیادہ دلیلیں تو درکنار صرف کوئی ایک ہی دلیل قرآن یا آخری نبی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی سنت و حدیث سے پیش کر دیں اور امکان و عدم امکان نبوت' صداقت وغیر صداقت مرزا صاحب اور حیات و وفات مسیح علیہ السلام ایسے موضوعوں کی طرف جانا اور رُخ موڑنا ہماری اس بات چیت میں تو بالکل ہی بے سود ہے کیونکہ آپ کی پہلی تحریر (۲۴ جنوری والی) صاف اور واشگاف الفاظ میں بتا رہی ہے کہ آپ کی مدعی ہونے کی حیثیت سے ذمہ داری ہے کہ آپ اپنے دعوی ''حضرت مرزا غلام احمد قادیانی امتی نبی ہیں'' پر قرآن کریم اور احادیث سے دلائل پیش کریں تو آپ اپنی اس ذمہ داری سے سبکدوش ہونے کی طرف آئیں اور دوسرے موضوعوں کی طرف آنکھیں نہ اٹھائیں۔

دوسرا دعویٰ ✷ آپ اپنے پہلے دعویٰ ''حضرت مرزا غلام احمد قادیانی امتی نبی ہیں'' کی تو قرآن کریم اور احادیث محمدیہ ﷺ سے ابھی تک کوئی ایک دلیل بھی بیان نہ کر پائے تھے کہ آپ نے ایک اور دعویٰ داغ دیا چنانچہ آپ لکھتے ہیں ''سیدنا حضرت مرزا غلام احمد قادیانی بموجب حکم الٰہی وہ موعود وجود ہیں جسے ہمارے آقا و مولا سرور انبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے مسیح' مہدی اور عیسیٰ بن مریم وغیرہ ناموں کے ساتھ

مختلف حکمتوں کی بنا پر امت کے سامنے بیان فرمایا'' الخ (بزعم شما آپ کا پرچہ دوم ص ۱) تو آپ کے اس دوسرے دعویٰ کی رو سے آپ کا فرض ہے کہ آپ سرور انبیاء حضرت محمد ﷺ کی وہ حدیث پیش فرمائیں جس میں آپ ﷺ نے حضرت مرزا غلام احمد قادیانی کا مسیح' مہدی اور عیسیٰ بن مریم وغیرہ ہونا بیان فرمایا ہو ورنہ آپ نبی کریم ﷺ کے فرمان مَنْ قَالَ عَلَيَّ مَالَمْ اَقُلْ .الخ جو مجھ پر وہ بات کہے جو میں نے نہیں کہی الخ کی زد میں آنے سے ہرگز نہیں بچ سکتے۔ دوسروں کو خدا خوفی سے سوچنے کی تلقین کرنے والو خود بھی تو خدا خوفی سے سوچو اور بولو: اَتَـأْمُـرُوْنَ الـنَّاسَ بِالْبِرِّ وَ تَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ .الاية

امکان و عدم امکان نبوت والا مسئلہ

اس عنوان کے تحت بندہ نے لکھا تھا ''آپ نے اپنی اس تحریر میں امکان و عدم امکان نبوت کے مسئلہ پر بحث کی ہے جو فی الواقع غیر مفید ہونے کے ساتھ ساتھ ہماری اس بات چیت میں بھی ذرہ برابر فائدے کی حامل نہیں اولاً تو اس لیے کہ ہماری اس بات چیت کا موضوع ہے آپ کا دعویٰ ''حضرت مرزا غلام احمد قادیانی امتی نبی ہیں'' نہ کہ امکان و عدم امکان نبوت اور ثانیاً اس لیے کہ اگر آپ بالفرض امکان و عدم امکان نبوت والے مسئلہ کو اپنی خواہش کے مطابق ہی حل کر لیتے ہیں تو بھی اس سے آپ کا مدعا ''حضرت مرزا غلام احمد قادیانی امتی نبی ہیں'' تو ہرگز ثابت نہیں ہوگا لہٰذا آپ اپنے دعویٰ ''حضرت مرزا غلام احمد قادیانی امتی نبی ہیں'' کی قرآن کریم اور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی سنت و حدیث سے کوئی ایک ہی دلیل پیش فرما دیں اور امکان و عدم نبوت والی بحث کو چھوڑیں نیز صداقت و عدم صداقت مرزا صاحب والی بحث میں پڑنے کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ جب آپ اپنا مندرجہ بالا دعویٰ ''حضرت مرزا غلام احمد قادیانی امتی نبی ہیں'' قرآن کریم اور آخری نبی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی سنت اور حدیث سے ثابت فرما لیں گے تو اس قسم کی ابحاث خود بخود حل ہو

جائیں گی'' (میرا رقعہ نمبر۳ ص ۱) اس کو پڑھ کر آپ لکھتے ہیں ''امر اول کے متعلق دو آیات قرآنی اور تین احادیث نبویہ پر مشتمل دلائل کے پیش نظر معترض نے جواباً لکھا ہے:

① حدیث میں ایک نبی اللہ کی آمد کا تذکرہ تو ضرور ہے''۔

② حدیث میں...... نبی اللہ کی پیشگوئی ہے''۔ (بزعم شما آپ کا پرچہ دوم ص ۱)

① آپ نے دیکھ لیا کہ بندہ نے یہ دونوں باتیں ''حدیث میں ایک نبی اللہ الخ'' اور ''حدیث میں جس نبی اللہ کی'' الخ امکان و عدم امکان نبوت والا مسئلہ کے عنوان کے تحت نہیں لکھیں کیونکہ نزول مسیح ابن مریم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہمارے نزدیک امکانی نہیں وقوعی مسئلہ ہے پھر وقوع فی المستقبل اور امکان فی المستقبل میں بڑا فرق ہے۔ کَمَا لَا یَخْفٰی عَلٰی اَھْلِ الْعِلْمِ. اسی لیے بندہ نے امکان و عدم امکان نبوت والا عنوان جدا اور اِنَّمَا الْمَسِیْحُ عِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ. والا عنوان جدا قائم کیا تھا اور مندرجہ بالا دونوں باتیں میں نے دوسرے عنوان انما المسیح .الخ کے تحت درج کی ہیں اور آپ نے امر اوّل ''امکان و عدم امکان نبوت والے مسئلہ'' کے جواب میں بندہ نے وہی کچھ لکھا جو اوپر نقل کر دیا گیا ہے اور اس کا آپ کے پاس کوئی جواب نہیں۔

② رہا آپ کا لکھنا ''آپ نے بغیر سوچے سمجھے ایک بات کر دی'' الخ (بزعم شما آپ کا پرچہ دوم ص۲) تو وہ میری اس بات کا جواب نہیں ہے کیونکہ ہماری اس بات چیت کا موضوع ہے آپ کا دعویٰ ''حضرت مرزا غلام احمد قادیانی امتی نبی ہیں'' نہ کہ امکان و عدم امکان نبوت۔ پھر آپ کو یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ بعض چیزیں ممکن تو ہوا کرتی ہیں مگر واقع کبھی بھی نہیں ہوتیں نیز ہمارے بزرگوں کی آپ لوگوں کے ساتھ ابحاث بھی اپنی جگہ بجا' درست اور علم پر مبنی تھیں۔ رہا آپ کا سوال ''تو آپ کا طرزِ گفتگو کیسا ہے؟'' تو جواباً عرض ہے کہ میرا یہ طرزِ گفتگو ویسا ہی ہے جیسا آپ نے بذاتِ خود اپنی ۲۴ جنوری والی پہلی تحریر میں

متعین کیا تھا کہ اس دعویٰ ''حضرت مرزا غلام احمد قادیانی امتی نبی ہیں'' کے دلائل قرآن کریم اور احادیث سے پیش کرنا مجھ پر لازم ہے تو آپ اپنے اس دعویٰ کے دلائل قرآن وحدیث سے پیش کریں نا اِدھر اُدھر کیوں دوڑتے ہیں؟

پھر آپ لکھتے ہیں ''شاید آپ اس لیے اس موضوع سے کترا رہے ہیں کہ آپ ایک طرف ختم نبوت پر ایمان کے دعویدار ہیں اور دوسری طرف حضور کے بعد امتی نبی کی بجائے ایک مستقل نبی کے منتظر ہیں''۔ (بزعم شما آپ کا رقعہ نمبر ۲ ص ۲)

① یقین کریں کہ یہ بندہ آپ کے لکھ کر دیئے ہوئے دعویٰ ''حضرت مرزا غلام احمد قادیانی امتی نبی ہیں'' والے موضوع سے ہٹ کر کسی اور موضوع مثلاً امکان و عدم امکان نبوت پر اس فرصت میں کلام کرنے کو بات چیت کے اصول وقواعد کے منافی سمجھتا ہے ہاں کسی اور فرصت میں آپ اس بندہ کے ساتھ اس حالیہ بات چیت کے موضوع آپ کے دعویٰ ''حضرت مرزا غلام احمد قادیانی امتی نبی ہیں'' کے علاوہ کسی بھی اور موضوع پر گفتگو کا شوق پورا کر سکتے ہیں البتہ اس موجودہ بات چیت میں تو آپ پر لازم ہے کہ آپ اپنے دعویٰ ''حضرت مرزا غلام احمد قادیانی امتی نبی ہیں'' کے دلائل قرآن کریم اور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی سنت و حدیث سے پیش فرمائیں ورنہ صاف اور واضح الفاظ میں اعتراف کریں کہ آپ کا دعویٰ ''حضرت مرزا غلام احمد قادیانی امتی نبی ہیں'' غلط' نادرست اور واقع کے خلاف ہے۔ باقی رہیں آپ کے خیال کے مطابق میری زاید باتیں تو وہ آپ ہی کی زاید باتوں کی وجہ سے ہیں کیونکہ آپ کی دونوں تحریریں زاید باتوں سے اٹی پڑی ہیں بھلا آپ ہی خدا خوفی سے سوچ کر بتائیں امکان وعدم امکان نبوت والی بحث' روایات لو عاش' نبیھا منہا' حدیث نواس بن سمعانؓ، مرزا صاحب کی عبارات اور ملا علی قاری وغیرہ کے نوٹ جناب کے دعویٰ ''حضرت مرزا غلام احمد قادیانی امتی نبی ہیں'' پر قرآن وحدیث

سے کیسے دلائل ہیں؟

وہ الزام ہم کو دیتے تھے قصور اپنا نکل آیا

② آپ کا کہنا ''اور دوسری طرف حضور کے بعد امتی نبی کی بجائے ایک مستقل نبی کے منتظر ہیں'' مجھ پر بہتان ہے۔ آنے والے نبی اللہ کے متعلق میرا اور ہر مسلمان کا عقیدہ وہی ہے جو صحیح مسلم کی حدیث نواس بن سمعانؓ میں بیان ہوا ہے کہ وہ نبی اللہ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام ہی ہیں نیز صحیح بخاری کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''لَیَنْزِلَنَّ فِیْکُمُ ابْنُ مَرْیَمَ''. الخ تو رسول اللہ ﷺ کے الفاظ ''لَیَنْزِلَنَّ فِیْکُمُ ابْنُ مَرْیَمَ''. الخ ضرور بالضرور نازل ہوں گے تم میں ابن مریم الخ آپ کے قول ''حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو رسولا الی بنی اسرائیل ہیں وہ امت محمدیہ میں نہیں آسکتے'' (بزعم خود آپ کا پرچہ دوم ص۲) کی تغلیط وتردید کر رہے ہیں لہٰذا آپ کا قول ''جو فوت ہو جائے نہیں آیا کرتا'' بھی غلط ٹھہرا کیونکہ آپ کے عقیدہ کے لحاظ سے اگر بالفرض حضرت مسیح بن مریم علیہ السلام کو فوت شدہ ہی تصور کر لیا جائے تو بھی وہ آخری نبی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے فرمان ''لَیَنْزِلَنَّ فِیْکُمُ ابْنُ مَرْیَمَ''. الخ کی رُو سے ضرور بالضرور امت محمدیہ میں تشریف لائیں گے نیز قرآن مجید میں ہے ''ثُمَّ بَعَثْنَاکُمْ مِّنْ بَعْدِ مَوْتِکُمْ''. الخ پھر اٹھایا ہم نے تمہیں تمہارے فوت ہو جانے کے بعد الخ ''اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ وَهُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا ثُمَّ اَحْیَاهُمْ''. الخ کیا نہیں دیکھا آپ نے ان لوگوں کو طرف جو نکلے اپنے گھروں سے درانحالیکہ وہ ہزاروں تھے فوت ہونے کے ڈر کے مارے تو کہا ان سے اللہ تعالیٰ نے فوت ہو جاؤ پھر زندہ کیا اس نے انہیں الخ ''فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ''. الخ پس فوت کیا اس کو اللہ تعالیٰ نے سو سال پھر اٹھایا اس نے اس کو الخ ان اور ان جیسی دیگر آیات مبارکہ سے ثابت ہوا کہ آپ کا قاعدہ ''جو فوت

ہو جائے وہ نہیں آیا کرتا'' درست نہیں۔ نیز اس قاعدہ کی رو سے آپ کا مرزا صاحب کو مسیح عیسیٰ بن مریم قرار دینا بھی غلط ٹھہرا۔

لو آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا

باقی رہیں مثیل' شبیہ اور مجازی والی باتیں تو ان کا کتاب وسنت میں کوئی ثبوت نہیں ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:''لَيَنزِلَنَّ فِيكُمُ ابْنُ مَرْيَمَ''۔الخ نہ کہ ''لَيَنزِلَنَّ فِيكُمْ مَثِيلُ ابْنِ مَرْيَمَ اَوْ شَبِيهُهُ''.

نیز آپ لکھتے ہیں ''معترض ان دلائل کے سبب اپنی عاجزی کا اظہار یوں کرتے ہیں ''امکان وعدم امکان والی بحث کو چھوڑیں نیز صداقت وعدم صداقت مرزا صاحب والی بحث میں پڑنے کی کوئی ضرورت نہیں''۔(ص ۱) یہ صورتِ احوال الخ۔

(بزعم شما آپ کا پرچہ دوم ص ۱)

① یہ نری لفاظی ہے یاد رہے یہاں لفاظی سے کام نہیں چلے گا۔ یہاں تو دلائل درکار ہیں بار بار لکھ چکا ہوں کہ آپ نے ابھی تک اپنے دعویٰ ''حضرت مرزا غلام احمد قادیانی امتی نبی ہیں'' کی قرآن وحدیث سے کوئی ادنیٰ سی دلیل بھی پیش نہیں کی اور نہ ہی آئندہ پیش کرنے کی آپ سے توقع ہے کیونکہ اس دعویٰ ''حضرت مرزا غلام احمد قادیانی امتی نبی ہیں'' کا قرآن وحدیث میں محکم کیا غیر محکم ثبوت ہونا بھی امر محال ہے تو پھر آپ کا مجھ پر ''ان دلائل کے اپنی عاجزی'' الخ کی پھبتی کسنا کیا معنی رکھتا ہے؟ ہاں اس طرح آپ اپنے دعویٰ ''حضرت مرزا غلام احمد قادیانی امتی نبی ہیں'' کی قرآن وحدیث سے کوئی ایک دلیل بھی پیش کرنے سے عاجز آ جانے اور قاصر رہنے پر پردہ پوشی کی ایک بھونڈی صورت اختیار فرمانے کی ضرور کوشش کر رہے ہیں جسے ہرگز بار آور نہیں ہونے دیا جائے گا ان شاء اللہ تعالی۔ تو چار و ناچار آپ کو اپنے دعویٰ ''حضرت مرزا غلام احمد قادیانی امتی نبی ہیں'' کے قرآن کریم اور احادیث محمدیہ ﷺ سے دلائل پیش کرنے کی طرف پلٹنا ہی پڑے گا۔

② امکان و عدم امکان نبوت والی بحث کو چھوڑنے نیز صداقت و عدم صداقت مرزا صاحب والی بحث میں پڑنے کی کوئی ضرورت نہ ہونے کی وجوہ کو پہلے بیان کیا جا چکا ہے انھیں ایک دفعہ پھر پڑھ لیں ان شاء اللہ العزیز بات واضح ہو جائے گی بشرطیکہ آپ خدا خوفی سے سوچیں۔

اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ

اس عنوان کے تحت بندہ نے لکھا تھا ''صحیح مسلم میں موجود حضرت نواسؓ بن سمعان والی طویل حدیث میں ایک نبی اللہ کی آمد کا تذکرہ تو ضرور ہے مگر وہ نبی مرزا غلام احمد قادیانی نہیں اور نہ ہی مرزا صاحب کوئی اور نبی ہی ہیں کیونکہ اسی حدیث میں اس نبی اللہ کا لقب' اس کا نام اور اس کی والدہ ماجدہ کا نام بھی تو مذکور ہے۔ چنانچہ اسی حدیث نواس بن سمعانؓ میں رسول اللہ ﷺ مسیح دجال کا حلیہ اور اس کے چند کرتب بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں: ''فَبَيْنَمَا هُمْ كَذَالِكَ اِذْبَعَثَ اللّٰهُ الْمَسِيْحَ بْنَ مَرْيَمَ'' اس کے بعد آپ ﷺ فرماتے ہیں ''ثُمَّ يَأْتِىْ عِيْسٰى قَوْمٌ'' بیان کو جاری رکھتے ہوئے آپؐ مزید فرماتے ہیں: ''اِذْ اَوْحَى اللّٰهُ اِلٰى عِيْسٰى'' اور اس کے بعد اسی حدیث میں نبی کریم ﷺ نے متعدد مقامات پر چار مرتبہ ''نَبِيُّ اللّٰهِ عِيْسٰى عَلَيْهِ السَّلَام'' کے لفظ بولے ہیں اور معلوم ہے کہ حضرت مرزا صاحب کا نام غلام احمد ہے عیسیٰ نہیں اور حدیث نواس بن سمعانؓ میں مذکور نبی اللہ کا نام عیسیٰ ہے علیہ الصلاۃ والسلام غلام احمد نہیں نیز آپ کو اعتراف ہے کہ مرزا صاحب کی والدہ کا نام مریم نہیں۔ چنانچہ آپ نے ۲۴ جنوری کی زبانی بات چیت میں اہالیان مجلس کے روبرو بھی اس بات کا اقرار فرمایا تھا اور حدیث نواس بن سمعانؓ میں آنے والے نبی اللہ کی والدہ کا نام مریم بتایا گیا ہے تو آنے والے نبی اللہ کی والدہ کا نام مریم ہے چراغ بی بی نہیں اور مرزا صاحب کی والدہ کا نام چراغ بی بی ہے مریم نہیں لہٰذا حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ والی حدیث میں جس نبی اللہ کی پیشگوئی ہے وہ نبی اللہ عیسیٰ بن مریم ہیں

علیہ الصلوٰۃ والسلام اور مرزا غلام احمد قادیانی بن چراغ بی بی عیسیٰ بن مریم نہیں اس لیے مرزا صاحب نبی اللہ بھی نہیں‘‘۔(میرا رقعہ نمبر ۲ص اوص ۲)

اس کا کوئی جواب تو آپ سے بن نہ پڑا۔آیت ’’لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَ اَنْتُمْ سُكَارٰى‘‘ سے صرف ’’لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ‘‘ کو جملہ ’’وَ اَنْتُمْ سُكَارٰى‘‘ کے بغیر پڑھنے والوں کی طرح آپ نے لکھ مارا ’’معترض نے جواباً لکھا ہے۔① حدیث میں ایک نبی اللہ کی آمد کا تذکرہ تو ضرور ہے۔② حدیث میں نبی اللہ کی پیشگوئی ہے‘‘ حالانکہ پہلی عبارت پوری بندہ کی تحریر میں اس طرح ہے ’’صحیح مسلم میں موجود حضرت نواس ابن سمعان رضی اللہ عنہ والی حدیث میں ایک نبی اللہ کی آمد کا تذکرہ تو ضرور ہے مگر وہ نبی اللہ مرزا غلام احمد قادیانی نہیں اور نہ ہی مرزا صاحب کوئی اور نبی ہی ہیں کیونکہ اسی حدیث میں اس نبی اللہ کا لقب ، ان کا نام اور اس کی والدہ ماجدہ کا نام بھی تو مذکور ہے تاالخ اور اسی طرح دوسری عبارت بھی بندہ کی تحریر میں اس طرح ہے ’’لہٰذا حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ والی حدیث میں جس نبی اللہ کی پیش گوئی ہے وہ نبی اللہ عیسیٰ بن مریم ہیں علیہ الصلاۃ والسلام اور مرزا غلام احمد قادیانی بن چراغ بی بی عیسیٰ بن مریم نہیں اس لیے مرزا صاحب نبی اللہ بھی نہیں‘‘ چنانچہ بندہ اپنے رقعہ نمبر ۲ سے پوری عبارت تفصیلاً نقل کر چکا ہے اسے ایک دفعہ پھر ملاحظہ فرما لیں۔تو دیکھا جناب نے بندہ کی اس مقام پر عبارت میں دو جگہ کیسی قطع و برید کی پھر آپ نے اپنی اسی قطع و برید کے بل بوتے پر بہتان ’’دوسری طرف حضور کے بعد امتی نبی کی بجائے ایک مستقل نبی کے منتظر ہیں‘‘ مجھ پر تھوپ دیا آیا آپ کے مذہب میں خدا خوفی اسی کا نام ہے؟ ہاں تو بندہ کی عبارات آپ کے سامنے کیا حیثیت رکھتی ہیں جبکہ آپ اس سے قبل آخری نبی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ والی حدیث میں مذکور بیان میں ایسا کر چکے ہیں چنانچہ اس بندہ نے لکھا تھا ’’آپ اس مقام پر اپنی عبارت پر ذرا نظر ثانی فرمائیں کہ آپ نے اس حدیث نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ میں چار دفعہ نبی اللہ والے

لفظ کوتو پکڑ لیا اور اسی حدیث میں موجود ایک بار لفظ "المسیح بن مریم" کو دو دفعہ لفظ "عیسیٰ" کو اور چار مرتبہ لفظ "نبی اللہ عیسی علیہ السلام" سے عیسیٰ کو آپ نے اپنی تحریر میں جان بوجھ کر ذکر تک نہیں کیا "جان بوجھ کر" کا لفظ اس لیے لکھ رہا ہوں کہ آپ کی ہی تحریر سے پتہ چل رہا ہے کہ یہ طویل حدیث آپ کے علم میں ہے۔ ہم تو اللہ تعالیٰ سے دعا ہی کریں گے کہ وہ آپ لوگوں کو ہدایت نصیب فرمائے کہ آپ اس قسم کے کاموں ہی سے باز آ جائیں" (میرا رقعہ نمبر۲ ص۲) اس کے جواب میں آپ نے ایک لفظ بھی نہیں لکھا تو گویا دبی زبان میں آپ نے اعتراف کر لیا کہ یہ کام واقعی آپ نے جان بوجھ کر ہی کیا تھا۔ ذرا غور فرمالیں کیا خدا خوفی آپ کے ہاں اسی کو کہتے ہیں؟

ثابت ہی نہیں ✱ اس عنوان کے تحت بندہ نے لکھا تھا "ابن ماجہ کی روایت "وَلَوْعَاشَ لَكَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا" کی سند میں ایک راوی ابراہیم بن عثمان نامی بھی ہے جس کے متعلق میزان الاعتدال میں لکھا ہے "كَذَّبَهُ شُعْبَةُ" الخ لہٰذا یہ روایت سرے سے ثابت ہی نہیں پہلے اسے ثابت فرمائیں پھر استدلال کریں۔ (میرا رقعہ نمبر۲ ص۲)

اس کو پڑھ کر آپ لکھتے ہیں "ایک طرف آپ صحاح ستہ کہتے ہیں دوسری طرف معترض ہو رہے ہیں یہ کیا چکر ہے الخ (بزعم شما آپ کا پرچہ دوم ص۲) جواباً گذارش ہے کہ یہ وہی چکر ہے جو آپ کے اور تمام لوگوں کے لفظ "ابوین اور والدین" میں پایا جاتا ہے کہ ایک طرف تو آپ لوگ ماں اور باپ دونوں کو ابوین اور والدین کہتے ہیں اور دوسری طرف ماں کو اب اور والد کہنے پر معترض ہوتے ہو یہ کیا چکر ہے آپ خود ہی غور کریں۔

ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی

اصل بات یہ ہے کہ کتب ستہ کو جو ہم لوگ صحاح ستہ کہتے ہیں تو صرف قانون تغلیب کے پیش نظر۔ چنانچہ اہل علم نے جہاں یہ اصطلاح بیان کی ہے وہاں انھوں نے اس اصطلاح کی مذکورہ بالا توجیہ بھی لکھی ہے۔ سمجھنے کے لیے دیکھئے ہم سبھی ماں اور باپ

کو ابوین اور والدین کہتے ہیں۔ قرآن مجید میں بھی ہے:

"وَلِاَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ" الخ (سورۃ نساء) "وَرَفَعَ اَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ" الخ (سورۃ یوسف) "وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا" (سورۃ بقرہ، سورۃ نساء اور سورۃ بنی اسرائیل)

تو یہ صرف قانون تغلیب کے پیش نظر ہی ہے نہ اس لیے کہ ماں بھی اب یا والد ہے تو آپ کے صحاح ستہ کے لفظ سے ابن ماجہ کی روایت "ولو عاش" الخ کی صحت کو اخذ کرنے میں بس اتنی ہی معقولیت ہے جتنی کہ ابوین یا والدین کے لفظ سے ماں کے اب (باپ) یا والد ہونے کو اخذ کرنے میں۔

آپ مزید لکھتے ہیں "حدیث نبوی" "وَلَوْ عَاشَ لَكَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا" کو آپ ٹھکرا رہے ہیں کہ سند میں ایک راوی ابراہیم بن عثمان معتبر نہیں حالانکہ آپ کو علم ہونا چاہیے کہ صحاح ستہ میں آنے کے سبب آپ اسے قبول کرنے کے پابند ہیں اس لیے حدیث پاک کو رد کرنے میں دلیری نہ کریں"۔ (بزعم شما آپ کا پرچہ دوم ص۲)

جواباً گذارش ہے کہ یہ بندہ حدیث نبوی کو نہیں ٹھکرا رہا۔ دیکھئے آپ نے حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ کی طویل حدیث کا ذکر کیا تو بندہ نے اسے بسر و چشم قبول کیا رہا جملہ "ولو عاش لكان صديقا نبيا" جس کو آپ حدیث نبوی سمجھے بیٹھے ہیں تو وہ حدیث نبوی ہرگز نہیں ہے کیونکہ اس کی سند میں راوی ابراہیم بن عثمان معتبر نہیں اس لیے آپ کا مجھے حدیث نبوی کو ٹھکرانے کا طعنہ دینا بے جا اور غلط ہے نیز آپ کا قول "حالانکہ آپ کو علم ہونا چاہیے" الخ بالکل ہی نادرست ہے اس کی حیثیت بالکل ویسی ہی ہے جیسے کوئی آپ سے کہے "ماں کے باپ ہونے کو آپ ٹھکرا رہے ہیں حالانکہ آپ کو علم ہونا چاہیے کہ ماں کے "وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا" میں آنے کے سبب آپ اسے والد اور باپ کہنے کے پابند ہیں اس لیے ماں کے باپ ہونے کو رد کرنے میں دلیری نہ کریں" تو جملہ "وَلَوْ عَاشَ" الخ حدیث نبوی نہیں ہے لہٰذا آپ

غیر حدیث نبوی کو حدیث نبوی سمجھنے اور قرار دینے میں دلیری نہ کریں۔ کہیں آپ حدیث نبوی ''مَنْ قَالَ عَلَيَّ مَالَمْ اَقُلْ'' الخ .کی زد میں نہ آ جائیں پھر کسی روایت کے سنن ابن ماجہ میں ہونے کا یہ مطلب کہاں ہے کہ وہ روایت صحاح ستہ میں آ گئی؟ لہٰذا آپ کا قول ''صحاح ستہ میں آنے'' الخ نرا مغالطہ ہے ہاں آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ صحاح ستہ میں شامل کتاب سنن ابن ماجہ میں یہ روایت موجود ہے مگر آپ کو علم ہونا چاہیے کہ سنن ابن ماجہ میں ثابت و غیر ثابت ملی جلی احادیث ہیں۔ لہٰذا ہم کسی روایت کے صرف ابن ماجہ میں آنے کے سبب اسے قبول کرنے کے پابند نہیں۔ خدا خوفی سے کام لیں۔ آخر آپ نے اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونا ہے وہاں اس قسم کے پیچوں اور مغالطوں سے تو کام نہیں چلے گا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو حق سمجھنے اور اسے قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آپ مزید لکھتے ہیں: ''نیز غور فرمائیں یہ حدیث آپ اس لیے تو رد نہیں کر رہے کہ آپ کے عقائد سے ٹکراتی ہے۔ غالباً ایسا ہی ہے''۔ (بزعم شما آپ کا پرچہ دوم ص ۲)

جواباً عرض ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ان لوگوں میں شامل ہیں جو لوگ اپنے عقائد' اعمال اور اقوال کو قرآن مجید اور احادیث ثابتہ کے مطابق بنانے کے لیے ہمہ وقت کمر بستہ رہتے ہیں ہم ان لوگوں میں سے ہرگز نہیں جو لوگ قرآن مجید اور احادیث ثابتہ کو موڑ توڑ کر اپنے یا اپنے بزرگوں کے عقائد' اعمال اور اقوال کے مطابق بنانے کے رسیا' خوگر اور عادی ہیں اور نہ ہی ہم ان لوگوں کے زمرہ میں شامل ہیں جو اپنے بڑوں کے عقائد' اعمال اور اقوال کو ثابت کرنے کی خاطر احادیث وضع کرتے یا غیر ثابت احادیث کو قابل استدلال بنانے کی خاطر مٹی کے ستونوں کو سونے کا دکھانے کے لیے خام اور ناکام کوشش کیا کرتے ہیں۔ ہم جو اس روایت ''ولو عاش'' الخ .کو رد کرتے ہیں تو صرف اس لیے کہ یہ آخری نبی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں اگر ہمت ہے تو آپ اسے نبی کریم ﷺ کی حدیث ہونا ثابت فرما دیں پھر

ہمارے اس کو تسلیم کرنے کا نظارہ دیکھ لیں خواہ مخواہ لفاظی کے ذریعے رعب جمانے کی کوشش نہ کریں۔ یاد رہے اگر بفرض محال آپ اس روایت ''ولو عاش'' الخ کا قابل استدلال ہونا ثابت فرما بھی لیں تو بھی اس سے آپ کا دعویٰ ''حضرت مرزا غلام احمد قادیانی امتی نبی ہیں'' ہرگز ہرگز ثابت نہیں ہوگا۔ اولاً تو اس لیے کہ حضرت مرزا صاحب تو غلام احمد بن چراغ بی بی ہیں نہ کہ ابراہیم بن حضرت محمد رسول اللہ ﷺ اور ثانیاً اس لیے کہ لفظ ''لو'' امتناع اور کسی چیز کے ناممکن ہونے کو واضح کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔

آپ لکھتے ہیں ''معترض سے زیادہ علم وفہم رکھنے والے بزرگ حضرت ملا علی القاری نے اس اعتراض کو بیان کر کے فرمایا:

فِیْ مُسْنَدِہٖ اَبَاشَیْبَۃَ[1] اِبْرَاھِیْمُ بْنُ عُثْمَانَ الْوَاسِطِیُّ وَھُوَ ضَعِیْفٌ لٰکِنْ لَہٗ طُرُقٌ ثَلَاثَۃٌ یَقْوٰی بَعْضُھَا بِبَعْضٍ'' الخ (بزعم شما آپ کا رقعہ نمبر ۲ ص ۲)

جواباً گذارش ہے کہ آپ نے دیکھ لیا کہ آپ سے زیادہ علم وفہم رکھنے والے بزرگ حضرت ملا علی قاری ہی ابراہیم بن عثمان کو ضعیف کہہ اور قرار دے رہے ہیں تو معلوم ہوا کہ آپ کی بات ''صحاح ستہ میں آنے کے سبب آپ اسے قبول کرنے کے پابند ہیں'' کو آج سے بہت پہلے حضرت ملا علی قاری ایسے بزرگ بھی رد فرما چکے ہیں رہا تعدد طرق سے قوت حاصل ہونے والا مسئلہ تو وہ کوئی قاعدہ کلیہ نہیں چنانچہ حافظ ابن الصلاح رحمۃ اللہ علیہ اپنی مشہور ومعروف اور مستند کتاب علوم الحدیث میں تعدد طرق سے قوت حاصل ہونے پر مبنی ایک سوال نقل فرما کر لکھتے ہیں:

وَجَوَابُ ذَالِکَ اَنَّہٗ لَیْسَ کُلُّ ضُعْفٍ فِی الْحَدِیْثِ یَزُوْلُ بِمَجِیْئِہٖ مِنْ وُجُوْہٍ، بَلْ ذَالِکَ یَتَفَاوَتُ، فَمِنْہُ ضُعْفٌ یُزِیْلُہٗ ذَالِکَ بِاَنْ

---

[1] یہ دونوں لفظ آپ کی تحریر میں اسی طرح ہیں۔ اھ منہ

يَكُوْنَ ضُعْفُهُ نَاشِئًا مِنْ ضُعْفِ حِفْظِ رَاوِيْهِ مَعَ كَوْنِهِ مِنْ اَهْلِ الصِّدْقِ وَالدِّيَانَةِ. فَاِذَا رَاَيْنَا مَارَوَاهُ قَدْجَاءَ مِنْ وَجْهٍ آخَرَ عَرَفْنَا اَنَّهُ مِمَّا قَدْ حَفِظَهُ وَلَمْ يَخْتَلَّ فِيْهِ ضَبْطُهُ لَهُ. وَكَذَالِكَ اِذَا كَانَ ضُعْفُهُ مِنْ حَيْثُ الْاِرْسَالِ زَالَ بِنَحْوِ ذَالِكَ كَمَا فِي الْمُرْسَلِ الَّذِيْ يُرْسِلُهُ اِمَامٌ حَافِظٌ اِذْ فِيْهِ ضُعْفٌ قَلِيْلٌ يَزُوْلُ بِرِوَايَتِهِ مِنْ وَجْهٍ آخَرَ، وَمِنْ ذَالِكَ ضُعْفٌ لَايَزُوْلُ بِنَحْوِ ذَالِكَ لِقُوَّةِ الضُّعْفِ وَتَقَاعُدِ هٰذَا الْجَابِرِ عَنْ جَبْرِهِ وَمُقَاوَمَتِهِ وَذَالِكَ كَالضُّعْفِ الَّذِيْ يَنْشَأُ مِنْ كَوْنِ الرَّاوِيْ مُتَّهَمًا بِالْكَذِبِ اَوْكَوْنِ الْحَدِيْثِ شَاذًّا. اھ

(مقدمہ ابن الصلاح ص ۳۱۔۳۰)

حاصل عبارت یہ ہے کہ ضعف متفاوت ہوتے ہیں کچھ ضعف تو تعدد طرق سے زائل ہو جاتے ہیں مثلاً وہ ضعف جس کا منشا سچے اور دیانت دار راوی کے حفظ کی کمزوری ہو اور وہ ضعف جو بوجہ ارسال ہو اور کچھ ضعف تعدد طرق سے زائل نہیں ہوتے۔ مثلاً وہ ضعف جس کا منشا راوی کا متہم بالکذب ہونا یا روایت کا شاذ ہونا ہو اور واضح ترین بات ہے کہ آپ کی پیش کردہ روایت ”ولـو عــاش“ الخ. کا ضعف ان ضعفوں میں شامل ہے جو تعدد طرق سے زائل نہیں ہوتے کیونکہ اس کے ایک راوی ابوشیبہ ابراہیم بن عثمان واسطی کی بعض محدثین نے تکذیب بھی کی ہے چنانچہ میزان کے حوالہ سے پہلے لکھا جا چکا ہے لہٰذا ملا علی قاری وغیرہ کی بات ”یـقـوی بـعـضـهـا ببعض“ اس جگہ درست نہیں۔ اس روایت کے آپ کی طرف سے پیش کردہ ابن ماجہ والے طریق کا حال تو آپ سن ہی رہے ہیں۔ آپ اس کے دوسرے طریق بھی نقل فرمائیں تا کہ آپ کو ان کا حال بھی سنا دیا جائے۔

آپ لکھتے ہیں ”مؤمنانہ حسن ظنی سے کام لیا جائے تو مسئلہ آسان ہو سکتا

ہے اس راوی ابوشیبہ'' الخ (بزعم شما آپ کا پرچہ دوم ص ۳)

آپ نے یہ مؤمنانہ حسن ظنی والی بات بھی خوب کہی۔ اللہ تعالیٰ تو فرماتے ہیں: ''یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْۤا'' الخ .اگر مؤمنانہ حسن ظنی ہی کافی ہوتی تو اللہ تعالیٰ مؤمنوں کو تبین (تحقیق کرنے) کا حکم کیوں دیتے؟ مومنانہ حسن ظنی کا معنی آپ غلط سمجھے۔ مؤمنانہ حسن ظنی کا تقاضا ہے کہ ضعیف کو ضعیف ہی سمجھا جائے اور ثقہ کو ثقہ ہی۔ ثقہ کو ضعیف اور ضعیف کو ثقہ سمجھنا اور قرار دینا کوئی مؤمنانہ حسن ظنی نہیں۔ تو مؤمنانہ حسن ظنی ہی چاہ رہی ہے کہ ضعیف راوی ابوشیبہ واسطی کو ضعیف ہی سمجھا اور قرار دیا جائے۔

قاضی ابوشیبہ ابراہیم بن عثمان واسطی کو محدثین نے ضعیف کہا اور قرار دیا ہے۔ چنانچہ اسماء رجال کی کتابوں میں اس کی تفصیل دیکھی جا سکتی ہے۔ مگر آپ کا خیال ہے کہ بعض محدثین نے اسے ثقہ بھی قرار دیا ہے۔

چنانچہ آپ لکھتے ہیں:

قَالَ یَزِیْدُ بْنُ هَارُوْنَ مَاقَضٰی رَجُلٌ اَعْدَلَ فِی الْقَضَاءِ مِنْهُ وَ قَالَ ابْنُ عَدِیٍّ لَهٗ اَحَادِیْثُ صَالِحَةٌ وَهُوَ خَیْرٌ مِنْ اَبِیْ حَیَّةَ .الخ

(تہذیب جلد اوّل ص ۱۲۵ اکمال ص ۲۰)' (بزعم شما آپ کا پرچہ دوم ص ۳)

① آپ کا دعویٰ ہے ''بعض نے ثقہ بھی قرار دیا ہے'' اور بطور دلیل جو عبارت آپ نے پیش فرمائی اس میں اس کے ثقہ ہونے کا بیان نہیں اس میں تو صرف اتنی بات ہے کہ موصوف واسطی صاحب اعدل فی القضاء' ابراہیم بن ابی حیہ سے اچھے اور ان کی کچھ احادیث صالحہ ہیں اور اہل علم جانتے ہیں کہ ان تینوں وصفوں سے ان کے حامل موصوف کا ثقہ ہونا لازم نہیں آتا۔ لہٰذا آپ کسی محدث کا وہ قول پیش فرمائیں جس میں اس کے ثقہ ہونے کا بیان ہو۔

② آپ کا نقل کردہ جملہ "وَهُوَ خَيْرٌ مِنْ اَبِىْ حَيَّةَ" آپ کی غلطی ہے کیوں کہ تہذیب التہذیب میں یہی جملہ اس طرح لکھا ہے "وَهُوَ خَيْرٌ مِنْ اِبْرَاهِيْمَ بْنِ اَبِىْ حَيَّةَ" دیکھا آپ نے کیسی شاندار خدا خوفی سے سوچ سمجھ کر "خَيْرٌ مِنْ اِبْرَاهِيْمَ بْنِ اَبِىْ حَيَّةَ" کو "خَيْرٌ مِنْ اَبِىْ حَيَّةَ" بنا ڈالا۔ بھلا نبی کریم ﷺ کے فرمان "نَبِىُّ اللّٰهِ عِيْسٰى عَلَيْهِ السَّلَام" کو جان بوجھ کر صرف "نَبِى اللّٰهِ" میں تبدیل کرنے والوں کے لیے "اِبْرَاهِيْمُ بْنُ اَبِىْ حَيَّةَ" کو صرف "اَبِىْ حَيَّةَ" کر لینا کوئی مشکل کام ہے؟ تو جب صورت احوال یہ ہے تو بندہ کی عبارات میں حذف اور تغیر و تبدل کرنے سے آپ لوگوں کو کیسے باز رکھا جا سکتا ہے؟ تو جناب! آپ کا کام ہے احادیث نبویہ' اقوالِ سلف اور اس بندہ کی عبارات میں لفظی و معنوی تحریف کرنا اور اس بندہ کا کام ہے ناصحانہ اور خیر خواہانہ جذبہ کے تحت آپ کے مغالطات اور آپ کی ان ہیرا پھیریوں کی قلعی کھولنا ع

کیے جاؤ مے خوارو کام اپنا اپنا

پھر آپ لکھتے ہیں "ابوحیہ کے متعلق لکھا ہے: وثقه دارقطنی[1] وقال النسائی ثقة. (تہذیب التہذیب جلد اوّل ص ۱۱۳) (بزعم شما آپ کا پرچہ نمبر ۲ ص ۳)

① اولاً یہ عبارت تہذیب التہذیب کے محولہ بالا صفحہ و مقام پر ابوحیہ سے متعلق ہے ہی نہیں بلکہ تہذیب التہذیب کی پوری جلد اوّل میں تو ابوحیہ کا ترجمہ سرے سے موجود ہی نہیں۔ ہاں تہذیب التہذیب میں یہ عبارت ابراہیم بن حبیب بن الشہید الازدی سے متعلق ہے جس کو آپ نے خیر سے ابوحیہ پر چسپاں کر دیا اور آپ کے ہاں اس میں کوئی مضائقہ بھی نہیں۔ کیونکہ اس قسم کی ہیرا پھیریاں تو

---

[1] یہ لفظ آپ کی تحریر میں ایسے ہی لکھا ہے۔ اھ منہ

آپ کا سبو ہے جب اور جیسے چاہیں اس سے اپنا جام بانام بھر لیں ع

سبو اپنا اپنا ہے جام اپنا اپنا

② ثانیاً آپ کو پہلے علم ہو چکا ہے کہ "خیر من ابی حیة" کی جگہ اصل میں "خیر من ابراهیم بن ابی حیة" ہے اور ابراہیم بن ابی حیہ کے متعلق میزان الاعتدال میں لکھا ہے:

"قَالَ الْبُخَارِيُّ مُنْكِرُ الْحَدِيْثِ وَقَالَ النِّسَائِيُّ ضَعِيْفٌ وَقَالَ الدَّارَقُطْنِيُّ مَتْرُوْكٌ"

"ابراہیم بن ابی حیہ کو امام بخاری منکر الحدیث' امام نسائی ضعیف اور امام دارقطنی متروک کہتے ہیں۔"

③ ثالثاً ایک ضعیف راوی کے دوسرے ضعیف راوی سے اچھا ہونے سے نسبتاً اچھے راوی کا ثقہ ہونا ہرگز نہیں نکلتا۔ کَمَا لَا یَخْفٰی عَلٰی اَهْلِ الْعِلْمِ ہاں اس سے دوسرے ضعیف کی بنسبت اچھے ضعیف کا نسبتاً کم درجہ کا ضعیف ہونا ضرور نکلتا ہے مگر رہے گا تو ضعیف ہی' ثقہ تو نہیں بن جائے گا۔ مثلاً ابراہیم بن عثمان اور ابراہیم بن ابی حیہ دونوں راوی سخت ضعیف ہیں تو اب کسی صاحب کے ابراہیم بن عثمان کو ابراہیم بن ابی حیہ سے اچھا کہنے سے ابراہیم بن عثمان ثقہ تو ہرگز نہیں بن سکتا۔ کچھ تو سوچیں اور خدا خوفی سے کام لیں۔

④ رابعاً اصولی طور پر آپ کو ابو حیہ صحیح ابراہیم بن ابی حیہ کے متعلق حضرت ابن عدی کی اپنی رائے نقل فرمانا چاہیے کیونکہ "خیر من" الخ تو ابن عدی ہی کہہ رہے ہیں نہ کہ امام نسائی اور امام دارقطنی' اور آپ لکھتے ہیں "رائے مختلف ہو سکتی ہے ایک آدمی ایک آدمی کو کسی وجہ سے غیر معتبر سمجھتا ہے اور دوسرا معتبر" (بزعم شما آپ کا پرچہ دوم ص ۲) لہٰذا آپ کا حضرت ابن عدی کے قول "وھو خیر من"

...الخ سے ابراہیم ابن عثمان واسطی کے ابن عدی کے ہاں ثقہ ہونے کو اخذ کرنا سراسر غلط ہے اس کی وجوہ پہلے لکھی جا چکی ہیں۔

آپ لکھتے ہیں ''اسی طرح بیضاوی کے حاشیہ ''الشہاب علی البیضاوی'' میں بھی اسی حدیث کے متعلق لکھا ہے ''اَمَّا صِحَّةُ الْحَدِيْثِ فَلَا شُبْهَةَ فِيْهَا'' الخ (بزعم شما آپ کا پرچہ دوم ص۲)

جواباً گذارش ہے کہ آپ کے آخری نبی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے فرمان ''نبی اللّٰہ عیسی علیہ السلام'' کو صرف نبی اللہ کر لینے' حضرت ابن عدی کے قول ''خیر من ابراھیم بن ابی حیة'' کو ''خیر من ابی حیة'' بنا ڈالنے اور امام نسائی اور امام دارقطنی کی تہذیب التہذیب میں ابراہیم بن حبیب بن الشہید الازدی سے متعلق توثیق کو ابوحیہ پر چسپاں کر دینے کی بنا پر بندہ کو آپ کے اس مندرجہ بالا حوالہ پر یقین نہیں آ رہا۔ کیا بعید کہ آپ نے اس جگہ بھی کمال صفائی سے کچھ کا کچھ بنا دیا ہو۔ اس لیے گذارش ہے کہ آپ حاشیہ ''الشہاب علی البیضاوی'' کا یہ مقام مجھے دکھائیں اور ساتھ ہی اس حاشیہ والے بزرگوں کے علم حدیث و رجال میں درجہ و مرتبہ کو بھی واضح کریں کیونکہ بات محدثین کے حضرت واسطی صاحب کو ضعیف قرار دینے نہ دینے پر چل رہی ہے۔ پھر یاد رہے کہ روایت ''ولو عاش'' الخ کی سند ضعیف ہونے کی بنا پر اس کا غیر ثابت ہونا' غیر صحیح اور غیر حسن ہونا ثابت ہو چکا ہے تو اب اس سے متعلق کسی مُحَشِّی کا ''اما صحة الحديث'' الخ کہہ دینا کوئی وقعت نہیں رکھتا۔

آپ ہی لکھتے ہیں ''علامہ شوکانی اس حدیث سے متعلق'' الخ (بزعم شما آپ کا پرچہ دوم ص۳)

علامہ شوکانی نے اس مقام پر اپنے خیال کی بنیاد اس جملہ ''ولو عاش'' الخ کے تین صحابہؓ سے وارد ہونے پر رکھی ہے وہی تعدد طرق سے قوت حاصل ہونے والی

بات تو اس کے متعلق پہلے لکھا جا چکا ہے کہ وہ قاعدہ کلیہ نہیں۔ نیز واضح کیا گیا ہے کہ ابراہیم بن عثمان واسطی والی روایت ان ضعیف روایتوں میں شامل ہے جن کا ضعف تعدد طرق سے بھی زائل اور دُور نہیں ہوتا پھر علامہ شوکانی بذاتِ خود اپنی کتاب نیل الاوطار کتاب الجنائز باب القرأۃ میں ابوشیبہ ابراہیم بن عثمان کی ایک روایت نقل کر کے لکھتے ہیں "وَفِیْ سَنَدِہٖ اِبْرَاھِیْمُ بْنُ عُثْمَانَ اَبُوْشَیْبَةَ الْوَاسِطِیُّ وَھُوَ ضَعِیْفٌ جِدًّا" کہ اس کی سند میں ابراہیم بن عثمان ابوشیبہ واسطی ہے اور وہ انتہائی ضعیف ہے اب تک آپ نے روایت "ولو عاش" الخ کا ابوشیبہ واسطی والا صرف ایک ہی طریق ابن ماجہ کے حوالے سے پیش کیا ہے جس کی حقیقت وحالت آپ پر آشکارا کر دی گئی کہ راوی ابوشیبہ واسطی سخت ضعیف ہے ملا علی قاری اور علامہ شوکانی بھی اسے ضعیف کہتے اور لکھتے ہیں اور ابھی تک آپ نے اس روایت کے دوسرے دو طریق پیش ہی نہیں کیے ان پر مفصل بات چیت تو تب ہوگی جب آپ انھیں پیش فرمائیں گے۔ سردست اتنی بات یاد رکھیں کہ ان دونوں طریقوں کی حالت بھی آپ کے پیش کیے ہوئے واسطی صاحب والے طریق کی حالت سے مختلف نہ ہوگی ان شاء اللہ تعالیٰ الحاصل روایت "ولــو عــاش" الخ نبی کریم ﷺ سے ثابت نہیں اور نہ ہی یہ آپ کی حدیث ہی ہے۔

آگے پھر آپ نے ملا علی قاری کا نوٹ نقل فرمایا ہے حالانکہ یہ بندہ بار بار لکھ چکا ہے کہ آپ کا دعویٰ ہے "حضرت مرزا غلام احمد قادیانی امتی نبی ہیں" اور اس دعویٰ کے دلائل قرآن کریم اور احادیث سے پیش کرنا' آپ پر لازم ہے مگر آپ ہیں کہ ملا علی قاری کے نوٹ کو لیے پھرتے ہیں۔ تو آپ ہی سوچیں' سمجھیں اور خدا خوفی سے کام لیں آیا ملا علی قاری کا یہ نوٹ قرآن کریم ہے یا رسول اللہ ﷺ کی کوئی سنت اور حدیث ہے؟ نہیں ہرگز نہیں۔ تو اسے بار بار بیان کرنے سے آپ کو فائدہ؟ پھر ملا علی قاری کے اس نوٹ میں نبی کریم ﷺ کے بیٹے ابراہیم سے متعلق ایک غیر ثابت جملہ

شرطیہ کی توضیح ہے اس میں یہ بات قطعاً نہیں ہے کہ ''حضرت مرزا غلام احمد قادیانی امتی نبی ہیں'' اور نہ ہی اس میں یہ ہے کہ ''حضرت مرزا غلام احمد قادیانی مسیح' مہدی اور عیسیٰ بن مریم وغیرہ ہیں'' جبکہ ہماری یہ بات چیت حضرت مرزا غلام احمد قادیانی کے نبی ہونے نہ ہونے سے متعلق ہے نہ کہ رسول اللہ ﷺ کے بیٹے ابراہیم کے بفرض زندگی نبی ہونے نہ ہونے سے متعلق خدارا کچھ تو سوچیں اور اپنے موضوع کی طرف پلٹیں اور خواہ مخواہ اِدھر اُدھر کی باتوں میں میرا اور اپنا وقت ضائع نہ کریں۔

سند پیش کریں

اس عنوان کے تحت بندہ نے لکھا تھا ''آپ کی تحریر میں پیش کردہ الخصائص الکبریٰ للسیوطی کی روایت ''نبیھا منھا'' کی سند درکار ہے لہٰذا اس روایت کی سند پیش کریں''۔ (میرا رقعہ نمبر ۲ ص ۲)

اس کو پڑھ کر آپ لکھتے ہیں ''ایک اور عجیب مخمصہ کا آپ شکار ہیں آپ جن بزرگوں کو اپنے بزرگ مانتے ہیں ان کی محنت شاقہ اور مسلمہ دعاوں سے جمع کی ہوئی احادیث کی سندیں ہم سے طلب کر رہے ہیں''۔ (بزعم شما آپ کا پرچہ دوم ص ۲)

بزرگوں کو ہم بزرگ ہی مانتے ہیں انھیں رب' الہ اور پیغمبر تو نہیں مانتے مگر آپ ہیں کہ ہمیں بزرگوں کا بزرگوں سے اوپر والی کوئی ہستی ہونا منوانا چاہتے ہیں بھلا کسی کو بزرگ ماننے کا یہ مطلب کہاں ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی طرف کوئی بات منسوب کریں تو ان سے ان کی بزرگی کے پیش نظر اس کی سند ہی طلب نہ کی جائے۔ پھر جہاں اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ نے اخبار کے تبین اور ان کی تحقیق کا ہمیں حکم دیا وہاں ہمارے بزرگوں نے بھی ہمیں اخبار کی چھان بین کرنے کی ترغیب دی ہے۔ شک ہو تو صحیح مسلم کا مقدمہ اور اس موضوع پر دیگر کتب کا مطالعہ فرمائیں۔ ان سیوطی صاحب نے ہی اپنی کئی ایک کتابوں میں اس مسئلہ پر خوب روشنی ڈالی ہے

پھر جب آپ کا رسول اللہ ﷺ کی حدیث اور اہل علم کے اقوال میں دیدہ دانستہ ہیرا پھیری کرنا ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے تو ہم آپ سے سند کا مطالبہ کرنا کیوں کر چھوڑ سکتے ہیں؟ تو روایت "نَبِيُّهَا مِنْهَا" کی سند آپ نے پہلے بھی پیش نہیں کی تھی اور اب کے پھر آپ نے اس کی سند پیش نہیں کی۔ لہٰذا ہم ایک دفعہ پھر یہی عرض کریں گے کہ اس روایت کی سند پیش کریں اب آپ خود ہی سوچ لیں کہ عجیب مخمصہ کا شکار کون ہے آپ یا یہ بندہ؟ ذرا خدا خوفی سے سوچنا۔

اصل موضوع سے کون ہٹ رہا ہے؟

آپ لکھتے ہیں "امید ہے آئندہ آپ راویوں پر بحث کی بجائے اپنا رُخ اصل موضوع کی طرف رکھیں گے اگر آپ نے اس فن کی طرف ضرور رجوع کرنا ہے تو زیر بحث حدیث کی سند پر فیصلہ کر لیں پھر کوئی نئی بات کریں"۔

(بزعم شما آپ کا پرچہ دوم ص ۳)

جواباً گذارش ہے کہ آپ ایک دفعہ پہلے اور ایک دفعہ پھر اس عبارت میں مجھ پر اصل موضوع سے ہٹنے کا الزام لگا چکے ہیں حالانکہ میری تحریرات شاہد ہیں کہ میں اس گفتگو کے آغاز سے لے کر اب تک آپ کو اس بات چیت کے موضوع جناب کے ۲۴ جنوری کو لکھ کر دیے ہوئے دعویٰ "حضرت مرزا غلام احمد قادیانی امتی نبی ہیں" کے قرآن کریم اور احادیث سے دلائل پیش کرنے کی طرف دعوت دے رہا ہوں مگر آپ ہیں کہ کمال ہوشیاری سے کبھی اس موضوع سے دائیں، کبھی بائیں، کبھی آگے، کبھی پیچھے، کبھی اوپر اور کبھی نیچے کھسک جاتے ہیں تو پھر آپ کے تعاقب کی غرض سے مجھے بھی آپ کی سمت جانا پڑتا ہے ورنہ آپ کہنا شروع کر دیں گے کہ تو نے میری فلاں بات کا جواب نہیں دیا۔ لہٰذا اصل میں اور درحقیقت اپنے موضوع سے ہٹنے والے آپ خود

ہیں نہ کہ یہ بندہ ۔

وہ الزام ہم کو دیتے تھے قصور اپنا نکل آیا

رہا آپ کا قول ''زیر بحث حدیث کی سند پر فیصلہ کر لیں'' الخ تو وہ آپ خواہ مخواہ سوکھا رُعب جما رہے ہیں اور اصل موضوع جناب کے دعویٰ ''حضرت مرزا غلام احمد قادیانی امتی نبی ہیں'' پر گفتگو سے خود ہٹنے اور بندہ کو ہٹانے کی سعی نامشکور فرما رہے ہیں کیونکہ سند پر فیصلہ تو ہو چکا ہے کہ روایت ''نَبِيُّهَا مِنْهَا'' کی سند میرے مطالبہ کے باوجود ابھی تک آپ پیش نہیں فرما سکے اور ابن ماجہ کی روایت ''وَلَوْ عَاشَ'' الخ کی سند کا ضعف بندہ ثابت کر چکا ہے جس کا آپ کے پاس کوئی جواب نہیں اس لیے آپ سے ایک دفعہ پھر پُر زور التماس کروں گا کہ آپ اپنے دعویٰ ''حضرت مرزا غلام احمد قادیانی امتی نبی ہیں'' کی طرف پلٹیے کیونکہ وہ اس بات چیت کا اصل موضوع ہے اور اپنے قول ''اس دعویٰ کے دلائل قرآن کریم اور احادیث سے پیش کرنا مجھ پر لازم ہے'' کے موجب حضرت مرزا غلام احمد قادیانی کے امتی نبی ہونے کی قرآن کریم اور احادیث سے دلیل پیش کیجیے۔ یاد رہے کہ ابھی تک آپ نے اپنے اس دعویٰ ''حضرت مرزا غلام احمد قادیانی کے امتی نبی ہیں'' کی قرآن کریم اور احادیث سے کوئی ایک دلیل بلکہ کسی ایک دلیل کی کوئی ایک جزء بھی پیش نہیں کی۔ چنانچہ تفصیلاً لکھا جا چکا ہے اب آپ کے لیے دو ہی راہیں ہیں یا تو آپ اپنے دعویٰ ''حضرت مرزا غلام احمد قادیانی امتی نبی ہیں'' کی قرآن کریم اور احادیث سے کوئی دلیل پیش فرمائیں یا پھر صاف اور واشگاف الفاظ میں اعتراف واقرار کریں کہ آپ کے اس دعویٰ ''حضرت مرزا غلام احمد قادیانی امتی نبی ہیں'' کی قرآن کریم اور احادیث میں کوئی ایک دلیل بھی نہیں اس لیے حضرت مرزا غلام احمد قادیانی امتی نبی بھی نہیں اور ان کے غیر امتی نبی نہ ہونے کے تو ماشاء اللہ آپ پہلے ہی سے قائل اور معتقد ہیں۔ ان دو راہوں کے سوا جو

راہ بھی آپ لیں وہ اس بات چیت کے موضوع سے ہٹ کر ہی ہوگی اور آپ کے تعاقب کی خاطر میرے لیے بھی اس راہ چلنا ناگزیر ہوگا۔

۲۰ رشعبان ۱۴۰۳ھ   ابن عبدالحق بقلمہ

سرفراز کالونی جی ٹی روڈ گوجرانوالہ



کیا تقلید واجب ہے؟

تحریری مناظرہ

ما بین

حافظ عبد المنان نور پوری حفظہ اللہ
مدرس جامعہ محمدیہ جی ٹی روڈ گوجرانوالہ

اور

قاضی شمس الدین حنفی دیوبندی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

جناب قاضی صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

بندہ کا سوال ہے امید ہے جناب جواب دے کر اس کی تسلی کریں گے سوال یہ ہے حضرت الامام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تقلید قرآن وحدیث کی رو سے فرض ہے یا واجب ہے یا سنت؟

نیز جو شخص حضرت الامام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی تقلید نہیں کرتا وہ قرآن وحدیث کی روشنی میں کیسا ہے؟ (ماسٹر محمد خالد ۲۱ شوال ۱۴۰۱ھ سرفراز کالونی جی ٹی روڈ گوجرانوالہ)

حضرت القاضی (۱):

۲۲ شوال ۱۴۰۱ھ

ایک امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی تقلید کوئی واجب نہیں کہتا اور نفس تقلید کا وجوب قرآن کریم سے ثابت ﴿ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَمَا يَعْقِلُهَا اِلَّا الْعَالِمُوْنَ ﴾ خلاصہ یہ کہ مثالوں پر عمل کرنا تو سب لوگوں پر واجب ہے اور ان کو سمجھنا صرف علم والوں کا کام ہے۔ تو دوسروں پر واجب ہے کہ ان سے پوچھا کہ ان پر عمل۔ (شمس الدین)

حضرت الحافظ (۱):

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۲۲ شوال ۱۴۰۱ھ کی بات ہے کہ جناب محمد خالد صاحب نے وجوب تقلید کے اثبات میں حضرت القاضی شمس الدین صاحب مدظلہ کا ایک فتویٰ بندہ کو دکھایا اور اس پر کچھ لکھنے کا مطالبہ کیا جسے اس نے قبول کر لیا۔

تو حضرت قاضی صاحب اپنے اس فتویٰ میں لکھتے ہیں ''نفس تقلید کا وجوب قرآن

کریم سے ثابت[1] ﴿ وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَمَا يَعْقِلُهَا إِلَّا الْعَالِمُونَ[2] ... الخ ﴾ ''اور یہ مثالیں بیان کرتے ہیں ہم لوگوں کے واسطے اور ان کو سمجھتے وہی ہیں جن کو سمجھ ہے''۔

اہل علم کو معلوم ہے کہ جب تک دعویٰ میں مذکور الفاظ کے معانی متعین نہ ہوں اس وقت تک معلوم نہیں ہو سکتا کہ وہ دعویٰ مدعی کی پیش کردہ دلیل سے ثابت ہو بھی رہا ہے یا نہیں' اور الفاظ دعویٰ کے معانی مدعی ہی متعین کیا کرتا ہے یا پھر اس کا کوئی وکیل۔

لہٰذا جناب ماسٹر صاحب سے اپیل ہے کہ وہ حضرت قاضی صاحب سے ان کے اپنے ہی دعوے میں مذکور الفاظ تقلید' نفس تقلید اور وجوب کے معانی متعین کروائیں کہ وہ اس مقام پر تقلید' نفس تقلید اور وجوب سے کیا کیا معانی مراد لے رہے ہیں تا کہ جائزہ لیا جا سکے آیا ان کا دعویٰ ''نفس تقلید کا وجوب'' اللہ تعالیٰ کے قول ﴿ وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَمَا يَعْقِلُهَا إِلَّا الْعَالِمُونَ ﴾ سے ثابت ہوتا بھی ہے یا نہیں؟ (ابن عبدالحق بقلمہ سرفراز کالونی جی ٹی روڈ گوجرانوالہ ۲۳ شوال ۱۴۰۱ھ)

حضرت القاضی (۲):

سوال یہ پوچھنا ہے کہ جو آدمی علم نہیں رکھتا وہ ان مثالوں پر عمل کس طرح کرے اہل علم کی تقلید میں یا بلا تقلید؟ (شمس الدین)

حضرت الحافظ (۲):

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۲۵ شوال ۱۴۰۱ھ کو جناب ماسٹر محمد خالد صاحب حضرت القاضی شمس الدین

---

[1] اس مقام پر ''ہے'' کا لفظ حضرت قاضی صاحب کی تحریر میں نہیں نیز ان کی تحریر کے آغاز میں تسمیہ نہیں ہے۔ [2] العنکبوت ۴۳ پ ۲۰۔

صاحب مدظلہ کی دوسری تحریر بندہ کے پاس لائے جس میں حضرت قاضی صاحب فرماتے ہیں ''سوال یہ پوچھنا ہے کہ جو آدمی علم نہیں رکھتا وہ ان مثالوں پر عمل کس طرح کرے کسی اہل علم کی تقلید میں یا بلا تقلید؟''۔

جناب ماسٹر صاحب! آپ کو معلوم ہے کہ حضرت قاضی صاحب اپنی پہلی تحریر میں نفس تقلید کے وجوب کے قرآن کریم سے ثابت ہونے کا نہ صرف دعویٰ فرما چکے ہیں بلکہ وہ اپنے اس دعویٰ پر اپنے ہی خیال کے مطابق قرآن مجید کی آیت مبارکہ ﴿ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَمَا يَعْقِلُهَا اِلَّا الْعَالِمُوْنَ ﴾ بھی بطور دلیل لکھ چکے ہیں۔

نیز آپ کے علم میں ہے کہ بندہ نے حضرت قاضی صاحب کی اس پہلی تحریر کے جواب میں لکھا تھا ''اہل علم کو معلوم ہے کہ جب تک دعویٰ میں مذکور الفاظ کے معانی متعین نہ ہوں اس وقت تک معلوم نہیں ہوسکتا کہ وہ دعویٰ مدعی کی پیش کردہ دلیل سے ثابت ہو بھی رہا ہے یا نہیں اور الفاظ دعویٰ کے معنی مدعی ہی متعین کیا کرتا ہے یا پھر اس کا کوئی وکیل''۔

لہٰذا ماسٹر صاحب سے اپیل ہے کہ وہ حضرت قاضی صاحب سے ان کے اپنے ہی دعویٰ میں مذکور الفاظ تقلید' نفس تقلید اور وجوب کے معانی متعین کروائیں کہ وہ اس مقام پر تقلید نفس تقلید اور وجوب سے کیا کیا معانی مراد لے رہے ہیں تاکہ جائزہ لیا جاسکے آیا ان کا دعویٰ ''نفس تقلید کا وجوب اللہ تعالیٰ کے قول:

﴿ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَمَا يَعْقِلُهَا اِلَّا الْعَالِمُوْنَ ﴾

سے ثابت ہوتا بھی ہے یا نہیں؟''

تو اب چاہیے تو یہ تھا کہ حضرت قاضی صاحب اپنی اس دوسری تحریر میں بتاتے کہ وہ تقلید' نفس تقلید اور وجوب سے فلاں فلاں معانی مراد لے رہے ہیں تاکہ ہم بھی آپ لوگوں کو ان کے بیان فرمودہ معانی کی روشنی میں بتا سکتے آیا ان کا دعویٰ

''نفس تقلید کا وجوب'' مذکورہ بالا آیت مبارکہ سے ثابت ہو بھی رہا ہے یا نہیں مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا اس لئے آپ سے اپیل ہے کہ آپ ان سے ان کے دعویٰ میں مذکور الفاظ تقلید نفس تقلید اور وجوب کے معانی متعین کروائیں' پھر ہم آپ کو بتا سکیں گے۔ آیا ان کا دعویٰ ''نفس تقلید کا وجوب'' مذکورہ بالا آیت کریمہ یا قرآن حکیم کی کسی دوسری آیت مبارکہ یا رسول کریم ﷺ کی کسی حدیث شریف سے ثابت ہوتا بھی ہے یا نہیں؟

رہا حضرت قاضی صاحب کا اپنی دوسری تحریر میں سوال جو آدمی علم نہیں رکھتا وہ ان مثالوں پر عمل کس طرح کرے' کسی اہل علم کی تقلید میں یا بلا تقلید! تو اس کا جواب بھی اس وقت تک نہیں دیا جا سکتا جب تک حضرت قاضی صاحب اپنے اس سوال میں مذکور لفظ تقلید کا معنی متعین نہ فرما دیں۔

اس لئے آپ سے درخواست ہے کہ آپ حضرت قاضی صاحب سے تقلید' نفس تقلید اور وجوب کے معنی متعین کروا لیں تو پھر ہم انشاء اللہ العزیز ان کے اس سوال کا جواب دیں گے۔ نیز آپ کو بتائیں گے کہ ان کا دعویٰ ''نفس تقلید کا وجوب'' آیت مذکورہ یا قرآن حکیم کی کسی دیگر آیت کریمہ یا رسول کریم ﷺ کی کسی حدیث شریف سے ثابت ہوتا بھی ہے یا نہیں؟ (۲۵ شوال ۱۴۰۱ھ ابن عبدالحق بقلمہ سرفراز کالونی جی ٹی روڈ گوجرانوالہ)

حضرت القاضی (۳):

نفس تقلید سے میری مراد یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ یا امام شافعی کی تعیین ضروری نہیں البتہ جو علم نہیں رکھتا اس پر واجب ہے کہ اہل علم کی تقلید میں ان سے پوچھ کر اس پر عمل کرے اور یہی اس آیت سے ثابت ہوتا ہے۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ ((لَا صَلٰوةَ بَعْدَ صَلٰوةِ الْفَجْرِ)) والی حدیث کسی غیر مقلد کی زبان سے نہیں سنی اور ((لَا صَلٰوةَ اِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ)) ہر وقت سناتے ہیں پہلی کو کیوں چھپا رہے ہیں؟ (شمس الدین)

حضرت الحافظ (۳):

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۲۹ شوال ۱۴۰۱ھ کو جناب ماسٹر محمد خالد صاحب حضرت قاضی شمس الدین صاحب مدظلہ کی تیسری تحریر بندہ کے پاس لائے جس میں حضرت قاضی صاحب فرماتے ہیں۔

نفس تقلید سے میری مراد یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ امام شافعی کی تعیین ضروری نہیں البتہ جو علم نہیں رکھتا اس پر واجب ہے کہ اہل علم کی تقلید میں ان سے پوچھ کر اس پر عمل کرے اور یہی اس آیت سے ثابت ہوتا ہے۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ ((لَا صَلٰوۃَ بَعْدَ صَلٰوۃِ الْفَجْرِ)) والی حدیث کسی غیر مقلد کی زبان سے نہیں سنی اور ((لَا صَلٰوۃَ اِلَّا بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ)) ہر وقت سناتے ہیں پہلی کو کیوں چھپا رکھا ہے؟'' ماسٹر صاحب! آپ جانتے ہیں کہ حضرت قاضی صاحب نے اپنی پہلی تحریر میں دعویٰ کیا تھا ''نفس تقلید کا وجوب قرآن کریم سے ثابت ﴿وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَمَا يَعْقِلُهَا اِلَّا الْعَالِمُوْنَ﴾ (عنکبوت ۴۳ پارہ ۲۰) نیز آپ جانتے ہیں کہ بندہ نے حضرت قاضی صاحب کی اس پہلی تحریر کے جواب میں اپنی پہلی اور دوسری تحریر میں لکھا تھا۔

> ''اہل علم کو معلوم ہے کہ جب تک دعویٰ میں مذکور الفاظ کے معانی متعین نہ ہوں اس وقت تک معلوم نہیں ہو سکتا کہ وہ دعویٰ مدعی کی پیش کردہ دلیل سے ثابت ہو بھی رہا ہے یا نہیں الفاظ دعویٰ کے معانی مدعی ہی متعین کیا کرتا ہے یا پھر اس کا کوئی وکیل''۔

لہٰذا ماسٹر صاحب سے اپیل ہے کہ وہ حضرت قاضی صاحب سے ان کے اپنے ہی دعویٰ میں مذکور الفاظ تقلید، نفس تقلید اور وجوب کے معانی متعین کروائیں کہ وہ اس مقام پر تقلید، نفس تقلید اور وجوب سے کیا کیا معانی مراد لے رہے ہیں تاکہ جائزہ لیا جا سکے آیا

ان کا دعویٰ ''نفس تقلید کا وجوب'' اللہ تعالیٰ کے قول ﴿ وَ تِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَ مَا يَعْقِلُهَا اِلَّا الْعَالِمُوْنَ ﴾ سے ثابت ہوتا بھی ہے یا نہیں؟''

حضرت قاضی صاحب نے اپنی اس تیسری تحریر میں نفس تقلید سے اپنی مراد تو بیان کر دی ہے۔ البتہ تقلید اور واجب یا وجوب سے اپنی مراد کو انہوں نے ابھی تک بیان نہیں کیا ہاں انہوں نے اپنے دعویٰ ''نفس تقلید کے وجوب'' کو اپنے قول ''جو علم نہیں رکھتا اس پر واجب ہے کہ اہل علم کی تقلید میں'' الخ میں ضرور دہرایا ہے۔

تو جناب ماسٹر صاحب سے پرزور اپیل ہے کہ وہ حضرت قاضی صاحب سے ان کے اپنے ہی دعویٰ میں مذکور الفاظ تقلید اور واجب یا وجوب کے معانی متعین کروائیں تاکہ معلوم کیا جاسکے آیا ان کا دعویٰ ''نفس تقلید کا وجوب'' مذکورہ آیت مبارکہ سے ثابت ہوتا بھی ہے یا نہیں؟

باقی حدیث ((لا صلوة بعد صلوة الفجر ... الخ)) کو کسی اہل حدیث نے کبھی بھی نہیں چھپایا وہ تو اس حدیث کو بھی اپنی تحریرات' اپنے درس و تدریس کے حلقوں اور بوقت ضرورت اپنے جلسوں میں بیان کرتے اور عوام الناس کو سناتے رہتے ہیں' لہٰذا اہل حدیث کو اس یا کسی اور حدیث کے چھپانے کا الزام دینا بے بنیاد اور واقع کے خلاف ہے۔

رہا کسی مقلد کا اس حدیث کو اہل حدیث کی زبان سے نہ سننا تو یہ اس مقلد کی کوتاہی ہے۔ اگر وہ مقلد اہل حدیث حضرات کی تحریرات پڑھے' ان کے درس و تدریس کے حلقوں میں شامل ہو اور ان سے اس حدیث کی بابت سوال کرے تو ان شاء اللہ العزیز اس کا اس حدیث کو اہل حدیث کی زبان سے نہ سننے والا شکوہ بھی کافور ہو جائے۔

حضرت قاضی صاحب کے اس دوسرے سوال کے پس منظر میں جو ذہنی شبہات ہیں ان کے ازالہ کی خاطر بندہ اور مفتی جمال احمد صاحب مقلد حنفی کے مابین

۱۰۵ صفحات پر مشتمل تحریری بات چیت کی ایک نقل حاضر خدمت ہے اور درخواست ہے کہ حضرت قاضی صاحب ایک دفعہ ضرور بالضرور اس کا مطالعہ فرمائیں۔

جناب ماسٹر صاحب! حضرت قاضی صاحب کوئی سائل نہیں کہ سوال ہی سوال کرتے چلے جائیں وہ مدعی ہیں ''نفس تقلید کا وجوب'' ان کا دعویٰ ہے اور مدعی ہونے کی حیثیت سے تقلید اور وجوب کے معنی کا متعین کرنا ان کی ذمہ داری ہے اس لئے آپ سے گزارش ہے کہ آپ ان سے ان کے اپنے ہی دعویٰ میں مذکور الفاظ تقلید اور وجوب کے معانی متعین کروائیں تاکہ ان کے بیان کردہ معانی کی روشنی میں دیکھا جاسکے' آیا ان کا دعویٰ ''نفس تقلید کا وجوب'' قرآن کریم اور حدیث شریف سے ثابت ہوتا بھی ہے یا نہیں؟

نوٹ: آئندہ اس بات چیت کے موضوع حضرت قاضی صاحب کے دعویٰ ''نفس تقلید کے وجوب'' سے تعلق نہ رکھنے والی کسی بات کا جواب نہیں دیا جائے گا۔ ان شاء اللہ العزیز۔ ہاں اگر حضرت قاضی صاحب کو کسی اور مسئلہ پر بات چیت کرنے کا شوق ہو تو وہ اپنے اس دعویٰ ''نفس تقلید کے وجوب'' پر مکالمہ مکمل ہونے کے بعد اپنا یہ شوق بھی پورا فرما سکتے ہیں۔

(ابن عبدالحق بقلمہ سرفراز کالونی جی ٹی روڈ گوجرانوالہ ۳۰ شوال ۱۴۰۱ھ)

حضرت القاضی (۴):

واجب وہ ہے جو دلیل قطعی الثبوت ظنی الدلالۃ یا ظنی الثبوت قطعی الدلالۃ سے ثابت ہو۔

تقلید کے معنی ہیں کسی اہل علم سے قرآن اور احادیث سے مسائل ثابتہ پڑھ سن کر ان پر عمل کرنا۔

ایک اور حدیث جس کو چھپاتے اور اس کی خلاف ورزی کرتے ہیں: لَوْلَا اَنْ اَشُقَّ اُمَّتِیْ لَاَخَّرْتُ الْعِشَاءَ اِلٰی ثُلُثِ اللَّیْلِ (شمس الدین)

حضرت الحافظ (۴):

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جناب ماسٹر صاحب! آپ کو معلوم ہے کہ بندہ نے اپنی گذشتہ تین تحریرات میں سے ہر تحریر میں لکھا ''آپ سے گذارش ہے کہ آپ حضرت قاضی صاحب سے ان کے اپنے ہی دعویٰ میں مذکور الفاظ تقلید اور وجوب کے معانی متعین کروائیں تاکہ ان کے بیان کردہ معانی کی روشنی میں دیکھا جا سکے آیا ان کا دعویٰ ''نفس تقلید کا وجوب'' قرآن کریم اور حدیث شریف سے ثابت ہوتا ہے یا نہیں۔

تو اس بار بار کے مطالبہ کے بعد حضرت قاضی صاحب تقلید کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں ''تقلید کے معنی ہے کسی اہل علم سے قرآن اور احادیث سے مسائل ثابتہ پڑھ سن کر ان پر عمل کرنا'' حضرت قاضی صاحب کے بیان کردہ تقلید کے اس معنی پر مندرجہ ذیل سوالات وارد ہوتے ہیں امید ہے جناب قاضی صاحب ان کا تسلی بخش جواب دیں گے۔

(۱) ارشاد الفحول میں بحوالہ تحریر ابن ہمام حنفی رحمہ اللہ ص ۲۶۵ لکھا ہے: **اَلتَّقْلِيْدُ الْعَمَلُ بِقَوْلِ مَنْ لَيْسَ قَوْلُهُ اِحْدَى الْحُجَجِ بِلَا حُجَّةٍ.** یعنی ''تقلید اس شخص کے قول پر بلا دلیل عمل کرنے کا نام ہے جس شخص کا قول حجتوں میں سے کوئی سی حجت نہ ہو''۔ تو حضرت قاضی صاحب کے بیان کردہ اور ابن ہمام حنفی کے بیان فرمودہ تقلید کے معنی میں کئی ایک فرق ہیں جن سے بڑے دو فرق نیچے لکھے جاتے ہیں۔

پہلا فرق: ابن ہمام حنفی کے بیان فرمودہ معنی کی رو سے کسی کی تقلید میں کئے ہوئے عمل کا بلا دلیل ہونا ضروری ہے' جیسے کہ ان کے قول ''بلاحجة'' سے واضح ہے جبکہ حضرت قاضی صاحب کے بیان کردہ معنی کے لحاظ سے کسی کی تقلید میں کئے ہوئے عمل کے بلا دلیل ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ ان کے الفاظ ہیں ''تقلید کے معنی ہے کسی اہل علم سے قرآن اور احادیث سے مسائل ثابتہ پڑھ سن کر ان

پر عمل کرنا''۔ اور یہ بات (اظہر من الشمس ہے) کہ قرآن اور احادیث سے مسائل ثابتہ کا دلیل ہونا ناممکن ہے ورنہ وہ مسائل قرآن اور احادیث سے ثابتہ نہ رہیں گے۔

دوسرا فرق: ابن ہمام حنفی کے بیان فرمودہ معنی کے اعتبار سے نبی کریم ﷺ سے پڑھ سن کر عمل کرنا تقلید نہیں کیونکہ انہوں نے فرمایا ہے: **بقول من لیس قوله احدی الحجج.** اور ہر مسلمان جانتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے اقوال اور اعمال شرعی دلائل ہیں' ادھر حضرت قاضی صاحب کے بیان کردہ معنی کی رو سے نبی کریم ﷺ سے پڑھ سن کر عمل کرنا بھی تقلید ہے کیونکہ ان کا قول ہے''تقلید کے معنی ہے کسی اہل علم سے قرآن اور احادیث سے مسائل ثابتہ ....الخ''۔ اور کسی اہل علم میں رسول کریم ﷺ بھی شامل ہیں۔ جیسا کہ آپ ﷺ ((وما یعقلها الا العالمون)) میں شامل ہیں۔

تو حضرت قاضی صاحب اور ابن ہمام حنفی کے بیان کردہ تقلید کے دونوں معانی درست نہیں ہو سکتے کیونکہ حضرت قاضی صاحب کے معنی میں' جس چیز کا اثبات ہے ابن ہمام حنفی کے معنی میں اس کی نفی ہے اور قاضی صاحب کے معنی میں جس چیز کی نفی ہے ابن ہمام حنفی کے معنی میں اس کا اثبات جیسا کہ مندرجہ بالا بڑے دو فرقوں سے واضح ہو رہا ہے تو لامحالہ ان دو معنوں سے ایک معنی نادرست ہے تو اب حضرت قاضی صاحب ہی فرمائیں آیا ان کا اپنا معنی درست ہے یا ابن ہمام حنفی کا؟

یاد رہے ابن ہمام حنفی تقلید کا مذکور بالا معنی بیان کرنے میں اکیلے نہیں بلکہ صاحب مسلم الثبوت صاحب تاریخ التشریع الاسلامی اور دیگر بزرگوں نے بھی ان کے معنی سے ملتا جلتا معنی ہی بیان کیا ہے۔

(۲) حضرت قاضی صاحب کے بیان کردہ معنی کے لحاظ سے تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین' تابعین عظام علیہم السلام' حضرت الامام ابوحنیفہ رحمہ اللہ علیہ' حضرت الامام مالک رحمہ اللہ علیہ' حضرت الامام شافعی رحمہ اللہ علیہ اور حضرت الامام احمد بن حنبل رحمہ اللہ علیہ سمیت پوری امت مسلمہ کے تمام مجتہدین بھی مقلدین کی

فہرست میں شامل ہوتے ہیں کیونکہ وہ سبھی قرآن اور احادیث سے مسائل ثابتہ کو اپنے استاذہ کرام سے پڑھ سن کر عمل کیا کرتے تھے اور بدیہی بات ہے کہ جو معنی مجتہد پر صادق آ جائے اور پوری امت مسلمہ کو اپنی لپیٹ میں لے لے وہ معنی تقلید کا تو ہرگز نہیں ہو سکتا کیونکہ کوئی مجتہد بھی مقلد نہیں ہوتا اور نہ ہی ساری امت مسلمہ مقلد ہے۔

(۳) حضرت قاضی صاحب کا معنی بتا رہا ہے کہ مقلد جن مسائل کو کسی اہل علم سے پڑھ سن کر اپنائے گا ان مسائل کا قرآن اور احادیث سے ثابت ہونا نیز ان مسائل کے قرآن اور احادیث سے ثابت ہونے کا اس کو علم ہونا ضروری ہے''لِاَنَّ مَا يَتَوَقَّفُ عَلَيْهِ الْوَاجِبُ وَاجِبٌ'' ورنہ اسے پتہ نہیں چل سکے گا کہ وہ مسائل ثابتہ پڑھ سن رہا ہے یا مسائل غیر ثابتہ۔ اور واضح ہے' جب اسے ان مسائل کے قرآن اور احادیث سے ثابت ہونے کا علم ہو گیا تو پھر وہ ان مسائل کو کسی اہل علم سے پڑھے سنے یا نہ پڑھے سنے دونوں صورتوں میں مقلد نہ رہے گا۔

(۴) حضرت قاضی صاحب کے اس معنی سے واضح ہو رہا ہے کہ تقلید کرنے والا شخص جن مسائل میں کسی اہل علم کی تقلید کرتا ہے اس کو ان مسائل کے قرآن اور احادیث سے ثابت ہونے کا لازماً علم ہوتا ہے۔ لِاَنَّ مَا يَتَوَقَّفُ عَلَيْهِ الْوَاجِبُ وَاجِبٌ حالانکہ ان کی اپنی ہی پہلی تین تحریروں سے واضح ہے کہ تقلید کرنے والا شخص بے علم ہوتا ہے چنانچہ وہ اپنی پہلی تحریر میں فرماتے ہیں۔''ان مثالوں پر عمل کرنا تو سب لوگوں پر واجب ہے اور ان کو سمجھنا صرف علم والوں کا کام ہے تو دوسروں پر واجب ہے کہ ان سے پوچھ کر ان پر عمل[1]'' اپنی دوسری تحریر میں لکھتے ہیں سوال یہ پوچھنا ہے کہ جو آدمی علم نہیں رکھتا وہ ان مثالوں پر عمل کس طرح کرے۔ کسی اہل علم کی تقلید میں یا بلا تقلید' اور اپنی تیسری تحریر میں بیان کرتے ہیں''البتہ جو علم نہیں رکھتا اس پر واجب ہے

---

[1] حضرت قاضی صاحب نے اس مقام پر لفظ''کریں'' وغیرہ نہیں لکھا۔

کہ اہل علم کی تقلید میں ان سے پوچھ کر اس پر عمل کرے'' تو حضرت قاضی صاحب دو ٹوک فیصلہ دیں مقلد عالم ہوتا ہے یا نہیں؟ اگر وہ فرمائیں مقلد عالم ہوتا ہے تو اس صورت میں ان کی ان پہلی تینوں تحریروں کی تردید ہو جاتی ہے۔ کیونکہ انہوں نے خود ہی ان میں مقلد کو بے علم قرار دے رکھا ہے اور اگر وہ فرمائیں مقلد عالم نہیں ہوتا تو پھر اس میں ان کے اپنی اس چوتھی تحریر میں بیان کردہ تقلید کے معنی کی تغلیط ہو جاتی ہے کیونکہ اس معنی کی رو سے مقلد کا عالم ہونا ضروری ہے۔ لما تقدم۔

(۵) حضرت قاضی صاحب نے مذکور بالا بیان کردہ معنی کے اعتبار سے تقلید کرنے والے شخص کی تقلید کرنے سے پہلے قرآن اور احادیث سے مسائل ثابتہ کا عالم ہونا ضروری ہے لما تقدم اور اگر اس کا یہ قبل از تقلید علم بھی تقلیداً ہو اور ایسے ہی اس سے پہلے الی غیر النہایہ تو تسلسل لازم آئے گا ورنہ تقلید ختم۔

حضرت قاضی صاحب واجب کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں ''واجب وہ ہے جو دلیل قطعی الثبوت ظنی الدلالۃ یا ظنی الثبوت قطعی الدلالۃ سے ثابت ہو'' تو حضرت قاضی صاحب نے اپنے اس قول میں واجب کی دلیل کی کیفیت و حالت تو بیان فرما دی مگر اس کے فعل (کرنے) اور ترک (نہ کرنے) کی کیفیت و حالت کو انہوں نے بیان نہیں کیا اس لیے ان کی خدمت میں گزارش ہے کہ وہ اس کے فعل (کرنے) اور ترک (نہ کرنے) کی کیفیت و حالت بھی واضح کریں آیا اس کا فعل (کرنا) ضروری لازمی حتمی اور جزمی ہے یا نہیں پھر اس کا ترک (نہ کرنا) منع ہے یا نہیں تاکہ واجب کا پورا پورا معنی سامنے آ جائے نیز وہ بتائیں کہ وجوب کا درجہ ان کے ہاں شرعی ہے یا اصطلاحی؟

رہا حضرت قاضی صاحب کا قول ''ایک اور حدیث جس کو چھپاتے اور اس کی خلاف ورزی الخ'' تو وہ خلاف واقع ہونے کے ساتھ ساتھ اس بات چیت کے موضوع حضرت قاضی صاحب کے اپنے ہی دعویٰ ''نفس تقلید کے وجوب'' سے بالکل

کوئی تعلق نہیں رکھتا اس لیے یہ بندہ حسب وعدہ ’’آئندہ اس بات چیت کے موضوع حضرت صاحب کے دعویٰ ’’نفس تقلید کے وجوب‘‘ سے تعلق نہ رکھنے والی کسی بات کا جواب نہیں دیا جائے گا ان شاء اللہ العزیز۔ ہاں اگر قاضی صاحب کو کسی اور مسئلہ پر‘‘ الخ (بندہ کی تحریر نمبر۳ ص ۳) ان کے اس قول کا جواب لکھنے کو تیار نہیں۔

تو حضرت ماسٹر صاحب کی خدمت میں درخواست ہے کہ وہ حضرت قاضی صاحب کے بیان کردہ تقلید اور وجوب کے معانی پر مندرجہ بالا سوالات کے جوابات ان سے لکھوائیں تاکہ تقلید اور وجوب کے معنی اپنی اصل اور صحیح صورت میں سامنے آئیں جسے سامنے لانے سے حضرت قاضی صاحب ابھی تک گریز فرما رہے ہیں۔ نیز معلوم کیا جا سکے آیا ان کا دعویٰ ’’نفس تقلید کا وجوب‘‘ قرآن کریم اور حدیث شریف سے ثابت ہوتا بھی ہے یا نہیں؟

(ابن عبدالحق بقلمہ ضراز کالونی جی ٹی روڈ گوجرانوالہ ۳ ذوالقعدہ ۱۴۰۱ھ)

حضرت القاضی (۵):

صرف پوچھنا یہ ہے کہ جو آدمی خود ان مثالوں کا علم نہیں رکھتا اس کے لیے مندرجہ ذیل تین شقوں میں حصر عقلی ہے یا نہیں۔

۱۔ عمل واجب نہ ہو۔

۲۔ خود سمجھ کر عمل کرے۔

۳۔ کسی اہل علم کی تقلید میں عمل کرے۔

ہم تیسری شق کو لیتے ہیں آپ چوتھی شق نکال کر حصر عقلی کو توڑیں یا ان تین شقوں میں سے تیسری کو چھوڑ کر دکھائیں کہ کیا کرے جب تک آپ اس کا جواب نہ دیں میں وقت ضائع نہیں کروں گا۔

شمس الدین

حضرت الحافظ (۵):

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جناب ماسٹر صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کو معلوم ہے کہ ہمارے بار بار مطالبہ کرنے کے بعد حضرت قاضی صاحب نے اپنی چوتھی تحریر میں تقلید اور واجب کے معانی بیان کیے تھے چنانچہ بندہ نے ان کے بیان کردہ تقلید کے معنی پر پانچ اور واجب کے معنی پر دو کل سات سوالات وارد کیے تھے تا کہ حضرت قاضی صاحب ان سات سوالات کا جواب دے کر اپنے بیان کردہ معانی کی تنقیح فرما دیں یا پھر ان سوالات کے لاجواب ہونے کا اعتراف کرتے ہوئے تقلید اور واجب کے صحیح معانی بیان کر دیں کہ بات آگے چل سکے مگر انہوں نے ان دونوں مبنی بر انصاف صورتوں سے کوئی بھی صورت بھی اختیار نہیں فرمائی بلکہ انہوں نے اپنی اس پانچویں تحریر میں اپنی پہلی تحریر میں لکھی ہوئی بات کو ایک نئے انداز میں پیش کر دیا ہے تو ان کی اس پانچویں تحریر کا جواب لکھنے سے پہلے گذشتہ سات سوالات کو اختصاراً دہرا دینا مناسب معلوم ہوتا ہے ہوسکتا کہ قاضی صاحب اب ہی ان کا جواب لکھ دیں چنانچہ وہ سات سوالات نیچے دیکھئے۔

(۱) حضرت قاضی صاحب کے معنی میں جس چیز کا اثبات ہے ابن ہمام حنفی کے معنی میں اس کی نفی تو لامحالہ ان دو معنوں سے ایک معنی نا درست ہے۔ تو اب حضرت قاضی صاحب ہی فرمائیں آیا ان کا اپنا معنی درست ہے یا ابن ہمام حنفی کا؟

(۲) حضرت قاضی صاحب کا معنی تو تمام مجتہدین سمیت پوری امت مسلمہ کو اپنی لپیٹ میں لے رہا ہے حالانکہ کوئی مجتہد ومقلد نہیں ہوتا اور نہ ہی ساری امت مسلمہ مقلد ہے اس لیے ان کا یہ معنی کیونکر درست ہوسکتا ہے؟

(۳) حضرت قاضی صاحب کے معنی سے لازم آتا ہے کہ مقلد تقلید کرنے سے پہلے مسائل کے قرآن وحدیث سے ثابت ہونے کا عالم ہو تو واضح ہے پھر وہ ان

مسائل کو کسی اہل علم سے پڑھے سنے پوچھے یا نہ پڑھے سنے پوچھے دونوں صورتوں میں وہ مقلد نہ رہے گا۔ لہٰذا ان کا یہ معنی کیسے صحیح ہوسکتا ہے۔

(۴) حضرت قاضی صاحب دوٹوک فیصلہ دیں مقلد عالم ہوتا ہے یا نہیں تو ان کی پہلی تینوں تحریریں نادرست کیونکہ ان میں مقلد کو بے علم قرار دیا گیا ہے اور اگر وہ فرمائیں مقلد عالم نہیں ہوتا تو ان کا بیان کردہ تقلید کا معنی غلط کیونکہ اس کی رو سے مقلد کا عالم ہونا ضروری ہے تو حضرت قاضی صاحب فیصلہ فرمائیں ان کا معنی تقلید درست ہے یا ان کی پہلی تین تحریرات؟

(۵) حضرت قاضی صاحب کے معنی کے لحاظ سے مقلد کا قبل از تقلید قرآن وحدیث سے ثابت شدہ مسائل کا عالم ہونا ضروری ہے تو اگر اس کا یہ قبل از تقلید علم بھی تقلیداً ہو اور ایسے ہی اس سے پہلے الی غیر النہایہ تو تسلسل لازم آئے گا ورنہ تقلید ختم۔

یہ پانچ سوال تو تقلید کے معنی سے متعلق تھے رہے واجب سے متعلق دو سوال تو وہ بھی مندرجہ ذیل ہیں۔

(۶) حضرت قاضی نے واجب کا معنی بیان کرتے ہوئے صرف اس کی دلیل کی کیفیت لکھی ہے اس لیے ان سے گزارش ہے کہ وہ اس کے فعل و ترک کی کیفیت بھی بیان فرمادیں؟

(۷) حضرت قاضی صاحب یہ تحریر کریں کہ وجوب کا درجہ ان کے ہاں شرعی ہے یا اصطلاحی؟

ان سات سوالات کو ذہن نشین کرنے کے بعد حضرت قاضی صاحب کی پانچویں تحریر ملاحظہ فرمائیں وہ لکھتے ہیں ''صرف پوچھنا یہ ہے کہ جو آدمی خود ان مثالوں کا علم نہیں رکھتا اس کے لیے مندرجہ ذیل تین شقوں میں حصر عقلی ہے یا نہیں۔ (۱) عمل واجب نہ ہو (۲) خود سمجھ کر عمل کرے (۳) کسی اہل علم کی تقلید میں عمل کرے۔ ہم تیسری شق کو لیتے ہیں آپ چوتھی شق نکال کر حصر عقلی کو توڑیں یا ان تین شقوں میں سے

تیسری کو چھوڑ کر دکھائیں کہ کیا کرے''۔

(۱) حضرت قاضی صاحب مدعی ہیں نفس تقلید کے وجوب کا قرآن کریم سے ثابت ہونا ان کا دعویٰ ہے اس لیے ان کا کام تو تھا کہ تقلید کا وجوب قرآن کریم سے ثابت فرماتے مگر وہ تو ابھی تک تقلید اور وجوب کے صحیح معانی بھی بیان نہیں کر پائے بھلا وہ تقلید کے وجوب کو قرآن و حدیث سے کیا ثابت کریں گے؟

(۲) حضرت قاضی صاحب اگر بندہ کے مندرجہ بالا سات سوالات کے جواب دیتے تو ان کے اس حصر عقلی کی حقیقت کھل کر ان کے سامنے آ جاتی اب بھی وہ ان کے جواب دے کر ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

(۳) حضرت قاضی صاحب اپنے اس مقولہ کے آغاز میں لکھتے ہیں'' جو آدمی خود ان مثالوں کا علم نہیں رکھتا'' الخ اور تیسری شق میں فرماتے ہیں ''کسی اہل علم کی تقلید میں عمل کرے'' اور یہ بات آپ کے علم میں آ چکی ہے کہ حضرت قاضی صاحب کے بیان کردہ تقلید کے معنی کی رو سے تقلید کرنے والے کا قبل از تقلید عالم ہونا ضروری ہے لہٰذا ''کسی اہل علم کی تقلید میں عمل کرے'' کو خود علم نہ رکھنے والے کی شقوں میں شامل کرنا درست نہیں یا پھر تقلید کا حضرت قاضی صاحب کی جانب سے بیان کردہ معنی غلط ہے۔

(۴) قرآن و حدیث کسی اہل علم سے پڑھ یا سن یا پوچھ یا سمجھ کر عمل کرنا حضرت قاضی صاحب کی بیان کردہ تین شقوں کے علاوہ ایک چوتھی شق ہے تو حضرت قاضی صاحب کا قائم کردہ حصر عقلی ٹوٹ گیا اور تیسری شق بھی چھوٹ گئی لہٰذا اپیل کی جاتی ہے کہ حضرت قاضی صاحب جواب تحریر فرمائیں ان کا وقت ضائع نہیں ہوگا کہ ان کی شرط پوری ہو چکی ہے۔

(۵) دوسری شق ''خود سمجھ کر عمل کرے'' میں اگر تقلید ملحوظ ہو تو پھر یہ اور تیسری شق ایک ٹھہریں گی اور اگر اس میں تقلید ملحوظ نہ ہو تو پھر اسے خود علم نہ رکھنے

والے کی شقوں میں شمار کرنا غلط ہے تو حضرت قاضی صاحب کا خود علم نہ رکھنے والے کو ان تین شقوں میں محصور سمجھنا ہی نادرست ہے حصر عقلی یا استقرائی تو بعد کی باتیں ہیں پہلے حصر تو ہو۔

(۶) بندہ کی طرف سے حضرت قاضی صاحب کے بیان کردہ تقلید اور واجب کے معانی پر وارد ہونے والے سات سوالات سے یہ بات تو واضح ہو چکی ہے کہ آیت ﴿وَ تِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَ مَا يَعْقِلُهَا اِلَّا الْعَالِمُوْنَ﴾ سے تقلید کے وجوب پر استدلال بالکل ہی نہ درست ہے تاہم حضرت قاضی صاحب نے تو اپنے خیال کے مطابق یہ استدلال کیا ہوا ہے تو ہم پوچھتے ہیں یہ استدلال انہوں نے ازخود کیا ہے یا کسی سے نقل کیا ہے۔ پہلی صورت میں ان کا قول ''ہم تیسری شق (کسی اہل علم کی تقلید میں عمل کرے) کو لیتے ہیں'' نادرست نیز ان کا دعوائے تقلید غلط اور دوسری صورت میں مذکور استدلال کرنے والے کا نام بتانا حضرت قاضی صاحب کے ذمہ ہے بتائیں وہ کون صاحب ہیں؟

(۷) حضرت قاضی صاحب نے مندرجہ بالا آیت سے اپنے استدلال کی تقریر درج ذیل الفاظ میں کی ہے ''ان مثالوں پر عمل کرنا تو سب لوگوں پر واجب ہے اور ان کو سمجھنا صرف علم والوں کا کام ہے تو دوسروں پر واجب ہے کہ ان سے پوچھ کر ان پر عمل'' (حضرت قاضی صاحب کی پہلی تحریر)

اس تقریر استدلال میں تین جملے۔

۱۔ ان مثالوں پر عمل کرنا تو سب لوگوں پر واجب ہے۔

۲۔ ان کو سمجھنا صرف علم والوں کا کام ہے۔

۳۔ دوسروں (بے علم لوگوں) پر واجب ہے کہ ان سے پوچھ کر ان پر عمل کریں جملہ نمبر۲ پر تو اللہ تعالیٰ کا قول ﴿وَ مَا يَعْقِلُهَا اِلَّا الْعَالِمُوْنَ﴾ دلالت کرتا ہے البتہ اس آیت مبارکہ میں کوئی ایک لفظ بھی نہیں جو جملہ نمبر۱ و نمبر۳ پر دلالت کرے لہٰذا

قاضی صاحب کا اس آیت سے استدلال سراسر غلط ہے ہاں اس آیت کریمہ میں جس چیز کی خبر دی گئی ہے وہ صرف اور صرف اس قدر ہے کہ ہم ان مثالوں کو لوگوں کے لیے بیان کرتے ہیں اور ان کو صرف جاننے والے سمجھتے ہیں۔

(۸) اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ باعلم تو ان مثالوں کو سمجھتے ہیں اور بے علم ان مثالوں کو نہیں سمجھتے۔ جیسا کہ آیت میں موجود قصر سے واضح ہے تو اب ہم پوچھتے ہیں۔ بے علم جن کو حضرت قاضی صاحب اور ان کے ہمنوا مقلد بنانے پر تلے ہوئے ہیں کسی باعلم سے پڑھ یا سن یا پوچھ کر ان مثالوں کو سمجھ لیں گے یا نہیں پہلی صورت تو ہو نہیں سکتی ورنہ اللہ تعالیٰ کی خبر ''بے علم ان مثالوں کو نہیں سمجھتے'' کا واقع کے خلاف ہونا لازم آتا ہے جو محال ہے یاد رہے اس خبر میں بے علم کے ان مثالوں کو سمجھنے کی نفی عام ہے جو اس کے خود سمجھنے' کسی سے پڑھ' سن اور' پوچھ کر سمجھنے اور کسی اور ذریعہ سے سمجھنے سب کی نفی کو شامل ہے۔ اور دوسری صورت میں اس کا کسی باعلم سے پڑھنا' سننا اور پوچھنا عبث و بے فائدہ ہو جاتا ہے۔ تو حضرت قاضی صاحب بتائیں اس آیت سے تقلید کا وجوب کیونکر نکلا ہاں اس آیت سے بے علم کا بے سمجھ ہونا ضرور ثابت ہوتا ہے۔ ﴿ وَ مَا يَعْقِلُهَا اِلَّا الْعَالِمُوْنَ ﴾

(۹) اہل علم خصوصاً ائمہ اربعہ حضرت الامام ابوحنیفہ' حضرت الامام مالک' حضرت الامام شافعی اور حضرت الامام احمد بن حنبل رحمہم اللہ تعالیٰ کے مابین کافی مسائل میں تنازع اور اختلاف پایا جاتا ہے اور تنازع و اختلاف کی صورت میں اللہ تعالیٰ اور رسول کریم ﷺ کی طرف رجوع فرض ہے قرآن مجید میں ہے:

﴿ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ...الاية ﴾ (النساء ۵۹ پ ۵)

''پس اگر جھگڑ پڑو کسی چیز میں تو اس کو رجوع کرو طرف اللہ کے اور رسول کے اگر یقین رکھتے ہو۔''

تو کسی امام کی تقلید (جسے حضرت قاضی صاحب واجب قرار دے رہے ہیں اور اپنے قول ''ہم تیسری شق کو لیتے ہیں'' میں اختیار فرما رہے ہیں) کی صورت میں مندرجہ بالا حکم ربانی اور نص قرآنی کی مخالفت لازم آتی ہے جو ناجائز ہے لہٰذا کسی امام کی تقلید بھی ناجائز رہا ثقہ رواۃ کی روایت پر اعتبار کرنا تو وہ ان کی مروی حدیث کی طرف رجوع ہے نہ کہ ان کے قول کی طرف اور تقلید میں کسی امام کی مروی حدیث کی طرف رجوع نہیں ہوتا بلکہ امام کے قول کی طرف رجوع ہوتا ہے چنانچہ حنفی اصول فقہ کی معتبر کتاب مسلم الثبوت میں لکھا ہے:

''وَ اَمَّا الْمُقَلِّدُ فَمُسْتَنَدُهٗ قَوْلُ مُجْتَهِدِهٖ لَاظَنُّهٗ وَلَا ظَنُّهٗ''۔

تو بندہ نے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے چوتھی شق نکال کر حضرت قاضی صاحب کے مزعوم حصر عقلی کو توڑ دیا ہے نیز تیسری شق چھوڑ کر ان کو دکھا دی ہے۔ لہٰذا ان سے گزارش ہے کہ وہ جواب ضرور لکھیں مطالبہ پورا ہو چکا ہے تو اس وقت جن امور کا جواب دینا حضرت قاضی صاحب کے ذمہ ہے وہ کل سولہ ہیں تقلید اور وجوب کے معانی پر سات سوالات تقلید کے اثبات میں ان کے استدلال پر نو (۹) تعقبات۔

حضرت قاضی صاحب سے مؤدبانہ اپیل ہے کہ پہلے وہ ان سولہ امور کا جواب دیں پھر دیکھیں آیت ﴿ وَ تِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَ مَا يَعْقِلُهَا اِلَّا الْعَالِمُوْنَ﴾ یا دیگر آیات نیز احادیث سے نفس تقلید کا وجوب ثابت ہوتا ہے یا نہیں اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی بتاتے جائیں قرآن وحدیث سے کسی امر کے وجوب پر خود بخود استدلال کرنا اجتہاد ہے یا تقلید؟ پہلی صورت میں آپ کی تقلید ختم دوسری صورت میں آپ کے امام کا اجتہاد ختم۔

(ابن عبدالحق بقلمہ سرفراز کالونی جی ٹی روڈ گوجرانوالہ ۱۳ ذوالقعدہ ۱۴۰۱ھ)



حقیقتِ تقلید

تحریری مناظرہ

محمد صالح گھرجاکھی (طالب علم جماعت دہم)

کے سوالات اور ان کے جوابات

از

حافظ عبدالمنان نورپوری حفظہ اللہ

مدرس جامعہ محمدیہ جی ٹی روڈ گوجرانوالہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

پیش لفظ

از: خالد گھر جاکھی

گھر جاکھ کے شبان یعنی نو جوانانِ اہلحدیث نے ایک قلمی مباحثہ مجھے دکھایا اور کہا کہ ہم اسے شائع کرنا چاہتے ہیں۔ میں نے اسے سارا پڑھا اور بچوں کے جذبہ کو روکنا نہ چاہا۔

ویسے مباحثہ ہونے میں حرج نہیں ہوتا اور برخوردار محمد صالح کا جذبہ بہت صالح ہے کیونکہ مسائل کی تحقیق کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے آدمی معمولی سودا خریدنے کے لیے پن چھان کرتا ہے کیا دین ہی کوئی ایسی چیز ہے جس کو اختلافی مسائل میں بلا تحقیق قبول کرتے چلے جائیں۔ بہر حال محمد صالح صاحب کا جذبہ قابل تحسین ہے۔

پھر مباحثہ قلمی بہ نسبت مباحثہ لسانی کے بہتر بھی ہوتا ہے کیونکہ اس میں تحقیق پوری طرح ہوسکتی ہے بلکہ مسائل و دلائل دیگر احباب کو دکھا کر پوری طرح دیکھے جا سکتے ہیں۔ اور دیگر احباب سے بھی تعاون حاصل کیا جا سکتا ہے۔ نیز جو تحریر ایک دفعہ دے دی جاتی ہے اس کی پابندی کرنی پڑتی ہے ورنہ لسانی مباحثہ میں اکثر لوگ بات کر کے اس پر پابندی نہیں کرتے' بہر حال قلمی مباحثہ کی افادیت زیادہ ہے۔

پچھلے دنوں مجھے ایک برخوردار نے کہا کہ رفع الیدین منسوخ ہو چکا ہے میں نے کہا بیٹا مجھے تو ضرور ایسی دلیل دکھاؤ کیونکہ ہم تو اہلحدیث ارشادِ نبوی پر جان دیتے ہیں ہمارا تو مشن ہی یہ ہے۔

چنانچہ اس نے کہا میرے فلاں مولوی صاحب اُستاد ہیں میں ان سے لکھوا کر لاؤں گا' قریباً مہینہ ڈیڑھ مہینہ کے بعد ایک رقعہ ملا کہ بتاؤ رفع الیدین کیا ہے اس کا کیا حکم ہے میں نے اس کا جواب لکھ کر دے دیا۔ اس کے بعد اس کا کوئی جواب نہ آیا بلکہ کہنے لگے کہ مناظرہ کرلو' میں نے کہا یہ بھی تو مناظرہ ہی ہے۔ دلائل ہیں تو پیش کرو اور ہم سے دلائل لیتے جاؤ' موازنہ خود کرلو' چنانچہ وہ قلمی مباحثہ سے پہلو تہی کر گئے۔

بہر حال یہ ایک اچھا سلسلہ ہے اور شبان اہلحدیث کے برخورداروں نے کہا کہ ہم چاہتے ہیں یہ تمام گفتگو عوام تک پہنچ جانی چاہیے تا کہ دوسرے لوگ بھی اس سے استفادہ کرسکیں۔

خالد گھرجاکھی



مکتوب نمبر۱:

باسمہ تعالیٰ

محترم المقام جناب حافظ عبدالمنان صاحب

السلام علیکم کے بعد عرض ہے میں نے دو تین خط مولانا بہادر بیگ راولپنڈی والوں کو لکھے اور دو عدد خط مولوی عبداللہ صاحب گوجرانوالہ کو لکھے اور دو عدد خط مولوی عبدالحفیظ صاحب سرگودھا والوں کو لکھے۔ لیکن کسی نے جواب نہیں دیا حالانکہ جواب کے لیے واپسی لفافہ بھیجا گیا۔ اب آپ کو بھی جوابی لفافہ ارسال کر رہا ہوں۔ دیکھوں گا کہ آپ بھی جواب دیتے ہیں کہ نہیں۔

سوالات مندرجہ ذیل ہیں:

① کیا مقلدین آپ کے نزدیک مسلمان ہیں یا نہیں؟ (بریلوی۔ دیوبندی)

② کیا مقلدین کا ذبیحہ جائز ہے یا نہیں؟

③ کیا مقلدین کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

④ کیا مقلدین کے پیچھے نماز جنازہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

⑤ کیا مقلدین کی نماز سنت کے مطابق ہے؟

⑥ حنفی اور محمدی نماز میں کیا فرق ہے؟

⑦ کیا مقلدین نماز پڑھتے ہوئے نمازی ہیں یا نہیں؟

⑧ کیا مقلدین ختم نبوت کے منکر ہیں یا نہیں؟

⑨ کیا مرزا غلام احمد قادیانی' سرسید احمد خاں' حکیم نور الدین بھیروی' عبداللہ چکڑالوی' احمد دین بگوی' اسلم جیراجپوری' نیاز فتح پوری' یہ سب اہلحدیث تھے یا نہیں؟ ایمان داری سے تمام سوالات کا جواب دیں۔

⑩ مقلدین آپ کے نزدیک مشرک ہیں یا نہیں؟

آپ کا اخلاقی فرض ہے کہ جواب ضرور دیں۔

خادم

محمد صالح۔ طالب علم جماعت دہم



جواب مکتوب نمبرا:

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

بخدمت جناب محمد صالح صاحب!

هَدَانِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی وَاِيَّاکَ لِلَّتِیْ هِیَ اَقْوَمُ

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ!

امابعد! آپ کے بیشتر سوالات کے جوابات کی خاطر تقلید کی حقیقت کوملحوظ رکھنا ضروری ہے اور معلوم ہے کہ تقلید کی حقیقت کے سلسلہ میں کوئی کچھ کہتا ہے اور کوئی کچھ لہٰذا گزارش ہے کہ آپ اس سلسلہ میں اپنے عندیہ سے مطلع فرمائیں تاکہ اس کی روشنی میں بھی آپ کو آپ ہی کے ان سوالات کے جوابات سے آگاہ کیا جاسکے۔

ویسے اس بندہ کے ہاں تو کسی کی دلیل شرعی کی منافی رائے کو ماننا تقلید ہے پس تقلید کی اس حقیقت کے پیش نظر مقلد کا حکم واضح ہے کہ وہ کون ہے مسلم یا کافر، موحد یا مشرک اور اہل حدیث وسنت یا غیر اہل حدیث وسنت؟ قرآن مجید میں ہے:

﴿ اِتَّخَذُوْا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ ﴾ الخ

یہ آیت مبارکہ بلاشبہ اہل کتاب کے بارہ میں نازل ہوئی مگر جو نام کا مسلمان اہل کتاب والی اس خصلت کو اپنائے وہ بھی ضرور بالضرور اس آیت مبارکہ کی زد میں آئے گا اس مقام پر دیوبندی بریلوی کا سوال نہیں کوئی نام کا اہلحدیث ہی کیوں نہ ہو وہ بھی یہی حکم رکھتا ہے۔

سوال نمبر ۹ میں جن اشخاص کے آپ نے نام لکھے ہیں وہ سب کے سب منکر حدیث ہیں بلکہ منکر قرآن بھی۔

چھٹے سوال کے علاوہ آپ کے باقی تمام سوالات کا جواب تو مذکورہ بالا کلام

میں بیان ہو چکا ف' رہا آپ کا چھٹا سوال تو اس کا جواب یہ ہے سید المرسلین خاتم النبیین محمد (ﷺ) سے قولاً یا فعلاً یا تقریراً منقول بنقل مقبول نماز یا نماز سے متعلق کوئی امر تو محمدی نماز ہے اور امام ابوحنیفہؒ سے قولاً یا فعلاً منقول بنقل معتبر نماز یا نماز سے متعلق کوئی امر حنفی نماز ہے بشرطیکہ وہ محمدی نماز کے موافق نہ ہو تو محمدی نماز اور حنفی نماز میں بس یہی فرق ہے۔

ابن عبدالحق بقلمہ

سرفراز کالونی' گوجرانوالہ

۲ رصفر ۱۴۰۴ھ



مکتوب نمبر۲:

۱۶ر نومبر ۸۳ء

باسمه تعالیٰ

محترم المقام جناب مولانا صاحب!

السلام علیکم ...... جناب کا نوازش نامہ ملا۔ یاد آوری کا شکریہ۔ میرے کسی سوال کا جواب آپ نے نہیں دیا۔ جو آیت کریمہ اتخذوا الیٰ آخرہ آپ نے تحریر کی ہے۔ وہ یہودیوں اور عیسائیوں کے پیشواؤں کے متعلق ہے۔ (کیا ائمہ اربعہؒ بھی حرام کھاتے تھے۔ ہمارا مسائل میں اصول یہ ہے۔ نمبر ایک سب سے پہلے اللہ کی کتاب دوسرے نمبر پر حدیث شریف تیسرے نمبر پر اجماع صحابہؓ چوتھے نمبر پر فقہ)۔

تقلید کا مسئلہ نہ آپ سمجھا سکتے ہیں اور نہ ہی آپ سمجھ سکتے ہیں۔

سوال نمبر ۹ تو یہ تھا کہ جن اشخاص کے نام میں نے لکھے تھے۔ آیا یہ مقلد تھے یا غیر مقلد سرسید احمد خاں' مرزا غلام احمد قادیانی' حکیم نور الدین' اسلم جیراجپوری' احمد دین بگوی' نیاز فتح پوری یہ سب کے سب غیر مقلد تھے۔ کیا اسی کو دیانت کہتے ہیں۔ میں نے عرض کیا تھا۔ کہ جب آپ حنفیوں دیوبندی ہوں یا بریلوی آپ کے نزدیک مشرک ہیں تو ان کی اقتداء میں نماز کیسے ہوسکتی ہے۔ ان کا ذبیحہ کیسے جائز ہوسکتا ہے۔ ان سے رشتہ ناطہ کیسے ہوسکتا ہے کھل کر بات کیوں نہیں کرتے۔ گول مول سا خط لکھ کر ٹال دیتے ہو۔

اگلے خط میں ان شاء اللہ تقلید پر روشنی ڈالوں گا ان اشخاص پر کیا فتویٰ لگاتے ہیں: امام بخاریؒ، امام مسلم، امام ترمذیؒ، اور شاہ ولی اللہؒ ان کے صاحبزادوں پر تمام علماء دیوبند پر۔ اگر تقلید بری ہوتی تو یہ لوگ مقلد نہ ہوتے۔

آپ نے ۱۸۸۸ء میں انگریزی دورِ حکومت میں اہلحدیث نام الاٹ کرایا تھا۔ اشاعۃ السنۃ مصنفہ مولانا محمد حسین صاحب بٹالوی۔ ہندوستان میں آپ کے فرقے کا پہلے نام ونشان بھی نہ تھا۔ اگر تھا تو ثبوت پیش کریں۔

زیادہ نہیں لکھتا۔ اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔

جواب کا منتظر
محمد صالح از گھرجاکھ



نوٹ: یہ اعتراض واقعی کچھ حقیقت رکھتا ہے لیکن اگر برصغیر میں اہلحدیث کی عمر دو صدی ہے تو حنفیت کی عمر ایک صدی زائد ہے کیونکہ چند سادات اور دو یا سہ چند مغلوں کو چھوڑ کر برصغیر کے تمام لوگ ہندوؤں اور سکھوں کی اولاد ہیں یہی وجہ ہے کہ آج تمام معترضین کی چھان پھٹک کریں کوئی دس پشت تک اور اس سے بھی کم یا کچھ زیادہ پشت سے مسلمان ہوئے ہیں اس کے پہلے تمام ہندوؤں کی اولاد ہیں یعنی حنفیت کی عمر بھی برصغیر میں بمشکل ایک صدی اہلحدیث سے زائد ہے۔ (ناشر)

مکتوب نمبر۳:

۲۸رفروری ۸۴ء

باسمہ تعالیٰ

محترم المقام جناب حافظ صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! میں نے ایک جوابی لفافہ آپ کو لکھا تھا آپ نے خالی لفافہ مجھے واپس ارسال کر دیا' مجھے علم تھا کہ آپ خالی لفافہ ہی ارسال کریں گے۔ حضرت مولانا محمد امین صاحب اوکاڑوی نے ہمیں یہ گر بتایا تھا کہ غیر مقلدوں کا کوئی مولوی بھی جواب نہیں دے گا۔ اب میں دیکھوں گا کہ آپ جواب دیتے ہیں یا کہ نہیں۔ اگر آپ نے جواب نہ دیا تو آئندہ آپ کو کبھی خط نہیں لکھوں گا۔

نمبر۱: نماز میں سینے پر یا زیر ناف ہاتھ باندھنا فرض ہیں یا واجب' یا سنت مؤکدہ' اسی طرح آمین کہنا۔ نمبر۲: قرآن وسنت کے سوا اجماع وقیاس قانون سازی کی بنیاد ہے یا نہیں؟۔ نمبر۳: اجماع صحابہؓ۔ اجماع ائمہ مجتہدین دین میں حجت ہے یا نہیں؟۔ نمبر۴: مجتہدین میں سے امام مقرر کی تقلید جائز ہے یا نہیں؟۔

اب آخر میں آپ کی بات کا جواب دیتا ہوں۔ میں امام اعظم ابوحنیفہؒ کا مقلد ہوں۔

محمد صالح طالب علم ویکیشنل کالج
گرجاکھ محلہ بوہے والی کھوئی
کاشانۂ بدر...... گوجرانوالہ



جواب مکتوب نمبر۲و۳:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بخدمت جناب محمد صالح صاحب!

هَدَانِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَاِيَّاكَ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

آپ کو یاد ہے کہ جناب نے اس بندہ کو دس سوال لکھ کر بھیجے جن کا اس فقیر نے اختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے ۲رصفر ۱۴۰۴ھ کو جواب لکھ کر آپ کو روانہ کر دیا جو جواب نیچے درج کیا جاتا ہے ذرا غور سے پڑھیے ان شاء اللہ العزیز بڑا نفع ہوگا۔

آپ کے بیشتر سوالات کے جوابات کی خاطر تقلید کی حقیقت کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے اور معلوم ہے کہ تقلید کی حقیقت کے سلسلہ میں کوئی کچھ کہتا ہے اور کوئی کچھ۔ لہٰذا گذارش ہے کہ آپ اس سلسلہ میں اپنے عندیہ سے مطلع فرمائیں تا کہ اس کی روشنی میں بھی آپ کو آپ ہی کے ان سوالات کے جوابات سے آگاہ کیا جا سکے۔

ویسے اس بندہ کے ہاں تو کسی کی دلیل شرعی کے منافی رائے کو ماننا تقلید ہے پس تقلید کی اس حقیقت کے پیش نظر مقلد کا حکم واضح ہے کہ وہ کون ہے؟ مسلم یا کافر موحد یا مشرک اور اہل حدیث وسنت یا غیر اہل حدیث وسنت؟ قرآن مجید میں ہے:

﴿ اِتَّخَذُوْا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ ﴾ الخ

یہ آیت مبارکہ بلاشبہ اہل کتاب کے بارہ میں نازل ہوئی مگر جو نام کا مسلمان اہل کتاب والی اس خصلت کو اپنائے وہ بھی ضرور بالضرور اس آیت مبارکہ کی زد میں آئے گا' اس مقام پر دیوبندی' بریلوی کا سوال نہیں کوئی نام کا اہلحدیث ہی کیوں نہ ہو وہ بھی یہی حکم رکھتا ہے۔ سوال نمبر ۹ میں جن اشخاص کے آپ نے نام لکھے

ہیں وہ سب کے سب منکر حدیث ہیں بلکہ منکر قرآن بھی۔

چھٹے سوال کے علاوہ آپ کے باقی تمام سوالات کا جواب تو مذکورہ بالا کلام میں بیان ہو چکا رہا آپ کا چھٹا سوال تو اس کا جواب یہ ہے سید المرسلین خاتم النبیین محمد رسول اللہ ﷺ سے قولاً یا فعلاً یا تقریراً منقول بنقل مقبول نماز یا نماز سے متعلق کوئی امر تو محمدی نماز ہے اور امام ابوحنیفہؒ سے قولاً یا فعلاً منقول بنقل معتبر نماز یا نماز سے متعلق کوئی امر حنفی نماز ہے بشرطیکہ وہ محمدی نماز کے موافق نہ ہو تو محمدی نماز اور حنفی نماز میں بس یہی فرق ہے۔

اس کے بعد جناب نے بندہ کو دوسرا خط لکھا جس کے جواب میں کچھ نہ لکھنا مناسب سمجھا گیا البتہ آپ کا بھیجا ہوا جوابی لفافہ تو آپ کو واپس کرنا ہی تھا چنانچہ وہ خالی لفافہ آپ کو واپس بھیج دیا گیا اب آپ نے تیسرا خط بھیجا ہے جس میں آپ نے اس بندہ سے چار سوال کیے جن کے جوابات ترتیب وار نیچے درج کیے جاتے ہیں۔

① نماز میں سینے پر یا زیر ناف ہاتھ باندھنا قرآن و حدیث کی روشنی میں نہ فرض ہیں نہ واجب اور نہ ہی سنت مؤکدہ' ہاں آمین کہنا نبی کریم ﷺ سے قولاً اور فعلاً ثابت ہے۔

② اجماع وقیاس کا قانون سازی کی بنیاد ہونا قرآن وحدیث سے ثابت نہیں۔

③ اجماع صحابہؓ ور اجماع ائمہ مجتہدین کا دین میں حجت ہونا قرآن و حدیث سے ثابت نہیں۔

④ مجتہدین میں سے امام مقرر یا غیر مقرر نیز غیر مجتہدین میں سے کسی معین یا غیر معین کی تقلید کا جائز ہونا قرآن و حدیث سے ثابت نہیں۔ یاد رہے تقلید کا معنی پوری تحریر میں وہی ہے جو یہ بندہ پہلے لکھ چکا ہے۔

ابن عبدالحق بقلمہ ......سرفراز کالونی۔ گوجرانوالہ

۱۴۰۴ھ یکم جمادی الاخریٰ

مکتوب نمبر۴:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محترم المقام جناب حافظ صاحب!

وعلیکم السلام!

کل مؤرخہ ۸۴/۳/۷ کو آپ کا تحریر کردہ خط ملا۔ یاد آوری کا بہت بہت شکریہ! آپ نے اس خط میں لفظ بلفظ وہی عبارت لکھی۔ جو پہلے خط میں تحریر کی۔ قرآن کریم کی بھی وہی آیت میرے محترم ناراض نہ ہونا۔ میں پہلے آپ کے علماء کرام کی عبارتیں خط میں درج کرتا ہوں۔ انہیں غور سے پڑھنا۔ مولوی عبدالشکور حصاروی (ضلع حصار) لکھتے ہیں:

نمبر۱: حق مذہب اہلحدیث ہے۔ اور باقی جھوٹے اور جہنمی ہیں' اہلحدیثوں پر واجب ہے۔ ان تمام گمراہ فرقوں سے بچیں۔

نمبر۲: مقلدین کے ہر دو فرقے دیوبندی اور بریلوی بلاشبہ گمراہ ہیں۔

نمبر۳: مولوی محمد ابراہیم صاحب سیالکوٹی رسالہ فرقہ ناجیہ میں لکھتے ہیں۔

ناجی فرقہ صرف اہلحدیث ہیں۔ باقی بعد میں پیدا ہوئے۔

نمبر۴: اسی طرح مولوی محمد صاحب جونا گڑھی اپنی تصنیفات میں لکھتے ہیں:

نمبر۵: بعض اہلحدیث عالم قسم کھا کر کہتے ہیں کہ حنفیوں کی نماز نہیں ہوتی۔ اور ان کی عورتوں سے بلا طلاق نکاح جائز ہے۔

نمبر۶: مولوی محمد صاحب جونا گڑھی سے کسی نے پوچھا۔ کہ جس کا باپ حنفی ہو کر مرا کیا اس کو یہ دُعا پڑھنی چاہیے۔ ربنا غفرلی

مولوی صاحب جواب دیتے ہیں۔ یہ دُعا نہیں پڑھنی چاہیے۔ کیونکہ اُس کا

باپ مشرک ہو کر مرا۔ معلوم ہوا کہ آپ کے نزدیک حنفی مشرک ہیں۔

اب مسئلہ تقلید کی طرف آتا ہوں۔ اور اپنے عندیہ سے آگاہ کرتا ہوں اسلام کی بنیاد قرآن وحدیث ہے۔

میرے نزدیک صحابہ معیارِ حق ہیں۔ آپ کے نزدیک معیارِ حق نہیں۔

بعض مسائل قرآن کریم اور حدیث شریف سے صراحتاً نہیں ملتے۔

اجتہاد وقیاس کی شرعی حیثیت

سب مسائل قرآن کریم اور حدیث شریف میں مذکور نہیں۔

ہجرت کے نویں سال نبیؑ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کے ایک صوبے کا گورنر بنا کر بھیجا۔ پورا واقعہ آپ کو معلوم ہے۔ اس حدیث کی سند نہایت عمدہ اور کھری ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو مسئلہ قرآن سے نہ مل سکے حدیث شریف سے نہ مل سکے۔ تو جو شخص اجتہاد کا اہل ہو وہ اجتہاد کرے ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام معصوم ہیں۔ ائمہ مجتہدین معصوم عن الخطاء نہیں ہوتے ایک مسئلہ میں مجتہدین کا اختلاف ہوسکتا ہے جمہور محدثین اور ائمہ اربعہ کے مقلد تھے۔

امام تاج الدین سبکیؒ فرماتے ہیں کہ امام بخاریؒ شافعی المسلک تھے۔ امام ترمذی شافعی المسلک تھے۔ امام نسائی شافعی المسلک تھے۔

علامہ عینیؒ حنفی ہیں۔ ملا علی قاری حنفی ہیں۔

سید عبدالقادر جیلانی حنبلی ہیں۔ غرض کوئی حنفی ہے کوئی شافعی ہے کوئی مالکی ہے۔ کوئی حنبلی ہے۔ اگر مقلد مشرک ہے تو ان سب پر فتویٰ لگاؤ۔ لیکن آپ تو حنفیوں کو ہی مشرک کہتے ہیں۔ فروعی مسائل میں ہم امام ابوحنیفہ کی تقلید کرتے ہیں۔

میرا اپنا یہ اصول ہے کہ ہر مسئلہ کے لیے سب سے پہلے ① قرآن کریم ② حدیث شریف ③ اجماع ④ قیاس۔ اگر صحیح حدیث مل جائے تو ہم امام صاحبؒ کے اقوال کو چھوڑ دیتے ہیں۔ آپ لوگوں کو یہ مغالطہ ہے کہ ہم نے امام اعظم

ابو حنیفہ رحمہ اللہ کو مسند رسول پر بٹھا رکھا ہے۔ غلط ہے۔ غلط ہے اللہ پاک آپ کو ہدایت نصیب کرے۔ اللہ پاک آپ کو ہدایت نصیب کرے آمین ثم آمین۔

میں آپ کے فرقے سے بہت متنفر ہوں۔ کیونکہ آپ صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھی بدعتی کہتے ہیں:

جمعہ کی دوسری اذان بدعت ہے یا سنت باقی پھر۔

نوٹ: دوسرے خط کے متعلق مجھے یاد نہیں کہ میں نے کیا لکھا تھا۔

حافظ اسلم جیراجپوری پہلے غیر مقلد تھا۔ پھر اس اسٹیج سے ترقی کر کے اہل قرآن ہو گیا۔ یہ ہے ترک تقلید کی مہربانی۔ آپ اس بات سے ناراض ہو گئے اور مجھے لفافہ خالی بھیج دیا۔ ڈاک خانہ سے لفافہ نہیں ملا' اس لیے جوابی لفافہ نہیں لکھ سکا معاف فرما دیں اگلے خط میں مفصل تقلید کے مسئلہ پر لکھوں گا۔

آپ کا مخلص خادم

محمد صالح گرجا کھ محلّہ بوہے والی کھوہی

کاشانہ بدر......گوجرانوالہ



جواب مکتوب نمبر۴:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

بخدمت جناب محمد صالح صاحب!

هَدَانِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی وَاِيَّاکَ لِلَّتِیْ هِیَ اَقْوَمُ

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

امابعد آپ نے اس چوتھے خط میں ''السلام علیکم'' کی جگہ ''وعلیکم السلام'' لکھا ہے اُمید ہے آئندہ آپ اس کی ضرور رعایت رکھیں گے ان شاء اللہ تعالیٰ بندہ نے صحیح طریقہ ترتیب کے پیش نظر اُوپر ''وعلیکم السلام'' الخ ہی لکھا ہے۔

① آپ لکھتے ہیں ''میرا اپنا یہ اصول ہے کہ ہر مسئلہ کے لیے سب سے پہلے ❶ قرآن کریم ❷ حدیث شریف ❸ اجماع ❹ قیاس''۔ اور آپ خود ہی اس سے تھوڑا سا پہلے تحریر فرماتے ہیں ''فروعی مسائل میں ہم امام ابوحنیفہ کی تقلید کرتے ہیں'' تو آپ کے اپنے ہی مندرجہ بالا اصول کے پیش نظر آپ پر لازم ہے کہ ''فروعی مسائل میں حضرت الامام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی تقلید کرنے'' کے اثبات میں پہلے قرآن کریم کی کوئی آیت مبارکہ پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث شریف لکھیں آخر ''فروعی مسائل میں حضرت الامام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی تقلید کرنا'' بھی تو ''ہر مسئلہ'' میں شامل ہے نا۔ اتنی بات یاد رکھنا کہ قرآنِ کریم کی آیت مبارکہ اور حدیث شریف نقل کرنے سے پہلے تقلید کی حقیقت سے متعلق اپنے عندیہ کو واضح الفاظ میں درج فرما لینا جیسا کہ اس بندہ نے آپ کے دس سوالات کا جواب دینے سے پہلے تقلید کی حقیقت سے متعلق واضح اور واشگاف الفاظ میں لکھا تھا ''اس بندہ کے ہاں تو کسی کی دلیل شرعی کے منافی رائے کو ماننا تقلید ہے'' ورنہ آپ کے ہاں تقلید کی حقیقت وہی سمجھی جائے گی جو بندہ اس سے

قبل بیان کر چکا ہے۔

② نیز آپ لکھتے ہیں: ''اگر صحیح حدیث مل جائے تو ہم امام صاحبؒ کے اقوال چھوڑ دیتے ہیں''۔ یہ بندہ آپ کو آپ کی اس بات پر دو طرح سے غور و فکر کرنے کی دعوت دیتا ہے اُمید کی جاتی ہے کہ آپ ان دو طرح سے ضرور بالضرور غور فرمائیں گے ان شاء اللہ تعالیٰ آخر آپ ماشاء اللہ منصف مزاج ہیں اوّلاً تو اس طرح کہ آپ کی اس مندرجہ بالا بات میں صرف حضرت الامام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہی شامل نہیں بلکہ دنیا بھر کے تمام ائمہؒ شامل ہیں دیکھئے اگر آپ کو صحیح حدیث مل جائے تو کیا آپ حضرت الامام مالکؒ، حضرت الامام شافعی اور حضرت الامام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے اقوال نہیں چھوڑیں گے؟ چھوڑیں گے یقیناً چھوڑیں گے تو اس طرح آپ یہی کیوں نہیں کہہ دیتے کہ ''فروعی مسائل میں ہم امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی تقلید کرتے ہیں'' یا ''فروعی مسائل میں ہم امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی تقلید کرتے ہیں'' یا فروعی مسائل میں ہم امام شافعیؒ کی تقلید کرتے ہیں''۔ اگر آپ کو صحیح احادیث مل جائے تو ان ائمہ کے اقوال کو بھی تو آپ لوگوں نے چھوڑ ہی دینا ہے نا تو پھر ''فروعی مسائل میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تقلید'' کا دعویٰ کرنے سے دیگر مقلدین کی نگاہوں میں گرنے سے آخر آپ کو کوئی فائدہ؟

اور ثانیاً اس طرح کہ آپ حضرت الامام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے کل اقوال سے صرف تین اقوال بطور مثال درج فرمائیں جن کو آپ نے محض صحیح حدیث مل جانے کی بنا پر فی الواقع چھوڑ دیا ہو کیونکہ انصاف واخلاص کا تقاضا یہی ہے۔

③ آپ کے دعویٰ ''فروعی مسائل'' الخ میں فروعی کی قید سے اشارہ ہوتا ہے کہ آپ لوگ اصولی مسائل میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تقلید نہیں کرتے تو کیا امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ آپ کے ہاں اصولی مسائل میں اعلم (زیادہ جاننے والے) نہیں؟ یا اصولی مسائل میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے اقوال آپ کے نزدیک کتاب وسنت

کے اقرب (زیادہ قریب) نہیں یا پھر حضرت الامام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تقلید پر آپ کے ذہن میں معہود دلیل اصولی مسائل میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تقلید پر چسپاں ہی نہیں ہوتی؟ اور اگر اصولی مسائل میں بھی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ آپ کے ہاں اعلم (زیادہ جاننے والے) اصولی مسائل میں بھی ان کے اقوال آپ کے ہاں کتاب وسنت کے اقرب (زیادہ قریب) ہیں اور حضرت الامام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تقلید پر آپ کے ذہن میں معہود دلیل اصولی مسائل میں بھی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تقلید پر چسپاں ہوتی ہے تو پھر آپ نے اپنے دعویٰ میں فروعی کی قید لگا کر آپ کے اصولی مسائل میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تقلید نہ کرنے کی طرف اشارہ کیوں فرمایا اُمید ہے آپ ٹھنڈے دل سے غور فرمائیں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

④ جمعہ کی دوسری اذان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت نہیں۔ مشورہ ہے کہ اب تک اُٹھائے گئے نکتہ جات کو ہی حل فرمائیں اور کوئی نیا سوال نہ اُٹھائیں۔

ابن عبدالحق بقلمہ

سرفراز کالونی...... گوجرانوالہ

۸ر جمادی الاخریٰ ۱۴۰۴ھ



مکتوب نمبر۵:

۲۰ / مارچ ۱۹۸۴ء

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

محترم المقام جناب حافظ صاحب!

علیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

خط آپ کا مؤرخہ ۱۹/۳/۸۴ کو ملا۔ انسان سے غلطی ہو جاتی ہے۔ آپ بھی غلطی کر سکتے ہیں۔ افسوس اس بات کا ہے کہ آپ میرا خط بغور نہیں پڑھتے۔ ابھی تو ابتدا ہے۔ آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا۔ آپ تحریر فرماتے ہیں کہ مجھے اور کوئی سوال نہ لکھیں۔ آپ کا دعویٰ تو یہ ہے کہ ہم اہلحدیث ہیں۔ لیکن عمل حدیث کے خلاف اپنی مسجدوں میں جمعہ کی دوسری اذان کیوں دیتے ہیں۔

مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری نے مرزائیوں کے پیچھے نماز پڑھنا جائز لکھا ہے۔ ان شاء اللہ کچی بات نہیں کروں گا۔ تمام حوالہ جات میرے پاس موجود ہیں۔ آپ نے ۱۸۸۸ء میں انگریز سے اہلحدیث کا نام الاٹ کرایا (رسالہ اشاعۃ السنہ جنگ آزادی ص ٦٦) آپ کے شیخ الکل مجدد اعظم میاں نذیر حسین صاحب دہلویؒ کے زمانے میں غیر مقلدین اس قسم کی نازیبا اور ناشائستہ حرکات شروع کر دیں تھیں۔ میاں صاحب ان کے ناروا رویے سے تنگ آ کر فرماتے ہیں۔ اس زمانہ میں دو گروہ پیدا ہو چکے ہیں۔ ایک گروہ تو ائمہ مجتہدین کو گالیاں دیتا ہے۔ دوسرا گروہ کہتا ہے کہ اپنے آپ کو حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی کہلانا، زنا اور شراب سے زیادہ برا ہے۔ (فتاویٰ نذیریہ)

آپ لوگوں نے اُن مسائل میں اختلاف کیا۔ کہ تیرہ سو سال سے پوری اُمت مسلمہ کا اتفاق رہا۔ آپ کے اکابرین کا بھی اتفاق رہا۔ اب اصل مسئلہ کی طرف آتا ہوں۔

قرآنی آیت وَاتَّبِعُ سَبِيُلَ مَنُ اَنَابَ اِلَيَّ (پیروی کرو اس شخص کی جس نے میری طرف رجوع کیا) تمام محدثین کرام وفقہاء عظام نے اللہ کی طرف رجوع کیا۔

حدیث شریف: ہجرت کے نویں سال حضور ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کا گورنر بنا کر بھیجا۔ میں پہلے بھی یہ حدیث اپنے پہلے خط میں نقل کر چکا ہوں۔ حدیث دیکھ لیں۔ آپ تو ماشاء اللہ عالم ہیں اور میں تو ایک طالب علم ہوں۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا: معاذ تیرے پاس مقدمات آئیں گے۔ کیسے فیصلہ کرو گے عرض کیا یا رسول اللہ! اللہ کی کتاب کے مطابق' فرمایا اگر کتاب اللہ میں نہ پاؤ تو پھر۔ عرض کیا آپ کی سنت کے مطابق فرمایا اگر سنت میں بھی نہ پاؤ تو پھر؟ عرض کیا اپنی رائے اور قیاس پر' حضور نے فرمایا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیُ. اللہ تعالیٰ کی تعریف ہے جس نے پیغمبر خدا ﷺ کے قاصد کو توفیق دی۔ جس پر اللہ راضی اللہ کا رسول بھی راضی اُن کی چھاتی پر ہاتھ مارا۔ اب میں آپ سے دریافت کرتا ہوں کہ تیسری چیز کیا ہے؟ بتائیں۔ اگلے خط میں ضرور بتائیں۔ میں پہلے خط میں وضاحت کر چکا ہوں آپ سے تقلید کی تعریف لکھیں۔ پھر میں لکھوں گا۔ آپ تو ایک ہی رٹ لگا رہے ہیں۔ جو آپ نے یہ لکھا ہے کہ آپ ایک امام کی تقلید کیوں کرتے ہیں۔ دوسروں کی کیوں نہیں ''فروعی مسائل میں'' تو اس کا جواب سنیے:

ایک مریض ہوتا ہے۔ ڈاکٹر چار یا اس سے زیادہ بلائے جاتے ہیں۔ ڈاکٹر اپنی اپنی سمجھ کے مطابق نسخہ تجویز کرتے ہیں۔ کیا تمام ڈاکٹروں کا علاج کریں گے یا ایک ڈاکٹر کا۔ ہم سب اماموں کو مانتے ہیں لیکن آپ تو کسی امام کو نہیں مانتے۔ اماموں کی بات تو ایک طرف رہی۔ آپ تو صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھی نہیں مانتے یہی اذان جمعہ کو لیجیے۔

ضروری نوٹ:

میں آپ کے تمام خط جمع کرتا جاتا ہوں۔ مولانا محمد امین صاحب اوکاڑوی کو ذریعہ رجسٹری بھیج دوں گا۔

آپ چلیں کتنا چلتے ہیں۔ باقی مسائل کی وضاحت اگلے خط میں کروں گا۔

میری تمام باتوں پر ٹھنڈے دل سے غور کرنا افہام وتفہیم سے مسائل حل ہوتے ہیں۔

آپ کا مخلص خادم

محمد صالح ...... کاشانہ بدر

محلّہ بوہے والی کھوہی گرجاکھ



جواب مکتوب نمبر ۵:

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

بخدمت جناب محمد صالح صاحب!

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

امابعد! آپ لکھتے ہیں ''میری تمام باتوں پر ٹھنڈے دل سے غور کرنا افہام و تفہیم سے مسائل حل ہوتے ہیں''۔ یہ بندہ آپ کے یہ بات ارشاد فرمانے سے پہلے بھی اور اب بھی آپ کی تمام باتوں پر ٹھنڈے دل سے غور کرتا ہے اور آئندہ بھی ان شاء اللہ تعالیٰ ایسا ہی کرے گا البتہ آپ بھی تو میری تمام باتوں پر ٹھنڈے دل سے غور کریں نا۔

رہی بات افہام وتفہیم والی تو اس سے متعلق مؤدبانہ گزارش ہے کہ آپ ایک دفعہ پھر سے اس بندہ کے چوتھے خط کو بغور پڑھیں پھر سوچیں آیا آپ کی بات ''آپ پہلے تقلید کی تعریف لکھیں پھر میں لکھوں گا'' بنتی بھی ہے نیز آیت مبارکہ ''واتبع سبیل من اناب الی'' سے آپ کا مدعا ''فروعی مسائل میں ہم امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی تقلید کرتے ہیں'' نکلتا بھی ہے؟

افہام وتفہیم کے ساتھ ساتھ فہم بھی ضروری ہے اُمید کی جاتی ہے کہ آپ اس دفعہ ضرور بالضرور فی الواقع اخلاص کا ثبوت بہم پہنچائیں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

ابن عبدالحق بقلمہ

سرفراز کالونی......گوجرانوالہ

۱۴۰۴ھ......۲۱/ جمادی الاخریٰ



مکتوب نمبر ۶:

۲۸/۳/۸۴

بسم اللہ الرحمن الرحیم

محترم المقام جناب حافظ صاحب!

علیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

جناب کا تحریر کردہ خط مؤرخہ ۲۷/۳/۸۴ کو ملا۔ میں آپ کے تمام خطوط غور سے پڑھتا ہوں۔ لیکن آپ میرا کوئی بھی خط غور سے نہیں پڑھتے۔ آپ لوگوں کے دلوں میں جتنا تعصب امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا ہے۔ اتنا تعصب کسی امام کا نہیں اگر ہم تقلید کی وجہ سے بدعتی اور مشرک ہیں تو کیا شافعی، مالکی، حنبلی، مقلدین بدعتی اور مشرک نہیں۔ پیران پیر سید عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ پر بھی فتویٰ لگائیں۔ پیر صاحبؒ امام احمد بن حنبلؒ کے مقلد تھے۔ امام بخاریؒ شافعی المسلک تھے۔

امام اعظم ابوحنیفہؒ کے متعلق آپ لوگ کہتے ہیں۔ کہ وہ یتیم فی الحدیث تھے۔ آپ کو صرف سترہ حدیثیں یاد تھیں۔

ایک بات پوچھتا ہوں۔ کہ شرع میں اجتہاد ہے یا نہیں۔ دوٹوک جواب دیں۔

سب مسائل قرآن پاک میں اور حدیث شریف میں مذکور نہیں۔ جو حدیث میں نے لکھی تھی کہ حضورؐ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو ہجرت کے نویں سال یمن کا گورنر بنا کر بھیجا تھا۔ میرے چوتھے خط میں ساری تفصیل پڑھ لیں۔ تیسری چیز کیا تھی۔ خدا کا خوف دل میں رکھتے ہوئے۔ وہ چیز بتایئے۔ تاکہ میری اور آپ کی بحث ختم ہو جائے۔ جب آپ صحابہ رضی اللہ عنہم کا کوئی قول اور فعل نہیں مانتے۔ تو اماموں کا قول کیسے مانیں گے۔

مجتہد سے غلطی بھی ہو سکتی ہے۔ لیکن انبیاء علیہم السلام خطا سے معصوم ہوتے ہیں۔

ٹھنڈے دل سے سوچیں۔ انبیاء علیہم السلام میں بھی اجتہادی اختلاف تھا اور صحابہؓ میں بھی اجتہادی اختلاف تھا اور ائمہ اربعہ میں بھی اجتہادی اختلاف تھا دیکھیں تم بڑوں میں بھی اجتہادی اختلاف ہے۔ اپنے گھر کی بات تو مان لیں۔ آپ کہتے ہیں بازاری جرابوں پر مسح جائز ہے۔ اور آپ کے شیخ الکل مجدد اعظم میاں نذیر حسین صاحب دہلوی اور غیر مقلد مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوری کہتے ہیں کہ بازاری جرابوں پر مسح جائز نہیں۔

آپ کہتے ہیں کہ جوتی سمیت نماز پڑھنی جائز ہے۔ لیکن مولانا نذیر حسین صاحب اور حافظ عبداللہ صاحب روپڑی کہتے ہیں کہ جوتی سمیت نماز پڑھنا درست نہیں۔

علماء دیوبند کا نظریہ تقلید اور تحقیق۔

علماء کا کام تحقیق ہے اور عوام کا کام تقلید ہے۔

تقلید اور اتباع ایک ہی چیز ہے۔

تقلید کا یہ معنی ہے کہ دوسرے کی بات کو اپنے لیے راہنمائی کا ذریعہ بنائے اور اسی کی پیروی کرے۔

انکار حدیث ترک تقلید کا لازمی نتیجہ ہے۔

مرزا غلام احمد قادیانی، حافظ محمد اسلم جیراجپوری، عبداللہ چکڑالوی، سرسید احمد خاں، نیاز فتح پوری، حکیم نورالدین بھیروی وغیرہ۔

میری تمام باتوں کا جواب دیں۔ میں نے چوتھے خط میں لکھا تھا۔

ابتدائے عشق ہے روتا ہے کیا
آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا

موضوع کے اندر رہ کر بات کیا کریں اِدھر اُدھر جانے کی ضرورت نہیں۔ اُمید واثق ہے۔ کہ آپ جواب ضرور دیں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

محمد صالح طالب علم

کاشانۂ بدر۔ محلّہ بوہے والی کھوئی۔ گھرجاکھ

جواب مکتوب نمبر ٦:

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

بخدمت جناب محمد صالح صاحب!

هَدَانِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَإِيَّاكَ لِلَّتِيْ هِيَ أَقْوَمُ

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

امابعد! آپ نے اپنے مدعا ''فروعی مسائل میں ہم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی تقلید کرتے ہیں'' کے اثبات کی خاطر قرآن مجید کی آیت مبارکہ ''وَاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ'' الخ پیش فرمائی جس پر بندہ نے لکھا سوچیں آیا۔ آیت مبارکہ ''وَاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ'' سے آپ کا مدعا ''فروعی مسائل میں ہم ابوحنیفہ کی تقلید کرتے ہیں'' نکلتا بھی ہے؟ اس پر آپ لکھتے ہیں ''علماء دیوبند کا نظریہ تقلید اور تحقیق۔ علماء کا کام تحقیق ہے اور عوام کا کام تقلید ہے۔ تقلید اور اتباع ایک ہی چیز ہے تقلید کا یہ معنی ہے کہ دوسرے کی بات اپنے لیے راہنمائی کا ذریعہ بنائے اور اس کی پیروی کرے'' آپ سے انتہائی مؤدبانہ اپیل ہے کہ آپ اپنی ان مندرجہ بالا باتوں پر مندرجہ ذیل امور کی روشنی میں ضرور بالضرور غور وفکر فرمائیں:

① آپ کی مندرجہ بالا تحریر سے صاف ظاہر ہے کہ آپ کے ہاں بھی تحقیق تقلید نہیں اور تقلید تحقیق نہیں۔ نیز علماء کا کام تحقیق ہے نہ کہ تقلید اور عوام کا کام ہے تقلید نہ کہ تحقیق ادھر علماء دیوبند بہرحال علماء ہی ہیں عوام نہیں تو آپ کے مندرجہ بالا فرمان کی رُو سے ان کا کام تو تحقیق ہوا نہ کہ تقلید حالانکہ آپ خود ہی اپنے دوسرے خط میں تمام علماء دیوبند کو مقلد قرار دے چکے ہیں۔ چنانچہ آپ کے دوسرے خط کی وہ عبارت یہ ہے ''تمام علماء دیوبند کا مقلد ہونا'' درست ہے یا حالیہ خط والی بات ''علماء کا کام تحقیق ہے الخ؟ جواب سوچ سمجھ کر لکھیں ان شاء

اللہ تعالیٰ بہت نفع ہو گا۔

② آپ نے صاف اور واضح الفاظ میں تصریح فرمائی ہے کہ ''تقلید اور اتباع ایک ہی چیز ہے'' نیز آپ تقلید کے سلسلہ میں آیت مبارکہ ''وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ'' پیش فرما چکے ہیں تو آپ کے ہی مندرجہ بالا فرمان ''علماء کا کام تحقیق ہے اور عوام کا کام تقلید ہے'' پر غور فرمایا جائے تو نتیجہ یہی نکلے گا کہ آپ کے ہاں عوام نے تو تقلید کر کے آیت مبارکہ ''وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ'' پر عمل کر لیا لیکن علماء دیو بند نے تحقیق کو اپنا کر آیت مبارکہ ''وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ'' پر عمل نہ کیا حالانکہ آیت مبارکہ ''وَاتَّبِعْ سَبِيلَ'' الخ میں علماء اور عوام دونوں یکساں مخاطب ہیں تو آپ کے اس ذہن کے لحاظ سے تو قرآن مجید پر عمل کرنے کے سلسلہ میں عوام نے علماء دیو بند کو پیچھے چھوڑ دیا۔

③ آپ کے بیان کردہ معنیٰ تقلید کی رُو سے تقلید اور اتباع ایک ہی چیز ہے چنانچہ آپ اس کی تصریح بھی فرما چکے ہیں اور قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے تمام لوگوں کو اتباع کا حکم دیا ہے جن میں حضرت الامام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سمیت تمام مجتہدین شامل ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ حضرت الامام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور دیگر مجتہدین تاوفات آیت مبارکہ ''واتبع'' الخ پر عمل کرتے رہے یا نہ! اگر آپ ہاں میں جواب دیں تو حضرت الامام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور دیگر مجتہدین تاوفات مقلد ہی مقلد قرار پاتے ہیں کیونکہ آپ کے نزدیک تقلید اور اتباع ایک ہی چیز ہے اور اگر آپ نہ میں جواب دیں تو حضرت الامام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور دیگر مجتہدین کا تا وفات آیت مبارکہ ''واتبع'' الخ پر عمل نہ کرنا لازم آتا ہے۔ تو پتہ چلا کہ تقلید اور اتباع کو ایک ہی چیز کہنا خطرہ سے خالی نہیں اُمید ہے آپ ضرور بالضرور غور فرمائیں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

④ آیت مبارکہ ''واتبع سبیل'' الخ میں نبی کریم ﷺ کو بھی اتباع کا حکم ہے اور

آپ کے نزدیک تقلید اور اتباع ایک ہی چیز ہے تو آپ کے اس نظریہ کے تحت تو نبی کریم ﷺ بھی مقلد ٹھہرتے ہیں تو فرمائیں آپ واقعی نبی کریم ﷺ کو مقلد ہی سمجھتے ہیں؟ اثبات اور نفی دونوں صورتوں میں جواب نبی کریم ﷺ کی توہین ہے نعوذ باللہ من ذالک۔ یہ اتباع اور تقلید کو ایک ہی چیز بنانے کا نتیجہ ہے۔

⑤ آپ نے اپنے تیسرے خط میں ''میں امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مقلد ہوں'' لکھ کر بزعم خود تو آیت مبارکہ ''واتبع'' الخ پر عمل کیا ہے مگر آپ نے اپنے چوتھے خط میں ''میرا اپنا یہ اصول ہے کہ ہر مسئلہ کے لیے سب سے پہلے نمبرا: قرآن کریم' نمبر۲: حدیث شریف' نمبر۳: اجماع' نمبر۴: قیاس'' لکھ کر اپنے تیسرے خط والی مندرجہ بات کو فراموش کر دیا کیونکہ جو انسان ہر مسئلہ کے لیے سب سے پہلے ''قرآن کریم' حدیث شریف'' الخ والے اصول پر چلے وہ تو مجتہد ہوتا ہے نہ کہ مقلد ورنہ کہنا پڑے گا کہ حضرت امام ابوحنیفہ اور دیگر مجتہدین رحمہ اللہ تعالیٰ اجمعین بھی مقلد ہی تھے نہ کہ مجتہد۔

⑥ آپ کا دعویٰ ہے ''تقلید اور اتباع ایک ہی چیز ہے'' نیز آپ کا اصول ہے ''ہر مسئلہ کے لیے سب سے پہلے قرآن کریم' حدیث شریف'' الخ اور یہ امر بالکل واضح ہے کہ مسئلہ ''تقلید اور اتباع کا ایک ہی چیز ہونا'' بھی ہر مسئلہ میں شامل ہے لہٰذا آپ کے مندرجہ بالا اصول کے پیش نظر آپ پر لازم ہے کہ اپنے دعویٰ ''تقلید اور اتباع ایک ہی چیز ہے'' کی دلیل سب سے پہلے قرآن کریم' حدیث شریف'' الخ سے پیش فرمائیں۔

⑦ آیت مبارکہ ''واتبع'' الخ سے تقلید پر آپ کا استدلال اجتہاد ہے یا تقلید؟ پہلی صورت میں آپ کا دعویٰ مقلدیت ختم اور دوسری صورت میں حضرت الامام ابوحنیفہ اور دیگر مجتہدین رحمۃ اللہ علیہ کا مجتہد ہونا ختم کیونکہ قرآن و حدیث سے استدلال و استنباط والے وصف کی وجہ سے ہی انہیں مجتہد جانا جاتا ہے۔

⑧ آیت مبارکہ "واتبع" الخ سے تقلید پر آپ کا استدلال تحقیق ہے یا تقلید؟ پہلی صورت میں آپ کی تقلید ختم اور دوسری صورت میں اس استدلال میں جس کی آپ نے تقلید کی اس بزرگ کا اسم گرامی بتانا آپ پر لازم کہیں وہ حضرت الامام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے غیر ہی نہ ہوں۔

⑨ تقلید کا حکم ابھی تک آپ نے بیان نہیں فرمایا آئندہ ضرور بالضرور بیان فرمائیں کہ تقلید آپ کے ہاں فرض ہے؟ واجب ہے؟ یا مندوب؟ نیز یہ بھی واضح فرمائیں کہ آیت مبارکہ "واتبع" الخ کی تقلید پر آپ کے ہاں دلالت کون سی ہے؟ قطعی یا ظنی؟ تاکہ آپ کے اس استدلال کی قیمت وکیفیت کو کما حقہ جانچا جا سکے توقع ہے جناب میری سب باتوں پر ٹھنڈے دل سے غور فرمائیں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

آپ لکھتے ہیں "انکارِ حدیث ترکِ تقلید کا لازمی نتیجہ ہے" آپ سے پوچھتا ہوں۔ آپ کے نزدیک حضرت الامام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر مجتہدین میں تقلید کا وصف تھا یا ترکِ تقلید کا وصف؟ پہلی صورت میں ان کا اجتہاد والا وصف ختم اور دوسری صورت میں ان کا منکر حدیث ہونا لازم کیونکہ آپ کے خیال کے مطابق "انکارِ حدیث ترک تقلید کا لازمی نتیجہ ہے" اور یقینی بات ہے کہ حضرت الامام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر ائمہ مجتہدین مجتہد تھے۔ تارک تقلید تھے منکر حدیث نہیں تھے' دور نہ جائیے علماء دیوبند کو ہی لیجیے آپ کے ہی فرمان کے مطابق ان کا کام تحقیق ہے اور تحقیق ترکِ تقلید کے بغیر ہو ہی نہیں سکتی تو کیا آپ علماء دیوبند کو بھی منکر حدیث ہی خیال کرتے ہیں نہیں ہرگز نہیں لہٰذا انکارِ حدیث کو ترکِ تقلید کا لازمی یا غیر لازمی نتیجہ سمجھنا یا کہنا بڑی خطرناک بات ہے۔

میاں نذیر حسین صاحب دہلوی، حافظ عبداللہ روپڑی، مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری، مولانا محمد حسین صاحب بٹالوی، مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری رحمہم اللہ

تعالیٰ اور دیگر علماء اہلحدیث نیز علماء اہل الرائے میں سے کسی عالم کا ہم کلمہ نہیں پڑھتے' نہ ہی ہم ان کے مقلد ہی ہیں اور نہ ہی وکیل اس لیے آپ ان کے متعلق جو دُرست وغیر درست لکھنا یا ان کے جس قدر صحیح وغیر صحیح حوالجات پیش کرنا چاہتے ہیں بڑی خوشی سے لکھیں اور پیش فرمائیں ان کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے۔

وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ.

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ والی روایت آپ کئی دفعہ پیش فرما چکے ہیں مگر ہر دفعہ آپ نے اسے بلاسند ہی پیش فرمایا لہٰذا آپ سے مؤدبانہ التماس ہے کہ اگر آئندہ آپ اس روایت کو پیش کرنے کا ارادہ رکھتے ہوں تو اسے باسند پیش فرمانا آپ کا بڑا فائدہ ہوگا۔ان شاء اللہ تعالیٰ

ابن عبدالحق بقلمہ

سرفراز کالونی۔جی ٹی روڈ۔گوجرانوالہ

۳۰/رجب.....۱۴۰۴ھ



مکتوب نمبر ۷:

۱۵/۴/۸۴

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

محترم المقام جناب مولانا صاحب!

علیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

آپ کا تحریر کردہ خط ملا۔ آپ ایک بات کوکئی کئی دفعہ لکھتے ہیں۔ اس کا کیا فائدہ۔ میں لکھتا کچھ ہوں۔ جواب کچھ ملتا ہے۔ بات تو تقلید کے مسئلہ پر چل رہی ہے۔ میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ اسلام کی بنیاد قرآن اور حدیث پر ہے۔ لیکن جو مسائل قرآن اور حدیث سے صراحۃً نہیں ملتے۔ تمام مسائل قرآن اور حدیث میں نہیں ملتے۔ بات پھر بڑھے گی نماز کی شرطیں قرآن اور حدیث سے بیان کریں۔ اگر کسی اور کتاب سے بیان کریں گے تو میں نہیں مانوں گا اگر آپ میں ہمت ہے تو اس کا جواب دیں۔ حدیث نقل کریں۔ تقلید کی دو قسمیں ہیں نمبر۱: لغوی معنی، نمبر۲: شرعی۔ لغوی معنی گلے میں ہار یا پٹہ ڈالنا۔ شرعی معنی کسی کے قول اور فعل کو اپنے اوپر لازم شرعی جاننا۔ کہ اس کا کلام اور اس کا کام ہمارے لیے حجت ہے۔ کیونکہ یہ شرعی محقق ہے۔

تقلید دو طرح کی ہے ① شرعی ② غیر شرعی۔ تقلید شرعی میں کچھ تفصیل ہے شرعی مسائل تین طرح کے ہیں۔ ① عقائد ② وہ مسائل جو صراحۃً قرآن و حدیث سے ثابت ہیں۔ اجتہاد کو اُن میں داخل نہ ہو ③ وہ مسائل جو قرآن و حدیث سے استنباط اور اجتہاد کر کے نکالے گئے ہوں۔ مولانا صاحب جب آپ صحابہؓ کے قول اور فعل کو نہیں مانتے۔ تو مجتہد کی بات آپ کب مانیں گے۔ حضوؐر نے فرمایا۔ میری سنت اور میرے اصحابہ کی سنت کو لازم پکڑو۔ جمعہ کی دُوسری اذان کے متعلق میں نے لکھا تھا۔ کہ آپ کی مسجدوں میں بھی جمعہ کی دو اذانیں ہوتی ہیں۔ آپ دوسری اذان کو

کیوں بند نہیں کرتے۔ جو آپ نے یہ لکھا ہے۔ کہ امام صاحب کس کے مقلد تھے۔ آپ کو اتنا بھی علم نہیں۔ کہ مجتہد کسی کا مقلد نہیں ہوتا۔ مسئلہ کی تحقیق کرنا اہل علم کا کام ہے۔ جو لوگ جاہل اور حروف ابجد سے واقف نہیں۔ ان کا کام تقلید ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ سے آپ کو دشمنی ہے۔ دوسرے اماموں سے نہیں یہی وجہ ہے کہ آپ حنفیوں سے دشمنی رکھتے ہیں۔ اشتہار اور پمفلٹ شائع کرتے رہتے ہیں۔ آپ کی دشمنی کی حد ہو چکی۔

آپ کہتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ یتیم فی الحدیث تھے۔ آپ کو سترہ حدیثیں آتی تھیں۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا علمی گہوارہ

حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ

وکیع بن الجراح

امام احمد بن حنبلؒ — امام علی بن المدینی — امام یحیٰی بن معین

امام بخاریؒ — امام مسلم — امام ابوداؤد — امام ابویعلیٰ موصلی

امام ترمذی — نسائی

ابن ماجہ

نوٹ فرمایئے! ائمہ حدیث میں سے کون ہے جس نے امام ابوحنیفہ کی علمی آغوش میں پرورش نہیں پائی۔ جمہور محدثین ائمہ اربعہ کے مقلد تھے۔

امام تاج الدین سبکیؒ فرماتے ہیں کہ امام بخاریؒ شافعی المسلک تھے امام ترمذیؒ بھی شافعی المسلک تھے۔ اور امام نسائی بھی۔ امام نوویؒ، حافظ ابن حجرؒ، علامہ عینیؒ، ملا علی قاری حنفی المسلک تھے۔ سیدنا عبدالقادرؒ جیلانی' امام احمد بن حنبلؒ کے مقلد ہیں۔ اگر

آپ کے نزدیک تقلید شرک ہے۔ تو ان میں سے ایک بھی نہیں بچتا جو مشرک نہ ہو۔

میں پھر وہی الفاظ دہراتا ہوں۔ حکیم محمود صاحب بن مولوی اسماعیل صاحب مرحوم جس کو آپ حکیم الامت کہتے ہیں وہ بھی ہمارے ساتھ اس بات پر اتفاق کرتے ہیں ① قرآن کریم ② حدیث شریف ③ اجماع ④ قیاس۔ (فقہ)

جو آیات یہود اور نصاریٰ کے حق میں نازل ہوئیں وہ آپ ہم پر چسپاں (فٹ) کرتے ہیں۔ مولانا صاحب کچھ خدا کا خوف کریں۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کو کیا جواب دیں گے۔ آپ کے تمام علماء کرام ہم کو مشرک کہتے ہیں۔ بلکہ آپ کے شیخ الحدیث مولوی عبداللہ صاحب بھی ہم کو مشرک کہتے ہیں۔ ہمارے رشتہ ناطہ کیوں کرتے ہیں۔ میں آپ سے پوچھتا ہوں۔ کیا مسلمان کا نکاح مشرک سے ہوسکتا ہے جواب دیں۔

وہ ایک آیت میں نے لکھی۔ آیات تو کئی ہیں۔

تقلید کی تعریف تو آپ نے لکھ دی۔ باقی کیا رہ گیا۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی حدیث کا خلاصہ نقل کر رہا ہوں۔ ذرا آپ بھی کوشش کیا کریں۔ مجھے بطور طعنہ یہ بات لکھی ہے۔ کہ بے سند روایت پیش کرتے ہیں۔ سند بھی لیجیے۔ ترمذی' ابوداؤد' دارمی' مشکوٰۃ جلد۲ ص ۳۲۴

حافظ عمادالدین ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ اس کی سند عمدہ اور کھری ہے۔

ضروری نوٹ:

آپ کے خط کا انتظار کروں گا۔ جب آپ اپنوں کی بات بھی نہیں مانتے کیا وہ آپ سے کم علم رکھتے تھے۔ تیرہ سو سال تک آپ کے فرقے کا نام ونشان نہیں ملتا۔ آپ اماموں کی توہین کرتے ہیں۔ عبداللہ پروفیسر نے ایک رسالہ رفع الیدین کے مسئلہ پر شائع کیا ہے۔ آپ نے اندھے اماموں کی تقلید کی۔ (صفحہ نمبر ۱۷)

محمد صالح طالب علم

کاشانۂ بدر۔ گھر جاکھ۔ گوجرانوالہ

جواب مکتوب نمبر ۷:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

بخدمت جناب محمد صالح صاحب!

هَدَانِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَاِيَّاكَ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

امابعد! آپ کی اور میری اس بات چیت کا موضوع ہے ''مسئلہ تقلید'' چنانچہ آپ اپنے اس تازہ خط میں لکھتے ہیں۔''بات تو تقلید کے مسئلہ پر چل رہی ہے'' اس لیے جناب سے مودبانہ اپیل ہے کہ آپ اپنے ہی اصول کے تحت ① قرآن کریم ② حدیث شریف ③ اجماع ④ قیاس۔ سے اپنے اس موضوع ''مسئلہ تقلید'' پر جس قدر مواد پیش فرما سکتے ہیں پیش فرمائیں باقی آپ کا لکھنا فلاں صاحب شافعی تھے' فلاں مالکی فلاں حنبلی اور فلاں حنفی' نہ قرآن کریم ہے' نہ حدیث شریف' نہ اجماع اور نہ قیاس صحیح وغیر صحیح تو آپ نے ''بات تو تقلید کے مسئلہ پر چل رہی ہے'' لکھ کر موضوع کو متعین فرما دیا ہے لہٰذا یہ بندہ آپ کی موضوع ''مسئلہ تقلید'' سے ہٹی ہوئی کسی بات کا کوئی جواب نہیں دے گا' تاوقتیکہ اس موضوع ''مسئلہ تقلید'' پر ہمارا کوئی باہمی فیصلہ نہ ہو جائے' ان شاء اللہ تعالیٰ' اس لیے آپ جو چاہیں مثلاً مسئلہ شرط نماز وغیرہ بڑے شوق سے لکھتے رہیں۔

تقلید کا معنی ✱ اس سلسلہ میں بندہ نے تو اپنے پہلے خط ہی میں لکھ دیا تھا کہ کسی کی دلیل شرعی کے منافی رائے کو ماننا تقلید ہے۔ مگر آپ نے اس بارہ میں اپنے چھٹے خط میں لکھا ''تقلید اور اتباع ایک ہی چیز ہے تقلید کا یہ معنی ہے کہ دوسرے کی بات کو اپنے لیے راہنمائی کا ذریعہ بنائے اور اس کی پیروی کرے''۔ آپ کے بیان کردہ اس معنی تقلید پر بندہ نے جب متعدد وجوہ سے گرفت کی تو آپ نے اب کے اپنے ساتویں خط

میں لکھا ''تقلید کی دو قسمیں ہیں ① لغوی معنی ② شرعی لغوی معنی گلے میں ہار یا پٹہ ڈالنا۔ شرعی معنی کسی کے قول اور فعل کو اپنے اُوپر لازم شرعی جاننا کہ اس کا کلام اور اس کا کام ہمارے لیے حجت ہے کیونکہ یہ شرعی محقق ہے'' تو جناب اس بیان کے مطابق ''کسی کے محقق شرعی ہونے کی وجہ سے اس کے قول و کلام اور فعل و کام کو حجت اور لازم شرعی جاننا آپ کے نزدیک تقلید کا شرعی معنی ہے' عرض ہے کہ اپنے اس شرعی معنی پر مندرجہ ذیل امور کی روشنی میں غور و فکر فرمائیں ان شاء اللہ تعالیٰ بہت فائدہ ہوگا۔

① شرعی محقق کے قول اور فعل کی تین صورتیں ہیں: ❶ کتاب و سنت کے مطابق قول و فعل ❷ کتاب و سنت کے منافی قول و فعل ❸ کتاب و سنت کے موافق و منافی دونوں قسم کے قول و فعل۔ آپ نے تقلید کے مذکورہ بالا شرعی معنی میں ان تین صورتوں سے کسی ایک صورت کا تعین نہیں فرمایا اس لیے یہ بندہ پوچھتا ہے کہ آپ شرعی محقق کے قول و فعل میں ان مذکورہ بالا تین صورتوں سے کون سی صورت مراد لیتے ہیں؟ دوٹوک الفاظ میں لکھیں۔

② کسی لفظ کا شرعی معنی تو وہ ہوتا ہے جو شرع سے ثابت ہو لہٰذا تقلید کے مذکورہ بالا جس معنی کو آپ نے شرعی قرار دیا ہے تقلید کے اس معنی کو شرع سے ثابت کرنا آپ کے ذمہ ہے قرآن مجید اور احادیث مرفوعہ ثابتہ سے اس کے دلائل پیش کریں۔

③ قطعی اور یقینی بات ہے کہ جب شرع کسی لفظ کا معنی متعین کرتی ہے تو وہ لفظ شرع میں موجود ہوتا ہے تو آپ کے ہاں تقلید کا مذکور بالا معنی جب شرعی ہوا تو لامحالہ تقلید کا لفظ بھی اس مذکورہ بالا معنی میں شرعی لفظ ٹھہرا لہٰذا مذکورہ بالا معنی میں لفظ تقلید کا ہونا شرع سے ثابت کرنا آپ پر لازم ہے قرآن کریم اور احادیث مرفوعہ ثابتہ سے اس لفظ تقلید کو مذکور بالا معنی میں ثابت کریں۔

④ آپ نے بار بار اپنے حضرت الامام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مقلد ہونے کی تصریح فرمائی

ہے تو آپ کے ہی بیان کردہ مذکور بالا معنی تقلید کو ملحوظ رکھا جائے تو نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ حضرت الامام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول و کلام اور فعل و کام کو آپ حجت اور لازم شرعی جانتے ہیں ادھر آپ اپنے چوتھے خط میں لکھ آئے ہیں ''میرا اپنا یہ اصول ہے کہ ہر مسئلہ کے لیے سب سے پہلے ① قرآن کریم ② حدیث شریف ③ اجماع ④ قیاس'' تو جناب اب آپ کے لیے صرف تین ہی راستے ہیں۔

(۱) حضرت الامام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول و کلام اور فعل و کام کو اصول اربعہ قرآن کریم' حدیث شریف' اجماع اور قیاس کے ساتھ ایک پانچویں اصول ''حضرت الامام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول و کلام اور فعل و کام کے حجت اور لازم شرعی ہونے کا اعلان فرمائیں (۲) یا اپنی ان دو باتوں ''حضرت الامام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول و کلام اور فعل و کام کے حجت اور لازم شرعی ہونے'' اور ''میرا اپنا یہ اصول ہے'' الخ میں سے ایک بات سے رجوع فرمائیں دیکھئے آپ ان تین راستوں سے کون سا راستہ اختیار فرماتے ہیں؟

⑤ مسلم الثبوت وغیرہ کتب میں تقلید کے سلسلہ میں قول کا ذکر ہوتا ہے آپ نے قول کے ساتھ فعل کو بھی ذکر فرمایا ہے تو فرمائیں پرانے بزرگوں کا فعل کو ذکر نہ فرمانا تفریط ہے؟ یا آپ کا فعل کو ذکر کرنا افراط؟ یا کوئی اور صورت ہے؟

⑥ اپنے الفاظ ''حجت'' اور ''لازم شرعی'' پر ٹھنڈے دل سے بہت ہی زیادہ غور فرمائیں آیا واقعی آپ شرعی محقق کے قول اور فعل کو حجت اور لازم شرعی ہی جانتے ہیں جب کہ کسی کے قول و فعل کے حجت اور لازم شرعی بننے کے لیے اللہ تعالیٰ کے اذن کا ہونا ضروری ہے جیسا کہ قرآن مجید کی متعدد آیات مبارکہ سے واضح ہے جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ''اتخذوا احبارھم'' فرمایا وہ بھی تو اپنے شرعی محققین کے قول و کلام کو حجت اور لازم شرعی ہی جانتے تھے نا۔

تقلید میں کچھ تفصیل ✵ آپ لکھتے ہیں ''تقلید دو طرح کی ہے ❶ شرعی ❷ غیر شرعی'

تقلید شرعی میں کچھ تفصیل ہے شرعی مسائل تین طرح کے ہیں ❶ عقائد ❷ وہ جو صراحۃً قرآن و حدیث سے ثابت ہیں اجتہاد کو ان میں دخل نہ ہو ❸ وہ مسائل جو قرآن و حدیث سے استنباط اور اجتہاد کر کے نکالے گئے ہوں''۔ جناب نے اپنے اس بیان میں تقلید شرعیہ کی تین اقسام کا تذکرہ فرمایا ہے ذرا وضاحت سے فرمائیں کہ تقلید شرعی کی کچھ تفصیل میں ان تین طرح کے مسائل بیان کرنے سے آپ کا مقصود کیا ہے؟ اگر یہی کہ مسائل کی تیسری قسم میں تو تقلید ہے اور پہلی دو قسموں میں تقلید نہیں تو محترم خفا نہ ہوں مسائل شرعیہ کی دو تہائی میں تو آپ بھی غیر مقلد ہی ٹھہرے نا۔ نیز آپ کی یہ تفصیل و تفریق (مسائل کی تیسری قسم میں تقلید کا ہونا اور پہلی دو قسموں میں تقلید کا نہ ہونا) آپ کی پیش کردہ تقلید کی دلیل آیت مبارکہ ''واتبع سبیل'' الخ سے بالکل نہیں سمجھی جاتی پھر حضرت الامام ابوحنیفہ رحمہ اللہ مسائل کی تیسری قسم میں شرعی محقق ہونے کی طرح پہلی دو قسموں میں بھی تو محقق شرعی ہی ہیں تو بتائیں ان دو قسموں میں آپ کا ان کی تقلید کو چھوڑ دینا کیسا ہے؟ کہیں یہ بھی آپ کو انکار حدیث تک نہ پہنچا دے کیونکہ آپ کے نزدیک ''انکار حدیث ترک تقلید کا لازمی نتیجہ ہے'' اور مسائل کی دو قسموں میں آپ بھی تقلید کو ترک فرما رہے ہیں تو پتہ چلا کہ تقلید میں کچھ تفصیل والا راستہ بھی خطرہ سے خالی نہیں۔

تقلید کا حکم ✵ بندہ نے اپنے پچھلے خط میں لکھا تھا ''تقلید کا حکم ابھی تک آپ نے بیان نہیں فرمایا آئندہ ضرور بالضرور بیان فرمائیں کہ تقلید آپ کے ہاں فرض ہے' واجب ہے یا مندوب! نیز یہ بھی واضح فرمائیں کہ آیت مبارکہ ''واتبع'' الخ کی تقلید پر آپ کے ہاں دلالت کون سی ہے؟ قطعی یا ظنی؟ تاکہ آپ کے اس استدلال کی قیمت و کیفیت کو کما حقہ جانچا جا سکے''۔ مگر جناب نے میری اس بات کا کوئی جواب نہیں دیا اُمید ہے آپ اس دفعہ اس کا کوئی نہ کوئی جواب ضرور دیں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

حضرت الامام ابوحنیفہ رحمہ اللہ مقلد نہیں مجتہد تھے ✵ بندہ نے اپنی تحریرات میں کئی جگہ

حضرت الامام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو مجتہد لکھا ان سے بطور نمونہ میرے چھٹے خط کے صفحہ نمبر ۲ پر نیچے والی آخری سطور میں مرقوم ہے ''یقینی بات ہے کہ حضرت الامام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور دیگر ائمہ مجتہدین مجتہد تھے تارک تقلید تھے'' الخ اس عبارت کو پڑھیں اور غور فرمائیں کہ آپ کا بیان جو آپ نے یہ لکھا ہے کہ امام صاحب کس کے مقلد تھے آپ کو اتنا بھی علم نہیں کہ مجتہد کسی کا مقلد نہیں ہوتا'' کیا ہے؟ میرے کسی خط کا حوالہ پیش فرمائیں یا اپنے اس بیان کو واپس لیں۔

آپ نے جواب نہیں دیا اور جو لکھا وہ جواب نہیں ✱ بندہ کے پہلے خط سے لے کر اب تک کئی ایک باتیں ہیں جن کا آپ نے کوئی جواب نہیں دیا اور کئی ایک باتیں ہیں جن کا آپ نے بزعم خود جواب تو دیا ہے مگر وہ آپ کا جواب فی الواقع جواب نہیں چنانچہ صرف تقلید سے متعلق ایسی سب باتوں کی نیچے با حوالہ فہرست دی جا رہی ہے اسے غور سے پڑھیں نیز اس ساتویں خط میں مندرجہ بالا اور مندرجہ ذیل تمام باتوں کا جواب ضرور دیں ورنہ واضح الفاظ میں ان کی تصدیق وتصویب فرمائیں آخر ماشاء اللہ آپ فروعی مسائل میں حضرت الامام ابوحنیفہؒ کے مقلد ہونے کے مدعی ہیں' یہ بندہ سائل و مدعا علیہ ہے اور بات چیت بھی افہام تفہیم' فہم' اخلاص اور انصاف کے ماحول میں ہو رہی ہے چنانچہ وہ فہرست تفصیلاً پیش خدمت ہے۔

① آپ کے مندرجہ بالا (چھٹے خط والی) تحریر سے صاف ظاہر ہے کہ آپ کے ہاں بھی تحقیق تقلید نہیں اور تقلید تحقیق نہیں نیز علماء کا کام تحقیق ہے نہ کہ تقلید اور عوام کا کام تقلید ہے نہ کہ تحقیق ادھر علماء دیوبند بہرحال علماء ہی ہیں عوام نہیں تو آپ کے مندرجہ بالا (چھٹے خط والے) فرمان کی رُو سے ان کا کام تو تحقیق ہوا نہ کہ تقلید حالانکہ آپ خود ہی اپنے دوسرے خط میں تمام علماء دیوبند کو مقلد قرار دے چکے ہیں چنانچہ آپ کے دوسرے خط کی وہ عبارت یہ ہے'' تمام علماء دیوبند پر اگر تقلید بری ہوتی تو یہ لوگ مقلد نہ ہوتے''۔ تو محترم فرمائیں آپ کی دوسرے

خط والی بات ''تمام علماء دیو بند کا مقلد ہونا'' درست ہے یا حالیہ خط والی بات ''علماء کا کام تحقیق ہے'' الخ (بندہ کا خط نمبر ۶ ص ۱)

② آپ نے صاف اور واضح الفاظ میں تصریح فرمائی ہے کہ ''تقلید اور اتباع ایک ہی چیز ہے''۔ نیز آپ تقلید کے سلسلہ میں آیت مبارکہ ''واتبع سبیل من اناب الی'' پیش فرما چکے ہیں تو آپ کے ہی مندرجہ بالا فرمان ''علماء کا کام تحقیق ہے اور عوام کا کام تقلید ہے''۔ پر غور فرمایا جائے تو نتیجہ یہی نکلے گا کہ آپ کے ہاں عوام نے تو تقلید کر کے آیت مبارکہ ''واتبع سبیل من اناب الی'' پر عمل کر لیا' لیکن علماء دیو بند نے تحقیق کو اپنا کر آیت مبارکہ ''وَاتَّبِعْ سَبِیْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَیَّ'' پر عمل نہ کیا حالانکہ آیت مبارکہ ''واتبع سبیل'' الخ میں علماء وعوام دونوں یکساں مخاطب ہیں تو آپ کے اس ذہن کے لحاظ سے تو قرآن مجید پر عمل کرنے کے سلسلہ میں عوام نے علماء دیو بند کو پیچھے چھوڑ دیا۔ (بندہ کا خط نمبر ۶ ص ۱)

③ آپ کے بیان کردہ معنیٰ تقلید (چھٹے خط والے) کی رُو سے تقلید اور اتباع ایک ہی چیز ہے چنانچہ آپ اس کی تصریح بھی فرما چکے ہیں اور قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے تمام لوگوں کو اتباع کا حکم دیا ہے جن میں حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سمیت تمام مجتہدین شامل ہیں اب سوال یہ ہے کہ حضرت الامام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر مجتہدین تاوفات آیت مبارکہ ''واتبع'' پر عمل کرتے رہے یا نہ؟ اگر آپ ہاں میں جواب دیں تو حضرت الامام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر مجتہدین تاوفات مقلد ہی مقلد قرار پاتے ہیں کیونکہ آپ کے نزدیک تقلید اور اتباع ایک ہی چیز ہے اور اگر آپ نہ میں جواب دیں تو حضرت الامام ابوحنیفہؒ اور دیگر مجتہدین کا تاوفات آیت مبارکہ ''واتبع'' الخ پر عمل نہ کرنا لازم آتا ہے تو پتہ چلا کہ تقلید اور اتباع کو ایک ہی چیز کہنا خطرہ سے خالی نہیں اُمید ہے آپ ضرور بالضرور غور فرمائیں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ (بندہ کا خط نمبر ۶ ص ۱)

④ آیت مبارکہ ”واتبع سبیل“ الخ میں نبی کریم ﷺ کو بھی اتباع کا حکم ہے اور آپ کے نزدیک تقلید اور اتباع ایک ہی چیز ہے تو آپ کے اس نظریہ کے تحت تو نبی کریم ﷺ بھی مقلد ٹھہرتے ہیں تو فرمائیں آپ واقعی نبی کریم ﷺ کو مقلد ہی سمجھتے ہیں؟ اثبات اور نفی دونوں صورتوں میں جواب نبی کریم ﷺ کی توہین ہے نعوذ باللہ من ذالک یہ اتباع اور تقلید کو ایک ہی چیز بنانے کا نتیجہ ہے۔ (بندہ کا خط نمبر ۶ ص ۲)

⑤ آپ نے اپنے تیسرے خط میں ”میں امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مقلد ہوں“ لکھ کر بزعم خود تو آیت مبارکہ ”واتبع“ الخ پر عمل کیا ہے مگر آپ نے اپنے چوتھے خط میں ”میرا اپنا یہ اصول ہے کہ ہر مسئلہ کے لیے سب سے پہلے ① قرآن کریم ② حدیث شریف ③ اجماع ④ قیاس۔“ لکھ کر اپنے تیسرے خط والی مندرجہ بالا بات کو فراموش کر دیا کیونکہ جو انسان ہر مسئلہ کے لیے سب سے پہلے قرآن کریم‘ حدیث شریف‘ الخ والے اصول پر چلے وہ تو مجتہد ہوتا ہے نہ کہ مقلد ورنہ کہنا پڑے گا کہ حضرت الامام ابوحنیفہ اور دیگر مجتہدین رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین بھی مقلد ہی تھے نہ کہ مجتہد۔ (بندہ کا خط نمبر ۶ ص ۲)

میری اس عبارت نیز دیگر عبارات سے واضح ہو رہا ہے کہ مجھے اتنا علم ہے کہ مقلد مجتہد نہیں ہوتا اور نہ ہی مجتہد مقلد تو محترم فرمائیں میری اس قسم کی عبارات کو دیکھ پڑھ کر آپ کا فرمانا ”آپ کو اتنا علم بھی نہیں کہ مجتہد کسی کا مقلد نہیں ہوتا“ کیا ہے؟

⑥ آپ کا دعویٰ ہے ”تقلید اور اتباع ایک ہی چیز ہے“ نیز آپ کا اصول ہے ”ہر مسئلہ کے لیے سب سے پہلے قرآن کریم‘ حدیث شریف“ الخ اور یہ امر بالکل واضح ہے کہ مسئلہ ”تقلید اور اتباع کا ایک ہی چیز ہونا“ بھی ہر مسئلہ میں شامل ہے لہٰذا آپ کے مندرجہ بالا اصول کے پیشِ نظر آپ پر لازم ہے کہ اپنے دعویٰ ”تقلید اور اتباع ایک ہی چیز ہے“ کی دلیل ”سب سے پہلے قرآن کریم‘ حدیث شریف“ الخ سے پیش فرمائیں۔ (بندہ کا خط نمبر ۶ ص ۲)

⑦ آیت مبارکہ ”واتبع“ الخ سے تقلید پر آپ کا استدلال اجتہاد ہے یا تقلید؟ پہلی صورت میں آپ کا دعویٰ مقلدیت ختم اور دوسری صورت میں حضرت الامام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مجتہد ہونا ختم کیونکہ قرآن وحدیث سے استدلال واستنباط والے وصف کی وجہ سے ہی انہیں مجتہد جانا جاتا ہے۔ (بندہ کا خط نمبر ۶ ص ۲)

⑧ آیت مبارکہ ”واتبع“ الخ سے تقلید پر آپ کا استدلال تحقیق ہے یا تقلید؟ پہلی صورت میں آپ کی تقلید ختم اور دوسری صورت میں اس استدلال میں جس کی آپ نے تقلید کی اس بزرگ کا اسم گرامی بتانا آپ پر لازم کہیں وہ حضرت الامام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے غیر ہی نہ ہوں۔ (بندہ کا خط نمبر ۶ ص ۲)

⑨ آپ لکھتے ہیں (اپنے چھٹے خط میں) ”انکار حدیث ترکِ تقلید کا لازمی نتیجہ ہے“۔ آپ سے پوچھتا ہوں آپ کے نزدیک حضرت الامام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر مجتہدین میں تقلید کا وصف تھا یا ترکِ تقلید کا وصف؟ پہلی صورت میں ان کا اجتہاد والا وصف ختم اور دوسری صورت میں ان کا منکر حدیث ہونا لازم کیونکہ آپ کے خیال کے مطابق ”انکار حدیث ترکِ تقلید کا لازمی نتیجہ ہے“ اور یقینی بات ہے کہ حضرت الامام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر ائمہ مجتہدین مجتہد تھے تارکِ تقلید تھے منکر حدیث نہیں تھے دُور نہ جایئے علماء دیوبند کو ہی لیجیے آپ کے ہی فرمان کے مطابق ان کا کام تحقیق ہے اور تحقیق ترک تقلید کے بغیر ہو ہی نہیں سکتی تو کیا آپ علماء دیوبند کو بھی منکر حدیث ہی خیال کرتے ہیں نہیں ہرگز نہیں لہٰذا انکارِ حدیث کو ترکِ تقلید کا لازمی یا غیر لازمی نتیجہ سمجھنا یا کہنا بڑی خطرناک بات ہے۔

(بندہ کا خط نمبر ۶ ص ۲ و ۳)

⑩ نیز آپ لکھتے ہیں (اپنے چوتھے خط میں) ”اگر صحیح حدیث مل جائے تو ہم امام صاحبؒ کے اقوال کو چھوڑ دیتے ہیں“ یہ بندہ آپ کو اس بات پر دو طرح سے غور وفکر کرنے کی دعوت دیتا ہے اُمید کی جاتی ہے کہ آپ ان دو طرح سے ضرور

بالضرور غور فرمائیں گے ان شاء اللہ تعالیٰ' آخر آپ ماشاء اللہ منصف مزاج ہیں اوّلاً تو اس طرح کہ آپ کی اس مندرجہ بالا بات میں صرف حضرت الامام ابوحنیفہ رحمہ اللہ ہی شامل نہیں بلکہ دنیا بھر کے تمام ائمہ شامل ہیں دیکھئے اگر آپ کو صحیح حدیث مل جائے تو کیا آپ حضرت الامام مالک' حضرت الامام شافعی اور حضرت الامام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہم کے اقوال نہیں چھوڑیں گے؟ چھوڑیں گے یقیناً چھوڑیں گے تو اس طرح آپ یہی کیوں نہیں کہہ دیتے کہ ''فروعی مسائل میں ہم امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی تقلید کرتے ہیں۔ یا فروعی مسائل میں ہم امام مالک رحمہ اللہ کی تقلید کرتے ہیں۔ یا فروعی مسائل میں ہم امام شافعی رحمہ اللہ کی تقلید کرتے ہیں''۔ آخر اگر آپ کو صحیح حدیث مل جائے تو ان ائمہ کے اقوال کو بھی تو آپ لوگوں نے چھوڑ ہی دینا ہے نا تو پھر ''فروعی مسائل میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی تقلید'' کا دعویٰ کرنے سے دیگر مقلدین نیز غیر مقلدین کی نگاہوں میں گرنے سے آخر آپ کو کوئی فائدہ؟ اور ثانیاً اس طرح کہ آپ حضرت الامام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے کل اقوال سے صرف تین اقوال بطور مثال درج فرمائیں جن کو آپ نے محض صحیح حدیث مل جانے کی بنا پر فی الواقع چھوڑ دیا ہو کیونکہ انصاف و اخلاص کا تقاضا یہی ہے۔ (بندہ کا خط نمبر ۴ ص ۱)

⑪ آپ کے دعویٰ ''فروعی مسائل'' الخ میں فروعی کی قید سے اشارہ ہوتا ہے کہ آپ لوگ اصولی مسائل میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی تقلید نہیں کرتے تو کیا امام ابوحنیفہؒ آپ کے ہاں اصولی مسائل ہیں اعلم (زیادہ جاننے والے) نہیں؟ یا اصولی مسائل میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے اقوال آپ کے ہاں کتاب وسنت کے اقرب (زیادہ قریب) نہیں؟ یا پھر حضرت الامام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی تقلید پر آپ کے ذہن میں معہود دلیل اصولی مسائل میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی تقلید پر چسپاں ہی نہیں ہوتی اور اگر اصولی مسائل میں بھی امام ابوحنیفہؒ آپ کے ہاں اعلم (زیادہ

جاننے والے) اصولی مسائل میں بھی ان کے اقوال آپ کے ہاں کتاب وسنت کے اقرب (زیادہ قریب) ہیں اور حضرت الامام ابوحنیفہؒ کی تقلید پر آپ کے ذہن میں معہود دلیل اصولی مسائل میں بھی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی تقلید پر چسپاں ہوتی ہے تو پھر آپ نے اپنے دعویٰ میں فروعی کی قید لگا کر اصولی مسائل میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی تقلید نہ کرنے کی طرف اشارہ کیوں فرمایا؟ اُمید ہے آپ ٹھنڈے دل سے غور فرمائیں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ (بندہ کا خط نمبر۴ص اص۲)

⑫ آپ نے اپنے دعویٰ میں ضروری مسائل کا لفظ بول کر واضح اشارہ فرما دیا کہ آپ لوگ اصولی مسائل میں ترکِ تقلید کو اپنائے ہوئے ہیں ادھر آپ کا یہ بھی عقیدہ وعندیہ ہے کہ ''انکارِ حدیث ترکِ تقلید کا لازمی نتیجہ ہے'' تو ان دونوں مقدموں کو ملانے سے یہ بات نکھر کر سامنے آجاتی ہے کہ آپ اصولی مسائل میں منکر حدیث ہیں یا پھر آپ کی یہ دونوں باتیں نادرست ہیں یا دونوں میں سے ایک۔ اب فیصلہ آپ کے ہاتھ میں ہے ان تینوں صورتوں (انکار حدیث' دونوں باتوں کا غلط ہونا اور دونوں سے ایک کا غلط ہونا) میں سے جو صورت آپ کے ہاں مختار و پسندیدہ ہو ہمیں ان سے مطلع فرمائیں۔ اس بات کو فہرست میں شامل نہ سمجھیں کیونکہ یہ بندہ کے سابقہ خطوط میں موجود نہیں۔

⑬ آپ نے اپنے پہلے خط میں سوال کیا تھا ''حنفی اور محمدی نماز میں کیا فرق ہے'' جس کا بندہ نے جواب دیا تھا ''سیدالمرسلین خاتم النبیین محمد رسول اللہ ﷺ سے قولاً یا فعلاً یا تقریراً منقول بنقل مقبول نماز یا نماز سے متعلق کوئی امر تو محمدی نماز ہے اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے قولاً یا فعلاً منقول بنقل معتبر نماز یا نماز سے متعلق کوئی امر حنفی نماز ہے بشرطیکہ وہ محمدی نماز کے موافق نہ ہو تو محمدی نماز اور حنفی نماز میں بس یہی فرق ہے'' (بندہ کا خط نمبر۱) تو محترم مؤدبانہ گذارش ہے کہ بندہ کی ان سب باتوں کا جواب دیں ورنہ اپنی غلطی کا اعتراف فرمائیں۔

روایت "اجتهد برأیی" ✸ آپ نے جب حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ والی روایت کو بار بار بلا سند نقل فرمایا تو آپ سے مؤدبانہ التماس کیا گیا کہ "اگر آئندہ آپ اس روایت کو پیش کرنے کا ارادہ رکھتے ہوں تو اسے باسند پیش فرمانا۔" مگر اس کے باوجود آپ نے اس کی سند کو تو درج نہیں فرمایا البتہ مشکوٰۃ کو سامنے رکھ کر ترمذی' ابوداؤد اور دارمی کو سامنے رکھیں اور ان میں اس کی سند پڑھیں آپ کو پتہ چلے کہ اس روایت کو حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے نقل کرنے والے راوی مبہم ہیں جن کے نام تک بھی کسی کو معلوم نہیں چنانچہ کسی مقام پر "عَنْ اُنَاسٍ مِنْ اَهْلِ حِمْصَ مِنْ اَصْحَابِ مُعَاذٍ" اور کسی مقام پر "عَنْ رِجَالٍ مِنْ اَصْحَابِ مُعَاذٍ" کے لفظ موجود ہیں تو اب جناب خود غور فرمائیں کہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ وغیرہ کے اس کو جید یا قوی کہنے کی کیا قدر و قیمت باقی رہ جاتی ہے جب کہ امام ترمذی رحمہ اللہ ہی اپنی مایہ ناز کتاب جامع میں اس روایت کو بیان کرنے کے بعد بذاتِ خود لکھتے ہیں:

هٰذَا حَدِيْثٌ لَانَعْرِفُهُ اِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ وَلَيْسَ اِسْنَادُهُ عِنْدِيْ بِمُتَّصِلٍ.

"اس حدیث کو ہم صرف اسی وجہ سے پہچانتے ہیں اور اس کی سند میرے نزدیک متصل نہیں"۔ (جامع ترمذی جلد اوّل ابواب الاحکام ص ۲۴۸)

تو یہ روایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بالکل ثابت نہیں اس روایت کے ثابت نہ ہونے پر اس بندہ کے پاس کافی مواد موجود ہے اگر آپ اس روایت پر بات چیت کے سلسلہ میں آگے چلے تو وہ مواد سارے کا سارا جناب کی خدمت میں پیش کر دیا جائے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

اس کو بھی باسند و حوالہ پیش فرمائیں ✸ آپ لکھتے ہیں "حضورؐ نے فرمایا میری سنت اور میرے صحابہ رضی اللہ عنہم کی سنت کو لازم پکڑو" مگر اس کی نہ آپ نے کوئی سند لکھی اور نہ ہی کوئی حوالہ درج فرمایا اس لیے جناب سے گذارش ہے ان الفاظ "میری سنت

اور میرے صحابہ رضی اللہ عنہم کی سنت کو لازم پکڑو'' کے ساتھ اس حدیث کو باسند وحوالہ درج فرمائیں آپ کی بڑی مہربانی ہوگی۔

ابن عبدالحق بقلمہ

سرفراز کالونی......جی ٹی روڈ۔گوجرانوالہ

۲۰ر رجب ۱۴۰۴ھ



مکتوب نمبر ۸:

۲۹/۴/۸۴

باسمہ تعالیٰ

محترم المقام جناب حافظ صاحب!

السلام علیکم!

آپ کا تحریر کردہ لفافہ مؤرخہ ۲۸/۴/۸۴ کو ملا۔ موضوع زیر بحث تقلید ہے۔ اگر میں کوئی اور مسئلہ آپ سے دریافت کرتا ہوں۔ تو آپ لکھتے ہیں۔ کہ میں جواب نہیں دوں گا۔ آپ کے تمام خطوط میرے پاس موجود ہیں۔ ہر خط میں آپ بار بار ایک ہی بات کو دہراتے چلے جاتے ہیں اور میری تمام عبارتیں نقل کر دیتے ہیں۔ تقلید کے دو معنی ہیں: ① لغوی ② شرعی۔ ❶ قلادہ درگردن بستن۔ گلے میں ہار یا پٹہ ڈالنا ❷ کہ کسی کے قول وفعل کو اپنے اوپر لازم شرعی جاننا۔ یہ سمجھ کر اس کا کلام اور اس کا کام ہمارے لیے حجت ہے۔ کیونکہ یہ شرعی محقق ہے جیسے کہ ہم مسائل شرعیہ میں امام صاحب کا قول وفعل اپنے لیے حجت سمجھتے ہیں۔ اور دلائل شرعیہ میں نظر نہیں کرتے۔

ہمارے دین کی بنیاد قرآن کریم اور حدیث شریف ہے۔ قرآن کریم کی تعبیر اور حدیث شریف کی تشریح وہی معتبر ہے جو صحابہ کرامؓ اور تابعین عظامؒ اور تبع تابعین حضرات ائمہ دین اور محدثین نے پیش کی ہے۔

آپ اور باتیں لکھ کر اپنا پیچھا چھڑانا چاہتے ہیں۔ ہمارا اور آپ کا اتفاق کسی صورت میں نہیں ہوسکتا۔ ہم صحابہ رضی اللہ عنہم کو معیارِ حق سمجھتے ہیں۔ آپ نہیں سمجھتے۔ آپ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو بدعتی کہتے ہیں (نعوذ باللہ) آپ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے متعلق بھی یہی کہتے ہیں۔ کہ جمعہ کی دوسری اذان سنت نہیں۔ بدعت ہے میں پہلے

خطوں میں تفصیل سے لکھ چکا ہوں۔ مگر آپ کوئی بات نہیں مانتے۔ اگر آپ کو مناظرہ کا شوق ہو تو میں مولانا محمد امین صاحب اوکاڑوی کو بلا لیتا ہوں۔ ہمارے ساتھ مندرجہ ذیل مسائل پر مناظرہ کر لیں۔

① تقلید ② فاتحہ خلف الامام ③ رفع الدین ④ آمین بالجہر۔ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ والی روایت کے متعلق جو لکھا ہے امام ابن کثیر رحمہ اللہ کی بات قوی ہے۔ یا آپ کی' میں پھر اپنے اصول کو دہراتا ہوں۔

① قرآن کریم ② حدیث شریف ③ اجماع ④ قیاس۔ اب میرے مندرجہ ذیل سوالات کا جواب دیں۔ نماز کی شرائط حدیث سے بیان کریں۔ نماز کے ارکان حدیث سے بیان کریں۔

مچھر اور بھونڈ وغیرہ کسی پینے والی چیز میں گر جائیں تو ان کا کیا حکم ہے۔ حدیث سے پیش کریں۔

آپ کا فرقہ بالکل نیا ہے۔ گستاخ اور بے ادب ہے۔ انبیاء علیہم السلام کی آپ توہین کرتے ہیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کی توہین کرتے ہیں۔ ائمہ دین کی توہین کرتے ہیں اولیاء اللہ کی توہین کرتے ہیں۔ جب آپ اپنے بڑوں کی بھی نہیں مانتے تو ائمہ دین کی بات کب مانیں گے۔ آپ لکھتے ہیں کہ فلاں حنفی تھا۔ فلاں شافعی تھا۔ فلاں مالکی تھا۔ فلاں حنبلی تھا۔ کیا یہ قرآن میں لکھا ہے یا حدیث میں لکھا ہے۔ تمام باتیں قرآن کریم یا حدیث شریف میں نہیں ہوتیں۔ تم مانو یا نہ مانو' لیکن ایک بات ضرور کہوں گا۔ کہ ہم کو مشرک یا بدعتی نہ کہو۔ اگر کہنا ہے تو مقلدین شافعی' مالکی' حنبلی سب کو کہو۔ مکہ معظّمہ جا کر اپنے آپ کو سلفی کہتے ہو وہاں جا کر اپنے آپ کو غیر مقلد کیوں نہیں کہتے۔

انبیاء علیہم السلام معصوم ہوتے ہیں۔ ائمہ مجتہدین معصوم عن الخطا نہیں ہوتے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے جتنا بغض اور عناد آپ کو ہے۔ اور کسی کو نہیں۔

کئی کئی الزام امام صاحب پر لگاتے ہو۔ کہ امام صاحب رحمہ اللہ کے نزدیک شراب

پینا جائز ہے۔

حافظ محمد جونا گڑھی نے ایک کتاب درایت محمدی لکھی ہے وہ پڑھ کر دیکھیں جو بکواس اس نے کی ہے۔

زیادہ لکھنا نہیں چاہتا۔ اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔

آپ کا خادم

محمد صالح طالب عالم جماعت دہم



جواب مکتوب نمبر ۸:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

بخدمت جناب محمد صالح صاحب!

هَدَانِی اللّٰهُ تَعَالٰی وَاِيَّاکَ لِلَّتِیْ هِیَ اَقْوَمُ

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

امابعد! جناب سے مؤدبانہ گذارش ہے کہ آپ اپنے اس تازہ (آٹھویں) خط کو ایک ہاتھ میں اور میرے ساتویں خط کو دوسرے ہاتھ میں تھام کر دونوں کو بغور پڑھیں اور بتائیں آپ نے میری کسی ایک بات کا کوئی سا بھی جواب دیا ہے؟ میرے ساتویں خط میں تقریباً ہر بات پر نمبر لگائے گئے ہیں آپ وہ نمبر لکھ کر آگے اپنا جواب تحریر فرمائیں اِدھر اُدھر کی باتیں بنانے سے آخر آپ کو فائدہ؟ محترم خفا نہ ہوں اللہ تعالیٰ کے فرمان: ''اَلَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدٰهُمُ اللّٰهُ وَ اُولٰٓئِكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ'' پرعمل فرمائیں۔

آپ لکھتے ہیں: ''ہم مسائل شرعیہ میں امام صاحب کا قول وفعل اپنے لیے حجت سمجھتے ہیں اور دلائل شرعیہ میں نظر نہیں کرتے'' اُمید ہے جناب اپنے اس بیان پر مندرجہ ذیل امور کی روشنی میں ضرور غور فرمائیں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

① جس انسان کے قول وفعل کو مسائل شرعیہ میں حجت سمجھا جائے وہ معصوم عن الخطا ہوا کرتا ہے مگر آپ دوسری طرف ائمہ مجتہدین معصوم عن الخطاء نہیں ہوتے'' لکھ کر حضرت الامام ابوحنیفہؒ کے معصوم عن الخطاء نہ ہونے کا اعتراف بھی فرماتے ہیں'' تو آپ کی ان دو باتوں ''مسائل شرعیہ میں امام صاحبؒ کے قول وفعل کا حجت ہونا''۔ اور امام صاحب کا معصوم عن الخطا نہ ہونا'' سے ایک بات تو لامحالہ غلط ہے اگر آپ اپنی پہلی بات کو غلط کہیں تو آپ کا دعویٰ تقلید باطل اور اگر آپ

اپنی دوسری بات کو غلط کہیں تو امام صاحبؒ کا مسائل شرعیہ میں معصوم عن الخطا ہونا لازم جس کا نتیجہ نیچے ملاحظہ فرمایا جا سکتا ہے۔

② جس انسان کے قول وفعل کو مسائل شرعیہ میں حجت سمجھا جائے وہ انسان اللہ تعالیٰ کا رسول و نبی ہوتا ہے اور آپ واضح الفاظ میں لکھتے ہیں ''ہم مسائل شرعیہ میں امام صاحب کا قول وفعل اپنے لیے حجت سمجھتے ہیں'' تو پتہ چلا کہ آپ اندرونی طور پر امام صاحب کو اللہ تعالیٰ کا رسول و نبی ہی سمجھتے ہیں البتہ بیرونی طور پر انہیں رسول و نبی نہیں کہتے فرمایئے صاحب آیا یہ اندر خانے عقیدۂ ختم نبوت کی نفی نہیں؟ نیز کیا یہ سید المرسلین خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی تحقیر ہے یا توقیر؟ پھر اماموں اور بزرگوں کو انبیاء ورسل علیہم السلام کے مقام پر بٹھانا اور کس چیز کا نام ہے؟ صرف زبانی کلامی امام صاحب کو شرعی محقق اور امام مجتہد کہنا اور انہیں رسول و نبی کہنا رسول و نبی اور غیر رسول و نبی میں فرق کے سلسلہ میں کافی نہیں ٹھنڈے دل سے غور فرمانا ان شاء اللہ تعالیٰ آپ کا بڑا بھلا ہوگا۔

③ آپ نے تصریح فرما دی ہے کہ ''ہم مسائل شرعیہ میں امام صاحب کا قول وفعل اپنے لیے حجت سمجھتے ہیں اور دلائل شرعیہ میں نظر نہیں کرتے''۔ ذرا غور تو فرمائیں آپ نے یہ کیا کہہ دیا ہے؟ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے قول وفعل کو تو آپ لوگ مسائل شرعیہ میں حجت سمجھیں اور دلائل شرعیہ اور اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب اور اللہ تعالیٰ کے آخری رسول و نبی ﷺ کی سنت و حدیث میں آپ لوگ نظر تک نہ کریں از روئے انصاف و اخلاص بتایئے کیا یہ امام صاحبؒ کے حق میں افراط وغلو اور کتاب وسنت کے حق میں تفریط و تقصیر ہے یا کچھ اور؟

④ اس دفعہ آپ نے ''مسائل شرعیہ'' کے ساتھ ''فروعی'' کی قید نہیں لگائی پھر اس دفعہ آپ نے مسائل شرعیہ کی تین اقسام سے کسی ایک قسم کی تعیین بھی نہیں فرمائی بتایئے اس کی کیا وجہ ہے؟

⑤ آپ ''ہم مسائل شرعیہ میں امام صاحب کا قول و فعل اپنے لیے حجت سمجھتے ہیں'' لکھنے کے ساتھ ساتھ ''ہم صحابہ کو معیار حق سمجھتے ہیں'' بھی لکھتے جاتے ہیں تو محترم فرمائیں آپ نے امام صاحب کو معیار حق سمجھا یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو؟ یا پھر اس صحابی کا نام درج فرمائیں جس کے قول و فعل کو آپ مسائل شرعیہ میں حجت سمجھتے ہوں رہا اجماع صحابہؓ تو وہ اس سے الگ مسئلہ ہے۔ کیونکہ اجماع تو صحابہؓ کے علاوہ اور مجتہدین کا ہی کیوں نہ ہو آپ لوگ اسے حجت سمجھتے ہیں تو ٹھنڈے دل سے غور فرمایئے کہ کسی صحابی حتیٰ کہ کبار صحابہؓ کے قول و فعل کو تو مسائل شرعیہ میں حجت نہ لکھا جائے اور ''ہم مسائل شرعیہ میں امام صاحب کا قول فعل اپنے لیے حجت سمجھتے ہیں'' کی گردان کی جائے آیا یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ادب ہے؟ یا ان کی بے ادبی؟

⑥ فقہ حنفی اور اصولِ فقہ حنفی کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ حنفی مقلدین حضرات رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت شدہ احاد احادیث کو کئی ایک مقامات پر حجت نہیں سمجھتے ہیں تو فرمایئے صاحب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احاد احادیث امام صاحبؒ کے قول و فعل کا درجہ بھی نہیں رکھتیں۔ خدارا کچھ تو انصاف کیجیے۔ آخر آپ نے بھی اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہونا ہے۔

⑦ ''میرا اپنا یہ اصول ہے کہ ہر مسئلہ کے لیے سب سے پہلے ① قرآن کریم ② حدیث شریف ③ اجماع ④ قیاس'' لکھ کر تو آپ نے اپنے دلائل شرعیہ میں نظر کرنے کو ثابت فرمایا اور ''ہم مسائل شرعیہ میں امام صاحب کا قول و فعل اپنے لیے حجت سمجھتے ہیں اور دلائل شرعیہ میں نظر نہیں کرتے'' لکھ کر آپ نے اپنے دلائل شرعیہ میں نظر کرنے کی نفی فرما دی تو بتائیں آپ کی ان دو باتوں سے کون سی بات دُرست ہے؟

⑧ حنفی مقلدین کی کتب اور آپ کے ابتدائی خطوط سے واضح ہے کہ مسائل شرعیہ

کے دلائل شرعیہ چار ہیں: ① قرآن کریم ② حدیث شریف ③ اجماع ④ قیاس۔ مگر آپ نے اپنے تازہ ایک دو خطوں میں بوضاحت وصراحت لکھا ہے "ہم مسائل شرعیہ میں امام صاحب کا قول وفعل اپنے لیے حجت سمجھتے ہیں تو محترم فرمائیں آیا آپ یہ دلائل شرعیہ میں ایک اور دلیل شرعی کا اضافہ فرما رہے ہیں؟ یا پھر آپ امام صاحبؒ کے قول وفعل کو چار سابقہ دلائل شرعیہ میں سے کسی ایک دلیل شرعی میں درج سمجھتے ہیں؟ اس دوسری صورت کو اختیار فرمانے کی حالت میں امام صاحبؒ کے قول وفعل کو چار دلائل شرعیہ میں سے جس دلیل شرعی میں آپ درج سمجھتے ہوں اس دلیل شرعی کی تعیین آپ کے ذمہ ہے۔

حضرت معاذ بن جبل والی روایت سے متعلق حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کی بات قوی نہیں غلط ہے اس کے دلائل بندہ اپنے پچھلے خط میں لکھ چکا ہے۔ ان کا جواب دیں۔

ابن عبدالحق بقلمہ

سرفراز کالونی۔ جی ٹی روڈ۔ گوجرانوالہ

۷رشعبان ۱۴۰۴ھ



مکتوب نمبر ۹:

محترم المقام جناب حافظ صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ!

آپ کا گرامی نامہ مؤرخہ ۱۴/۵/۸۴ کو ملا۔ میرے اور آپ کے درمیان مسئلہ تقلید چل رہا ہے۔ میں اپنے خطوں میں تقلید پر تفصیل سے لکھ چکا ہوں۔ لیکن آپ کی سمجھ میں میری ایک بات بھی نہیں آئی۔ آپ بار بار لکھتے ہیں کہ آپ میرے خطوں کو غور سے پڑھیں۔ میں نے آپ کے خطوں کو نہایت غور سے پڑھا۔ آپ لکھتے ہیں کہ میں نمبر لگا کر خط لکھتا ہوں۔ میرے نمبر پڑھیں۔ لیکن جتنے بھی آپ نے آج تک خط لکھے ہیں ان سب میں ایک ہی عبارت ہے لفظوں کا ہیر پھیر ضرور ہے۔ میں پھر اپنے پہلے عقیدے کو دہراتا ہوں۔

ہمارے دین کی بنیاد قرآن کریم اور حدیث شریف ہے۔ قرآن کریم کی تفسیر اور حدیث شریف کی تشریح وہی معتبر ہے جو حضرت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے تابعین عظام نے اور تبع تابعین نے حضرات ائمہ دین نے فقہاء نے اور محدثین نے پیش کی ہے۔

جو مسائل صراحتاً قرآن کریم اور حدیث شریف سے نہیں ملتے وہ ہم اجماع اور فقہ سے لیتے ہیں۔

حافظ صاحب غصے کو تھوک دینا۔ ہمارے نزدیک صحابہ کرامؓ معیار حق تہتر فرقوں والی حدیث تو آپ کو ازبر ہو گی۔ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ان تہتر فرقوں میں سے ناجی فرقہ کون سا ہے۔ تو حضورؐ نے فرمایا: ”وَمَا اَنَا عَلَيْهِ وَاَصْحَابِیْ“ میں پہلے بھی لکھ چکا ہوں کہ آپ صحابہ رضی اللہ عنہم کو نہیں مانتے۔ سید احمد شہید

بریلویؒ نے جو سید اسماعیل شہیدؒ کے مرشد ہیں۔ اُنہوں نے اپنی کتاب میں غیر مقلدوں کو رافضیوں کا چھوٹا بھائی لکھا ہے' جیسے وہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو نہیں مانتے۔ اس طرح تم بھی نہیں مانتے۔ میں نے پہلے بھی لکھا کہ جمعہ کی اذان حضور کے زمانہ میں ایک ہی تھی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں بھی ایک ہی رہی اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خلافت میں بھی ایک ہی رہی۔ جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا دور خلافت آیا تو جمعہ کی دو اذانیں شروع ہوئیں۔ میں نے پہلے بھی لکھا تھا کہ آپ بتائیں کہ جمعہ کی دوسری اذان سنت ہے یا کہ نہیں۔ آپ نے جواب دیا تھا کہ جمعہ کی دوسری اذان سنت نہیں۔ پھر میں نے آپ کو آپ کے اکابر علماء غیر مقلدوں کے نام لکھے تھے جو جمعہ کی دوسری اذان کو سنت کہتے ہیں۔ کیونکہ حدیث شریف میں ہے۔ "عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ رَاشِدِيْنَ مَهْدِيِّيْنَ" (مشکوٰۃ شریف) ودیگر کتب۔

حضورؐ نے فرمایا کہ "میری سنت اور میرے صحابہ رضی اللہ عنہم کی سنت کو لازم پکڑو"

اب مسئلہ تراویح کی طرف آیئے گو میرا یہ موضوع نہیں۔ برا نہ منانا ضمناً کچھ عرض کر رہا ہوں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز تراویح صرف تین دن پڑھی اور آپ پورا مہینہ پڑھتے ہیں دعویٰ آپ کا یہ ہے کہ۔

کسی کا ہو رہے کوئی نبی کے ہو رہے ہیں ہم

اللہ کے نبی نے تو صرف تین رات نماز تراویح پڑھی مگر آپ پورا مہینہ کیوں پڑھتے ہیں۔ تراویح کے مسئلہ میں ساری اُمت ایک طرف عہد فاروقی سے لے کر ۱۲۸۴ھ تک کسی نے بھی بیس تراویح بدعت نہیں کہا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم' تابعین' تبع تابعین' ائمہ مجتہدین' سلف صالحین' محققین' مفسرین' محدثین' علماء' فضلاء' فقہاء' اذکیہ[1]' اصفیاء' اتقیاء سب کے سب بیس رکعت یا بیس رکعت سے زیادہ تراویح

---

[1] درست لفظ اذکیا ہے لیکن چونکہ مکتوب میں اس طرح اس لیے درست نہیں کیا۔

پڑھتے رہے۔

طلاق ثلاثہ ✸ آپ کے نزدیک ایک مجلس میں تین طلاق کو طلاقِ واحد شمار کیا جاتا ہے۔

صحابہ کرامؓ، تابعین، تبع تابعین، آئمہ مجتہدین کے نزدیک تین طلاق تین ہی ہیں۔ آپ کے بعض اکابر علماء بھی اس مسئلہ میں ہمارے ساتھ ہیں اور آئمہ اربعہ کے نزدیک جس عورت کو تین طلاقیں دی گئی ہیں اس کا نکاح پڑھنا حرام ہے اور آپ نکاح پڑھتے ہیں۔ برا نہ منائیں۔ مرزا غلام احمد قادیانی پہلے غیر مقلد تھا۔ حکیم نور دین بھیروی جو مرزا غلام احمد کا پہلا خلیفہ ہے۔ وہ بھی غیر مقلد ہی تھا۔ مولوی عبداللہ چکڑالوی خطیب مسجد چینیاں والا بھی غیر مقلد ہی تھا۔ حافظ محمد اسلم جیراج پوری یہ بھی غیر مقلد ہی تھا۔ سرسید احمد خاں نیچری یہ بھی غیر مقلد ہی تھا جتنے بھی نئے فرقے آج تک پیدا ہوئے ہیں یہ تمہاری ہی کوکھ سے نکلے ہیں۔ یہ ہے ترکِ تقلید کا نتیجہ۔ غیر مقلد کہتے ہی اسے ہیں جو مادر پدر آزاد ہو۔

اب میں تین چار سوال لکھتا ہوں پہلے ان کے جواب دیں پھر خط و کتابت ہوگی ورنہ خط و کتابت بند کر دی جائے گی۔

① نماز کی شرائط حدیث سے بیان کریں؟

② نماز کے ارکان حدیث سے بیان کریں؟

③ اگر پانی، لسی، دودھ وغیرہ میں مچھر، چیونٹی، چیونٹا، شہد کی مکھی۔ بھڑیا اور کوئی کیڑا مکوڑا گر جائے تو اس کا کیا حکم ہے۔ حدیث پیش کریں۔ قیاس کو میں نہیں مانوں گا۔

④ ریل گاڑی، بس، ہوائی جہاز میں نماز کیسے پڑھی جائے؟ حدیث سے ثابت کریں۔

اب میں اپنے اصلی موضوع کی طرف آتا ہوں۔

مسئلہ تقلید ✱ آیات قرآنی:[1]

ا۔ فلولا فافارا الا آخره فدين.

ب۔ اهد نسراة المسقيحب انعمت عليهم.

ج۔ وسبقون الاوّلون الاآخره و رضوعن.

د۔ اطيعوالله الاآخره اولى الامره منكم.

ر۔ فسعلو الاخره لا تعلمون.

س۔ لايكلف الله الاآخره الاوسعها.

ص۔ واتبع سبيل من اناب الى.

ط۔ والذين الاآخره امام.

ع۔ نقتدى الا اخره متقون.

ف۔ ولوردوه الا آخره منهم.

ق۔ يوم ندعو الا آخره بامام هم.

تقلید کے دو معنی ہیں:

① لغوی ② شرعی

① لغوی: قلادہ درگردن بستن (گلے میں ہار یا پٹہ ڈالنا)

② شرعی: کسی کے قول وفعل کو اپنے پر لازم شرعی جاننا۔ یہ سمجھ کر کہ اس کا کلام اور اس کا کام ہمارے لیے حجت ہے۔ کیونکہ یہ شرعی محقق ہے۔

تقلید شرعی میں کچھ تفصیل ہے، شرعی مسائل تین طرح کے ہیں۔

❶ عقائد

❷ وہ احکام جو صراحتاً قرآن کریم یا حدیث شریف سے ثابت ہوں۔ اجتہاد میں ان

---

[1] یہ آیات تمام غلط ہیں چونکہ اسی طرح کے الفاظ تھے اس لیے ان کی تصحیح نہیں کی۔

کو دخل نہ ہو۔

❸ وہ احکام جو قرآن یا حدیث سے استنباط و اجتہاد کر کے نکالے جائیں۔ مقلد مسلمان دو طرح کے ہیں۔ ایک مجتہد دوسرے غیر مجتہد۔

مجتہد وہ ہے جس میں اس قدر علمی لیاقت اور قابلیت ہو کہ قرآنی اشارات و رموز سمجھ سکیں اور کلام کے مقصد کو پہچان سکے۔ اس سے مسائل نکال سکے۔ ناسخ و منسوخ کا پورا علم رکھتا ہو۔ علم صرف و نحو و بلاغت وغیرہ میں اس کو پوری مہارت ہو۔ احکام کی تمام آیتوں اور احادیث پر اس کی نظر ہو۔ اس کے علاوہ ذکی اور خوش فہم ہو۔ جو اس درجہ پر نہ پہنچا ہو وہ غیر مجتہد یا مقلد ہے۔ غیر مجتہد پر تقلید ضروری ہے۔ مجتہد کے لیے تقلید منع ہے۔

مجتہد کے لیے چھ طبقے ہیں

① مجتہد فی شرع ② مجتہد فی المذہب ③ مجتہد فی المسائل ④ اصحاب التخریج ⑤ اصحاب الترجیح ⑥ اصحاب التمیز ۔ اب ذرا ان کی شرح بھی سنیے۔

① مجتہد فی شرع: وہ حضرات ہیں جنہوں نے اجتہاد کرنے کے قواعد بنائے جیسے چاروں امام ❶ امام ابوحنیفہ ❷ امام شافعی ❸ امام احمد بن حنبل ❹ امام مالک۔

② مجتہد فی المذہب: وہ حضرات ہیں جو ان اصول میں تقلید کرتے ہیں۔ اور ان اصول سے مسائل شرعیہ خود استنباط کر سکتے ہیں جیسے امام ابو یوسفؒ امام محمدؒ، ابن مبارک کے یہ قواعد میں امام اعظم ابوحنیفہؒ کے مقلد ہیں۔ اور مسائل میں مجتہد، باقی کے ان شاء اللہ پھر لکھوں گا۔

قرآن کریم کی وہ آیات جو یہودیوں اور عیسائیوں کے بارے میں نازل ہوئیں وہ آپ ہم پر چسپاں (فٹ) کرتے ہیں۔ قیامت کے دن اللہ کی بارہ میں ہم اور آپ بھی پیش ہوں گے اور اللہ کے سامنے آپ کو جواب دینا پڑے گا۔

① اتاخذوا الا آخرہ من دون اللہ.

② قالو الا آخرہ آباء نا[1]

یہ تو یہودیوں اور عیسائیوں کے مولوی اور پیر حرام کھاتے تھے کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ امام اعظم ابوحنیفہؒ نے بھی حرام کھایا امام ابوحنیفہ کا تقویٰ اور دیانت کی ایک مثال ملاحظہ ہو:

امام ابن حجرؒ مکی اپنی کتاب ''الخیرات الحسان'' میں لکھتے ہیں (یہ ہیں بھی شافعی مسلک کے) کہ کوفہ میں کسی کی بکری گم ہوگئی۔ امام ابوحنیفہؒ نے لوگوں سے پوچھا کہ بکری کتنا عرصہ زندہ رہتی ہے۔ بتایا گیا کہ تقریباً چھ سال' امام ابوحنیفہؒ نے چھ سال تک بکری کا گوشت نہیں کھایا۔ وہ اس لیے کہ کہیں وہ ہی بکری کسی قصاب نے ذبح نہ کر لی ہو۔

اور میں نے پہلے بھی لکھا ہے کہ آپ لوگ گستاخ اور بے ادب ہیں پروفیسر عبداللہ نے رسالہ رفع الیدین عبدالقادر کے نام پر شائع کیا۔ اس میں لکھتا ہے کہ آپ نے اندھے اماموں کی اندھی تقلید کی۔ اس سے بڑھ کر اماموں کی اور کیا گستاخی ہو سکتی ہے۔ کبھی آپ کہتے ہیں کہ امام صاحب کو صرف ستر (۷۰) احادیث یاد تھیں اور وہ یتیم فی الحدیث تھے۔ میں نے پہلے خط میں ان کا علمی گہوارہ پیش کیا تھا جس کا آپ نے کوئی جواب نہیں دیا۔

اب میرا ایک آخری سوال ہے کہ اسلام میں اجتہاد ہے یا کہ نہیں؟ اس کا جواب ضرور دیں۔ اور بھی بہت سی باتیں ہیں۔

مانا کہ تم حسیں ہو پر دل کے سخی نہیں
عاشق کے اس سوال کو پورا نہ کر سکے

حافظ صاحب میں آپ کا پیچھا نہیں چھوڑوں گا۔ جب تک بات اختتام تک نہ پہنچ جائے۔

---

[1] یہ آیات بھی غلط لکھی ہیں۔

ضروری نوٹ:

میرے امتحانات ہو رہے ہیں اس لیے مجھے فرصت کم ملتی ہے اس لیے یہ خط کسی سے لکھوا رہا ہوں۔ امتحان ہو لینے دیں پھر آپ کی اور میری باتیں ہوں گی۔

خادم
محمد صالح طالب علم



جواب مکتوب نمبر۹:

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

بخدمت جناب محمد صالح صاحب!

هَدَانِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَإِيَّاكَ لِلَّتِيْ هِيَ أَقْوَمُ

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

① آپ نے اس دفعہ اپنے رقعہ پر تاریخ درج نہیں کی اُمید ہے جناب آئندہ ایسا نہیں کریں گے۔

② آپ کے اور میرے درمیان اس بات چیت کا موضوع ہے مسئلہ تقلید جس کا آپ کو بھی اعتراف ہے اسی لیے ساتویں رقعہ میں واضح کیا جاچکا ہے آپ نے ''بات تو تقلید کے مسئلہ پر چل رہی ہے'' لکھ کر موضوع کو متعین فرما دیا ہے لہٰذا یہ بندہ آپ کی موضوع ''مسئلہ تقلید'' سے ہٹی ہوئی کسی بات کا کوئی جواب نہیں دے گا تاوقتیکہ اس موضوع ''مسئلہ تقلید'' پر ہمارا کوئی باہمی فیصلہ نہ ہو جائے ان شاء اللہ تعالیٰ اس لیے آپ جو چاہیں مثلاً مسئلہ شروط نماز وغیرہ بڑے شوق سے لکھتے رہیں'' (بندہ کا رقعہ نمبر۷ ص۱) لہٰذا آپ مسئلہ طلاق ثلاثہ مسئلہ تراویح مسئلہ ارکان نماز' پانی وغیرہ میں بھڑ وغیرہ کا گرنا' جہاز میں نماز پڑھنا اور اس قسم کے دیگر مسائل بڑی خوشی سے پوچھتے رہیں اور بھی غلط یا صحیح جو آپ کے منہ میں آئے لکھتے رہیں یہ بندہ اپنے موضوع ''مسئلہ تقلید'' سے ہرگز نہیں ہٹے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

محترم کچھ دانائی سے کام لیں بات کو خواہ مخواہ اُلجھانے کی کوشش نہ کریں پہلے وہ مسئلہ تو حل فرمالیں جس کے متعلق آپ اپنے اس تازہ رقعہ میں بھی لکھتے ہیں ''میرے اور آپ کے درمیان مسئلہ تقلید چل رہا ہے'' پھر کسی دوسرے مسئلہ کی طرف

رجوع فرما لینا۔

③ بندہ نے اپنے پہلے تمام رقعہ جات والا مواد تقریباً پورے کا پورا اپنے ساتویں رقعہ میں جمع کر دیا ہے اس لیے جناب سے گذارش ہے کہ میرے ساتویں' آٹھویں اور اس نویں تینوں رقعہ جات میں درج ہر بات کا ترتیب دار جواب دیں کیونکہ ابھی تک تو آپ نے بندہ کی کسی ایک بات کا بھی جواب نہیں دیا اور جو کچھ آپ نے اب تک لکھا وہ بندہ کی کسی ایک بات کا بھی جواب نہیں محترم بات چیت کے سلیقہ وطریقہ کو اپنایئے موضوع ''مسئلہ تقلید'' پر اپنی بات کا بندہ سے جواب وصول کر لینے کے بعد بندہ کی باتوں کا بھی تو جواب دیجیے یا پھر بندہ کی باتوں کے دُرست ہونے کا اعتراف واقرار فرمایئے' اپنے کسی بڑے عالم سے دریافت فرمائیں جو سلسلہ آپ نے شروع کر رکھا ہے۔ اس میں کس حد تک معقولیت ہے؟

④ آپ کی درج کردہ آیات نیز قرآن مجید کی دیگر آیات میں سے کسی ایک آیت اور رسول کریم ﷺ کی احادیث سے کسی ایک حدیث سے بھی آپ کا مدعا تقلید۔کسی کی کتاب وسنت کے منافی رائے کو ماننے۔ کا جواز ثابت نہیں ہوتا۔ خدارا انصاف کیجیے آپ کس طرف جارہے ہیں۔

⑤ آپ اپنے اس نویں رقعہ میں لکھتے ہیں ''مقلد مسلمان دو طرح کے ہیں ایک مجتہد دوسرے غیر مجتہد'' الخ (آپ کا رقعہ نمبر ۹ص ۵) اس سے تھوڑا سا بعد آپ خود ہی فرماتے ہیں ''جو اس درجہ۔ درجۂ مجتہد پر نہ پہنچا ہو وہ غیر مجتہد یا مقلد ہے'' آپ کی ان دو باتوں میں سے ایک بات تو لامحالہ درست ہے کیونکہ آپ کی پہلی بات میں تو غیر مجتہد کو مقلد کی قسم بنایا گیا ہے جب کہ دوسری بات میں غیر مجتہد کو مقلد کا ہم مطلب قرار دیا گیا ہے پھر آپ کی پہلی بات میں مجتہد کو بھی مقلد کی قسم بتایا گیا ہے حالانکہ یہ قطعاً غلط ہے کیونکہ مجتہد مقلد نہیں ہوا کرتا چنانچہ آپ خود

پہلے کسی رقعہ میں اس کی تصریح فرما چکے ہیں اور اب بھی لکھتے ہیں ''مجتہد کے لیے تقلید منع ہے''۔ (آپ کا رقعہ نمبر ۶ ص ۵)
یاد رہے کہ آپ کے رقعہ نمبر ۶ میں لفظ ''مجتہد'' کو ہر جگہ ''مجتحد'' ہی لکھا گیا ہے۔

⑥ بندہ تقریباً پونے دو ماہ تو سفر میں رہا نیز دیگر مصروفیات کی بنا پر جواب میں تاخیر ہوئی۔

ابن عبدالحق بقلمہ
سرفراز کالونی۔ جی ٹی روڈ۔ گوجرانوالہ
۲۱ر ذوالقعدہ ۱۴۰۴ھ



مکتوب نمبر ۱۰:

۲۹/۸/۸۴

باسمہ تعالیٰ

محترم المقام جناب حافظ صاحب!

سلام مسنون!

آپ کا گرامی نامہ مؤرخہ ۲۷/۸/۸۴ کو ملا۔ میں پہلے رقعہ میں تحریر کر چکا ہوں۔ کہ میرے امتحانات ہو رہے تھے۔ کسی اور آدمی سے خط لکھوایا۔ وہ آدمی B-A تھا۔ اگر اُس نے مجتہد غلط لکھ دیا تھا۔ تو وہ میری غلطی نہیں تھی۔ آپ نے جو یہ لکھا ہے کہ مجھے خط لکھنے کا طریقہ اور سلیقہ نہیں۔ میں کہتا ہوں کہ آپ کو بھی کوئی طریقہ اور سلیقہ نہیں۔ جو مسائل میں نے رقعہ نمبر ۹ میں لکھے۔ وہ تقلید کے بارے میں ہی تھے۔ امام ابوحنیفہؒ کے متعلق جب آپ یہ کہتے ہیں کہ امام صاحب کو صرف سترہ حدیثیں آتی تھیں۔ تو ہم کس باغ کی مولی ہیں۔ ہمیں تو کچھ بھی نہیں آتا۔

جب آپ صحابہ کی کسی بات پر عمل نہیں کرتے اور تراویح کے مسئلہ میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو بدعتی کہتے ہیں اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو دوسری جمعہ کی اذان کے بارے میں بدعتی کہتے ہیں۔ اسی لیے حضرت شہیدؒ صاحب نے آپ کو چھوٹے رافضی لکھا ہے۔ حافظ صاحب تقلید کے بغیر کوئی چارہ نہیں جب آپ کو آپ کی والدہ محترمہ نے کہہ دیا کہ فلاں تمہارا باپ ہے تو تم نے اپنی والدہ سے کوئی دلیل طلب نہیں کی۔ آئے دن ہمارے خلاف رسائل پمفلٹ شائع کرتے رہتے ہیں۔ اتنا زہر اُگلتے ہو۔ جس کی کوئی انتہا نہیں۔ فروعی مسائل کو دین کا معیار بنائے بیٹھے ہو۔ فاتحہ خلف الامام، رفع الیدین، آمین بالجہر، طلاق ثلاثہ، جمعہ کی دوسری اذان، جوتے سمیت

نماز پڑھنی۔ جرابوں پر مسح وغیرہ کرنا۔

تقلید کا مسئلہ آپ کی سمجھ میں نہیں آ سکتا۔ اگر ہم ہزاروں اور لاکھوں دلائل دیں اس لیے اس بحث کو ختم کر دیں۔

ضروری نوٹ:

اگر مناظرہ چاہتے ہیں تو بڑی خوشی سے مناظرہ کر لیں۔ جس مسئلہ پر آپ کا دل چاہے۔

میں نے آپ کے تمام رقعہ جات ترتیب سے رکھے ہوئے ہیں۔

زیادہ لکھنا نہیں چاہتا۔

آخری بات ✵ قیامت کے دن دربارِ خداوندی میں میرا اور آپ کا فیصلہ ہو جائے گا۔ آئندہ خط لکھنے کی کوشش نہ کریں۔

نہایت ضروری:

آپ کے مدرسہ کے باہر جو بورڈ لگا ہوا ہے اس پر یہ لکھا ہوا ہے کہ مدرسہ میں فقہ کی تعلیم دی جاتی ہے۔ وہ کون سی فقہ ہے۔ اور کس امام صاحب کی ہے جس کی تعلیم آپ کے مدرسہ میں دی جاتی ہے۔

فقط والسلام

محمد صالح' ازگھرجاکھ



جواب مکتوب نمبر ۱۰:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

بخدمت جناب محمد صالح صاحب!

هَدَانِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی وَاِيَّاکَ لِلَّتِیْ هِیَ اَقْوَمُ

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

① یہ بندہ بار بار لکھ چکا ہے کہ وہ ''آپ کی موضوع ''مسئلہ تقلید'' سے ہٹی ہوئی کسی بات کا کوئی جواب نہیں دے گا تاوقتیکہ اس موضوع ''مسئلہ تقلید'' پر ہمارا کوئی باہمی فیصلہ نہ ہو جائے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ اس لیے آپ جو چاہیں مثلاً شروط نماز وغیرہ بڑے شوق سے لکھتے رہیں۔'' (بندہ کا رقعہ نمبر ۷ ص ۱) تو محترم آپ نے پہلے بھی مجھ پر کئی ایک بہتان لگائے ہیں اور اب اس دسویں رقعہ میں بھی جناب نے بندہ پر ایک سے زیادہ بہتان تراشے ہیں مثلاً ''❶ امام ابوحنیفہؒ کے متعلق جب آپ یہ کہتے ہیں کہ امام صاحب کو صرف سترہ حدیثیں آتی تھیں ❷ آپ اصحابہ رضی اللہ عنہم کی کسی بات[1] پر عمل نہیں کرتے ❸ اور تراویح[2] کے مسئلہ[3] میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو بدعتی کہتے ہیں ❹ اور حضرت عثمان[4] غنی رضی اللہ عنہ کو دوسری جمعہ کی اذان کے بارے میں بدعتی کہتے ہیں''۔ الخ (جناب کا رقعہ نمبر ۱۰ ص ۱۔۲)

تو مکرم کوئی بات نہیں اور بھی اس قسم کی چیزیں آپ بڑی خوشی سے لکھیں بقول شما ''قیامت کے دن دربارِ خداوندی میں میرا اور آپ کا فیصلہ ہو جائے گا''۔

(آپ کا خط نمبر ۱۰ ص ۳)

② آپ فرماتے ہیں ''حافظ صاحب تقلید کے بغیر کوئی چارہ نہیں جب آپ کو آپ

---

[1] [2] [3] [4]: یہ تمام الفاظ آپ کی تحریر میں اسی طرح ہیں۔ منہ

کی والدہ محترمہ نے کہہ دیا کہ فلاں تمہارا باپ ہے تو تم نے اپنی والدہ سے کوئی دلیل طلب نہیں کی''۔ (آپ کا خط نمبر ۱۰ص ۳)

بزعم خود تو آپ نے اس سے تقلید کو کشید فرمایا ہے جب کہ تقلید اس سے بالکل کشید نہیں ہوتی اوّلاً تو اس لیے کہ میری یا آپ کی والدہ محترمہ کا اپنی اولاد کو ان کے باپ سے روشناس کرانا تقلید ہے ہی نہیں کیونکہ تقلید تو (صحیح قول کے مطابق) کتاب و سنت کے منافی رائے کو ماننے کا نام ہے اور والدہ کا اپنی اولاد سے کہنا ''فلاں تمہارا باپ ہے'' کوئی کتاب وسنت کے منافی رائے نہیں۔ لہٰذا والدہ کی اس بات کے ماننے کو تقلید قرار دینا درست نہیں۔

اور ثانیاً اس لیے کہ اگر آپ لوگ اپنی والدہ محترمہ یا کسی اور کے قول ''فلاں تمہارا باپ ہے'' کو ماننا واقعی تقلید سمجھتے ہیں تو پھر آپ تو اپنی والدہ محترمہ یا کسی اور کے بھی مقلد ہوئے جب کہ مقلدین حضرات بھی یہ کبھی نہیں کہتے اور کبھی نہیں سمجھتے کہ وہ اپنی والدہ محترمہ یا باپ کا نام بتلانے والے کے بھی مقلد ہیں وہ تو صرف یہی کہتے اور سمجھتے ہیں کہ وہ بس حضرت الامام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ہی مقلد ہیں یا پھر وہ یوں کہتے ہیں ''ہم شرعی مسائل میں حضرت الامام ابوحنیفہؒ کے قول اور فعل کو حجت سمجھتے ہیں''۔ الخ

یہ آج تک کسی ایک مقلد نے بھی نہیں کہا کہ وہ ''فروعی مسائل میں اپنی والدہ محترمہ کے قول اور فعل کو حجت سمجھتا ہے''۔ الخ

اور ثالثاً اس لیے کہ اگر والدہ محترمہ یا کسی اور کے قول ''فلاں تمہارا باپ ہے'' کو ماننا تقلید ہو تو حضرت الامام ابوحنیفہ رحمہ اللہ بھی آپ کی طرح مجتہدین کی فہرست سے خارج ہو کر مقلدین کے زمرہ میں شامل ہو جائیں گے کیونکہ انہوں نے بھی تو آخر حضرت ثابت رحمہ اللہ کو اپنی والدہ محترمہ یا کسی اور کے بتانے سے ہی اپنا باپ تسلیم فرمایا تو بتایئے صاحب آپ کا اس سے کیا جواب ہے؟

③ جناب سے گذارش ہے کہ میرے ساتویں، آٹھویں، نویں اور اس دسویں چاروں

رقعہ جات میں درج ہر بات کا ترتیب وار جواب دیں کیونکہ ابھی تک تو آپ نے بندہ کی کسی ایک بات کا بھی جواب نہیں دیا۔

اِلٰی آخِرِہٖ مَا قُلْتَ قَبْلُ فِی الرُّقْعَةِ التَّاسِعَةِ.

④ آپ لکھتے ہیں ''آئندہ خط لکھنے کی کوشش نہ کریں''۔ (آپ کا رقعہ نمبر ۱۰ ص ۳)

محترم مؤدبانہ گزارش ہے کہ جناب ہی نے بندہ کو پہلے خط لکھا اور جواب کا مطالبہ کیا تھا ورنہ میں تو آپ کے نام تک سے واقف نہ تھا تو مکرم خفا نہ ہونا' اگر آپ نے خط لکھا تو جواباً بندہ بھی آپ کو ضرور خط لکھے گا ان شاء اللہ تعالیٰ' آخر کوئی بھائی مکتوب لکھے تو اس کا جواب دینا تو مکتوب علیہ کا حق ہے جس سے اسے محروم کرنا کوئی انصاف نہیں۔

ابن عبدالحق بقلمہ

سرفراز کالونی۔ جی ٹی روڈ گوجرانوالہ

۱۴۰۴ھ۔ ۶/ ذوالحجہ



مکتوب نمبر ۱۱:

۱۱ر ستمبر ۱۹۸۴ء

باسمہ تعالیٰ

محترم المقام جناب حافظ صاحب!

سلام مسنون!

گرامی نامہ ملا۔ ارادہ تو نہیں تھا کہ آپ کو جواب دوں۔ لیکن آپ کی عادتوں کا مجھے پتہ ہے آپ یہ نہ کہیں کہ محمد صالح شکست کھا گیا۔ اس لیے میں یہ خط لکھ رہا ہوں۔ میں نے بہت سے دلائل لکھے۔ لیکن آپ نے کوئی بات نہیں مانی۔ جب دل میں ضد اور تعصب ہو تو حق بات سے بھی آدمی انکار کر دیتا ہے۔ مولوی امجد علی صاحب اپنی کتاب بہارِ شریعت حصہ اوّل ص ۶۳ پر لکھتے ہیں۔ وہابی ایک نیا فرقہ ہے جو ۱۲۰۹ء میں پیدا ہوا۔ آپ کے فرقے کا بانی مبانی مولوی عبدالحق بنارسی ہے ۱۸۸۸ء میں آپ نے اپنے آقا انگریز سے اہلحدیث نام الاٹ کرایا پہلے آپ نے اپنا نام وہابی رکھا۔ پھر لوگ آپ کو غیر مقلد کہنے لگے۔ اور اب تک کہہ رہے ہیں۔ میں نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی روایت پیش کی۔ وہ بھی آپ نے نہیں مانی رقعہ نمبر ۹ میں۔ میں نے بہت تفصیل سے مسئلہ لکھا۔ لیکن آپ نے کسی بات کو بھی نہیں مانا۔ جو آیات کریمہ یہود و نصاریٰ کے حق میں نازل ہوئیں۔ وہ آپ ہم پر چسپاں کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تجھے غارت کرے۔ آمین ثم آمین

آپ لکھتے ہیں۔ کہ مجھ پر الزام لگاتے ہو۔ یہ بات غلط ہے۔ اس خط میں بھی تم نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پر حملہ کیا ہے۔ میں آپ کی کتابوں سے سب کچھ ثابت کر سکتا ہوں۔ آپ کا فرقہ گستاخ اور بے ادب ہے۔ لوگوں کو بدظن کرنے کے لیے فقہ پر اعتراض کرتے ہو۔ تم تو اپنے بڑوں کی بات نہیں مانتے۔ اپنے فتوے بھی

پڑھ لیا کرو۔

شرم تم کو مگر نہیں آتی

میری کسی بھی بات کا جواب تم آج تک نہیں دے سکے۔ تمہاری کوکھ سے مرزائی، چکڑالوی، نیچری اور باطل فرقے پیدا ہوئے۔

مرزا غلام احمد قادیانی غیر مقلد تھا۔

حکیم نور الدین بھیروی // //

سرسید احمد خاں // // //

محمد اسلم جیراج پوری // // //

نیاز فتح پوری // // //

ابتدا تو میں نے نہیں کی تھی چند مسائل آپ سے پوچھے تھے آپ نے مناظرانہ رنگ اختیار کر لیا۔

میں مولانا محمد امین صاحب اوکاڑوی کو بلا لیتا ہوں۔ مسئلہ تقلید پر فیصلہ کر لو۔

آپ کا

محمد صالح از گھر جاکھ



جواب مکتوب نمبر ۱۱:

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

بخدمت جناب محمد صالح صاحب!

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ اِنَّ رَبَّکَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِیْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِیْنَ. اِلٰی قَوْلِهٖ تَعَالٰی. ﴿اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا وَالَّذِیْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ﴾ (سورہ نحل کی آخری آیات)

اور اللہ تعالیٰ جل وعلا سورہ حم السجدہ میں فرماتے ہیں:

﴿وَلَا تَسْتَوِی الْحَسَنَةُ وَلَا السَّیِّئَةُ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَکَ وَ بَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ کَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ. وَمَا یُلَقّٰهَا اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْا وَمَا یُلَقّٰهَا اِلَّا ذُوْحَظٍّ عَظِیْمٍ. وَاِمَّا یَنْزَغَنَّکَ مِنَ الشَّیْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ﴾

اللہ تعالیٰ عزوجل ہی سورہ المؤمنون میں فرماتے ہیں:

﴿اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ السَّیِّئَةَ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا یَصِفُوْنَ﴾

اللہ تعالیٰ مجھے آپ کو اور تمام مسلمانوں کو کتاب وسنت پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین!

② آپ نے بذات خود لکھا ''بات تو تقلید کے مسئلہ پر چل رہی ہے'' (آپ کا خط نمبر ۷ ص ۸) نیز آپ ہی لکھتے ہیں۔ ''موضوع زیر بحث تقلید ہے''۔ (آپ کا خط نمبر ۸ ص ۱) پھر جناب ہی نے مجھے موضوع کے اندر رہنے کی تلقین بھی فرمائی چنانچہ آپ لکھتے ہیں ''موضوع کے اندر رہ کر بات کیا کریں اِدھر اُدھر جانے کی

ضرورت نہیں''۔ (آپ کا خط نمبر ۶ ص ۳) تو آپ کے ان ارشادات کی روشنی میں بندہ نے اپنے خطوط میں بار بار لکھا ''یہ بندہ آپ کی موضوع'' مسئلہ تقلید سے ہٹی ہوئی کسی بات کا کوئی جواب نہیں دے گا تاوقتیکہ اس موضوع ''مسئلہ تقلید پر ہمارا کوئی باہمی فیصلہ نہ ہو جائے ان شاء اللہ تعالیٰ اس لیے آپ جو چاہیں مسئلہ شروطِ نماز وغیرہ بڑے شوق سے لکھتے رہیں''۔ (بندہ کا خط نمبر ۷ ص ۱) پھر بندہ نے ہی لکھا ''آپ مسئلہ طلاق ثلاثہ' مسئلہ تراویح' مسئلہ ارکان نماز وغیرہ پانی میں بھڑ وغیرہ کا گرنا' جہاز میں نماز پڑھنا اور اس قسم کے دیگر مسائل بڑی خوشی سے پوچھتے رہیں اور بھی غلط یا صحیح جو آپ کے منہ میں آئے لکھتے رہیں یہ بندہ اپنے موضوع مسئلہ تقلید سے ہرگز نہیں ہٹے گا ان شاء اللہ تعالیٰ (بندہ کا خط نمبر ۹ ص ۱)

③ تقلید کے اثبات کے لیے جس قدر مواد آپ نے پیش کیا بندہ نے اس تمام مواد کا تفصیلاً جواب دے دیا ہے میرے خطوط کسی عالم کو پڑھائیں پھر ان سے پوچھیں آیا تقلید سے متعلق آپ کی تمام باتوں کا ان میں جواب ہے یا نہیں؟ پھر بندہ نے آپ کے تقلید پر پیش کردہ تمام مواد کا اجمالی جواب بھی دیا جو اس جگہ درج کیا جاتا ہے تفصیلی جواب بندہ کے خطوط میں ملاحظہ فرمالیں۔ آپ کی درج کردہ آیات نیز قرآن مجید کی دیگر آیات میں سے کسی ایک آیت اور رسول کریم ﷺ کی احادیث سے کسی ایک حدیث سے بھی آپ کا مدعا ''تقلید'' کسی کی کتاب وسنت کے منافی رائے کو ماننے کا جواز ثابت نہیں ہوتا ذرا انصاف کیجیے آپ کس طرف جارہے ہیں''۔ (بندہ کا خط نمبر ۹ ص ۲)

④ رہی حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ والی روایت تو اس کے متعلق بندہ لکھ چکا ہے۔ ''یہ روایت رسول اللہ ﷺ سے بالکل ثابت نہیں'' اس کی تفصیل یا دلائل آپ بندہ کے خط نمبر ۷ ص ۶ پر ایک دفعہ پھر پڑھ لیں تو جناب کا فرض تھا کہ اس روایت کو آپ رسول اللہ ﷺ سے ثابت فرماتے یا صاف لفظوں میں اعتراف

کرتے کہ واقعی یہ روایت رسول کریم ﷺ سے ثابت نہیں مگر آپ نے ان دو اصولی' معقولی اور مبنی برانصاف طریقوں سے تو کوئی سا طریقہ نہ اپنایا اُلٹا یہ فرما دیا ''میں نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی روایت پیش کی وہ بھی آپ نے نہیں مانی''۔ (آپ کا خط نمبر ۱۱ص ۱)

⑤ بندہ نے آپ کی طرف سے آپ کے پچھلے خط میں پیش کردہ ''والدہ محترمہ'' والی دلیل کے تین جواب لکھے ان سے کسی ایک کا بھی آپ سے رد تو نہ ہو سکا البتہ آپ نے ''اس خط میں بھی تم نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ پر حملہ کیا ہے'' (آپ کا خط نمبر ۱۱ص ۲) لکھ کر آپ کی طرف سے آپ کی حالیہ اور سابقہ تحریرات میں اس بندہ پر لگائے گئے بہتانات میں ایک اور بہتان کا ضرور اضافہ فرما دیا ہے تو محترم آپ جس قدر چاہیں جی بھر کر اس بندہ پر الزام و بہتان تراش لیں' اسے برا بھلا کہہ لیں اور اس کے دینی بھائیوں پر کیچڑ اچھال لیں اس سلسلہ میں آپ کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے ہم تو اتنا جانتے ہیں کہ اس طرح کرنے سے آپ کا مدعا ''فروعی مسائل میں ہم امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی تقلید کرتے ہیں'' (آپ کا خط نمبر ۴ص ۲) اور ''ہم مسائل شرعیہ میں امام صاحب کا قول و فعل اپنے لیے حجت سمجھتے ہیں اور دلائل شرعیہ میں نظر نہیں کرتے''۔ (آپ کا خط نمبر ۸ص ۱) تو ہرگز ثابت نہیں ہوگا۔

⑥ محترم آپ سے انتہائی مؤدبانہ التماس ہے کہ آپ بندہ کے خطوط ساتویں' آٹھویں' نویں' دسویں اور گیارھویں کا جواب دیں اور آپ بھی تو اپنے موضوع ''مسئلہ تقلید'' کے اندر رہیں صرف اس بات کی دوسروں کو تلقین کرنے پر ہی اکتفا نہ کریں:

﴿ اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ ﴾ الآية

⑦ آخر میں یہ بندہ آپ سے نہایت ہی مؤدبانہ اپیل کرتا ہے کہ آپ ایک دفعہ پھر

اپنے اور بندہ کے خطوط غور سے پڑھیں ان شاء العزیز آپ کو پتہ چل جائے گا ابتدا کس نے کی نیز مناظرانہ رنگ کس نے اختیار کیا خصوصاً آپ کے دوسرے خط کے جواب میں آپ کے ارسال کردہ جوابی لفافہ کو بندہ کی طرف سے آپ کو خالی ہی بھیج دینے کے بعد جو رویہ آپ نے اختیار فرمایا اس کو ذرا ذہن نشین رکھیں بندہ نے تو خالی لفافہ بھیج کر آپ کو موقع فراہم کر دیا تھا' دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو کتاب وسنت پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یا رب العالمین!

ابن عبدالحق بقلمہ

سرفراز کالونی۔ جی ٹی روڈ گوجرانوالہ

۲۰رذوالحجہ ۱۴۰۴ھ



مکتوب نمبر ۱۲:

۱۳/۹/۸۴

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

محترم المقام جناب حافظ صاحب!

سلام مسنون!

گرامی نامہ آپ کا ملا۔ مؤرخہ ۱۲/۹/۸۴ کو جواب دے دیا گیا لیکن ایک خط اور ارسال کر رہا ہوں۔ تاکہ آپ کے دماغ میں کوئی بات بیٹھ جائے۔ چاہیے تو یہ تھا۔ کہ جب تمہارے آقا اس ملک سے گئے تھے تم فتنہ فساد کو ختم کر دیتے لیکن تم نے اُن کے جانے کے بعد یہ مہم تیز سے تیز تر کر دی۔ تمہارا ہر پمفلٹ اشتہار اور کتابچہ میرے پاس موجود ہے۔ جو تم آئے دن شائع کرتے رہتے ہو۔ تمہیں شرم نہیں آتی۔ تقلید کو تم شرک اور بدعت کہتے ہو۔ مقلدین کو مشرک کہتے ہو۔ انگریزوں کی آمد سے پہلے کی کوئی کتاب پیش کرو۔ جس میں مقلدین کو مشرک اور کافر کہا گیا ہو۔ منہ مانگا آپ کو انعام دیا جائے گا۔ کیا امام شافعیؒ اور امام مالکؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے مقلدوں کو ہی تم مشرک کہتے ہو۔ کہو۔ اگر ہم مشرک ہیں تو ان پر بھی فتویٰ لگاؤ۔ اور ان اماموں پر بھی فتویٰ لگاؤ۔ امام بخاریؒ امام مسلمؒ امام ترمذیؒ امام نسائیؒ حافظ ابن حجرؒ علامہ عینیؒ ملا علی قاریؒ سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ پر۔

امام بخاریؒ شافعی المسلک ہیں۔ غرض کوئی حنفی ہے اور کوئی شافعیؒ، سید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ، حنبلی مسلک ہیں اور مقلد ہیں۔ اب تم کہو گے کہ یہ کس کتاب میں لکھا ہے۔ مولانا عبدالرحمٰن فیصل آبادی نے ان کو غیر مقلد لکھا۔ لیکن اتنا بڑا جھوٹ، وہ مدرسہ دیوبند کا فارغ نہیں تھا۔ ڈھبیل مدرسہ کا پڑھا ہوا ہے۔ اسے جھوٹ بولتے شرم نہ آئی۔ یہ کہتے ہو کہ تم ہم پر الزام لگاتے ہو۔ یہ بھی تمہارا جھوٹ ہے۔ کیا آپ

نے نتائج التقلید کا مطالعہ کیا ہے۔ حکیم محمد اشرف سندھو نے اس میں کیا کیا بکواس کی ہے اس نے امام صاحب ابوحنیفہؒ کے متعلق لکھا ہے کہ امام صاحب یتیم فی الحدیث تھے اور آپ کو سترہ حدیثیں یاد تھیں۔ مولوی عبداللہ نے لکھا ہے کہ امام صاحبؒ کے نزدیک شراب پینا جائز ہے۔ نبیذ تمر کے معنی تم نے کھجور کی شراب کیا ہے۔ حنفیوں کے نزدیک شراب کے نو پیالے پینے جائز ہیں۔ حافظ محمد جونا گڑھی نے درایت محمدی میں جو کچھ بکواس کی اب چند سوالات دریافت کرتا ہوں۔ جواب ہاں یا نہ میں دیں۔

① نماز میں رفع الیدین فرض ہے یا واجب یا سنت مؤکدہ؟

② رفع الیدین نہ کرنے والوں کی نماز باطل ہوتی ہے یا نہیں؟

③ سورہ فاتحہ نہ پڑھنے والوں کی نماز باطل اور کالعدم ہوتی ہے یا نہیں؟

④ زیر ناف ہاتھ باندھنے والوں کی نماز ہوتی ہے یا نہیں؟

⑤ نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ نہ پڑھنے والوں کی نماز جنازہ درست ہوتی ہے یا کہ نہیں، کیا وہ اپنے پر اور میت پر ظلم کرتے ہیں؟

⑥ کیا آپ ثابت کر سکتے ہیں کہ حج کے دنوں کے علاوہ نبی کریم ﷺ نے ننگے سر نماز پڑھی؟

میرا اور آپ کا مسئلہ صرف تقلید ہے۔ لیکن جب آپ حضورؐ کے سوا کسی کی بات نہیں مانتے۔ نہ تو آپ صحابہؓ کے قول وفعل کو حجت مانتے ہیں۔ نہ تابعین نہ تبع تابعین نہ ائمہ اربعہ نہ فقہاء، فضلاء نہ اتقیا نہ اذکیا۔ اب بتائیں میں آپ کے ساتھ بات کیا کروں۔ یہ کہہ دینا آسان بات ہے۔ کہ میں نہیں مانتا۔ آخری بات

⑦ کیا تم ہم کو مسلمان سمجھتے ہو۔ یا کافر اور مشرک کھل کر سامنے آؤ۔ منافقت سے کام نہ لو۔

محمد صالح طالب علم

از گھر جاکھی

جواب مکتوب نمبر۱۲:

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

بخدمت جناب محمد صالح صاحب!

هَدَانِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی وَاِیَّاکَ لِلَّتِیۡ هِیَ اَقۡوَمُ

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

① آپ لکھتے ہیں ''بات تو تقلید کے مسئلہ پر چل رہی ہے'' (آپ کا خط نمبر ۷ص۱) ''موضوع زیر بحث تقلید ہے'' (آپ کا خط نمبر ۸ص۱) نیز آپ اپنے اس تازہ خط میں فرماتے ہیں ''میرا اور آپ کا مسئلہ صرف تقلید ہے'' (آپ کا خط نمبر۱۲ص۲) پھر جناب ہی کا ارشادِ گرامی ہے ''موضوع کے اندر رہ کر بات کیا کریں اِدھر اُدھر جانے کی ضرورت نہیں''۔ (آپ کا خط نمبر ۶ص۳) تو محترم جب ہماری اس بات چیت کا موضوع ''صرف تقلید ہے'' تو اس موضوع کے اندر رہ کر بات کرنا ہم دونوں کے لیے یکساں ضروری ہے اس لیے یہ بندہ تو شروع ہی سے موضوع ''مسئلہ تقلید'' سے باہر نہیں جا رہا اور ان شاء اللہ آئندہ بھی وہ اس موضوع ''مسئلہ تقلید'' سے باہر نہیں جائے گا تاوقتیکہ ہمارا اس پر کوئی باہمی فیصلہ نہ ہو جائے مگر آپ ہیں کہ پہلے بھی آپ اپنے موضوع ''مسئلہ تقلید'' سے ہٹ کر لکھتے آئے ہیں اور اب اپنے اس تازہ خط میں بھی آپ نے چھ سوالات ''مسئلہ تقلید'' سے ہٹ کر کیے ہیں تو خیر کوئی بات نہیں آپ جو چاہیں بڑے شوق سے لکھیں۔ یہ بندہ موضوع ''مسئلہ تقلید'' سے ہٹی ہوئی آپ کی کسی بات کا کوئی جواب نہیں دے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ مطمئن رہیں۔

② آپ لکھتے ہیں ''جب آپ حضورؐ کے سوا کسی کی بات نہیں مانتے......اب بتائیں

میں آپ کے ساتھ بات کیا کروں'' (آپ کا خط نمبر ۱۲ ص ۲) تو جناب آپ اپنے مدعا ''فروعی مسائل میں ہم امام ابو حنیفہ کی تقلید کرتے ہیں'' (آپ کا خط نمبر ۴ ص ۲) اور ''ہم مسائل شرعیہ میں امام صاحب کا قول و فعل اپنے لیے حجت سمجھتے ہیں اور دلائل شرعیہ میں نظر نہیں کرتے''۔ (آپ کا خط نمبر ۸ ص ۱) پر کتاب وسنت سے دلائل پیش فرما کر اس بات چیت کو آگے چلائیں تو آپ سے انتہائی مؤدبانہ گذارش ہے کہ آپ بندہ سے یہ بات کریں اس میں آپ کا بھی بھلا ہے تو مکرم آپ سے مکرر اپیل ہے کہ ''ہم مسائل شرعیہ میں امام صاحب کا قول اپنے لیے حجت سمجھتے ہیں'' الخ کے اثبات کی خاطر قرآن مجید کی کوئی ایک ہی آیت یا نبی کریم ﷺ کی احادیث سے کوئی ایک ہی حدیث پیش فرمائیں جو کچھ آپ نے اب تک لکھا اس سارے کے سارے مواد میں کوئی ایک بھی آیت یا حدیث ایسی نہیں جس سے ''حضرت امام ابو حنیفہؒ کے قول و فعل کا مسائل شرعیہ میں حجت ہونا'' فی الواقع ثابت ہوتا ہو تو محترم آپ سے آپ ہی کے الفاظ میں درخواست ہے ''موضوع کے اندر رہ کر بات کیا کریں اِدھر اُدھر جانے کی ضرورت نہیں'' یہ تو صرف بندہ کی آپ سے درخواست ہے اُمید نہیں کہ آپ اسے درخور اعتناء سمجھیں اسی لیے اس سے قبل کئی دفعہ لکھ چکا ہوں ''آپ جو چاہیں بڑے شوق سے لکھیں'' الخ رہا آپ کا اس بندہ کو برا بھلا کہنا تو اس سے بندہ آپ پر بالکل ناراض نہیں آپ دل کھول کر اور بھی جو چاہیں کہہ لیں اللہ تعالیٰ آپ کو خوش رکھے اور مجھے اور آپ کو کتاب وسنت پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے کہ کامیابی اسی میں ہے۔

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا.

ابن عبدالحق بقلمہ

سرفراز کالونی۔ جی ٹی روڈ گوجرانوالہ

۲۲/ذوالحجہ ۱۴۰۴

مکتوب نمبر ۱۳:

۱۸ر ستمبر ۱۹۸۴ء

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

محترم المقام جناب حافظ صاحب!

سلام مسنون!

مسئلہ تقلید ٭ اب پھر میں کچھ عبارتیں نقل کرتا ہوں۔ تا کہ آپ کچھ سمجھیں جائیں۔

تقلید کی تعریف ٭ تقلید اور اتباع ایک ہی چیز ہے۔ بلانظر فی الدلیل کہ دوسرے کی بات کو اپنے لیے راہ نمائی کا ذریعہ بنانا۔ اور اس کی پیروی کرنا۔ اس خیال سے کہ یہ صحیح کہتا ہے۔

اب تم تعریف کرو۔ دوسری بات جب آپ نے کسی بات کو ماننا نہیں۔ تو خط وکتابت فضول ہے۔ آپ یہ بتائیں کہ اسلام میں اجتہاد جائز ہے یا نہیں۔ جواب صرف ہاں یا نہ میں دیں۔ ہمارے دین کی بنیاد قرآن اور حدیث پر ہے لیکن جو مسائل قرآن کریم اور حدیث شریف سے صراحتاً نہیں ملتے۔ ہم وہ مسائل اجماع اور قیاس سے لیتے ہیں۔ اپنے قیاس سے بہتر ہم امام صاحب کا اجتہاد اور رائے اپنے لیے بہتر جانتے ہیں۔ اور جو قول امام صاحب کا حدیث کے خلاف ہو۔ اس کو چھوڑ دیتے ہیں۔ ہم امام صاحب کو حضورؐ کی مسند پر نہیں بٹھاتے۔ آپ لوگوں کو فریب اور دھوکا دیتے ہیں کہ حنفی لوگ امام صاحب کو حضور ﷺ کی مسند پر بٹھاتے ہیں۔ خدا تم کو تباہ و برباد کرے۔ ہم قسم اٹھا کر کہتے ہیں لیکن آپ لوگ نہیں مانتے۔ ہمارا اور آپ کا کافی اختلاف ہے ❶ نماز میں اختلاف ❷ اذان میں اختلاف ❸ نماز کے اوقات میں بھی ❹ عیدین کی نماز میں ❺ نماز جنازہ میں ❻ نکاح کے مسائل میں ❼ امامت میں ❽ نابالغ کے پیچھے نماز تراویح میں ❾ نماز وتر میں۔ انگریزوں کے وقت سے پہلے کی

کوئی کتاب پیش کریں۔جس میں یہ لکھا ہو کہ تقلید شخصی شرک اور بدعت ہے۔آپ کو مبلغ ایک ہزار روپیہ انعام دیا جائے گا۔

آپ کا فرقہ ایک نیا فرقہ ہے۔جو ۱۲۰۹ھ میں پیدا ہوا۔پہلے لوگ آپ کو وہابی کہتے تھے۔پھر آپ نے اپنا نام موحد رکھا پھر ۱۸۸۸ء میں انگریز اپنے آقا سے اہلحدیث نام الاٹ کرایا۔مولوی محمد حسین بٹالوی کا رسالہ دیکھ لیں۔

حافظ صاحب میں آپ کو ایک مشورہ دیتا ہوں۔نہ اپنا وقت ضائع کریں نہ میرا وقت ضائع کریں۔مناظروں میں کبھی کوئی بات طے نہیں ہوئی۔نہ میں مانوں گا نہ آپ مانیں گے۔میں نے بزرگوں سے سنا ہے کہ مولوی ثناء اللہ صاحبؒ امرتسری اور مولانا عبدالعزیزؒ صاحب دونوں کا مناظرہ تقلید شخصی پر ہوا مولانا ثناء اللہ صاحبؒ شکست کھا کر بھاگے۔تمام گوجرانوالہ کے آدمی اس بات پر گواہ ہیں۔آپ کس باغ کی مولی ہیں۔میں پہلے رقعہ لکھ چکا ہوں کہ مناظرے کا شوق ہو تو بڑی خوشی سے کریں۔زیادہ لکھنا نہیں چاہتا۔

فقط والسلام

محمد صالح طالب علم اٹر گھرجاکھ



مکتوب نمبر۱۴:

۲۳ر ستمبر ۸۴ء

باسمہ تعالیٰ

محترم المقام جناب حافظ صاحب!

سلام مسنون!

آپ کا تحریر کردہ خط مؤرخہ ۱۹ر ستمبر کو ملا میں نے پہلے بھی تحریر کیا۔ کہ آئندہ خط نہ لکھنا۔ لیکن آپ ایسے ضدی ہیں کہ پھر آپ نے خط لکھ دیا۔ جب آپ کوئی بات نہیں مانتے تو آخر انسان کو غصہ آ بھی جاتا ہے۔ آپ کو امام صاحب ابوحنیفہؒ سے جتنا بغض اور حسد ہے اور کسی امام سے نہیں میں دعا کرتا ہوں کہ خداوند کریم تمہیں ہدایت دے۔ پروفیسر عبداللہ بہاولپوری نے اپنے رسالہ رفع الدین میں لکھا ہے۔ کہ آپ نے اندھے اماموں کی اندھی تقلید کی۔ اس بدبخت نے کسی امام کو نہیں چھوڑا۔ اس سے بڑھ کر اور کیا گستاخی ہوسکتی ہے۔ تمہارے نزدیک تمام مقلدین مشرک اور بدعتی ہیں۔ پھر تم مشرکوں کے ساتھ رشتہ ناطہ کیوں کرتے ہو۔ ہمارے بیاہ شادیوں میں کیوں شامل ہوتے ہو ہمارا کیوں کھاتے ہو۔ کیا مشرک کا ذبیحہ کھانا جائز ہے۔ دلیل سے بات کرو۔ صرف ایک بات کا جواب دیں۔ ہم تمہارے نزدیک مسلمان ہیں یا نہیں پہلے بھی جو باتیں میں نے لکھی ہیں آپ نے کسی ایک بات کا بھی جواب نہیں دیا۔ نہ آپ جواب دے سکتے ہیں۔ انگریز کے دور سے پہلے کی کوئی کتاب پیش کرو۔ جس میں یہ لکھا ہو کہ بیس تراویح پڑھنا بدعت ہے۔ تقلید کرنی بدعت ہے۔ آپ کو ایک ہزار روپیہ انعام دوں گا۔

نہ خنجر اُٹھے گا نہ تلوار اُن سے
یہ بازو میرے آزمائے ہوئے ہیں

اب پھر کہتا ہوں۔ کہ آپ اس خط و کتابت سے باز آ جائیں۔ جب آپ کے پاس جواب ہی کوئی نہیں تو کیوں بات کو طول دیتے ہیں۔ مولانا سرفراز صاحب صفدر کی کتابوں مقام ابوحنیفہ اور طائفہ منصورہ کا مطالعہ کریں اور ان کا جواب لکھیں۔ اگر تم میں جرأت اور ہمت ہے۔

تمام باطل فرقے تمہاری کوکھ سے پیدا ہوئے۔ مرزائی' چکڑالوی' نیچری وغیرہ وغیرہ۔ سرسید احمد خاں پہلے غیر مقلد تھا۔ پھر نیچری ہو گیا۔ چوہدری سرظفر اللہ خاں سابق وزیر خارجہ پہلے غیر مقلد تھا' غیر مقلد گھرانے میں پرورش پائی۔ پھر مرزائی ہو گیا۔ حکیم نورالدین بھیروی پہلے غیر مقلد تھا پھر مرزائی ہو گیا۔ اسلم جیراجپوری پہلے غیر مقلد تھا پھر چکڑالوی ہو گیا۔

یہ تو تقلید کی برکت ہے کہ آدمی اپنے صحیح عقیدے پر قائم رہتا ہے۔ امام بخاریؒ شافعی المسلک تھے۔ لگاؤ ان پر بھی فتویٰ ہیں آخری مرتبہ آپ سے التماس کروں گا۔ کہ کیا نکالنا ہے اس مسئلہ میں۔ بات کو میں اور آپ ختم کر دیں۔ آگے آپ کی مرضی۔

ضروری نوٹ:

آپ کے تمام خطوط میں نے ریکارڈ میں رکھے ہیں۔ آپ ایک بات کو بار بار لکھتے ہیں۔

فقط والسلام

محمد صالح طالب علم از گھر جاکھ



جواب مکتوب نمبر ۱۳، ۱۴:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

بخدمت جناب محمد صالح صاحب!

هَدَانِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَإِيَّاكَ لِلَّتِيْ هِيَ أَقْوَمُ

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

① بندہ بارہا لکھ چکا ہے کہ آپ کی موضوع ''تقلید'' سے ہٹی ہوئی کسی بات کا کوئی جواب نہیں دیا جائے گا ان شاء اللہ تعالیٰ' اس لیے آپ جو چاہیں بڑی خوشی سے لکھیں بندہ آپ پر بالکل ناراض نہیں اللہ تعالیٰ آپ کو تادیر زندہ رکھے۔

② آپ لکھتے ہیں ''تقلید اور اتباع ایک ہی چیز ہے'' الخ (آپ کا خط نمبر ۱۳ ص ۱) تو محترم یہ بندہ قبل ازیں اس کا جواب دے چکا ہے وہ پھر سن لیجیے ''آپ کے بیان کردہ معنی تقلید کی رُو سے تقلید اور اتباع ایک ہی چیز ہے چنانچہ آپ اس کی تصریح بھی فرما چکے ہیں اور قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے تمام لوگوں کو اتباع کا حکم دیا ہے جن میں حضرت الامام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سمیت تمام مجتہدین شامل ہیں اب سوال یہ ہے کہ حضرت الامام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر مجتہدین تا وفات آیت مبارکہ ''واتبع'' الخ پر عمل کرتے رہے یا نہ؟ اگر آپ ہاں میں جواب دیں تو حضرت الامام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر مجتہدین تا وفات مقلد ہی مقلد قرار پاتے ہیں کیونکہ آپ کے نزدیک تقلید اور اتباع ایک ہی چیز ہے اور اگر آپ نہ میں جواب دیں تو حضرت الامام ابوحنیفہؒ اور دیگر مجتہدین کا تا وفات آیت مبارکہ ''واتبع'' الخ پر عمل نہ کرنا لازم آتا ہے تو پتہ چلا کہ تقلید اور اتباع کو ایک ہی چیز کہنا خطرہ سے خالی نہیں امید ہے آپ ضرور بالضرور غور فرمائیں گے ان شاء اللہ تعالیٰ''۔ (بندہ کا خط نمبر ۶ ص ۱)

یہ ایک جواب ہے باقی جواب آپ خود میرے خط نمبر ۶ میں پڑھ لیں۔

③ آپ فرماتے ہیں۔ ''ہم امام صاحب کا قیاس اور رائے اپنے لیے بہتر جانتے ہیں

اور جو قول امام صاحب کا حدیث کے خلاف ہو اس کو چھوڑ دیتے ہیں"۔ (آپ کا خط نمبر ۱۳ ص ۱)

محترم آپ سے بڑی ہی مؤدبانہ گذارش ہے کہ اپنے مندرجہ بالا بیان کی روشنی میں حضرت الامام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے صرف تین اقوال ہی پیش فرما دیں جن کو آپ نے محض قرآن و حدیث کے مخالف ہونے کی وجہ سے چھوڑا ہو؟ یہ سوال پہلے بھی آپ سے کیا جا چکا ہے مگر تا حال آپ نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا پھر آپ خود ہی لکھتے ہیں "ہم مسائل شرعیہ میں امام صاحب کا قول و فعل اپنے لیے حجت سمجھتے ہیں اور دلائل شرعیہ میں نظر نہیں کرتے" (آپ کا خط نمبر ۸ ص ۱) تو فرمایئے صاحب امام صاحب کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مسند پر اور کیسے بٹھایا جاتا ہے؟ کہ امام صاحبؒ کے قول و فعل کو تو اپنے لیے حجت سمجھیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل جو دلائل شرعیہ میں شامل ہیں ان میں نظر نہ کریں۔

④ آپ نے اپنے خط نمبر ۱۳ ص ۲ پر پہلے کی کسی کتاب کا حوالہ پیش کرنے کا مطالبہ کیا ہے تو محترم بندہ نے اپنے پہلے ہی خط میں سب سے اعلیٰ کتاب قرآنِ مجید کا حوالہ پیش کر دیا تھا اور آیت مبارکہ "اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ" الخ بھی لکھی تھی آپ میرے پہلے خط کو ایک دفعہ پھر پڑھیں آیا قرآن مجید پہلے کی کتاب نہیں؟ رہا مبلغ ایک ہزار روپیہ انعام والا مسئلہ تو یاد رکھیے اس سے آپ کا مدعا "ہم مسائل شرعیہ میں امام صاحب کا قول و فعل اپنے لیے حجت سمجھتے ہیں" تو ہرگز ہرگز ثابت نہیں ہوگا۔ بندہ کو آپ کے انعام کی ضرورت نہیں ہاں اللہ تعالیٰ کے انعام کی ضرور اُمید ہے۔ باقی آپ کی وقت ضائع کرنے والی بات تو اس سلسلہ میں گذارش ہے کہ بندہ نے تو آپ کو خالی لفافہ بھیج کر بات چھوڑ دی تھی مگر آپ نے پھر خط لکھ دیا اس لیے اب آپ کو جواب ضرور دیا جائے گا ان شاء اللہ تعالیٰ کیونکہ ابتدا آپ ہی نے کی ہے۔

⑤ آپ کے خط نمبر ۱۴ کا جواب بھی آپ کے خط نمبر ۱۳ کے جواب میں آ چکا ہے البتہ اتنی گزارش آپ سے ضرور کروں گا کہ آپ ذرا انصاف کریں سوچیں کہ پہلے خط میں آپ نے لکھا "دیکھوں گا کہ آپ بھی جواب دیتے ہیں یا کہ نہیں"

(آپ کا خط نمبر ا ص ۲) آپ کے دوسرے خط کے جواب میں بندہ نے بات کو ختم کرتے ہوئے آپ کو آپ کا ارسال کردہ لفافہ خالی واپس کر دیا جس پر آپ نے اپنے تیسرے خط میں لکھا ''میں نے ایک جوابی لفافہ آپ کو لکھا تھا آپ نے خالی لفافہ مجھے واپس ارسال کر دیا مجھے علم تھا کہ آپ خالی لفافہ ہی ارسال کریں گے حضرت مولانا محمد امین صاحب اکاڑوی نے ہمیں یہ کر بتایا تھا کہ غیر مقلدوں کا کوئی بھی عالم جواب نہیں دے گا اب میں دیکھوں گا کہ آپ جواب دیتے ہیں یا کہ نہیں'' (آپ کا خط نمبر ۳)

تو آپ نے خود ہی بندہ کو جواب دینے پر مجبور کیا تھا اب آپ لکھتے ہیں ''میں نے پہلے بھی تحریر کیا کہ آئندہ خط نہ لکھنا لیکن آپ ایسے ضدی ہیں کہ پھر آپ نے خط لکھ دیا'' (آپ کا خط نمبر ۱۴ ص ۱) تو جناب آپ غور فرمائیں کسی دوسرے کو میرے اور اپنے خطوط دکھا کر پوچھیں کہ بندہ کو آپ کے خطوط کا جواب ضرور دینے پر کس نے اکسایا اور لگایا تو محترم گذارش ہے کہ خط لکھنے میں آپ ہی نے ابتدا فرمائی بندہ نے خالی لفافہ بھیج کر آپ کو جواب دینا چھوڑ دیا مگر آپ نے پھر بندہ کو جواب دینے پر مجبور کیا اب جب تک آپ بندہ کو خط بھیجتے جائیں گے اس وقت تک آپ کو جواب ضرور بھیجا جائے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو نیز تمام مسلمانوں کو صحیح معنوں میں کتاب وسنت پر عمل کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے آمین یا رب العالمین۔ آپ اپنے مدعا ''ہم مسائل شرعیہ میں امام صاحب ؒ کے قول وفعل کو اپنے لیے حجت سمجھتے ہیں اور دلائل شرعیہ میں نظر نہیں کرتے'' کو قرآن وحدیث سے ثابت فرما دیں تو منہ مانگا انعام لے لیں یہ آپ کی طرز پر بات کر رہا ہوں۔

ابن عبدالحق بقلمہ

سرفراز کالونی۔ جی ٹی روڈ۔ گوجرانوالہ

۲۹ رذوالحجہ ص ۱۴۰۴ھ

تحقیق التراویح

تحریری مناظرہ

مابین

حافظ عبدالمنان نورپوری حفظہ اللہ

مدرس جامعہ محمدیہ جی ٹی روڈ گوجرانوالہ

اور

حضرت مولانا حافظ قاضی عصمت اللہ صاحب

دیوبندی حنفی خطیب جامع قلعہ دیدار سنگھ۔ ضلع گوجرانوالہ

فہرست ابواب

عنوان | صفحہ

پانچواں باب

چھٹا باب



پہلا باب

منظور ہے گزارشِ احوال واقعی

ناظرین کرام!

مسئلہ تراویح نے قلعہ دیدار سنگھ اور نور پور میں ایک نزاعی حیثیت اختیار کر لی ہے۔ یہ مسئلہ دیوبندی مقلدین اور اہل حدیث مکتب فکر کے حضرات کے مابین ہے ہے۔ دونوں جانب سے پمفلٹ شائع کیا گیا تھا۔ ہماری طرف سے رمضان المبارک میں ٹریکٹ نمبر ا شائع کیا گیا تھا۔ اس میں واضح کیا گیا تھا کہ کس طرح اس مسئلہ نے تحریری صورت اختیار کی۔ اور کیوں اسے شائع کیا گیا تھا۔ یہ کتاب بھی اسی سلسلہ کی دوسری کڑی ہے۔ مقلدین نے اپنے پمفلٹ میں اصل واقع کو بدل کر پیش کیا ہے۔ اتنی تگ ودو کے باوجود اپنے مدعا میں کامیاب نہ ہو سکے۔ دیوبندی مقلدین نے اپنے شائع شدہ پمفلٹ ''التنقِیح لِعَدَدِ صَلٰوۃِ التَّراوِیْح'' میں کچھ کذب بیانی دروغ گوئی اور باطل پسندی کا اظہار کیا ہے۔ ہر مقام پر اصل مسئلہ سے ان لوگوں کو کم ہی واسطہ رہا ہے۔ چنانچہ یہ ایسے اوڑھنے بچھونے کی تلاش میں رہیں گے کہ اس پر سنت کا لیبل چسپاں کر سکیں۔ سنت نبوی کا ان لوگوں کی خواہشات کے مطابق ڈھل جانا تو ناممکن ہے جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ یہ لوگ خرافات کا شکار ہو کر رہ جاتے ہیں جس کے تحفظ کے لیے اپنی اساس تک کو بھول جاتے ہیں اور ائمہ احناف رحمہم اللہ کی تقلید کی بجائے ائمہ محدثین رحمہم اللہ کے دامن میں پناہ لینے کی کوشش رہتی ہے۔ لیکن جب وہاں سے بھی امیدی ہوتی ہے۔ تو پھر یہ حضرات علماء احناف اور دیوبندی امت کا اجماع کہہ کر ڈھارس بندھاتے ہیں۔ مختصر یہ کہ آئمہ احناف کی پیروی بھی صرف ہوس

اور وقار کی خاطر ہوتی ہے۔کبھی موقع ملا تو اس کی اچھی طرح نقاب کشائی کی جائے گی۔کہ ان کی اساسی تقلید اور قول و عمل میں اس قدر تضاد کیوں ہے؟لطف کی بات یہ ہے کہ اپنے آئمہ کی پیروی میں جو کچھ کیا جاتا ہے۔اُسے قرآن وسنت سے موسوم کیا جاتا ہے۔چاہے اس کا قرآن وسنت سے دور تک کا واسطہ نہ ہو۔لیکن ان لوگوں میں ایک بڑی خوبی ہے کہ جس چیز کو آئمہ احناف کی پیروی میں اپنا لیں گے۔اس کو کسی قیمت پر ترک کرنے کو تیار نہیں ہوں گے۔خواہ وہ صریحا کتاب وسنت کی خلاف ورزی کیوں نہ ہو۔چنانچہ ایسے موقعوں پر تمام تر تکلفات اس قسم کے ہوتے ہیں کہ کوئی ضعیف سی روایت ہی ان کے قول و عمل کی تائید میں مل جائے۔خواہ ائمہ احناف اور بزرگان دین نے ایسی روایات کو نا قابل قبول بیان کیا ہو چنانچہ اس وقت یہ اپنی مذہبی اساس تک کو بھول جاتے۔اور پھر ان لوگوں کی فنکاری یوں نمایاں ہوتی ہے کہ یہ اپنے کمزور دلائل کی پختگی اسے سنت رسول خلفاء راشدین کہنے میں تلاش کرتے ہیں۔ہمیں بھی کوئی ملال نہ ہوتا کہ ایسے اعمال کو ائمہ احناف رحمۃ اللہ علیہم کے اقوال ہی رہنے دیا جاتا۔یا علماء احناف کے اعمال کی پیروی کہہ لیتے۔یہاں تک بھی اگر ان لوگوں کو اطمینان نہ ہوتا تو پھر دیوبندی امت کا اجماع ہی کہہ لیتے۔لیکن افسوس تو اُس وقت ہوتا ہے۔جب آئمہ احناف رحمۃ اللہ علیہم میں بھی ان کے عمل کی تائید نہیں ملتی تو یہاں پر استدلال انوکھی صورت میں رونما ہوتا ہے کہ جناب یہ خلفاء راشدین کی سنت ہے تو ایسی صورت میں ان سے یہی کہنا ہوگا ۔

آگ تقلید کی سینے میں جو حضرت ہوتی
نہ یہ شکوہ کہیں ہوتا نہ شکایت ہوتی

بیچارے دیوبندی مقلدین خدا تعالیٰ کی عطائی عقل وخرد اور فہم وادراک ایسی صلاحیتوں کی استعمال نہیں کرنا چاہتے اور یہ بھی ان کی بدنصیبی ہی سمجھئے۔کہ یہ لوگ خود کو اس قدر کج فہم جانتے ہیں۔کہ کتاب وسنت کو سمجھنے کی سعیٔ نہیں رکھتے۔جو کتاب اور صاحب

کتاب کے ارشادات تمام بنی نوع انسان کے لیے باعث رشد و ہدایت ہیں۔اس وقت موضوع بحث مسئلہ صلوٰۃ تراویح ہے۔اس لیے اسی کے بارے میں کچھ کہا جائے گا۔مقلدین کا یہ گروہ براست آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بات تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہے۔البتہ آئمہ احناف رحمۃ اللہ علیہم کی پیروی میں اُسے سنت سمجھنے کی جسارت ضرور ہوتی ہے۔لیکن وہ بھی صرف ایسے مسائل جو قرآن و سنت کے کچھ قریب ہوں۔دوسری طرف جن مسائل کو یہ لوگ اپنا چکے ہیں۔خواہ وہ قرآن و سنت کے متضاد ہی کیوں نہ ہوں۔وہاں پر یہ اپنے آئمہ کی پیروی بھی چھوڑ دیتے ہیں۔جو کہ اس عنکبوتی مذہب کی اساس ہے۔یہی وجہ ہے کہ ان کی مذہبی اساس اور قول وعمل میں اس قدر تعارض ہے۔یہاں پر بھی آئمہ احناف اور جناب قاضی عصمت اللہ صاحب مدظلہ العالی کے خیالات کا موازنہ کیجیے۔کہ علامہ عینی رحمہ اللہ حنفی فرماتے ہیں کہ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم قیام رمضان گیارہ رکعت تراویح سے زیادہ نہیں کرتے تھے۔صرف قیام لمبا کیا کرتے تھے۔اسی طرح امام ابن ہمام رحمہ اللہ جو حنفی مذہب کے ستون سمجھے جاتے ہیں فرماتے ہیں۔کہ قیام رمضان سنت صرف گیارہ رکعت بمعہ وتر ہی ہے۔کیونکہ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے فعل سے اسے جماعت کے ساتھ ادا کیا۔(فتح القدیر جلد ایک ص ۲۰۰۵) اسی طرح جناب سیّد انور شاہ رحمہ اللہ صاحب دیوبندی کے نزدیک آٹھ رکعت تراویح کو سنت تسلیم کیے بغیر چارہ ہی نہیں۔اس کتاب میں آگے چل کر آپ تفصیل سے پڑھیں گے۔کہ آئمہ احناف رحمۃ اللہ علیہم علماء احناف اور دیوبندی حضرات نے بھی تسلیم کیا ہے۔کہ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز تراویح آٹھ رکعت ہی تھی۔اب پھر یہی کہنا پڑے گا۔اگر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سمجھ کر اسے قبول کرنا ہی ناگوار ہے تو دیوبندی اُمت' علماو احناف اور آئمہ احناف کی پیروی میں ہی اسے تسلیم کرلیں۔اس طرح یہ لوگ زمرہ مقلدین میں ہی رہیں گے۔

دیوبندی مقلدین نے اپنے پمفلٹ میں اصل واقعات میں بھی کذب بیانی

اور دروغ گوئی جیسی ملمع سازی کی ہے۔لیکن ایسی حیلہ سازیوں سے بھی بیچارے بیس رکعت تراویح کو سنت ثابت نہ کر سکے۔ ہماری طرف سے پمفلٹ چھپ جانے کے بعد بھی کچھ واقعات رونما ہوتے رہے ہیں۔لہٰذا اُن واقعات کو بھی اس کتاب میں درج کردیا جاتا ہے۔

ہوا یوں کہ رمضان المبارک کے مہینہ میں جامع مسجد اہل حدیث نور پور[1] میں حافظ عبد المنان صاحب نے مسئلہ تراویح بیان کیا۔سامعین میں سے ایک صاحب مستری حسن دین نے حافظ صاحب سے مزید تحقیق کے لئے دلیل لکھوائی۔مستری حسن دین صاحب مسلکاً مقلد ہیں۔حافظ صاحب نے صحیح مسلک اور حقیقت کو بیان کرتے ہوئے لکھدیا۔کہ ''نبی علیہ السلام اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تراویح آٹھ رکعت پڑھتے تھے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

مَاكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يزيد فِي رَمْضَانَ وَلَا فِي غَيرِهٖ عَلٰى اِحْدٰى عَشَرَةَ رَكْعَةً .. الخ (متفق علیہ)

اور صحابہ تمام کے تمام نبی علیہ والسلام کے تبع تھے۔ بزرگ یہ تحریر لیے قاضی صاحب مدظلہ العالی کے پاس پہنچ گئے۔قاضی صاحب ایک دفعہ تو سٹ پٹائے کہ شرک و بدعت کے اس ظلمت کدہ میں فروعی مسائل کو کتاب وسنت کے معیار پر بیان کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ جہاں جہاں کوئی لگا ہوا ہے وہیں بہتر ہے۔لیکن پھر بھی قاضی صاحب سے رہا نہ گیا۔چنانچہ حافظ عبدالمنان صاحب کی دلیل پر ناقدانہ پہلو اختیار کیا۔یہ تو حسن اتفاق کی بات تھی کہ تحریر قاضی صاحب کے ہاں پہنچ گئی۔ورنہ اس میں اُن کو مخاطب نہیں کیا گیا تھا۔قرب وجوار میں قاضی صاحب خاص مانی ہوئی ہستی ہیں۔چنانچہ خام بنیادوں پر بڑے بناؤ سنگھار سے جودعویٰ کرتے ہیں۔

---

[1] نور پور جو کہ قلعہ دیدار سنگھ سے تقریباً دو میل بجانب مغرب ضلع گوجرانولہ میں واقع ہے۔

معتقدین حضرات وہیں سر تسلیم خم کر دیتے ہیں۔اسی بنا پر یہاں بھی فرما دیا کہ حضرت سائب بن یزید سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بیس رکعت نماز پڑھا کرتے تھے اور وتر پڑھتے تھے۔اور روایت سنن الکبریٰ میں بسند صحیح موجود ہے۔

قاضی صاحب جسے بسند صحیح جیسے سخن سے الاپ رہے ہیں۔اس کی قلعی تو کھل کر واضح ہوگئی ہے۔جسے آپ آئندہ صفحات میں پڑھیں گے۔ساقط الاعتبار اور مجہول روایات پر بھی اس گروہ نے کیسی ملمع سازی کی۔لیکن افسوس کہ قاضی صاحب کو ایسے موقع پر بزرگوں کا سہارا بھی نہ مل سکا ؎

بد نصیبی ہے ہم قائل تو نہیں تھے لیکن!
ہم نے برسات میں جلتے ہوئے گھر دیکھے ہیں

یہ بحث تو آگے چل کر آئے گی کہ آیا یہ روایت سنداً صحیح ہے۔ یا ساقط الاعتبار تاہم اس وقت قاضی صاحب کی فراخدلی یہ ہے کہ ایک طرف روایت بیان کرتے ہوئے رمضان کے لفظ سے نسیان ہو گیا اور دوسری طرف یہ نسیان اضافہ کی صورت میں رونما ہوا۔کہ وتر بھی پڑھتے تھے۔حقیقت میں ایسی جرأت شہرہ آفاق ہستیوں کے لائق ہی ہوا کرتی ہے۔اصل کتاب کی طرف رجوع کی ضرورت ہے۔بس کتاب کا نام کافی ہے۔بات جو جی میں آئے کہہ دیں۔بغیر کسی حیل و حجت کے ماننے والے جہاں موجود ہوں وہاں ایسے تکلفات کی ضرورت ہے۔یہ بھی قاضی صاحب کی نوازش ہے کہ اس گناہ کی معافی اپنے پمفلٹ صفحہ (۱۳) میں مانگ رہے ہیں۔ کہ ''میں نے نہ کوئی عبارت حدیث درج کی تھی اور نہ ہی لفظی ترجمہ ہونے کی تصریح کی تھی''۔ایک طرف ان حضرات کو اپنے علم پر بہت ناز ہے۔دوسری طرف جس روایت پر تمام عمارت کھڑی کرنا مقصود ہوتی ہے۔اس کے لیے سنداً صحیح کا دعوی کرتے ہیں۔کتاب کا بھی حوالہ دیتے ہیں۔لیکن اس کا مطلب بیان کرنے میں نسیان اور

اضافہ کو ان کے ہاں کوئی حرج نہیں ہوا کرتا۔اور یہ بھی قاضی صاحب کے ذہنی ہیجان کا نتیجہ ہے کہ یہاں پر وہ مولوی بشیر الرحمٰن صاحب (نورپوری) مدرس جامعہ شرعیہ وخطیب جامع اہلحدیث کرشنا نگر گوجرانوالہ کو اعتراض کنندہ ٹھہرا رہے ہیں۔معلوم ہوتا ہے کہ بوکھلاہٹ میں ہی قاضی صاحب کو اعتراض کنندہ مولوی بشیر الرحمٰن صاحب نظر آئے ہیں۔

خیر ہم سمجھتے ہیں کہ بخاری شریف سے گیارہ رکعت والی روایت اگر قاضی صاحب کو اختیار ہوتا تو نکال دیتے۔لیکن اس موقع پر بیچارے سوائے حدیث پر جرح قدح کے اور کر بھی کیا سکتے ہیں۔احادیث صحیحہ پر نکتہ چینی کرنے کے خاصے ماہر ہیں۔چنانچہ اس مقام پر عجیب منطق کا اظہار فرماتے ہیں۔وہ رقعہ جس پر حافظ عبد المنان صاحب نے بخاری شریف کی حدیث لکھی تھی۔نیچے حافظ عبد المنان صاحب کے دستخط تھے۔اسی کاغذ کی دوسری طرف قاضی صاحب نے الجواب واللہ الموفق للصواب لکھ کر اپنے نتیجہ فکر کا اظہار کیا۔نیچے اپنے دستخط کر کے کاغذ سائل کو واپس دے رہے ہیں۔قاضی کی تحریر حافظ المنان صاحب کے پاس پہنچتی ہے۔جس کا جواب حافظ صاحب نے تحریر کر دیا۔قاضی صاحب کو بھی مجبوراً اس تحریر کا جواب دینا پڑا۔اسی طرح دونوں حضرات کے مابین سلسلہ وار چار تحریریں ہوئیں۔جو کہ آگے درج کی جائیں گی۔قاضی صاحب تحریر میں باقاعدہ حصہ لیتے رہے لیکن بعد میں اپنی معصومیت کا یوں اظہار فرماتے ہیں کہ ہماری طرف سے صرف الجواب لکھا گیا تھا۔الجواب بنام حافظ عبد المنان تو نہیں لکھا تھا۔قاضی صاحب کو بھی پمفلٹ لکھتے وقت یہ خیال آیا تھا۔جب حافظ عبد المنان صاحب کا دوسرا رقعہ پہنچا تھا اُس وقت ہی کہہ دیتے کہ میں نے حافظ عبد المنان صاحب کو نہیں لکھا تھا کہ اس کا جواب دیں۔اس طرح قاضی صاحب شکست خوردہ اظہار معصومیت سے بھی بچ جاتے۔دیوبندی مقلدین کا پمفلٹ پڑھتے وقت معلوم ہوتا ہے کہ کوئی اللہ دتہ صاحب ہمدرد ہیں۔جو کہ قاضی صاحب سے مزید تفصیلی حواشی لے کر یہ پمفلٹ لکھ رہے ہیں۔لیکن ہمدرد صاحب نے بھی بڑی بے

دردی کا اظہار کیا ہے۔اگر قاضی صاحب ہی عالم تصوف میں اللہ دتہ صاحب میں ''حلول فرما گئے تھے۔تو اللہ دتہ صاحب ہی انہیں اسی جامعہ میں رہنے دیتے۔یہی وجہ ہے کہ کہیں قاضی صاحب کو اصل روپ میں کردار ادا کرنا پڑا ہے۔شاید اسی وقت سے اللہ دتہ صاحب عاجز ہو گئے ہوں گے۔یا پھر پمفلٹ کے مؤلف بننے میں رضامند نہیں ہوں گے کہ انہیں پھر عاجز ہونا پڑا۔واقعی وہ سراپا ہمدردی معلوم ہوتے ہیں۔

قصہ مختصر! قاضی صاحب مدظلہ العالی کے پاس حافظ عبد المنان صاحب کی پانچویں تحریر کا جواب نہیں تھا۔لہٰذا قاضی صاحب اپنے وقار اور وسعت ظرف سے اس تحریر کا یوں جواب دیتے ہیں۔حلقہ معتقدین کی ایک میٹنگ بلائی جاتی ہے۔جس میں قاضی صاحب کے زخموں کی مرہم پٹی کا مشورہ ہوتا ہے۔طرز علاج یہ طے ہوا کہ چند احباب نور پور جائیں اور حافظ عبد المنان صاحب کو ڈرا دھمکا دیں۔تاکہ وہ مزید تحریر نہ بھیج سکیں۔چنانچہ قاضی صاحب کی سبکی دور کرنے کے لیے تین معالج تیار کئے گئے اور یہ اخلاق کریمانہ کا بہترین نمونہ تھے۔اور قاضی صاحب کے حلقہ تلمیذ سے تعلق رکھتے تھے۔چنانچہ ماسٹر نصر اللہ صاحب کی قیادت میں ملک بشیر احمد صاحب اور مولوی عباس علی صاحب نور پور تشریف لائے۔یہاں سے اپنے ہم مسلک احباب کو ساتھ لیا اور حافظ عبد المنان صاحب کے ہاں آ دھمکے۔حافظ صاحب اس وقت اکیلے تلاوت کلام پاک میں مشغول تھے۔چنے چاول کی تجارت کرنے والے ملک بشیر احمد صاحب آڑھتی بھی اپنے وضاحتی بیان میں یہی کہتے ہیں کہ حافظ صاحب اکیلے تلاوت قرآن میں مشغول تھے۔البتہ مسجد میں موجود باقی آدمیوں کے متعلق انہیں آج تک یہ معلوم نہیں ہو سکا ہے کہ وہ نماز پڑھ رہے تھے یا بیٹھے تھے ملک بشیر احمد صاحب جو روایت بیان کر رہے ہیں بیچارے خود اس بارے میں پریشان ہیں۔چنانچہ مزید تائید کے لیے انہوں نے پانچ آدمیوں کا نام لیا ہے۔ان پانچ آدمیوں میں سے چار مقلد ہیں جو انہی کے رنگ میں رنگے ہوئے ہیں۔قاضی صاحب اگر انہیں دن کے وقت رات کہہ

دیں تو یہ باور کریں گے۔ جیسے واقعی ان کو چاند وستارے نظر آ رہے ہوں۔ لہٰذا بشیر احمد صاحب کے حق میں ان کی گواہی معتبر نہ ہوگی۔ کن کی؟

آنسو بہا رہے ہیں جو محفل کے ساتھ ساتھ

خیر! عصر تک یہ سہ رکنی حضرات کافی شور مچاتے رہے اور حافظ عبدالمنان کو جاہل گردانتے رہے۔ تاہم دیوبندی مقلدین کے مناظر چنے چاول کے تاجر ملک بشیر احمد آڑھتی نے حافظ عبدالمنان صاحب کو کہا کہ تو مجھ سے مناظرہ کر لے۔ اسی گفتگو میں کبھی کبھی ماسٹر نصراللہ صاحب بھی ٹپکتے رہے۔ تاہم یہ دوست سوچی سمجھی سکیم کے تحت واپس چلے گئے۔ ان کا خیال تو تھا کہ شاید حافظ صاحب اتنے پر گفتگو ختم کر دیں گے۔ لیکن ملک بشیر احمد صاحب آڑھتی اُسی روز حافظ عبدالمنان سے ایک اور رقعہ لے گئے تھے۔ جس کے جواب کا انہوں نے دوسرے دن کا وعدہ کیا تھا۔ اب نامعلوم یہ رقعہ ملک بشیر احمد صاحب کی آڑھت کی نذر ہوگیا۔ قاضی صاحب کو اس کا علم نہ ہو سکا۔ اور ملک صاحب موصوف نے قاضی صاحب کو اتنی تسلی دینی ہی کافی سمجھی کہ اب شاید حافظ عبدالمنان صاحب رقعہ نہیں بھیجیں گے۔ اور یہ لوگ نور پور میں اپنی تمام ہنگامہ آرائی کو اپنی فتح سمجھنے لگ گئے۔ قاضی صاحب نے تو رقعہ کے جواب میں سہ رکنی مناظر کمیٹی کی غوغا آرائی کافی سمجھی۔ لیکن ملک بشیر احمد صاحب بھی ایک رقعہ پیشگی لے گے۔ چھ روز کے انتظار کے بعد حافظ عبدالمنان صاحب نے رقعہ نمبر(۶) بھیج دیا۔ جس کو دیکھ کر قاضی صاحب نے موئے آتش دیدہ کی طرح بل کھائے۔ جس کا اظہار قاضی صاحب کے بناوٹی رقعہ نمبر (۵) سے ہوتا ہے دیوبندی مقلدین کی جانب اب یہ تین رقعے جا چکے تھے۔ اور ان کی طرف سے مسلسل خاموشی رہی۔ دوسری طرف قاضی صاحب نے قلعہ دیدار سنگھ میں بھی اس تحریری گفتگو کا خاصا چرچا کر دیا تھا۔ اُدھر ہمارا پمفلٹ چھپ چکا تھا۔ قاضی صاحب نے اس وقت ناجائز فائدہ اٹھایا۔ ایک رقعہ بھیج دیا۔ جس کو خود ہی رقعہ نمبر (۶) کہنا شروع کر دیا اور یہ ان کے ہاں کمال دیانت کی

دلیل ہے۔خیر قاضی صاحب کا یہ پانچواں رقعہ تھا۔رقعہ پہنچے سے پیشتر ہمارا پمفلٹ شائع ہو چکا تھا۔چنانچہ اس رقعہ کا جواب حافظ عبد المنان صاحب نے قاضی صاحب کو دے دیا۔اُدھر قاضی بھی پمفلٹ چھپوانے کی تیاری کر رہے تھے۔پمفلٹ چھپنے سے پیشتر حافظ المنان صاحب کا رقعہ نمبر (۷) قاضی صاحب کو مل چکا تھا اس رقعہ میں بھی حافظ عبد المنان صاحب نے یقین دلایا تھا کہ آپ اطمینان رکھیئے۔آپ کا رقعہ نمبر (۵) جمعیت کے ٹریکٹ نمبر (٦) میں شائع کر دیا جائے گا۔لیکن قاضی صاحب نے اپنی دیانت اور خلاصی اسی میں جانی کہ رقعہ نمبر (۵) کو رقعہ نمبر (٦) کہہ کر شائع کر دیا جائے۔قاضی صاحب کو بعد میں بھی موقع ملا تھا کہ اپنی دیانت کا اظہار فرما لیتے۔کیونکہ بدقسمتی سے ان کا آخری رقعہ ادھورا رہ گیا۔جس کے لئے انہوں نے دو ورق چار صفحات بعد میں چھپوائے۔جس کے ساتھ ہی حافظ عبد المنان صاحب کا رقعہ چھپنا چاہیے تھا۔خیر! زحمت تو دشمنوں نے بھی بہت اٹھائی کہ انہیں عوام میں تقسیم شدہ پمفلٹ کی کاپیاں واپس لینا پڑیں۔جن میں دو ورق بعد میں منسلک کرنا پڑے۔چنانچہ اب اسے ترمیم شدہ ایڈیشن کہنا چاہیے۔کیونکہ اس کے ٹائیٹل آخری سطر میں وہ غائبانہ اعتراف کے ساتھ ساتھ تشہیر بھی رہے ہیں کہ ابھی حافظ عبد المنان صاحب سے مزید رقعہ جات آ رہے ہیں۔

اب قاضی صاحب یہ رٹ لگانے میں شاید اپنی فتح سمجھے بیٹھے ہیں کہ ''میرا شاگرد جس جگہ کہو خدمت کے لیے پہنچ جائے گا''۔نرالا ڈھنگ کیا کہنے شان کے کہ تحریری گفتگو تو حافظ عبد المنان صاحب سے کر رہے ہیں۔زبانی مناظرہ کے لیے اپنے شاگرد پیش ہو رہے ہیں۔کیونکہ اس طرح قاضی صاحب اپنے شاگرد کو شکست جیسا تمغہ دلوا کر اپنی جیت سمجھنا چاہیں گے۔لیکن جناب قاضی صاحب کا تلمیذ رشید ملک بشیر احمد صاحب آڑھتی کا صاحبزادہ مولانا حافظ محمد اسلم صاحب ایک اور ساتھی کو ساتھ لیے غالباً (۲۵) رمضان المبارک کو نور پور آیا۔قاضی صاحب کے تیار کردہ بھیجے نوجوان نے حافظ عبد المنان صاحب سے چند سوالات کیے۔سوالات کے دوران حافظ محمد اسلم نے

کہا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیس رکعت تراویح پڑھا کرتے تھے۔ حافظ عبدالمنان صاحب نے کہا کہ دکھایئے۔ کہاں لکھا ہے؟ تو فوراً حافظ محمد اسلم صاحب نے کہا کہ لوگ خلافت عمر رضی اللہ عنہ میں بیس رکعت نماز پڑھا کرتے تھے۔ اس وقت کچھ لوگ مسجد میں موجود تھے۔ جو حافظ اسلم صاحب کی زبان کی صفائی پر ہنسنے لگے۔ کہ پہلے حافظ اسلم صاحب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نام لے رہے تھے کہ جلد ہی انہیں بزرگوں کی تقلید میں بیان بدلنے پڑے۔ یہ بھی ان لوگوں کی فنکاری سمجھنی چاہیے کہ پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نام لیا اگر بات بن گئی تو بہتر ورنہ دوسری دفعہ لوگوں کا نام لگا دیا۔ اور استدلال کی قلعی ایسے جمادی کہ وہ لوگ صحابی تھے۔ یہاں پر ان لوگوں کو مطلع کر دیا جاتا ہے کہ یہ لوگ جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نام لینے میں اتنی خوبی سمجھے بیٹھے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نام سے بیس (۲۰) تراویح کا مسئلہ حل ہو جائے گا غلط ہے جب وہ صحیح دلیل سے اسے ثابت ہی نہیں کر سکتے تو پھر یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر الزام نہیں تو اور کیا ہے؟ اس کے بعد حافظ عبدالمنان صاحب نے حافظ محمد اسلم صاحب سے چند سوالات کئے۔ تو بیچارے کو قلعہ دیدار سنگھ کی طرف جھانکنا پڑا۔ اس وقت حافظ محمد اسلم کی خوب تسلی ہو چکی تھی۔ اور اپنی شرمساری کو مٹانے کی خاطر حافظ عبدالمنان صاحب سے ایک رقعہ لکھوالیا اور وعدہ کیا کہ میں کل تک اس کا جواب لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں گا۔ خیال تھا کہ یہ سرخ رو نوجوان تو اپنے وعدے کا خیال رکھے گا۔ لیکن

اُن کی خوبی اخلاق کہ وعدہ تو کیا
اپنی یہ شومیے قسمت کہ وہ پوار نہ ہو

نور پور پہنچنا تو کجا آج تک اس طرف رخ بھی نہیں کیا۔ اس سے پیشتر حافظ محمد اسلم صاحب کے والد ماجد چنے چاول کے تاجر دیوبندیوں کے مناظر بھی ایک رقعہ لکھوا کر لے گئے تھے اور دوسرے دن تک اس کا جواب دینے کا وعدہ کیا تھا۔ لیکن آج تک دونوں باپ بیٹا جواب لے کر نہیں آسکے جیسے باپ بیٹا جواب کے نام پر ادھار

کھائے بیٹھے ہوں۔حقیقت میں جواب دینے والی شخصیت ہی ان کی کچھ مدد نہیں کر سکی۔البتہ جہاں پر قاضی صاحب کو اپنی مدد خود کرنا پڑی ہے وہاں انہوں نے الزام تراشی سے بھی گریز نہیں کیا۔چنانچہ اس ضمن میں ملاحظہ ہو۔

محمد اسحاق صاحب کا بیان

ایک دن میں حافظ عبدالمنان صاحب کا چوتھا رقعہ لے کر قاضی صاحب کے پاس گیا۔قاضی صاحب نے دریافت کیا کہ آپ کل رقعہ لے کر نہیں آئے میں نے کہا کہ کل مولوی صاحب گوجرانوالہ گئے ہوئے تھے۔قاضی صاحب کہنے لگے کہ استادوں سے مشورہ لینے گئے ہوں گے۔میں نے کہا کہ مجھے کیا علم اُن کے وہاں رشتہ دار بھی ہیں۔شاید انہیں ملنے گئے ہوں گے۔چوتھے رقعہ کے جواب میں قاضی صاحب نے کہہ دیا۔جس صاحب کے ہاتھ سے مجھے موصول ہوا اُن کی زبانی مجھے معلوم ہوا کہ آپ کو میری تحریر کا جواب دینے کے لیے گوجرانوالہ کے چکر لگانے پڑے اور مشورہ از اساتذہ کی بھی ضرورت محسوس ہوئی''۔قاضی صاحب کا یہ رقعہ پڑھ کر حافظ عبدالمنان صاحب نے مجھ سے دریافت کیا کہ تم نے قاضی صاحب کو یہ کہا ہے کہ وہ گوجرانوالہ مشورہ کے لیے گئے تھے۔میں نے کہا۔نہیں۔میں نے تو صرف اتنا کہا تھا کہ وہ گوجرانوالہ گئے تھے۔یہ بات سن کر میں حضرت قاضی صاحب کے پاس پہنچا اور کہا کہ حضرت قاضی صاحب میں نے کب کہا تھا کہ حافظ عبدالمنان صاحب استادوں کے پاس مشورہ کے لیے گئے تھے؟ میں نے تو صرف یہ کہا تھا کہ وہ گوجرانوالہ گئے تھے۔اور آپ نے لکھ مارا کہ وہ استادوں سے مسودہ تیار کروانے گئے تھے۔تو قاضی صاحب اپنے فنکارانہ انداز میں بولے کہ پھر اور کس کام سے وہ گوجرانوالہ گئے تھے۔یہ تھا قاضی صاحب کا صرف اپنا زعم! جسے عالم دین اور تحریری مناظر کی حیثیت سے قاضی صاحب نے بہت غلط رنگ دیا۔اور اس ایک بہانہ تراشتے ہوئے حافظ عبدالمنان صاحب سے تحریری

گفتگو میں فرار اختیار کرنے کی کوشش بھی کرتے رہے اور یہ تمام کردار ایک ذمہ دار مقلد کے روپ میں ادا کیا گیا۔ بس کچھ نہ پوچھئے ؎

وہی قاتل، وہی مخبر، وہی خود منصف ہے
اولیا میرے کریں خون کا دعویٰ کس پر؟

ناظرین کرام! آپ نے محمد اسحاق کا بیان اوپر پڑھ لیا۔ مختصر طور پر آپ نے اصل واقعات وحالات کا بھی جائزہ لے لیا۔ لیکن فریق ثانی نے اصل واقعات کو ہر قسم کا غلط رنگ دینے کی کوشش کی۔ یہاں تک کہ جغرافیائی حدود میں بھی اپنا مسلک صحیح ثابت کرنے کی کوشش کی۔ کہ ''جناب مسجد گاؤں کے درمیان واقع ہے اور اس کے پاس غیر مقلدین کے گھر ہیں'' تو یہاں پر عرض کیا جائے گا۔ کہ ایسی باتیں جو ویسے بھی حقیقت کے خلاف ہوں۔ ان سے بیس رکعت تراویح تو ثابت نہیں ہوں گی۔ البتہ صحیح مسلک کے لیے قوی دلائل کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس کتاب کے پہلے باب میں خطوط کا متن دیا گیا ہے۔ اور دیگر ابواب میں صحیح مسئلہ اور حق کی وضاحت کی گئی ہے۔ ہم صرف قرآن وسنت کے داعی ہیں۔ اور یہ مسلمانوں کے لیے مکمل ضابطہ حیات ہیں۔ کیونکہ ؎

اکملت لکم دینکم اسلام کو بس ہے
باقی ہے اگر کچھ تو وہ دنیا کی ہوس ہے

آخر میں جمعیت اہلحدیث نور پور حضرت قاضی صاحب مدظلہ العالی کا شکریہ ادا کرتی ہے کہ انہوں نے اس تحریری گفتگو سے عوام کو حق مسئلہ سے روشناسی کا موقع دیا۔ خدا تعالیٰ ہر مسلمان کو حق بات تسلیم کرنے اور اُس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ (آمین)

منجانب: جمعیت اہلحدیث نور پور۔ ضلع گوجرانوالہ

نوٹ: ناظرین کرام! آپ سے اُمید کی جاتی ہے۔ کہ آپ کتابت اور طباعت کی اغلاط کو نظر انداز فرمائیں گے۔

عبداللہ کاتب بقلم خود

پہلے مجھے پڑھئے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ. اَلصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ' وَلِفُقَهَاءِ مِنْ اُمَّتِهٖ وَالْمُحَدِّثِيْنَ وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ' صَلٰوة وَسَلَامًا اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ بِرَحْمَتِكَ يَآ اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ' رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ وَيَسِّرْلِيْ اَمْرِيْ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ يَفْقَهُوْا قَوْلِيْ.

برادران اسلام!

جب کوئی مسئلہ جناب محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ سے ثابت ہو جائے۔ خواہ کسی ہی نوعیت' کیفیت اور کمیت میں ہو۔ تو اس میں کمی وبیشی' تغیر وتبدل کرنا دنیا کے کسی بھی مسلمان کے لئے جائز نہیں۔ خواہ وہ عالم ہو یا فاضل' مولوی ہو یا صوفی' حافظ ہو یا قاری قاضی ہو یا غازی' محدث ہو یا مفسر' فلسفی ہو یا متکلم' مجتہد ہو یا مقلد' شاہ ہو یا فقیر' سالک ہو یا مجذوب' قطب ہو یا ابدال' تابعی ہو یا صحابی' خلیفہ ہو یا رعیت اس میں ذرہ برابر بھی ردو بدل نہیں کرسکتا مشکوٰۃ شریف کی جلد ا صفحہ نمبر (۲۷) میں بحوالہ صحیحین حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث مروی ہے کہ تین آدمیوں نے آنحضرت ﷺ کی ازواج مطہرات سے آپ کی عبادت دریافت فرمائی۔ جب انھیں بتایا گیا۔ تو وہ اُسے اپنے حق میں قلیل وناکافی سمجھتے ہوئے کہنے لگے۔ ''ہم نبی کریم ﷺ کے درجہ ومرتبہ کو کب پاسکتے ہیں۔ وہ تو معصوم ہیں۔ چنانچہ ان سے ایک بولا۔ اَمَّا اَنَا فاصلی اللیل ابدا کہ جی میں رات کو ہمیشہ نماز پڑھا کروں گا۔ اور دوسرا بولا۔ اَنَا اَصُوْمُ النَّهَارَ اَبَدًا وَلَا

اُفْطِر! جی میں تو ہمیشہ کے لئے روزہ رکھا کروں گا۔ اور کبھی افطار نہیں کروں گا۔ اور تیسرے صاحب یوں بولے۔ اَنَا اَعْتَزِلُ النِّسَاءَ فَلَا اَتَزَوَّجُ اَبَدًا۔ جی میں تو ہمیشہ کے لیے عورتوں سے الگ تھلگ رہوں گا۔ کبھی شادی نہیں کروں گا۔

جب آنحضرت ﷺ کو اس ماجرے کا علم ہوا تو ان کے پاس آئے۔ اور (غضب سے) فرمایا۔ ''تم ہی وہ لوگ ہو جنھوں نے ایسی ایسی باتیں کی ہیں۔ خدا کی قسم میں تم سے زیادہ ڈرنے والا ہوں۔ اور تم سے کہیں بڑھ کر خشیت الٰہی اور تقوائے میں سرشار ہونے والا ہوں۔ اس کے باوجود میں روزہ بھی رکھتا ہوں افطار بھی کرتا ہوں۔ نماز بھی پڑھتا ہوں۔ سوتا بھی ہوں۔ میری بیویاں بھی ہیں۔ (یاد رکھو!)

فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِیْ فَلَیْسَ مِنِّیْ.

''جو میری سنت سے بے رغبتی کرے وہ مجھ سے نہیں''۔

یہ آنحضرت ﷺ کے ارشادات گرامی ہیں۔ جناب آپ اندازہ فرمائیں۔ کہ آنحضور ﷺ کہاں اور ہم ادنیٰ لوگوں کو اُن سے کیا نسبت؟ وہ تو معصوم اور خُدا کی محبوب ہستی ہیں۔ لیکن اُنہوں نے نفلی نماز اور روزہ میں تجاوز کرنے والوں کو نہ صرف ناپسند کیا ہے بلکہ خفا ہوئے ہیں۔ اور فرمایا ہے

فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِیْ فَلَیْسَ مِنِّیْ.

''جو میری سنت سے بے رغبتی کرے وہ مجھ سے نہیں''۔

غور فرمایئے کہ اس حدیث سے اس بات کی بھی قلعی کھل گئی۔ کہ اگر آٹھ رکعت تراویح سنت ہی ہیں تو بیس رکعت میں یہ آٹھ رکعت بھی تو آجاتی ہیں۔ اسی ضمن میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ملاحظہ کیجئے۔

﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَاتُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاتَّقُو اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴾ (سورۃ حجرات آیت نمبر ۱ پارہ نمبر ۲۶)

''اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ اور اس کے پیغمبر ﷺ سے آگے نہ بڑھو اور اللہ

تعالیٰ سے ڈرو' یقیناً اللہ تعالیٰ سننے والا جاننے والا ہے''۔

رب العزت نے اپنے برگزیدہ پیغمبر ﷺ کی تائید فرمائی۔ اور اپنے پیغمبر سے آگے بڑھنے کو ناپسند فرمایا ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ اگر آپ لوگوں نے آٹھ رکعت اور بیس رکعت سنت تراویح کے مسئلہ پر متذکرہ بالا آیت کریمہ اور حدیث کی روشنی میں تھوڑا سا غور کرنے کی زحمت اُٹھائی تو انشاءاللہ العزیز آپ کو معلوم ہوگا کہ آٹھ رکعت تراویح آنحضرت ﷺ کی سنت ہیں۔ اور بیس رکعت تراویح کو سنت نبوی سمجھ کر ان پر عمل درآمد کرنا اللہ تعالیٰ اور پیغمبر ﷺ خدا کی نارضگی کا باعث ہے۔ جیسا کہ آگے چل کر وضاحت سے بیان کیا جائے گا۔

معزز قارئین! آپ کو معلوم ہے کہ رمضان المبارک میں میرے اور جناب قاضی صاحب مدظلہ العالی کے درمیان تحریری گفتگو ہوئی۔ جانبین سے پمفلٹ بھی شائع ہوئے۔ لیکن جونہی قاضی صاحب کے پمفلٹ پر نظر پڑی۔ تو اسے مغالطہ دہی۔ غلط بیانی اور تضاد کلامی ایسے عمدہ عمدہ کارناموں سے بھرپور پایا۔ جہاں تک ہو سکا' اصل واقعات کو بھی بہت غلط رنگ دیا گیا تھا۔ لہٰذا خیال ہوا کہ پہلے عوام کو احسن انداز میں نفس مسئلہ سے روشناس کرایا جائے۔ پھر جناب قاضی صاحب کے پمفلٹ کی نقاب کشائی بھی کی جائے۔ اور بتایا جائے کہ قاضی صاحب کو یہ پمفلٹ رقم کرنے میں کن کن کٹھن منزلوں سے گزرنا پڑا۔ ان تمام باتوں کو ایسے سلجھے ہوئے انداز میں پیش کیا گیا ہے کہ پڑھنے والا زک محسوس نہ کرے۔ رہی معمولی نوک جوک تو اس میں جناب قاضی صاحب کے ہاں بھی کوئی مضائقہ نہیں۔ البتہ جناب قاضی صاحب نے اپنے پمفلٹ میں مجھے اساتذہ سے مسودہ سازی' کذب بیانی' فریب دہی جھوٹ' جہالت اور طرح طرح کے بہتانات سے جو دشنام کیا ہے۔ اُسے ان لوگوں کی عادت مستمرہ سمجھتے ہوئے نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ کیونکہ اس قسم کی لغویات کا جواب دینا بھی کوئی مناسب امر نہیں۔

اللہ تعالیٰ ناچیز کی اس سعی کو دنیا و آخرت میں باعث خیر و برکت بنائے اور اسے شرف قبولیت بخشتے ہوئے آیندہ کے لئے بھی دین حنیف کی زیادہ سے زیادہ بذریعہ اشاعت و تبلیغ خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔اور ہم سب کو علم وعمل کی دولت سے مالامال کرے۔

ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم وتب علينا انك انت التواب الرحيم. ويرحم الله عبدا قال امينا.

عبدالمنان بن عبدالحق

نورپوری



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تحریری گفتگو مابین

حضرت مولانا حافظ قاضی عصمت اللہ صاحب

دیوبندی حنفی خطیب جامع قلعہ دیدار سنگھ۔ضلع گوجرانوالہ

و

حضرت مولانا عبدالمنان بن عبدالحق صاحب

خطیب جامع مسجد اہلحدیث نور پور مدرس جامعہ شرعیہ مدینۃ العلم۔گوجرانوالہ

ا۔حافظ عبدالمنان صاحب:

نبی علیہ السلام وصحابہ کرام رضی اللہ عنہم تراویح آٹھ رکعت پڑھتے تھے۔حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: مَاكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَزِيْدُ فِيْ رَمَضَانَ وَلَافِيْ غَيْرِهٖ عَلٰى اِحْدٰى عَشْرَةَ رَكْعَةً. (متفق علیہ) اور صحابہ رضی اللہ عنہم تمام کے تمام نبی علیہ السلام کے متبع تھے۔(عبدالمنان بن عبدالحق بقلم خود)

ا۔قاضی صاحب:

الجواب واللہ الموفق للصواب: پشت کاغذ پر جو روایت درج کی گئی ہے۔اس میں رمضان کا لفظ تصریح کرتا ہے۔کہ یہ وہ نماز ہے جو غیر رمضان میں بھی ادا ہوتی ہے۔اور ہر مسلمان جانتا ہے کہ غیر رمضان میں تراویح نہیں ہوتیں۔تو اس روایت میں نماز تراویح کا ذکر نہ ہوا۔اور حضرت سائب بن یزید سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بیس رکعت نماز پڑھا کرتے تھے۔اور وتر پڑھتے تھے۔اور یہ روایت سنن کبریٰ بیہقی میں بسند صحیح موجود ہے۔اور حضور کا فرمان

ہے کہ خلفاء راشدین کی سنت کو لازم پکڑو۔ اب یہی صحیح ہے کہ بیس رکعت نماز تراویح ادا کی جائے۔ ھذا ماعندی واللّٰہ اعلم بالصواب. (عصمت اللہ عفی عنہ)

۲۔ حافظ عبدالمنان صاحب:

وَعَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيْدَ قَالَ اَمَرَ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اُبَيَّ بْنَ كَعْبٍ وَتَمِيْمًا الدَّارِيْ اَنْ يَّقُوْمَا لِلنَّاسِ فِيْ رَمَضَانَ بِاِحْدٰى عَشْرَةَ رَكْعَةً ... الخ. (رواہ مالک مشکوٰۃ جلد نمبر ایک صفحہ نمبر ۱۱۵)

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں بھی آٹھ رکعت تراویح پڑھی جاتی تھی۔ مجھے سخت افسوس ہے کہ مولانا نے یزید بن رومان کی روایت سائب بن یزید کے ذمہ لگادی اور یزید بن رومان حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فوت ہونے کے بعد پیدا ہوا۔ یزید بن رومان کی حدیث بنزدو منقطع ہے۔

برین عقل و دانش بباید گریست

(عبدالمنان بن عبدالحق نور پور)

۳۔ قاضی صاحب:

عزیز مکرم مولوی صاحب۔ السلام علیکم ورحمتہ اللہ۔ ایک کاغذ میرے پاس پہنچا ہے۔ جس پر آپ کے دستخط ہیں۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میری ایک تحریر کے جواب میں آپ نے اسے تحریر کیا ہے جس تحریر میں بندہ نے حضرت سائب بن یزید سے روایت بیس رکعت تراویح پیش کی تھی۔ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں لوگ یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بیس رکعت تراویح پڑھا کرتے تھے۔ اور میں نے حوالہ دیا تھا۔ کہ روایت سنن الکبریٰ بیہقی میں موجود ہے۔ آپ کا خیال ہے کہ روایت سائب بن یزید سے نہیں بلکہ یزید بن رومان سے ہے۔ یہ درست ہے کہ یزید بن رومان سے بھی ایک روایت بیس رکعت کی موجود ہے۔ لیکن بندہ نے جو روایت پیش کی ہے وہ سائب بن یزید سے ہے اور سنن کبریٰ میں موجود ہے۔ اب آپ یہ مصرع اپنے آپ پر چسپاں

کریں ع

بریں عقل و دانش بباید گریست

اور ساتھ ہی یہ بھی کہ ع

الزام ان کو دیتے تھے قصور اپنا نکل آیا

اب بحث ختم ہوگئی۔ کیا سنن کبریٰ بیہقی میں یہ روایت ہے یا نہیں۔ اگر ہو اور یقیناً ہے تو آپ کا علم واضح۔ اور اگر نہ ہو جو حقیقت کے خلاف ہے تو ہم دلیل واپس لے سکتے ہیں۔ اب ذرا ہوش سے قدم رکھنا۔

دوسری بات جس کاغذ پر میں نے جواب تحریر کیا تھا۔ اس کی پشت پر ایک روایت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے درج تھی۔ جس کا جواب بھی میں نے درج کیا تھا۔ اب جواب میں آپ نے اس کا ذکر نہیں کیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپ پر اپنی پیش کردہ دلیل کی حقیقت واضح ہوگئی ہے۔ جب آپ کی دلیل کمزور ثابت ہوگئی۔ اور جو دلیل بندہ نے پیش کی وہ پختہ ہے تو کم ازکم اب عمل صحابہ سے اعراض کرنے کی جسارت چھوڑ دیں۔ کیا نصیحت کام آئے گی؟ باقی جو روایت آپ نے سائب بن یزید سے پیش کی ہے۔ اس پر گفتگو پہلی بات کے جواب کے بعد ہی ہو سکے گی۔ آپ برائے مہربانی اپنی غلطی تسلیم کر کے آگے چلنے کی کوشش کریں۔ ورنہ کوشش بے سود ہو گی۔ والسلام (عصمت اللہ عفی عنہ)

۳۔ حافظ عبدالمنان صاحب:

جناب مولانا صاحب۔ السلام علیکم ورحمتہ اللہ

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں لفظ رمضان کا ذکر موجود ہے۔ اور آپ بھی تسلیم کرتے ہیں۔ ورنہ آپ کہتے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں رمضان کا لفظ مذکور ہی نہیں۔ تو آپ نے تسلیم کر لیا کہ نبی علیہ السلام رمضان میں بھی گیارہ رکعت پڑھتے تھے۔ تو براہ کرم بتائیے کہ وہ گیارہ رکعت نماز تراویح تھی یا

نہیں۔اگر وہ گیارہ رکعت نماز تراویح ہو اور یقیناً ہے تو آپ کو سنت سے اس قدر عراض کیوں۔اگر وہ نماز تراویح نہ ہو جو واقعہ کے خلاف ہے تو بتایئے کہ نبی علیہ السلام نے نماز تراویح کبھی ادا بھی کی یا نہیں۔اگر نماز تراویح اُنہوں نے ادا کی ہے تو کتنی رکعت؟اگر آنحضور نے کبھی نماز تراویح ادا نہیں کی تو آپ بحوالہ تحریر کر دیجئے۔کہ نبی علیہ السلام نے نماز تراویح بالکل کبھی ادا نہیں کی۔ہم آپ کے مشکور ہوں گے۔

باقی رہے خلفاء راشدین وصحابہ کرام رضی اللہ عنہم تو میں نے ان کی بابت اپنی پہلی تحریر میں لکھا تھا کہ صحابہ کرامؓ تمام کے تمام نبی علیہ السلام کے متبع تھے۔آپ نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا[1] بلکہ اپنی دونوں تحریروں میں اس کا ذکر تک نہیں کیا۔اچھا اب ہی اپنی تحقیق انیق کی روشنی میں بتایئے۔کہ خلفاء راشدین وصحابہ کرام نبی علیہ السلام کے متبع تھے تو وہ بھی یقیناً نماز تراویح اتنی رکعت ہی ادا کرتے ہوں گے۔جتنی رکعت نماز تراویح نبی علیہ السلام ادا کرتے تھے۔اگر آپ کا نظریہ یہ ہو کہ نبی علیہ السلام نے نماز تراویح بالکلیہ ایک رکعت بھی ادا نہیں کی۔تو صحابہ پر بیس رکعت کا الزام کیوں؟ بتایئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو نبی علیہ السلام کی نماز تراویح معلوم تھی یا نہیں؟اور یقیناً معلوم تھی۔تب ہی سائب بن یزید کے قول کے مطابق انہوں نے ابی بن کعب اور تمیم داری کو گیارہ رکعت تراویح پڑھانے کا حکم دیا تھا۔اور یہی وہ روایت ہے۔جس کا آپ نے

---

[1] قاضی صاحب نے اپنے پمفلٹ میں اس جگہ ایک حاشیہ درج کیا ہے قاضی صاحب یہاں پر اپنی پرویزی ذہنیت کا زہر اگل رہے کہ"حدیث عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے گیارہ رکعت نماز تراویح معلوم تھی تو تراویح ثابت ہی نہیں ہوئیں۔تو اگلی بات خود بخود ہی ختم ہوگئی جب تک قاضی صاحب کو حدیث عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے گیارہ رکعت تراویح ثابت نہ ہوں۔اتنی دیر تک وہ صحابہ کرام کو متبع رسول صلی اللہ علیہ وسلم ماننے کو تیار نہیں ہیں۔اب نامعلوم صحابہ پر اس الزام تراشی میں قاضی صاحب کس کی تقلید کا شکار ہو رہے ہیں۔

کوئی جواب نہیں دیا۔اور اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ بیس رکعت والی روایت سائب بن یزید کی نہیں۔کیا آپ اعتراض کریں گے؟اور اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو نبی علیہ السلام کی نماز تراویح نامعلوم تھی تو آپ تحریر کر دیجئے وگرنہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو نبی علیہ السلام کا نافرمان ٹھہرانے کی جسارت مت کیجئے۔تو اس تقریر سے معلوم ہوا کہ بیس رکعت تراویح خلفاء راشدین کی سنت نہیں ہے۔اور نہ نبی علیہ السلام نے کبھی بیس رکعت تراویح ادا کی۔وگرنہ آپ براہ کرم تحریر کر دیجئے کہ نبی علیہ السلام اور خلفا اربعہ میں سے فلاں خلیفہ نے بیس رکعت تراویح ادا کی؟یا کسی کو بیس رکعت تراویح ادا کرنے کا حکم دیا ہو۔

باقی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق میں پہلے تحریر کر چکا ہوں۔اُنہوں نے ابی بن کعب اور تمیم داری کو گیارہ رکعت پڑھانے کا حکم دیا تھا۔کیا آپ اپنے الفاظ و دلائل واپس لیں گے؟اور نبی علیہ السلام کی اطاعت کرینگے۔خلاصہ[1]۔کیا حضرت عائشہ کی روایت میں رمضان کا لفظ ہے یا نہیں؟نبی علیہ السلام نے نماز تروایح اپنی زندگی میں کبھی ادا کی ہے یا نہیں؟اگر ادا کی ہے تو کتنی رکعت؟خلفاء راشدین وصحابہ نبی علیہ السلام کے متبع تھے یا نہیں؟خلفاء اربعہ میں سے کون سے خلیفہ نے بیس رکعت تراویح ادا کی اس کا نام بتایئے؟یا اس کو خلفاء راشدین کی سنت کہنا چھوڑ دیجئے اور اپنی غلطی کا اعتراف کیجئے۔(عبدالمنان بن عبدالحق نورپوری)

۳۔قاضی صاحب:

جناب مولوی صاحب۔وعلیکم السلام ورحمتہ اللہ وبرکاتہ'

جواب موصول ہوا۔جو صورۃ ''جواب تھا نہ کہ معنیً''۔گذارش ہے اور مکرر گذارش ہے۔گفتگو صلوٰۃ تراویح کے بارہ میں ہے اور ہر مسلمان جانتا ہے کہ صلوٰۃ

---

[1] قاضی صاحب کی بسکی کا اندازہ یہاں سے ہوتا ہے۔کہ وہ ان سوالات کا جواب ہی نہیں دے سکے ہیں۔چنانچہ وہ اگلے رقعہ میں جوابات سے قطع نظر بحث کو الجھا رہے ہیں۔

تراویح صرف رمضان میں ادا ہوتی ہے۔غیر رمضان میں ادا نہیں ہوتی۔اور جس روایت میں رمضان اور غیر رمضان کا ذکر ہے وہ آپ کے لیے مفید نہیں کیونکہ سوال اس نماز کا ہے جو صرف رمضان میں ادا ہوتی ہے۔غیر رمضان میں ادا نہیں ہوتی۔بعض نمازیں ایسی ہیں جو مخصوص ہیں۔چنانچہ صلوٰۃ عیدین' صلوٰۃ جمعہ وغیرہ ان نمازوں کے متعلق جب کوئی خصوصی بحث ہوگی تو وہی روایات پیش ہوسکیں گی جن کا ان نمازوں کے ساتھ خصوصی تعلق ہو۔اب جبکہ گفتگو صلوٰۃ تراویح کے بارے میں ہے تو وہی پیش ہو سکے گی جو خاص اس کے متعلق ہو۔امید ہے اب آپ اصل بات کو سمجھ چکے ہوں گے۔جو آپ کے استدلال میں کمزوری ہے۔میں اس کی نشاندہی مکرر کر چکا ہوں اب یا کمزوری کو دور کریں یا دلیل واپس لیں۔جب تک آپ کی پہلی پیش کردہ دلیل پر بات ختم نہ ہو۔دوسری دلیل پر بحث فضول ہے۔بات کو الجھانے کی کوشش نہ کریں۔

نمبر[1] دوم:

یہ گذارش ہے کہ میں نے سائب بن یزید کی روایت بحوالہ سنن کبریٰ' بیہقی پیش کی تھی جواباً آپ کے الفاظ یہ ہیں مجھے سخت افسوس ہوا کہ مولانا صاحب نے بیس رکعت والی روایت سائب بن یزید کے ذمہ لگا دی حالانکہ بیس رکعت والی روایت یزید بن رومان کی ہے۔گویا آپ کو انکار ہے کہ یہ سائب بن یزید کی روایت ہو اور سنن کبریٰ میں درج ہو۔سنن کبریٰ دنیا سے ناپید نہیں موجود ہے۔اس میں دیکھا جا سکتا ہے کہ یہ روایت سائب بن یزید سے سنن کبریٰ بیہقی میں موجود ہے یا نہیں۔اب آپ اس کا جواب ہاں یا نہ میں دیں۔آپ سے غلطی ہوگئی ہے تو کوئی حرج نہیں اقرار فرمائیں اس سے آپ کی اجتہادی بصیرت میں فرق نہیں آئے گا۔یہ تو لوازم سے شمار

---

[1] نمبر دوم کی قاضی صاحب نے سرخی جمادی ہے۔اوّل نمبر سرخی نہ معلوم ضرورت کے تحت قاضی صاحب نے اپنے پاس ہی رکھ لی ہوگی واہ کیا کہنے۔سبحان اللہ

ہے۔اب یہ دوسوال ہیں آپ ان کے جواب سے گریز کر کے اور دیگر باتوں کو چھیڑ کر بحث کو الجھائیں نہیں۔ان کا جواب جب تک نہ ہوگا۔بات آگے نہ چل سکے گی۔ والسلام

عبدہ المذنب عصمت اللہ عفی عنہٗ قلعہ دیدار سنگھ

۴۔حافظ عبدالمنان صاحب:

جناب قاضی صاحب: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

عن ابی سلمة بن عبدالرحمن انه سئل عائشة رضی اللہ عنہا كَيْفَ كَانَتْ صَلٰوةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فِيْ رَمَضَانَ فَقَالَتْ مَاكَانَ يَزِيْدُ ... الخ.

اس سے صاف و روز روشن کی طرح معلوم ہوتا ہے کہ ابوسلمہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے نبی علیہ السلام کے قیام رمضان کے متعلق سوال کیا تھا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بھی ابوسلمہ کو نبی علیہ السلام کا قیام رمضان ہی بتلایا تھا۔تب ہی ابوسلمہ رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے جواب میں خاموش رہے۔وگرنہ وہ صرف کہتے کہ ام المومنین! میں تو آپ سے قیام رمضان پوچھ رہا ہوں اور آپ مجھے کوئی اور نماز بتلا رہی ہیں؟ اچھا اب آپ جسارت کیجئے۔اور تحریر فرما دیجئے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا جواب ابوسلمہ کے سوال کا جواب نہیں تھا اور اگر جواب ہو بھی تو ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کا سوال اسی سے حل ... ہوا تھا۔یا پھر ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کا سوال قیام رمضان کے متعلق نہ تھا۔باسند تحریر فرمائیے۔آؤ میں آپ کو تمہارے گھر کی بات بتلاؤں بحر الرائق میں ابن نجیم حنفی بحوالہ فتح القدیر رقمطراز ہیں:

وَقَدْ ثَبَتَ اَنَّ ذَالِكَ كَانَ اِحْدٰى عَشَرَةَ رَكْعَةً بِالْوِتْرِ كَمَا ثَبَتَ فِي الصَّحِيْحَيْنِ مِنْ حَدِيْثِ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا. (بحوالہ مفاتیح باسرار التراویح)

اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ اپنے موطا میں حدیث کو باب قیام شہر رمضان کے تحت درج کرتے ہیں۔اور ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقاۃ میں تراویح کی بحث میں فرماتے ہیں:

بَلْ کَانَ لَا یَزِیْدُ (اَیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ) فِیْ رَمَضَانَ وَلَا فِیْ غَیْرِہٖ عَلٰی اِحْدٰی عَشَرَۃَ رَکْعَةً. (بحوالہ مفاتیح)

جناب دیکھئے کہ حنفیت کے بڑے بڑے ترجمان یعنی ابن ہمام، امام محمد، ملا علی قاری رحمہم الباری حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے نبی علیہ السلام کی نماز تراویح کے گیارہ رکعت ہونے پر استدلال کر رہے ہیں۔ کیا ان کا یہ استدلال غلط ہے؟ یا نہیں غیر رمضان کے لفظ سے نسیان ہو گیا؟ یا پھر غیر رمضان کا لفظ انہیں کہیں نظر نہیں آیا؟ کہ آپ کی طرح کہہ دیتے کہ یہ صلوٰۃ تراویح کے علاوہ کوئی اور نماز ہے۔ یا پھر وہ آپ سے کم عقل و کم فہم تھے؟ کہ آپ تو نکتہ دقیقہ سمجھ گئے۔ البتہ امام محمد، ابن ہمام ملا علی قاری رحمہم الباری کے ذہن میں یہ نکتہ نہ آ سکا۔

فَوَاعَجَبًا لَّکَ اَیُّهَا الْقَاضِیْ وَاسَفًا عَلَیْکَ اَیُّهَا الْحَنَفِیّ

بہرکیف آپ کو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث نبی علیہ السلام کے قیام رمضان کی رکعات بیان کرنے میں نص صریح ہے۔ اگر آپ سے غلطی ہو گئی ہو تو کوئی بات نہیں ہر انسان خطا کار ہے۔ اگر آپ مان لیں تو آپ کی تقلید میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔ میں آپ کو تسلی دیتا ہوں کہ آپ یہ ماننے سے زمرۂ مقلدین سے خارج نہیں ہوں گے۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آپ حق تسلیم کرنے سے مجتہد نہیں بنیں گے۔

باقی سائب بن یزید سے اس مضمون (بیس رکعت) کے متعلق امام بیہقی نے دو مختلف سندوں سے دو روائتیں بیان فرمائی ہیں۔ آپ بتائیں کہ آپ نے کون سی روایت پیش کی ہے۔ اس کی سند مع الفاظ درج کیجئے۔ ویسے ہی بسند صحیح موجود ہے کے دعوے کرنے چھوڑ دیجئے۔ کیونکہ دعویٰ بلا دلیل غیر مسموع ہوتا ہے۔

خلاصہ:

آپ نے میری پہلی تحریر کا بالکل جواب نہیں دیا۔ نہ ہی نبی علیہ السلام کی

صلوٰۃ تراویح کی رکعت آپ نے بتائیں۔اور نہ خلفاء راشدین میں سے کسی کے بیس رکعت پڑھنے کا ثبوت دیا۔ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوْا رَبَّکُمْ وَاَطِیْعُوْا رَسُوْلَکُمْ وَلَا تُقَلِّدُوْا اَئِمَّتَکُمْ۔[1] اس کا جواب اور یہ بھی بتائیں کہ ابوسلمہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے نبی علیہ السلام کی کون سی نماز کے متعلق سوال کیا تھا؟ کیا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے جواب صحیح دیا تھا؟ کیا امام محمد ابن ہمام ملا علی قاری رحمہم الباری وغیرہ آئمہ احناف نے جو حدیث حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے نبی علیہ السلام کی صلوٰۃ تراویح کے گیارہ رکعت ہونے پر استدلال کیا ہے۔یہ درست ہے یا غلط؟ دو ٹوک فیصلہ کیجئے؟ کیا آپ سائب بن یزید کی روایت کے الفاظ مع سند و توثیق رجال تحریر فرمائیں گے؟ اگر آپ اس تحریر کا صحیح جواب دے دیں تو پھر بندہ آپ سے گفتگو کر سکتا ہے۔وگرنہ اعتراف کریں کہ نبی علیہ السلام کی سنت گیارہ رکعت ہے۔اور خلفاء راشدین بھی نبی علیہ السلام کے متبع تھے۔فقط والسلام! (عبدالمنان بن عبدالحق)

۴۔قاضی صاحب:

عزیز مکرم مولوی صاحب وعلیکم السلام ورحمتہ وبرکاتہ

تحریر کا جواب موصول ہوا۔جس سے ثابت ہوا کہ اب آپ کو تسلیم ہے کہ بیس رکعت تراویح کے بارہ میں سائب بن یزید سے روایت ہے۔جس کے متعلق کبھی آپ کو سخت افسوس ہو رہا تھا کہ جو روایت حضرت سائب سے نہیں وہ کیوں سائب بن یزید کے ذمہ لگائی جارہی ہے اب امید ہے آپ کا افسوس دور ہو چکا ہوگا۔اور آپ کو یہ بھی واضح ہو گیا کہ گفتگو تو شروع کر دی تھی اور اپنے علم پر ناز بھی تھا۔لیکن اس نے ساتھ نہ دیا۔ایسا ہو جاتا ہے۔اس میں گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔انسان پر اپنی حقیقت واضح ہو جائے تو بہتر ہی ہوتا ہے۔جس صاحب کے ہاتھ سے مجھے رقعہ موصول

[1] کتاب کی غلطی کیوجہ سے پہلے پمفلٹ میں یہ الفاظ رہ گئے تھے ولا تقلدوا ئمتکم کہ اپنے اماموں کی تقلید نہ کرو بلکہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو۔

ہوا۔ان کی زبانی اور بات بھی معلوم ہوئی کہ آپ کو میری تحریر کا جواب دینے کے لیے گوجرانوالہ کے چکر بھی لگانے پڑے۔اور مشورہ اساتذہ کی بھی ضرورت محسوس ہوئی تو ایسا ہی کیوں نہیں کرتے کہ جب اپنے میں جواب کی تاب نہیں ہوتی تو انہیں سامنے کر دیں جو جواب کا مسودہ تیار کرتے ہیں۔اب آپ کے اقرار روایت اور عمل سے آپ کی حقیقت کھل کر سامنے آ گئی ہے۔اب بات اس سے ہونی چاہیے جس پر آپ کو اور آپ کے حواریین کو اعتماد ہو۔(عصمت اللہ عفی عنہ خطیب مسجد جامع قلعہ دیدار سنگھ)

۴۔حافظ عبدالمنان صاحب:

جناب قاضی صاحب! السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ'

آپ کا جواب موصول ہوا جو درحقیقت میری تحریر کا جواب نہیں تھا۔ بلکہ وہ آپ کے اخلاق عالیہ کا ایک نمونہ تھا۔آپ اس میں رقمطراز ہیں کہ ''تو انہیں سامنے کر دیں جو جواب کا مسودہ تیار کرتے ہیں'' ہوسکتا ہے یہ الزام تراشی آپ کے ہاں دیانتداری کی کوئی خاص قسم ہو۔میں سمجھتا تھا۔کہ قاضی صاحب دائرہ تہذیب میں رہیں گے۔اب معلوم ہوا آپ پر تو گھبراہٹ بوکھلاہٹ طاری ہو چکی ہے۔اور آپ اصل مسئلہ کو چھوڑنا چاہتے ہیں۔معلوم ہوتا ہے۔کہ آپ پر اپنی تحریروں کی کمزوریاں بخوبی واضح ہو چکی ہیں۔اور آپ کے بلند بانگ دعوے ''کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں صحابہ کرام بیس رکعت نماز پڑھا کرتے تھے'' بالکل پست ہو چکے ہیں۔وگرنہ کسی صحابی کا نام بتائیں کہ وہ بیس رکعت پڑھتے تھے؟ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کا نبی علیہ السلام کے قیام رمضان میں نص ہونا آپ پر واضح ہو چکا ہے۔تب ہی آپ اس کا جواب تک نہیں دیتے اچھا اب الزام تراشی میں پڑ کر اصل مسئلہ کو الجھانے کی کوشش نہ کریں اور دیانت داری سے بتائیں کہ نبی علیہ السلام نے صلوٰۃ تراویح کتنی رکعت ادا کی؟

اور خلفاء راشدین میں کونسے خلیفہ بیس رکعت تراویح پڑھتے تھے؟ ابوسلمہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے نبی علیہ السلام کی کونسی نماز پوچھی؟ کیا حضرت

عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا جواب صحیح تھا؟ کیا امام محمد، ابن ہمام، ملا علی قاری رحمہم الباری وغیرہ آئمہ احناف نے جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کو نبی علیہ السلام کی صلوٰۃ تراویح کے گیارہ رکعت ہونے میں نص قرار دیا ہے درست ہے؟ دوٹوک فیصلہ دیجئے وگرنہ تسلیم کیجئے اور اپنے اخلاق حسنہ کا اظہار نہ کیجئے۔

سائب بن یزید کی حدیث موطا امام مالک میں موجود ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابی بن کعب وتمیم داری کو گیارہ رکعت پڑھانے کا حکم دیا تھا۔ آپ اپنی پیش کردہ حدیث مع سند وتوثیق رجال درج کیجئے تاکہ آپ پر واضح ہو جائے کہ جو میں نے سائب بن یزید کی حدیث پیش کی ہے وہ محض وہم ہے۔

امید ہے کہ اب آپ دیانتداری سے کام لیں گے اور مذکورہ بالا باتوں کا جواب تحریر فرمائیں گے۔ اور اپنے اخلاق کا مظاہرہ نہیں کریں گے۔ اور اقرار فرمائیں گے کہ نبی علیہ السلام اور خلفاء راشدین کی سنت گیارہ رکعت ہی ہے۔ فقط والسلام

(عبدالمنان بن عبدالحق)

نوٹ: حافظ عبدالمنان صاحب کی پانچویں تحریر کے جواب میں قاضی صاحب کی منتخب سہ رکنی کمیٹی نو پور آئی۔ جس کی رپورٹ صفحات گذشتہ میں گذر چکی ہے۔ قاضی صاحب نے یہاں پر تحریری خاموشی اختیار کر لی اس کے بعد حافظ عبد المنان صاحب نے ایک رقعہ نمبر (۶) بھیجا۔ جس کے جواب میں قاضی صاحب نے اپنا پانچواں رقعہ ارسال کیا۔ جس کا جواب حافظ عبد المنان صاحب نے فوراً رقعہ نمبر (۷) میں دے دیا تھا۔ جس کو قاضی صاحب نے اپنے پمفلٹ میں شائع نہیں کیا تھا اور بھلا قاضی صاحب یہ ساتواں رقعہ کیسے اپنے پمفلٹ میں درج فرماتے۔ کیونکہ وہ مجسمۂ دیانت ہیں۔ لہٰذا ان کا ہر فعل دیانت پر مبنی ہوا کرتا ہے۔ قاضی صاحب نے جس رقعہ پر نمبر (۶) درج کر دیا ہے۔ کیا وہ ثابت کر سکیں گے کہ یہ ان کا چھٹا رقعہ ہے؟ یہ ہیں جناب دین کے رہنما انبیاء کے وارث ان کے منبر کی یہی ذمہ داریاں ہیں۔ یہی

ان کے بزرگوں کی خلافت ہے۔خیر سہ رکنی کمیٹی نے بھی جس دیانت کا اظہار کیا اس پر بھی افسوس ہے۔لیکن صد افسوس تو اس بات میں ہے کہ قاضی صاحب نے اپنے حواریوں کی باتیں اپنے آئمہ سے بھی زیادہ یقین کے ساتھ قبول کرلیں واقعی اس مقام پر قاضی صاحب کے ایجاب کی داد دینا پڑے گی۔حالانکہ حافظ عبدالمنان صاحب نے قاضی صاحب کے حواریوں کو یہ کہا تھا کہ ''جیسا قاضی صاحب مناسب سمجھیں گے میں ویسا ہی کرنے کو تیار ہوں''لیکن ؎

جن تین حواریوں پر قاضی صاحب کو ہے ناز
حشر ان کا کاتب تقدیر کے دفتر میں ہے

کیا کہنے!ائمہ دین کے پجاریوں کی شان بھی دیکھئے۔کہ اپنے پمفلٹ میں رقعہ نمبر(۵) کی بھی سرخی جمادی اور حقیقت میں جو رقعہ نمبر(۵) تھا اسے رقعہ نمبر(۶) ظاہر کررہے ہیں۔اب نامعلوم یہ کس کی تقلید میں دیانت ٹھہرے گی ؎

تراشے ہیں نئے اصنام تمہید نو کے آزر نے
خدائی میں بتوں کی لاج بھی تو رہ گئی آخر

۶۔حافظ عبدالمنان صاحب:

جناب قاضی صاحب!السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہٗ

احوال آنکہ۔اس دفعہ تو مجھے انتظار کی بھی گھڑیاں دیکھنی پڑیں۔پانچ چھ دن اسی انتظار میں رہا کہ آج جواب موصول ہوگا۔لیکن جواب ندارد۔بہت سوچا کہ آخر کس چیز نے قاضی صاحب کو خاموشی پر مجبور کردیا ہے۔تاہم اس نتیجہ پر پہنچا کہ شاید مصلحتاً مزید تحقیق کی ضرورت ہوگی تب ہی تو جواب آنے میں اتنی دیر ہوئی۔بہرحال اتنی دیر خاموش رہ کر تحقیق کے بعد اگر آپ صحیح نتیجہ پر پہنچ جائیں۔تو میرے لیے اس سے بڑھ کر خوشی کیا ہوسکتی ہے؟ خدا آپ کو صحیح تحقیق سے آگاہ کرے۔آمین۔لیکن مولانا ایک بات جو مجھے یہاں پر کہنی ہے وہ یہ ہے۔

مجھے علم ہوا ہے کہ آپ اپنے روزانہ درسوں میں اس قسم کی باتیں کہتے ہیں۔ کہ یہ لوگ دو چار کتابیں پڑھ لیتے ہیں۔اور عالموں کے مقابلہ پر اتر آتے ہیں۔ افسوس کہ مولانا کچھ وسیع الظرف ہوتے اور اس رویہ کو قطعاً ناپسند فرماتے۔یا کسی علمی بحث وتمحیص میں الجھ کر مجھے کسی معیار پر آزماتے۔اور اگر میں واقعی صحیح علمی معیار پر نہ اترتا۔تو پھر کسی حد تک آپ اس رویہ میں حق بجانب ہو سکتے تھے۔لیکن میں یہی سمجھتا ہوں کہ شاید یہ قرانی درس میں کس جدید تفسیر کا ہی آغاز ہے۔لیکن مولانا ایسی ہنگامہ آمائی اور دھمکیوں سے حق ہمیشہ اُجاگر ہوا کرتا ہے۔یہاں پر میں یہ کہہ دوں تو بے جانہ ہوگا۔ ع

پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

آپ کو آنے والے ان حالات سے آگاہی نہ تھی۔ورنہ آپ اس پہلے رقعہ میں ''الجواب'' کہہ کر نہ پکارتے۔دراصل وہی بات ہونا ع

خود آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا

آپ نے اس سے پیشتر یہ بھی تحریر کیا تھا۔کہ انہیں سامنے کردیں جو جواب کا مسودہ تیار کرتے ہیں۔میں سمجھتا ہوں کہ یہ آپ کی اخلاقی گراوٹ کے علاوہ قلمی لغزش بھی ہے۔آپ سوچئے کہ تحریری گفتگو میرے اور آپ کے مابین ہو رہی ہے۔اللہ کا فضل ہے کہ مجھے کسی سے جوابات کا مسودہ تیار کروانے کی ضرورت نہیں ہے۔جیسا کہ آپ نے کئی طریقوں سے اس بات کا اظہار کیا ہے کہ میں اس کے بزرگوں کے ساتھ زبانی گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔تو مولانا بحمد اللہ آپ دعوت دیجئے۔ میں ہر وقت زبانی گفتگو کے لیے تیار ہوں۔اور جس موضوع پر چاہیں آپ اپنی علمی طاقت آزمائی کیجئے۔میری دلیلیں حقائق پر مبنی ہیں۔آپ جس وقت زبانی گفتگو کا شوق فرمائیں۔ بندہ حاضر ہے۔ بندہ کو امید واثق ہے کہ یہ صرف راہ فرار اختیار کرنے کا طریقہ ہے۔ جس میں آپ کامیاب نہیں ہوسکیں گے۔میرا تو تجربہ ہے ؎

نہ خنجر اٹھے گا نہ تلوار تم سے
یہ بازو میرے آزمائے ہوئے ہیں

اگر آپ کے پاس کوئی دلیل ہے تو لایئے۔آپ اپنے حقائق اور علم کی طاقت آزمائی ان سوالات کے جوابات میں ہی کیجئے۔لیکن یہ سوالات اس سے پیشتر بھی آپ سے پوچھے گئے ہیں۔دوبارہ لکھ دیتا ہوں کہ

۱۔ نبی علیہ السلام نے کتنی رکعت نماز تراویح ادا کی؟

۲۔ خلفاء رشدین رضی اللہ عنہم میں سے کونسے خلیفہ بیس رکعت تراویح پڑھتے تھے

۳۔ ابوسلمہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے نبی علیہ السلام کی کونسی نماز پوچھی تھی؟

۴۔ کیا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا جواب صحیح تھا؟

۵۔ کیا امام محمدؒ ابن ہمامؒ ملا علی قاری رحمہ الباری وغیرہ آئمہ احناف نے جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کو نبی علیہ السلام کی صلوٰۃ تراویح کے گیارہ رکعت ہونے میں نص قرار دیا ہے۔درست ہے؟

۶۔ سائب بن یزید کی حدیث کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اور تمیم داری کو گیارہ رکعت پڑھانے کا حکم دیا تھا۔موطا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ میں موجود ہے؟

۷۔ آپ اپنی پیش کردہ حدیث مع سند وتوثیق رجال درج کریں؟

خیر ایک بات آخر میں کہتا ہوں کہ تحریری خاموشی اختیار کر کے اوچھے ہتھیاروں سے دھمکیاں دینا اچھی راہ فرار نہیں ہے کسی مؤدبانہ طریقہ سے راہ فرار اختیار کی جائے تو بہتر ہوگا۔ویسے آپ لوگوں کی یہ جرات بھی قابل ستائش ہے کہ ۔

نہ رکھ دلیل کی کچھ بھی سند پھر اس پہ اڑتے ہو
عجب دانا مقلد ہو کہ بے ہتھیار لڑتے ہو

مولانا دل میں آپ لوگوں کے لیے درد موجود ہے آپ سنجیدگی سے خلوت میں سوچیے۔ میرا نظریہ صرف اور صرف یہ ہے ؎

شاید کہ تیرے دل میں اتر جائے میری بات

(عبدالمنان بن عبدالحق نورپوری)

نوٹ[1]: حافظ عبدالمنان صاحب کے پانچویں اور چھٹے دو رقعوں کے جواب میں قاضی صاحب کا یہ پانچواں رقعہ موصول ہوا۔

۵۔قاضی صاحب:

جناب مولوی صاحب وعلیکم السلام ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

آپ کی طرف سے ایک رقعہ موصول ہوا تھا۔جس میں آپ نے میری دیانت اخلاق اور تہذیب پر رکیک حملے کیے۔جن کا قطعاً آپ کو حق نہ پہنچتا تھا۔اس تحریر کو ناقابل برداشت پاتے ہوئے آپ کے پاس زبانی جواب لے کر یہاں سے چند دوست گئے اور آپ سے مطالبہ کیا کہ بجائے تحریری گفتگو کے زبانی گفتگو ہونی چاہیے اور وہ آپ کی جماعت کے کسی ذمہ دار عالم کے ساتھ ہونی چاہیے۔آپ تحریر کر دیں تو کام آگے بڑھے لیکن آپ کو سلامتی اس میں نظر آئی کہ اب بات کو یہاں ختم کر دینا چاہیے اور یہ آپ کا زبانی اقرار مسجد میں ہوا۔کہ ہم نہ مناظرہ کے لیے تیار ہیں نہ تحریر کو جاری رکھیں گے مجھے معلوم ہوا کہ اس وقت آپ کی حالت بہت ہی قابل رحم ہو چکی تھی۔اور آپ یہ تحریر فرمارہے ہیں ''لیکن جواب ندارد'' کیا خوب! جو آپ پر بیتی وہ بھی یاد نہ رہی پھر آپ کا یہ رقعہ پہنچا اس میں بھی آپ نے ''آپ کی اخلاقی گراوٹ'' کا لفظ چست کر دیا ہے جو قطعاً اہل علم کی شان کے خلاف ہے اور ہوا صرف اس پر کہ میں نے مسودہ تیار کرانے کی بات کہہ دی تھی' جس کی حقیقت یہ ہے کہ آپ

---

[1] کاتب کی غلطی کیوجہ سے یہ سطریں پہلے پمفلٹ میں نہ چھپ سکی تھیں۔

کے ہی رقعہ رساں نے کہا تھا۔ کہ آپ کو مشورہ کے لیے گوجرانوالہ اپنے اساتذہ کے پاس جانا پڑا ہے اوراس کا حوالہ بھی میں نے تحریر کیا تھا۔ مگر آپ ہیں کہ نہ آگے کو دیکھتے ہیں نہ پیچھے کو اور بے جا' ناروا حملے شروع کر دیتے ہیں۔ تو میں اتنی گذارش کروں گا۔ کہ یہ طرز تحریر آپ کو مبارک ممکن ہے آپ ایسا لفظ سن سکتے ہوں لیکن مجھے معذور تصور کریں۔ چونکہ آپ نے سوالات کو دہرایا[1] ہے۔ جواب کا تکلف کر رہا ہوں ورنہ ان کی حقیقت پر کاہ کے برابر نہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت جو آپ نے پیش کی تھی۔ میں نے اس پر عتراض کیا تھا کہ یہ صلوٰۃ تراویح کے بارے میں نہیں۔ کیونکہ اس میں غیر رمضان[2] لفظ موجود ہے۔ اور صلوٰۃ تراویح غیر مضان میں ادا نہیں ہوتی۔ اب آپ پر لازم تھا کہ یا دلیل واپس لیتے۔ یا اس کا صلوٰۃ تراویح کے بارہ میں ہونا ثابت کرتے۔ آپ نے اپنے زعم کے مطابق اس کا صلوٰۃ تراویح کے عدد کے بارے میں نص ہونا ثابت کیا ہے۔ مندرجہ ذیل دلائل سے۔ اب ملاحظہ ہوں مع جوابات:

(۱) کہ بعض آئمہ احناف نے اسے گیارہ رکعت صلوٰۃ تراویح ہونے میں نص قرار دیا ہے۔ مثلاً امام محمد فی المؤطا۔ میں نے موطا امام محمد میں جو لکھا ہے وہ دیکھا ہے اس میں کہیں مذکور نہیں کہ اس حدیث سے صلوٰۃ تراویح کا آٹھ رکعت ہونا نصاً ثابت ہوتا ہے۔ صرف باب قیام شہر رمضان میں درج ہونا اس کے اثبات کے لئے کافی نہیں۔ وہ عبارت پیش کرنی چاہیے جس میں یہ تحریر ہو کہ اس حدیث سے صلوٰۃ تراویح کا گیارہ

---

[1] سوالات کو بار بار اس لئے دھرایا گیا کہ قاضی صاحب نے ان کے جوابات نہیں دیئے۔ البتہ یہاں پر بھی قاضی صاحب نے محض تکلف کی کوشش کی ہے۔ جو نا کام رہی ہے۔

[2] قاضی صاحب رمضان کا لفظ غیر رمضان سے پہلے ہے اس کو آپ تقلیدی ثمرہ سمجھ کر ہضم مت کیجئے۔ تقلید کا نرالا روپ دھارے بیٹھے ہیں کہ اب لفظ رمضان سے بھی منکر ہو رہے ہیں سائل کے سوال میں جو لفظ تھا' پہلے اُسی کا جواب دیا گیا ہے۔

رکعت ہونا نصاً ثابت ہوتا ہے پھر گفتگو صلوٰۃ تراویح کے بارہ میں ہے نہ کہ قیام[1] رمضان کے بارہ میں۔ علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ اور ملا علی رحمۃ اللہ علیہ قاری کا نام لینا آپ کو زیبا نہیں۔ آپ پر لازم ہے کہ ''اس حدیث میں گیارہ رکعت تراویح بطور نص وارد ہے''۔ کو ثابت کریں۔ اور اثبات دعوے میں کسی فقیہ کا قول پیش کرنا کیونکر درست ہے۔ آپ تو غیر مقلد ہیں۔ آپ کی پیش کردہ دلیل پر میں ایک قرینہ ذکر کر کے اعتراض کر رہا ہوں۔ اب آپ اپنے اجتہادی رنگ میں جواب دیں نہ کہ اقوال رجال کی طرف رجوع کریں۔ جس رقعہ میں آپ **لَا تقلدوا ائمتکم** راگ الاپ رہے ہیں۔ اسی میں اقوال رجال سے اپنا دعوے ثابت کر رہے ہیں۔ اب اسے قول وعمل کا تضاد نہ کہیں تو کیا کہیں۔ آپ کو ہرگز یہ حق نہیں پہنچتا کہ اقوال رجال سے اپنا دعوے ثابت کریں۔ ابھی تو یہ پہلا اعتراض ہے اور فقہاء کے دامن میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئے۔ ع

آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا

پھر اگر تقلید پر مجبور ہو گئے تھے تو بجائے فقہاء احناف کی تقلید کرنے کے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ ' امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ ' امام ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ ' وغیرہ محدثین کی تقلید کرتے۔ جو اس حدیث عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو قیام[2] رمضان کے باب میں نہ ذکر کر کے اور صلوٰۃ تہجد وغیرہ سے متعلقہ ابواب میں ذکر کر کے سمجھا رہے ہیں کہ اس حدیث کا صلوٰۃ تراویح کے ساتھ دور کا بھی تعلق نہیں۔ اس طرح کم از کم فقہاء احناف[3] کی تقلید سے تو بچ بھی جاتے۔ بہر حال

---

[1] یہاں پر قاضی صاحب کی تقلید یہ ظاہر کر رہی ہے کہ قیام رمضان اور صلوٰۃ تراویح الگ الگ ہیں۔ لیکن آگے چل کر وہ خود ہی قیام رمضان کو صلوٰۃ تراویح بھی تسلیم کر لیں گے۔ خیر ان تمام تکلفات کو تقلید کا نام ہی دینا چاہیے۔ [2] یہاں پر قاضی صاحب کا مدعا قیام رمضان سے صلوٰۃ تراویح ہے۔ [3] ہمارے نزدیک تو تقلید ناجائز ہے۔ جمود تقلید ان ہی کو مبارک ہو۔ کہ نت نئے گل کھلا رہے ہیں۔ دوسروں کو فقہائے احناف کی تقلید سے بچنے کے لئے کہتے ہیں۔ لیکن کم از کم خود تو فقہائے احناف کی پیروی کر لیں۔

اقوال کا جواب آپ نے اقوال[1] سے بھی سُن لیا۔ اور یہ بھی واضح ہو گیا کہ آپ کے لئے سند اقوال رجال نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ یہ آپ کے مسلک کے خلاف ہے۔ نیز علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ شرح صحیح بخاری میں فرماتے ہیں کہ اس حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا کو ہمارے اصحاب صلوٰۃ تہجد پر حمل کرتے ہیں۔ اب جناب یہ لفظ اصحاب جمع ہے اور آپ صرف بعض کی انفرادی رائے پیش کر رہے ہیں۔ پھر علامہ ابن نجیم حنفی کی آپ نے پوری عبادت نقل کرنے سے گریز کیا ہے۔ ورنہ آپ کے استدلال کی قلعی کُھل جاتی۔ وہ اس کو صرف علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ کی انفردی رائے قرار دے رہے اپنا نکتہ نظر نہیں پیش کرتے۔ اگر جرأت ہو تو پوری عبادت نقل کریں۔ پھر علامہ ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ کی قول ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ پر تنقید بھی آپ کی نظر سے اوجھل ہو گئی۔

وہ بھی اسی بحر الرائق کے حاشیے پر ہے جس سے آپ علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ کی رائے نقل فرما رہے ہیں۔ لیکن کیا کریں کوئی رسالہ سامنے رکھ کر تحقیق کے درپے ہو گئے جس کا نام بھی خود آپ ہی نے تحریر کیا تھا اور اصل کتاب کی طرف مراجعت بھی نہ کی۔ اب آپ یہ شعر اپنے پر چسپاں کریں۔ تبغیر یسیر

نہ رکھ دلیل کی کچھ بھی سند پھر اس پر اڑتے ہو
عجب دانا مجتہد ہو کہ بے ہتھیار لڑتے ہو

یا پھر یوں ے

---

[1] قاضی صاحب اقوال سے یہ سُنا رہے ہیں کہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ امام ابو دواؤد رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے حدیث عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو صلوٰۃ تہجد وغیرہ سے متعلقہ ابواب میں ذکر کیا ہے ہمارے نزدیک صلوٰۃ تہجد اور تراویح ایک چیز ہے۔ رمضان میں اسی نماز کا نام تراویح ہے جو غیر رمضان میں تہجد ہوا کرتی ہے۔ لیکن قاضی صاحب اپنی تحریر میں بھی اقوال کا جواب اقوال سے سُنا رہے ہیں درج نہیں کر رہے۔

اس سادگی پہ کون نہ مرجائے اے خدا
لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

تو گویا اقوال رجال کی آڑلی تھی۔لیکن افسوس اس سے بھی کام نہ چل سکا۔

(۲) دوسرا طرز حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کی گیارہ رکعت تراویح پر نص ثابت کرنے کے لیے آپ نے یہ اختیار کیا۔کہ ابو سلمہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے صلوٰۃ تراویح کے بارہ میں استفسار کیا تھا اور جواب چونکہ سوال کے مطابق ہوتا ہے تو گویا آپ نے بھی جواب صلوٰۃ تراویح کے بارے میں دیا۔کیا خوب! اجتہاد کی داد دینی پڑتی ہے۔سوال کی عبارت جو آپ نے تحریر کی یہ ہے:

"کیف کانت صلوٰۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی رمضان".

نہ اس میں صلوٰۃ تراویح کا لفظ ہے نہ ہی قیام[1] رمضان کا۔عبارت کا معنی صرف یہ ہے۔"کیسی تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز رمضان[2] میں؟" اب یہاں مطلق صلوٰۃ (نماز) کا لفظ ہے۔کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں کیسے ادا فرماتے تھے۔اس کا اطلاق فرضی، نفلی ہر نماز پر ہوسکتا ہے، پھر رات کی نماز اور دن کی نماز سب اس میں داخل ہیں۔سوال ابو سلمہ رضی اللہ عنہ سے تو کسی نماز کی تعیین نہیں ہوتی۔جب حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا جواب سامنے آتا ہے تو درج ذیل چیزیں واضح ہوتی ہیں۔(۱) سوال فرضی نماز کے متعلق نہیں (۲) دن کی کسی نماز کے متعلق نہیں اور یہ دو

---

[1] یہاں پر قاضی صاحب یہی تاثر ظاہر فرما رہے ہیں کہ قیام رمضان سے مراد صلوٰۃ تراویح ہے۔لیکن جب ان سے کہا جاتا ہے۔کہ یہ حدیث باب قیام رمضان میں ذکر ہو رہی ہے۔تو اُسی وقت وہ اسے صلوٰۃ تراویح تسلیم کرنے کے لئے تیار ہوتے۔خواہ اسی ضد میں اُنہیں بزرگوں کی تقلید بھی چھوڑنا پڑے۔

[2] سوال میں رمضان کا لفظ ہے غیر رمضان کا نہیں اور قاضی صاحب یہ تسلیم کرتے ہیں کہ صلوٰۃ تراویح رمضان سے مخصوص ہے، تو سوال ابو سلمہ صلوۃ تراویح سے ہی تھا لیکن قاضی صاحب پر کسی کی تقلید سوا ہے۔

چیزیں وہ ہیں جو سیاق سے معلوم ہو رہی ہیں۔نصا کسی لفظ کا ترجمہ نہیں لیکن یہ دونوں باتیں آپ کو بھی مسلم ہیں۔تیسری چیز جو جواب سے سامنے آ رہی ہے۔وہ یہ ہے کہ یہ کوئی ایسی نماز ہے جو سارے سال میں ادا ہوتی ہے۔رمضان کے ساتھ خاص نہیں اور یہ وہ چیز ہے جو عبارت جواب کا صاف صاف ترجمہ ہے۔لا یزید فی رمضان ولا فی غیرہ۔اس پر دلالت کرتا ہے۔لیکن یہ آپ[1] کو مسلّم نہیں۔شاید صرف اس لئے کہ پھر پیش کردہ دلیل ختم ہو کر رہ جاتی ہے۔اور چوراہے پر عمارت گرتی نظر آ رہی ہے۔ صلوٰۃ تراویح وہ نماز ہے جو رمضان کے ساتھ خاص ہے۔حدیث کی عبارت کوئی وہ نماز بتلا رہی ہے جو رمضان کے ساتھ خاص نہیں اقوال رجال کے جواب میں اقوال رجال پیش ہو چکے ہیں اب اپنے الفاظ آپ پر چسپاں کریں۔کیا امام ترمذی رحمہ اللہ امام نسائی رحمہ اللہ امام ابوداؤد وغیرہ محدثین کم فہم تھے۔جواب اپنی اجتہادی بصیرت سے پیش کریں۔اور میرے اعتراض کا حل کریں۔ورنہ دلیل واپس لیں۔آنحضرت[2] ﷺ کتنی رکعت نماز تراویح ادا کرتے تھے؟ آپ پر قوی دلیل سے پیش کرنا لازم ہے کیونکہ آپ نے ہی استدلال کا یہ رنگ اختیار کیا ہے۔میں نے تو سائب بن یزید کی روایت پیش کی

---

[1] قاضی صاحب نے گفتگو تو شروع کر دی تھی۔لیکن انہیں آج تک ہمارے مسلّمات کا بھی علم نہیں ہو سکا۔قاضی صاحب حدیث عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے یہ انکشاف کر رہے ہیں کہ جو فعل رمضان کے علاوہ بھی کیا جا سکے وہ سارا سال کرنا پڑتا ہے۔رمضان کے علاوہ بھی نفلی روزے رکھے جا سکتے ہیں لیکن قاضی کے نزدیک وہ روزے سارا سال ہی رکھنے پڑ جائیں گے۔پھر ان کی اقتدا میں یہی کہنا پڑیگا ع یہی صلہ تیری وفا سے ملا۔

[2] یہ حافظ عبدالمنان صاحب کا سوال ہے جس کا ابھی تک قاضی صاحب جواب نہیں دے سکے ہیں۔البتہ یہ کہہ رہے ہیں کہ حافظ عبدالمنان پر قوی دلیلیں سے پیش کرنا لازم ہے۔اور انہوں نے قوی بلکہ اقوی دلیل سے ثابت کر دیا ہے کہ پیغمبر ﷺ آٹھ رکعت نماز تراویح پڑھا کرتے تھے؟

تھی اور صحابہ کا عمل پیش کیا تھا۔ اور آپ کا پیش کردہ مقدمہ جو ہمیں بھی مسلّم ہے کہ صحابہ کرام رسول ﷺ کے متبع تھے ساتھ مل جائے گا اور دلیل تام ہو جائے گی۔ اب رہا استدلال از روایت سائب بن یزید تو آپ نے الزام لگایا تھا کہ بیس رکعت تراویح کی روایت یزید بن رومان سے ہے نہ کہ سائب بن یزید سے۔ اب آپ پر لازم ہے کہ یہ الزام ثابت کریں۔ ورنہ صاف لفظوں میں اقرار کریں۔ کہ الزام غلط ہے۔ اور روایت سائب بن یزید سے سنن کبریٰ میں موجود ہے۔ نمبر دوم آپ تحریر کرتے ہیں۔ کہ سندیں اس روایت کی دو ہیں۔ مولوی صاحب میں نے بغیر حوالہ کے بات نہ کی تھی۔ سنن کبریٰ کا حوالہ دیا تھا۔ اب آپ ثابت کریں کہ سنن کبریٰ بیہقی میں دو سندیں موجود ہیں۔ پھر پوچھیں کہ کون سی سند پیش کی ہے۔ اور اگر سنن کبریٰ بیہقی میں دو سندیں نہ دکھا سکیں:

فان لم تفعلوا ولن تفعلوا تاتقوا[1] ربکم واطیعوا الرسول واولی الا مرمنکم.

کیا ابھی تک آپ کو علمی بحث وتمحیص میں کسی معیار پر آزمایا نہیں گیا؟ واقعی آپ صحیح علمی معیار پر اُتر آئے۔ جب کہ روایت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بارہ میں آپ کو اقوال رجال' کا سہارا لینا پڑا؟ یا جب نظر پڑی تو دو سندیں کہنا شروع کر دیا۔ حالانکہ سنن کبری بیہقی میں صرف ایک سند ہے۔ کیا تطویل فہرست سوالات جن میں ایک بھی کام کا نہ ہو یہی صحیح علمی معیار ہے؟ خوب! جب میں آپ کے بزرگوں کے ساتھ گفتگو کو

---

[1] قاضی صاحب نے اپنے اصل رقعہ میں یہ لفظ ایسے ہی لکھا ہے اور پمفلٹ میں اپنی دیانت سے کام لیتے ہوئے اس کی تصحیح کر لی ہے۔ قرآنی آیات میں اس قسم کی جدّت پیدا کر کے تقلید کو تقویت دے رہے ہیں ؎

زمیں کیا آسماں بھی تیری کج بینی پہ روتا ہے
غضب ہے سطر قرآن کو چلیپا کر دیا تو نے

ترجیح دیتا ہوں تو آپ کا یہ معیار واضح ہونے پر دے رہا ہوں۔کیا اب بھی کسر باقی ہے؟ جب آپ اپنے بزرگوں کی نمائندگی کر سکتے ہیں۔تو میرے شاگرد بھی نمائندگی کر سکتے ہیں۔اب اس میں کیا حرج ہے کہ ہر دو جانب سے نمائندگی کنندگان گفتگو کر لیں۔پھر دعوت کے لفظ پر ادھار کھائے بیٹھے ہیں۔یہ دعوت پلاؤ کی نہ ہوگی۔اس کا نام مناظرہ اور علمی گفتگو ہوگا پھر آپ کو یہاں آنے کا تکلف کرنے کی ضرورت بھی نہیں۔صرف دن کا تعین اور گفتگو پر آمادگی تحریر کر کے بھیج دیں۔اور نور پور کے علاوہ کسی اور جگہ کا بھی تعین کر دیں۔آپ کی خدمت کے لئے وہاں ہی کوئی ہمارا شاگرد حاضر ہو جائے گا۔فرمایئے صاحب قبول ہے۔آپ کے بزرگ یعنی اُستاد جن سے مشورہ کے لئے آپ کو جانا پڑا بقول آپ کے رقعہ رساں کے اگر وہ گفتگو کا شوق فرمائیں۔تو میں بذات خود گفتگو کر سکتا ہوں۔پھر نمائندگی کا سوال ختم ہو جائے گا۔اب بجواب اپنی رائے گرامی سے مطلع فرمائیں۔

عصمت اللہ عفی عنہ۔قلعہ دیدار سنگھ

۷۔حافظ عبدالمنان صاحب:

جناب قاضی صاحب۔السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میرا خیال ہے کہ اب سے دو تحریروں کے جواب میں بھی بڑی مشکل سے ہی جواب موصول ہوا کرے گا۔پہلے آپ تحریر فرماتے تھے کہ ’’جواب موصول ہوا ہے‘‘ پھر آپ کہتے کہ ’’جواب موصول ہوا‘‘ اور اب تو ماضی بعید کی باتیں کر رہے ہیں اور تحریر فرماتے ہیں کہ ’’آپ کی طرف سے ایک رقعہ موصول ہوا تھا۔ان تحریروں سے آپ کے جواب دینے کی مہلت معلوم ہو رہی ہے کہ آپ میری تحریر کا جواب کتنے دنوں میں دیتے رہے ہیں۔نہیں قاضی صاحب ایک رقعہ نہیں پہنچا۔آپ کو دو رقعے پہنچ چکے تھے۔بعد میں آپ نے بھی اقرار فرمایا ہے۔اگر پہلے ہی لکھ دیتے کہ رقعے تو دو ملے ہیں تو کیا حرج تھا؟ ممکن ہے اس میں بھی کوئی مصلحت ہو جسے آپ خود ہی جانتے ہیں۔لیکن

اتنی بات ضرور ہے کہ اُن کا جواب اتنا آسان نہیں تھا۔اس لئے تحقیق میں کافی وقت صرف ہوا ہوگا۔ پتہ نہیں دیو بند سے ہی رابطہ قائم کرنا پڑا ہوگا۔آخر آٹھ دس دن میں آدمی یہ کام تو سرانجام دے ہی سکتا ہے۔جناب نے جیسا کہ اقرار فرمایا ہے کہ ''جواب کا تکلف کر رہا ہوں'' حقیقت میں یہ تکلف ہی ہے۔میری تحریروں کا قطعاً جواب نہیں۔اور نہ ہی انشاءاللہ آپ سے جواب بن پڑے گا۔ہاں اتنی بات ضرور معلوم ہوتی ہے کہ آپ خو کے خاصے دھنی ہیں۔چنانچہ اب بھی نے اپنی منطقی خو کا سہارا لینے کی کوشش کی ہے۔جو یہاں پر کارگر نہ ہو سکے گی۔کیونکہ آپ کے متعلق یہی کہنا پڑتا ہے ؎

قلب میں سوز نہیں' روح میں احساس نہیں
کچھ بھی پیغام محمد کا تمہیں پاس نہیں

کوئی بات نہیں ؎

وہ اپنی خو نہ چھوڑیں گے ہم اپنی وضع کیوں بدلیں

جناب! جوابات عرض کرنے سے پیشتر ایک گذارش کرتا ہوں۔ویسے پہلے بھی آپ کو تسلی دی تھی۔لیکن اب دوبارہ آپ کے اطمینان قلب کی خاطر لکھے دیتا ہوں۔کہ آپ انجام کے بارے میں بالکل نہ سوچیں کہ اگر میں نے تسلیم کر لی تو شاید اقتدار میں کوئی فرق آنے کا احتمال ہوگا۔یا مقلدین کی فہرست میں نام کہیں نیچے کی سطر میں نہ چلا جائے۔میں نے اس سے پیشتر بھی کہا تھا کہ آپ مقلّد ہی رہیں گے۔مجتہد نہیں بنیں گے۔آپ نے یہ طویل تحریر بھیج کر اپنی ذہنی تسکین مہیا کرنے کی کوشش تو کی ہے۔لیکن یہ یاد رکھئے' کہ ایسی ویسی باتیں جو آپ نے لکھی ہیں ان سے قطعاً کوئی سوال حل نہیں ہوا۔جو اس سے بیشتر آپ سے پوچھے گئے تھے۔اور نہ ہی ایسی باتیں بنانے سے بیس تراویح سنت ثابت ہو سکیں گی۔اگر آپ اس بات پر ادھار کھائے بیٹھے ہیں کہ حق کو تسلیم ہی نہیں کرنا' بلکہ جو حق بات ہماری مرضی کے موافق ہوگی وہی قابل تسلیم ہو سکتی ہے۔پھر تو آپ کے بارے میں یہی کہنا پڑے گا ؎

دین کو نفس کی خواہش کے مطابق ڈھالو
ان کا مقصد ہے یہی فہم و فراست والو

(۱) آپ نے تو اتنی باتیں لکھ دی ہیں اور مجھے علمی معیار پر بھی آزما رہے ہیں۔ کیا آپ کے نزدیک صحیح علمی معیار یہی ہے کہ قیام رمضان کو صلوٰۃ تراویح تسلیم نہ کیا جائے۔ جناب کے اس رقعہ کے ایک جملہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ قیام رمضان اور صلوٰۃ تراویح کو الگ الگ نمازیں خیال کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ جملہ یہ ہے۔ کہ گفتگو صلوٰۃ تراویح کے بارہ میں ہے نہ کہ قیام رمضان کے بارہ میں''۔ البتہ آپ کے اسی رقعہ کے دو اور جملوں سے معلوم ہوتا ہے کہ صلوٰۃ تراویح پر قیام رمضان کا اطلاق ہوسکتا ہے۔ چنانچہ وہ دو جملے یہ ہیں:۔

(۱) ''جو اس حدیث عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو قیام رمضان کے بارہ میں نہ ذکر کے اور صلوٰۃ تہجد وغیرہ سے متعلق ابواب میں ذکر کر کے سمجھا رہے ہیں ... الخ''۔

(۲) ''نہ اس میں صلوٰۃ تراویح کا لفظ نہ ہی قیام رمضان کا''۔

دیکھئے جناب ان دونوں جملوں سے یہ بات واضح ہو رہی ہے کہ آپ کے ہاں صلوٰۃ تراویح پر قیام رمضان کا اطلاق ہوسکتا ہے۔ لیکن آپ ہی جو ان جملوں سے چند سطور پہلے یہ راگ الاپ رہے ہیں کہ ''گفتگو صلوٰۃ تراویح کے بارہ میں ہے نہ کہ قیام رمضان کے بارہ میں''۔ تو واقعی آپ کو اس تضاد بیانی کی داد دینی چاہیے۔ شاید آپ تو اسے بھی علمی معیار سے ہی تعبیر فرماتے ہونگے۔ بہت خوب!

مزید برآں یہ کہ اگر ہم عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث استدلال میں پیش کریں۔ تو آپ فرمائیں کہ اس میں تو صلوٰۃ تراویح کا لفظ ہی نہیں۔ تو بتایئے جناب آپ کی پیش کردہ حدیث باوجودیکہ مجہول السند ہے۔ کیا صلوٰۃ تراویح کے لفظ پر مشتمل ہے؟ نہیں جناب نہیں۔ تو بتایئے آپ کا استدلال کیونکر درست ہوسکتا ہے؟ اگر ہم کہیں کہ امام بیہقی رحمہ اللہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کو قیام رمضان کے باب

میں ذکر فرمایا ہے۔تو جناب یوں گویا ہوں!'' کہ اس حدیث کا قیام رمضان کے باب میں مذکور ہونا اس کے صلوٰۃ تراویح کے بارے میں ہونے پر دلالت نہیں کرتا۔ نیز گفتگو صلوٰۃ تراویح کے بارہ میں ہے۔نہ قیام رمضان کے بارہ میں''۔تو جناب بتایئے آپ کی پیش کردہ مجہول السند موہوم حدیث کا قیام رمضان کے باب میں مذکور ہونا'' جب کہ صلوٰۃ تراویح کا لفظ بھی اس میں موجود نہیں'' کیونکر تراویح پر دلالت کرسکتا ہے؟ کیا جب اپنی باری آئے تو گفتگو کہیں قیام رمضان کے بارہ میں تو نہیں ہو جاتی۔خیر وہ اپنی بات ہے۔ٹھیک! علمی معیار پر بہت خوب۔دراصل بات یہ ہے قاضی صاحب کو اپنی عمارت چوراہے پر گرتی نظر آرہی ہے۔اس لئے انہیں ایسے تکلّفات برداشت کرنے میں بھی باک نہیں۔جناب میری مانیئے اور اپنے بزرگ محترم قاضی شمس الدین صاحب مدظلہ کی طرح فرمادیجئے کہ'' آٹھ رکعت سنت ہیں'' تاکہ ان تکلفات سے تو کم ازکم آپ کو نجات مل جائے۔

اچھا! اگر واقعی آپ کا یہی نظریہ ہے کہ گفتگو صلوٰۃ تراویح کے بارہ میں ہے نہ کہ قیام رمضان کے بارہ میں تو بتایئے کہ حضور ﷺ نے قیام رمضان کس وقت کیا؟ اور تراویح کس وقت ادا فرمائیں؟ اور رمضان المبارک میں حضور نے تہجد کس وقت پڑھی؟ پھر تینوں کی کتنی کتنی رکعتیں تھیں؟ اگر آپ میرا یہ سوال حل کر دیں تو میں آپ کا ازحد ممنون ہوگا۔ نیز ان تینوں کی باہم دیگر نسبت بھی تحریر فرمادیں۔تاکہ مسئلہ اچھی طرح واضح ہو جائے۔بے شک آپ اسے فقیہانہ انداز میں پیش فرمائیں۔کوئی مضائقہ نہیں۔

(۲) آپ نے ارشاد الساری شرح صحیح بخاری سے علامہ قسطلانی کا قول نقل فرمایا ہے۔جسے شاید آپ نکتہ دقیقہ عجیبہ سمجھے بیٹھے ہیں وہ یہ کہ ''حَمْلَه أَصْحَابُنَا عَلَى الْوِتْرِ'' کہ اس حدیث عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو ہمارے اصحاب صلوٰۃ تہجد پر حمل کرتے ہیں....الخ۔

اوّلاً دیکھئے جناب! آپ وتر کا معنی صلوٰۃ تہجد بتلا رہے ہیں۔ حالانکہ وتر آپ کے ہاں صرف تین ہیں۔ اور حضرت عائشہ صدیقہ کی حدیث میں گیارہ کا ذکر ہے۔ جناب آپ کے ہاں گیارہ رکعت وتر بننے کی گنجائش ہے؟

ثانیاً۔ وتر حنفی مسلک کے مطابق تو واجب ہیں۔ بتائیے یہ گیارہ رکعت بھی آپ واجب ہی سمجھتے ہیں۔

ثالثاً۔ کیا وتر اور تہجد آپ کے ہاں یعنی حنفی مذہب میں ایک ہی چیز کے دو نام ہیں؟ اگر نہیں تو آپ کا ترجمہ کیونکر درست ہوسکتا ہے؟

رابعاً۔ اگر فقط وتر کا اطلاق صلوٰۃ تہجد پر ہوسکتا ہے تو صلوٰۃ تراویح پر لفظ وتر کے مطلق ہونے سے کون سا مانع ہے؟ ہوسکتا ہے جملہ **اصحابنا علی الوتر** کا ترجمہ یہ ہو کہ اس حدیث عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو ہمارے اصحاب صلوٰۃ تراویح پر حمل کرتے ہیں۔ کیونکہ امام محمد، ابن ہمام، ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ، انور شاہ کشمیری رحمہم اللہ بھی تو آخر اصحابنا سے ہی شمار ہیں۔ جو گیارہ رکعت کو سنت نبوی قرار دیتے ہیں۔ یا پھر آپ ہی فرما دیجئے کہ یہ حضرات اصحابنا سے خارج ہیں۔ امکان ہے کہ آپ کے ہاں ملک بشیر احمد صاحب، ماسٹر نصر اللہ صاحب، مولوی عباس صاحب اصحابنا میں سرفہرست ہوں۔ کیونکہ یہ بچارے بھی آخر حنفی ہی ہیں نا۔ کوئی بات نہیں۔ اچھا مولانا بتائیے؟ کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ ابن ھمام رحمۃ اللہ علیہ، ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ، انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ پر اصحابنا کا اطلاق نہیں ہوسکتا۔ تو بتلائیے اس کا اطلاق کن کن رجال پر ہے؟ پھر آپ فرما رہے ہیں "اب جناب یہ لفظ اصحاب جمع ہے۔ (واقعی لفظ اصحاب کی جمعیت آپ ہی نے بتائی ہے بھلا اصحاب کی جمعیت کسی کو معلوم تھی؟ یہی تو علمی معیار ہے) اور آپ کی انفرادی رائے پیش کر رہے ہیں دیکھئے جناب یہ کوئی انفرادی رائے ہے۔

(۳) باقی قاضی صاحب آپ نے میرے مسلک پر تو اعتراض کر لیا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ آپ کو تمام عمر یہ بھی پتہ نہ چل سکا کہ ہمارے نزدیک تو تقلید

ناجائز ہے۔ یہ جمود تقلید آپ ہی کو مبارک ہو میں نے تو آپ سے آپ کے گھر کی باتیں ہی کہی تھیں۔ مجھے کیا خبر کہ آپ اپنے گھر سے بھی نالاں ہیں۔ مجھے تو اور فکر لاحق ہو رہی ہے کہ کہیں قاضی صاحب امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تقلید کو بھی خیر باد نہ کہہ دیں۔سنت نبوی سے تو آپ کو پہلے سے ہی اعتراض ہے اور اب فقہاء احناف رحمۃ اللہ علیہ کے اقوال سے بھی منحرف ہو رہے ہیں۔آپ کو اب کوئی نئی راہ نظر آئی ہے اور اپنے علم پر فخر و ناز بھی اس قدر ہے کہ بار بار مجھے یہ کہہ رہے ہیں کہ ''تو اپنے اساتذہ کو سامنے کر دے'' ''تو جاہل ہے'' تیرے بزرگوں سے گفتگو میں خود کروں گا۔واقعی آپ داد کے مستحق ہیں۔ اور خوب داد لیجئے۔ کہ میرے متعلق ہی جاہل جاہل کی رٹ لگا رہے ہو''عجب دانا مجتہد ہو'' ہوسکتا ہے کہ کسی اصول فقہ کی کتاب میں آپ نے پڑھ لیا ہو۔کہ جاہل کو مجتہد بھی کہا جا سکتا ہے۔امکان ہے کہ آپ کے علم منطق میں جاہل و مجتہد میں تساوی کی نسبت ہو۔(العجب)

آپ نے اپنا تمام تر زور قلم صرف اس غلط پر صرف کر دیا۔کہ یہ لکھ دیا۔ ''کہ تیری خدمت کے لیے وہاں ہی ہمارا کوئی شاگرد حاضر ہو جائے گا'' آپ کے نزدیک یہی انصاف کا معیار ہے۔کہ تحریری گفتگو مجھ سے ہے اور زبانی گفتگو کے لیے آپ بڑے بڑے عالموں کی ضرورت محسوس کر رہے ہیں۔آپ عمر میں مجھ سے بڑے ہیں۔اور میں یہ اختیار آپ کو دیتا ہوں کہ مسئلہ نزاع کا تعین اور جگہ کا تعین کر لیں۔اور میں بذات خود آپ کی خاصی خدمت کروں گا۔اور تحریری طور پر تو یہ خدمت سرانجام دے ہی رہا ہوں آپ ذرا جرأت کر کے تو دیکھئے۔لیکن اگر اسی طرح آپ نے ٹالنے کی کوشش کی تو پھر یہی کہا جائے گا ؎

دل کو تیرے انداز ہی محبوب رہے ہیں

بار بار میرے بزرگوں کو بالواسطہ چیلنج دینے سے آپ کے مسائل حل نہیں ہوں گے۔اگر جرات ہے تو اُن سے کہ کر تو دیکھیں۔ابھی تو مجھ سے خلاصی کرائیں

ورنہ میرے اساتذہ کے سامنے تو حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم مدرسہ دیو بند'' بھی تاب نہیں لاسکیں گے۔ان شاء اللہ تعالیٰ بھلا قرآن وسنت کے مقابلہ میں یہاں اوروں کی کیا حیثیت ہوسکتی ہے۔ابھی تو میں نے چند آئمہ احناف رحمۃ اللہ علیہم کے اقوال ہی درج کیے ہیں اور تمام پشتیں آپ تک لانی تھیں۔کہ آپ نے صرف اتنا لکھ دینا کافی سمجھا کہ''آئمہ احناف رحمۃ اللہ علیہم کے اقوال درج کرنا آپ کو زیبا نہیں'' قاضی صاحب! اپنے علم پر اتنا نازمت کرو ابھی تک آپ کو اصول مناظرہ کی کتاب رشیدیہ پڑھنے کی ضرورت ہے۔قاضی صاحب یہ تو فرمایئے کہ خصم کے سامنے اس کے مسلمات پیش کرنا آپ کے علم مناظرہ میں قول وعمل کے تضاد سے موسوم ہے۔آپ نے رشیدیہ کا مطالعہ کیا ہوتا۔تو اس قدر شنیع غلطی نہ کرتے۔آپ حضرات کو فنون علم پر فخر تو بہت ہے اور گل یہ کھلائے جارہے ہیں آپ کا تو یہی حال ہے ؎

بہت شور سنتے تھے پہلو میں دل کا

جو چیرا تو اک قطرہ خون نہ نکلا

(۴) قاضی صاحب! واقعی آپ پتے کی بات کرتے ہیں۔مجھے تو کہہ رہے ہو کہ تم نے فقہاء احناف رحمہم اللہ کے اقوال کیوں پیش کیے ہیں۔ابھی تو لوگوں کو پتہ چلے گا کہ صرف فقہاء احناف رحمہم اللہ آئمہ احناف ہی نہیں بلکہ تمام علماء احناف بھی یہی کہتے ہیں کہ آنحضورﷺ کی تراویح گیارہ رکعت ہی ہے ہم سے تو یہ کہہ دیا کہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ' نسائی رحمۃ اللہ علیہ' ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کی کیوں بات پیش نہیں کرتے۔لیکن آپ ان لوگوں کو کیا کہیں گے جن کو حنفیت کا جامہ پہنایا ہوا ہے۔کہ آئمہ احناف نے غلط سمجھا تھا۔اور علماء احناف بھی غلطی پر ہیں۔میں نے تو اسی لیے آئمہ احناف کے اقوال درج کیے ہیں۔کیونکہ آپ کے نزدیک صرف فقہاء احناف ہی مسلّم ہیں۔اگر آپ کے مسلمات میں محدثین ہوتے (امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ' نسائی رحمۃ اللہ علیہ' ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ' وغیرہ) تو قیام رمضان اور تراویح کو الگ الگ کیوں خیال کرتے۔صرف اور صرف آپ ہی کی تسکین کے

لیے آئمہ احناف کے اقوال پیش کیے تھے۔ کیونکہ جتنا اعتماد آپ لوگوں کو آئمہ احناف کے اقوال پر ہے۔ اتنا اعتماد نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اقوال و اعمال پر شاید ہی ہو۔ اس بات کا پتہ تو آپ کی پہلی تحریر سے ہی چل جاتا ہے۔ چنانچہ آپ اس میں رقمطراز ہیں۔ اور حضور ﷺ کا فرمان ہے۔ کہ خلفاء راشدین کی سنت کو لازم پکڑو۔'' جناب نے اتنی جرأت بھی نہ کی کہ حدیث کا ابتدائی حصہ (علیکم بسنتی) کا بھی ترجمہ ہی کر دیتے۔ کیونکہ وہ بھی فرمان نبوی ہے۔ اور یہ آئمہ کا عشق نہیں تو اور کیا ہے؟ کہ آپ کی نظروں سے علیکم بسنتی کا لفظ ہی اوجھل ہو گیا۔ اچھا! اب معلوم ہوا کہ آپ ایسا بھی کر لیا کرتے ہیں۔ حضور ﷺ کے عمل پر تو آپ کڑی نظر سے تنقید کریں۔ اور پھر قول و عمل جو آئمہ احناف کے ہوں کم از کم ان پر سنت کا ناجائز لیبل لگانا تو چھوڑ دیجیے۔ اگر حضور ﷺ کا عمل آپ کے سامنے پیش کروں تو آپ کہہ دیتے ہیں۔ میں نہ مانوں۔ خلیفہ ثانی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا امر آپ کے سامنے پیش کریں تو آپ فرما دیں۔ میں نہ مانوں۔ آئمہ احناف کے اقوال پیش کریں۔ تو آپ یوں گویا ہوں کہ میں نہ مانوں۔ تم انہیں کیوں پیش کرتے ہو۔ تو پھر آپ خود ہی بتائیے کہ آپ کے مرض ''میں نہ مانوں'' کا علاج کوئی ہے بھی یا نہیں۔ تاکہ اُس طرح آپ کی تسلی کی جائے۔ افسوس کہ اس مرض پہ تو تقلید جیسا بے نظیر نسخہ (بزعم شما) بھی کارگر نہ ہو سکا اجتہاد سے تو آپ پہلے ہی بدک رہے ہیں۔

جناب اس چار ورق کی مطول بلا طائل تحریر میں رقمطراز ہیں۔ جب میں آپ کے بزرگوں کے ساتھ گفتگو کو ترجیح دیتا ہوں تو آپ کا علمی معیار واضح ہونے پر دے رہا ہوں فرمائیے حضرت صاحب! کہ جو ابتدائے رمضان سے آج تک میرے ساتھ مکالمہ کرتے رہے ہیں۔ کیا اسے آپ گفتگو نہیں سمجھتے اور اس دفعہ کی چار ورق کی تحریر بھی گفتگو سے خارج ہے کیا یہ قول و عمل کا توافق ہے؟ چہ خوب۔

ایک وقت تھا کہ حضرت صاحب بیس رکعت کو خلفاء راشدین کی سنت

بتلا رہے تھے۔اور اب یوں ترمیم کی ہے کہ یہ صحابہ کی سنت ہے اچھا! اُن صحابہؓ کے نام بتلا دیجئے؟ جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم کے برعکس بیس رکعت تراویح پڑھا کرتے تھے۔ یہ بیس رکعت نماز جو لوگ پڑھا کرتے تھے یہ کونسی نماز تھی۔ یہ رمضان میں تھی یا غیر رمضان میں؟ دن کی تھی یا رات کی؟ آپ کی عبارت سے کچھ پتہ نہیں چلتا کہ نماز کونسی تھی۔اور کن دنوں کی تھی اور کونسے خلیفہ کی سنت تھی؟ اور کیسے! یہ امر بھی وضاحت طلب ہے۔اور یوں بھی وضاحت فرمایئے کہ اس میں قیام رمضان کی بجائے صلوٰۃ تراویح کا لفظ ہو۔ کیونکہ آپ نے خود فرمایا ہے کہ ''گفتگو صلوٰۃ تراویح کے بارہ میں ہے نہ کہ قیام رمضان کے بارہ میں'' اور ساتھ ہی ساتھ اُس کی سند صحیح کرنے کی سعی فرما دینا۔اُمید ہے کہ اب آپ اتنی لمبی خاموشی اختیار نہیں کریں گے۔کہیں مجھے یہ نہ کہنا پڑے ع

منہ سے کچھ بول کہ اب ضبط پہ قابو نہ رہا

آپ غلط فہمی میں ہیں۔اور نہ ہی یہ خیال کرتے ہیں کہ کہیں یہ طعنہ زنی نہ ہو۔اور بہتان تراشی بھی تو آپ کے ہاں ایک خاص مقام رکھتی ہے۔میں نے کب مسجد میں یہ اقرار کیا تھا کہ ''ہم نہ مناظرہ کے لئے تیار ہیں اور نہ ہی تحریر کو جاری رکھیں گے'' آپ کو تو اللہ عظیم نے یہ مقام عطا کیا ہے اگر آپ دن کو رات سے تعبیر کر دیں تو یہ باور کرنے والے بھی موجود ہیں۔ ماشاء اللہ۔ٹھیک! کیونکہ میری دلیلیں حقائق پر مبنی تھیں۔اور سوال نہایت قوی تھے۔جن کا آپ کے پاس کوئی جواب نہیں اور نہ ہے۔

مجھے آپ تک پہنچنے والی روایت کے راویوں پر بھی اعتراض ہے۔کہ اُنہوں نے بھی کیسی کیسی گُل افشانیاں کی ہیں۔حالانکہ میں نے اُن سے کہا تھا کہ جیسا قاضی صاحب مناسب سمجھیں گے میں ویسا ہی کرنے کو تیار ہوں۔لیکن اس کے ساتھ ساتھ مجھے آپ کے ایجاب کی بھی داد دینی چاہیئے۔ورنہ یہ تینوں راوی (ماسٹر اللہ صاحب۔ ملک بشیر احمد صاحب اور مولوی عباس صاحب) اس لائق ہیں کہ ان سے پوچھا جائے کہ ؎

صاحب ترے ایمان کی قیمت ہے تو یہ ہے

خیر یہ باتیں مجھے اس لئے کہنا پڑی ہیں تاکہ آپ ان اُلجھنوں میں اصل مسئلہ کو حل کرنے کی کوشش کریں۔ بلکہ ناقدانہ پہلو کو چھوڑ کر حقیقت کی تلاش کریں۔ ورنہ ابھی تک تو آپ کی حالت یہی ہے ؂

تو کیوں حدیث کو سمجھا مسائل نظری
تری نظر میں ہے قرآن بھی ایک دستاویز
اُسی کے نطق کا اُم الکتاب ہے نغمہ
کہ جس نبی کے فرمان سے تجھے پرہیز
تو کررہا ہے حقائق قیاس پر محمول
تیرے قلم کی جسارت ہے کتنی مضحکہ خیز

آج ان سوالات کے علاوہ پہلے سوالات جن کے ابھی تک آپ نے جوابات دینے کی کوشش ہی نہیں کی وہ بھی ملاحظہ فرمائیں:

(۱) نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تراویح آٹھ رکعت ادا کی یا بیس رکعت؟

(۲) حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کونسی نماز پوچھی تھی؟ اس سوال کو جو آپ نے حل کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس میں آپ کو مسلّم ہے کہ سوال میں ''فی رمضان'' کا لفظ موجود ہے۔ اس میں وہ رات کی نفلی نماز تھی۔ جناب یہی نفلی نماز جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کی راتوں میں ادا کی۔ اور جس کے متعلق حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا تھا۔ اُس نماز کا نام بتایئے؟)

(۳) کیا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا جواب صحیح تھا؟

(۴) کیا امام محمد رحمۃ اللہ علیہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ 'ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ آئمہ احناف نے جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کو نبی علیہ السلام کی صلوٰۃ تراویح کے گیارہ رکعت ہونے میں نص قرار دیا درست ہے؟

(یہ سوال اس جواب کا مطالبہ کرتا ہے کہ آپ یہ تحریر فرمائیں کہ آئمہ نے غلط کہا ہے یا صحیح ؟ اور آپ کی تاویل اور اعتراضات کا جواب بھی دے دیا گیا ہے)

(۵) خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم میں سے کونسے خلیفہ بیس رکعت تراویح پڑھتے تھے؟ (آپ کو بتا دیا جاتا ہے کہ خلفاء راشدین صرف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ، حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ کو کہا جاتا ہے۔ اور ان چاروں میں سے آپ لوگ کس خلیفہ پر الزام وارد کرتے ہیں۔ کہ فلاں خلیفہ بیس رکعت تراویح پڑھا کرتے تھے۔ اور بتائیے خلیفۃ المسلمین پر الزام لگانے والا کون ہوگا؟ یہ تو صحیح حدیث پر تنقید کرنے سے آسان ہے)

(۶) سائب بن یزید کی حدیث کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ و تمیم داری کو گیارہ رکعت پڑھانے کا حکم دیا تھا۔ مؤطا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ میں بسند صحیح موجود ہے۔ آپ اپنی حدیث بھی تو مع سند و توثیق رجال درج کریں؟

(ہاں آپ جس حدیث سے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ یہ بیس رکعت تراویح خلفاء کی سنت ہے۔ اسے منظر عام پر کیوں نہیں لاتے۔ کیا اس صحیح کو بتانے کے لئے بھی جرأت کی ضرورت ہے؟)

اچھا! آخر میں ایک گذارش ہے کہ مسئلہ کو مسئلہ سمجھ کر بات کریں۔ آپ کا مقصود صرف تحقیق حق ہونا چاہیے۔ آپ ناقدانہ پہلو کی بجائے ان سوالات کے جوابات میں زور قلم آزمائیے۔ جس روز مجھے یہ رقعہ ملا ہے اسی دن آپ کے رقعہ رساں بھی ایک رقعہ لے گئے تھے۔ اور وعدہ کیا تھا کہ اس کا جواب کل مل جائے گا۔ وہ کل کب آئے گی؟ جناب کہیں تھک کر انہی لفظوں پر نہ آ جانا کہ خود کہہ اٹھیں ؎

بھید تقلید کا تدبیر سے پا ہی نہ سکے
بات بگڑی ہوئی اپنی تو بنا ہی نہ سکے

نوٹ: جناب آپ کا پانچواں رقعہ اس وقت موصول ہوا جبکہ پمفلٹ چھپ چکا

تھا۔لہٰذا آپ یہ نہیں کہہ سکتے۔کہ اُنہوں نے میرے رقعہ کو شائع کیوں نہیں کیا۔اگر کچھ کہنا ہوتو اپنے آپ کو ہی کہہ لیجئے۔کیونکہ جواب دیر سے بھیجنے والے تو آپ ہی ہیں۔ہمارا اس میں کیا قصور؟البتہ مزے کی بات تو یہ ہے کہ آپ نے جب پانچویں تحریر کا جواب نہ دیا تو بندہ نے کئی دن کی انتظار کے بعد یہی سمجھا کہ قاضی صاحب تو بالکل خاموش ہو گئے ہیں۔چنانچہ آپ کو چھٹی تحریر بھیج دی گئی۔لیکن وہ پڑھ کر بھی آپ ٹس سے مس نہ ہوئے۔تو بندہ نے پھر''جواب ندارد''تو کہنا ہی تھا۔ادھر لوگ مجبور کرنے لگے کہ اس تحریری گفتگو کو ہم تک بھی پہنچنا چاہیئے۔

لہٰذا جماعت نے فیصلہ کیا کہ اسے شائع کر دیا جائے۔حضور! آپ کا رقعہ پمفلٹ کی چھپائی کے دو یوم بعد موصول ہوا۔وگرنہ خیانت والی کوئی بات نہیں۔آپ گھبرائیں نہیں،ہم اسے دوسرے ایڈیشن میں شائع کر دیں گے۔انشاء اللہ

فقط والسلام

عبدالمنان بن عبدالحق نور پوری



دوسرا باب

آٹھ رکعت نماز تراویح سنت نبویہ ہونے کے دلائل

اور اعتراضات کے جوابات:

دلائل بیان کرنے سے قبل مناسب ہوگا کہ سنت کا شرعی مفہوم ذکر کیا جائے۔ تاکہ زیر بحث مسئلہ کو علیٰ وجہ البصیرت سمجھا جا سکے۔ علامہ شوکانی رحمتہ اللہ فرماتے ہیں:

وَاَمَّا مَعْنَاهَا شَرْعًا اَیْ فِیْ اِصْطِلَاحِ اَهْلِ الشَّرْعِ فَهِیَ قَوْلُ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَفِعْلُهٗ وَتَقْرِیْرُهٗ. (ارشاد الفحول صفحہ نمبر ۳۳ مطبوعہ مصر)

''اور لیکن اہل شرع کی اصطلاح میں سنت کا معنیٰ تو وہ نبی کریم ﷺ کا قول، عمل اور تقریر ہے''۔

آنحضرت ﷺ کا قول، آپ کا عمل اور آپ کی تقریر بھی سنت ہے۔ قول وعمل سے تو آپ لوگ واقف ہیں۔ تقریر سے مراد ہماری عرفی تقریر نہیں۔ بلکہ تقریر کا مفہوم اس جگہ یہ ہے کہ آں حضرت ﷺ کا کسی سے سرزد شدہ عمل پر مطلع ہونے کے بعد سکوت فرمانا۔ تقریر نبوی سے ثابت شدہ عمل بھی بالاتفاق سنت ہے۔ اصول فقہ کی معتبر ومستند کتاب تلویح میں ہے:۔

وَهِیَ فِی اللُّغَةِ الطَّرِیْقَةُ وَالْعَادَةُ وَفِی الْاِصْطِلَاحِ فِی الْعِبَادَاتِ النَّافِلَةِ وَفِی الْاَدِلَّةِ وَهُوَ الْمُرَادُ هٰهُنَا مَا صَدَرَ عَنِ النَّبِیِّ عَلَیْهِ السَّلَامُ غَیْرَ الْقُرْآنِ مِنْ قَوْلٍ اَوْ فِعْلٍ اَوْ تَقْرِیْرٍ.

(تلویح جلد نمبر ۲ صفحہ نمبر ۲ مطبوعہ مصر)

''اور سنت لغت میں طریقہ اور عادت کو کہتے ہیں اور اصطلاح میں نفلی

عبادات اور ادلہ کے مسائل میں سنت وہ امر ہے۔ جو قرآن کے سوا آنحضرت ﷺ سے صادر ہو خواہ قول ہو اسے حدیث کا نام دیا جاتا ہے یا فعل ہو یا تقریر''۔

سنت کا مفہوم تو آپ سمجھ گئے کہ آنحضرت ﷺ صادر شدہ قول' فعل اور تقریر کو کہتے ہیں۔ اب ذرا سنت نبویہ سے روگردانی اور بے رغبتی کرنے والے حضرات کے متعلق آنحضرت ﷺ کا فرمان ملاحظہ ہو:

فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّيْ.

''جو میری سنت سے بے رغبتی کرے وہ مجھ سے نہیں''۔

ان متذکرہ بالا باتوں کو ذہن میں رکھئے اور اصل مسئلہ کی طرف رجوع فرمائیے۔

پہلی دلیل حدیث حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا:

عَنْ اَبِیْ سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ اَنَّهٗ اَخْبَرَهٗ اَنَّهٗ سَئَلَ عَائِشَةَ كَيْفَ كَانَتْ صَلٰوةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فِیْ رَمَضَانَ فَقَالَتْ مَاكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَزِيْدُ فِیْ رَمَضَانَ وَلَا فِیْ غَيْرِهٖ عَلٰی اِحْدٰی عَشَرَةَ رَكْعَةً يُصَلِّیْ اَرْبَعًا فَلَا تَسْئَلْ عَنْ حُسْنِهِنَّ وَطُوْلِهِنَّ ثُمَّ يُصَلِّیْ اَرْبَعًا فَلَا تَسْئَلْ عَنْ حُسْنِهِنَّ وَطُوْلِهِنَّ ثُمَّ يُصَلِّیْ ثَلَاثًا قَالَتْ عَائِشَةُ فَقُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَتَنَامُ قَبْلَ اَنْ تُوْتِرَ فَقَالَ يَا عَائِشَةُ اِنَّ عَيْنَیَّ تَنَامُ وَلَا يَنَامُ قَلْبِیْ.

(بخاری صفحہ نمبر ۱۵۴ جلد نمبر ۱ مسلم صفحہ نمبر ۲۵۴ جلد نمبر ۱ موطا مالک صفحہ نمبر ۱۰۲ ابوداؤد صفحہ نمبر ۱۳۳ جلد نمبر ۱' ترمذی صفحہ نمبر ۵۸۷ ۹۹ جلد نمبر ۱' نسائی صفحہ نمبر ۲۰۰ جلد نمبر ۱' سنن الکبریٰ للبیہقی صفحہ نمبر ۴۹۶ جلد نمبر ۲ موطا امام محمد)

ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن سے روایت ہے کہ اُنہوں نے اپنے شاگرد کو بتایا' کہ اس نے

ا؎ اور اس جگہ یہی مراد ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا' پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی رمضان المبارک میں نماز کیسی تھی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا۔'' پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم رمضان وغیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ کچھ نہیں پڑھا کرتے تھے۔ آپ چار رکعت پڑھتے تو اُن چار رکعت کی' طوالت وخوبی نہ پوچھ پھر آپ چار رکعت پڑھتے تو اُن کی طوالت وخوبی نہ پوچھ۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے پوچھا۔'' اے اللہ کے رسول کیا آپ وتر پڑھنے سے پہلے سوتے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا اے عائشہ میری آنکھیں تو سو جاتی ہیں اور دل نہیں سوتا۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے محدثانہ وفقہیانہ مقام سے کون ناآشنا ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی بعض مسائل میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی طرف رجوع فرمایا کرتے تھے۔ پھر پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات سے بھی وہ خوب آگاہ تھیں۔ خصوصاً شب کے حالات تو شاید ہی کوئی اُن سے بڑھ کر جانتا ہو گا۔ مزید براں یہ کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی مندرجہ بالا حدیث مندرجہ بالا آٹھ کتابوں کے علاوہ اور بھی کتب حدیث میں موجود ہے۔ اور اس کے مرفوع اور صحیح ہونے میں دُنیا کے تمام محدثین کا اتفاق ہے۔ نیز یہ فعل مرفوع تصریحی حدیث اپنے مفہوم میں بالکل واضح ہے۔ کہ حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رمضان میں نفلی نماز دریافت فرمائی تھی۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے انھیں جواب دیا۔'' پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم رمضان وغیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زائد کچھ نہیں پڑھا کرتے تھے''۔

اس حدیث میں یہاں پر دو غور طلب سوالات پیدا ہوتے ہیں:

۱۔ حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کا سوال کونسی نماز کے متعلق تھا۔

۲۔ آیا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے جواب سے سائل کا سوال حل ہو گیا؟

حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کے سوال کی عبارت یہ ہے؟ كَيْفَ كَانَتْ صَلٰوةُ

رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ فِیْ رَمَضَانَ کہ پیغمبر خدا ﷺ کی رمضان میں نماز کیسی تھی؟ یہاں یہ معاملہ حضرت قاضی صاحب مدظلہ العالی کے سپرد کر دیتا ہوں۔ قاضی صاحب کو تسلیم ہے کہ حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کا سوال رات کی نماز کے متعلق تھا دن کی نماز کے متعلق نہیں۔ اسی طرح قاضی صاحب مدظلہ العالی یہ بھی تسلیم کرتے ہیں۔ کہ حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کا سوال نفلی نماز کے متعلق فرضی کے متعلق نہیں۔ ماشاء اللّٰہ.

قاضی صاحب اور دو باتوں کو تسلیم فرما چکے ہیں کہ حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کا سوال رات کی نماز کے متعلق تھا اور نفلی نماز تھی۔ رہی تیسری بات کہ حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کا سوال آنحضرت ﷺ کی سارے سال کی نماز سے تھا یا کسی ایک خاص مہینے کی نماز کے متعلق۔ تو جناب سے گذارش کروں گا کے وہ ایکبار پھر سوال کی عبارت پڑھنے کی زحمت گوارا فرمائیں۔

كَيْفَ كَانَتْ صَلٰوةُ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ فِیْ رَمَضَانَ.

پیغمبر خدا ﷺ کی رمضان میں نماز کیسی تھی؟ یہاں پر یہ بات واضح ہے کہ حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ کی سارے سال کی نماز نہیں پوچھی۔ بلکہ صرف رمضان المبارک کی نماز پوچھ رہے ہیں۔ سوال کے الفاظ "في رمضان" آپ کے یقین میں اضافہ کر رہے ہیں۔ کہ واقعی حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ کی صرف رمضان المبارک ہی کی نماز پوچھی ہے۔ سوال نہ ہی سارے سال کی نماز کے متعلق ہے اور نہ ہی رمضان کے علاوہ کسی اور مہینہ کے متعلق۔ اب قاضی صاحب کی دونوں مسلمہ باتوں کے پیش نظر حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کا سوال یوں ہو گا۔ آنحضرت ﷺ کی رمضان میں رات کی نفلی نماز صلوٰۃ التراویح ہی ہوتی ہے کیونکہ حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ نے رات کی اس نفلی نماز کے متعلق پوچھا تھا۔ جو رمضان المبارک سے مخصوص ہے۔ معلوم ہوا کہ حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ نے آنحضرت کی نماز تراویح ہی کے متعلق پوچھا تھا۔ کیونکہ یہاں پر وہ رمضان کی تخصیص فرما رہے ہیں۔ ایک دفعہ پھر غور

کیجئے کہ حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ نے رات کی نماز پوچھی تھی۔مراد نفلی نماز تھی۔اور رمضان المبارک کے مہینہ کی نماز تھی۔اب آپ یقیناً اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کی سوال کردہ نماز صلوٰۃ التراویح ہی تھی۔البتہ اب قاضی صاحب ایسے فاضل بزرگ سے پوچھنا ہوگا کہ وہ یہ تو تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رمضان میں رات کی نفلی نماز پوچھی تھی۔اور ساتھ ساتھ یہ رٹ بھی لگاتے ہیں کہ حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کی سوال کردہ نماز تراویح نہیں۔کوئی اور نماز مراد ہے۔تعجب بالائے تعجب اس لیئے ہے کہ حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کی سوال کردہ نماز تہجد کہہ رہے ہیں۔حالانکہ سوال میں رمضان کا لفظ آچکا ہے۔اور تہجد صرف رمضان سے مخصوص نہیں ؎

ایں چہ ابوالعجبی است

ان کا معاملہ وہی ہے ؎

منہ میں جو آتا ہے فی الفور کہہ دیتے ہیں
بات کہنے کی نہیں اور کہے دیتے ہیں

آپ نے جائزہ لے لیا کہ حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کا سوال صرف نماز تراویح کے متعلق ہی تھا۔اب غور طلب بات یہ ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے جواب سے سائل کا سوال حل ہو گیا؟ تو قاضی صاحب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے جواب کے الفاظ یہ ہیں۔

مَاکَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ یَزِیْدُ فِیْ رَمَضَانَ وَلَا فِیْ غَیْرِهٖ عَلٰی اِحْدٰی عَشْرَةَ رَکْعَةً .... الخ.

”پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم رمضان وغیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زاید کچھ نہیں پڑھا کرتے تھے“۔

غور کیجئے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سائل کو دو باتیں بتلائیں:

ا۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں گیارہ رکعت سے زاید کچھ نہیں پڑھا کرتے تھے

اور یہی بات حضرت ابوسلمہ کے سوال کا جواب ہے۔

۲۔ آنحضرت ﷺ غیر رمضان میں بھی گیارہ رکعت سے زائد کچھ نہیں پڑھا کرتے تھے۔ یہ بات حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کے سوال سے زائد ہے اور یہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی کمال فراست ہے کہ انہوں نے اس خیال سے کہ اگر اسے صرف رمضان کی نماز بتاؤں تو ہوسکتا ہے کہ یہ پھر غیر رمضان کی نماز کے متعلق سوال کردے۔ اس لئے بہتر یہ سمجھا کہ رمضان اور غیر رمضان کی نماز ایک ساتھ ہی بتادی جائے۔ تاکہ دوبارہ دوسرے سوال کی ضرورت محسوس نہ ہو۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کو غیر رمضان کی نماز بھی بتلادینا وسعت فراست ہے۔ اس سے حضرت ابوسلمہ کے سوال حل ہونے میں کوئی نقص وارد نہیں ہوا۔

قارئین! آپ غور فرماچکے ہیں کہ حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کا سوال صلوٰۃ التراویح کے متعلق ہی تھا۔ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ابوسلمہ کو آنحضرت ﷺ کی نماز تراویح بھی بتلائی کہ وہ گیارہ رکعت سے زائد نہ تھی۔ اور یہ بھی بتایا کہ آنحضرت ﷺ کی رات کی نفلی نماز غیر رمضان میں بھی گیارہ رکعت سے زائد نہ تھی۔ اس سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی نماز تراویح بمعہ وتر گیارہ رکعت سے زائد نہ تھی۔ اور گیارہ رکعت نماز تراویح وتر سمیت ہی آنحضرت ﷺ کی سنت ہے۔ کیونکہ یہ آپ کا عمل ہے۔ اور آنحضرت ﷺ کا عمل بالاتفاق سنت ہے کیونکہ ؎

پیغمبر کا عمل خود حکم شرعی کے برابر ہے
اسی نکتے پہ اوّل روز سے اجماع امت ہے

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی متذکرہ بالا صحیح مرفوع تصریحی حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ گیارہ رکعت نماز تراویح بمع وتر آنحضرت ﷺ کی سنت ہے۔

برادران من! غور کیجئے کہ ایک طرف حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا متذکرہ بالا بیان کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رمضان المبارک میں بھی گیارہ رکعت پر اضافہ نہیں فرمایا کرتے تھے۔ دوسری طرف دیوبندی مقلدین کا تجزیہ یہ ہے دعویٰ یوں ہوتا ہے کہ بیس رکعت نماز تراویح ہی نبی علیہ السلام کی سنت ہے۔ اور اقرار یوں بھی فرمالیتے ہیں۔ کہ ''رکعات کا عدد کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں''۔ اب نہ معلوم اقرار کے بعد بیس رکعت نماز تراویح سنت نبویہ کی رٹ کیوں لگائی جاتی ہے ''اقرار'' کو پس پشت ڈال کر دعویٰ کرنا ان لوگوں کا شعار بنا ہوا ہے۔

رحمت حق نے لیا ڈھانپ صدا دے دے کر
کس ادا سے کیا اقرار گنہگاروں نے!

یہی وجہ ہے کہ ان لوگوں کو اپنے دعویٰ کو سچ کرنے کی خاطر قرآن و حدیث کے واضح مفہوم میں تحریف کرنا پڑتی ہے۔ قاضی صاحب کو بھی قرآن وحدیث پر کچھ گلا ہے کہ وہ اس قدر واضح کیوں ہیں۔ چنانچہ ایڑی چوٹی کے زور سے یہی کوشش ہوتی ہے کہ قرآن وسنت کسی طرح ان کے دعویٰ کی تائید کر دیں۔ قرآن وسنت پر جب اعتراض ہوتا ہے تو گویائی کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ اب قاضی صاحب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں شکایات کا یوں اظہار فرماتے ہیں۔ اُن کا اعتراض درج کرنے سے پیشتر سوچتا ہوں

مشفق لکھوں، شفیق لکھوں، دلربا لکھوں؟
حیرت میں ہوں کہ آپ کے القاب کیا لکھوں

قاضی صاحب مدظلہ العالی کا اعتراض:

فرماتے ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں تراویح کا ذکر نہیں ہوا۔ علامہ قسطلانی شافعی فرماتے ہیں: حَمَلَهُ اَصْحَابُنَا عَلَى الْوِتْرِ کہ حدیث عائشہ کو ہمارے اصحاب صلوٰۃ تہجد پر حمل کرتے ہیں۔ حدیث عام ہے۔ اور دعویٰ خاص۔

پہلا جواب:

۱۔مذکورہ بالا اعتراض کی بنیاد صرف اس بات پر ہے کہ آنحضرت ﷺ رمضان المبارک میں تراویح اور تہجد الگ الگ پڑھا کرتے تھے اس لئے قاضی صاحب سے یہ توقع کی جائے گی کہ وہ پہلے آنحضرت ﷺ کا رمضان المبارک میں تراویح اور تہجد الگ الگ پڑھنا ثابت کردیں اور تب یہ اعتراض ہو سکے گا۔

دوسرا جواب:

۲۔آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ اس عتراض کی بنیاد رمضان میں تراویح اور تہجد الگ الگ ہونے پر ہے۔لیکن آنحضرت ﷺ کا رمضان المبارک میں تراویح اور تہجد الگ الگ پڑھنا نہیں ملتا۔اس معاملہ میں قاضی صاحب کے بزرگ حضرت مولانا سید انور شاہ صاحب کاشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وَلَمْ يَثْبُتْ فِيْ رِوَايَةٍ مِنَ الرِّوَايَاتِ اَنَّهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ صَلَّى التَّرَاوِيْحَ وَالتَّهَجُّدَ عَلٰى حِدَةٍ مِنْ رَمَضَانَ. (العرف الشذی)

اور کسی ایک روایت سے بھی ثابت نہیں کہ آنحضرت ﷺ نے رمضان میں تراویح اور تہجد الگ الگ پڑھی ہو۔لہٰذا یہ اعتراض ساقط ہوا۔

تیسرا جواب:

نوٹ: قاضی صاحب جب تک بقید حیات ہیں۔اگر آنحضور ﷺ کا رمضان میں تراویح اور تہجد الگ الگ پڑھنا ثابت کردیں۔تو خاطر خواہ بلکہ منہ مانگا انعام دیا جائے گا۔

تیسرا جواب:

۳۔قاضی صاحب مدظلہ العالی کو یہ بھی اعتراض ہے کہ حدیث عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا میں وارد شدہ لفظ ''غیر رمضان'' کیوں ہے؟اس اعتراض کی بنیاد لفظ ''غیر رمضان'' پر رکھانا درست نہیں۔کیونکہ اس حدیث میں لفظ ''غیر رمضان آجانے سے یہ

لازم تو نہیں آتا کہ اس حدیث میں رمضان کا ذکر بھی نہیں ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ اس حدیث میں آنحضرت ﷺ کی رمضان کی راتوں کی نفلی نماز اور رمضان کے علاوہ دیگر راتوں کی نفلی نماز کا ذکر ہے۔ کہ وہ گیارہ رکعت سے زائد نہ تھی۔ اب نہ معلوم قاضی صاحب کو اپنے مفاد کی اتنی کیوں فکر ہے کہ اول الذکر نماز کو محض مفاد کے پیش نظر درخور اعتناء نہیں سمجھ رہے۔ یا پھر اس مصرع کا مصداق بننا چاہیں گے ؎

جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

چوتھا جواب:

۴۔ قاضی صاحب کے زعم کے مطابق آنحضرت ﷺ کی نماز تراویح بیس رکعت ہے۔ اور آپ کی رمضان المبارک میں صلوٰۃ تہجد گیارہ رکعت ہے۔ تو قاضی صاحب کے ہاں آنحضرت ﷺ کی رمضان کی راتوں میں ادا کردہ کل نفلی نماز بیس جمع گیارہ اکتیس رکعت ہوئی۔ یہ بھی کیسا لطیفہ ہوا۔ حالانکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ پیغمبر خدا ﷺ کی رمضان کی راتوں میں کل نفلی نماز گیارہ رکعت سے زائد نہ تھی۔ یہاں پر یہی کہنا پڑے گا ؎

ذرا چشم بصیرت کھول کر دیکھو مسلمانو!
یہ اعجاز پیغمبر ہے حدیث خاتم الرسل

ناظرین آپ خود فیصلہ کیجئے کہ قاضی صاحب کے مقلد بننا چاہتے ہیں۔ یا ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بیان کو اپنانا چاہتے ہیں۔ اطمینان سے سوچنے پر مسئلہ خود بخود حل ہو جائے گا۔

پانچواں جواب:

۵۔ یہ بات تو واضح ہوگئی ہے کہ حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے آنحضرت ﷺ کی نماز تراویح ہی پوچھی تھی۔ ورنہ انہیں ''رمضان'' کو مخصوص کرنے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ قاضی صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ

صدیقہ رضی اللہ عنہا کے جواب میں تراویح کا نام ونشان تک نہیں۔غور فرمایئے یہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی ذات گرامی پر کہیں ناروا حملہ تو نہیں۔یہاں پر قاضی صاحب سے عرض کروں گا کہ وہ مجبور ہیں اور آپے سے باہر ہو رہے ہیں۔تو اپنے کسی حریف کو بُرا بھلا کہہ کر پیدا شدہ تاثرات کو زائل کرنے کی کوشش کریں۔لیکن ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو تو ''سوال گندم جواب چنا'' کا مصداق نہ بنائیں۔مومنوں کی ماں کا کچھ تو احترام کریں۔ایسی جسارت آپ کے شایان شان نہ ہوگی۔آپ ایسی کج فہمی سے پرویزیت کو فروغ مت دیجئے گا۔

چھٹا جواب:

۶۔قاضی صاحب نے علامہ قسطلانی شافعی کا قول نقل فرمایا ہے ''حملہ اصحابنا علی الوتر'' ہمارے اصحاب حدیث عائشہ کو تہجد پر حمل کرتے ہیں۔اب قاضی صاحب کو اپنا دعویٰ سچ کرنے کی خاطر حنفیت سے فرار ہونا پڑا۔اور شافعیت کا جامہ پہننے کی سعی رہی۔میں ان کو یاد دلاتا ہوں کہ وہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے مقلد ہیں۔مجتہد نہیں۔مسلم الثبوت میں ہے۔ وَاَمَّا الْمُقَلِّدُ فَمُسْتَنَدُهٗ قَوْلُ مُجْتَهِدِهٖ لَا ظَنُّهٗ وَلَا ظَنَّهٗ صفحہ نمبر پانچ یعنی مقلد کا مستند اس کے مجتہد کا قول ہے۔جس کی وہ تقلید کرتا ہے۔اب قاضی صاحب کو اپنے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے کوئی قول نقل کرنا چاہیے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث تہجد پر محمول ہے۔علامہ قسطلانی کا قول ان کے لیے سند نہیں ہوسکتا۔قاضی صاحب ؎

مشکل بہت پڑے گی برابر کی چوٹ ہے
آئینہ دیکھئے گا ذرا دیکھ بھال کر

ساتواں جواب:

۷۔فقہ حنفی کی معتبر و مستند کتاب قدوری کنز الدقائق صفحہ نمبر ۵۳ شرح وقایہ صفحہ نمبر ۱۹۹ جلد نمبر ۱ اور ہدایہ کالقران عند مقلدی النعمان رحمہ اللہ صفحہ نمبر ۱۴۴ جلد نمبر ۱ ہے۔

"اَلْوِتْرُ ثَلٰثُ رَکَعَاتٍ" وتر تین رکعت ہیں۔لفظ ثلث (تین) اہم عدد ہے اور اپنے مفہوم میں خاص ہے۔ایک دفعہ مسئلہ ثلٰثہ قروء پر بھی نظر ڈال کر دیکھ لیجئے۔احناف کے نزدیک وتر تین رکعت سے کم ہیں اور نہ تین رکعت سے زائد۔اب قاضی صاحب بتائیں گے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں واردشدہ گیارہ رکعت کو اُن کے نزدیک وتر کہنا کیسے درست ہوا؟

آٹھواں جواب:

۸۔علامہ قسطلانی شافعی نے حَمَلَهٗ اَصْحَابُنَا عَلَی الْوِتْرِ فرمایا ہے۔اور حمله اصحابنا علی الوتر فی رمضان نہیں فرمایا۔جس کا مطلب واضح ہے کہ علامہ قسطلانی شافعی فرمارہے ہیں کہ ہمارے اصحاب نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کونماز وتر پر محمول کیا ہے خواہ وہ نماز وتر رمضان کی ہو یا غیر رمضان کی۔ ہمارے نزدیک آنحضرت ﷺ کی رمضان میں راتوں کوادا کردہ نفلی نماز کوتراویح بھی کہا جاسکتا ہے۔اس کے علاوہ وتر تہجد'صلوٰۃ اللیل' قیام اللیل اور قیام رمضان بھی کہہ سکتے ہیں۔ بلکہ محققین احناف بھی اس کے قائل ہیں۔واضح ہو کہ علامہ قسطلانی شافعی کا فرمان ہمارے مخالف نہیں ہے۔البتہ اتنا افسوس ضرور ہے کہ قاضی صاحب کواس سے ذرہ برابر بھی فائدہ نہ ہوسکا۔

نواں جواب:

۹۔حدیث کے تمام ہونے سے ہمارے استدلال میں کوئی ضعف نہیں آتا۔کیونکہ عام سے خاص پر استدلال درست ہے اور آئمہ احناف بھی اس کے قائل ہیں۔تب ہی اصول فقہ حنفی میں عام اور خاص کے مابین تعارض کو درست قرار دیا گیا ہے۔پھر شکل اوّل میں شرطہ کلیتہ کبریٰ بھی اس چیز کو بتلا رہی ہے کہ عام سے خاص پر استدلال کرنا طبعی امر ہے۔تعجب یہ ہے کہ قاضی صاحب کا مسلک ہے اگر کوئی آدمی بلا جماعت نماز تراویح پڑھے۔تو اس کے لیے سورۃ فاتحہ پڑھنا واجب ہے اور یہاں

پر حضرت دلیل یہ دیتے ہیں۔ لَا صَلٰوۃَ لِمَنْ لَّمْ یَقْرَءْ بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ. اس دلیل میں بالخصوص نماز تراویح کا نام ونشان تک نہیں ہے۔کیا قاضی صاحب بتائیں گے کہ یہاں پر عام سے خاص پر استدلال درست ہوا؟

دسواں جواب:

۱۰۔امام محمد رحمۃ اللہ علیہ علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ امام ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اور قاضی صاحب کے دیگر بزرگ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی مذکورہ حدیث سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صلوٰۃ التراویح پر استدلال فرما چکے ہیں۔اب دیکھتے ہیں کہ قاضی صاحب کتنی دیر تک اپنے بزرگوں کے استدلال کو ٹھکرانا پسند کریں گے۔

"تِلْکَ عَشْرَۃٌ کَامِلَۃٌ".

قاضی صاحب کا اعتراض:

فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی حدیث سے یہ بات واضح ہو رہی ہے کہ سارے سال میں وتر تین ادا ہوتے تھے۔اور غیر مقلدین کے ہاں متروک ہے۔

الجواب:

تین وتر اہلحدیث کے ہاں متروک نہیں بلکہ معمول بہ۔ ہیں باقی سارے سال والی بات۔تو وہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی مذکورہ بالا حدیث میں نہیں۔وہ تو قاضی صاحب کے ہاتھ کی صفائی کا ثمرہ ہے۔بلکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ایک اور حدیث مروی ہے:

وَعَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ یُصَلِّیْ مَا بَیْنَ اَنْ یَّفْرِغَ مِنْ صَلَاۃِ الْعِشَاءِ اِلَی الْفَجْرِ اِحْدٰی عَشَرَۃَ رَکْعَۃً یُسَلِّمُ بَیْنَ کُلِّ رَکْعَتَیْنِ وَیُوْتِرُ بِوَاحِدَۃٍ .... الخ. (متفق علیہ)

اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نماز عشاء سے فراغت اور فجر کے مابین گیارہ رکعت نماز پڑھتے ہر دو رکعت کے

بعد سلام پھرتے اور ایک رکعت وتر پڑھتے۔

آپ نے دیکھ لیا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا خود فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وتر ایک رکعت پڑھ لیا کرتے تھے۔ یہ جانتے ہوئے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کیسے فرما سکتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سارا سال تین وتر ادا کرتے ہیں۔ بحمد اللہ اہلحدیث ہی ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی مذکورہ بالا دونوں حدیثوں اور ایک وتر کی دیگر احادیث پر عمل کرتے ہیں۔ اس کے برعکس مقلدین حضرات ایک رکعت کو نماز نہ سمجھتے ہوئے ایک وتر کی تمام احادیث سے رد گردانی کئے جا رہے ہیں اور الزام دوسروں کو۔ کیسی جرأت ہے؟ اَلْمَرْءُ یَقِیْسُ عَلٰی نَفْسِہٖ. بالکل وہی معاملہ ہے ان کا ۔

یہ الزام ہم کو دیتے تھے قصور اپنا نکل آیا

قاضی صاحب کا اعتراض:

جناب فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے یہ بات واضح ہو رہی ہے کہ ''سارے سال میں چہار چہار رکعت اکٹھی ادا ہوتی تھیں'' اور یہ بھی غیر مقلدین کے ہاں متروک ہے۔

الجواب:

اہلحدیث کے نزدیک نہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث متروک ہے نہ ہی کوئی اور حدیث۔ نہ معلوم قاضی صاحب اس قسم کی غلطی بیانی کے کیوں درپے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ یہ لوگ دوسروں کو اپنے آئینہ میں دیکھتے ہیں۔ رہی سارا سال چار رکعت اکٹھی ادا ہونے والی بات۔ تو یہ حدیث میں کہیں مذکور نہیں اور نہ ہی حدیث کا مفہوم ایسا ہے۔ بلکہ یہ قاضی صاحب نے ماشاء اللہ اپنی طرف سے اضافہ فرمایا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہی فرماتی ہیں:

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

يُصَلِّيْ مَا بَيْنَ اَنْ يَّفْرُغَ مِنْ صَلَاةِ الْعِشَاءِ اِلَى الْفَجْرِ اِحْدٰى عَشْرَةَ رَكْعَةً يُسَلِّمُ بَيْنَ كُلِّ رَكْعَتَيْنِ .... الخ. (متفق علیہ)

''اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نماز عشاء سے فراغت اور فجر کے درمیان گیارہ رکعت نماز پڑھتے اور ہر دو رکعت کے بعد سلام پھیرتے''۔

آپ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا ارشاد گرامی تو پڑھ لیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز عشاء سے فراغت اور فجر کے درمیان گیارہ رکعت نماز پڑھتے اور ہر دو رکعت میں سلام پھیرتے۔ قاضی صاحب کی نظر سے شاید احادیث مشکل سے گزرتی ہوں گی۔ تبھی تو ''سارے سال میں چہار چہار رکعت اکٹھی ادا ہوتی تھیں'' کی رٹ لگائی جارہی ہے۔ حیف صد حیف کہ یہ لوگ حدیث سے اضافہ ایسا ناروا سلوک کرنے سے باز نہیں آتے۔ ان کو یہ معلوم نہیں کہ اپنی طرف سے حدیث میں اضافہ کرنے والا کس جرم کا مرتکب ہوتا ہے۔ لیکن ان حضرات کی ہوشیاری اس میں ہے کہ ''اُلٹا چور کوتوال کو ڈانٹے'' الزام دیتے ہیں۔ اہلحدیث کو۔ اللہ تعالیٰ کا ہزار شکر ہے کہ ہمارے مسلک میں پیغمبر خدا کے ارشادات میں ایسی حیلہ سازیاں نہیں ہیں ؎

ما اہلحدیثیم دغا را نشناسیم!
صد شکر کہ در مذہب ما حیلہ وفن نیست

سارے سال میں تین وتر اور چار چار رکعت اکٹھی ادا ہوتی تھیں۔ قاضی صاحب کی دونوں باتوں پر چھٹے بات میں مزید بحث ملاحظ فرمایئے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث پر قاضی صاحب کے وارد کردہ تمام اعتراضات کا جواب دے دیا گیا ہے۔ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی فعلی مرفوع تصریحی باتفاق محدثین صحیح حدیث سے ثابت ہوا کہ مسنون صلوٰۃ تراویح بمع وتر گیارہ رکعت ہی ہے۔ اس سے زائد نہیں۔ کیونکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم رمضان اور غیر

رمضان میں گیارہ رکعت پر اضافہ نہیں فرماتے تھے۔اور ہمارا اس پر ایمان وعمل ہے ۔

نہ شبنم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم
چوغلام آفتابم ہمہ ز آفتاب گویم

دوسری دلیل حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مسجد میں نماز تراویح ادا کرنے کے متعلق ہے۔لہٰذا پہلے اس حدیث کا نقل کرنا بے جا نہ ہوگا:

عَنْ عَائِشَةَ اُمِّ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ صَلّٰی ذَاتَ لَيْلَةٍ فِي الْمَسْجِدِ فَصَلّٰی بِصَلَاتِهٖ نَاسٌ ثُمَّ صَلّٰی مِنَ الْقَابِلَةِ فَكَثُرَ النَّاسُ ثُمَّ اجْتَمَعُوْا مِنَ اللَّيْلَةِ الثَّالِثَةِ اَوِالرَّابِعَةِ فَلَمْ يَخْرُجْ اِلَيْهِمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَلَمَّا اَصْبَحَ قَالَ قَدْ رَاَيْتُ الَّذِیْ صَنَعْتُمْ وَلَمْ يمنعني مِنَ الْخُرُوْجِ اِلَيْكُمْ الا اِنِّیْ خَشِيْتُ اَنْ يُّفْرَضَ عَلَيْكُمْ وَذَالِكَ فِيْ رَمَضَانَ. (متفق علیہ)

''ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رات مسجد میں نماز پڑھی تو آپ کی اقتداء میں لوگوں نے بھی نماز پڑھی پھر آئندہ رات آپ نے نماز پڑھی تو لوگ بہت زیادہ ہو گئے۔پھر لوگ تیسری یا چوتھی رات اکٹھے ہوئے لیکن پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نہیں آئے۔جب صبح ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ مجھے تمہاری کارکردگی تو معلوم تھی لیکن صرف اس ڈر سے نہیں آیا کہ کہیں تم پر یہ نماز فرض نہ کر دی جائے۔اور یہ تمام واقعہ رمضان میں ہوا''۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو چند دن مسجد میں نماز تراویح پڑھائی۔البتہ اس حدیث میں یہ بیان نہیں ہے کہ نماز کتنی رکعت تھی۔لیکن دوسری حدیث میں موجود ہے کہ آٹھ رکعت ہی تھی۔چنانچہ خاتمۃ الحفاظ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

وَلَمْ اَرَ فِیْ شَیْءٍ مِنْ طُرُقِهٖ بَیَانُ عَدَدِ صَلَاتِهٖ فِیْ تِلْكَ اللَّیَالِیْ لٰكِنْ رَوَی ابْنُ خُزَیْمَةَ وَابْنُ حِبَّانَ مِنْ حَدِیْثِ جَابِرٍ قَالَ صَلّٰی بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِیْ رَمَضَانَ ثَمَانَ رَکَعَاتٍ ثُمَّ اَوْتَرَ. الحدیث.

(فتح الباری صفحہ نمبر ۱۶ جلد نمبر ۳)

''اور میں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث کے کسی طریق میں بھی آپ کی ان راتوں کی نماز کے عدد کا بیان نہیں دیکھا البتہ ابن خزیمہ اور ابن حبان نے حضرت جابر کی حدیث روایت کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں رمضان میں آٹھ رکعت نماز پڑھائی پھر وتر ادا کیئے''۔ الحدیث

نیز علامہ بدر الدین عینی حنفی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

فَاِنْ قُلْتُ لَمْ یُبَیَّنْ فِی الرِّوَایَاتِ الْمَذْکُوْرَةِ عَدَدُ هٰذِهِ الصَّلٰوةِ الَّتِیْ صَلَّاهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِیْ تِلْكَ اللَّیَالِیْ قُلْتُ رَوَی ابْنُ خُزَیْمَةَ وَابْنُ حِبَّانَ مِنْ حَدِیْثِ جَابِرٍ قَالَ صَلّٰی بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِیْ رَمَضَانَ ثَمَانَ رَکَعَاتٍ وَاَوْتَرَ. (عمدۃ القاری صفحہ نمبر ۵۹۷ جلد نمبر ۳)

اگر آپ کہیں کہ مذکورہ بالا روایات میں اس نماز کا عدد بیان نہیں کیا گیا۔ جو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ان راتوں پڑھی تو میں کہوں گا۔ ابن خزیمہ اور ابن حبان نے حضرت جابر کی حدیث روایت کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں رمضان میں آٹھ رکعت نماز پڑھائی۔ اور وتر ادا کیئے۔ نیز علامہ زرقانی بھی اسی حدیث عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی شرح میں فرماتے ہیں:

وَاَمَّا عَدَدُ مَا صَلّٰی فَفِیْ حَدِیْثٍ ضَعِیْفٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّهٗ صَلّٰی عِشْرِیْنَ رَکْعَةً وَالْوِتْرَ اَخْرَجَهُ ابْنُ اَبِیْ شَیْبَةَ وَرَوَی ابْنُ حِبَّانَ عَنْ

جَابِرٍ اَنَّہٗ صَلّٰی لَھُمْ ثَمَانَ رَکْعَاتٍ ثُمَّ اَوْتَرَ وَ ھٰذَا اَصَحُّ.

(شرح الزرقانی صفحہ نمبر ۲۳۴ جلد نمبر ۱)

''اور لیکن آپ کی نماز کا عدد تو حضرت ابن عباس سے مروی ہے۔ ایک ضعیف حدیث میں ہے کہ آپ نے بیس رکعت نماز اور وتر پڑھے۔ اسے ابن ابی شیبہ نے روایت کیا اور ابن حبان نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو آٹھ رکعت نماز پڑھائی۔ پھر وتر ادا کیے اور یہ صحیح ترین ہے''۔

تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی اس مذکورہ بالا فعلی مرفوع تصریحی حدیث سے ثابت ہوا کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو مسجد میں جو نماز تراویح پڑھائی تھی وہ بھی آٹھ رکعت ہی تھیں نہ کہ بیس رکعت۔ لہٰذا آٹھ رکعت نماز تراویح ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ٹھہری۔ قاضی صاحب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں لفظ ''غیر رمضان'' کو مطلب پرستی کے لیے استعمال کر رہے تھے۔ تو اس سے اُن کا یہ شبہ بھی دور ہو گیا ہوگا۔ کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں صرف رمضان کا ذکر ہے۔ غیر رمضان کا نام ونشان بھی نہیں۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث کے بعد اب قاضی صاحب کی آرزوئیں دیکھئے کس خاک کو پسند کریں ؎

آرزو اک جرم ہے جس کی سزا ہے زندگی
زندگی بھر آرزوؤں کو پشیماں کیجئے!!

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث کی صحت ومقبولیت:

۱۔ امام ابن حبانؒ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث کو اپنی کتاب صحیح میں روایت کیا ہے۔ جو اس بات کا بین ثبوت ہے کہ یہ حدیث ان کے ہاں یقیناً صحیح ہے۔

۲۔ امام بن خزیمہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی متذکرہ حدیث کو اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔ یہ اس بات کی بین دلیل ٹھہری کہ یہ دلیل اُن کے نزدیک بھی

قطعاً صحیح ہے۔

۳۔ خاتمۃ الحفاظ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کو فتح الباری میں نقل کرنے کے بعد کسی قسم کی جرح وقدح نہیں کی۔ جو اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ یہ حدیث ضرور بالضرور ان کے ہاں مقبول ہے۔ کیونکہ وہ فتح الباری کے مقدمہ میں اس چیز کی صراحت فرما چکے ہیں کہ اس کتاب میں وہ حدیث درج کروں گا جو مقبول ہو ورنہ اس پر جرح کروں گا۔

۴۔ علامہ بدر الدین عینیؒ نے بھی اس حدیث کو عمدۃ القاری میں نقل کر کے سکوت فرمایا ہے۔ جو اس امر کی واضح دلیل ہے کہ وہ حدیث ان کے ہاں بھی لامحالہ مقبول ہے۔

۵۔ علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ شرح موطا امام مالک میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔ وھذا اصح اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث صحیح ترین حدیث ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی فعلی مرفوع تصریحی اور صحیح ترین دو حدیثوں سے ثابت ہوا کہ آٹھ رکعت نماز تراویح ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آٹھ رکعت نماز تراویح کی ہی جماعت کرائی۔ باقی بیس رکعت تراویح نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھی اور نہ ہی جماعت کرائی۔ تو بیس رکعت تراویح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت نہ ہوئی۔ غور فرمایئے کہ اب بھی قاضی صاحب کو یہ کہنے کی کوئی گنجائش ہے۔ کہ "رکعات کا عدد کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں" لیکن لا یجب علینا قبولہ ایسا نظریہ رکھنے والوں کو کون سمجھائے۔ ہمارا تو نظریہ یہ ہے ؎

پس حدیث مصطفیٰ برجان مسلم داشتن

تیسری دلیل حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی حدیث:

عَنْ جَابِرِ ابْنِ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ جَاءَ اُبَیُّ بْنُ كَعْبٍ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَنَّهٗ كَانَ مِنِّی اللَّیْلَةَ شَیْءٌ یَعْنِیْ فِیْ رَمَضَانَ قَالَ وَمَا

ذَاكَ يَا اُبَيُّ قَالَ نِسْوَةٌ فِيْ دَارِيْ قُلْنَ اِنَّا لَانَقْرَءُ الْقُرْاٰنَ فَصَلِّي بِصَلٰوتِكَ قَالَ فَصَلَّيْتُ بِهِنَّ ثَمَانِ رَكْعَاتٍ وَاَوْتَرْتُ وَكَانَتْ سُنَّةَ الرِّضَا وَلَمْ يَقُلْ شَيْئًا.

''حضرت جابر رضی اللہ عنہ عبداللہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ ابی بن کعب نے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر کہا اے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم آج رات مجھ سے ایک کام ہو گیا ہے۔ یعنی رمضان میں آپ نے پوچھا اے ابی رضی اللہ عنہ وہ کام کیا ہے۔ ابی بن کعب نے جواب دیا میرے گھر کی عورتوں نے کہا۔ ہم (زبانی) قرآن نہیں پڑھ سکتیں۔ ہم بھی تیری امامت میں نماز پڑھ لیں؟ تو میں نے انہیں آٹھ رکعت نماز پڑھا دی اور وتر ادا کیے تو یہ سنت رضا ہوئی اور آپ نے کچھ نہ فرمایا''۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان فرمارہے ہیں کہ رمضان المبارک میں ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا کہ میں نے آج رات اپنے گھر کی عورتوں کو آٹھ رکعت نماز پڑھائی ۔تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر سکوت فرمایا اور آپ ابتدائے باب میں پڑھ چکے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اگر کسی کے عمل کا علم ہو جائے پھر آپ اس پر سکوت فرمائیں۔تو وہ عمل بھی سنت کہلاتا ہیں تو مذکورہ بالا تقریری مرفوع تصریحی حدیث سے بھی آٹھ رکعت باجماعت نماز تراویح کا سنت ہونا ثابت ہوا۔ یہ حدیث قابل حجت ہے۔ضعیف نہیں۔ چنانچہ صاحب مجمع الزوائد فرماتے ہیں:

قَالَ الْهَيْثَمِيُّ فِيْ مَجْمَعِ الزَّوَائِدِ اِسْنَادُهُ حَسَنٌ. ہیثمی مجمع الزوائد میں فرماتے ہیں اس کی سند حسن ہے۔ (تحفۃ الاحوزی صفحہ نمبر ۷۴ جلد نمبر ۲)

پس تین مرفوع اور قابل حجت احادیث سے ثابت ہوا کہ آٹھ رکعت نماز تراویح ہی پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سنیہ ہے۔ دوبارہ پھر ملاحظہ کیجیے۔

۱۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی فعلی مرفوع تصریحی اور باتفاق محدثین صحیح لذاتہ حدیث کہ ''پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم رمضان وغیر رمضان میں گیارہ رکعت پر

اضافہ نہیں فرمایا کرتے تھے“۔

۲۔ پیغمبر خدا ﷺ کے برگزیدہ صحابی حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی فعلی مرفوع تصریحی صحیح اور باتفاق محدثین قابل حجت حدیث کہ ”پیغمبر خدا ﷺ نے رمضان المبارک میں ہمیں آٹھ رکعت نماز پڑھائی۔“

۳۔ اقرء القراء امام تراویح حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی تقریری مرفوع تصریحی اور قابل حجت حدیث کہ انہوں نے رمضان میں پیغمبر خدا ﷺ سے ایک دن بیان کیا کہ میں نے آج رات اپنے گھر کی عورتوں کو آٹھ رکعت نماز پڑھائی اور آپ نے سکوت فرمایا“۔

آٹھ رکعت نماز تراویح سنت نبویہ ہونے کے اتنے واضح دلائل ہوتے ہوئے بھی فریق ثانی یہی رٹ لگائے جا رہے ہیں۔ کہ رکعات کا عدد کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں۔ لیکن دوسری طرف انہی حضرات کا دعویٰ ہے کہ بیس رکعت نماز تراویح سنت بھی ہے۔ یا ویسے سنت نبوی سے کوئی عداوت ہے کہ اُسے ماننے پر تیار نہ ہوں گے۔ ان کے بارے میں یہی کہا جائے گا

یہ روشن دماغوں کا روشن زمانہ
ہر اک فن ہے ان کی نظر کا نشانہ
وہ زورِ قلم طرز وہ ناقدانہ ! ! !
حقیقت کو بھی جو بنا دے فسانہ
احادیث نبوی کا گل ریز گلشن
ہے تنقید میں ان کی خاروں کا خرمن
یہ کیا نور دانش یہ کیسی بصیرت
کہ ہے خندہ زن تیرگئی ضلالت
ہے اقرار قرآن کا انکار سنت
نبی سے ان کی یہ کیسی عقیدت

تیسرا باب

بیس رکعت تراویح سنت نبویہ ہونیکی دلیل

اور اس کے جوابات

آپ دوسرے باب کی ابتداء میں سنت کا معنی پڑھ چکے ہیں۔ کہ آنحضرت ﷺ کے قول وفعل وتقریر کو سنت کہتے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ کوئی ''مقلد بزرگ'' فرمائیں کہ مجھے سنت کا یہ مفہوم تسلیم نہیں ہے۔ کیونکہ کسی وقت بھی یہ بزرگ ایسا فرماسکتے ہیں۔ لیکن یہاں پر اُن کے اطمینان کی خاطر کتب حنفیہ میں سنت کی بیان کردہ تعریف بھی درج کر دیتا ہوں۔ صاحب شرح وقایہ فرماتے ہیں:

اَلسُّنَّةُ مَا وَاظَبَ النَّبِیُّ عَلَیْهِ السَّلام عَلَیْهِ مَعَ التَّرْكِ اَحْیَانًا.

(شرح وقایہ صفحہ نمبر ۶۸ جلد نمبر ۱)

''سنت وہ امر ہے جس پر نبی علیہ السلام نے کبھی کبھی ترک کرنے کے ساتھ مواظبت ومداومت فرمائی ہو''۔

محشی شرح وقایہ صاحب شرح وقایہ کی مذکورہ بالا تعریف کو احسن نہیں سمجھتے۔ بلکہ فرماتے ہیں:

وَالْاَحْسَنُ مَا اخْتَارَهٗ صَاحِبُ الْبَحْرِ وَغَیْرُهٗ اَنَّ الْمَوَاظَبَةَ مُطْلَقًا دَلِیْلُ السُّنِّیَةِ مَالَمْ تَقْتَرِنْ بِالزَّجْرِ عَلٰی تَارِكِ ذٰلِكَ الْفِعْلِ بِخُصُوْصِهٖ وَاِنِ اقْتَرَنَتْ دَلَّتْ عَلَی الْوُجُوْبِ. (حاشیہ شرح وقایہ صفحہ نمبر ۶۸ جلد نمبر ۱)

''اور احسن وہ ہے جسے صاحب بحر وغیرہ نے اختیار کیا ہے کہ کسی فعل پر مطلق مواظبت ہی سنت کی دلیل ہے۔ جب تک اس فعل کے تارک کو زجر وعقاب سے مقارن نہ ہو اور اگر مقارن ہو تو پھر وہ وجوب پر دال ہوگی''۔

نیز محشی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

إِنَّ جُمْهُورَ الْأُصُولِيِّينَ يَعْرِفُونَ السُّنَّةَ بِمَا وَاظَبَ عَلَيْهِ الرَّسُولُ ﷺ فَحَسْبُ. (حاشیہ ہدایہ صفحہ نمبر ۱۵۱ جلد نمبر ۱)

''کہ جمہور اہل اصول سنت کی صرف یہی تعریف کرتے ہیں سنت وہ امر ہے جس پر پیغمبر خدا ﷺ نے مواظبت ومداومت فرمائی''۔

تو جمہور اہل اصول سنت کا یہی مفہوم بیان کرتے ہیں۔ وہ امر جس پر پیغمبر خدا ﷺ نے مواظبت ومداومت فرمائی ہو۔ اب غور طلب امر یہ ہے کہ بیس رکعت نماز تراویح سنت کے مذکورہ بالا معنی کی روشنی میں احناف کے ہاں سنت ہے یا نہیں۔ بیس رکعت نماز تراویح سنت ہونے میں قاضی صاحب کے بیانات تو انتہائی متضاد ہیں۔ کیونکہ جناب حاشیہ پمفلٹ صفحہ نمبر ۱۹ پر فرماتے ہیں ''رکعات کا عدد کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں'' جوں ہی قاضی صاحب سرعت قلم سے صفحہ نمبر ۴۵ پر پہنچتے ہیں تو پہلی بات ذہن سے نکال کر یوں مخاطب ہوئے ہیں ''اتباع سنت تو یہی ہے کہ بیس ہی کو سنت سمجھ کر ان پر عمل کیا جائے۔ خیر قاضی صاحب کی متضاد بیانیاں تو چھٹے باب میں وضاحت سے بیان کی جائیں گی لیکن یہاں پر غور طلب امر یہ ہے کہ قاضی صاحب کے بزرگوں کے مابین آج تک یہ فیصلہ ہی نہیں ہو سکا کہ آیا تراویح سنت بھی ہیں۔ ایک گروہ کا نظریہ ہے کہ بیس رکعت نماز تراویح سنت نہیں مستحب ہے۔ دوسرے گروہ کا عندیہ ہے کہ بیس رکعت نماز تراویح ... نے میں بھی دو روائتیں ہیں۔ چنانچہ محشی شرح وقایہ فرماتے ہیں:

اِعْلَمْ اَنَّهُ اخْتُلِفَ فِيْ اَنَّ التَّرَاوِيْحَ سُنَّةٌ مُؤَكَّدَةٌ اَوْمُسْتَحَبٌّ فَرُوِيَ عَنْ اَبِيْ حَنِيْفَةَ الْاِسْتِحْبَابُ وَ رُوِيَ عَنْهُ الْاِسْتِنَانُ.

(حاشیہ شرح وقایہ صفحہ نمبر ۲۰۷ جلد نمبر ۱)

''جان لو اس بات میں اختلاف ہے کہ تراویح سنت موکدہ ہیں یا مستحب پس امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے مستحب ہونا بھی مروی ہے اور سنت ہونا بھی''۔

تو عدد رکعات سے قطع نظر احناف نفس تراویح کے مسنون ہونے میں اختلاف فرما رہے ہیں۔تو غور کیجئے وہ بیس رکعت کے مسنون ہونے میں کیسے متفق ہو سکتے ہیں۔ یہ تو قاضی صاحب اوران کے بزرگوں کے خیالات تھے۔لیکن جب ہم بیس رکعت نماز تراویح کے مسنون ہونے پر دلائل کی روشنی میں غور وفکر کرتے ہیں۔تو پتہ چلتا ہے کہ بیس رکعت نماز تراویح سنت نہیں ہے۔فریق ثانی کی طرف سے بیس رکعت نماز تراویح کے مسنون ہونے پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی صرف ایک ہی حدیث پیش کی جاتی ہے۔جو سخت ضعیف ومنکر ہونے کے باعث قابل احتجاج نہیں ہے اور اس کے علاوہ اور کوئی حدیث نہیں جو بیس رکعت پر دیوبندیوں کا سہارا بن سکے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روائت اور اس کا ضعف بھی ملاحظہ فرمایئے لیکن فریق ثانی کو پھر یہی کہنا پڑے گا۔

تمام عمر سہاروں پہ آس رہتی ہے
تمام عمر سہارے فریب دیتے ہیں

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت کا ضعف:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ ﷺ یُصَلِّیْ فِیْ شَھْرِ رَمَضَانَ عِشْرِیْنَ رَکْعَاتٍ فِیْ غَیْرِ جَمَاعَةٍ وَالْوِتْرِ تَفَرَّدَ بِهٖ اَبُوْ شَیْبَةَ اِبْرَاھِیْمُ بْنُ عُثْمَانَ وَھُوَ ضَعِیْفٌ. (سنن کبریٰ للبیہقی ومصنف ابن ابی شیبۃ)

''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم ماہ رمضان میں بغیر جماعت بیس رکعت اور وتر پڑھتے۔اس حدیث کو روایت کرنے میں ابوشیبہ ابراہیم بن عثمان منفرد ہے اور وہ ضعیف ہے''۔

ا۔ امام بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی متذکرہ بالا حدیث کو بیان کرنے کے بعد بذات خود ہی اسے غریب وضعیف قرار دیا۔ان کے لفظ آپ پڑھ چکے ہیں تَفَرَّدَ بِهٖ اَبُوْ شَیْبَةَ اِبْرَاھِیْمُ بْنُ عُثْمَانَ وَھُوَ ضَعِیْفٌ. کہ ابوشیبہ ابراہیم بن عثمان اس

حدیث کو بیان کرنے میں اکیلا ہے اور وہ ضعیف ہے تو حضرت ابن عباسؓ کی یہ حدیث امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ ایسے محدث کے ہاں غریب اور ضعیف ہے۔

۲۔ خاتمۃ الحفاظ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی مذکورہ بالا حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

وَاَمَّا مَا رَوَاهُ اِنَّ اَبِیْ شَیْبَةَ مِنْ حَدِیْثِ ابْنِ عَبَّاسٍ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُصَلِّیْ فِیْ رَمَضَانَ عِشْرِیْنَ رَكْعَةً وَالْوِتْرُ فَاِسْنَادُهٗ ضَعِیْفٌ وَقَدْ عَارَضَهٗ حَدِیْثُ عَائِشَةَ هٰذَا الَّذِیْ فِی الصَّحِیْحَیْنِ مَعَ كَوْنِهَا اَعْلَمُ بِحَالِ النَّبِیِّ ﷺ لَیْلًا مِنْ غَیْرِهَا. (فتح الباری صفحہ نمبر ۲۵۴ جلدی نمبر ۴)

''اور لیکن جو ابن ابی شیبہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث روایت کی ہے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں بیس رکعت اور وتر پڑھتے اس کی سند ضعیف ہے اور پھر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث بھی اس کے معارض ہے جو صحیحین میں موجود ہے باوجود یہ کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شبینہ حالات دوسروں سے زیادہ جانتی تھیں''۔

تو حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت پر اضافہ نہیں فرمایا کرتے تھے۔ اس میں تین خوبیاں ہیں۔ جن میں سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں خوبی بھی نہیں پائی جاتی۔

۱۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث صحیح ہے۔ اور حضرت ابن عباس کی حدیث ضعیف ہے۔

۲۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث بخاری و مسلم کی ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث مصنف ابن ابی شیبہ کی ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ بخاری مسلم کو تلقی بالقبول حاصل ہے اور مصنف ابی شیبہ کو تلقی بالقبول حاصل ہونا تو کجا۔

اسے تو صحاح ستہ میں بھی شمار نہیں کیا جاتا۔

۳۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے شبیہ حالات حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے بڑھ کر جانتی تھیں۔اس لیے رات کے مسائل میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی بات دوسرے صحابہ سے قوی ہے۔

ایک اور بات:

حافظ حجر رحمۃ اللہ علیہ کے کلام سے پتہ چلا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے تراویح پر استدلال درست ہے ورنہ وہ اسے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کے معارض قرار نہ دیتے"۔(فتدبر)

۳۔نیز علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث کو ضعیف فرماتے ہیں:

وَاَمَّا عَدَدَ مَا صَلّٰی فَفِیْ حَدِیْثٍ ضَعِیْفٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّهٗ صَلّٰی عِشْرِیْنَ رَكْعَةً وَالْوِتْرُ اَخْرَجَهُ ابْنُ اَبِیْ شَیْبَةَ وَرَوَی ابْنُ حِبَّانَ عَنْ جَابِرٍ اَنَّهٗ صَلّٰی بِهِمْ ثَمَانَ رَكَعَاتٍ ثُمَّ اَوْتَرَ وَهٰذَا اَصَحُّ.

(زرقانی صفحہ نمبر۲۳۴ جلد نمبر۱)

"اور آپ کی نماز کا عدد تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی ایک ضعیف حدیث میں ہے کہ آپ نے بیس رکعت نماز پڑھی اور وتر اس کو ابن شیبہ نے روایت کیا اور ابن حبان نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آپ نے ان آٹھ رکعت نماز پڑھائی پھر وتر ادا کیے اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث صحیح ترین ہے"۔

۴۔قاضی صاحب کے بزرگ علامہ بدر الدین عینی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس حدیث کو ضعیف ومنکر قرار دیا ہے وہ فرماتے ہیں:۔

قَوْلُهٗ مَاكَانَ یَزِیْدُ فِیْ رَمَضَانَ اِلٰی آخِرِهٖ فَاِنْ قُلْتُ رَوَی ابْنُ اَبِی

شَيْبَةَ مِنْ حَدِيْثِ ابْنِ عَبَّاسٍ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُصَلِّيْ فِيْ رَمَضَانَ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً وَالْوِتْرَ قُلْتُ هٰذَا الْحَدِيْثُ وَاهٍ اَيْضًا اَبُو الْقَاسِمِ الْبَغَوِيُّ فِيْ مُعْجَمِ الصَّحَابَةِ قَالَ حَدَّثَنَا مَنْصُوْرُ بْنُ اَبِيْ مُزَاحِمٍ حَدَّثَنَا اَبُوْشَيْبَةَ عَنِ الْحَكَمِ عَنْ مِقْسَمٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ الْحَدِيْث وَاَبُوْشَيْبَةَ هُوَ اِبْرَاهِيْمُ بْنُ عُثْمَانَ الْعَبَسِيُّ الْكُوْفِيُّ قَاضِيُّ وَاسِطٍ جَدُّ اَبِيْ بَكْرِ بْنِ اَبِيْ شَيْبَةَ كَذَّبَهٗ شُعْبَةُ وَضَعَّفَهٗ اَحْمَدُ وَابْنُ مُعِيْنٍ وَالْبُخَارِيّ وَالنَّسَائِيُّ وَغَيْرُهُمْ وَ اَوْرَدَهُ ابْنُ عَدِيٍّ هٰذَا الْحَدِيْثَ فِي الْكَامِلِ فِيْ مَنَاكِيْرِهٖ. (عمدۃ القاری صفحہ نمبر ۳۵۹ جلد نمبر ۵)

اگر آپ کہیں کہ ابن ابی شیبہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث روایت کی ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان میں بیس رکعت نماز وتر پڑھتے تو میں کہوں گا'' اس حدیث کو ابو قاسم بغوی نے بھی معجم الصحابہ میں روایت کیا ہے وہ فرماتے ہیں ہمیں منصور بن ابی مزاحم نے حدیث سنائی وہ کہتے ہیں۔ ہمیں ابو شیبہ نے حکم سے حدیث سنائی وہ مقسم سے اور وہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے الحدیث اور ابوشیبہ ابو بکر بن ابی شیبہ کا دادا واسط کا قاضی ابراہیم بن عثمان عیسی کوفی ہے۔ جبکہ شعبہ نے کذاب کہا اور احمد ابن معین 'بخاری' نسائی دیگر محدثین نے ضعیف کہا اور ابن عدی نے کامل میں اس کی اس حدیث کو اس کی منکر روایات میں ذکر کیا ہے۔

علامہ بدر الدین عینی رحمۃ اللہ علیہ حنفی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کہ ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رمضان وغیر رمضان میں گیارہ رکعت پر اضافہ نہیں فرماتے تھے'' پر ایک سوال کرتے ہیں۔ کہ'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں تو آتا ہے کہ آپ رمضان میں بیس رکعت پڑھتے۔'' پھر خود ہی اس کا جواب دیتے ہیں کہ'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ حدیث ضعیف و منکر ہے۔ اس لیے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث رمضان وغیر رمضان میں گیارہ رکعت سے اضافہ کی نفی میں محکم ہے۔

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ کا کلام بھی اس بات پر دلالت کر رہا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم رمضان وغیر رمضان میں گیارہ رکعت پر اضافہ نہیں فرمایا کرتے تھے۔ اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز تراویح کی رکعات پر استدلال درست ہے۔ اب قاضی صاحب علامہ قسطلانی شافعی کی بجائے اپنے ہی بزرگ علامہ بدر الدین عینی حنفی رحمۃ اللہ علیہ کی بات تسلیم کر لیں۔ اس طرح انہیں اغیار کی تقلید سے بھی نجات حاصل ہو جائیگی۔

۵۔ قاضی صاحب کے بزرگ شارح ھدایہ امام ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث ضعیف اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی مخالف قرار دے رہے ہیں فرماتے ہیں:

وَمَا رَوَاهُ ابْنُ اَبِیْ شَیْبَةَ وَالطَّبْرَانِیِّ وَالْبَیْهَقِیِّ مِنْ حَدِیْثِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّهٗ عَلَیْهِ السَّلَامُ کَانَ یُصَلِّیْ فِیْ رَمَضَانَ عِشْرِیْنَ رَکْعَةً سِوَی الْوِتْرِ فَضَعِیْفٌ مَعَ مُخَالَفَتِهٖ لِلصَّحِیْحِ. (حاشیہ بخاری صفحہ نمبر ۱۵۴ جلد نمبر ۱ بحوالہ ابن ہمام)

''اور جو ابن ابی شیبہ اور طبرانی اور بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت کی ہے کہ آنحضرت رمضان میں وتر کے ماسوا بیس رکعت نماز پڑھتے' تو وہ ضعیف ہونے کے ساتھ ساتھ۔ صحیح حدیث کے مخالف بھی ہے''۔

صحیح حدیث سے مراد حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے کہ ''پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم رمضان وغیر رمضان میں گیارہ رکعت پر اضافہ نہیں فرمایا کرتے تھے'' تو ابن ہمام ایسے کٹر حنفی کے نزدیک بھی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صلوٰۃ تراویح پر استدلال درست ہے۔ لیکن قاضی صاحب یہاں پر بھی اپنے بزرگوں کی پرواہ نہیں کرتے اور بضد ہیں کہ حدیث عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے تراویح پر استدلال درست نہیں۔ مؤدبانہ گذارش ہے کہ امام ابن ھمام رحمۃ اللہ علیہ کی بات تسلیم کر لیں۔ تاکہ دوسروں کی تقلید کی زحمت نہ اٹھانی پڑے۔

۶۔قاضی صاحب کے بزرگ جناب عبدالحق صاحب محدث دہلوی حنفیؒ نے بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس حدیث کو ضعیف اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی صحیح حدیث کے مخالف قرار دیا ہے۔عبارت ملاحظہ فرمائیے:

وَلَمْ يَثْبُتْ رِوَايَةُ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً مِنْهُ ﷺ كَمَا هُوَ مُتَعَارِفُ الْآنَ اِلَّا فِيْ رِوَايَةِ ابْنِ اَبِيْ شَيْبَةَ وَهُوَ ضَعِيْفٌ وَقَدْ عَارَضَهٗ حَدِيْثُ عَائِشَةَ وَهُوَ حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ. (فتح سرالمنان)

''اور بیس رکعت روایت آنحضرت ﷺ سے ثابت نہیں جیسا کہ آج کل متعارف ہے مگر ابن ابی شیبہ کی روایت میں اور وہ روایت ضعیف ہے اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث اس کے معارض ہے اور وہ صحیح ہے''۔

۷۔قاضی صاحب کے اور بزرگ حضرت مولانا عبدالحق صاحب لکھنوی حنفی بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کو ضعیف کہتے ہیں۔

وَوَرَدَ فِيْ رِوَايَةِ ابْنِ اَبِيْ شَيْبَةَ وَالْبَيْهَقِيِّ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ اَيْضًا صَلّٰى عِشْرِيْنَ رَكْعَةً لٰكِنَّهٗ حَدِيْثٌ ضَعِيْفٌ عِنْدَ الْمُحَدِّثِيْنَ. (حاشیہ ہدایہ صفحہ نمبر ۱۵۱ جلد نمبر ۱)

اور ابن ابی شیبہ اور بیہقی کی روایت میں وارد ہے کہ نبی ﷺ نے بھی بیس رکعت نماز پڑھی۔لیکن یہ حدیث محدثین کے ہاں ضعیف ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث کہ آنحضرت ﷺ نے بیس رکعت نماز پڑھی باتفاق محدثین وآئمہ احناف ضعیف ہے۔اگر تمام اعیان کے نام یہاں درج کیے جائیں۔تو کتاب کی طوالت کا ڈر ہے۔اس لیے میں صرف جناب قاضی کی طرف سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث کے ضعیف اور اسے بطور سند نہ پیش کرنے کے اقرار کو ذکر کر کے اکتفا کرنا چاہتا ہوں۔

۸۔قاضی صاحب کا اقرار:

قاضی صاحب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی مذکورہ حدیث کو نقل کرنے کے

بعد خود ہی ایک سوال کرتے ہیں۔ ’’یہ حدیث ضعیف ہے‘‘ خود ہی اس کا جواب دیتے ہیں ’’درست ہے۔ لیکن ہم اسے سند کے طور پر پیش نہیں کرتے‘‘ پمفلٹ صفحہ نمبر ۴۶ قاضی صاحب اقرار فرما رہے ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث ضعیف ہے۔ اور ہم اسے بطور سند پیش نہیں کرتے۔ اور اس کے علاوہ اور کوئی حدیث نہیں جس سے بیس رکعت کی سنت ثابت کی جاسکتی ہو۔ تو بیس رکعت تراویح پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت نہ ہوئی۔ البتہ تین مرفوع اور قابل حجت احادیث سے ثابت ہے کہ آٹھ رکعت نماز تراویح پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے بیس رکعت کو سنت نبویہ سمجھنا صریحا غلطی ہے۔ اگلے باب میں یہ ذکر آرہا ہے کہ بیس رکعت نماز تراویح خلفاء راشدین کی سنت بھی نہیں ہے۔ آٹھ رکعت نماز تراویح نبی علیہ السلام کی سنت ہے اسے ایک دفعہ پھر دیکھئے۔

۱۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی فعلی مرفوع تصریحی اور باتفاق محدثین صحیح لذاتہ حدیث کہ ’’پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم رمضان وغیر رمضان میں گیارہ رکعت پر اضافہ نہیں فرماتے تھے۔

۲۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابی حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کی فعلی تصریحی صحیح اور باتفاق محدثین قابل حجت حدیث کہ ’’پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں رمضان المبارک میں آٹھ رکعت نماز پڑھائی۔

۳۔ اقرء القراء امام تراویح حضرت ابی کعب رضی اللہ عنہ کی تقریری مرفوع تصریحی اور قابل حجت حدیث کہ ’انہوں نے رمضان میں ایک دن پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا کہ میں نے آج رات اپنے گھر کی عورتوں کو آٹھ رکعت نماز پڑھائی اور آپ نے سکوت فرمایا۔‘‘

اب کیا کہنے قاضی صاحب کے اور ان کے حواریوں کے کہ وہ آٹھ رکعت نماز تراویح کے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے اتنے ٹھوس‘ مضبوط اور واضح دلائل ہونے کے باوجود یہ شور وغوغا مچائے ہوئے ہیں کہ جی آٹھ کا مسئلہ تو آج سے ۹۶ برس پہلے شروع

ہوا'' یہ چھوٹا منہ اور بڑی بات ہے۔ پہلے تاریخ سے تھوڑی سی واقفیت حاصل کیجئے گا۔ بے چاروں کو اتنا معلوم نہیں کہ آنحضرت ﷺ سے آٹھ رکعت نماز تراویح ثابت ہے اور یہ آج سے پونے چودہ سو برس پہلے کا مسئلہ ہے۔ قاضی صاحب پر بھی تھوڑا سا تعجب ہے۔ کہ انہوں نے اپنے حواریوں کی پشت پناہی کرتے ہوئے یہ تو ضرور فرما دیا تھا۔ کہ ''رکعات کا عدد کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں'' اور اتنا سوچنے کی زحمت بھی گوارا نہ کی کہ اس سے تو بیس رکعت کی سنت پر بھی پانی پھر جائے گا۔

اَتَّسِعُ الْخَرْقُ عَلَى الرَّاقِعِ ۔

آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آ سکتا نہیں
محو حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی



چوتھا باب

بیس رکعت نماز تراویح

خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کی بھی سنت نہیں

آپ پہلے پڑھ چکے ہیں کہ آٹھ رکعت نماز تراویح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔بیس رکعت آپ کی سنت نہیں۔اب یہ معاملہ بھی دیکھ لیں کہ بیس رکعت نماز تراویح خلفاء راشدین کی سنت بھی نہیں۔اہل رائے چونکہ بیس رکعت کو خلیفہ اول سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب نہیں کرتے اس لئے یہاں صرف ان روایات کا ذکر ہوگا جو دوسرے خلفاء سے بیان کی جاتی ہیں اس سے پیشتر حکم فاروقی کی صحیح حدیث بھی ملاحظہ فرمالیجئے۔

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بھی گیارہ رکعت کا حکم دیا:

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف چند دن نماز تراویح کی جماعت کرائی۔آپ کے بعد سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پورے عہد مبارک میں تراویح کی جماعت کا اہتمام نہ کیا گیا۔پھر سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کا کچھ ابتدائی دور گذر جانے کے بعد تراویح کی جماعت کا باقاعدہ طور پر اہتمام کروایا۔اور تمام تراویح حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو گیارہ رکعت پڑھانے کا حکم دیا۔

عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيْدَ قَالَ اَمَرَ عُمَرُ اُبَىَّ بْنَ كَعْبٍ وَتَمِيْمًا الدَّارِی اَنْ يَّقُوْمَا لِلنَّاسِ فِیْ رَمَضَانَ بِاِحْدٰی عَشَرَةَ رَكْعَةً .... الخ.

(سنن کبری وموطا امام مالک وسنن سعید بن منصور ومصنف ابن ابی شیبہ)

’’حضرت سائب بن یزید سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابی بن

کعب اور تمیم داری کو حکم دیا کہ وہ رمضان میں لوگوں کو گیارہ رکعت نماز پڑھائیں‘‘۔

اس روایت کی سند بالکل صحیح ہے۔ کیونکہ قاضی صاحب کے ہاں موطا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی سب احادیث صحیح ہیں۔ نیز قاضی صاحب کے بزرگ علامہ شوق صاحب نیموی حنفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

وَرَوَاهُ اَيْضًا سَعِيْدُ بْنُ مَنْصُوْرٍ وَاَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِىْ شَيْبَةَ قَالَ النَّيْمَوِى فِىْ اٰثَارِ السُّنَنِ اِسْنَادُهٗ صَحِيْحٌ. (تحفۃ الاحوذی صفحہ نمبر ۷۴ جلد نمبر ۲)

’’اور اس حدیث کو سعید بن مصنور اور ابوبکر بن ابی شیبہ نے بھی روایت کیا ہے۔ علامہ شوق صاحب نیموی نے آثار السنن میں فرمایا اس کی سند صحیح ہے‘‘۔

سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے گیارہ کا حکم پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی صلوٰۃ تراویح سے ہی اخذ کیا تھا۔ شارح موطا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ علامہ باجی فرماتے ہیں:۔

قَالَ الْبَاجِى لَعَلَّ عُمَرَ اَخَذَ ذَالِكَ مِنْ صَلٰوةِ النَّبِيِّ ﷺ فَفِىْ حَدِيْثِ عَائِشَةَ اَنَّهَا سُئِلَتْ عَنْ صَلَاتِهٖ فِىْ رَمَضَانَ فَقَالَتْ مَاكَانَ يَزِيْدُ فِىْ رَمَضَانَ وَلَا فِىْ غيرهٖ عَلٰى اِحْدٰى عَشَرَةَ رَكْعَةً.

(زرقانی صفحہ نمبر ۲۳۸ جلد نمبر ۱)

’’علامہ باجی فرماتے ہیں شاید حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ (گیارہ رکعت کا حکم) پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی صلوٰۃ تراویح سے اخذ کیا کیونکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہ ان سے آپ کی رمضان کی نماز پوچھی گئی تو اُنہوں نے فرمایا‘ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رمضان وغیر رمضان میں گیارہ رکعت پر اضافہ نہیں فرمایا کرتے تھے‘‘۔

علامہ باجی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز تراویح کا ذکر بھی ہے۔ اسی لئے حافظ ابن حجر

رحمۃ اللہ علیہ حکم فاروقی (گیارہ رکعت) کو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کے موافق قرار دیتے ہیں۔

وَالْعَدَدُ الْاَوَّلُ مُوَافِقٌ لِحَدِیْثِ عَائِشَةَ. (فتح الباری صفحہ نمبر ۲۵۳ جلد نمبر ۴)

''اور پہلا عدد (گیارہ رکعت) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کے موافق ہے''۔

تو حضرت سائب بن یزید کی متصل اور باتفاق محدثین حدیث سے ثابت ہوا کہ سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے امام تراویح ابی بن کعب کو رمضان میں گیارہ رکعت نماز پڑھانے کا حکم دیا تھا۔تو خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی سنت بھی گیارہ رکعت ہوئی۔بیس رکعت اُن کی سنت نہیں ہے۔قاضی صاحب اس حدیث پر اعتراض کرتے ہیں۔اعتراض اور اس کے جوابات ملاحظہ کیجئے۔

قاضی صاحب کا اعتراض:

فرماتے ہیں''اس حدیث میں گیارہ رکعت محمد بن یوسف کا وہم ہے۔نیز بعض نے محمد بن یوسف سے تیرہ اور اکیس رکعت کو بھی نقل کیا ہے۔تو بوجہ اختلاف یہ حدیث ساقط الاعتبار ہوئی۔''

پہلا جواب:

گیارہ رکعت کو محمد بن یوسف کا وہم قرار دینا غلط ہے۔قاضی صاحب محمد بن یوسف کو گیارہ رکعت کہنے میں وہم ہونے کی دلیل پیش کریں۔

دوسرا جواب:

گیارہ رکعت کا سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حکم دیا تھا۔لیکن تیرہ اور اکیس کا حکم دینا ان سے ثابت نہیں۔لہذا گیارہ والی حدیث میں کوئی اختلاف نہیں۔

تیسرا جواب:

گیارہ رکعت اور تیرہ رکعت والی احادیث میں کوئی اختلاف نہیں۔کیونکہ

تیرہ میں عشاء کے بعد والی دو رکعت کو شامل کر لیا گیا ہے۔ چنانچہ قاضی صاحب کے ہی بزرگ علامہ شوق نیموی حنفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

قَالَ النَّيْمَوِيُّ هٰذَا قَرِيْبٌ مِمَّارَوَاهُ مَالِكٌ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يُوْسُفَ اَىْ مَعَ الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعِشَاءِ. (تحفۃ الاحوذی صفحہ نمبر ۷۴ جلد نمبر ۲)

''علامہ شوق صاحب نیموی حنفی فرماتے ہیں یہ (تیرہ) والی روایت محمد بن یوسف سے امام مالک کی روایت (گیارہ) والی حدیث کے قریب ہے یعنی عشاء کے بعد والی دو رکعت کو ملا کر''۔

چوتھا جواب:

اکیس رکعت والی روایت بیان کرنے میں عبدالرزاق منفرد ہیں۔ جنہیں آخری عمر میں نابینا ہو جانے کے باعث اختلاط ہو گیا تھا۔ اس لیے ان کی اکیس رکعت والی روایت ضعیف ہونے کی وجہ سے مؤطا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی گیارہ رکعت والی روایت سے معارضہ کے قابل نہیں:

اِنَّ الْاَغْلَبَ اَنَّ قَوْلَ غَيْرِ مَالِكٍ فِيْ هٰذَا الْاَثَرِ اِحْدٰى وَ عِشْرُوْنَ كَمَا فِيْ رِوَايَةِ عَبْدِالرَّزَّاقِ وَهْمٌ فَاِنَّهٗ قَدِ انْفَرَدَ هُوَ بِاِخْرَاجِ هٰذَا الْاَثَرِ بِهٰذَا اللَّفْظِ وَلَمْ يُخْرِجْهُ بِهٖ اَحَدٌ غَيْرُهٗ فِيْمَا اَعْلَمُ وَعَبْدُالرَّزَّاقِ وَاِنْ كَانَ ثِقَةً حَافِظًا لٰكِنَّهٗ قَدْ عَمِىَ فِيْ اٰخِرِ عُمْرِهٖ فَتَغَيَّرَ كَمَا صَرَّحَ بِهِ الْحَافِظُ فِي التَّقْرِيْبِ وَاَمَّا الْاِمَامُ مَالِكٌ فَقَالَ الْحَافِظُ فِي التَّقْرِيْبِ اِمَامُ دَارِ الْهِجْرَةِ رَاْسُ الْمُتَّقِيْنَ وَكَبِيْرُ الْمُثَبِّتِيْنَ حَتّٰى قَالَ الْبُخَارِيُّ اَصَحُّ الْاَسَانِيْدُ كُلِّهَا مَالِكٌ عَنْ نَافِعٍ ابْنِ عُمَرَ اِنْتَهٰى وَمَعَ هٰذَا لَمْ يَنْفَرِدْ هُوَ بِاِخْرَاجِ هٰذَ الْاَثَرِ بِلَفْظِ اِحْدٰى عَشْرَةَ بَلْ اَخْرَجَهٗ اَيْضًا بِهٰذَا اللَّفْظِ سَعِيْدُ بْنُ مَنْصُوْرٍ وَابْنُ شَيْبَةَ. (تحفۃ الاحوذی صفحہ نمبر ۷۴ جلد نمبر ۲)

''اغلب یہ ہے کہ غیر امام مالک کا اس اثر میں اکیس رکعت کہنا وہم ہے جیسا

کہ (عبدالرزاق) اس اثر کو ان الفاظ سے (اکیس رکعت) بیان کرنے میں اکیلا ہے۔ اور اس اثر میں میرے علم کے مطابق یہ لفظ (اکیس رکعت) اس کے (عبدالرزاق) کے سوا کسی نے بیان نہیں کئے۔ اور اگرچہ عبدالرزاق ثقہ و حافظ ہے لیکن آخر عمر میں یہ نابینا ہوا تو اسے اختلاط ہونے لگا۔ جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے تقریب میں اس بات کی صراحت کی ہے اور لیکن امام مالک رحمہ اللہ تو حافظ صاحب تقریب میں فرماتے ہیں وہ دار ہجرت (مدینہ طیبہ) کے امام اہل اتقان وتثبت کے رئیس ہیں حتیٰ کہ امام بخاری نے فرمادیا۔ تمام اسانید سے صحیح ترین سند یہ ہے: مالک عن نافع عن ابن عمر حافظ صاحب کا کلام ختم ہوا۔ ان باتوں کے باوجود امام مالک اس اثر کو اکیلے بھی نہیں۔ بلکہ اسی نقطہ (گیارہ رکعت) سے اس کو سعید بن منصور اور ابن ابی شیبہ نے بھی بیان کیا ہے''۔

پانچواں جواب:

قاضی صاحب کے مسلک میں وتر تین رکعت سے کم وبیش نہیں ہو سکتے۔ تو ہم عبدالرزاق کی بیان کردہ اکیس رکعت سے تین وتر منفی کریں تو اکیس نفی تین ۱۸ رکعت نماز تراویح ہوئی۔ آپ خود ہی فیصلہ فرمائیے کہ قاضی صاحب کو اس روایت سے کیا فائدہ ہوا۔

چھٹا جواب:

امام مالک رحمہ اللہ کی گیارہ رکعت والی روایت کو عبدالرزاق کی اکیس رکعت والی روایت پر ترجیح ہوگی۔ کیونکہ:

۱۔ گیارہ رکعت والی روایت امام مالک رحمہ اللہ کی ہے اور اکیس رکعت والی عبدالرزاق کی۔

۲۔ امام مالک رحمہ اللہ گیارہ رکعت بیان کرنے میں اکیلے نہیں اور عبدالرزاق اکیس

رکعت بیان کرنے میں اکیلے ہیں۔

تو حضرت سائب بن یزید کی مذکورہ باتفاق محدثین صحیح حدیث سے ثابت ہوا کہ خلیفہ ثانی سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے امام تراویح ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اور تمیم داری رضی اللہ عنہ کو گیارہ رکعت پڑھانے کا حکم دیا تھا۔ اور گیارہ رکعت ہی خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی سنت ہے۔ اس کے برعکس بیس رکعت نہ خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے پڑھنا ثابت ہیں نہ پڑھانا اور نہ ہی بیس رکعت کا کسی کو حکم دینا۔ تو بیس رکعت نماز تراویح جہاں خلیفہ اوّل سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سنت نہیں وہاں خلیفہ ثانی سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی بھی سنت نہیں ہے۔

اہل رائے کی طرف سے اس موضوع پر جو روایات پیش کی جاتی ہیں اب ان کے جوابات ملاحظہ فرمائیے۔

پہلی روایت:

عَنْ يَزِيْدَ بْنِ خُصَيْفَةَ عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيْدَ قَالَ كَانُوْا يَقُوْمُوْنَ عَلٰى عَهْدِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فِيْ شَهْرِ رَمَضَانَ بِعِشْرِيْنَ رَكْعَةً.

(سنن کبری صفحہ نمبر ۴۹۶ جلد نمبر ۲)

”یزید بن خصیفہ سے روایت ہے وہ سائب بن یزید سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ماہ رمضان میں بیس رکعت پڑھتے تھے“۔

الجواب:

اس روایت سے بیس رکعت کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سنت ہونا ثابت نہیں ہوا۔ کیونکہ اس میں یہ کہیں مذکورہ نہیں کہ حضرت عمر بیس رکعت پڑھتے تھے۔ نہ ہی اس میں یہ ذکر ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیس پڑھائیں۔ نہ ہی اس میں یہ ہے کہ اُنہوں

نے بیس پڑھنے یا پڑھانے کا حکم دیا ہو۔ اور احناف کے نزدیک سنت خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کا مفہوم یہ ہے اور یقیناً قاضی صاحب کے ہاں بھی بغیر ترمیم کے یہی ہوگا کہ مَا وَاظَبَ عَلَيْهِ الْخُلَفَاءُ الرَّاشِدُوْنَ. یعنی جس امر پر خلفاء راشدین مواظبت فرمائیں وہ ان کی سنت ہے۔ اور اس روایت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایک دفعہ بھی بیس پڑھنے کا ذکر نہیں ہے۔ تو اس روایت سے بیس رکعت کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی سنت ثابت کرنا غلط ہے۔ لیکن بعض الناس اس روایت کو پیش کر کے اپنا اُلو سیدھا کر رہے ہیں۔ لیکن یاد رکھنا ؎

سب جانتا ہوں میں مجھے غافل نہ جانئے
ہر ایک بات ان کی میری نظر نظر میں ہے

دوسری روایت:

عَنْ يَزِيْدَ بْنِ رُوْمَانَ اَنَّهٗ قَالَ كَانَ النَّاسُ يَقُوْمُوْنَ فِيْ زَمَانِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فِيْ رَمَضَانَ بِثَلَاثٍ وَّعِشْرِيْنَ رَكْعَةً. (مؤطا امام مالکؒ)

"یزید رومان سے روایت ہے۔ وہ فرماتے کہ لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں رمضان میں بیس رکعت پڑھتے تھے"۔

پہلا جواب:

۱۔ جناب قاضی صاحب کے بزرگ علامہ بدر الدین عینی رحمۃ اللہ علیہ حنفی اس روایت کو ذکر کر کے فرماتے ہیں:

وَيَزِيْدُ لَمْ يُدْرِكْ عُمَرَ فَيَكُوْنُ مُنْقَطِعًا. (عمدۃ القاری صفحہ نمبر ۵۹۸ جلد نمبر ۳)

"اور اس روایت کے راوی یزید کی حضرت عمر سے ملاقات نہیں اس لیے یہ روایت منقطع ہے"۔

۲۔ قاضی صاحب کے بزرگ علامہ زیلعی حنفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وَيَزِيْدُ بْنُ رُوْمَانَ لَمْ يُدْرِكْ عُمَرَ. (نصب الرایہ)

''اور یزید بن رومان کی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ملاقات نہیں''۔

۳۔قاضی صاحب کے بزرگ محترم چچا جناب قاضی شمس الدین صاحب مدظلہ العالی فرماتے ہیں:

''ہم یہ تو تسلیم کرتے ہیں کہ یہ روایت مرسل ہے''۔(القول الصحیح صفحہ نمبر ۳۳)

آپ نے پڑھ لیا کہ یزید بن رُومان کی روایت کو جناب قاضی صاحب کے بزرگ علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ علامہ زیلعی اوران کے محترم چچا جناب قاضی شمس الدین صاحب بھی مرسل و منقطع قرار دے چکے ہیں۔اب قاضی صاحب کی بھی سُن لیں۔وہ اس روایت کو نقل کرنے کے بعد ایک سوال کرتے ہیں۔''یہ روایت مرسل ہے؟'' پھر خود اس کا جواب دیتے ہیں۔''ہرگز نہیں۔''

اب ایک طرف قاضی صاحب ہیں اوردوسری طرف ان کے بزرگ جن میں ان کے محترم چچا بھی ہیں۔اس تنازعہ میں دونوں فریق میں ایک ایک قاضی موجود ہے۔لہٰذا فیصلہ تو جلد ہی ہو جانا چاہیے۔دیکھتے ہیں کس فریق کے قاضی اپنے نام کی لاج رکھتے ہیں۔

دوسرا جواب:

یزید بن رومان کی روایت میں جو مسئلہ بیان ہوا وہ صرف اس قدر ہے کہ لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بیس رکعت پڑھتے ۔اس روایت میں یہ قطعاً مذکور نہیں ہے کہ وہ لوگ بیس رکعت حضرت عمر کے حکم سے پڑھتے تھے۔نہ ہی اس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بیس رکعت پڑھنے اور پڑھانے کا ذکر ہے۔تو اس روایت سے بیس رکعت کو حضرت عمر کی سنت ہونا ثابت کرنا قطعاً غلط ہے اور باطل ہے۔باوجودیکہ یہ روایت بھی منقطع ہے پھر بھی بعض الناس یہ اور اس قسم کی دوسری روایات کے ذریعہ رات دن لوگوں کو دھوکہ دینے میں مصروف ہیں۔ان کو یہی کہنا پڑے گا ؎

کیے لاکھوں ستم اس پیار میں بھی یہی کہنا پڑے گا

خدا نخواستہ اگر خشمگیں ہوتے تو کیا کرتے!

تیسری روایت:

عَنْ يَحْيَى ابْنِ سَعِيْدٍ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ اَمَرَ رَجُلًا يُّصَلِّيْ بِهِمْ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً. (مصنف ابن ابی شیبہ)

''یحییٰ بن سعید سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو بیس رکعت پڑھانے کا حکم دیا''۔

الجواب:

ا۔یحییٰ بن سعید کی سیدنا حضرت عمر فاورق رضی اللہ عنہ سے ملاقات نہیں ہوئی۔

چنانچہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

يحيىٰ بن سعيد بن قيس الانصارى المدنى ابوسعيد القاضى ثقة ثَبْتٌ مِنَ الْخَامِسَةِ .... الخ (تقریب صفحہ نمبر ۳۹۱)

''یحییٰ بن سعید بن قیس انصاری مدنی ثقہ اور ثبت اور طبقہ خامسہ سے ہے''۔

حضرت حافظ صاحب مقدمہ تقریب میں طبقہ خامسہ کو یوں بیان فرماتے ہیں:

الخامسة الطبقة الصُّغْرىٰ منهم الذين رأو الواحد والاثنين.

''پانچواں طبقہ تابعین کا طبقہ صغریٰ ہے جس نے صرف ایک دو صحابی کو دیکھا ہو''۔

تو حافظ صاحب نے فرمایا یحییٰ بن سعید طبقہ خامسہ سے ہیں۔اور طبقہ خامسہ کی یوں وضاحت بیان فرمائی کہ جس نے ایک دو صحابی کو دیکھا ہو تو پتہ چلا کہ طبقہ خامسہ کی حضرت عمر سے ملاقات نہیں۔اور یحییٰ بن سعید بھی چونکہ خامسہ سے ہیں۔اس لئے ان کی بھی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ملاقات نہیں ہوئی تو یہ روایت منقطع ہوئی:

فائدہ: يَزِيْدُ بْنُ رُوْمَانَ الْمَدَنِى مَوْلٰى اٰلِ الزُّبَيْرِ ثِقَةٌ مِنَ الْخَامِسَةِ مَاتَ سَنَةَ ثَلٰثِيْنَ وَرِوَايَتُهٗ عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ مُرْسَلَةٌ. (تقریب صفحہ نمبر ۳۹۷)

''یزید بن رومان مدنی مولیٰ آل زبیر ثقہ طبقہ خامسہ سے ہے ۱۳۰ھ میں فوت ہوا اور اس کی روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقطع ہے''۔

یزید بن رومان طبقہ خامسہ سے ہیں اور ان کی روایت حضرت ابو ہریرہ سے مرسل ہے تو یقیناً ان کی روایت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے بھی مرسل منقطع ہے۔

۲۔قاضی صاحب کے بزرگ علامہ شوق صاحب نیموی حنفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

قَالَ النَّیْمَوِی فِیْ اٰثَارِ السُّنَنِ رِجَالُهٗ ثِقَاتٌ لٰکِنْ یَحْیَی بْنَ سَعِیْدٍ لَمْ یُدْرِكْ عُمَرَ. (تحفۃ الاحوذی صفحہ نمبر ۷۵ جلد نمبر ۲)

''علامہ شوق صاحب نیموی آثار السنن میں فرماتے ہیں اس روایت (مذکورہ) کے راوی ثقہ ہیں لیکن یحییٰ بن سعید کی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ملاقات نہیں''۔

۳۔قاضی صاحب کے بزرگ محترم چچا جناب قاضی شمس الدین صاحب مدظلہ العالی مذکورہ روایت نقل کر کے ایک سوال کرتے ہیں۔''یہ روایت مرسل ہے؟'' القول الصحیح صفحہ نمبر ۳۸ پر اس سوال کے جواب کا اشارہ فرما رہے ہیں کہ جواب اوپر گذر چکا ہے۔وہ جواب یہ ہے کہ''ہم یہ تو تسلیم کرتے ہیں کہ یہ روایت مرسل ہے۔''اس میں یحییٰ بن سعید کی ملاقات حضرت امیر المؤمنین عمرؓ سے ثابت نہیں۔قاضی صاحب کے محترم چچا کو تو آخر فرمانا پڑا کہ یحییٰ بن سعید کی یہ روایت مرسل ہے۔لیکن قاضی صاحب بقول شاعر ؎

ذرا سی بات پر اے داغ تم ان سے بگڑ بیٹھے
اسی کا نام اُلفت ہے محبت اس کو کہتے ہیں؟

۴۔قاضی صاحب بھی یحییٰ بن سعید کی روایت نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔''اسناد مرسل قوی ہے۔'' (پمفلٹ صفحہ نمبر ۴۴) تو قاضی صاحب نے اتنا اقرار تو فرمالیا کہ یحییٰ بن سعید کی روایت مرسل ہے۔رہا قوی وغیر قوی کا سوال تو مؤدبانہ گذارش ہے۔شرح نخبہ اصول حدیث کی معتبر و مستند کتاب پڑھیے۔مرسل و منقطع علی الاطلاق خبر واحد کی قسم غیر مقبول میں شمار ہوتا ہے۔پھر ارسال وانقطاع بذات خود ایک ضعف ہے۔

تو بیس رکعت نماز تراویح کسی ایک صحیح حدیث سے سیدنا حضرت عمر فاروق

کا امام تراویح ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو گیارہ رکعت پڑھانے کا حکم دینا حضرت سائب بن یزید کی باتفاق محدثین صحیح حدیث سے ثابت ہے۔ اور گیارہ رکعت نماز تراویح ہی خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی سنت ہوئی۔

بیس رکعت نماز تراویح سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی بھی سنت نہیں:

جیسے بیس رکعت تراویح پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت نہیں۔

خلیفہ اوّل سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی بیس رکعت نہیں پڑھیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے بھی بیس رکعت نماز تراویح ثابت نہ ہوسکی۔ اسی طرح بیس رکعت نماز تراویح خلیفہ ثالث سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی بھی سنت نہیں۔ بعض الناس نے اسے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی سنت کہنے کا شنیع حیلہ کیا۔ لیکن بحمد للہ علامہ شوق صاحب نیموی حنفی نے اس کا پردہ بھی چاک کر دیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

قَالَ النِّيْمَوِيُّ فِيْ تَعْلِيْقِ آثَارِ السُّنَنِ لَايَخْفٰى عَلَيْكَ اَنَّ مَارَوَاهُ السَّائِبُ مِنْ حَدِيْثِ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً قَدْ ذَكَرَهُ بَعْضُ اَهْلِ الْعِلْمِ بِلَفْظِ اَنَّهُمْ كَانُوْا يَقُوْمُوْنَ عَلٰى عَهْدِ عُمَرَ بِعِشْرِيْنَ رَكْعَةً وَعَلٰى عَهْدِ عُثْمَانَ وَعَلٰى مِثْلَهُ وَعَزَاهُ اِلَى الْبُيْهَقِيِّ فَقَوْلُهُ عَلٰى عَهْدِ عُثْمَانَ وَعَلِيٍّ مِثْلَهُ قَوْلٌ مُدْرَجٌ لَا يُوْجَدُ فِيْ تَصَانِيْفِ الْبُيْهَقِي. (تحفۃ الاحوذی صفحہ نمبر ۷۶ جلد نمبر ۲)

''علامہ شوق صاحب نیموی تعلیق آثار السنن میں فرماتے ہیں'' آپ پر مخفی نہ رہے کہ سائب بن یزید کی بیس رکعت والی روایت کو بعض علماء نے ان الفاظ سے ذکر کیا ہے کہ لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں بیس رکعت پڑھتے تھے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہد مبارک میں بھی اس کی مثل، پھر بیہقی کا حوالہ دیا۔ لیکن اس کا یہ قول کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہد مبارک میں بھی اس کی مثل مدرج قول ہے۔ امام بیہقی رحمہ اللہ کی تصنیفات میں نہیں پایا جاتا''۔

اب قاضی صاحب ہی بتائیں گے کہ حضرت سائب بن یزید کی روایت میں **علی عهد عثمان وعلی مثله** کا اضافہ کرنا مذہب کی پچ میں چپر لگانا نہیں تو اور کیا ہے؟ ناظرین! میرا اس وقت یہ موضوع نہیں۔ ورنہ خوب نقاب کشائی کرتا۔ کیونکہ اہل رائے حضرات کی حدیث کے ساتھ ناروا سلوک کی داستان بہت طویل ہے۔ معلوم ہوا کہ بیس رکعت نماز تراویح خلیفہ ثالث حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی سنت نہیں ہے۔

بیس رکعت نماز تراویح سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سنت بھی نہیں:

بیس رکعت نماز تراویح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت نہیں اہل رائے نے بہت کوشش کی کہ کسی نہ کسی طریق سے یہ خلفاء کی سنت بن سکے۔ لیکن ناکام رہے۔ کہ بیس رکعت نماز تراویح کو سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی سنت کہیں۔ سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی سنت بھی ثابت نہ کر سکے۔ اسی طرح سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی سنت بھی قرار نہ دے سکے۔ لیکن ابھی ان کے تجسس کی حس بڑھ رہی ہے۔ اور یہی کوشش ہے کہ کسی طریقہ سے ہم اسے خلیفہ رابع سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سنت ہی کہہ سکیں۔ لیکن ان بے چاروں پر کہاں تک ترس کھایا جائے۔ یہ جن آثار کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیس رکعت نماز تراویح ہونے پر پیش کرتے ہیں وہ سب کے سب ضعیف ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی قابل نہیں ہے۔ ویسے وہ بھی آپ ملاحظہ فرمالیں۔

پہلا اثر:

عَنْ أَبِي الْحَسْنَاءِ أَنَّ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ أَمَرَ رَجُلًا أَنْ يُّصَلِّيَ بِالنَّاسِ خَمْسَ تَرْوِيْحَاتٍ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً وَفِي هٰذَا الْإِسْنَادِ ضُعْفٌ.

(سنن کبریٰ صفحہ نمبر ۴۹۷ جلد نمبر ۲)

"ابوالحسناء سے روایت ہے کہ حضرت علی نے ایک شخص کو پانچ ترویحے بیس رکعت پڑھانے کا حکم دیا۔ اور اس سند میں ضعف ہے"۔

۱۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے بذات خود ہی اس مذکورہ بالا اثر کو نقل کرنے کے بعد فرمایا:

وَفِيْ هٰذَا الْإِسْنَادِ ضُعْفٌ. اور اس کی سند میں ضعف ہے

۲۔ اس اثر کے راوی ابو اطنار مجہول ہیں۔

قَالَ الْحَافِظُ فِي التَّقْرِيْبِ فِيْ تَرْجَمَةِ اَبِي الْحَسْنَاءِ اَنَّهٗ مَجْهُوْلٌ وَقَالَ الذَّهَبِيُّ فِيْ مِيْزَانِهٖ لَايُعْرَفُ. (تحفۃ الاحوذی صفحہ نمبر ۷۴ جلد نمبر ۲)

"حافظ صاحب تقریب میں ابوالحسناء کے ترجمہ میں فرماتے ہیں کہ وہ مجہول ہے اور حافظ ذہبی بھی میزان الاعتدال میں فرماتے ہیں وہ غیر معروف ہے"۔

۳۔ نیز حضرت قاضی صاحب کے بزرگ علامہ شوق صاحب نیموی حنفیؒ فرماتے ہیں:

قَالَ النَّيْمَوِيُّ تَعْلِيْقِ اٰثَارِ السُّنَنِ مَدَارُ هٰذَا الْاَثَرِ عَلٰى اَبِي الْحَسْنَاءِ وَهُوَ لَا يُعْرَفُ. (تحفۃ الاحوذی صفحہ نمبر ۷۴ جلد نمبر ۲)

"علامہ شوق صاحب نیموی حنفی رحمہ اللہ تعلیق آثار السنن میں فرماتے ہیں کہ اس مذکورہ بالا اثر کا دارومدار ابوالحسناء پر ہے اور وہ غیر معروف ہے"۔

دوسرا اثر:

حَمَّادُ بْنُ شُعَيْبٍ عَنْ عَطَاءَ بْنِ السَّائِبِ عَنْ اَبِيْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ السُّلَمِيِّ عَنْ عَلِيٍّ اَنَّهٗ دَعَا الْقُرَّاءَ فِيْ رَمَضَانَ فَاَمَرَمِنْهُمْ رَجُلًا اَنْ يُّصَلِّيَ بِالنَّاسِ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً وَكَانَ عَلِيٌّ يُوْتِرُبِهِمْ. (سنن کبریٰ ۴۹۶ جلد نمبر ۲)

"حماد بن شعیب عطا بن سائب سے وہ ابو عبدالرحمٰن سلمی سے وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رمضان میں قاریوں کو بلایا پھر ان سے ایک کو حکم دیا کہ لوگوں کو بیس رکعت پڑھائے اور آپ خود حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کو وتر پڑھاتے تھے"۔

قاضی صاحب کے بزرگ علامہ شوق صاحب نیموی حنفی مذکورہ بالا اثر کو نقل کر کے فرماتے ہیں:

حَمَّادُ بْنُ شُعَيْبٍ ضَعِيْفٌ قَالَ الذَّهَبِيُّ فِي الْمِيْزَانِ ضَعَّفَهُ ابْنُ مُعِيْنٍ

وَغَيْرِهٖ وَقَالَ يَحْيٰى مَرَّةً لَا يُكْتَبُ حَدِيْثُهٗ وَ قَالَ الْبُخَارِيُّ فِيْهِ نَظْرٌ وَ قَالَ النِّسَائِيُّ ضَعِيْفٌ وَقَالَ ابْنُ عَدِيٍّ اَكْثَرَ حَدِيْثَهٗ مِمَّا لَا يُتَابَعُ عَلَيْهِ. (تحفۃ الاحوذی صفحہ نمبر ۷۵ جلد نمبر ۲)

''(اوراس اثر کے راوی) حماد بن شعیب ضعیف ہیں۔حافظ ذہبی میزان میں فرماتے ہیں یحیٰی بن معین اور دیگر محدثین نے اسے ضعیف کہا یحیٰی نے ایک دفعہ فرمایا اس کی حدیث قابل کتابت نہیں اور امام بخاری فرماتے ہیں۔اس میں نظر ہے۔اورامام نسائی فرماتے یہ ضعیف ہے اور ابن عدی فرماتے ہیں۔اس کی اکثر احادیث کی متابعت نہیں ملتی''۔

فائدہ جلیلہ:

قَالَ الشَّيْخُ ابْنُ الْهَمَّامِ فِي التَّحْرِيْرِ اِذَا قَالَ الْبُخَارِيُّ لِلرَّجُلِ فِيْهِ نَظْرٌ فَحَدِيْثُهٗ لَا يُحْتَجُّ بِهٖ وَلَا يُسْتَشْهَدُ بِهٖ وَلَا يَصْلُحُ لِلْاِعْتِبَارِ اِنْتَهٰى كَلَامُ ابْنُ الْهَمَّامِ قُلْتُ فَاَثَرُ عَلِيٍّ هٰذَا لَا يُحْتَجُّ بِهٖ وَلَا يُسْتَشْهَدُ بِهٖ وَلَا يَصْلُحُ لِلْاِعْتِبَارِ فَاِنَّ فِيْ سَنَدِهٖ حَمَّادُ بْنُ شُعَيْبٍ وَقَالَ الْبُخَارِيُّ فِيْهِ نَظْرٌ.

(تحفۃ الاحوذی صفحہ نمبر ۷۵ جلد نمبر ۲)

''شیخ ابن ہمام تحریر میں فرماتے ہیں''جب امام بخاری کسی راوی کے متعلق یہ فرمادیں کہ اس میں نظر ہے تو اس (راوی) کی حدیث قابل احتجاج واستشہاد نہیں اور نہ ہی قابل اعتبار امام ابن ہمام کا کلام ختم ہوا میں کہتا ہوں تو (اس بنا پر) حضرت علی کا یہ (مذکورہ بالا) اثر قابل احتجاج واستشہاد نہیں اور نہ ہی یہ قابل اعتبار ہے۔کیونکہ اس کی سند میں حماد بن شعیب (راوی) ہے جس کہ متعلق امام بخاری فرما چکے ہیں کہ اس میں نظر ہے''۔

تو بیس رکعت نماز تراویح حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بھی سنت نہ ہوئیں۔مذکورہ دلائل سے آپ کو معلوم ہو گیا ہے کہ بیس رکعت نماز تراویح خلفاء راشدین میں سے کسی کی بھی

سنت نہیں ہیں۔ سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ، اور سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ، میں سے کسی خلیفہ نے نہ بیس رکعت پڑھیں، نہ پڑھائیں اور نہ ہی پڑھنے کا حکم دیا۔ بلکہ خلیفہ ثانی سیدنا حضرت عمر فاروق کا امام تراویح ابی بن کعب رضی اللہ عنہ، وتمیم داری رضی اللہ عنہ، کو گیارہ رکعت پڑھانے کا حکم دینا باتفاق محدثین صحیح حدیث سے ثابت ہے۔اب ذرا حکم فاروقی رضی اللہ عنہ، کو مدنظر رکھتے ہوئے فرمایئے کہ یہ لوگ کیسے حق بجانب ہو سکتے ہیں کہ جی ''آٹھ کا مسئلہ آج سے ۹۶ برس پہلے شروع ہوا''۔اغلب ہے کہ یہ لوگ جلد ہی خود صحابی رضی اللہ عنہ، اور عمر رضی اللہ عنہ، ہونے کا دعویٰ کردیں گے۔تاہم ان کی اس تاریخ دانی سے ان کے بزرگ تو یقیناً عہد فاروقی سے جا ملتے ہوں گے۔ ع

قاضی ارباا نشیذ بر فشاند دست را

جناب قاضی صاحب نے دو اثر نقل کیے ہیں کہ سوید بن غفلہ اور ابن ابی ملیکہ نے بیس رکعت نماز پڑھائی۔ناظرین غور فرمایئے ؎

جفاؤں کو وفا کہنے لگے ہیں
وہ ظلمت کو ضیاء کہنے لگے ہیں

سوید بن اور ابی ملیکہ نہ تو پیغمبر ہیں نہ ہی خلفاء راشدین۔ بلکہ یہ دونوں بزرگ تو صحابی بھی نہیں۔تو پھر ان کے عمل سے بیس رکعت نماز تراویح کا سنت نبویہ یا خلفاء راشدین کی سنت ہونا کیونکہ ثابت ہوا۔ان لوگوں کو یہاں پر ہی کہنا پڑے گا ؎

ادھر آ لوٹ کر اے رہرو بیگانہ منزل
رہ ایمان میں رہبر ہے حدیث خاتم المرسل

معلوم ہوتا ہے کہ اصل بات یہ ہے کہ قاضی صاحب کو اپنی پیش کردہ روایات کی نفری بڑھانے کی فکر رہی ہے۔چاہے ان کا اصل موضوع سے دور کا بھی تعلق نہ ہو۔یا پھر جب ان کے سر سے پانی گذر گیا ہے تو انہیں گویائی کی ضرورت

محسوس ہوئی۔نتیجتاً انہیں ایسے غوطے آ گئے ہوں گے۔لیکن ایسی بات اہل علم کے شایان نہیں ہوا کرتی۔قاضی صاحب نے مزید ایک اثر عطاء تابعی سے نقل فرمایا ہے۔وہ فرماتے ہیں کہ ''میں نے لوگوں کو بیس رکعت پڑھتے پایا۔''حضرت عطاء تابعی نے یہ تو نہیں فرمایا کہ میں نے خلفاء راشدین کو بیس رکعت پڑھتے پایا''۔وہ تو تابعی ہیں۔اس لیے سے اس سے بیس رکعت خلفاء راشدین کی سنت ہونے پر استدلال کرنا صریحاً غلط ہے ؎

طوفان نوح لانے سے اے چشم فائدہ
دو اشک ہی بہت ہیں اگر کچھ اثر کریں



پانچواں باب

آٹھ رکعت نماز تراویح سنت نبویہ ہونا محقق حنفی علماء کا مسلک

پیغمبر خدا ﷺ کی سنت آٹھ رکعت نماز تراویح ہوئی۔ اور خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بھی امام تراویح ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اور تمیم داری کو گیارہ رکعت پڑھانے کا حکم دیا تھا۔ اور سنت نبویہ اور خلفاء راشدین کی سنت تو آٹھ رکعت نماز تراویح ہے۔ اس کے بعد آٹھ رکعت تراویح سنت نبویہ ہونا محقق حنفی علماء کا بھی مسلک ہے یہاں پر اس کے پیش کرنے کی کوئی ضرورت تو نہ تھی۔ لیکن ہمارا واسطہ چونکہ نام نہاد مقلدین سے ہے۔ جو بعض اوقات اپنے بزرگوں کی عقیدت میں احادیث صحیحہ سے بھی روگردانی کر لیتے ہیں۔ اور ان کا معیار یہ ہوتا ہے۔ کہ اگر آنحضرت ﷺ کے 'ارشادات' ان کے بزرگوں کے 'اقوال' کے مطابق مل گئے تو بہتر ورنہ یہ آنحضرت ﷺ کی بات اپنے بزرگوں کے مقابلہ میں ماننے کو تیار نہیں ہیں۔ کیونکہ یہ خود میں اتنی صلاحیت نہیں سمجھتے ہیں۔ کہ یہ آنحضرت ﷺ کی فرمودہ باتیں سمجھ سکیں۔ خدا تعالیٰ نے جو نبی تمام بنی نوع انسان کی رشد و ہدایت کی خاطر مبعوث فرمایا۔ یہ لوگ اُس کے فرمان سمجھنے سے قاصر ہیں۔ یہ دینی معاملات کو بالواسطہ سمجھنے کے عادی ہیں۔ اس لئے ان کی تسلی کی خاطر ان کے بزرگوں کا مسلک نقل کر رہا ہوں۔ کہ وہ بھی آٹھ رکعت سنت نبویہ کے قائل تھے۔

۱۔ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے تلمیذ رشید امام محمد رحمۃ اللہ علیہ:

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ اپنی مایہ ناز کتاب مؤطا میں باب "قیام شهر رمضان" کے تحت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کہ "پیغمبر ﷺ رمضان و غیر رمضان میں گیارہ رکعت پر اضافہ نہیں فرمایا کرتے تھے" بیان کرنے کے بعد آخر باب میں فرماتے ہیں:

وَبِهٰذَا كُلِّهٖ نَأْخُذُ لَا بَأْسَ بِالصَّلٰوةِ فِيْ شَهْرِ رَمَضَانَ اَنْ يُّصَلِّيَ النَّاسَ تَطَوُّعًا بِاَنَّ الْمُسْلِمِيْنَ قَدْ اَجْمَعُوْا عَلٰى ذَالِكَ. (مؤطا امام محمدؒ)

''اور ہم ان تمام (باب میں بیان شدہ احادیث) کو اخذ کرتے ہیں۔اس میں کوئی حرج نہیں کہ لوگ رمضان میں نفل نماز جماعت سے ادا کریں۔ کیونکہ تمام اہل اسلام کا اس پر اجماع ہے''۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کو باب ''قیام شہر رمضان'' میں ذکر فرمانا پھر ''وَبِهٰذَا كُلِّهٖ نَأْخُذ'' ہم ان تمام احادیث کو لیتے ہیں۔یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ان کا مسلک بھی یہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں بھی گیارہ رکعت پر اضافہ نہیں فرمایا کرتے تھے۔اس کے برعکس بیس رکعت سنت نبویہ ہونا ان سے منقول نہیں۔ وَمَنِ ادَّعٰى فَعَلَيْهِ الْبَيَانُ.

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا حدیث عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی باب ''قیام شہر رمضان'' میں ذکر فرمانا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس سے ان کے ہاں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے قیام رمضان' صلوۃ تراویح پر استدلال درست ہے۔

۲۔علامہ بدرالدین عینی حنفی رحمۃ اللہ علیہ:

قاضی صاحب کے بزرگ علامہ بدرالدین عینی حنفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے:

فَاِنْ قُلْتَ لَمْ يُبَيَّنْ فِي الرِّوَايَاتِ الْمَذْكُوْرَةِ عَدَدَ هٰذِهِ الصَّلٰوةِ الَّتِيْ صَلَّاهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِيْ تِلْكَ اللَّيَالِيْ قُلْتُ رَوَى ابْنُ خُزَيْمَةَ وَابْنُ حِبَّانَ مِنْ حَدِيْثِ جَابِرٍؓ قَالَ صَلّٰى بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِيْ رَمَضَانَ ثَمَانَ رَكْعَاتٍ وَاَوْتَرَ. (عمدۃ القاری صفحہ نمبر ۵۹۷ جلد نمبر ۳)

''اگر آپ کہیں کہ مذکورہ بالا روایت میں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ان راتوں کی نماز کا عدد بیان نہیں ہوا۔تو میں کہوں گا ابن حبان اور ابن خزیمہ نے حضرت جابر کی حدیث روایت کی ہے۔وہ فرماتے ہیں کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں

رمضان میں آٹھ رکعت نماز پڑھائی۔ پھر وتر ادا کیے''۔

علامہ بدرالدین حنفی رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک بھی یہی ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو جو مسجد میں نماز پڑھائی تھی وہ آٹھ رکعت ہی تھی۔

علامہ بدرالدین عینی حنفی رحمۃ اللہ علیہ کے متذکرہ بالا بیان و مسلک کو سامنے رکھتے ہوئے غور کیجئے۔ کہ یہ کیسا فریب ہے۔ کہ جی ''آٹھ کا مسئلہ آج سے ۹۶ سال پہلے شروع''۔ اور یہ بھی کیسا طرفہ ہے کہ ''آٹھ رکعت سنت نبویہ ہونے کا فتویٰ دینے کی ابتدا حضرت مولانا حافظ حسین صاحب بٹالوی نے کی۔ آپ کو معلوم ہوگا۔ یہ کیسے عجیب لوگ ہیں۔ کہ اپنے مسلک کے عنکبوتی آشیانہ کی مرمت کذب بیانی ایسی بوسیدہ تاروں سے کر رہے ہیں۔

۳۔ امام ابن ہمام حنفی رحمۃ اللہ علیہ:

قاضی صاحب کے بزرگ امام ہمام حنفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

فَتَحَصَّلَ مِنْ هٰذَا كُلِّهِ قِيَامُ رَمَضَانَ سُنَّةً اِحْدٰی عَشْرَةَ رَكْعَةً بِالْوِتْرِ فِيْ جَمَاعَةٍ فَعَلَهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ. (حاشیہ بخاری بحوالہ ابن ہمام صفحہ نمبر ۱۵۴ جلد نمبر ۱)

''اس تمام بحث کا ماحصل یہ ہے قیام رمضان باجماعت سنت بمعہ وتر گیارہ رکعت ہے۔ جسے نبی علیہ السلام نے ادا کیا''۔

امام ابن ہمام حنفی رحمۃ اللہ علیہ کے مذکورہ بالا فتویٰ سے روز روشن کی طرح واضح ہے کہ گیارہ رکعت بمعہ وتر سنت نبویہ ہے۔ معلوم ہوا کہ آٹھ رکعت سنت نبویہ ہونے کے فتوی کی ابتداء حضرت مولانا حافظ محمد حسین صاحب بٹالوی رحمۃ اللہ علیہ نے نہیں کی۔ بلکہ اُن سے بہت پہلے اہل رائے حضرات کے ہی بزرگ علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ اور ابن ہمام بھی یہی فتویٰ دے چکے ہیں۔ چنانچہ قاضی صاحب اپنے عتاب میں جو کچھ کہنا چاہتے ہیں اپنے بزرگوں کو ہی کہہ لیں۔

۴۔ حضرت مولانا احمد علی صاحب سہارنپوری حنفی رحمۃ اللہ علیہ:

حضرت مولانا احمد علی صاحب سہارنپوری نے امام ابن ہمام کا متذکرہ بالا

فتویٰ نقل کرنے کے بعد سکوت فرمایا ہے۔ کہ گیارہ رکعت بمعہ وتر ہی سنت نبویہ ہے اوراس پر کسی قسم کی تنقید نہیں کی۔ جس کا واضح مطلب ہے کہ انہیں امام ابن ہمام کے فتوی سے پورا پورا اتفاق ہے ورنہ وہ ضرور بالضرور اس پر لب کشائی کرتے۔ اور کچھ نہیں تو کم ازکم قاضی صاحب کی طرح یہ ہی کہہ دیتے۔ کہ ''ان بزرگوں کی انفرادی رائے ہے''۔

علامہ زیلعی حنفی رحمۃ اللہ علیہ:

قاضی صاحب کے بزرگ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی بیس رکعت والی روایت نقل کر کے فرماتے ہیں:

وَهُوَ مَعْلُوْلٌ بِأَبِيْ شَيْبَةَ اِبْرَاهِيْمُ بْنُ عُثْمَانَ جَدِّ الْإِمَامِ اَبِيْ بَكْرِ ابْنِ اَبِيْ شَيْبَةَ وَهُوَ مُتَّفَقٌ عَلٰى ضُعْفِهٖ وَلَيَّنَهُ ابْنُ عَدِيٍّ فِي الْكَامِلِ ثُمَّ اِنَّهٗ مُخَالِفٌ لِلْحَدِيْثِ الصَّحِيْحِ عَنْ اَبِيْ سَلَمَةَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَانِ اَنَّهٗ سَئَلَ عَائِشَةَ كَيْفَ كَانَتْ صَلٰوةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فِيْ رَمَضَانَ فَقَالَتْ مَاكَانَ يَزِيْدُ فِيْ رَمَضَانَ وَلَا فِيْ غَيْرِهٖ عَلٰى اِحْدٰى عَشَرَةَ رَكْعَةً. (لغیب الرایہ جلد نمبر ۱)

''اور وہ ابن عباس کی حدیث' امام ابوبکر بن ابی شیبہ کے دادا ابوشیبہ ابراہیم بن عثمان کی وجہ سے معلول ہے۔ اور اس کے ضعف پر اتفاق ہے۔ اور ابن عدی نے اسے کامل میں ضعیف کہا ہے۔ پھر یہ صحیح حدیث کے بھی مخالف ہے۔ کہ ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی رمضان میں نماز کیسی تھی۔ تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا۔ آپ رمضان میں وغیر رمضان میں گیارہ رکعت پر اضافہ نہیں فرمایا کرتے تھے''۔

تو علامہ زیلعی حنفی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہ مسلک ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں بھی گیارہ رکعت سے زائد نہیں پڑھا کرتے تھے۔

اب تو قاضی صاحب کے زعم میں یہ چیز دور ہوگئی ہوگی۔ کہ حضرت مولانا

حافظ محمد حسین صاحب بٹالوی نے آٹھ رکعت سنت نبویہ ہونے کے فتویٰ میں ابتدا کی ہے۔ بلکہ ان سے پہلے قاضی صاحب کے بزرگ علامہ زیلعی حنفی رحمۃ اللہ علیہ بھی آٹھ رکعت سنت نبویہ کا فتویٰ دے چکے ہیں۔

علامہ زیلعی حنفی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز تراویح پر استدلال درست ہے کہ "پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم رمضان وغیر رمضان میں گیارہ رکعت پر اضافہ نہیں فرمایا کرتے تھے"۔ ورنہ وہ حضرت ابن عباسؓ کی حدیث کو حدیث عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے خلاف قرار نہ دیتے۔

۶۔ ملا علی قاری حنفی رحمۃ اللہ علیہ:

قاضی صاحب کے بزرگ حضرت ملا علی قاری حنفی فرماتے ہیں:

فَتَحْصُلُ مِنْ هٰذَا كُلِّهٖ اَنَّ التَّرَاوِيْحَ فِي الْاَصْلِ اِحْدٰى عَشَرَةَ بِالْوِتْرِ فِيْ جَمَاعَةٍ وَفَعَلَهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الخ. (حاشیہ مشکوۃ بحوالہ مرقاۃ)

تو اس تمام بحث کا حاصل یہ ہے کہ تراویح باجماعت بمعہ وتر دراصل گیارہ رکعت ہی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ادا کیا تو جناب اہل رائے کے ہی بزرگ حضرت ملا علی قاری بھی ہمارا ساتھ دے رہے ہیں کہ نماز تراویح دراصل بمعہ وتر گیارہ رکعت ہی ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔

۷۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی حنفی رحمۃ اللہ علیہ:

قاضی صاحب کے بزرگ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی حنفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وَلَمْ يَثْبُتْ رِوَايَةُ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً مِنْهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَمَا هُوَ مُتَعَارِفُ الْاٰنَ اِلَّا فِيْ رِوَايَةِ ابْنِ اَبِيْ شَيْبَةَ وَهُوَ ضَعِيْفٌ وَقَدْ عَارَضَهٗ حَدِيْثُ عَائِشَةَ وَهُوَ حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ.

"اور بیس رکعت کی روایت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں جیسا کہ آج کل متعارف ہے۔ مگر ابن ابی شیبہ کی روایت میں اور وہ ضعیف ہے اور حضرت

عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث بھی اس کے معارض ہے اور وہ صحیح حدیث ہے"۔

تو اہل رائے کے بزرگ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی حنفی رحمۃ اللہ علیہ بھی آٹھ رکعت نماز تراویح کو نبی علیہ السلام کی سنت کہہ رہے ہیں۔ اور قاضی صاحب اپنوں کے بھی بیگانے بنے بیٹھے ہیں۔

۸۔ حضرت مولانا عبدالحق صاحب لکھنوی حنفی رحمۃ اللہ علیہ:

قاضی صاحب کے بزرگ حضرت مولانا عبدالحق صاحب لکھنوی حنفی رحمۃ اللہ علیہ فرمارہے ہیں:

وَاَمَّا الْعَدَدُ فَرَوَى ابْنُ حِبَّانَ وَغَيْرُهُ اَنَّهُ صَلَّى بِهِمْ فِيْ تِلْكَ اللَّيَالِيْ ثَمَانَ رَكْعَاتٍ وَثَلَاثَ رَكْعَاتٍ وِتْرًا. (عمدۃ الرعایہ صفحہ نمبر ۲۸۷ جلد نمبر ۱)

"اور تراویح کا عدد تو امام ابن حبان اور دیگر محدثین نے روایات کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو ان راتوں آٹھ رکعت اور تین وتر پڑھائے"۔

۹۔ حضرت مولانا سید انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا اعتراف:

قاضی صاحب کے بزرگ ان کی طرح اس قدر متعصب نہیں تھے۔ اور وہ حق بات کو تسلیم کر لینے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔ چنانچہ حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب کاشمیری دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کے خیالات کا جائزہ لیجئے:

لَامَنَاصَ مِنْ تَسْلِيْمِ اَنَّ تَرَاوِيْحَهُ عَلَيْهِ السَّلَام كَانَتْ ثَمَانِيَةَ رَكَعَاتٍ وَلَمْ يَثْبُتْ فِيْ رِوَايَةٍ مِنَ الرِّوَايَاتِ اَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ صَلَّى التَّرَاوِيْحَ وَالتَّهَجُّدَ عَلٰى حِدَةٍ مِنْ رَمَضَانَ. (العرف الشذی)

"یہ بات تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تراویح آٹھ رکعت تھی۔ اور کسی ایک روایت سے بھی ثابت نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان المبارک میں نماز تراویح اور تہجد الگ الگ پڑھی ہو"۔

۱۔ تو قاضی صاحب کے بزرگ حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ نے کیسا عمدہ فیصلہ فرمایا۔ کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز تراویح آٹھ رکعت ہی تھیں اور اس کے تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں معلوم ہوتا ہے کہ قاضی کے ہاں تو بہت ہی چارہ ہوگا۔ کیونکہ نئی روشنی میں نئی تحقیق اُجاگر کررہے ہیں۔ اور تحقیق حق اس کو نام دیا ہوا ہے۔ اچھا اگر ابھی تک ان کو حق کی تحقیق نہیں ہوئی ہے۔ تو خدا تعالیٰ انہیں تحقیق اور حق کو تسلیم کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

ناظرین غور کیجئے کہ حق بات کہنے اور تسلیم کرنے میں حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سچے ہیں۔ یا قاضی صاحب کی ذات گرامی۔

۲۔ قاضی صاحب تو ایڑی چوٹی کے زور سے اس بات کا چرچا کررہے ہیں کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم رمضان المبارک میں تراویح اور تہجد الگ الگ پڑھا کرتے تھے۔ لیکن شاہ صاحب نے مدت پہلے یہ بات واضح کردی تھی۔ کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا رمضان المبارک میں تراویح اور تہجد الگ الگ پڑھنا کسی ایک روایت سے بھی ثابت نہیں اب جناب قاضی صاحب اور ان کے پیشوا امام حضرت شاہ صاحب دونوں بزرگوں میں سے ایک سچ پر ہیں۔ اور دوسرے کو کیا کہوں آپ سمجھئے۔ کیونکہ اصول ہے اجتماع نقیضین بھی باطل اور ارتفاع نقیضین بھی باطل۔ اب آپ خود فیصلہ کریں۔ کیونکہ آپ قاضی ہیں اور اپنے نام کی لاج رکھتے ہوئے صحیح فیصلہ دیں۔ شاید ہم بھی آپ کو قاضی تسلیم کرلیں۔

قاضی صاحب کے محترم ومکرم چچا صاحب کا اقرار:

قاضی صاحب کے محترم ومکرم چچا قاضی شمس الدین صاحب مدظلہ العالی فرماتے ہیں:

ناظرین کرام! میرا موقف یہ ہے کہ مجھے نہ آٹھ کی سنیت سے انکار ہے اور نہ عملاً ان کے ترک کو مستحسن سمجھتا ہوں اور نہ ہی حتی المقدور ان کو ترک کرتا

ہوں۔اور نہ ہی کسی کو ترک کرنے کی تلقین کرتا ہوں۔اور نہ ہی میری جماعت حنفیہ کرام آٹھ کی سنیت کے منکر یا تارک ہیں۔ بلکہ ہم تو کہتے ہیں کہ آٹھ رکعت سنت ہیں سنت ہیں۔''(القول الفصیح صفحہ نمبر ۵)

۱۔ تو قاضی صاحب کے محترم مکرم چچا جناب قاضی شمس الدین صاحب نے اپنا ہی نہیں بلکہ تمام اہل رائے حضرات کا اجماعی مسلک بیان کیا ہے کہ''نہ ہی میری جماعت حنفیہ کرام آٹھ کی سنیت کے منکر یا تارک ہیں۔ بلکہ ہم تو کہتے ہیں کہ آٹھ رکعت سنت ہیں۔سنت ہیں۔'' جناب قاضی صاحب نے''سنت ہیں۔'' کا لفظ تقریرًا اور تاکیداً دوبارہ بولا ہے تاکہ بعض الناس یہ نہ سمجھیں کہ ہمارے شیخ الحدیث قاضی صاحب کو''آٹھ رکعت سنت ہیں'' کہنے میں سہو ہو گیا تھا۔

۲۔ قاضی صاحب کے محترم مکرم چچا صاحب کا بیان تو آپ نے پڑھ لیا کہ وہ فرماتے ہیں کہ آٹھ رکعت سنت ہیں سنت ہیں۔''اور ادھر قاضی صاحب کے ارشاد یہ ہیں کہ''رکعات کا عدد کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں'' پھر اتباع سنت تو یہی ہے کہ بیس رکعت کو ہی سنت سمجھ کر ان پر عمل کیا جائے۔ناظرین !اب آپ ہی فیصلہ کر لیں کہ دونوں قاضی بزرگان میں سے کون غلطی پر ہے۔ہم تو انہیں یہ کہیں گے: فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ إِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ... الخ.

۳۔ قاضی صاحب کے دس بزرگوں کے ارشادات تو آپ پڑھ چکے جو سب کے سب اس بات کے قائل ہیں۔کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام رمضان گیارہ رکعت ہی تھا۔تو اس سے جناب قاضی صاحب کے بیس رکعت پر ساری امت کے اجماع کی بھی قلعی کھل گئی۔بیس رکعت کی سنت پر ساری امت تو کجا صرف اُمت حنفیہ بھی متفق نہیں۔بلکہ ان دس بزرگوں کے علاوہ دیگر اہل رائے حضرات بھی ہمارے ہم نوا ہیں۔وَالْفَضْلُ مَا شَهِدَتْ بِهِ الْأَعْدَاءُ.

خلاصہ ایں چہار ابواب:

۱۔ آٹھ رکعت نماز تراویح سنت نبویہ ہونا تین مرفوع اور قابل حجت احادیث سے ثابت ہے۔

۲۔ امام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی فعلی مرفوع تصریحی اور باتفاق محدثین صحیح لذاتہ حدیث کہ ''پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم رمضان وغیر رمضان میں گیارہ رکعت پر اضافہ نہیں فرمایا کرتے تھے۔''

۲۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابی حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی فعلی مرفوع تصریحی اور باتفاق محدثین قابل حجت حدیث کہ ''پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں رمضان المبارک میں آٹھ رکعت نماز پڑھائی۔''

۳۔ اقرا القراء امام تراویح حضرت ابی بن کعب صحابی رضی اللہ عنہ کی تقریری مرفوع تصریحی اور قابل حجت حدیث کہ ''انہوں نے رمضان المبارک میں ایک دن پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا کہ میں نے آج رات گھر کی عورتوں کو آٹھ رکعت نماز پڑھائی اور آپ نے سکوت فرمایا۔''

۳۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی رمضان المبارک میں تہجد اور تراویح الگ الگ نہ تھی۔ چنانچہ قاضی صاحب کے بزرگ حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب دیو بندی رحمہ اللہ نے فرمایا: وَلَمْ يَثْبُتْ فِيْ رِوَايَةٍ مِنَ الرِّوَايَاتِ اَنَّهٗ عَلَيْهِ السَّلَام صَلَّى التَّرَاوِيْحَ اَوِ التَّهَجُّدَ عَلٰى حِدَةٍ مِنْ رَمَضَانَ. (العرف الشذی)

یعنی کسی ایک روایت سے بھی یہ بات ثابت نہیں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان المبارک میں تراویح اور تہجد الگ الگ پڑھی ہو۔

۲۔ بیس رکعت نماز تراویح کا سنت نبویہ ہونا کسی ایک صحیح حدیث سے بھی ثابت نہیں ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کہ ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیس رکعت پڑھتے۔'' سخت ضعیف ومنکر ہے۔ جس کا قاضی صاحب کو بھی اعتراف ہے۔

نوٹ: دنیا اہل رائے بالخصوص دیوبندی مقلدین میں سے کوئی مائی کا لعل بیس رکعت نماز تراویح کا سنت نبویہ ہونا کسی ایک صحیح حدیث سے ثابت کر دے تو مبلغ پانچ ہزار روپیہ بطور انعام اس کی خدمت میں پیش کیا جائے گا۔ اور اگر قاضی صاحب اس ندائے سودمند پر لبیک کہیں۔ تو انہیں مبلغ دس ہزار روپیہ دیا جائے گا۔

هَلْ مِنْ مُجِيْبٍ يُجِيْبُ فَهٰذِهِ الْجَائِزَةُ يُصِيْبُ

۴۔ بیس رکعت نماز تراویح جس طرح پیغمبر خدا ﷺ کی سنت نہیں۔ اسی طرح خلفائے راشدین کی بھی سنت نہیں۔ نہ خلیفہ اول سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی۔ نہ خلیفہ ثانی سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی نہ خلیفہ ثالث سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی اور نہ ہ خلیفہ رابع سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی۔ رضی اللہ تعالٰی عنهم اجمعين وارضاهم.

۵۔ باتفاق محدثین صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ خلیفہ ثانی سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے امام تراویح حضرت ابی بن کعب و تمیم داری کو رمضان میں گیارہ رکعت پڑھانے کا حکم دیا۔

نوٹ: دُنیائے اہل رائے بالخصوص دیوبندی مقلدین سے کوئی مائی کا لعل بیس رکعت نماز تراویح کا خلفاءِ راشدین سے پڑھنا یا پڑھانا یا کسی کو بیس پڑھنے یا پڑھانے کا حکم دینا کسی ایک صحیح روایت سے ثابت کر دے تو مذکورہ بالا انعام اس کی خدمت میں پیش کیا جائے گا۔ اور قاضی صاحب کے لئے انعام کی حیثیت دُگنی ہی رہے گی۔

۶۔ جناب قاضی صاحب کے ہی دس بزرگ" امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے تلمیذ رشید امام محمد رحمہ اللہ علامہ بدر الدین عینی حنفی رحمہ اللہ' امام ابن ہمام حنفی رحمہ اللہ علامہ زیلعی حنفی رحمہ اللہ۔ حضرت مولانا شیخ عبدالحق صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ حنفی' حضرت مولانا احمد علی صاحب سہارنپوری حنفی رحمہ اللہ ملا علی قاری حنفی رحمہ اللہ حضرت مولانا عبدالحئی صاحب لکھنوی حنفی رحمہ اللہ حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب دیوبندی حنفی رحمہ اللہ اور

جناب قاضی صاحب کے محترم ومکرم چچا قاضی شمس الدین صاحب دیو بندی حنفی رحمہ اللہ وغیرہم بھی آٹھ رکعت کو پیغمبر خدا ﷺ کی خود ادا کردہ صلواۃ تراویح قرار دے چکے ہیں۔

۷۔ آٹھ رکعت کا مسئلہ آج سے ۹۶ برس پہلے شروع نہیں ہوا بلکہ آٹھ رکعت نماز تراویح پیغمبر خدا ﷺ کے عہد مبارک میں پڑھی اور پڑھائی گئی۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ فاروق نے بھی آٹھ رکعت اور بمعہ وتر گیارہ رکعت پڑھانے کا حکم دیا تھا۔ تو آٹھ رکعت نماز تراویح کو معرض وجود میں آئے ہوئے آج چودھویں صدی گذر رہی ہے۔

۸۔ آٹھ رکعت نماز تراویح سنت نبویہ ہونے کا فتویٰ دینے کی ابتدا حضرت مولانا حافظ محمد حسین صاحب بٹالوی رحمہ اللہ نے نہیں کی بلکہ ان سے پہلے امام ابن ہمام رحمہ اللہ اور اہل رائے کے دیگر بزرگ بھی آٹھ رکعت سنت نبویہ ہونے کے فتاویٰ دے چکے ہیں۔



چھٹا باب

(پہلا حصہ)

قاضی صاحب کے مغالطات

قاضی صاحب کی طرف سے ایک پمفلٹ شائع ہوا ہے جو "التنقیح لعدد صلوٰۃ التراویح" کے نام سے موسوم ہے قاضی صاحب نے آٹھ رکعت نماز تراویح کی مخالفت کرتے ہوئے اپنے پمفلٹ میں جو کردار ادا کیا ہے وہ انتہائی پر شکوہ ہے ایک طرف تو جناب ضعیف ضعیف روایات پر اعتماد کرتے رہے اور دوسری طرف عوام کو مغالطہ دہی ایسی سعی نامشکور بھی ان کی تحریر کا طرہ امتیاز رہی ہے۔ اس فصل میں جناب قاضی صاحب کی ایسی حیلہ سازیوں کو آپ نظر دیکھئے۔ اور علماء حضرات کی تحریف کا اندازہ لگائیے۔

مغالطہ نمبر ۱:

قاضی صاحب امام شوکانی کی تصنیف لطیف نیل الاوطار سے مندرجہ ذیل عبارت نقل فرماتے ہیں:

> "احادیث باب اور دیگر ان کی مشابہ احادیث صرف اس امر پر دلالت کرتی ہیں۔ کہ رمضان میں قیام مشروع ہے۔ نماز باجماعت یا اکیلے دونوں درست ہیں۔ تو اب تراویح کی نماز کا عدد معین پر بند کرنا اور مخصوص قراۃ کے ساتھ اسے ادا کرنا سنت میں وارد نہیں ہوا"۔ (پمفلٹ صفحہ نمبر ۴۰)

قاضی صاحب مندرجہ بالا عبارت نقل فرما کر عوام کو یہ دھوکا دینا چاہتے ہیں کہ امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ بھی آٹھ رکعت نماز تراویح کو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خود ادا کردہ تراویح نہیں سمجھتے۔ حالانکہ یہ بالکل غلط ہے۔

ہر حسن میں جس حسن کا پرتو ہے دکھا کر
ہم اس بت کافر کو مسلمان کریں گے

چنانچہ امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے چند سطور قبل جو فرمایا ہے ملاحظہ کیجئے:

وَاَمَّا الْعَدَدُ الثَّابِتُ عَنْهُ ﷺ فِیْ صَلَاتِهٖ فِیْ رَمَضَانَ فَاَخْرَجَ الْبُخَارِیُّ وَغَیْرُهٗ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّهَا قَالَتْ مَاكَانَ النَّبِیُّ ﷺ یَزِیْدُ فِیْ رَمَضَانَ وَلَا فِیْ غَیْرِهٖ عَلٰی اِحْدٰی عَشْرَةَ رَكْعَةً وَاَخْرَجَ ابْنُ حِبَّانَ فِیْ صَحِیْحِهٖ مِنْ حَدِیْثِ جَابِرٍ اَنَّهٗ ﷺ صَلّٰی بِهِمْ ثَمَانَ رَكَعَاتٍ ثُمَّ اَوْتَرَ وَاَخْرَجَ الْبَیْهَقِیُّ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ كَانَ ﷺ فِیْ شَهْرِ رَمَضَانَ فِیْ غَیْرِ جَمَاعَةٍ عِشْرِیْنَ رَكْعَةً وَالْوِتْرَ زَادَ سَلِیْمُ الرَّازِیُّ فِیْ كِتَابِ التَّرْغِیْبِ لَهٗ وَیُوْتِرُ بِثَلَاثٍ قَالَ الْبَیْهَقِیُّ تَفَرَّدَ بِهٖ اَبُوْشَیْبَةَ اِبْرَاهِیْمُ بْنُ عُثْمَانَ وَهُوَ ضَعِیْفٌ. (نیل الاوطار وھو ضعیف)

اور لیکن جو عدد پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی رمضان کی نماز میں ثابت ہے۔ تو امام بخاری اور دیگر محدثین نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے وہ فرماتی ہیں۔ "پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم رمضان وغیر رمضان میں گیارہ رکعت پر اضافہ نہیں فرمایا کرتے تھے۔ اور بن حبان نے اپنی کتاب صحیح میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث بیان کی ہے۔ کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو آٹھ رکعت نماز پڑھائی۔ پھر وتر ادا کیے۔ اور امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ آپ رمضان میں بلا جماعت بیس رکعت اور وتر پڑھتے تھے سلیم رازی نے اپنی کتاب ترغیب میں یہ زیادہ کیا ہے "اور تین وتر پڑھتے۔" امام بیہقی فرماتے ہیں اس ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت' کو بیان کرنے میں ابوشیبہ ابراہیم بن عثمان منفرد و اکیلے ہیں اور وہ ضعیف ہے۔

ناظرین کرام! آپ نے دیکھ لیا کہ امام شوکانی نے متعین طور پر گیارہ رکعت نماز تراویح کا پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور آپ کا معمول ہونا کتنے واضح اور ٹھوس انداز

میں بیان کیا ہے پہلے انہوں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کہ ''پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم رمضان وغیر رمضان میں گیارہ رکعت پر اضافہ نہیں فرمایا کرتے تھے'' بیان کی۔ پھر حضرت جابر کی حدیث کہ ''پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو رمضان میں آٹھ رکعت نماز پڑھائی۔'' سے ثابت کیا کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم متعین پر طور آٹھ رکعت نماز تراویح ہی پڑھا کرتے تھے۔ پھر حضرت ابن عباس کی بیس رکعت والی روایت کا ضعف ثابت کر کے انہوں نے بیس رکعت سنت کے علمبردار اور اہل رائے حضرات کے دعاوی پر پانی پھیر دیا۔

ناظرین! آپ دھوکا میں نہ آئیں۔ اور امام شوکانی کی مندرجہ بالا عبارت کی روشنی میں یہ اندازہ لگائیں۔ کہ یہ لوگ اپنا اُلو سیدھا کرنے کے لئے کیسے کیسے ہتھکنڈے استعمال کر رہے ہیں۔

مغالطہ نمبر ۲:

قاضی صاحب فتاوی ابن تیمیہ رحمہ اللہ سے مندرجہ ذیل عبارت نقل فرما کر فریب کا جال بُننے کی سعی میں ہیں۔

''جو شخص خیال کرتا ہے کہ قیام رمضان میں کوئی متعین عدد آنحضرتؐ سے ثابت ہے جس میں کمی وزیادتی نہیں ہوسکتی۔ تو وہ غلطی کرتا ہے''۔ (پمفلٹ صفحہ نمبر ۴۰)

تو قاضی صاحب یہاں پر بھی بڑی فنکاری سے عوام کو یہ مغالطہ دینا چاہتے ہیں۔ کہ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ بھی متعین عدد تراویح کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول نہیں سمجھتے۔ حالانکہ یہ بات قطعاً غلط ہے مطلب پرستی کی خاطر قاضی صاحب امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی اس سے چند سطور قبل عبارت کو نظر انداز کر رہے ہیں۔ ملاحظہ ہو:

بَلْ كَانَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَزِيْدُ فِيْ رَمَضَانَ وَلَا فِيْ غَيْرِهٖ عَلٰى ثَلَاثَ عَشَرَةَ رَكْعَةً. (فتاوی ابن تیمیہ صفحہ نمبر ۴۰۱ جلد نمبر ۳۵)

بلکہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم رمضان وغیر رمضان میں تیرہ رکعت پر اضافہ نہیں فرمایا کرتے تھے۔

تو شیخ الاسلام ابن تیمیہ تو متعین عدد نماز تراویح کو پیغمبر خدا ﷺ کا معمول سمجھتے ہیں۔ اور متعین عدد نماز تراویح ہی آپ کی سنت کہہ رہے ہیں۔ لیکن جناب قاضی نے بھی عوام کو مغالطہ دینے میں حضرت مولانا ابو زاہد صاحب کے اُسوہ کی پیروی کرنے سے سر مو بھی انحراف نہیں کیا۔ بہر حال قاضی صاحب نے جو انداز اختیار کیا وہ آپ کے سامنے ہے۔ لیکن اتنی بات ضرور یاد رکھیں۔ کہ اس قسم کے حربہ جات کا استعمال علم کا دعویٰ کرنے والوں کے شایان شان نہیں ہوا کرتا۔

اعتراض:

جب شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور امام شوکانی رحمہ اللہ دونوں مجتہد بزرگ متعین عدد صلوٰۃ تراویح کو پیغمبر خدا ﷺ کی سنت قرار دیتے ہیں۔ تو پھر انہوں نے جناب قاضی صاحب کے نقل کردہ بیانوں میں کس بات کی نفی فرمائی۔

الجواب:

جناب انہوں نے پیغمبر خدا ﷺ سے ثابت شدہ عدہ کے ماسوا جو صلوٰۃ تراویح کے اعداد متعین کیے جاتے ہیں۔ مثلاً ۱۶، ۲۰ وغیرہ ان کی نفی فرمائی۔ اور فرمایئے جناب کیا حکم ہے۔

مغالطہ نمبر ۳:

قاضی صاحب لم یقع فی هذه الروایة الخ پمفلٹ صفحہ نمبر ۳۷ تا صفحہ نمبر ۳۸ پر قارئین کو یہ مغالطہ دینا چاہتے ہیں۔ کہ حافظ ابن حجر نے بھی سائب بن یزید کی گیارہ رکعت والی روایت کو بوجہ اختلاف ساقط الاعتبار قرار دیا ہے اور سائب بن یزید کی بیس رکعت والی روایت کی تائید فرمائی ہے۔ حالانکہ یہ بالکل غلط ہے۔ بلکہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تو سائب بن یزید کی گیارہ رکعت والی روایت کو ان کی بیس رکعت والی روایت پر یوں ترجیح دیتے ہیں:

وَالْعَدَدُ الْاَوَّلُ مُوَافِقٌ لِحَدِيْثِ عَائِشَةَ الْمَذْكُوْرِ بَعْدَ هٰذَا الْحَدِيْثِ

فِي الْبَابِ. (فتح الباری صفحہ نمبر۲۵۳ جلد نمبر۴)

”(سائب بن یزید کی روایت میں وارد شدہ) پہلا عدد (گیارہ رکعت) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کے موافق ہے۔ جو اسی باب میں اس حدیث (زیر شرح) کے بعد ذکر ہوگی“۔

ناظرین آپ حضرت سائب بن یزید کی گیارہ رکعت والی روایت کے متعلق پڑھ چکے ہیں۔ کہ یہ باتفاق محدثین بالکل صحیح حدیث ہے۔

مغالطہ نمبر۴:

جناب قاضی صاحب نے اپنے پمفلٹ صفحہ نمبر۴۴ پر تہذیب التہذیب کے حوالہ سے حضرت سوید بن غفلہ تابعی کے متعلق ایک قول نقل فرمایا ہے کہ ”بعض نے انہیں صحابہ میں شمار کیا ہے۔“

اس مقام پر قاضی صاحب عوام کو یہ مغالطہ دے رہے ہیں۔ کہ دیکھو تہذیب التہذیب ایسی اسماء رجال کی معتبر و مستند کتاب میں بھی سوید بن غفلہ کو صحابہ میں شمار کیا گیا ہے۔ حالانکہ یہ بالکل غلط ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے تو بعض کے اس قول کو تہذیب التہذیب میں صرف اس غرض کے لئے نقل کیا ہے۔ کہ اس کی تغلیط و تردید کی جائے۔ قاضی صاحب کی فراست کی داد دینا چاہیے۔ کہ وہ کس ڈھنگ سے اپنے وفاع کی خاطر دلائل کرید رہے ہیں چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَقَدْ قِيْلَ اَنَّهُ صَلَّى مَعَ النَّبِيِّ ﷺ وَلَايَصِحُّ وَقَدِمَ الْمَدِيْنَةَ حِيْنَ دَفِنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَهٰذَا اَصَحُّ. (تہذیب التہذیب صفحہ نمبر۲۷۸ جلد نمبر۴)

”اور کہا جاتا ہے کہ اس سوید بن غفلہ نے پیغمبر خدا ﷺ کے ہمراہ نماز پڑھی۔ لیکن یہ غلط ہے بلکہ اس وقت مدینہ طیبہ پہنچا جب کہ لوگ آنحضرت ﷺ کو دفن کرنے سے فارغ ہو چکے تھے اور یہ صحیح ہے“۔

قاضی صاحب یہاں پر خط کشیدہ الفاظ کو مولانا ابوزاہد کی پیروی میں شیر مادر سمجھ کر ہضم

فرما گئے۔ اور یہ تمام مغالطے صرف اس لئے دے رہے ہیں۔ کہ سوید بن غفلہ صحابی ہے۔ اور یہ بیس رکعت پڑھتا اور پڑھاتا رہا۔ لیکن نکلے وہ تابعی: فلم يلق غير خفي حنين. تو جناب قاضی صاحب کو خاک کے سوا کچھ بھی ہاتھ نہ آیا ؎

بھرے بازار میں جنس وفا بے آبرو ہو گی
اٹھے گا اعتبار کوئے جاناں ہم نہ کہتے تھے

دوسرا حصہ

قاضی صاحب کے متضاد بیانات

قاضی صاحب کی تحریر جہاں مغالطہ آمیز ہے وہاں وہ متضاد بیانات سے بھی لبریز ہے بطور نمونہ چند متضاد بیانات درج کئے جاتے ہیں۔ ارادہ تو نہ تھا لیکن یہ لوگ بڑے بلند بانگ دعاوی کرنے کے عادی ہوتے ہیں اس لئے ان پر ان کی اپنی حیثیت واضح ہو جائے تو بہتر رہے گا۔ کہ کس طرح یہ لوگ اپنی کہی ہوئی بات میں تضاد بیانی کا شکار ہو جاتے ہیں۔

متضاد بیان نمبر ۱:

چنانچہ قاضی صاحب پمفلٹ صفحہ نمبر ۴۱ پر فرماتے ہیں:

''امام ترمذی نے جامع ترمذی میں' علامہ قسطلانی شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد الساری شرح صحیح بخاری صفحہ نمبر ۳۴۵ میں' حافظ ابن حجر نے فتح الباری شرح صحیح بخاری صفحہ نمبر ۱۸۰' اور ۱۸۱ میں اور علامہ بدر الدین العینی نے عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری صفحہ ۳۵۷ پر مذاہب مختلفہ درباره عدد رکعات تراویح ذکر کئے ہیں۔''

لیکن جونہی قاضی ص ۴۲ پر پہنچتے ہیں تو انہیں مندرجہ بالا بیان یاد نہیں رہتا پھر بیس رکعت

کے متعلق یوں فرماتے:

''کیا یہ کہنا درست ہوگا کہ ساری امت خلاف سنت پر متفق ہوگئی تھی'' نیز صفحہ نمبر ۴۶ پر بیس رکعت والی ضعیف روایت کے متعلق فرماتے ہیں۔ ''پھر جب ساری امت اس کے مطابق عمل کر رہی ہے تو تلقی بالقبول سے اس کا ضعف منجبر ہو جائے گا۔''

ناظرین کرام! جناب قاضی صاحب سے دریافت فرمائیں۔ کہ آپ نے پہلے خود ہی بیان فرمایا کہ مندرجہ بالا چار کتب میں مذاہب مختلفہ وربار عدد رکعات تراویح ذکر کئے گئے ہیں۔ اور آپ خود ہی فرما رہے ہیں۔ کہ ''بیس پر ساری امت کا اتفاق ہے۔'' تو ان دونوں باتوں سے کونسی بات غلط ہے۔

قاضی صاحب کا یہ کلام کہ ''کیا یہ کہنا درست ہوگا۔ کہ ساری امت خلاف سنت پر متفق ہوگئی تھی؟ اس سے سمجھ میں آتا ہے کہ بیس رکعت تراویح سنت نبویہ پر ساری امت کا اتفاق ہے اور یہ بالکل غلط ہے۔ آپ پانچویں باب میں پڑھ چکے ہیں کہ محققین حنفی علماء کا بھی یہی فتویٰ ہے کہ آٹھ رکعت نماز تراویح سنت نبویہ ہے۔ بیس رکعت نماز تراویح سنت نبویہ نہیں ہے بیس رکعت سنت نبویہ ہونے پر تو بے چاری امت حنفیہ کا بھی اتفاق نہیں۔ ساری امت کا بیس رکعت کی سنیت پر کیسے اتفاق ہوسکتا ہے۔

اچھا قاضی صاحب اگر بیس رکعت سنت نبویہ پر ساری امت کا اتفاق ہے اور آپ اپنے دعویٰ میں سچے ہیں۔ تو آئمہ اربعہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ۔ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ میں سے صرف ایک ہی امام کا قول نقل فرما دیں۔ جس میں انہوں نے فرمایا ہو۔ کہ ''بیس رکعت نماز تراویح سنت نبویہ ہے۔'' دیکھئے قاضی صاحب کب ارشاد فرماتے ہیں۔ فَانْتَظِرُوْا اِنِّیْ مَعَکُمْ مِنَ الْمُنْتَظِرِیْنَ.

لطیفہ! آپ تیسرے باب میں پڑھ چکے ہیں کہ حضرت ابن عباس کی بیس

رکعت والی روایت کے ضعف پر اتفاق ہے۔تو حضرت ابن عباس کی روایت کے ضعف کو تلقی بالقبول حاصل ہے۔اور جناب قاضی صاحب ہیں کہ تلقی بالقبول سے اس کا ضعف منجبر کرنے کے درپے ہیں۔ یہ بھی کیسا طرفہ ہے۔

متضاد بیان نمبر۲:

قاضی صاحب پمفلٹ صفحہ نمبر۴۱ پر فرماتے ہیں''اب یہی صحیح ہے کہ بیس رکعت نماز تراویح ادا کی جائے۔''نیز صفحہ نمبر۴۵ پر بیان کرتے ہیں''اب پھر اتباع سنت تو یہی ہے کہ بیس کو ہی سنت سمجھ کر ان پر عمل کیا جائے۔''لیکن پمفلٹ صفحہ نمبر۱۹ حاشیہ پر انہیں مندرجہ بالا باتوں سے نسیان ہوگیا تھا۔چنانچہ فرماتے ہیں۔ ''رکعات کا عدد کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں۔''نیز صفحہ نمبر۴۰ پر فرماتے ہیں۔''جو شخص خیال کرتا ہے کہ قیام رمضان میں کوئی متعین عدد آنحضرت ﷺ سے ثابت ہے۔جس میں کمی زیادتی نہیں ہوسکتی تو وہ غلطی کرتا ہے۔'' قارئین اندازہ فرمایئے کہ بیس رکعت سنت نبویہ کہنا بھی تو متعین عدد میں شامل ہے۔ یہ بھی کہیں غلط تو نہیں۔

نوٹ: قاضی صاحب کا فرمان کہ''رکعات کا عدد کسی صحیح احادیث سے ثابت نہیں''قطعاً غلط ہے۔اس کے لئے آپ دوسرے باب کا ملاحظہ فرمائیں۔آپ کو معلوم ہوگا۔کہ آٹھ رکعت نماز تراویح پیغمبر خدا ﷺ سے بصحیح حدیث ثابت ہے۔ یہ بھی عجیب امتیاز ہے کہ اگر کوئی چیز قاضی صاحب کی طبع نازک پر گراں گزرے۔تو وہ صحیح نہیں ہوسکتیں دوسرے لفظوں میں یہ حدیث صحیح سے روگردانی نہیں تو اور کیا ہے؟ البتہ بیس رکعت تراویح کا سنت نبویہ ہونا کسی ایک صحیح حدیث سے بھی ثابت نہیں۔

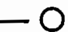
بس مصور ملے گا عشق وہوس میں بھی امتیاز
آیا ہے اب مزاج تیرا امتحان پر

لطیفہ! عجیب بات یہ ہے کہ جناب قاضی صاحب نے آٹھ رکعت تراواتح کو مدنظر رکھتے ہوئے فرما تو دیا۔کہ''رکعات کا عدد کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں۔''لیکن بے

چارے اس سے بیس رکعت کے سنت نبویہ ہونے سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے۔ **رمی بسهم نفسه.**

متضاد بیان نمبر۳:

قاضی صاحب پمفلٹ صفحہ نمبر۱۳ پر **هذا محمول علی غیر الوتر.** عبارت کا حوالہ دے رہے ہیں۔ فتح الباری جلد نمبر۴۔ لیکن کیا کیا جائے۔ بیچارے قاضی صاحب کو سہو ونسیان سے از حد الفت ہے خواہ دیوالیہ ہی نکل جائے۔ قاضی صاحب نے بھی سہو ونسیان کو ایسا اپنایا ہے کہ وہ زندگی بھران کی شراکت نہیں چھوڑیں گے۔ چنانچہ اس جگہ پر بھی اس عبارت کو قاضی صاحب نے اپنے عزیزتریں دوست سہو ونسیان کی نذر کیا ہے اور سہو ونسیان کی رفاقت سے اسی حوالہ نے صفحہ نمبر ۳۷ پر جلد اول کا روپ دھار لیا۔ لیکن جتنی مدت تک قاضی صاحب اپنے سہو کی معافی نہیں مانگیں گیں اتنی دیر تک اسے تضاد بیانی سے ہی تعبیر کیا جائے گا۔ آخر بشیر صاحب' ماسٹر نصر اللہ خاں اور ماسٹر عباس علی ایسے حواریوں کے لئے اصل کتابوں کے دیکھنے کی کیا ضرورت ہے۔ وہ تو اتنے پر ہی جھوم جھوم کر سر ہلانا شروع کر دیتے ہیں۔



تیسرا حصہ

قاضی صاحب کی اغلاط

قاضی صاحب کی تحریر کو اگر مغالطات اور متضاد بیانات ایسے زیوارت نے زینت بخشی ہے۔ تو اغلاط ایسے جواہر نے بھی اس کی رونق کو چار چاند لگانے میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں اٹھا رکھی۔ چند اغلاط بطور نمونہ درج کی جاتی ہیں۔

غلطی نمبر۱:

قاضی صاحب نے پمفلٹ صفحہ ۳۷ پر **لَمْ يَقَعْ فِيْ هٰذِهِ الرِّوَايَةِ عَدَدُ الرَّكْعَاتِ الَّتِيْ كَانَ يُصَلِّيْ بِهَا اُبَيُّ ابْنُ كَعْبٍ تا وَرَوٰى مُحَمَّدُ بْنُ نَصْرِ**

الْمَرْوَزِيّ مِنْ طَرِيْقِ عَطَاءٍ .... الخ. عبارت کا حوالہ یہ دیا ہے فتح الباری جلد نمبر اول صفحہ نمبر ۱۸۰۔

جناب والا! مندرجہ بالا عبارت فتح الباری جلد اول میں کہیں بھی مذکور نہیں۔ نامعلوم قاضی صاحب نے یہ حوالہ کسی چھوٹی موٹی رسالی سے نقل فرما دیا۔ دراصل یہ تقلید کا ہی ثمرہ ہے اور ہے بھی بہت میٹھا اور اس کا مزا تو قاضی صاحب ہی جانتے ہوں گے۔

غلطی نمبر۲:

قاضی صاحب صفحہ نمبر ۳۹ پر فرماتے ہیں''حضرت عائشہ کی حدیث سے یہ بات واضح ہورہی ہے۔کہ سارے سال میں چہار چہار رکعت اکٹھی ادا ہوتی تھیں۔

یہ بالکل غلط ہے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے مندرجہ بالا بات نہ خفی مدلول ہے نہ واضح وظاہر۔اس بارے میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی عبارت صرف اس قدر ہے۔ يصلي اربعا. آپ چار رکعت پڑھتے۔نہ تو اس میں سارے سال کا ذکر ہے نہ آدھے کا۔اور نہ ہی علیحدہ علیحدہ اور اکٹھی کا ذکر ہے۔ بلکہ بخاری ومسلم اور دیگر حدیث میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے يسلم بين كل ركعتين. آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر دو رکعت پر سلام پھیرتے۔آپ لوگوں کو معلوم ہونا چاہئے کہ یہ حدیث ہے اہل رائے حضرات کی فقہ نہیں کہ اس کا انحصار بزرگوں کی من مانی پر ہو۔

غلطی نمبر۳:

قاضی صاحب پمفلٹ صفحہ نمبر ۳۹ پر ہی فرماتے ہیں۔''حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ سارے سال میں وتر تین رکعت ہی ادا ہوتے ہیں۔''

تو جناب یہ بھی غلط ہے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے مندرجہ

بالا بات نہ خفی مدلول ہے نہ واضح وظاہر۔اور اس بارہ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی عبارت صرف اس قدر ہے ثم یصلی ثلاثا. پھر آپ تین رکعت پڑھتے۔ نہ تو اس میں سارے سال کا ذکر ہے نہ آدھے کا۔ اور نہ ہی اس میں تین وتر کا ایک سلام سے پڑھنے کا بیان ہے نہ ہی دو سلام سے بلکہ بخاری ومسلم دیگر کتب حدیث میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ہی مروی ہے ویوتر بواحدۃ. آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک رکعت وتر پڑھتے۔لیکن جناب قاضی صاحب نے بلا سوچے سمجھے مذہب کی بیچ میں آکر سارے سال کے لفظ حدیث مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم میں بڑھا دیئے۔انا للہ وانا للہ راجعون۔ یہ اہل رائے حضرات ہیں کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک حدیث کے ساتھ بھی اس قسم کا ناروا سلوک کرنے سے باز نہیں آتے۔

اعتراض ہوسکتا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں چار رکعت اور تین وتر کے بارہ میں سارے سال کا ذکر نہیں تو پھر گیارہ رکعت پر اضافہ کی نفی کے بارہ میں سارے سال کا ذکر اس میں کہاں ہے؟

تو جناب اس جملہ میں ''مَا كَانَ يَزِيْدُ فِيْ رَمَضَانَ وَلَا فِيْ غَيْرِهٖ عَلٰى اِحْدٰى عَشْرَةَ رَكْعَةً'' پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم رمضان وغیر رمضان میں گیارہ رکعت پر اضافہ نہیں فرماتے تھے۔اور رمضان وغیر رمضان سارے سال کو شامل ہے۔

دوسرا یہ بھی اعتراض ہوسکتا ہے کہ اگر تین وتر سارا سال نہ مانیں تو پھر آپ کی نماز بسا اوقات گیارہ رکعت سے کم ہوجائے گی۔

تو جناب! حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے گیارہ رکعت سے کم کی نفی نہیں فرمائی۔ بلکہ گیارہ رکعت پر اضافہ کی نفی فرمائی ہے۔ فتدبر.

غلطی نمبر ۴:

قاضی صاحب پمفلٹ صفحہ نمبر ۳۹ پر ہی فرماتے ہیں ''اب غیر مقلدین کے نزدیک نمبر دوم (سارے سال میں چہار چہار رکعت اکٹھی ادا ہوتی تھیں) بھی متروک

ہے اور نمبر سوم (سارے سال میں وتر تین رکعت ہی ادا ہوتے تھے) بھی متروک ہے۔''

تو جناب قاضی صاحب نمبر دوم و نمبر سوم کو حدیث یا حدیث کا مفہوم سمجھ رہے ہیں۔ اور یہ غلط ہے نمبر دوم و نمبر سوم نہ حدیث ہے نہ حدیث کا مفہوم بلکہ ہے یہ صرف قاضی صاحب کا ہی مزعوم۔ تو نمبر دوم وسوم جب نہ حدیث ہے اور نہ حدیث کا مفہوم۔ تو اس کا اہلحدیث حضرات کے ہاں متروک ہونے میں کیا مضائقہ۔ البتہ قاضی صاحب کی جسارت عظمیٰ واضح ہو رہی ہے کہ انہوں نے اپنے موہوم نمبر دوم و نمبر سوم پر کس طرح حدیث کا لیبل لگایا اعاذنا اللّٰہ من ذالك.

غلطی نمبر ۵:

قاضی صاحب پمفلٹ صفحہ نمبر ۳۹ پر بہت سی گل افشانیاں کر رہے ہیں' فرماتے ہیں: ''تو گویا (حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی) حدیث ان کے (اہلحدیث) نزدیک متروک العمل ہے۔''

جناب قاضی صاحب نمر دوم و نمبر سوم کو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث یا حدیث کا مفہوم سمجھ کر مندرجہ بالا عبارت فرما رہے ہیں۔ آپ پہلے پڑھ چکے ہیں۔ کہ نمبر دوم و نمبر سوم نہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے نہ ہی اس کا مفہوم۔ تو جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے وہ بمعہ اپنے مفہوم اہلحدیث کے ہاں زیر عمل ہے۔ اور قاضی صاحب کا موہوم نمبر دوم وسوم جو اہل حدیث کے ہاں متروک العمل ہے وہ کوئی حدیث نہیں نہ کسی حدیث کا مفہوم ہے تو غور فرمایئے اس میں ''میٹھا میٹھا ہڑپ کڑوا کڑوا تھو'' والی کونسی بات ہے۔ پھر ''میٹھا میٹھا ہڑپ کڑوا کڑوا تھو'' میں کوئی مضائقہ بھی نہیں۔ کیونکہ قرآن مجید میں ہے۔ الذین یستمعون القول فیتبعون احسنہ۔ البتہ غور طلب مقام یہ ہے کہ اہل رائے حضرات جو کڑوا کڑوا تھو اور میٹھا میٹھا بھی تھو کا مصداق بنے ہوئے ہیں۔ آخر ان کا کیا حال ہوگا۔

تو اطلاعاً عرض ہے کہ اہلحدیث کے ہاں نہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی

حدیث متروک ہے۔اور نہ کوئی اور مقبول حدیث۔ بلکہ وہ تو قرآن وحدیث سے سرموانحراف کو ایمان کے منافی سمجھتے ہیں۔اور صحیح حدیث کے متعلق ''لایجب علینا قبولہ'' ہم پر اس کا قبول کرنا واجب نہیں'' ایسے نظریہ کو ہم کفر بواح گردانتے ہیں۔فرمایئے جناب اور کیا حکم ہے؟

غلطی نمبر ۶:

قاضی صاحب پمفلٹ صفحہ نمبر ۴۱ پر صحیح بخاری کے حوالہ سے مندرجہ ذیل جملہ نقل فرما رہے ہیں۔''فرمن الجذوم''

جناب صحیح بخاری میں وارد شدہ لفظ الجذوم نہیں بلکہ المجذوم ہے۔
چنانچہ صحیح بخاری صفحہ نمبر ۸۵۰ جلد نمبر ۲ میں ہے ''وَفِرَّ مِنَ الْمَجْذُوْمِ كَمَا تَفِرُّ مِنَ الْأَسَدِ'' افسوس ہے کہ ان لوگوں کو اپنی وسعت علم پر بھی ناز ہے لیکن غلطیاں وہ کر رہے ہیں جو معمولی درس نظامی کا طالب علم بھی نہ کرے اب نامعلوم لفظ المجذوم سے حرف ''میم'' نکالنے سے کون سی چیر لگانا کارفرما ہے شاید اس حرف میم نکالنے سے ''مقلدیت'' کے جامہ کو تقویت دینا مقصود ہوگا۔

غلطی نمبر ۷:

جناب قاضی صاحب پمفلٹ صفحہ نمبر ۴۱ پر ہی فرماتے ہیں'' جامع ترمذی ارشاد الساری، فتح الباری اور عمدۃ القاری میں سے کسی ایک میں بھی آٹھ کا مذہب ذکر نہیں کیا گیا....الخ''۔

جناب من! مندرجہ بالا چاروں کتب جامع ترمذی، ارشاد الساری، فتح الباری اور عمدۃ القاری میں پیغمبر خدا ﷺ کا مذہب آٹھ رکعت نماز تراویح مذکور ہے۔ کہ پیغمبر خدا ﷺ رمضان وغیر رمضان میں گیارہ رکعت پر اضافہ نہیں فرمایا کرتے تھے۔ فتح الباری اور عمدۃ القاری میں یہ بھی ہے کہ پیغمبر خدا ﷺ نے صحابہ کرام کو رمضان میں آٹھ رکعت نماز پڑھائی۔ پھر فتح الباری اور عمدۃ القاری میں خلیفہ ثانی سیدنا حضرت عمر

فاروق رضی اللہ عنہ کا مذہب بھی آٹھ رکعت مذکور ہے۔ کہ انہوں نے امام تراویح ابی بن کعب اور تمیم داری کو رمضان المبارک میں گیارہ رکعت پڑھانے کا حکم دیا۔ اب یہ کہنا کہ مندرجہ بالا کتب میں سے کسی ایک میں آٹھ کا مذہب نہیں ذکر کیا گیا۔ کہاں تک درست ہے اصل بات یہ ہے کہ اہل رائے حضرات پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے مذہب کو مذہب نہیں سمجھتے۔ ان کے نزدیک مذہب وہ ہے جو اماموں سے منقول ہے حالانکہ اصل مذہب وہی ہے جو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا مذہب ہو۔

قاضی صاحب نے نہ معلوم کہاں سے یہ حوالہ فرما دیا ہے کہ ''مندرجہ بالا چار کتابوں میں سے کسی ایک میں بھی آٹھ کا مذہب ذکر نہیں کیا گیا'' اور یہ بالکل غلط ہے چنانچہ عمدۃ القاری الجزء خامس اٹھایئے صفحہ نمبر ۳۵۷ دیکھئے:

وقيل احدى عشرة وهو اختيار مالك لنفسه واختاره ابوبكر العربى.

''(منجملہ مذہب سے) ایک مذہب ہے (سمیت وتر) گیارہ رکعت نماز تراویح اور یہی مذہب امام مالک کا اپنا پسندیدہ ہے اور ابوبکر عربی نے بھی اس مذہب کو اختیار کیا ہے''۔

اب فرمایئے جناب یہ درست ہے کہ ''آٹھ کا مذہب مندرجہ بالا چار کتب میں سے کسی ایک میں بھی نہیں۔ کہنے والے بھی بس اور سننے والے بھی سبحان اللہ۔ میں تو صرف اتنا ہی کہوں گا ؎

اِنْ كُنْتَ لَاتَدْرِىْ فَتِلْكَ مُصِيْبَةٌ
وَاِنْ كُنْتَ تَدْرِىْ فَالْمُصِيْبَةُ اَعْظَمُ

قارئین کرام! اتنی بات یاد رکھئے کہ بیس رکعت تراویح سنت نبویہ کا مذہب مندرجہ بالا چار کتب جامع ترمذی، ارشاد الساری، عمدۃ القاری اور فتح الباری میں سے کسی ایک میں بھی ذکر نہیں کیا گیا۔ اگر یہ کسی کا مذہب ہوتا تو ان میں سے ضرور کسی

ایک میں آتا۔ یہ جناب قاضی صاحب کا پیش کردہ کبریٰ ہے۔

لطیفہ! مندرجہ بالا چار کتب جامع ترمذی۔ ارشاد الساری' عمدۃ القاری اور فتح الباری میں دیوبندی مقلدین کا مذہب بیس رکعت سنت نبویہ مذکور نہیں اور شور یہ مچایا جا رہا ہے۔ کہ آٹھ کا مذہب ان میں مذکور نہیں آخر یہ کیسی چالا کی ہے۔

غلطی نمبر ۸:

قاضی صاحب پمفلٹ صفحہ نمبر ۴۲ پر اپنی طرف سے ایک سوال کرتے ہیں۔ ''تو کیا بیس رکعت باجماعت صلوٰۃ تراویح کا مسنون ہونا بھی کسی کا مذہب ہے پھر خود ہی اس کا جواب دیتے ہیں۔ ''ضرور امت کی اکثریت کا صحابہ' تابعین تبع تابعین۔ آئمہ مجتہدین میں سے اکثر کا مذہب یہ ہے۔''

قارئین کرام! قاضی صاحب کا جواب بالکل غلط ہے اکثریت تو کجا وہ صرف ایک صحابی اور ایک تابعی اور آئمہ مجتہدین حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت امام احمد حنبل رحمۃ اللہ علیہ میں سے صرف ایک ہی امام کا اسم گرامی پیش کریں۔ جنہوں نے یہ فرمایا کہ بیس رکعت باجماعت صلوٰۃ تراویح سنت نبویہ ہے ویسے نفس الامر کے خلاف دعاوی سے عوام کو دھوکہ دینا خود کو اہل علم کہلانے کے منافی ہے۔

غلطی نمبر ۹:

قاضی صاحب پمفلٹ صفحہ نمبر ۴۲ پر ہی فرماتے ہیں۔ کہ ''بیس رکعت باجماعت صلوٰۃ تراویح کا مسنون ہونا امت کی اکثریت کا مذہب ہے۔'' اور اس کا حوالہ یوں بیان فرماتے ہیں۔ ''مندرجہ بالا کتب میں یہ مذکور ہے۔''

معزز ناظرین! وہ مندرجہ بالا کتب یہ ہیں۔ جامع ترمذی' ارشاد الساری عمدۃ القاری اور فتح الباری۔ اور یہ حوالہ انتہائی غلط ہے مندرجہ بالا کتب میں کہیں بھی مذکور نہیں کہ بیس رکعت باجماعت صلوٰۃ تراویح کا مسنون ہونا امت کی اکثریت کا مذہب

ہے۔'' شاید آپ نہ جانتے ہوں کہ آخر اس پُر فریب دعویٰ کو جناب قاضی صاحب کی ذات گرامی سے کیا تناسب ہے؟ یہ مذہب کی پچ کا نتیجہ نہیں تو اور کیا ہے؟ البتہ مندرجہ بالا کتب میں یہ مذکور ہے کہ پیغمبر خدا ﷺ رمضان وغیر رمضان میں گیارہ رکعت پر اضافہ نہیں فرمایا کرتے تھے۔ نیز فتح الباری اور عمدۃ القاری میں ہے کہ پیغمبر خدا ﷺ نے صحابہ کرام کو رمضان میں آٹھ رکعت نماز پڑھائی۔ آخر میں قاضی صاحب کا شکریہ ادا کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ کیونکہ انہوں نے حوالہ تو دیا ہے چاہے حسب معمول غلط ہی ہو یا دوسرے لفظوں میں یہ بات ہوگی ؎

آگیا داغ اس کے دل میں یہ غرور
مشکل ہے دنیا میں لاثانی میری

غلطی نمبر ۱۰:

قاضی صاحب پمفلٹ صفحہ نمبر ۱۴ پر بیس رکعت صلوٰۃ تراویح کے مسنون ہونے کے متعلق فرماتے ہیں۔'' کیا یہ کہنا درست ہوگا۔ کہ ساری امت خلاف سنت پر متفق ہوگئی تھی۔''

ناظرین کرام! ابیس رکعت باجماعت صلوٰۃ تراویح کے مسنون ہونے پر ساری امت کے اتفاق کا دعویٰ کرنا شدید غلط اور واقع کے خلاف ہے آپ پڑھ چکے ہیں۔ کہ قاضی صاحب نے اس بات کا بھی اعتراف کیا ہے۔ کہ عدد رکعات کے بارے میں مذاہب مختلفہ موجود ہیں۔ تو پھر بیس پر ساری امت کے اتفاق کا دعویٰ کیونکر درست ہوسکتا ہے۔ نیز آپ پانچویں باب میں پڑھ چکے ہیں۔ کہ بیس رکعت صلوٰۃ تراویح کے مسنون ہونے پر ساری امت حنفیہ کا بھی اتفاق نہیں۔ پھر اس پر ساری امت کے اتفاق کا دعویٰ کیسے قابل قبول ہوسکتا ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ اپنی بھیڑوں کو قبضہ میں رکھنے کے لئے انہیں اس قسم کے واقع کے خلاف دعاوی کے ذریعہ چکمے دیئے جارہے ہیں۔ ورنہ ان کی حقیقت ھباء منثورا کے سوا کچھ بھی نہیں۔

غلطی نمبر ۱۱:

قاضی صاحب پمفلٹ صفحہ نمبر ۴۲ پر ہی بیس رکعت با جماعت صلوٰۃ تراویح کے مسنون ہونے کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں ''تو اب جو چیز تواتر سے ثابت ہے اس پر دلیل لانا کوئی ضروری تو نہیں''۔

معزز قارئین! بیس رکعت با جماعت صلوٰۃ تراویح کے مسنون ہونے کو تواتر سے ثابت کہنا بے بنیاد اور واقع کے خلاف ہے۔ بیس رکعت با جماعت صلوٰۃ تراویح کا مسنون ہونا تواتر سے تو کجا یہ تو خبر واحد سے بھی ثابت نہیں ہے۔ باقی حضرت ابن عباس کی بیس رکعت والی غریب حدیث باتفاق محدثین، محققین، احناف ضعیف ہے قابل اثبات نہیں بلکہ ابن عدی نے تو اسے ابوشیبہ کی منکر روایات میں درج کیا ہے اندازہ لگایئے اہل رائے بے بنیاد مذہب کے عشق میں کس قدر سرشار ہیں۔ اس کو بچانے کی خاطر غلط بیانی ایسے حیلہ جات عمل میں لانے سے بھی گریز نہیں کرتے اور شاید یہ سب تقلید کی ہی برکتیں ہیں۔

غلطی نمبر ۱۲:

قاضی صاحب پمفلٹ صفحہ نمبر ۴۳ پر یزید بن رمان کی روایت پر ایک سوال کرتے ہیں۔ ''یہ روایت مرسل ہے''۔ پھر خود ہی اس کا جواب دیتے ہیں ''ہرگز نہیں''

یہاں تک قاضی صاحب پتہ نہیں کس کی تقلید میں۔ جواب میں فرما رہے ہیں ''ہرگز نہیں'' ان کا یہ فرمانا انتہائی غلطی ہے کیونکہ یزید بن رومان کی روایت مرسل ومنقطع ہے۔ قاضی صاحب کے ہی بزرگ علامہ عینی حنفی فرماتے ہیں: **ويزيد لم يدرك عمر فيكون منقطعا**. (عمدۃ القاری صفحہ نمبر ۵۹۸ جلد نمبر ۳) یعنی یزید بن رومان کی حضرت عمر سے ملاقات نہیں اس لئے ان کی یہ روایت منقطع ہے۔ نیز قاضی کے بزرگ مکرم ومحترم چچا جناب قاضی شمس الدین صاحب دیوبندی حنفی فرماتے ہیں: ''ہم یہ تسلیم کرتے ہیں کہ یہ روایت مرسل ہے۔'' (القول الصحیح صفحہ نمبر ۳۳) تو یزید بن رومان

کی روایت مرسل و منقطع ہے۔

اگر جناب قاضی صاحب کو یہ وہم ہے کہ موطا امام مالک میں تو یہ روایت واقعی منقطع السند ہے لیکن حدیث کی دوسری کتاب میں اس کی سند متصل بیان کی گئی ہے تو وہ متصل سند تحریر فرمادیں۔ ہم ان کے ممنون ہوں گے۔

غلطی نمبر۱۳:

جناب قاضی صاحب پمفلٹ صفحہ نمبر۴۴ پر یزید بن رومان کی روایت کے متعلق فرماتے ہیں کہ یہ ''باتفاق محدثین صحیح ہے۔''

محترم قارئین! قاضی صاحب کا یہ دعویٰ بھی بے بنیاد اور غلط ہے۔ کیونکہ متصل السند ہونا محدثین کے ہاں صحیح روایت کی ماہیت میں داخل ہے چنانچہ حافظ صاحب فرماتے ہیں: وخبرالاحاد بنقل عدلٍ تَامِ الضَّبْطِ متصل السَّنَدِ غَیْرُ مُعَلَّل ولاشاذ. (شرح نخبہ صفحہ نمبر۲۵) صحیح روایت کے لئے پانچ امور کا ہونا ضروری ہے۔

(۱) اس کے راوی عادل ہوں۔

(۲) اس کے راوی ضابط ہوں۔

(۳) اس کی سند متصل ہو۔

(۴) وہ معلل نہ ہو۔

(۵) وہ شاذ بھی نہ ہو۔

اور یزید بن رومان کی روایت متصل السند نہیں تو اب اسے باتفاق محدثین صحیح کہنا اصول حدیث سے ناواقفی نہیں تو اور کیا ہے۔ یا ؂

اِنْ کُنْتَ لَا تَدْرِیْ فَتِلْكَ مُصِیْبَةٌ
وَاِنْ کُنْتَ تَدْرِیْ فَالْمُصِیْبَةُ اَعْظَمُ

غلطی نمبر۱۴

قاضی صاحب پمفلٹ صفحہ نمبر۴۷ پر حضرت سائب بن یزید کی حدیث کہ

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے امام تراویح ابی بن کعب اور تمیم داری کو رمضان میں گیارہ رکعت پڑھانے کا حکم دیا تھا'' کے متعلق فرماتے ہیں۔'' (اس کا راوی) محمد بن یوسف واقعی ثقہ ہے لیکن بعض اوقات ثقات کو بھی وہم ہو جاتا ہے۔اور بات پوری یاد نہیں رہتی۔''

معزز ناظرین! قاضی صاحب کا محمد بن یوسف کے متعلق یہ بیان کہ انہیں گیارہ رکعت کہنے میں وہم ہو گیا تھا۔ بہتان صریح ہیں ورنہ وہ اس کی کوئی دلیل بیان فرمائیں۔تعجب بالائے تعجب جب محدثین حدیث مَنْ کَانَ لَهُ اِمَامٌ الخ کے رفع کو ضعیف رواۃ کا وہم قرار دیتے ہیں تو جناب قاضی صاحب سیخ پا ہوتے ہیں اور جب خود آپ ثقات پر وہم کا الزام لگاتے ہیں۔تو کان پر جوں بھی نہیں رینگتی ؎

ایں چہ بو العجبی است

غلطی نمبر ۱۵:

قاضی صاحب پمفلٹ حاشیہ صفحہ نمبر ۱۹ پر پیغمبر خدا ﷺ کی تراویح کے عدد کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں: ''رکعات کا عدد کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں۔''

جناب من! جناب قاضی صاحب کا یہ دعویٰ بالکل غلط ہے کیونکہ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ پیغمبر خدا ﷺ رمضان وغیر رمضان میں گیارہ رکعت پر اضافہ نہیں فرمایا کرتے تھے تو آٹھ رکعت نماز تراویح آنحضرت ﷺ کی صحیح حدیث سے ثابت ہیں جس کے لئے دوسرا باب ملاحظہ فرمائیں۔البتہ بیس رکعت نماز تراویح آنحضرت ﷺ سے کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں اس کے لئے تیسرا باب پڑھیں۔

غلطی نمبر ۱۶:

قاضی صاحب سائب بن یزید کی روایت کا صفحہ نمبر ۱۴ پر حوالہ دے رہے ہیں دسنن کبریٰ بیہقی جلد نمبر ۲ صفحہ نمبر ۴۹۶' لیکن مجھے بھی افسوس ہے کہ قاضی صاحب کی معصومیت پر کہاں تک ترس کھایا جائے۔کیونکہ ان کی حالت اس وقت واقعی قابل رحم ہے۔افسوس کہ قاضی صاحب نے حافظہ سے کام لینے کی کوشش نہیں کی اور آباؤ اجداد

کے چھوٹے چھوٹے رسالہ جات سامنے رکھ کر پمفلٹ لکھنا شروع کر دیا تھا۔یہی وجہ ہے اپنی کہی ہوئی باتوں میں تضاد پیدا ہو گیا۔اور آباؤ اجداد کی پیروی میں ایسے ہی ہوا کرتا ہے۔اور ایسے مقام پر حافظ اور علم پر ناز ایسی صلاحیتیں بھی جواب دے جاتی ہیں۔یہی وجہ ہے کہ قاضی صاحب پمفلٹ صفحہ نمبر ۴۲ پر یہی حوالہ جلد ۲ ص ۲۹۶ نقل فرما رہے ہیں۔

سردست قاضی صاحب کی ۱۶ اغلاط بیان کرنے پر ہی کتفا چاہتا ہوں ورنہ ان کی تحریر میں اس قسم کا مواد بکثرت ملتا ہے۔قاضی صاحب کا شائع کردہ پمفلٹ دقت نظر سے پڑھتے سے تمام اغلاط کا خود بخود پتہ چل جاتا ہے۔



اک گزارش مؤدبانہ ہے

ا۔ بندہ نے جناب صاحب سے چند سوالات کیے تھے۔ جن کا تاہنوز اُنہوں نے کوئی تسلی بخش جواب نہیں دیا۔ اب وہ بھی ہدیہ ناظرین کیے جاتے ہیں:

(۱) پیغمبر خدا ﷺ نے تراویح آٹھ رکعت ادا کیں یا بیس رکعت؟

(۲) حضرت ابوسلمہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے نبی علیہ السلام کی کونسی نماز کے متعلق سوال کیا تھا؟

(اس سوال کو قاضی صاحب نے جیسے حل کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ تو اُن کو بھی مسلم ہے کہ سوال میں فی رمضان کے الفاظ موجود ہیں۔ اور وہ رات کی نفل نماز کے متعلق ہیں۔ یہی نفل نماز جو آں حضرت ﷺ نے رمضان کی راتوں میں ادا کی۔ اور اسی کے متعلق حضرت ابوسلمہ نے پوچھا؟)

(۳) کیا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا جواب صحیح تھا؟ (قاضی صاحب ابھی تک اس کا جواب صحیح یا غیر صحیح نہیں بتا سکے)۔

(۴) خلفائے راشدین میں سے کون سے خلیفہ بیس رکعت تراویح پڑھتے تھے؟

(۵) کیا امام محمد، ابن ہمام، ملا علی قاری رحمہم الباری، آئمہ احناف نے جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کو نبی علیہ السلام کی صلوٰۃ تراویح کے گیارہ رکعت ہونے میں نص قرار دیا ہے آیا وہ دُرست ہے یا نہیں؟

(۶) سائب بن یزید کی حدیث کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابی بن کعب و تمیم داری کو گیارہ رکعت پڑھانے کا حکم دیا تھا مؤطا امام مالک میں بسند صحیح موجود ہے کیا قاضی صاحب اپنی بیس رکعت والی حدیث بھی مع سند توثیق رجال درج کرنے کی

زحمت گوارا فرمائیں گے؟

۲۔ جناب قاضی صاحب کے پاس بیس رکعت کی سنیت کے دلائل تو تھے نہیں کہ وہ انہیں سپرد قلم فرماتے۔ اس لیے جب وہ میری طرف سے آٹھ رکعت کی سینت پر پیش کردہ دلائل کا تحریراً جواب نہ دے سکے تو اُنہوں نے ہمارے گاؤں میں شور مچانے کے لئے اپنے رنگ میں رنگے ہوئے چند حواری بھیج دیئے۔ جن کی روئداد آپ ہمارے پہلے پمفلٹ میں بھی پڑھ چکے ہیں۔ پھر جب وہ اس حربہ سے بھی کامیاب نہ ہوسکے۔ اور میری تحریر پر تحریر بھی ان کے پاس پہنچ گئی۔ تو اُنہوں نے ہوش وحواس سنبھالے اور ایک مغالطہ آمیز تحریر میرے پاس بھیج دی لیکن ان کی اس تحریر کے موصول ہونے سے پہلے ہمارا پمفلٹ شائع ہو چکا تھا۔ اس لئے ان کی یہ تحریر پمفلٹ میں شائع نہ ہوسکی۔ ادھر اُنہوں نے اس بات کو رنگ دینا شروع کر دیا کہ غیر مقلدین نے میری اس تحریر کو پمفلٹ میں شائع نہیں کیا۔ وغیرہ وغیرہ۔

جناب قاضی صاحب کی اس تحریر میں کیا تھا۔ نفس مسئلہ کے متعلق ان کے ڈھب تو آپ کو پہلے ہی سے معلوم ہیں کہ بیس رکعت سنت کے دلائل سے تو وہ بالکل تہی دامن ہیں۔ تو ان کی یہ تحریر بھی ان کی پہلی تحریروں کی طرح بیس رکعت سنت کے دلائل سے تہی دامنی کے مظاہرہ کا ہی آئینہ دار تھی۔ البتہ ایک بات اُنہوں نے اس میں نئی کہی جسے وہ اپنی کامیابی کا نرالا حربہ سمجھے بیٹھے ہیں۔ وہ یہ کہ:

> ''دن کا تعین، مسئلہ نزاع کا تعین اور گفتگو پر آمادگی تحریر کر کے بھیج دیں اور نورپور کے علاوہ کسی اور جگہ کا بھی تعین کر دیں۔ آپ کی خدمت لیے وہاں ہی کوئی ہمارا شاگرد حاضر ہو جائے گا اور اگر آپ کے بزرگ یعنی استاد جن سے مشورہ کے لئے آپ کو جانا پڑا بقول آپ کے رقعہ رساں کے اگر وہ گفتگو کا شوق فرمائیں تو میں بذات خود گفتگو کر سکتا ہوں پھر نمائندگی کا سوال ختم ہو جائے گا۔''

قارئین کرام! میری طرف سے ان کی اس تحریر کا حرف بحرف جواب اسی وقت ان کے پمفلٹ کے چھپنے سے پہلے ہی ان کے پاس پہنچ گیا تھا۔لیکن اُنہوں نے اپنی شکست کی پردہ پوشی کرنے کے لئے میرے اس جواب کو پمفلٹ میں شائع نہ کیا۔ان کے ہاں تو یہ بھی سچائی ہوگی کہ اپنے دو ورق ایک ہفتہ بعد چار صفحات صفحہ نمبر ۲۳۲ا وصفحہ نمبر ۲۳۲ب وصفحہ نمبر ۲۳۲ج وصفحہ نمبر ۲۳۲د تو چھپوا کر پمفلٹ کی عوام میں تقسیم شدہ کاپیاں لے کر بھی اس میں منتھی کرلیں[1] اور میرے پمفلٹ چھپنے سے قبل پہنچے ہوئے جواب کے متعلق ارشاد ہو جی مولوی صاحب کا جواب پمفلٹ چھپنے کے بعد موصول ہوا تھا۔دوسروں پر کذب بیانی' جھوٹ کے فتوے چسپاں کرنے والو اب اسے کن الفاظ سے تعبیر کرو گے؟

ہاں جناب تو قاضی صاحب کے مندرجہ بالا نام نہاد چیلنج کا جواب میں نے اپنی اس آخری تحریر میں ہی دے دیا تھا جس کے متعلق آپ نے مندرجہ بالا چند نگارشات پڑھیں۔اب میں اس کو انہیں الفاظ میں آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔

آپ نے تمام تر زورِقلم صرف اس جملے پر صرف کر دیا کہ یہ لکھدیا۔''تیری خدمت کے لئے وہاں ہی کوئی ہمارا شاگرد حاضر ہو جائے گا۔'' آپ کے نزدیک یہی انصاف کا معیار ہے کہ تحریری گفتگو مجھ سے ہے اور زبانی گفتگو کے لئے آپ بڑے بڑے عالموں کی ضرورت محسوس کر رہے ہیں۔آپ عمر میں مجھ سے بڑے ہیں اور میں یہ اختیار آپ کو دیتا ہوں کہ مسئلہ نزاع کا تعین اور جگہ کا تعین کرلیں اور میں بذات خود آپ کی خاصی خدمت کروں گا۔اور تحریری طور پر تو یہ خدمت سرانجام دے ہی رہا ہوں۔آپ ذرا جرات کر کے تو دیکھئے۔لیکن اگر اسی طرح آپ نے ٹالنے کی کوشش

---

[1] جناب قاضی صاحب کے ان چار صفحات سے خالی پمفلٹ کی کاپی اور ان چار صفحات پر مشتمل کاپی دونوں میرے پاس موجود ہیں۔جس کو اعتماد نہ ہو وہ دیکھ سکتا ہے۔منہ

کی۔تو پھر یہی کہا جائے گا۔

دل کو تیرے انداز ہی محبوب رہے ہیں

لیکن جناب قاضی صاحب میرے اس جواب پر ٹس سے مس نہ ہوئے اور آج تک خاموشی کی نیند سوئے ہوئے ہیں۔جناب قاضی صاحب نے تو فرمایا ہے۔''نور پور کے علاوہ کسی اور جگہ کا تعین بھی کر دیں۔''لیکن میں ان سے یہ قطعاً نہیں کہوں گا۔کہ قلعہ کے علاوہ کسی اور جگہ کا تعین بھی کر دیں۔میں تو صرف اتنی ہی گذارش کرتا ہوں۔

جناب قاضی صاحب مدظلہ العالی یا ان کے اساتذہ کرام جب شوق فرمائیں،جس مسئلہ پر چاہیں جہاں چاہیں تحریراً گفتگو فرما سکتے ہیں۔یہ بندہ فقیر اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے ان کی خدمت کو ہمہ وقت تیار ہے۔

لطیفہ: جناب قاضی صاحب اس خادم سے تو گفتگو کرنے کو تیار نہیں ہو رہے اور چیلنج دے رہے ہیں میرے اساتذہ کو۔یہ بھی کیا طرفہ ہے کہ آدمی ساحل سے تو نپٹ نہ سکے اور سمندر میں چھلانگیں۔

یشمر للج عن ساقہ ویغمرہ الموج فی الساحل

اُمید ہے کہ حضرت قاضی صاحب مدظلہ العالی حسب عادت کچھ فرمائیں گے۔اس کے لئے میں بھی ہاتھ میں قلم تھامے بیٹھا ہوں۔پھر میرے بھی تیسرے ٹریکٹ کا انتظار کیجئے گا۔جس میں مقلدین کی قرآن حدیث سے بیگانگی اور فقہ حنفیہ سے اپنائیت کی نقاب کشائی کی جائے گی۔اور فقہ حنفیہ کے اوراق اُلٹنے کا تکلف کرنا پڑے گا۔ انشاء اللّٰہ (وما علینا الا البلاغ).

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْن.

عبدالمنان بن عبدالحق نور پوری

مولانا غلام سرور گجراتی حنفی کے رسالہ

"بیس رکعت تراویح کا شرعی ثبوت"

کا جواب

تعدادِ تراویح

از

حافظ عبدالمنان نورپوری حفظہ اللہ

مدرس جامعہ محمدیہ جی ٹی روڈ گوجرانوالہ

فہرست



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

تقریظ

(از عبد السلام بھٹوی)

اللہ تعالیٰ نے ''اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ'' کہہ کر اپنے نازل کردہ ذکر کی حفاظت کا جو وعدہ فرمایا تھا اسے نہایت معجزانہ طریقے سے پورا فرمایا۔ ذکر کا جو حصہ قرآن مجید کی صورت میں ہے اس کی حفاظت اس طرح فرمائی کہ صحابہ کے زمانہ سے لے کر ہمیشہ کے لیے اپنی کتاب کی محبت اور اس کے حفظ کا شوق دلوں میں رکھ دیا اور اپنی کتاب کو اتنا آسان فرما دیا کہ بچے جوان بوڑھے سب اسے یاد کر سکتے ہیں اور عربی اور عجمی سب اپنی اپنی استعداد کے مطابق اس سے فیض یاب ہوتے ہیں اور جو حصہ حدیث کی صورت میں ہے اس کی حفاظت کے لیے ہر دور میں ایسی برگزیدہ ہستیوں کو مقرر فرمایا جنہوں نے اس فریضہ کا حق ادا کر دیا۔

علم حدیث حاصل کرنے کے لیے ہزاروں میلوں کے لیے سفر کیے۔ راویان حدیث کی عدالت وضبط معلوم کرنے کے لیے لاکھوں آدمیوں کی زندگی کے حالات کو ضبط کیا۔ اتصال معلوم کرنے کے لیے ان کے سنین ولادت ووفات' مختلف شہروں کی طرف ان کی رحلت اور مختلف اساتذہ سے ان کی ملاقات کا پتہ چلایا اور اسے قلم بند کیا۔ آنحضرت ﷺ کی حدیث میں کذب جلی وخفی کے تمام رخنے بند کرنے کے لیے قرآن وسنت سے استنباط کر کے قواعد وضع کیے جو اصول حدیث کے نام سے موسوم ہیں۔ غرض علمائے امت نے یہ ایسا محیر العقول کارنامہ سرانجام دیا کہ غیر مسلموں کے اہل نظر بھی معترف ہیں کہ مسیحی اور یہودی حضرات اپنے پیغمبر کے ایک فرمان کی

حفاظت بھی اتنے مضبوط اور محکم طریقے سے نہیں کر سکے جس طریقے سے مسلمانوں نے اپنے رسول ﷺ کے ہزاروں فرامین واحوال کی حفاظت کی۔

فقہ اہل حدیث:

اس مبارک جماعت کا دوسرا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے جہاں قرآن وحدیث کے دلائل جمع کئے وہاں زندگی میں پیش آمدہ مسائل کے لیے ان دلائل سے احکام کا استنباط بھی کیا۔ انہوں نے اپنی محنت سے ثابت کر دیا کہ زندگی کے ہر شعبہ میں حدیث رسول ﷺ کی رہنمائی موجود ہے کمی ہے تو جستجو کی۔ صحابہ کے مختلف شہروں میں پھیل جانے اور حدیث رسول اللہ ﷺ کے مختلف شہروں میں منتشر ہو جانے کی وجہ سے اگرچہ ہر مسئلہ میں حدیث کی تلاش نہایت مشکل کام تھا مگر طلب حدیث کے لیے ہمارے تصور سے بھی زیادہ دشوار حالات میں ہزاروں میلوں کے سفر طے کر کے اور اپنی زندگیاں اس مقدس مشن میں کھپا کر انہوں نے اس بظاہر ناممکن کو ممکن بنا دیا۔

چنانچہ ہر مسئلہ میں پہلے حدیث کی تلاش اور پھر فتویٰ ان حضرات کا منتہائے نظر رہا ہے۔ یہ جب مسئلہ بتاتے ہیں تو ساتھ دلیل بھی بیان کرتے ہیں۔ حدیث بیان ہی اس طرح کرتے ہیں کہ اس سے نکلنے والے مسائل بھی معلوم ہو جائیں۔ حضرت امام مالک، شافعی، احمد بن حنبل، محمد بن اسماعیل بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، دارقطنی، بیہقی، دارمی، ابن حبان، ابن خزیمہ، ابن ابی شیبہ، عبدالرزاق، سعید بن منصور وغیرہم رحمہم اللہ تعالیٰ۔ غرض کس کس کا نام لیا جائے۔ کوئی آفتاب ہے تو کوئی ماہتاب ان کے فہم میں اختلاف ہو سکتا ہے مگر اصل کے لحاظ سے سب ایک ہیں۔ ان کا نام اہل حدیث اور ان کی فقہ فقہ الحدیث کہلاتی ہے۔ یہ نہ تو ایسے حدیث جمع کرنے والے ہیں جنہیں پتہ ہی نہیں کہ حدیث سے مسئلہ کیا نکلتا ہے اور نہ ہی یہ ایسے مسئلہ بتانے والے ہیں جو مسئلہ تو بتاتے ہیں مگر یہ نہیں بتاتے کہ ہم نے یہ کہاں سے نکالا ہے گویا یہ ایسے عطار (پنساری) ہیں جنہیں اپنے دواخانہ کی ایک ایک دوا کی افادیت کا بھی علم ہے

اور ایسے طبیب (حکیم) ہیں جو اپنے مریض کو اندھیرے میں رکھنا پسند نہیں کرتے بلکہ اسے دوا دے کر اس کے اجزاء بھی بتا دیتے ہیں تا کہ وہ خود بھی غور کر سکے اور دوسرے طبیبوں سے بھی مشورہ لے سکے یہ نہیں کہ طبیب نے پسا ہوا سفوف دے دیا جس کے اجزاء اگر وہ معلوم کرنا چاہے تو اسے لیبارٹری والوں کا محتاج ہونا پڑے جو محض ظن وتخمین (اندازے) کی بنا پر اس کے اجزاء کی تعیین کرتے پھریں یقین سے دوا کا ایک جز بھی نہ بتا سکیں۔ مریض اس بات پر ہی خوش ہے کہ میرا طبیب بڑا لائق ہے خواہ طبیب نے غلطی سے اسے سم الفار کی پڑیہ ہی دے دی ہو۔ طبیب بے شک نیک نیت تھا مگر غلطی کا خمیازہ بہر حال مریض کو بھگتنا پڑے گا۔

آپ صحیح بخاری اور دوسری کتب احادیث اٹھا کر دیکھیں یہاں حدیث بھی جمع ہے ہر حدیث کے ساتھ استنباط مسائل (فقہ) بھی ہے بلکہ استنباط کی مشق بھی ساتھ ساتھ کروائی جاتی ہے گویا یہ محدث بھی ہیں مجتہد بھی اور مجتہد گر بھی جن کے مطالعہ سے بے شمار مجتہدین مثلاً داؤد بن علی' ابن حزم' ابن تیمیہ' ابن قیم' ابن قدامہ' عزیز بن عبدالسلام' ابن حجر' شوکانی' نواب صدیق حسن خاں وغیرہم رحمہم اللہ تعالیٰ پیدا ہوئے اور اب بھی یہ کتابیں ہر مطالعہ کرنے والے کو فن حدیث سکھاتی ہیں اور اجتہاد کا سلیقہ بھی۔ ان کا مطالعہ کرتے ہوئے کبھی اللہ تعالیٰ کے متعلق یہ بدگمانی پیدا نہیں ہوتی کہ اس نے قرآن وحدیث کو سمجھنے اور ان سے مسائل کے استنباط کا دروازہ فلاں صدی کے بعد بند فرما دیا ہے۔

فقہ اہل الرأی:

ایک طرف یہ محنت شاقہ ہو رہی تھی دوسری طرف بعض شہروں میں رہنے والے کچھ لوگوں نے اس محنت کی بجائے ایک دوسری راہ اختیار کی چنانچہ شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں:

وَذٰلِکَ اَنَّہٗ لَمْ یَکُنْ عِنْدَھُمْ مِنَ الْاَحَادِیْثِ وَالْآثَارِ مَا یَقْدِرُوْنَ بِہٖ

عَلی اسْتِنْبَاطِ الْفِقْهِ عَلَی الْاُصُوْلِ الَّتِی اخْتَارَهَا اَهْلُ الْحَدِیْثِ وَلَمْ تَنْشَرِحْ صُدُوْرُهُمْ لِلنَّظْرِ فِیْ اَقْوَالِ عُلَمَاءِ الْبُلْدَانِ وَجَمْعِهَا وَالْبَحْثِ عَنْهَا وَاتَّهَمُوْا اَنْفُسَهُمْ فِیْ ذٰلِکَ وَکَانُوْا اعْتَقَدُوْا فِیْ اَئِمَّتِهِمْ اَنَّهُمْ فِی الدَّرَجَةِ الْعُلْیَا مِنَ التَّحْقِیْقِ وَکَانَ قُلُوْبُهُمْ اَمْثَلَ شَیْئٍ اِلٰی اَصْحَابِهِمْ کَمَا قَالَ عَلْقَمَةُ: ''هَلْ اَحَدٌ مِنْهُمْ اَثْبَتُ مِنْ عَبْدِاللّٰهِ''؟ وَقَالَ اَبُوْحَنِیْفَةَ: ''اِبْرَاهِیْمُ اَفْقَهُ مِنْ سَالِمٍ وَلَوْلَا فَضْلُ الصُّحْبَةِ لَقُلْتُ عَلْقَمَةُ اَفْقَهُ مِنِ ابْنِ عُمَرَ''. وَکَانَ عِنْدَهُمْ مِنَ الْفَطَانَةِ وَالْحَدْسِ وَسُرْعَةِ انْتِقَالِ الذِّهْنِ مِنْ شَیْئٍ اِلٰی شَیْئٍ مَا یَقْدِرُوْنَ بِهٖ عَلٰی تَخْرِیْجِ جَوَابِ الْمَسَائِلِ عَلٰی اَقْوَالِ اَصْحَابِهِمْ ''.

(حجة الله البالغة ص ۱۵۲ ج ۱)

ترجمہ: ''وہ یہ کہ ان کے پاس اس قدر احادیث وآثار موجود نہ تھے جن سے وہ ان اصولوں کے مطابق فقہ کے استنباط پر قادر ہوسکیں جو اہل حدیث نے اختیار فرمائے تھے اور دوسرے شہروں کے علماء کے اقوال میں غور وفکر ان کی جستجو اور انہیں جمع کرنے کے لیے انہیں شرح صدر نہ تھا اور اس (کار دشوار) میں انہوں نے اپنے آپ کو متہم سمجھا اور وہ اپنے علماء کے متعلق یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ وہ تحقیق کے درجہ علیاء پر فائز ہیں اور ان کے دل اپنے اصحاب کی طرف بہت زیادہ مائل تھے جیسا کہ علقمہ نے فرمایا: ''کیا ان (صحابہ) میں عبداللہؓ سے زیادہ بھی کوئی (علم میں) پختہ ہے اور ابوحنیفہ نے فرمایا: ''ابراہیم' سالم سے زیادہ فقیہ ہیں اور اگر صحابی ہونے کی فضیلت نہ ہوتی تو میں کہہ دیتا کہ علقمہ ابن عمرؓ سے زیادہ فقیہ ہیں''۔ اور ان لوگوں کے پاس فطانۃ' حدس اور ایک چیز سے دوسری چیز کی طرف ذہن کی سرعۃ انتقال کی ایسی صلاحیت تھی جس کے ساتھ وہ اپنے اصحاب کے اقوال کے مطابق

سوالات کے جوابات کی تخریج کی قدرت رکھتے تھے۔اھ"۔

ان لوگوں کے وہاں کمال یہ تھا کہ حقیقی پیش آمدہ واقعات ہوں یا فرضی مسائل سب کا جواب اپنی ذہانت وفطانت سے اپنے اساتذہ کے کلام سے تخریج کر کے دیں۔ پھر ان اقوال وجوابات کے مجموعے تیار ہوگئے جن کے ساتھ دلائل حدیثیہ ذکر نہیں ہوتے تھے بلکہ اپنے اساتذہ کی لیاقت پر ہی اعتماد ہی اصل دلیل تھی پھر پھر قرون خیر کے دور ہونے کے ساتھ ساتھ سلاطین وخلفا نے اپنی مصلحتوں کے لیے ان اقوال اور اصحاب اقوال کو بزور حکومت تمام اسلامی قلمرو پر مسلط کر دیا۔ یہ لوگ اہل الرأی اور ان کی فقہ فقہ اہل الرأی کہلاتی ہے۔

فقہ اہل الرأی کے لیے دلائل کی تلاش:

جب کچھ زمانہ گزرا تو بعد میں آنے والوں نے اپنے علماء کے اقوال کے دلائل کی تلاش شروع کی مگر اب تیر کمان سے نکل چکا تھا۔دم بدم "قِيْلَ ارْجِعُوْا وَرَآءَ كُمْ فَالْتَمِسُوْا" کی صدا آ رہی تھی۔حریفوں نے اپنی بات دلیل سے بیان کی تھی اس کا وزن بہر حال مسلم تھا اور یہاں اپنوں کا ترتیب دادہ کوئی جامع مجموعہ حدیث ہی نہ تھا جس سے دلیل پیش کر سکیں۔ یہ الگ بات ہے کہ حریف اتنے دیانتدار تھے کہ انہوں نے وہ دلائل بھی (صحیح ہوں یا ضعیف) جمع کر دیئے جن سے اہل الرای استدلال کرتے ہیں۔ اہل الرأی نے اہل حدیث کے مدون کردہ مجموعوں سے اپنے دلائل جمع کیے مگر ہر بات کی دلیل نہ مل سکی کیونکہ اس کا وجود ہی نہ تھا چنانچہ اس میدان میں اپنی بے بضاعتی کے اعتراف کے بغیر ان کے پاس کوئی چارۂ کار نہ رہا چنانچہ مولانا انور شاہ کشمیری سابق صدر مدرس دارالعلوم دیوبند کے صاحبزادے سید انظر شاہ مسعودی اپنے والد محترم کی سوانح حیات "نقش دوام" میں لکھتے ہیں:

"یہ عجیب تاریخ کا راز ہے جس کی وجوہ علل کا دریافت تاریخ کا سب سے بڑا انکشاف ہوگا کہ حدیث کے بیشتر وہ مجموعے جو آج ہمارے کتب خانوں

کی زینت ہیں غیر حنفی قلم سے ان کی جمع وترتیب ہوئی خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ اس مہم میں حنفی مکتب فکر بھرپور شرکت کیوں نہیں کر سکا۔ عجیب نہیں کہ یہ پامال اعتراض کہ ابوحنیفہ الامام حدیث سے نابلد وناواقف تھے ان شبہات وشکوک میں اس سے بھی مدد لی جارہی ہو کہ احناف تدوین حدیث کے کاروبار میں پس ماندہ ہیں۔ اگرچہ متاخرین کی کاوشیں اس خلجان کے لیے کوئی گنجائش نہیں چھوڑتیں تاہم اسباب کچھ بھی ہوں پھر بھی اس واقعہ سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ حدیثی مجموعوں میں احناف کی تالیفی دستاویزات نہ ہونے کے برابر ہیں ان کی تمام تر توجہ اور زور قلم فقہ کی تعمیر' استخراج مسائل' نت نئی جزئیات' حوادث وفتاوی کی ترتیب وتدین پر ہی رہی''۔ اھ

(نقش دوام ص' ۱۷۵'۱۷۶)

مزید ایک مقام پر لکھتے ہیں:

''عجیب بات یہ ہے کہ چار فقہی مکاتیب فکر وجود پذیر ہوئے تو حضرات شوافع کی علمی ہمتیں احادیث کی جمع وترتیب میں مصروف رہیں چنانچہ آج عالم اسلام کی کوئی بھی درسگاہ ایسی نہیں جس میں یہی حدیثی مجموعے زیر درس نہ ہوں۔ مالک علیہ الرحمۃ کے قلم مبارک سے ان کا مشہور موطا مالکی فقہ کے لیے آج اساسی کتاب ہے احمد بن حنبل علیہ الرحمۃ کا مسند حنابلہ کے لیے کافی وشافی ہے احناف ہی ایک ایسا فقہی اسکول ہے جس کے پاس خود کسی حنفی امام کی تیار تالیف نہیں۔ امام محمد علیہ الرحمۃ کا موطا اور امام طحاوی کی معانی الآثار ثانوی درجہ میں داخل کی گئیں اور خود احناف ان سے وہ استفادہ نہ کر سکے جس کی یہ دونوں کتابیں مستحق تھیں تاریخی اعتبار سے اس کے کچھ علل واسباب ہیں جس کی تفصیل کا یہ موقعہ نہیں''۔ (نقش دوام ص' ۳۰۸)

ان دونوں کتابوں کو احناف کے ہاں کوئی قابل ذکر مقام نہ ملنے کی وجہ یہ

ہے کہ موطا تو بنیادی طور پر امام مالک کی تصنیف ہے جو امام محمد نے ان سے روایت کی اور اس میں چند آثار و احادیث اپنے دوسرے اساتذہ کے بھی شامل کر دیئے تفصیل کے لیے دیکھئے بستان المحدثین و دیگر کتب ۔ رہ گئے امام طحاوی تو وہ واقعی حدیث کی تدوین میں شریک ہوئے اور اپنی طرف سے پوری کوشش اثبات حنفیت کی کی مگر محدث ہونے کی وجہ سے اس خود سپردگی کا مظاہرہ نہ کر سکے جس کی توقع ایک مکمل حنفی سے کی جاتی ہے نتیجہ یہ نکلا کہ اثبات حنفیت کو اپنا مقصد بنا لینے کی وجہ سے محدثین (جو ہر تعصب سے آزاد ہو کر حدیث کے خادم تھے) کے ہاں بار پا سکے اور نہ احناف نے ہی انہیں پوری طرح قبول کیا۔ چنانچہ داخل درس ہونے کے باوجود حنفی اساتذہ وطلبہ کی دلچسپی اس کتاب کو حاصل نہ ہو سکی۔

نقش دوام میں لکھا ہے:

> ''امام طحاوی کی اس معرکۃ الآرا تصنیف سے خود حنفیہ کے حلقہ میں جو بے اعتنائی برتی جا رہی ہے اس پر علامہ مرحوم کی بے چینی اور تاسف واضح کر چکا ہوں۔ یہ تو بار بار فرماتے تھے کہ موالک نے طحاوی سے جس قدر فائدہ اٹھایا احناف اس سے محروم رہے اور خود غریب طحاوی حنفیت کی وکالت و دفاع میں ہدف ملامت بن کر رہ گئے پچھلے دنوں دار العلوم کے مجلس شوری کے اجلاس میں حضرات مدرسین کی مقدار اسباق زیر بحث تھیں طحاوی کی مقدار بہت کم رہی تو اراکین شوری اس تاسف کا اظہار کر رہے تھے مولانا مفتی عتیق الرحمان جو طویل و تلخ بحثوں کو لطائف میں اڑانے کے مشاق تھے بولے کہ ''بھائی! ہمارے حضرت (مولانا انور) شاہ صاحب فرماتے تھے کہ جعفر کے ابا کے ساتھ کسی نے انصاف نہیں کیا (ابو جعفر امام طحاوی کی کنیت ہے) اس ظلم کو بھی کہ طحاوی کی مقدار کم ہوئی ہے مظالم علی الطحاوی میں شمار کرو۔ بات آئی گئی ہو گئی''۔ (حاشیہ نقش دوام ص ۱۷۶)

دلائل کی کمی پوری کرنے کے لیے احناف کی کاوشیں:

جمع وتدوین حدیث کا میدان مکمل طور پر اہل حدیث کے ہاتھ میں ہونے کے باوجود متاخرین حنفیہ نے اپنی اس کمی کو دور کرنے کے لیے حد سے زیادہ محنت کی مگر اس ساری تگ ودو میں خدمت حدیث کے جذبہ کی حیثیت ثانوی ہے اصل مقصد حنفی مذہب کو حدیث کے مطابق ثابت کرنا ہے۔

چنانچہ اس مقصد کے لیے حضرات احناف نے کئی طریقے اختیار فرمائے ہیں:

❶ دورۂ حدیث:

اپنے مدارس میں آٹھ سال تک فقہ حنفی پڑھا پڑھا کر ذہنوں میں حنفیت پختہ کرنے کے بعد ایک سال میں حدیث کے چھ ضخیم مجموعوں سے طلباء کو گزارا جاتا ہے اور شیخ الحدیث کا کام یہ ہوتا ہے کہ یہ بتائے کہ یہ حدیثیں ہمارے مخالف ہیں اور ہم ان کا جواب اس طرح دیتے ہیں اگر کوئی چاہے کہ اپنی آنکھوں کے ساتھ ان حلقہ ہائے درس میں شیوخ حدیث کی حنفیت کے اثبات کی جدوجہد کو دیکھے تو وہ ان کی تقاریر پڑھے جو ترمذی' بخاری اور دوسری کتب حدیث کے دروس میں تلامذہ نے قلم بند کی ہیں مثلاً تقریر ترمذی للشیخ محمود الحسن فیض الباری وغیرہ۔ ''یاد ایام'' میں اوجز المسالک کے مصنف بذل المجہود کے معاون مصنف اور مشہور تبلیغی نصاب کے مصنف مولانا زکریا صاحب کاندھلوی نے اپنے والد صاحب کا (جن سے انہوں نے حدیث پڑھی) قانون تعلیم بیان فرماتے ہیں:

> ''قانون تعلیم یہ تھا کہ ہر حدیث کے بعد یہ بتانا ضروری تھا کہ یہ حدیث حنفیہ کے موافق ہے یا خلاف۔ اگر خلاف ہے تو حنفیہ کی دلیل اور حدیث پاک کا جواب۔ یہ تمام گویا حدیث کا جزو لازم تھا جو میرے ذمہ تھا اپنی دلیل نہ بتانا تو یاد نہیں اس لیے کہ ہدایہ اور اس کی شروح وحواشی اور فقہ کی

دوسری کتابیں دیکھنے کی نوبت کثرت سے آتی رہتی تھی۔ البتہ حدیث کا جواب کبھی کبھی نہیں دے سکتا تھا تو وہ خود بتاتے تھے"۔ (ص ۲۳ "یاد ایام")

تقریباً یہی قانون تمام مدارس احناف میں جاری وساری ہے۔ جہاں ترتیب ہی یہ ہو کہ حنفیہ کی بات کسی صورت میں نہ ٹوٹنے پائے۔ حدیث پاک خلاف آتی ہے تو ہر طرح اس کا جواب ہونا چاہیے وہاں حدیث کی محبت وحمایت کا ذوق وجذبہ جس قدر باقی رہ سکتا ہے اس کا اندازہ کرنے کے لیے کسی لمبے چوڑے غور وفکر کی ضرورت نہیں۔ تعجب یہ ہے کہ ان لوگوں کو یہ کہنے کی توفیق نہیں ہوتی کہ حنفیہ کا مسئلہ حدیث پاک کے موافق ہے یا خلاف۔ نہ یہ کہنے میں کوئی باک محسوس ہوتا ہے کہ حدیث حنفیہ کے موافق ہے یا خلاف؟ فالی اللہ المشتکی

❷ حنفی مذہب کے اثبات کے لیے مجموعہ ہائے احادیث مرتب کرنا:

سید انظر شاہ نقش دوام میں لکھتے ہیں:

"بہر حال یہ ایک کمی وکوتاہی تھی جس کے تدارک کے لیے متاخرین احناف ہمیشہ متوجہ رہے۔ حضرت تھانوی نے اپنی زیر نگرانی "اعلاء السنن" کئی جلدوں میں تیار کرائی جس میں ان احادیث کو ایک خاص ترتیب سے جمع کیا گیا جس سے حنفی فقہ کی تائید وتصویب حاصل ہو۔ بہار کے مشہور عالم مولانا ظہیر الحسن شوق نیموی نے دو جلدوں میں آثار السنن کے نام سے ان احادیث کو یکجا کیا جو فقہ حنفی کی مؤید ہیں"۔ (ص ۳۰۹-۳۰۸)

ان کے علاوہ بھی مختلف مجموعے اس مقصد کے لیے مرتب کئے گئے۔

ان کتابوں میں مقصد چونکہ بہرحال حنفی مذہب کو ثابت کرنا ہے اس لیے اصول حدیث اور رجال کی بحث میں اپنے اور پرائے کے لیے الگ الگ پیمانے استعمال کئے گئے ہیں اگر کسی اصول سے حنفی مذہب کا اثبات ہوتا ہے تو وہ اجماعی قرار پاتا ہے اور اگر اسی اصول سے دوسرے مقام پر حنفیت کی تردید ہوتی ہے تو اس کو غلط

ثابت کرنے کے لیے پورا زور قلم صرف کیا جاتا ہے۔ ایک راوی کی حدیث اپنے حق میں ہو تو وہ امیر المومنین فی الحدیث ہے اور اگر اسی کی حدیث اپنے خلاف ہو تو وہ کذاب اور دَجَّالٌ مِنَ الدَّجَاجِلَة ہے وللتفصیل موضع آخر اگر رجال اور اصول میں بصیرت رکھنے والا کوئی شخص یہ کتابیں پڑھے تو اس تلون پر حیرت زدہ ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا: ؎

اپنا بنا لیا کبھی بیگانہ کر دیا
یہ دھوپ چھاؤں حسب ضرورت بھی خوب ہے

❸ کتب حدیث کی شروح وحواشی:

کتب حدیث کے مصنفین اور شارحین کے اہل حدیث ہونے کی وجہ سے کتب حدیث پڑھاتے وقت طلبہ کے متاثر ہونے کا خطرہ تھا۔ اس کے لیے تقریباً تمام کتب حدیث کے حواشی حنفی نکتہ نظر سے لکھے گئے اور حنفی ناشرین نے بڑی محنت سے شائع کیے۔ اس سے صورت حال یہ ہو چکی ہے کہ حدیث کا متن کچھ کہتا ہے اور حاشیہ کچھ اور ہی باور کرانے کی کوشش میں ہے۔ بظاہر حاشیہ حل کتاب کے لیے ہے مگر پڑھیں تو ثابت ہوتا ہے کہ رد کتاب کے لیے ہے صحیح بخاری پر مولانا سہارنپوری کا حاشیہ اس کی بین مثال ہے اسی طرح مؤطا ابوداؤد' ترمذی' نسائی' ابن ماجہ' مشکوٰۃ پر حنفی علماء کے حواشی دراصل متون حدیث کی تردیدی کاوشیں ہیں۔

اسی طرح کتب حدیث کی ان شروح کی جگہ جو اہل حدیث نے لکھی تھیں حنفی نکتہ نظر سے شروح لکھی گئیں۔ عمدۃ القاری للعینی' فتح الملہم' بذل المجھود' اوجز المسالک' مرقاۃ اسی نظریہ کی پیداوار ہیں۔ مشکوٰۃ کی مشہور شرح مرقاۃ کے مصنف نے تو سبب تصنیف میں لگی لپٹی رکھے بغیر صاف لکھا ہے:

"وَاَيْضًا مِنَ الْبَوَاعِثِ اَنَّ غَالِبَ الشُّرَّاحِ كَانُوْا شَافِعِيَّةً فِيْ مَطَالِبِهِمْ وَذَكَرُوْا الْمَسَائِلَ الْمُتَعَلِّقَةَ بِالْكِتَابِ عَلٰى مِنْهَاجِ مَذْهَبِهِمْ

وَاسْتَدَلُّوْا بِظَوَاهِرِ الْاَحَادِيْثِ عَلٰى مُقْتَضٰى مَشْرَبِهِمْ وَسَمُّوا الْحَنَفِيَّةَ الْاَصْحَابَ الرَّأْيِ عَلٰى ظَنِّ اَنَّهُمْ مَا يَعْمَلُوْنَ بِالْحَدِيْثِ بَلْ وَلَا يَعْلَمُوْنَ الرِّوَايَةَ وَالتَّحْدِيْثَ .... اِلٰى قَوْلِهٖ ...... فَاَحْبَبْتُ اَنْ اَذْكُرَ اَدِلَّتَهُمْ وَاُبَيِّنَ مَسَائِلَهُمْ وَاَدْفَعَ عَنْهُمْ مُخَالَفَتَهُمْ لِئَلَّا يَتَوَهَّمُ الْعَوَامُّ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ مَعْرِفَةٌ بِالْاَدِلَّةِ الْفِقْهِيَّةِ اَنَّ الْمَسَائِلَ الْحَنَفِيَّةَ تُخَالِفُ الدَّلَائِلَ الْحَنِيْفِيَّةِ '' (مرقاة ص،۳، ج ۱ طبع الامدادیه)

'' تصنیف کا ایک باعث یہ بھی ہے کہ اکثر شارحین اپنے مطلب میں شافعی تھے اور انہوں نے کتاب سے متعلقہ مسائل کو اپنے مذہب کے طریق پر ذکر کیا اور احادیث کے ظواہر سے اپنے مسلک کے مفہوم پر استدلال کیا اور حنفیہ کا نام اہل رائے رکھا اس گمان پر کہ یہ لوگ حدیث پر عمل نہیں کرتے بلکہ روایت اور حدیث بیان کرنے کا انہیں علم ہی نہیں ....الی قولہ......تو میں نے پسند کیا کہ میں ان کے دلائل ذکر کروں، ان کے مسائل واضح کروں اور لوگوں کی مخالفت ان سے دور کروں تاکہ عوام جنہیں ادلہ فقہیہ کی معرفت نہیں اس وہم میں نہ پڑ جائیں کہ حنفیہ کے مسائل ملت حنیفی کے دلائل کے خلاف ہیں''۔

فرمائیے جب کتب حدیث کی شروح میں نیت ہی حنفی مسائل کی ہر طرح وکالت اور ان کا دفاع ہو۔ وہاں حدیث کی جتنی لمبی چوڑی شروح بھی لکھی جائیں ان کا مقصد خدمت حدیث ہوگا یا خدمت حنفیت؟ اور عجیب بات یہ ہے کہ اپنے سوا سب لوگوں کو یہ حضرات شوافع قرار دیتے ہیں خواہ وہ ائمہ اہل حدیث میں سے کسی سلسلہ تلمذ سے تعلق رکھتے ہوں۔

❹ کتب حدیث کی طباعت:

حدیث کی متداول اور عام ملنے والی کتابوں میں حنفیت کی تائید کا مواد

نہایت کم ہونے کی وجہ سے حدیث کے ان مجموعوں کی اشاعت وطباعت کی ضرورت محسوس کی گئی جن میں ان حضرات کے خیال کے مطابق حنفیت کی تائید کے لیے مواد موجود ہے چنانچہ مولانا انور شاہ کی سوانح عمری میں لکھا ہے:

''مسند عبدالرزاق اور مصنف ابن ابی شیبہ کی احادیث حنفیہ کے لیے خاص طور پر مفید ہیں۔ ہر دو کتب کی اشاعت کی خصوصی تمنا فرماتے۔ اب دونوں کتابیں مجلس علمی کی کوششوں سے طبع ہو گئیں''۔ (نقش دوام ص ۱۷۸)

اللہ کی شان دیکھئے جس ابن ابی شیبہ نے اپنی ''مصنف'' میں ایک مستقل کتاب ''الرد علی ابی حنیفۃ'' کے نام سے لکھی اور دلائل کے ساتھ ان کی رائے کا احادیث کے خلاف ہونا واضح فرمایا۔ ابوحنیفہ کے مقلدین اپنے امام کے لیے دلائل کی دریوزہ گری کے لیے اسی ابن ابی شیبہ کی کتاب کی طباعت کی تمنا کرتے ہیں۔ بہرحال یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حفاظت حدیث کے اہتمام کی ایک عجیب صورت تھی کہ اس نے ایسے ہاتھوں سے یہ کام انجام دلایا جن کو اپنی ضرورت کی کچھ چیزیں نظر نہ آتیں تو وہ ان مجموعوں کا وجود بھی بمشکل برداشت کرتے۔



تنبیہ



مصنف ابن ابی شیبہ مکمل طبع نہیں ہوئی تھی صرف چند اجزاء طبع ہوئے تھے چند اجزاء طبع کرنے کے بعد طباعت روک دینے کی وجہ بھی یہ معلوم ہوتی ہے کہ بعد کے اجزاء میں کوئی خاص بات تھی جو چھاپنے والوں کو ظاہر کرنی گوارا نہ ہو سکی۔ اب ہندوستان میں جماعت اہلحدیث کے مولانا مختار احمد اور ان کے ساتھیوں کی محنت سے مکمل کتاب چھپ چکی ہے والحمد للہ۔

بعض کتب احادیث اس لیے طبع کی گئیں کہ ان کے ساتھ ان کا رد بھی شامل کر دیا جائے تا کہ حنفیت کو پہنچنے والا ضرر کم ہو سکے مثلاً سنن بیہقی کے ذیل میں الجوہر

التقی شائع کی گئی۔ اب اگر اشاعت حدیث ہی مقصد ہوتا تو صرف اصل کتاب قاری کے سامنے آنا قابل برداشت ہوتا مگر ساتھ رد شائع کرنے سے ظاہر ہے کہ مطلب سعدی اشاعت حدیث نہیں کچھ اور ہے۔

دائرۃ المعارف نے بے شک اشاعت کتب حدیث کی عظیم خدمت سرانجام دی مگر اصل غایت کے نہایت محدود ہونے نے اس عظیم الشان خدمت کو بھی داغدار کر دیا۔

بعض اداروں میں اشاعت کتب حدیث کے وقت مذہب کے مطابق بعض مقامات پر الفاظ میں تحریف وتبدیل کی گئی اور بعض مقامات پر خلاف مطلب الفاظ کو حذف کر دیا گیا۔ اس کی تفصیل آپ کو حضرت مولانا سلطان محمود صاحب حفظہ اللہ کی کتاب نعم الشہود اور مولانا محمد اشرف سندھو مرحوم کی کتاب نتائج التقلید میں ملے گی۔

5 اصول حدیث اور فن رجال کی بیخ کنی

علماء احناف کے ہاں اپنے اصحاب کے خلاف احادیث کو مُاَوَّل یا منسوخ قرار دینے کی روش عام ہے جیسا کہ کرخی نے اپنی ''اصول'' میں اس کی صراحت بھی کی ہے کہ ہمارے اصحاب کے خلاف جو آیت یا حدیث آئے وہ یا ماول ہے یا منسوخ! لیکن جب مقابلے میں ایک حدیث صحیح سند کے ساتھ ثابت ہو' ائمہ حدیث اس کی صحت پر متفق ہوں' نسخ کی بنیاد ہی موجود نہ ہو تاویل کو عقل سلیم قبول نہ کرتی ہو اور اپنی تائید میں ایسی ضعیف روایت کے علاوہ کچھ نہ ہو جو باتفاق محدثین غیر ثابت ہو' وہاں اپنے اہل حلقہ کو تو نسخ یا تاویل کے گول مول دعوی سے خاموش کروایا جا سکتا ہے لیکن تمام دنیا بادشاہ کے خوف سے ننگے کو ننگا نہ کہے یہ بات مشکل ہے۔

اس مقام پر حل مشکل کے لیے آخری دور کے احناف نے نہایت خطرناک اقدام کیا۔ چنانچہ انہوں نے متفقہ اصول حدیث کو بدلنے بلکہ اسے ناقابل اعتماد ٹھہرانے کی کوشش کی۔ اس بات سے بے پرواہ ہو کر کہ ایسا کرنے سے وہ منکرین

حدیث کے اعتراضات کا جواب دینے کے قابل بھی رہیں گے یا نہیں۔ وہ فن رجال' جس پر احادیث کی صحت وضعف کا مدار ہے' جو احادیث کی حفاظت کے لیے امت محمدیہ ﷺ میں رسول کریم ﷺ کا ایک معجزہ ہے اور جس فن کی سطوت وہیبت کے مقابلے میں غیر مسلم بھی اپنی تاریخ نویسی اور تحقیق کے معیار کو حقیر محسوس کرتے ہیں' اس فن رجال کو ایسے بے رحم طریقے سے اپنی تنقید کا نشانہ بنایا کہ اس کی رو سے کوئی شخص نہ ضعیف کو ضعیف کہنے کی جرأت کر سکے نہ صحیح کو صحیح کہنے کی۔ اس کے لیے استحقاق واستہزاء سے بھی گریز نہیں کیا گیا۔ دارالعلوم دیوبند کے صدر المدرسین مولانا انور شاہ کے متعلق ان کے فرزند ارجمند ''نقش دوام'' میں لکھتے ہیں:

> ''اختلافی حدیثوں کے بارے میں شوافع کے یہاں ''اَصَحَّ مَا فِی الْبَابِ'' (یعنی اس باب میں سب سے زیادہ صحیح حدیث یہ ہے) کا جو ترجیحی طریقہ جاری ہے اس کا جب کبھی ذکر آتا تو فرماتے کہ لیجیے شوافع نے ''پٹھے ٹٹولنے'' کا کام شروع کر دیا۔ اس علمی لطیفہ کی دلچسپ تفصیل فاضل گیلانی سے سنئے' لکھتے ہیں کہ: ''اسماء الرجال کی کتابوں کو اٹھا کر راوی پر جرح کر کے مخالف کی حدیث کو ناقابل لحاظ بنا دینا اور صرف رجالی رجسٹروں کی مدد سے کسی روایت کو ترجیح دینا اور آثار صحابہ' قرآنی آیات کے اقتضاء اور اسلام کے کلی قوانین واصول سے چشم پوشی حضرت شاہ صاحب شافعیوں کے اس طرز عمل کو روایتوں کی ترجیح میں پسند نہیں فرماتے تھے۔ جرح کے لیے امالی رجسٹروں میں راوی کی کمزوریوں کو ٹٹولنا اس کا نام انہوں نے پٹھا ٹٹولنا رکھ لیا تھا فرماتے کہ یہ تو قصابوں کا کام ہوا کہ جو جانور کمزور نظر آیا اسی کو کھینچ کر ذبح کر ڈالا''۔ (نقش دوام ص ۱۵۹)

پہلے تمام محدثین کو شوافع بنایا پھر محدثین کی بے نظیر کاوشوں کی تحقیر ''رجالی رجسٹروں'' کی پھبتی کس کر کی۔ ساتھ ہی انہیں قرآنی آیات کے اقتضاء اور اسلام کے

کلی قوانین سے چشم پوشی کرنے کا مجرم ٹھہرایا۔ سارا مقصد یہ ہے کہ راویوں کے ثقہ یا ضعیف ہونے کی بنا پر حدیث کو صحیح یا ضعیف قرار نہ دیا جائے۔ صرف اپنے خیالی اقتضاء آیات اور خود ساختہ قوانین کلیہ کے ذریعے ثقہ راویوں کی احادیث کو رد کرنے اور ضعیف وکذاب راویوں کی احادیث کو ترجیح دینے کے حق کو تسلیم کیا جائے خواہ وہ اقتضاء آیات کوئی صاحب کچھ سمجھتے ہوں اور کوئی کچھ فرمایئے حدیث کا کوئی بڑے سے بڑا منکر بھی اس سے زیادہ کیا کہہ سکتا ہے؟ وہ بھی تو قرآنی آیات کے اقتضاء اور اسلام کے کلی قوانین کے ذریعے ہی احادیث کو رد کرتے ہیں۔

اصول حدیث کے فن اور رجال کی کتابون سے ان حضرات کو جو روحانی اذیت اور دلی بغض ہے وہ اس عبارت کے لفظ لفظ سے ظاہر ہے۔

دور حاضر کے ایک مشہور بزرگ نے یہی روش اختیار کر کے حدیث کے صحیح یا ضعیف ہونے کے فیصلے میں اسناد کی اہمیت کو فقہاء کی فقاہت کے مقابلے میں کمتر قرار دیا ہے۔ حضرت مولانا محمد اسماعیل سلفی ؒ کے بقول: ''مولانا یہاں قادیانی شاعری کا لبادہ زیب تن فرماتے ہیں''۔ فقیہ کا تعارف اس انداز سے کراتے ہیں کہ:

''اس کی روح محمدی میں گم ہو جاتی ہے۔ اس کی نظیر بصیرت نبوی کے ساتھ متحد ہو جاتی ہے۔ اس کا دماغ اسلام کے سانچے میں ڈھل جاتا ہے''۔

(تفہیمات: ص ۳۲۴)

پھر فرماتے ہیں:

''اس مقام پر پہنچ جانے کے بعد انسان اسناد کا زیادہ محتاج نہیں رہتا' وہ اسناد سے مدد ضرور لیتا ہے مگر اس کے فیصلے کا مدار اسناد پر نہیں ہوتا وہ بسا اوقات ایک غریب' ضعیف' منقطع السند' مطعون فیہ حدیث کو بھی لے لیتا ہے۔ اس لیے کہ اس کی نظر اس افتادہ پتھر کے اندر ہیرے کی جوت دیکھ لیتی ہے''۔ الخ (ص ۳۲۴' منقول از حجیت حدیث: ص ۹۲)

مولانا سلفی رحمہ اللہ نے ان بزرگوں کی ''مسلک اعتدال'' کے ذریعے استخفاف حدیث کی کوشش کا نہایت مدلل علمی طریقے سے تعاقب کیا ہے جو ان کے مضامین پر مشتمل کتاب ''حجیت حدیث'' میں شامل ہے۔ مولانا نے دلائل سے ثابت کیا ہے کہ اسناد کی حیثیت کم کرنے یا ختم کرنے کا نتیجہ انکار حدیث ہے۔

قیام رمضان کی مسنون تعداد

اپنے مذہب کے خلاف بالاتفاق ثابت شدہ احادیث کو مختلف طریقوں سے نا قابل اعتبار ٹھہرانے اور مذہب کے مطابق حد درجے کی ضعیف احادیث کو قوی قرار دینے کی یہی روش احناف نے قیام رمضان کی مسنون تعداد کے سلسلے میں اختیار کی ہے۔

صحیح بخاری ص ۱۵۴ جلد اول میں حدیث موجود ہے کہ ابوسلمۃ بن عبدالرحمان نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا: ''كَيْفَ كَانَتْ صَلٰوةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ رَمَضَانَ '' یعنی رمضان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کس طرح تھی؟ تو انہوں نے فرمایا:

'' مَا كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَزِيْدُ فِيْ رَمَضَانَ وَلَا فِيْ غَيْرِهٖ عَلٰى اِحْدٰى عَشَرَةَ رَكْعَةً ''.

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے''۔

یہ حدیث صحیح بخاری کے علاوہ حدیث کی اکثر کتابوں میں مذکور ہے۔ اس متفق علیہ حدیث کی بنا پر محدثین کے علاوہ ائمہ احناف بدر الدین عینی، ابن ہمام، ملا علی قاری، عبدالحق دہلوی اور قریب زمانے کے علماء انور شاہ کاشمیری اور قاضی شمس الدین نے بھی تسلیم کیا ہے کہ تراویح کی مسنون تعداد گیارہ رکعت ہے۔ اس کے مقابلے میں ابن ابی شیبہ، طبرانی اور بیہقی میں ابن عباس سے روایت ہے کہ:

" كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ فِيْ شَهْرِ رَمَضَانَ فِيْ غَيْرِ جَمَاعَةٍ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً وَالْوِتْرَ".

"یعنی آنحضرت ﷺ ماہ رمضان میں جماعت کے بغیر بیس رکعات اور وتر پڑھتے تھے"۔

یہ روایت " في غير جماعة " (جماعت کے بغیر) کے الفاظ کی تصریح کی وجہ سے ان لوگوں کی دلیل بن ہی نہیں سکتی جو رمضان کے باجماعت قیام کی تعداد بیس رکعت کو مسنون قرار دیتے ہیں۔

علاوہ ازیں محدثین کے نزدیک یہ روایت بالاتفاق ضعیف ہے خود مولانا انور شاہ کشمیری نے تسلیم کیا ہے:

" اَمَّا عِشْرُوْنَ رَكْعَةً فَهُوَ عَنْهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ بِسَنَدٍ ضَعِيْفٍ وَعَلٰى ضُعْفِهٖ اِتِّفَاقٌ " . (العرف الشذى ص ۳۰۹)

"یعنی آنحضرت ﷺ سے بیس رکعت کی روایت ضعیف سند سے آئی ہے اور اس کے ضعف پر اتفاق ہے"۔

اس حدیث کے ضعف کے اسباب شروح حدیث میں بالتفصیل مذکور ہیں۔

مرفوع روایت غیر ثابت ہونے کی وجہ سے احناف کو اپنے مسلک بیس رکعت تراویح سنت موکدہ کے لیے کسی اور دلیل کی ضرورت محسوس ہوئی چنانچہ انہوں نے یہ کہنا شروع کر دیا بیس رکعت تراویح سنت رسول ﷺ نہیں' خلفاء راشدین کی سنت ہے۔ حالانکہ بات یہ بھی غلط ہے کیونکہ موطا مالک میں صحیح سند کے ساتھ موجود ہے کہ سائب بن یزید فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے ابی بن کعب اور تمیم داری کو حکم دیا تھا کہ وہ لوگوں کے ساتھ گیارہ رکعت قیام کریں۔ اس کے مقابلے میں ایک بھی صحیح روایت ایسی نہیں جس میں یہ موجود ہو کہ حضرت عمرؓ نے ابی بن کعب اور تمیم داری یا کسی دوسرے صحابی کو بیس رکعت کا حکم دیا تھا۔ زیادہ سے زیادہ اگر کوئی روایت ہے تو یہ کہ لوگ حضرت عمرؓ

کے زمانہ میں بیس رکعت قیام کرتے تھے مگر اس روایت سے بیس رکعت کو سنت عمر رضی اللہ عنہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔ خصوصاً جب حضرت عمرؓ نے خود بعض لوگوں کے اس عمل کے خلاف گیارہ رکعت پڑھنے کا حکم دیا تو سنت عمر رضی اللہ عنہ گیارہ رکعت ہی ہوگی بیس ہرگز نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح حضرت عثمان یا حضرت علی رضی اللہ عنہما سے بھی کوئی صحیح روایت بیس رکعت کی موجود نہیں۔

تراویح میں عدد مسنون بیس رکعت ثابت کرنے کے جدید طریقے

یہ طریقہ ان احناف کا تھا جن کا تذکرہ اوپر گزرا۔ موجودہ دور کے علمائے احناف نے اسے سنت خلفائے راشدین قرار دینے کو کافی نہیں سمجھا بلکہ اپنے متقدمین علماء کے خلاف کئی ایسے طریقے اختیار کیے ہیں جو امام احمد بن حنبل کے ارشاد کے مطابق جرأت (سینہ زوری) کے علاوہ کچھ نہیں۔

❶ بیس رکعت والی روایت کو صحیح ثابت کرنے کی کوشش:

ان کوششوں میں سے پہلی کوشش بیس رکعت والی بالاتفاق ضعیف روایت کو صحیح بنانے کی کوشش ہے چنانچہ جامعہ اشرفیہ لاہور کے سابق شیخ الحدیث مولانا محمد ادریس کاندھلوی نے مشکوۃ کی شرح "التعلیق الصحیح" میں لکھا ہے:

"اِعْلَمْ اَنَّ الْحَدِيْثَ الَّذِيْ رَوَاهُ ابْنُ عَبَّاسٍ فِيْ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً الَّذِيْ ضَعَّفَهُ اَئِمَّةُ الْحَدِيْثِ هُوَ صَحِيْحٌ عِنْدَ هٰذَا الْعَبْدِ الضَّعِيْفِ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُ. (ص ۱۰۵ جلد ثانی طبع دمشق)

"جان لو کہ ابن عباس کی روایت کردہ بیس رکعت والی جسے تمام ائمہ حدیث نے ضعیف قرار دیا ہے وہ اس بندۂ ضعیف کے نزدیک صحیح ہے"۔

پھر اپنے خیال کے مطابق اس کے دلائل ذکر کرتے ہوئے آخر میں خلاصہ ان لفظوں میں ذکر کیا ہے:

" فَإِذَا كَانَ الْحَدِيثُ يُصَحَّحُ بِتَلَقِّي الْعُلَمَاءِ الصَّالِحِينَ فَكَيْفَ لَا يُصَحَّحُ بِتَلَقِّي الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ وَسَائِرِ الصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِينَ وَجُمْهُورِ الْأَئِمَّةِ وَالْمُجْتَهِدِينَ " (حوالہ مذکورہ)۔

یعنی ''جب حدیث علماء صالحین کے عملاً قبول کر لینے کی وجہ سے صحیح ہو سکتی ہے تو خلفاء راشدین' تمام صحابہ وتابعین اور جمہور ائمہ اور مجتہدین کے عملاً قبول کر لینے کی وجہ سے کیوں صحیح نہیں ہو سکتی؟''۔

چاہیے تو یہ تھا کہ حدیث پر ائمہ حدیث کا جو اصل اعتراض ہے کہ اس کا راوی ابوشیبہ کذاب ہے اسے دور کر کے حدیث صحیح ثابت کرتے مگر رجالی رجسٹروں کی رو سے تصحیح وتضعیف جب شیخ کے نزدیک پٹھا ٹوٹ لینے والی بات تھی تو تلمیذ اس چکر میں کیوں پڑتا۔ اس نے پہلے خلفائے راشدین' تمام صحابہ وتابعین' جمہور ائمہ ومجتہدین کے ذمہ گھڑ کر ایک بات لگائی پھر اس حوالہ سے رسول کریم ﷺ پر بہتان کو صحیح قرار دے کر اپنے تمام پیشرو ائمہ حدیث کے فیصلے کو غلط قرار دیا۔ حیرت ہوتی ہے کہ تقلید کا دعویٰ کرنے اور اس پر فخر کرنے والے حضرات کس دیدہ دلیری سے اتنے بڑے مجتہد بن جاتے ہیں کہ اپنے سے پہلے تمام ائمہ حدیث کی متفق علیہ بات کو بھی ٹھکرا دیتے ہیں حالانکہ جس طرح بیس رکعت رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں اسی طرح خلفائے راشدین سے بھی ثابت نہیں اور اسے تمام صحابہ وتابعین و جمہور ائمہ ومجتہدین کا مذہب ہونے کا دعویٰ تو صرف وہ شخص کر سکتا ہے جو خود بھی فریب نفس میں مبتلا ہو اور دوسروں کو بھی اندھا دیکھنے کا خواہش مند ہو۔

آپ عینی کی عمدۃ القاری اور ترمذی کی الجامع اٹھا کر دیکھیں صحابہ وتابعین وجمہور ائمہ ومجتہدین میں گیارہ مسنون رکعتوں پر اکتفاء کرنے والے بھی موجود ہیں اور اپنی سہولت کے لیے قیام میں تخفیف کر کے رکعتوں کی تعداد بیس' چھتیس اور چالیس تک پہنچانے والے بھی۔ ہمارے کئی بھائی تو اپنی تصنیفات اور تقریروں میں امام ابوحنیفہ

سے روزانہ ہزار رکعات پڑھنا بھی بیان فرماتے ہیں اور مولانا کاندھلوی ہیں کہ تمام صحابہ' تابعین اور جمیع ائمہ ومجتہدین کو بیس رکعت پڑھنے والے بنا کر اس کے ذریعے بیس رکعت سنت رسول اللہ ﷺ کی دلیل مہیا فرما رہے ہیں آپ غور فرمائیں کہ جب بنیاد اتنی کمزور ہو تو اس پر اٹھائی جانے والی عمارت کا حال کیا ہوگا؟

❷ تراویح اور تہجد کو الگ الگ قرار دینا:

دوسری کوشش جس کی طرف پہلے کسی حنفی کا خیال بھی نہیں گیا تھا یہ باور کروانا ہے کہ تراویح اور تہجد دو الگ الگ نمازیں ہیں۔ گیارہ رکعتوں والی روایات اگرچہ صحیح ہیں مگر یہ تہجد سے متعلق ہیں۔ تراویح سے ان کا تعلق نہیں۔ اس جدید اختراع پر بعض حضرات کو اتنا ناز ہے کہ ان کے خیال کے مطابق اس کا جواب ہو ہی نہیں سکتا چنانچہ ضلع گوجرانوالہ کے مشہور حنفی عالم قاضی عصمت اللہ صاحب خطیب قلعہ دیدار سنگھ کی اسی بنیاد پر ہمارے فاضل بھائی مولانا حافظ عبدالمنان صاحب سے تحریری گفتگو ہوئی۔ ساتھ ہی دوسرے آثار واحادیث کا ذکر بھی ہوتا رہا مگر قاضی صاحب چوتھے پانچویں رقعے پر ہی قلم چھوڑ بیٹھے۔ یہ مراسلت تحقیق التراویح کے نام سے طبع ہو چکی ہے۔ نہایت دلچسپ اور قابل مطالعہ چیز ہے اور اللہ کے فضل سے بہت سے لوگوں کے لیے باعث ہدایت واطمینان ہوئی ہے۔

❸ مؤطا میں فاروقی فرمان گیارہ رکعت کو ضعیف قرار دینے کی کوشش:

تیسری کوشش موطا کی صحیح روایت کو کہ "حضرت عمرؓ نے ابی بن کعب اور تمیم داری رضی اللہ عنہما کو گیارہ رکعات کا حکم دیا تھا" مضطرب ثابت کر کے ناقابل اعتبار ٹھہرانے اور اس کے مقابلے میں ان ضعیف آثار کو صحیح قرار دینے کی کوشش ہے جن میں حضرت عمر' عثمان اور علی رضی اللہ عنہم سے بیس رکعت پڑھنے یا حکم دینے کا ذکر ہے۔

یہ کوشش دوسرے کئی حضرات کے علاوہ ضلع گجرات کے ایک حنفی عالم مولوی غلام سرور صاحب نے بھی کی اور "بیس رکعت تراویح کی شرعی حیثیت" نامی رسالہ میں

بزعم خود دلائل سے ثابت کیا کہ بیس رکعت واقعی خلفائے راشدین کی سنت ہے اور گیارہ رکعت کا حکم حضرت عمرؓ نے نہیں دیا۔ رسالہ پر مولانا محمد چراغ صاحب بانی جامعہ عربیہ گوجرانوالہ تلمیذ علامہ انور شاہ کی تصدیق وتقریظ بھی ہے۔ مصنف کو اپنے دلائل اور طرز تحریر کی پختگی پر اتنا اعتماد تھا کہ انہوں نے خود یہ رسالہ ایک طالب علم کی وساطت سے ہمارے محترم بھائی حافظ عبدالمنان صاحب کی خدمت میں بھیجا کہ آپ اس پر تبصرہ فرمائیں۔ حافظ صاحب نے اس رسالہ کا جائزہ نہایت سنجیدہ اور مدلل طریقے سے لیا اور واضح کیا کہ اضطراب کے دعوی کی حقیقت کیا ہے؟ اور ابن تیمیہ' شوکانی' ابن ہمام' ملا علی قاری وغیرہم تراویح میں مسنون عدد کیا سمجھتے ہیں اور خلفائے راشدین کی سنت بیس رکعت ہونے کے دعویٰ کی حقیقت کیا ہے؟

مصنف نے اپنے تین دعووں کے لیے تین دلیلیں سبل السلام میں بیہقی سے نقل کی گئی ایک عبارت سے پیش کی تھیں۔ اللہ تعالیٰ حافظ صاحب کو جزائے خیر عطا فرمائے کہ انہوں نے سبل السلام اور بیہقی دونوں کی عبارتوں کو بالمقابل لکھ کر ثابت کر دیا کہ سبل السلام میں یہ تینوں باتیں غلط نقل ہوئی ہیں اور مصنف نے اپنے دلائل کی بنیاد اصل کتاب پر رکھنے کی بجائے دوسری کتاب میں نساخ کی غلطیوں پر رکھی ہے۔ اس کے علاوہ بحث کے ضمن میں کئی نادر نکات وتحقیقات ایسی ذکر کی ہیں جو کسی دوسری جگہ یکجا نہیں مل سکتیں بلکہ بعض ایسی چیزیں بھی ہیں جو اس سے پہلے شاید کسی قلم سے نہ نکلی ہوں کیونکہ مصنف نے بزعم خود جدید دلائل پیش کیے تھے اس لیے ان کا جواب بھی جدید ہی دینے کی ضرورت تھی اور یہ خدمت اللہ تعالیٰ نے حافظ صاحب موصوف سے لی ہے۔

حافظ صاحب نے پہلے تقریباً چالیس صفحات لکھ کر صاحب رسالہ کے پاس بھیجے جس پر انہوں نے صرف دو تین باتیں لکھ بھیجیں اور اعتراف کیا کہ آپ نے واقعی بہت محنت کی ہے اور مجھے اس سے بہت فائدہ ہوا ہے۔ انشاء اللہ آئندہ ایڈیشن میں

اصلاح کی جائے گی۔ پھر رسالہ مکمل ہونے پر حافظ صاحب نے ان کے پاس بھیجا تو انہوں نے کوئی تصدیقی یا تردیدی جواب نہیں دیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مولانا غلام سرور صاحب کے نزدیک حافظ صاحب کے تعقبات واقعی لاجواب ہیں۔ ہم امید کرتے ہیں کہ جب مولانا صاحب پر حق واضح ہو چکا ہے تو وہ اس کے اعتراف میں اور اس پر عمل کرنے میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کریں گے کیونکہ قیامت کے دن حق پر عمل کام آئے گا نہ کہ کسی دھڑے سے وابستگی۔ ’’فَبَشِّرْ عِبَادِ الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ‘‘۔

اللہ تعالیٰ حافظ صاحب کے علم میں مزید برکت فرمائے اور ہمیں ان کے فوائد سے مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔

یہ تحریر رسالہ کے تعارف کے طور پر لکھی گئی ہے۔ حافظ صاحب کا خطاب چونکہ ایک عالم سے تھا اس لیے انہوں نے عربی عبارات کا ترجمہ نہیں کیا تھا بلکہ اکثر مقامات پر اقول کہہ کر عربی عبارت پر تبصرہ بھی عربی میں کیا تھا۔ دوستوں کی خواہش پر جب رسالہ طبع کروانے کا ارادہ ہوا تو حافظ صاحب نے مجھے حکم دیا کہ تم ان عربی عبارات کا اردو ترجمہ کردو۔ چنانچہ میں نے ان تمام عبارات کا ترجمہ کردیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس رسالہ کو علماء اور عوام کے لیے نافع بنائے۔ ’’وَاللّٰهُ الْمُوَفِّقُ وَبِيَدِهِ الْقَبُوْلُ‘‘۔

عبدالسلام بھٹوی

جامعہ محمدیہ جی ٹی روڈ۔ گوجرانوالہ



بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

رسالہ ''بیس رکعت تراویح کا شرعی ثبوت'' پر ایک نظر

حضرت مولانا غلام سرور صاحب گجراتی '' اَطَالَ اللّٰہُ بَقَاءَہٗ '' مصنف رسالہ 'بیس رکعت تراویح شرعی ثبوت'' نے جامعہ عربیہ جی۔ ٹی روڈ۔ گوجرانوالہ کے ایک متعلم کی وساطت سے بندہ کو اپنے رسالہ مذکورہ پر کچھ لکھنے کو فرمایا چنانچہ ان کی درخواست پر میں نے چند امور تحریر کیے ہیں جو پیش خدمت ہیں ان سے اپیل ہے کہ اگر میری تحریر میں انہیں کوئی خطا نظر آئے تو وہ مجھے مطلع فرمائیں ان شاء اللہ العزیز خطا ثابت ہونے پر اس کی اصلاح کی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو حق سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

❶ رکعات تراویح کے عدد میں مرفوع احادیث:

مؤلف رسالہ لکھتے ہیں: ''یاد رہے کہ صلاۃ تراویح کے سلسلہ میں جملہ روایات مرفوعہ کا لب لباب یہ ہے کہ ایک ماہ رمضان کی صرف تین راتوں میں آنحضرت ﷺ نے صحابہ کرام کو نماز تراویح پڑھائی یہ واقعہ متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے منقول ہے مگر کسی صحابی کی صحیح السند روایت میں تعداد رکعت مذکور نہیں''۔ (انتہی بلفظہ ص ۴)

① اولاً تو ان جملہ روایات مرفوعہ جن کا لب لباس حضرت المؤلف نے بیان فرمایا میں سے کسی ایک روایت میں بھی یہ نہیں بتایا گیا کہ جو نماز تراویح رسول اللہ ﷺ نے ایک رمضان کی صرف تین راتوں میں پڑھائی وہ نماز تراویح تھی نماز تہجد نہیں تھی اس لیے کوئی صاحب کہہ سکتے ہیں درحقیقت وہ نماز جو رسول اکرم ﷺ نے صحابہ

کرام رضی اللہ عنہم کو رمضان المبارک میں تین رات پڑھائی نماز تہجد ہی تو تھی چنانچہ ان مرفوع روایات ہی سے پتہ چلتا ہے کہ وہ نماز رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ ان تین راتوں سے پہلے پڑھا کرتے تھے اور ان تین راتوں کے بعد تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا یہ نماز گھروں میں پڑھو کیونکہ نفلی نماز گھر میں پڑھنا افضل ہے۔

صاحب فیض الباری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

قَالَ عَامَّةُ الْعُلَمَاءِ: اِنَّ التَّرَاوِيحَ وَصَلَاةَ اللَّيْلِ نَوْعَانِ مُخْتَلِفَانِ وَالْمُخْتَارُ عِنْدِیْ اَنَّهُمَا وَاحِدٌ وَاِنِ اخْتَلَفَتْ صِفَتَاهُمَا كَعَدَمِ الْمُوَاظَبَةِ عَلَى التَّرَاوِيحِ وَاَدَاءِ هَا بِالْجَمَاعَةِ وَ اَدَاءِ هَا فِیْ اَوَّلِ اللَّيْلِ تَارَةً وَاِيْصَالِهَا اِلَى السَّحَرِ اُخْرٰى بِخِلَافِ التَّهَجُّدِ فَاِنَّهُ كَانَ فِیْ اٰخِرِ اللَّيْلِ وَلَمْ يَكُنْ فِيْهِ الْجَمَاعَةُ وَجَعْلُ اخْتِلَافِ الصِّفَاتِ دَلِيْلًا عَلَى اخْتِلَافِ نَوْعَيْهِمَا لَيْسَ بِجَيِّدٍ عِنْدِیْ بَلْ كَانَتْ تِلْكَ صَلَاةً وَاحِدَةً اِذَا تَقَدَّمَتْ سُمِّيَتْ بِاسْمِ التَّرَاوِيحِ وَاِذَا تَاَخَّرَتْ سُمِّيَتْ بِاسْمِ التَّهَجُّدِ وَلَا بِدْعَ فِیْ تَسْمِيَتِهَا بِاسْمَيْنِ عِنْدَ تَغَايُرِ الْوَصْفَيْنِ فَاِنَّهُ لَا حَجْرَ فِی التَّغَايُرِ الْاِسْمِیِّ اِذَا اجْتَمَعَتْ عَلَيْهِ الْاُمَّةُ، وَاِنَّمَا يَثْبُتُ تَغَايُرُ النَّوْعَيْنِ اِذَا ثَبَتَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُ صَلَّى التَّهَجُّدَ مَعَ اِقَامَتِهٖ بِالتَّرَاوِيحِ ثُمَّ اِنَّ مُحَمَّدَ بْنَ نَصْرٍ وَضَعَ عِدَّةَ تَرَاجِمَ فِیْ قِيَامِ اللَّيْلِ وَكَتَبَ اَنَّ بَعْضَ السَّلَفِ ذَهَبُوْا اِلٰى مَنْعِ التَّهَجُّدِ لِمَنْ صَلَّى التَّرَاوِيحَ، وَبَعْضُهُمْ قَالُوْا بِاِبَاحَةِ النَّفْلِ الْمُطْلَقِ، فَدَلَّ اخْتِلَافُهُمْ هٰذَا عَلَى اتِّحَادِ الصَّلَاتَيْنِ عِنْدَهُمْ، وَيُؤَيِّدُهُ فِعْلُ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ فَاِنَّهُ كَانَ يُصَلِّی التَّرَاوِيحَ فِیْ بَيْتِهٖ فِیْ اٰخِرِ اللَّيْلِ مَعَ اَنَّهُ كَانَ اَمَرَهُمْ اَنْ يُؤَدُّوْهَا بِالْجَمَاعَةِ فِی الْمَسْجِدِ وَمَعَ ذَالِكَ لَمْ يَكُنْ يَدْخُلُ فِيْهَا، وَذَالِكَ لِاَنَّهُ كَانَ يَعْلَمُ

اَنَّ عَمَلَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ بِاَدَاءِ ھَا فِیْ اٰخِرِ اللَّیْلِ، ثُمَّ نَبَّھَھُمْ عَلَیْہِ قَالَ: اِنَّ الصَّلَاۃَ الَّتِیْ تَقُوْمُوْنَ بِھَا فِیْ اَوَّلِ اللَّیْلِ مَفْضُوْلَۃٌ مِنْھَا لَوْ کُنْتُمْ تُقِیْمُوْنَھَا فِیْ اٰخِرِ اللَّیْلِ. فَجَعَلَ الصَّلَاۃَ وَاحِدَۃً وَفَضَّلَ قِیَامَھَا فِیْ اٰخِرِ اللَّیْلِ عَلَی الْقِیَامِ بِھَا فِیْ اَوَّلِ اللَّیْلِ. وَعَامَّتُھُمْ لَمَّا لَمْ یُدْرِکُوْا مُرَادَہٗ جَعَلُوْا دَلِیْلًا عَلٰی تَغَایُرِ الصَّلَاتَیْنِ وَزَعَمُوْا اَنَّھُمَا کَانَتَا صَلَاتَیْنِ. ثُمَّ اِنَّ التَّرَاوِیْحَ لَمْ یَثْبُتْ مَرْفُوْعًا اَزْیَدُ مِنْ ثَلَاثَ عَشَرَۃَ رَکْعَۃً اِلَّا بِطَرِیْقٍ ضَعِیْفٍ لَا اَقُوْلُ: اِنَّھَا لَمْ تَکُنْ فِیْ نَفْسِ الْاَمْرِ بَلْ اِنَّمَا اُنْکِرُ النَّقْلَ عَنْہُ بِطَرِیْقٍ صَحِیْحٍ، فَبَقِیَ الْحَالُ مَسْتُوْرًا فِیْمَا زَادَ فَجَازَ اَنْ یَّکُوْنَ صَلَاھَا بِالْعَدَدِ الْمَشْھُوْرِ وَجَازَ اَنْ یَکُوْنَ اقْتَصَرَ عَلٰی ھٰذَا الْقَدْرِ فَقَطْ اِلَّا اَنَّ الثَّابِتَ عَنْہُ ھُوَ ثَلَاثَ عَشَرَۃَ. اھ

(ج ۲ ص ۴۲۰)

ترجمہ: ''عام علماء کہتے ہیں کہ تراویح اور صلاۃ اللیل (تہجد) دو مختلف قسم کی نمازیں ہیں اور میرے نزدیک مختار یہ ہے کہ یہ دونوں ایک ہی ہیں۔ اگرچہ ان کی صفات مختلف ہیں جیسا کہ تراویح پر ہمیشگی نہ ہونا اور اسے جماعت کے ساتھ ادا کرنا اور کبھی اسے رات کے شروع میں ہی پڑھ لینا اور کبھی اسے سحری تک پہنچا دینا اس کے خلاف تہجد رات کے آخری حصے میں ہوتی تھی اور اس میں جماعت نہ تھی۔ لیکن ان صفات کے اختلاف کو اس بات کی دلیل بنا لینا کہ یہ دونوں مختلف قسم کی نمازیں ہیں میرے نزدیک اچھی بات نہیں ہے بلکہ دراصل یہ ایک ہی نماز تھی جب اسے پہلے پڑھا گیا تو اس کا نام تراویح رکھ لیا گیا اور جب پچھلے حصہ میں پڑھا گیا تو اس کا نام تہجد رکھ لیا گیا اور اس ایک نماز کی صفات جدا جدا ہونے کی بنا پر اس کے دو نام رکھ لینا کوئی انوکھی بات نہیں کیونکہ الگ الگ نام رکھ لینے میں کوئی پابندی نہیں

جب کہ امت اس پر مجتمع ہو اور ان دونوں نمازوں کا الگ الگ قسم کی نماز ہونا صرف اس صورت میں ثابت ہوسکتا ہے جب یہ ثابت ہو کہ آنحضرت ﷺ نے تراویح پڑھنے کے ساتھ تہجد بھی ادا فرمائی ہو۔ پھر محمد بن نصر نے قیام اللیل میں کئی عنوان مقرر فرمائے ہیں اور لکھا ہے کہ بعض سلف کا مذہب یہ ہے کہ جو شخص تراویح پڑھے اس کے لیے تہجد منع ہے اور بعض نے کہا ہے کہ نفل پڑھنے مطلقاً جائز ہیں تو ان بزرگوں کا اختلاف اس بات کی دلیل ہے کہ یہ دونوں نمازیں ان کے نزدیک ایک ہی ہیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا عمل بھی اس کی تائید کرتا ہے کیونکہ وہ تراویح رات کے آخری حصے میں اپنے گھر میں ادا فرماتے تھے حالانکہ انہوں نے خود لوگوں کو حکم دیا تھا کہ وہ یہ نماز مسجد میں باجماعت ادا کریں لیکن اس کے باوجود وہ خود اس میں شریک نہیں ہوتے تھے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ آنحضرت ﷺ کا عمل یہ نماز رات کے آخری حصے میں ادا کرنے کا تھا پھر حضرت عمرؓ نے لوگوں کو اس بات سے یہ کہہ کر آگاہ فرمایا کہ یہ نماز جسے تم رات کے شروع حصے میں پڑھتے ہو اگر رات کے آخری حصہ میں پڑھو تو اس کا ثواب زیادہ ہے تو حضرت عمرؓ نے نماز کو ایک ہی قرار دیا اور اسے رات کے آخری حصہ میں پڑھنا شروع رات میں پڑھنے سے زیادہ فضیلت کا باعث قرار دیا۔ عام علماء نے آپ کا اصل مطلب نہ سمجھ سکنے کی وجہ سے اسے الگ الگ دو نمازیں ہونے کی دلیل بنالیا اور سمجھ لیا کہ یہ دو الگ الگ نمازیں تھیں۔ پھر تراویح آنحضرت ﷺ سے تیرہ رکعات سے زیادہ ثابت نہیں مگر ضعیف سند سے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ نفس الامر میں تیرہ سے زیادہ رکعتیں نہیں تھیں بلکہ میں تو صرف صحیح سند کے ساتھ تیرہ سے زیادہ رکعتوں کے ثبوت کا انکار کررہا ہوں۔ اب اس سے زیادہ کا حال ہم سے پوشیدہ ہے ہوسکتا ہے کہ آپ نے

مشہور تعداد کے مطابق پڑھی ہوں اور ہوسکتا ہے کہ آپ نے اسی تعداد پر اکتفا فرمایا ہو البتہ آپ سے ثابت صرف تیرہ رکعتیں ہی ہیں"۔ (انتہی ص۴۲۰ ج۲)

نیز صاحب عرف شذی فرماتے ہیں:

لَا مَنَاصَ مِنْ تَسْلِيْمِ اَنَّ تَرَاوِيْحَهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَتْ ثَمَانِيَ رَكْعَاتٍ وَلَمْ يَثْبُتْ فِيْ رِوَايَةٍ مِّنَ الرِّوَايَاتِ اَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ صَلَّى التَّهَجُّدَ وَالتَّرَاوِيْحَ عَلٰى حِدَةٍ فِيْ رَمَضَانَ .

"یہ بات تسلیم کرنے کے علاوہ کوئی چارہ کار ہی نہیں کہ آنحضرت ﷺ کی تراویح آٹھ رکعت تھیں اور کسی ایک روایت سے بھی ثابت نہیں ہوسکا کہ آپ ﷺ نے رمضان میں تہجد اور تراویح الگ الگ پڑھیں"۔

تو جب تہجد اور تراویح درحقیقت ایک ہی نماز کے دو نام ہیں تو پھر ثبوت عدد رکعات تراویح از نبی کریم ﷺ کی نفی کرنا درست نہیں ورنہ لازم آئے گا کہ نبی کریم ﷺ سے عدد رکعات تہجد بھی ثابت نہ ہو۔ "وَاللَّازِمُ كَمَا تَرَى" تو عدد رکعات تہجد میں وارد شدہ تمام احادیث مرفوعہ صحیحہ عدد رکعات تراویح کے دلائل ہیں کیونکہ تہجد اور تراویح ایک ہی نماز کے دو نام ہیں۔

② وثانیاً: امام محمد بن حسن شیبانی رحمہ اللہ اپنی کتاب مؤطا میں باب منعقد فرماتے ہیں: "بَابُ قِيَامِ شَهْرِ رَمَضَانَ وَمَا فِيْهِ مِنَ الْفَضْلِ" اور اس باب میں پہلے نمبر پر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی وہ مرفوع حدیث نقل کرتے ہیں جس میں تین راتوں کا واقعہ مذکور ہے اور دوسرے نمبر پر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہی کی وہ مرفوع اور صحیح حدیث ذکر فرماتے ہیں جس میں ام المومنین رضی اللہ عنہا نے حضرت ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن کے سوال: "كَيْفَ كَانَتْ صَلَاةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ رَمَضَانَ" (رمضان میں رسول اللہ ﷺ کی نماز کس طرح تھی) کا جواب دیا ہے:

مَا كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَزِيْدُ فِيْ رَمَضَانَ وَلَا فِيْ غَيْرِهٖ عَلٰى اِحْدٰى عَشْرَةَ رَكْعَةً . اِلٰى آخِرِ الْحَدِيْثِ.

''رسول اللہ ﷺ رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔حدیث کے آخر تک''۔

مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی رحمہ اللہ التعلیق الممجد میں لکھتے ہیں:

قَوْلُهٗ عَلٰى اِحْدٰى عَشْرَةَ رَكْعَةً . رَوَى ابْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ وَعَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ وَالْبَغَوِيُّ وَالْبَيْهَقِيُّ وَالطَّبْرَانِيُّ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يُصَلِّيْ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً وَالْوِتْرَ فِيْ رَمَضَانَ . وَفِيْ سَنَدِهٖ اِبْرَاهِيْمُ بْنُ عُثْمَانَ اَبُوْشَيْبَةَ جَدُّ ابْنِ اَبِيْ شَيْبَةَ صَاحِبِ الْمُصَنَّفِ وَهُوَ مَقْدُوْحٌ فِيْهِ وَقَدْ ذَكَرْتُ كَلَامَ الْاَئِمَّةِ عَلَيْهِ فِيْ تُحْفَةِ الْاَخْيَارِ وَقَالَ جَمَاعَةُ الْعُلَمَاءِ مِنْهُمُ الزَّيْلَعِيُّ وَابْنُ الْهَمَّامِ وَالسُّيُوْطِيُّ وَالزَّرْقَانِيُّ: اِنَّ هٰذَا الْحَدِيْثَ مَعَ ضُعْفِهٖ مُعَارِضٌ بِحَدِيْثِ عَائِشَةَ الصَّحِيْحِ فِيْ عَدَمِ الزِّيَادَةِ عَلٰى اِحْدٰى عَشْرَةَ رَكْعَةً فَيُقْبَلُ الصَّحِيْحُ وَيُطْرَحُ غَيْرُهٗ . وَفِيْهِ نَظَرٌ اِذْلَا شَكَّ فِيْ صِحَّةِ حَدِيْثِ عَائِشَةَ وَضُعْفِ حَدِيْثِ ابْنِ عَبَّاسٍ لٰكِنِ الْاَخْذُ بِالرَّاجِحِ وَتَرْكُ الْمَرْجُوْحِ اِنَّمَا يَتَعَيَّنُ اِذَا تَعَارَضَا تَعَارُضًا لَا يُمْكِنُ الْجَمْعُ وَهٰهُنَا الْجَمْعُ مُمْكِنٌ بِاَنْ يُحْمَلَ حَدِيْثُ عَائِشَةَ عَلٰى اَنَّهٗ اِخْبَارٌ عَنْ حَالِهِ الْغَالِبِ كَمَا صَرَّحَ بِهِ الْبَاجِيُّ فِيْ شَرْحِ الْمُوَطَّا وَغَيْرُهٗ وَيُحْمَلَ حَدِيْثُ ابْنِ عَبَّاسٍ عَلٰى اَنَّهٗ كَانَ ذَالِكَ اَحْيَانًا .اھ

''راوی کا قول:''علی احدی عشرۃ رکعۃ '' یعنی گیارہ رکعتوں سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔ابن ابی شیبہ،عبد بن حمید،بغوی،بیہقی اور طبرانی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ نبی ﷺ رمضان میں بیس رکعت اور

وتر پڑھتے تھے۔اس روایت کی سند میں المصنف والے ابن ابی شیبہ کا دادا ابراہیم بن عثمان ابوشیبہ ہے اور اس میں محدثین نے طعن کیا ہے اور میں نے اس پر ائمہ کا کلام تحفۃ الاخیار میں ذکر کیا ہے۔علماء کی ایک جماعت نے جن میں زیلعی' ابن ہمام' سیوطی اور زرقانی شامل ہیں کہا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہونے کے ساتھ حضرت عائشہ کی گیارہ سے زیادہ نہ پڑھنے والی حدیث سے ٹکراتی بھی ہے اس لیے صحیح کو قبول کیا جائے گا اور اس کے غیر کو چھوڑ دیا جائے گا اور اس میں نظر ہے کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کے صحیح ہونے اور ابن عباس کی حدیث کے ضعیف ہونے میں تو کوئی شبہ نہیں لیکن راجح کو لے لینا اور مرجوح کو چھوڑ دینا صرف اس جگہ ہوتا ہے جہاں دونوں حدیثوں میں ایسا تعارض ہو کہ تطبیق ممکن نہ ہو اور یہاں دونوں میں تطبیق ہو سکتی ہے اس طرح کہ حضرت عائشہ کی حدیث کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اکثر اوقات پر محمول کیا جائے جیسا کہ باجی نے موطا کی شرح میں اس کی صراحت کی ہے اور ان کے علاوہ کئی علماء نے بھی یہ بیان کیا ہے اور ابن عباس کی حدیث کا یہ مطلب لیا جائے کہ یہ بعض اوقات میں تھا۔مولانا عبدالحی کا کلام ختم ہوا۔

اَقُوْلُ: وَفِيْهِ نَظَرٌ اَمَّا اَوَّلًا فَلِاَنَّ مَا قَالَهُ الزَّيْلَعِيُّ وَابْنُ الْهَمَّامِ وَالسُّيُوْطِيُّ وَالزَّرْقَانِيُّ وَغَيْرُهُمْ اِنَّمَا هُوَ مِنْ بَابِ الْاَخْذِ بِالصَّحِيْحِ وَطَرْحِ الضَّعِيْفِ وَلَيْسَ مِنْ بَابِ الْاَخْذِ بِالرَّاجِحِ وَتَرْكِ الْمَرْجُوْحِ اِصْطِلَاحًا وَبَيْنَهُمَا فَرْقٌ. وَاَمَّا ثَانِيًا فَلِاَنَّ الْجَمْعَ اِنَّمَا يُؤْخَذُ بِهِ اِذَا كَانَ الْمُتَعَارِضَانِ مَقْبُوْلَيْنِ وَالْاَمْرُ هٰهُنَا لَيْسَ كَذَالِكَ اِذَا اَحَدُ الْمُتَعَارِضَيْنِ صَحِيْحٌ مُجْمَعٌ عَلٰى صِحَّتِهٖ وَالثَّانِيْ ضَعِيْفٌ مُتَّفَقٌ عَلٰى ضُعْفِهٖ بَلْ اَبُوْشَيْبَةَ قَدْ كَذَّبَهُ شُعْبَةُ كَمَا فِي الْعُمْدَةِ. وَالْحَقُّ اَنَّهُ لَا مُعَارَضَةَ هٰهُنَا اَصْلًا اِذْلَا

مُعَارَضَةَ بَيْنَ الصَّحِيْحِ وَالضَّعِيْفِ وَاَمَّا ثَالِثًا فَلِاَنَّ تَصْرِيْحَ الْبَاجِيْ فِيْ شَرْحِ الْمُؤَطَّا وَتَصْرِيْحَ غَيْرِهٖ بِحَمْلِ حَدِيْثِ عَائِشَةَ مَا كَانَ يَزِيْدُ فِيْ رَمَضَانَ وَلَا فِيْ غَيْرِهٖ عَلٰى اِحْدٰى عَشْرَةَ رَكْعَةً عَلٰى حَالِهِ الْغَالِبِ اِنَّمَا هُوَ بِالنِّسْبَةِ اِلٰى حَدِيْثِهَا وَحَدِيْثِ ابْنِ عَبَّاسِ نِ الَّذِيْ فِيْهِ ذِكْرُ ثَلَاثَ عَشْرَةَ رَكْعَةً لَا بِالنِّسْبَةِ اِلٰى حَدِيْثِ ابْنِ عَبَّاسِ نِ الَّذِيْ فِيْهِ ذِكْرُ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً فَتَاَمَّلْ .

ترجمہ: ''میں کہتا ہوں اس کلام میں کئی طرح سے نظر ہے۔ اولاً: اس لیے کہ زیلعی، ابن ہمام، سیوطی اور زرقانی وغیرہ نے جو کچھ فرمایا ہے وہ صحیح کو لے لینے اور ضعیف کو ترک کرنے کے قبیل سے ہے نہ کہ اس قبیل سے جسے اصطلاح میں راجح کا اخذ اور مرجوح کا ترک کہا جاتا ہے اور ان دونوں میں فرق ہے۔ ثانیاً: اس لیے کہ تطبیق وہاں کی جاتی ہے جہاں دونوں ٹکرانے والی روایتیں مقبول ہوں اور یہاں یہ صورت نہیں کیونکہ دونوں متعارض روایتوں میں سے ایک صحیح ہے جس کی صحت پر سب کا اتفاق ہے اور دوسری ضعیف ہے جس کے ضعف پر سب کا اتفاق ہے بلکہ ابوشیبہ کو شعبہ نے جھوٹا قرار دیا ہے جیسا کہ عمدہ میں ہے اور اصل بات یہ ہے کہ یہاں دونوں روایتوں میں بالکل ٹکراؤ نہیں ہے کیونکہ صحیح اور ضعیف کے درمیان ٹکراؤ نہیں ہوتا۔ ثالثاً اس لیے کہ باجی نے شرح موطا میں جو تصریح کی ہے اور دوسرے علماء نے بھی اس کی تصریح کی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ''کہ آپ رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے'' آپ کے اکثر اوقات پر محمول ہے تو ان علماء کا یہ ارشاد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث پر اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس حدیث کے بارے میں ہے جس میں ابن عباس رضی اللہ عنہما نے تیرہ رکعات کا ذکر کیا ہے اس حدیث

کے بارے میں نہیں جس میں بیس رکعتوں کا ذکر ہے۔ اس لیے خوب غور کیجیے"۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقاۃ شرح مشکاۃ میں لکھتے ہیں:

وَقَالَ ابْنُ الْهُمَّامِ: قَدَّمْنَا فِیْ بَابِ النَّوَافِلِ عَنْ اَبِیْ سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِالرَّحْمَانِ سَأَلْتُ عَائِشَةَ كَيْفَ كَانَتْ صَلَاةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِیْ رَمَضَانَ فَقَالَتْ: مَا كَانَ يَزِيْدُ فِیْ رَمَضَانَ وَلَا فِیْ غَيْرِهٖ عَلٰى اِحْدٰى عَشْرَةَ رَكْعَةً اَلْحَدِيْث وَاَمَّا مَا رَوَى ابْنُ اَبِیْ شَيْبَةَ فِیْ مُصَنَّفِهٖ وَالطَّبْرَانِیُّ وَالْبَيْهَقِیُّ مِنْ حَدِيْثِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّهٗ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ كَانَ يُصَلِّیْ فِیْ رَمَضَانَ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً سِوَى الْوِتْرِ فَضَعِيْفٌ بِاَبِیْ شَيْبَةَ اِبْرَاهِيْمَ بْنِ عُثْمَانَ جَدِّ الْاِمَامِ اَبِیْ بَكْرِ ابْنِ اَبِیْ شَيْبَةَ مُتَّفَقٌ عَلٰى ضُعْفِهٖ مَعَ مُخَالَفَتِهٖ لِلصَّحِيْحِ نَعَمْ ثَبَتَ الْعِشْرُوْنَ مِنْ زَمَنِ عُمَرَ فَفِی الْمُوَطَّا عَنْ يَزِيْدَ بْنِ رُوْمَانَ قَالَ كَانَ النَّاسُ يَقُوْمُوْنَ فِیْ زَمَنِ عُمَرَبْنِ الْخَطَّابِ بِثَلَاثٍ وَّعِشْرِيْنَ رَكْعَةً وَرَوَى الْبَيْهَقِیُّ فِی الْمَعْرِفَةِ عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيْدَ قَالَ كُنَّا نَقُوْمُ فِیْ زَمَنِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ بِعِشْرِيْنَ رَكْعَةً وَالْوِتْرُ قَالَ النَّوَوِیُّ فِی الْخَلَاصَةِ اِسْنَادُهٗ صَحِيْحٌ وَفِی الْمُوَطَّا رِوَايَةٌ بِاِحْدٰى عَشْرَةَ رَكْعَةً وَجَمَعَ بَيْنَهُمَا بِاَنَّهٗ وَقَعَ اَوَّلًا ثُمَّ اسْتَقَرَّ الْاَمْرُ عَلَى الْعِشْرِيْنَ فَاِنَّهُ الْمُتَوَارِثُ فَ حُصِلُ مِنْ هٰذَا كُلِّهٖ اَنَّ قِيَامَ رَمَضَانَ سُنَّةٌ اِحْدٰى عَشْرَةَ بِالْوِتْرِ فِیْ جَمَاعَةٍ فَعَلَهٗ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ ثُمَّ تَرَكَهٗ لِعُذْرٍ اَفَادَ اَنَّهٗ لَوْلَا خَشْيَةُ ذَالِكَ لَوَاظَبْتُ بِكُمْ وَلَا شَكَّ فِیْ تَحَقُّقِ الْاَمْنِ مِنْ ذَالِكَ لِوَفَاتِهٖ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ فَيَكُوْنُ سُنَّةً وَكَوْنُهَا عِشْرِيْنَ سُنَّةُ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ وَقَوْلُهٗ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِیْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ نُدُبٌ اِلٰى سُنَّتِهِمْ وَلَا يَسْتَلْزِمُ كَوْنُ

ذَالِکَ سُنَّتَہٗ اِذْ سُنَّتُہٗ بِمُوَاظِبَتِہٖ بِنَفْسِہٖ اَوْاِلا لِعُذْرٍ وَبِتَقْدِیْرِ عَدَمِ ذَالِکَ الْعُذْرِ اِنَّمَا اسْتَفَدْنَا اِنَّہٗ کَانَ یُوَاظِبُ عَلٰی مَا وَقَعَ مِنْہُ وَھُوَ مَا ذَکَرْنَا (اَیْ اِحْدٰی عَشَرَۃَ رَکْعَۃً) فَیَکُوْنُ الْعِشْرُوْنَ مُسْتَحَبًّا وَذَالِکَ الْقَدْرُ (اَیْ اِحْدٰی عَشَرَۃَ) مِنْھَا ھُوَ السُّنَّۃُ کَالْاَرْبَعِ بَعْدَ الْعِشَاءِ مُسْتَحَبَّۃٌ وَرَکْعَتَانِ مِنْھَا ھِیَ السُّنَّۃُ .اھ (ج ۳ص ۱۹۲)

’’ابن ہمام نے فرمایا: ہم نے اس سے پہلے باب النوافل میں ابوسلمۃ بن عبدالرحمٰن کی روایت ذکر کی ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے عائشہؓ سے سوال کیا کہ رسول اللہ ﷺ کی نماز رمضان میں کس طرح تھی تو انہوں نے فرمایا کہ آپ رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔ الحدیث۔ اور جو ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں اور طبرانی اور بیہقی نے ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ آپ رمضان میں وتر کے علاوہ بیس رکعت پڑھتے تھے تو وہ ابوبکر بن ابی شیبہ کے دادا ابوشیبہ ابراہیم بن عثمان کی وجہ سے ضعیف ہے اور اس کے ضعف پر اتفاق ہے علاوہ ازیں وہ صحیح کے بھی خلاف ہے ہاں بیس رکعتیں حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ثابت ہیں۔ چنانچہ مؤطا میں یزید بن رومان سے ہے کہ لوگ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں تئیس رکعت قیام کرتے تھے اور بیہقی نے المعرفۃ میں سائب بن یزید سے بیان کیا ہے کہ ہم عمر بن خطاب کے زمانہ میں بیس رکعت اور وتر کے ساتھ قیام کرتے تھے۔ نووی نے خلاصہ میں کہا ہے کہ اس کی اسناد صحیح ہے اور مؤطا میں ایک روایت گیارہ رکعت پڑھنے کی ہے اور دونوں کو اس طرح جمع کیا گیا ہے کہ پہلے گیارہ پڑھتے تھے پھر بیس پڑھنے کا دستور ہو گیا کیونکہ بعد میں آنے والوں کو یہی تعداد وراثۃً ملی ہے اس ساری بحث سے حاصل یہ ہوا کہ قیام رمضان وتر سمیت گیارہ رکعت باجماعت سنت ہے آنحضرت

ﷺ نے اس پر عمل کیا۔ پھر اسے یہ عذر بیان فرما کر ترک کر دیا کہ اگر وجوب کا خوف نہ ہوتا تو میں ہمیشہ تمہیں پڑھاتا اور آنحضرت ﷺ کی وفات سے یہ خطرہ تو بلاشک وشبہ ختم ہو گیا اس لیے اب یہ سنت ہے۔ البتہ اس کی رکعات کا بیس ہونا خلفاء راشدین کی سنت ہے اور آپ کا فرمان کہ ''میری سنت اور خلفاء راشدین کی سنت کو لازم پکڑو'' خلفاء راشدین کی سنت پر عمل کرنے کی ترغیب ہے لیکن اس سے بیت رکعت کا آنحضرت ﷺ کی سنت ہونا لازم نہیں آتا کیونکہ آپ کی سنت تو یا آپ کی ہمیشگی سے ثابت ہوتی ہے یا کسی عذر کی بنا پر ہمیشگی نہ کر سکنے سے (کہ یہ فرض کر سکیں کہ اگر فلاں عذر نہ ہوتا تو آپ اس پر ہمیشگی کرتے) اب یہاں اگر ہم یہ فرض کریں کہ آپ کو وجوب کے خطرے کا عذر نہیں تھا تو حاصل یہی ہوتا ہے کہ آپ اسی تعداد پر ہمیشگی فرماتے تھے جو آپ سے ثابت ہے اور وہی ہے جو ہم نے ذکر کی (یعنی گیارہ رکعت) پس بیس مستحب ہوں گی اور ان بیس میں سے یہ گیارہ سنت ہوں گی جیسا کہ عشاء کے بعد چار مستحب ہیں جن میں سے دو سنت ہیں''۔ مرقاۃ کی عبارت ختم ہوئی۔ (ج ۳ ص ۱۹۲)

اَقُوْلُ: کَمَا اِنَّ سُنَّۃَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَاوَاظَبَ ھُوَ عَلَیْہِ بِنَفْسِہٖ کَذَالِکَ سُنَّۃُ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِیْنَ مَا وَاظَبُوْھُمْ عَلَیْہِ بِاَنْفُسِھِمْ وَلَمْ یَثْبُتْ عَنْ اَحَدٍ مِّنْھُمُ الْقِیَامُ بِعِشْرِیْنَ رَکْعَۃً وَلَا الْاَمْرُ بِہٖ کَمَا سَتَعْرِفُ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ تَعَالٰی .

''میں کہتا ہوں جس طرح نبی کریم ﷺ کی سنت وہ ہے جس پر آپ نے خود ہمیشگی فرمائی ہو اسی طرح خلفاء راشدین کی سنت بھی وہ ہے جس پر انہوں نے خود ہمیشگی فرمائی ہو۔ حالانکہ ان میں سے کسی سے بھی بیس رکعت کا نہ خود قیام ثابت ہے نہ کسی کو اس کا حکم دینا جیسا کہ ان شاء اللہ آئندہ آپ کو معلوم ہو جائے گا''۔

علامہ بدر الدین عینی رحمۃ اللہ علیہ عمدۃ القاری کتاب صلاۃ التراویح میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث: "ما کان یزید فی رمضان الخ" کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

قَوْلُهُ: مَا كَانَ يَزِيْدُ فِيْ رَمَضَانَ اِلٰى اٰخِرِهٖ فَاِنْ قُلْتَ: رَوَى ابْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ مِنْ حَدِيْثِ ابْنِ عَبَّاسٍ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ فِيْ رَمَضَانَ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً وَالْوِتْرَ. قُلْتُ: هٰذَا الْحَدِيْثُ رَوَاهُ اَيْضًا اَبُو الْقَاسِمِ الْبَغَوِيُّ فِيْ مُعْجَمِ الصَّحَابَةِ قَالَ حَدَّثَنَا مَنْصُوْرُ بْنُ اَبِيْ مَزَاحِمٍ حَدَّثَنَا اَبُوْشَيْبَةَ عَنِ الْحَكَمِ عَنْ مِقْسَمٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَلْحَدِيْثُ وَاَبُوْشَيْبَةَ هُوَ اِبْرَاهِيْمُ بْنُ عُثْمَانَ الْعَبَسِيُّ الْكُوْفِيُّ قَاضِيْ وَاسِطَ جَدُّ اَبِيْ بَكْرِ بْنِ اَبِيْ شَيْبَةَ كَذَّبَهُ شُعْبَةُ وَضَعَّفَهُ اَحْمَدُ وَابْنُ مَعِيْنٍ وَالْبُخَارِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَغَيْرُهُمْ وَاَوْرَدَ لَهُ ابْنُ عَدِيٍّ هٰذَا الْحَدِيْثَ فِي الْكَامِلِ فِيْ مَنَاكِيْرِهٖ . (ج۵ص۳۵۸،۳۵۹)

"قولہ: ما کان یزید الخ اگر تم کہو کہ ابن ابی شیبہ نے ابن عباس سے روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں بیس رکعت اور وتر پڑھتے تھے تو میں کہتا ہوں کہ یہ حدیث ابوالقاسم بغوی نے معجم الصحابہ میں بیان کی ہے کہ ہمیں منصور بن ابی مزاحم نے بیان کیا اس نے کہا ہمیں ابوشیبہ نے حکم سے بیان کیا اس نے مقسم سے اس نے ابن عباس سے بیان کیا۔ ساری حدیث۔ اور یہ ابوشیبہ ابراہیم بن عثمان عبسی کوفی واسط کا قاضی ہے اور ابوبکر بن ابی شیبہ کا دادا۔ شعبہ نے اسے جھوٹا قرار دیا ہے اور احمد' ابن معین' بخاری اور نسائی وغیرہ نے اسے ضعیف قرار دیا اور ابن عدی نے الکامل میں یہ حدیث اس کی منکر روایات میں ذکر کی ہے"۔ عبارت ختم ہوئی۔

(جلد۵ صفحہ۳۵۸'۳۵۹)

تو نقول بالا سے معلوم ہوا کہ امام محمد بن حسن شیبانی' حافظ زیلعی' علامہ سیوطی' علامہ زرقانی' علامہ ابن ہمام' علامہ عینی' ملا علی قاری' مولانا عبدالحی لکھنوی' علامہ انور شاہ کشمیری رحمہم اللہ اور دیگر علمائے کرام نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث "ما کان یزید الخ" سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رکعات تراویح کے عدد کو ثابت کیا ہے اور یہ حدیث بالکل صحیح بلکہ قطعی الصحۃ ہے چنانچہ حضرت مولانا محمد انور صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی تسلیم کیا ہے کہ صحیحین کی احادیث قطعی الصحۃ ہیں تو صحیح السند مرفوع بلکہ قطعی الصحۃ حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رکعات تراویح کی تعداد مذکور ہے۔

نیز امام بیہقی نے سنن کبری میں باب منعقد فرمایا ہے:

بَابُ مَا رُوِیَ فِیْ عَدَدِ رَکُعَاتِ الْقِیَامِ فِیْ شَهْرِ رَمَضَانَ .

"یہ باب ان حدیثوں کے بیان میں ہے جن میں ماہ رمضان کے قیام کی رکعات کی تعداد بیان کی گئی ہے"۔

پھر انہوں نے اس میں پہلے نمبر پر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث: "ما کان یزید الخ" کو درج کیا اور ایسے ہی علامہ شوق صاحب نیموی حنفی نے آثار السنن میں باب منعقد فرمایا:

بَابُ التَّرَاوِیْحِ بِثَمَانِ رَکُعَاتٍ .

"آٹھ رکعت تراویح کا بیان"۔

اور نیچے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث: "ما کان یزید الخ" کو ذکر کیا اور دو مرفوع حدیثیں اور بیان فرمائیں تو آثار السنن سے استفادہ کرنے والا منصف مزاج یہ فیصلہ کبھی نہیں دے سکتا کہ صحیح مرفوع حدیث میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تراویح کی تعداد مذکر نہیں۔

③ وثالثاً: حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث "صَلّٰی بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِیْ رَمَضَانَ وَاَوْتَرَ" (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں رمضان میں نماز پڑھائی اور وتر

پڑھا) کو حافظ ابن حبان اور حافظ ابن خزیمہ نے اپنی اپنی صحیح میں بیان کیا ہے جو اس بات کی بین دلیل ہے کہ یہ حدیث ان دونوں جلیل القدر وسیع العلم حضرات کے نزدیک صحیح ہے مگر تصحیح میں ان کا تساہل مشہور ہے اور اس کی سند میں عیسیٰ بن جاریہ ہے جس پر کلام کتب رجال میں مذکور ہے چنانچہ حافظ ذہبی میزان میں معدلین و جارحین کے اقوال نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں اس حدیث کی سند وسط ہے نیموی صاحب نے فرمایا: ''اسنادہ دون وسط'' (اس کی اسناد (درمیانی) سے کم ہے) جس پر صاحب تحفۃ الاحوذی نے کلام کیا ہے تفصیل کے لیے مآخذ کی طرف رجوع فرمائیں۔

یاد رہے کہ رسول اکرم ﷺ کی نماز تراویح کی تعداد رکعات کے اثبات کا مدار حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث نہیں مدار حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث: ''ما کان یزید الخ'' اور ''صلاۃ اللیل'' میں وارد شدہ دیگر احادیث صحیحہ مرفوعہ ہیں ویسے آپ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی ہی دوسری حدیث: ''جاء ابی بن کعب الخ'' بھی آثار السنن وغیرہ میں ملاحظہ فرمائیں۔

④ رابعاً: پہلے تو ہم ذکر کر رہے تھے کہ صحیح مرفوع احادیث میں پیغمبر خدا ﷺ کی رکعات تراویح کی تعداد مذکور ہے جب کہ اثبات کے لیے حدیث کا صحیح ہونا ضروری نہیں بلکہ اثبات کے لیے حسن حدیث بھی کافی ہوتی ہے: ''کما لا یخفی علی اهل العلم'' اس لیے صاحب رسالہ کے بیان میں سند کو صحیح سے مقید کرنا درست نہیں الا یہ کہ صحیح سے صحیح مصطلح مراد نہ ہو صحیح بمعنی قابل احتجاج ہو پھر بھی سند کا لفظ نہ بولنا چاہیے تھا کہ کیونکہ سند صحیح یا حسن ہونے کو حدیث یا اثر کا صحیح یا حسن ہونا لازم نہیں والتفصیل فی موضعہ۔

❷ حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ کا اثر:

① اولاً: صاحب رسالہ لکھتے ہیں:

عَنْ دَاوُدَ بْنِ قَيْسٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يُوسُفَ عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيْدَ اَنَّ عُمَرَ جَمَعَ النَّاسَ فِيْ رَمَضَانَ عَلٰى اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ وَتَمِيْمِ نِ الدَّارِيِّ عَلٰى اِحْدٰى وَعِشْرِيْنَ رَكْعَةً رَوَاهُ عَبْدُالرَّزَّاقِ وَمُحَمَّدُ بْنُ نَصْرٍ.

اھ (ص ۵)

''داؤد بن قیس سے روایت ہے وہ محمد بن یوسف سے بیان کرتے ہیں وہ سائب بن یزید سے کہ حضرت عمرؓ نے لوگوں کو رمضان میں ابی بن کعب اور تمیم داری پر اکیس رکعت پر جمع فرمایا اس روایت کو عبدالرزاق اور محمد بن نصر نے بیان کیا''۔اھ (ص ۵)

مصنف عبدالرزاق ہی میں ہے:

اِبْنُ جُرَيْجٍ قَالَ اَخْبَرَنِيْ عِمْرَانُ بْنُ مُوسٰى اَنَّ يَزِيْدَ بْنَ خُصَيْفَةَ اَخْبَرَهُمْ عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيْدَ عَنْ عُمَرَ قَالَ جَمَعَ النَّاسَ عَلٰى اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ وَتَمِيْمِ نِ الدَّارِيِّ فَكَانَ اُبَيٌّ يُوْتِرُ بِثَلَاثِ رَكْعَاتٍ.

(ج ۴ ص: ۲۶۰، ج: ۷۷۲۷)

''ابن جریج نے کہا کہ مجھے عمران بن موسیٰ نے خبر دی کہ انہیں یزید بن خصیفہ نے سائب بن یزید سے خبر دی کہ حضرت عمرؓ نے لوگوں کو ابی بن کعب اور تمیم داری پر جمع کیا چنانچہ ابی تین رکعت وتر پڑھتے تھے''۔

(ج ۴ صفحہ ۲۶۰ حدیث: ۷۷۲۷)

اس اثر سے پتہ چلا کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ تین وتر پڑھایا کرتے تھے تو اب اکیس رکعات سے تین وتر نکال لئے جائیں تو باقی اٹھارہ رکعات رہ جاتی ہیں نہ کہ بیس رکعات۔ نیز داود بن قیس عن محمد بن یوسف کا یہ بیان حضرت یزید بن خصیفہ کے بیان کے خلاف ہے کیونکہ وہ بیس رکعات اور وتر بیان کرتے ہیں ہاں اگر وتر ایک رکعت سمجھا جائے تو پھر اکیس کے عدد میں تو دونوں بیان آپس میں موافق ہوں گے اور

تراویح کی تعداد بھی دونوں کے بیان کے مطابق بیس بنے گی مگر اس میں دو چیزیں ہیں:

1: حنفی ایک رکعت وتر کے قائل نہیں۔

2: ''فکان ابی یوتر بثلاث'' کی مخالفت۔

پھر داؤد بن قیس عن محمد بن یوسف کا بیان اکیس رکعات حضرت سائب بن یزید کے تیسرے شاگرد حارث بن عبدالرحمان کے بیان تئیس رکعات سے بھی متعارض ہے۔ یاد رہے کہ اثر ''فکان ابی یوتر بثلاث'' کی سند میں عمران بن موسیٰ راوی متکلم فیہ ہے مگر صاحب رسالہ کو یہ بات تسلیم ہے کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ تین وتر ہی پڑھایا کرتے تھے جیسے کہ انہوں نے اپنے رسالہ کے آخری صفحہ پر اس بات کی تصریح فرمائی ہے۔

تو خلاصہ کلام ہذا یہ ہے کہ حضرت سائب بن یزید کے دو شاگردوں محمد بن یوسف اور حارث بن عبدالرحمان کے بیان اکیس اور تئیس ایک دوسرے کے خلاف ہیں رہے سائب بن یزید کے تیسرے شاگرد یزید بن خصیفہ تو ان کا بیان ہے بیس رکعات اور وتر جس میں اکیس اور تئیس دونوں کا احتمال ہے اس لیے کہ وتر سے مراد ایک رکعت ہو تو اکیس رکعات اور وتر سے مراد تین رکعات ہوں تو تئیس رکعات ان کا بیان بنے گا فتامل۔

نیز یہ تینوں بیان اکیس رکعات' تئیس رکعات اور بیس رکعات اور وتر امام مالک اور عبدالعزیز بن محمد عن محمد بن یوسف عن السائب کے بیان گیارہ رکعات اور محمد بن اسحاق عن محمد بن یوسف عن السائب کے بیان تیرہ رکعات کے خلاف ہیں مزید بریں یہ کہ بیس اکیس اور تئیس کا عدد اس رکعات تراویح کے بھی خلاف ہے جو عدد رکعات تراویح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے قطعی الصحۃ مرفوع حدیث سے ثابت ہے کما تقدم۔

صاحب رسالہ فرماتے ہیں ''حضرت سائب بن یزید کے اس اثر کو پانچ ثقہ راویوں الخ (ص ۸) داؤد بن قیس' محمد بن جعفر' امام مالک' ابن ابی ذئب حارث بن

عبدالرحمان (حاشیہ ص ۸) اگر پانچ سے مراد حضرت سائب کے شاگرد ہوں تو نفس الامر میں ایسا نہیں کیونکہ مؤلف صاحب نے پہلے حضرت سائب کے صرف تین شاگرد ذکر کئے ہیں محمد بن یوسف' یزید بن خصیفہ اور حارث بن عبدالرحمٰن اور اگر پانچ ثقہ راویوں سے حضرت سائب سے نیچے راوی مراد ہوں عام اس سے کہ وہ حضرت سائب کے شاگرد ہوں جیسے حارث بن عبدالرحمان یا وہ ان کے شاگرد نہ ہوں جیسے داؤد بن قیس وغیرہ تو پھر حضرت سائب کے شاگردوں محمد بن یوسف یزید بن خصیفہ اور دیگر رواۃ کو شمار فرما کر تعداد پانچ سے زیادہ بتانا چاہیے تھی جیسا کہ آگے انہوں نے حضرت سائب کے علاوہ کوئی بارہ رواۃ کا تعارف پیش فرمایا ہے۔

② وثانیاً: مصنف رسالہ تحریر فرماتے ہیں:

"عَبْدُالرَّزَّاقِ بْنُ هَمَّامٍ ثِقَةٌ حَافِظٌ مُصَنِّفٌ شَهِيْرٌ".

تقریب انتھی (ص: ۹)

"عبدالرزاق بن ہمام ثقہ حافظ مشہور مصنف ہیں" تقریب اھ (ص ۹)

مگر تقریب ہی میں "شھیر" کے بعد یہ بھی لکھا ہے "عَمِيَ فِيْ اٰخِرِ عُمُرِهٖ فَتَغَيَّرَ وَكَانَ يَتَشَيَّعُ" (اپنی آخر عمر میں نابینا ہوگئے جس کی وجہ سے ان میں تغیر آ گیا اور وہ تشیع رکھتے تھے) لہٰذا مؤلف صاحب کو چاہیے تھا کہ وہ مذکورہ بالا عبارت بھی نقل کرتے اور ثابت فرماتے کہ عبدالرزاق کی جو روایات رسالہ میں درج کی گئی ہیں وہ ان کے تغیر واختلاط سے قبل کی بیان کردہ ہیں کیونکہ متغیر ومختلط راوی کی حال تغیر واختلاط میں بیان کردہ روایات ضعیف ہوتی ہیں اور ایسے ہی وہ روایات جن کا اختلاط سے قبل بیان ہونا نامعلوم ہو۔ "كَمَا لَا يَخْفٰى عَلٰى مَنْ لَهٗ مِمَّا رَسَةٌ بِاُصُوْلِ الْحَدِيْثِ" پھر اصول حدیث کو پیش نظر رکھنا بھی تو ہر ذی علم پر لازم ہے نا۔

③ وثالثاً: صاحب رسالہ لکھتے ہیں:

"مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ ثِقَةٌ" ۔تقریب بحوالہ آ ثار السنن (ص۹) مؤلف صاحب نے محمد بن جعفر سے نیچے والے راویوں کا تعارف پیش نہیں فرمایا جن میں ابوعثمان بصری بھی ہیں اوران سے متعلق صاحب آ ثار السنن ہی تعلیق میں فرماتے ہیں:

وَاَمَّا اَبُوْعُثْمَانَ الْبَصْرِیُّ فَهُوَ عَمْرُو بْنُ عَبْدِاللّٰهِ الْبَصْرِیُّ رَوٰی عَنْهُ اَبُوْطَاهِرِ نِ الْفَقِیْهُ وَاَبُوْ مُحَمَّدِ نِالْحَسَنُ بْنُ عَلِیِّ بْنُ الْمُوَمِّلِ وَغَیْرُهُمَا وَلَمْ اَقِفْ عَلٰی مَنْ تَرْجَمَ لَهٗ . (ص۲۰۵)

"(رہا ابوعثمان بصری تو وہ عمرو بن عبداللہ بصری ہے اس سے ابوطاہر فقیہ اور ابومحمد بن حسن بن علی بن مؤمل وغیرہ نے روایت کی ہے اور مجھے کوئی ایسا شخص معلوم نہیں ہو سکا جس نے اس کے حالات بیان کئے ہوں) تو انصاف کا تقاضا تھا کہ جیسے محمد بن جعفر کی توثیق بحوالہ آ ثار السنن کا قول نقل کیا جاتا۔ نیز محمد بن جعفر سے نیچے والے راویوں میں ابوطاہر فقیہ بھی ہیں"۔

صاحب تحفۃ الاحوذی لکھتے ہیں:

وَاسْتُدِلَّ لَهُمْ اَیْضًا بِمَا رَوَی الْبَیْهَقِیُّ فِیْ سُنَنِهٖ عَنِ السَّائِبِ بْنِ یَزِیْدَ قَالَ كُنَّا نَقُوْمُ فِیْ زَمَانِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ بِعِشْرِیْنَ رَكْعَةً وَالْوِتْرَ وَصَحَّحَ اِسْنَادَهُ السُّبْكِیُّ فِیْ شَرْحِ الْمِنْهَاجِ وَعَلِیُّ نِالْقَارِیُّ فِیْ شَرْحِ الْمُوَطَّا قُلْتُ: فِیْ سَنَدِهٖ اَبُوْعُثْمَانَ بْنُ الْبَصْرِیُّ وَاسْمُهٗ عَمْرُو اِبْنُ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ النِّیْمَوِیُّ فِیْ تَعْلِیْقِ آثَارِ السُّنَنِ لَمْ اَقِفْ عَلٰی مَنْ تَرْجَمَ لَهٗ . اِنْتَهٰی قُلْتُ لَمْ اَقِفْ اَنَا اَیْضًا عَلٰی تَرْجَمَتِهٖ مَعَ التَّفَحُّصِ الْكَثِیْرِ وَاَیْضًا فِیْ سَنَدِهٖ اَبُوْطَاهِرِ الْفَقِیْهُ شَیْخُ الْبَیْهَقِیِّ وَلَمْ اَقِفْ عَلٰی مَنْ وَثَّقَهٗ فَمَنِ ادَّعٰی صِحَّةَ هٰذَا الْاَثَرِ فَعَلَیْهِ اَنْ یُّثْبِتَ كَوْنَ كُلٍّ مِّنْهُمَا ثِقَةً قَابِلًا لِلْاِحْتِجَاجِ فَاِنْ قُلْتَ: قَالَ التَّاجُ السُّبْكِیُّ فِی الطَّبَقَاتِ الْكُبْرٰی فِیْ تَرْجَمَةِ اَبِیْ بَكْرِ نِالْفَقِیْهِ: كَانَ اِمَامَ الْمُحَدِّثِیْنَ

وَالْفُقَهَاءِ فِيْ زَمَانِهٖ وَكَانَ شَيْخًا اَدِيْبًا عَارِفًا بِالْعَرَبِيَّةِ لَهٗ يَدٌ طُوْلٰى فِيْ
مَعْرِفَةِ الشُّرُوْطِ وَصَنَّفَ فِيْهِ كِتَابًا. اِنْتَهٰى، فَهٰذَا يَدُلُّ عَلٰى كَوْنِهٖ ثِقَةً.
قُلْتُ: دَلَالَةَ فِيْ هٰذَا عَلٰى كَوْنِهٖ ثِقَةً قَابِلًا لِلْاِحْتِجَاجِ نَعَمْ فِيْهِ دَلَالَةٌ
عَلٰى كَوْنِهٖ جَلِيْلَ الْقَدْرِ فِي الْحَدِيْثِ وَالْفِقْهِ وَالْعَرَبِيَّةِ وَمَعْرِفَةِ
الشُّرُوْطِ وَلٰكِنْ لَا يَلْزَمُ مِنْ هٰذَا كَوْنِهٖ ثِقَةً فَالْحَاصِلُ اِنَّ فِيْ صِحَّةِ
هٰذَا الْاَثَرِ نَظَرًا وَ كَلَامًا وَمَعَ هٰذَا فَهُوَ مُعَارِضٌ بِمَا رَوَاهُ سَعِيْدُ بْنُ
مَنْصُوْرٍ فِيْ سُنَنِهٖ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُالْعَزِيْزِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنِيْ مُحَمَّدُ
ابْنُ يُوْسُفَ سَمِعْتُ السَّائِبَ بْنَ يَزِيْدَ يَقُوْلُ كُنَّا نَقُوْمُ فِيْ زَمَانِ عُمَرَ
بْنِ الْخَطَّابِ بِاِحْدٰى عَشَرَةَ رَكْعَةً قَالَ الْحَافِظُ جَلَالُ الدِّيْنِ
السُّيُوْطِيُّ فِيْ رِسَالَتِهِ الْمَصَابِيْحِ فِيْ صَلَاةِ التَّرَاوِيْحِ بَعْدَ ذِكْرِ هٰذَا
الْاَثَرِ : اِسْنَادُهٗ فِيْ غَايَةِ الصِّحَّةِ. اِنْتَهٰى، وَاَيْضًا هُوَ مُعَارِضٌ بِمَا
رَوَاهُ مُحَمَّدُ بْنُ نَصْرٍ فِيْ قِيَامِ اللَّيْلِ مِنْ طَرِيْقِ مُحَمَّدِ بْنِ اِسْحَاقَ
حَدَّثَنِيْ مُحَمَّدُ بْنُ يُوْسُفَ عَنْ جَدِّهِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيْدَ قَالَ كُنَّا
نُصَلِّيْ فِيْ زَمَنِ عُمَرَ فِيْ رَمَضَانَ ثَلَاثَ عَشَرَةَ رَكْعَةً وَهُوَ اَيْضًا
مُعَارِضٌ بِمَا رَوَاهُ مَالِكٌ فِي الْمُوَطَّا عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يُوْسُفَ عَنِ
السَّائِبِ بْنِ يَزِيْدَ اَنَّهٗ قَالَ اَمَرَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ اُبَيَّ بْنَ كَعْبٍ
وَتَمِيْمَا نِ الدَّارِيَّ اَنْ يَقُوْمَا لِلنَّاسِ بِاِحْدٰى عَشَرَةَ رَكْعَةً . فَاَثَرُ
السَّائِبِ بْنِ يَزِيْدَ الَّذِيْ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ لَا يَصْلُحُ لِلْاِحْتِجَاجِ فَاِنْ
قُلْتَ: رَوَى الْبَيْهَقِيُّ هٰذَا الْاَثَرَ بِسَنَدٍ اٰخَرَ بِلَفْظِ قَالَ كَانُوْا يَقُوْمُوْنَ
عَلٰى عَهْدِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فِيْ شَهْرِ رَمَضَانَ بِعِشْرِيْنَ رَكْعَةً
وَصَحَّحَ اِسْنَادَهُ النَّوَوِيُّ وَغَيْرُهٗ قُلْتُ: فِيْ اِسْنَادِهٖ اَبُوْعَبْدِاللّٰهِ ابْنُ
فَنْجَوَيْهِ الدِّيْنَوَرِيُّ وَلَمْ اَقِفْ عَلٰى تَرْجَمَتِهٖ فَمَنْ يَدَّعِيْ صِحَّةَ هٰذَا

الْاَثَرِ فَعَلَيْهِ اَنْ يُثْبِتَ كَوْنَهُ ثِقَةً قَابِلًا لِلْاِحْتِجَاجِ وَاَمَّا قَوْلُ النِّيْمَوِيُّ: هُوَ مِنْ كِبَارِ الْمُحَدِّثِيْنَ فِيْ زَمَانِهِ لَا يُسْئَلُ عَنْ مِثْلِهِ . فَمِمَّا لَا يُلْتَفَتُ اِلَيْهِ فَاِنَّ مُجَرَّدَ كَوْنِهِ مِنْ كِبَارِ الْمُحَدِّثِيْنَ لَا يَسْتَلْزِمُ كَوْنِهِ ثِقَةً .

اھ(ج ۲ ص ۷۵)

''اوران کے لیے اس روایت کے ساتھ بھی استدلال کیا گیا ہے جو بیہقی نے اپنی سنن میں سائب بن یزید سے بیان کی ہے کہ ہم عمر بن خطاب کے زمانہ میں بیس رکعت اور وتر کے ساتھ قیام کرتے تھے اور اس کی اسناد کو سبکی نے شرح منہاج میں اور علی قاری نے موطا کی شرح میں صحیح قرار دیا ہے۔ میں کہتا ہوں اس کی سند میں ابوعثمان بصری ہے جس کا نام عمرو بن عبداللہ ہے نیموی نے آثار السنن کی تعلیق میں کہا ہے کہ ''مجھے اس شخص کا علم نہیں ہوا جس نے اس کا ترجمہ (احوال) ذکر کیا ہو''۔ نیموی کی بات ختم ہوئی۔ میں کہتا ہوں کہ مجھے بہت زیادہ جستجو کے باوجود اس کے حالات نہیں مل سکے اور اس کی سند میں ابوطاہر فقیہ بھی ہے جو بیہقی کا شیخ ہے اور مجھے کسی کا علم نہیں ہوسکا جس نے اسے ثقہ قرار دیا ہو تو جو شخص اس اثر کے صحیح ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اس کی ذمہ داری ہے کہ یہ ثابت کرے کہ یہ دونوں راوی ثقہ تھے اور اس قابل تھے کہ ان سے دلیل پکڑی جا سکے۔ اگر تم کہو کہ تاج سبکی نے طبقات کبریٰ میں ابوبکر فقیہ کے ترجمہ میں کہا ہے کہ ''وہ اپنے زمانہ میں محدثین اور فقہاء کے امام تھے اور وہ ادیب اور عربیت کے ماہر شیخ تھے۔ انہیں شروط کی معرفت میں بڑی مہارت حاصل تھی اور انہوں نے اس کے بارے میں کتاب بھی لکھی۔ سبکی کا کلام ختم ہوا تو یہ کلام دلیل ہے کہ وہ ثقہ تھے تو میں کہوں گا۔ اس عبارت میں ان کے ثقہ اور قابل حجت ہونے کی کوئی دلیل نہیں ہاں اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ حدیث فقہ عربیت اور معرفت

شروط میں مرتبہ جلیلہ رکھتے تھے لیکن اس سے ان کا ثقہ ہونا لازم نہیں آتا حاصل یہ ہے کہ اس اثر کے صحیح ہونے میں نظر اور کلام ہے۔ علاوہ ازیں یہ اثر اس روایت کے بھی خلاف ہے جو سعید بن منصور نے اپنی سنن میں بیان کی ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ ہمیں عبدالعزیز بن محمد نے بیان کیا اس نے کہا مجھے محمد بن یوسف نے بیان کیا کہ میں نے سائب بن یزید سے سنا کہ ہم عمر بن خطاب کے زمانہ میں گیارہ رکعت قیام کرتے تھے۔ حافظ سیوطی نے اپنے رسالہ "المصابیح فی صلاۃ التراویح" میں یہ اثر ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ "اس کی اسناد انتہائی درجہ کی صحیح ہے" اور یہ اثر اس روایت کے بھی خلاف ہے جو محمد بن نصر نے قیام اللیل میں محمد بن اسحاق کی سند سے ذکر کی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ مجھے محمد بن یوسف نے اپنے دادا سائب بن یزید سے بیان کیا کہ ہم حضرت عمرؓ کے زمانہ میں رمضان میں تیرہ رکعت پڑھتے تھے اور اس روایت کے بھی خلاف ہے جو مالکؒ نے موطا میں محمد بن یوسف سے بیان کی ہے کہ انہوں نے سائب بن یزید سے روایت بیان کی کہ انہوں نے فرمایا کہ عمرؓ ابن خطاب نے ابی بن کعب اور تمیم داری کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کے لیے گیارہ رکعت قیام کریں۔ اس لیے سائب بن یزید کا وہ اثر جو بیہقی نے روایت کا ہے حجت پکڑنے کے لائق نہیں ہے اگر تم کہو کہ بیہقی نے یہ اثر ایک دوسری سند کے ساتھ ان لفظوں میں ذکر کیا ہے کہ لوگ عمر بن خطاب کے عہد میں ماہ رمضان میں بیس رکعت قیام کرتے تھے اور اس کی سند کو نووی وغیرہ نے صحیح کہا ہے تو میں کہوں گا کہ اس کی سند میں ابوعبداللہ بن فنجو یہ دینوری ہے اور مجھے اس کے حالات نہیں مل سکے اس لیے جو شخص اس اثر کے صحیح ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اس کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس کا ثقہ اور قابل احتجاج ہونا ثابت کرے۔ رہ گیا نیموی کا

یہ قول کہ ''کہ وہ اپنے زمانہ کے کبار محدثین سے ہے اس کے ثقہ ہونے کو مستلزم نہیں''۔ تحفۃ الاحوذی کی عبارت ختم ہوئی۔ (ج ۲ صفحہ ۷۵)

① اَقُوْلُ اَوَّلًا: اِنَّ كَلَامَ صَاحِبِ التُّحْفَةِ هٰذَا يُرْشِدُكَ اِلٰى اَنَّ كَوْنَ رَجُلٍ حَافِظًا اَوْ مُحَدِّثًا لَا يَسْتَدْعِيْ كَوْنَهٗ ثِقَةً فَضْلًا عَنْ اَنْ يَكُوْنَ عَيْنَ كَوْنِهٖ ثِقَةً وَمُرَادِ فَالَهٗ وَسَيَاْتِيْ لِهٰذَا مَزِيْدٌ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ الْمَجِيْدُ .

② وَثَانِيًا: اِنَّ قَوْلَهٗ: بِمَا رَوَى الْبَيْهَقِيُّ فِيْ سُنَنِهٖ الخ فِيْهِ اِنَّ السَّنَدَ الَّذِيْ فِيْهِ اَبُوْطَاهِرِ الْفَقِيْهُ وَاَبُوْعُثْمَانَ الْبَصْرِيُّ لَيْسَ فِيْ نُسْخَةِ السُّنَنِ الْكُبْرٰى لِلْبَيْهَقِيِّ الَّتِيْ بِيَدِيْ وَقَدْ قَالَ صَاحِبُ آثَارِ السُّنَنِ فِي التَّعْلِيْقِ : وَقَدْ اَخْرَجَهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ مَعْرِفَةِ السُّنَنِ وَالْآثَارِ بِوَجْهٍ اٰخَرَ عَنْ يَزِيْدَ بْنِ خُصَيْفَةَ عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيْدَ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْطَاهِرِ نِ الْفَقِيْهُ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْعُثْمَانَ الْبَصْرِيُّ الخ .

③ وَثَالِثًا: اِنَّ قَوْلَ صَاحِبِ التُّحْفَةِ فِيْ اَبِيْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ فَنْجُوَيْهِ الدِّيْنَوَرِيْ فِيْهِ اَنَّ صَاحِبَ شَذَرَاتِ الذَّهَبِ قَالَ: وَكَانَ ثِقَةً . لٰكِنْ لَيْسَ كِتَابُ شَذَرَاتِ الذَّهَبِ عِنْدِيْ حَتّٰى اَنْظُرَ فِيْهِ نَعَمْ ظَاهِرُ الْعِبَارَةِ الَّتِيْ نَقَلَهَا صَاحِبُ الرِّسَالَةِ يَدُلُّ عَلٰى اَنَّ صَاحِبَ شَذَرَاتِ الذَّهَبِ وَثَّقَهٗ مِنْ عِنْدِ نَفْسِهٖ وَلَمْ يَنْقُلْ تَوْثِيْقَهٗ عَنْ اَحَدٍ مِنْ اَئِمَّةِ الْجَرْحِ وَالتَّعْدِيْلِ . وَقَدْ رَاَيْتُ اَنَّ صَاحِبَ التُّحْفَةِ لَمْ يَعْتَمِدْ عَلٰى تَصْحِيْحِ اَمْثَالِ النَّوَوِيِّ وَالسُّبْكِيِّ وَعَلِيِّ نِ الْقَارِيِّ مَعَ عِلْمِهٖ بِاَنَّ التَّصْحِيْحَ يَتَضَمَّنُ التَّوْثِيْقَ . وَاِنَّمَا قُلْتُ: ظَاهِرُ الْعِبَارَةِ الخ لِاَنَّ الْمُصَنِّفِيْنَ قَدْ اَكْثَرُوا النَّقْلَ عَمَّنْ تَقَدَّمَهُمْ وَكَوْنُ الْعِبَارَةِ الَّتِيْ نَقَلَهَا صَاحِبُ الرِّسَالَةِ مَنْقُوْلَةً فِي الشَّذَرَاتِ عَمَّنْ تَقَدَّمَ مُصَنِّفَهٗ لَيْسَ بِبَعِيْدٍ فَتَدَبَّرْ .

④ وَرَابِعًا: اِنَّ اَثَرَ السَّائِبِ مِنْ طَرِيْقِ الدينورى مُعَارِضٌ بِمَا رَوَاهُ عَبْدُالْعَزِيْزِ بْنُ مُحَمَّدٍ وَ مُحَمَّدُ بْنُ اِسْحَاقَ وَمَالِكٌ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يُوْسُفَ عَنِ السَّائِبِ وَقَدْ تَقَدَّمَ فِيْ كَلَامِ صَاحِبِ التُّحْفَةِ التَّخْرِيْجُ وَالْاَلْفَاظُ وَقَالَ الْحَافِظُ فِي الْفَتْحِ بَعْدَ ذِكْرِ اَثَرِ مُحَمَّدِ بْنِ اِسْحَاقَ حَدَّثَنِيْ مُحَمَّدُ بْنُ يُوْسُفَ عَنْ جَدِّهِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيْدَ قَالَ كُنَّا نُصَلِّيْ زَمَنِ عُمَرَ فِيْ رَمَضَانَ ثَلَاثَ عَشَرَةَ رَكْعَةً: قَالَ ابْنُ اِسْحَاقَ: وَهٰذَا اَثْبَتُ مَا سَمِعْتُ فِيْ ذَالِكَ وَهُوَ مُوَافِقٌ لِحَدِيْثِ عَائِشَةَ فِيْ صَلَاةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ اللَّيْلِ. اھ

⑤ خَامِسًا: اِنَّهُ نُقِلَ عَنْ مَالِكٍ اَنَّهُ قَالَ فِي ابْنِ اِسْحَاقَ: كَذَّابٌ دَجَّالٌ. لٰكِنْ قَالَ صَاحِبُ السِّعَايَةِ مِنَ الْحَنَفِيَّةِ وَالْحَقُّ فِي ابْنِ اِسْحَاقَ التَّوْثِيْقُ وَقَالَ ابن الْهُمَامِ فِيْ فَتْحِ الْقَدِيْرِ وَهُوَ (اَىْ تَوْثِيْقُ ابْنِ اِسْحَاقَ) اَلْحَقُّ الْاَبْلَجُ وَمَا نُقِلَ عَنْ مَالِكٍ لَا يَثْبُتُ وَلَوْ صَحَّ لَمْ يَقْبَلْهُ اَهْلُ الْعِلْمِ. اِلٰى اَنْ قَالَ. وَاِنَّ مَالِكًا رَجَعَ عَنِ الْكَلَامِ فِي ابْنِ اِسْحَاقَ وَاصْطَلَحَ مَعَهُ وَبَعَثَ اِلَيْهِ هَدِيَّةً (تحفة الاحوذى ج ا ص ۲ ا) وَقَالَ الْحَافِظُ فِي التَّقْرِيْبِ صُدُوْقٌ يُدَلِّسُ وَرُمِيَ بِالتَّشَيُّعِ وَالْقَدْرِ. ا ه قُلْتُ: اِنَّ مُحَمَّدَ بْنَ اِسْحَاقَ قَدْ صَرَّحَ بِالتَّحْدِيْثِ فِيْ هٰذَا الْاَثَرِ فَلَا يَضُرُّ تَدْلِيْسُهٗ هٰهُنَا.

⑥ وَسَادِسًا: اِنَّ قَوْلَ صَاحِبِ التُّحْفَةِ: فِيْ تَرْجَمَةِ اَبِيْ بَكْرِنِ الْفَقِيْهِ. فِيْهِ اِنَّهُ لَعَلَّ الصَّحِيْحَ وَالصَّوَابَ فِيْ تَرْجَمَةِ اَبِيْ طَاهِرِنِ الْفَقِيْهِ.

''میں کہتا ہوں کہ:

① اولاً: صاحب تحفہ کے اس کلام سے معلوم ہوا کہ کسی شخص کے حافظ یا محدث ہونے کا یہ تقاضا بھی نہیں کہ وہ ثقہ ہے کجا کہ اس کا مطلب یہ ہو کہ بالکل ثقہ

ہے یا یہ لفظ ثقہ کے ہم معنی ہیں اس کی مزید تحقیق آئے گی انشاء اللہ۔

② ثانیاً: یہ قول کہ "بما روی البیھقی فی سننه الخ" اس میں یہ چیز قابل غور ہے کہ جس سند میں ابوطاہر الفقیہ اور ابوعثمان بصری ہیں وہ سنن کبری بیہقی کے اس نسخہ میں موجود نہیں جو اس وقت میرے پاس ہے اور آثار السنن کے مصنف نے تعلیق میں کہا ہے کہ "اس روایت کو بیہقی نے معرفۃ السنن والآثار میں ایک دوسری سند کے ساتھ یزید بن خصیفہ عن السائب بن یزید کے حوالہ سے ذکر کیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں کہ ہمیں ابوطاہر الفقیہ نے خبر دی اس نے کہا ہمیں ابوعثمان بصری نے خبر دی الخ۔

③ ثالثاً: یہ کہ صاحب تحفہ نے ابوعبداللہ بن فنجویہ دینوری کے متعلق جو فرمایا ہے اس پر یہ اعتراض ہے کہ صاحب شذرات الذہب نے اس کے متعلق کہا ہے کہ وہ ثقہ تھا لیکن میرے پاس کتاب شذرات الذہب نہیں ہے کہ میں یہ عبارت دیکھ سکوں ہاں رسالہ "بیس رکعت تراویح الخ" کے مصنف نے جو عبارت نقل کی ہے اس کا ظاہر مطلب یہ ہے کہ صاحب شذرات الذہب نے اسے اپنی طرف سے ثقہ کہا ہے اور جرح وتعدیل کے ائمہ میں سے کسی امام سے ان کی توثیق نقل نہیں کی حالانکہ آپ دیکھ چکے ہیں کہ صاحب تحفہ نے نووی، سبکی اور علی قاری جیسے بزرگوں کے صحیح کہنے پر بھی اعتماد نہیں کیا۔ حالانکہ انہیں معلوم تھا کہ جب کسی حدیث کو صحیح کہا جاتا ہے تو اس کے ضمن میں اس کے راویوں کی توثیق بھی آجاتی ہے اور میں نے جو یہ کہا کہ عبارت کا ظاہر مطلب یہ ہے کہ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ مصنفین نے اپنے سے پہلے لوگوں سے بہت سی چیزیں نقل کی ہیں اس لیے صاحب رسالہ نے جس عبارت کا شذرات سے حوالہ دیا ہے ہوسکتا ہے مصنف نے کسی پہلے شخص سے نقل کی ہو۔ فتدبر۔

④ رابعاً: دینوری کے طریق سے سائب کا یہ اثر اس روایت سے معارض ہے

جو عبدالعزیز بن محمد، محمد بن اسحاق اور مالک نے محمد بن یوسف سے اور انہوں نے سائب سے بیان کی ہے صاحب تحفۃ الاحوذی کے کلام میں اس کی تخریج اور الفاظ گزر چکے ہیں اور حافظ ابن حجر نے محمد بن اسحاق سے ذکر کیا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ مجھے محمد بن یوسف نے اپنے دادا سائب بن یزید سے بیان کیا کہ ہم حضرت عمرؓ کے زمانہ میں رمضان میں تیرہ رکعت نماز پڑھتے تھے۔ حافظ نے یہ اثر نقل کرنے کے بعد ذکر فرمایا کہ ابن اسحاق نے کہا ہے کہ اس مسئلہ میں میں نے جتنی روایات سنی ہیں یہ ان سب سے زیادہ پختہ ہے اور یہ حضرت عائشہ کی رسول اللہ ﷺ کے قیام اللیل کی روایت کے بھی مطابق ہے۔ انتہی۔

⑤ خامساً: امام مالکؒ سے نقل کیا گیا ہے کہ انہوں نے ابن اسحاق کے متعلق کہا وہ کذاب دجال ہے لیکن حنفیہ میں سے صاحب سعایہ نے کہا ہے کہ ابن اسحاق کے متعلق حق یہی ہے کہ وہ ثقہ ہے اور ابن ہمام نے فتح القدیر میں کہا ہے کہ یہی (ابن اسحاق کا ثقہ ہونا) بات نمایاں طور پر حق ہے اور امام مالک سے جو بات نقل کی گئی ہے وہ ثابت نہیں اور اگر ثابت ہو تو بھی اہل علم نے اسے قبول نہیں کیا۔ ابن ہمام نے سلسلہ کلام کے آخر میں فرمایا کہ: مالک نے ابن اسحاق کے متعلق کلام سے رجوع کر لیا، ان کے ساتھ صلح کر لی اور ان کی طرف ہدیہ بھی بھیجا (تحفۃ الاحوذی ج ۱ ص ۲۱) اور حافظ نے تقریب میں کہا صدوق (سچا) ہے تدلیس کرتا ہے اور اس پر تشیع اور قدر کا الزام لگایا گیا۔ میں کہتا ہوں کہ اس اثر میں محمد ابن اسحاق نے حدثنا کی تصریح کی ہے اس لیے اس مقام پر ان کے مدلس ہونے کا کوئی نقصان نہیں۔

⑥ سادساً: صاحب تحفہ کے قول: ''ابو بکر فقیہ کے ترجمہ میں'' کے متعلق یہ ہے کہ شاید صحیح لفظ دراصل ابو طاہر فقیہ ہے''۔

④ ورابعاً: صاحب رسالہ فرماتے ہیں ''امام مالک دنیائے اسلام کی شہرہ آفاق ہستی ہیں جو محتاج تعارف نہیں (ص۹) یہ درست مگر امام مالک رحمہ اللہ سے نیچے کے راوی تو محتاج تعارف ہیں جو رسالہ میں سرے سے درج ہی نہیں کیے گئے چنانچہ صاحب رسالہ کے الفاظ ملاحظہ فرمائیں وہ لکھتے ہیں: ''یزید خصیفہ کے دوسرے شاگرد امام مالک کی روایت یہ ہے:

" مَالِکٌ حَدَّثَنِیْ یَزِیْدُ بْنُ خُصَیْفَةَ عَنِ السَّائِبِ بْنِ یَزِیْدَ قَالَ کُنَّا نَقُوْمُ فِیْ زَمَانِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ بِعِشْرِیْنَ رَکْعَةً وَالْوِتْرِ. رَوَاهُ الْبَیْهَقِیُّ فِی الْمَعْرِفَةِ . (ص٦)

''مالک کہتے ہیں کہ مجھے یزید بن خصیفہ نے سائب بن یزید سے بیان کیا ہم عمرؓ بن خطاب کے زمانہ میں بیس رکعت اور وتر کے ساتھ قیام کرتے تھے''۔ اسے بیہقی نے المعرفۃ میں بیان کیا (ص٦)''۔

امام بیہقیؒ کی کتاب معرفۃ الآثار والسنن بندہ کے پاس نہیں کہ امام مالک سے نیچے کی سند اس سے دیکھی جا سکے سر دست اتنی بات کہہ سکتا ہوں کہ یہ روایت حضرت امام مالک رحمہ اللہ کی بذات خود بیان کردہ گیارہ رکعت والی روایت کے خلاف ہے نیز محمد بن اسحاق کی بیان کردہ تیرہ رکعت والی روایت سے متعارض ہے اور عبدالعزیز بن محمد اور یحییٰ بن سعید کی ذکر کردہ گیارہ رکعت والی روایت کے منافی ہے۔ صاحب رسالہ کی خدمت میں درخواست ہے کہ وہ اس اثر کی امام مالکؒ سے نیچے کی سند سے بندہ کو مطلع فرمائیں نوازش ہوگی۔

⑤ وخامساً: رہے حارث بن عبدالرحمان تو ان کی روایت کو حافظ عبدالرزاق نے مصنف میں بیان کیا ہے بایں طور:

عَبْدُالرَّزَّاقِ عَنِ الْاَسْلَمِیِّ عَنِ الْحَارِثِ بْنِ عَبْدِالرَّحْمَانِ ابْنِ اَبِیْ ذبَاب عَنِ السَّائِبِ بْنِ یَزِیْدَ قَالَ: کُنَّا نَنْصَرِفُ مِنَ الْقِیَامِ عَلٰی عَهْدِ

عُمَرَ وَقَدْ دَنَا فُرُوْعُ الْفَجْرِ وَكَانَ الْقِيَامُ عَلٰى عَهْدِ عُمَرَ ثَلَاثَةً وَّعِشْرِيْنَ رَكْعَةً . (ج۴ص۲۶۱۔ح۷۷۳۳)

''عبدالرزاق نے اسلمی سے روایت کی انہوں نے حارث بن عبدالرحمان بن ابی ذباب سے انہوں نے سائب بن یزید سے کہ انہوں نے کہا کہ ہم حضرت عمرؓ کے عہد میں قیام سے اس وقت فارغ ہوکر لوٹتے تھے جب فجر کا آغاز قریب ہوتا تھا اور حضرت عمرؓ کے عہد میں قیام تیئس رکعت تھا۔

(جلد۴صفحہ۲۶۱ حدیث:۷۷۳۳)

عبدالرزاق سے متعلق کلام تو گزر چکا مزید تفصیل کے لیے میزان ملاحظہ فرمائیں اس روایت کے دوسرے راوی اسلمی کی بابت تقریب میں ہے صدوق یہم اور میزان میں ہے:

قَالَ اَبُوْحَاتِمٍ مَابِهٖ بَأْسٌ وَلَيْسَ بِذَاكَ الْقَوِيِّ وَقَالَ الْبُخَارِيُّ مَاتَ سَنَةَ سَبْعٍ وَتِسْعِيْنَ وَمِائَةٍ وَوَثَّقَهٗ بَعْضُهُمْ وَهُوَ اَوْثَقُ مِنْ اَبِيْهِ وَقَالَ مُعَاوِيَةُ بْنُ صَالِحٍ عَنِ ابْنِ مَعِيْنٍ لَيْسَ بِثِقَةٍ وَقَالَ اَبُوْحَاتِمٍ لَيْسَ بِقَوِيٍّ لَا يُعْجِبُنِيْ حَدِيْثُهٗ وَرَوٰى اَحْمَدُ بْنُ اَبِيْ خَيْثَمَةَ عَنِ ابْنِ مَعِيْنٍ ثِقَةٌ قَدْ كَتَبْتُ عَنْهُ .[1]

---

[1] یہ اقوال تو عبدالرزاق کے استاذ محمد بن فلیح بن سلیمان اسلمی یا خزاعی سے متعلق تھے۔ عبدالرزاق کے اساتذہ میں ایک اسلمی اور بھی ہیں جن کا نام ابراہیم بن محمد بن ابی یحییٰ ان کے بارے میں حافظ ابن حجر تقریب میں لکھتے ہیں: ''مَتْرُوْكٌ مِنَ السَّابِعَةِ'' اور حافظ ذھبی میزان میں لکھتے ہیں: ''اَحَدُ الْعُلَمَاءِ الضُّعَفَاءِ'' نیز نقل فرماتے ہیں: ''يَحْيَى ابْنُ سَعِيْدٍ يَقُوْلُ: سَأَلْتُ مَالِكًا عَنْهُ اَكَانَ ثِقَةً فِي الْحَدِيْثِ'' فَقَالَ: لَا وَلَا فِيْ دِيْنِهٖ . يَحْيَى الْقَطَّانُ يَقُوْلُ: اِبْرَاهِيْمُ بْنُ اَبِيْ يَحْيٰى كَذَّابٌ . اَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ قَالَ: تَرَكُوْا حَدِيْثَهٗ قَدَرِيٌّ مُعْتَزِلِيٌّ ◄◄

’’ابو حاتم نے کہا کہ اس میں کوئی خرابی نہیں اور وہ ویسا قوی نہیں اور بخاری نے کہا کہ وہ ایک سو ستانوے ہجری میں فوت ہوا اور بعض محدثین نے اس کی توثیق کی ہے اور وہ اپنے باپ سے زیادہ قوی ہے اور معاویہ بن صالح نے ابن معین سے نقل کیا کہ وہ فرماتے ہیں کہ وہ ثقہ نہیں اور ابو حاتم نے کہا کہ وہ قوی نہیں مجھے اس کی حدیث پسند نہیں اور احمد بن ابی خثیمہ نے ابن معین سے روایت کیا کہ انہوں نے فرمایا کہ وہ ثقہ ہے میں نے اس سے حدیثیں لکھی ہیں‘‘۔

اور اس روایت کے تیسرے راوی حارث بن عبدالرحمان سے متعلق تقریب میں لکھا ہے: ’’صَدُوْقٌ یَہِمُ‘‘ (صدوق ہے اسے وہم ہو جاتا ہے) اور میزان میں ہے: ’’عَنِ الْمَقْبُرِیِّ ثِقَةٌ وَقَالَ اَبُوْحَاتِمٍ لَیْسَ بِالْقَوِیِّ رَوٰی عَنْهُ الدَّرَاوَرْدِیُّ مَنَاکِیْرَ وَقَالَ ابْنُ حَزْمٍ ضَعِیْفٌ وَقَالَ اَبُوْزُرْعَةَ لَیْسَ بِهٖ بَاْسٌ‘‘ (مقبری سے ہے کہ وہ ثقہ ہے اور ابو حاتم نے کہا کہ وہ قوی نہیں اس سے دراوردی نے کئی منکر حدیثیں روایت کی ہیں اور ابن حزم نے کہا ضعیف ہے اور ابوزرعہ نے کہا اس میں کوئی خرابی نہیں) پھر یہ روایت حضرت سائب بن یزید کی گیارہ، تیرہ اور اکیس رکعات والی روایات کے خلاف بھی ہے۔

⑥ وسادساً: صاحب رسالہ فرماتے ہیں ’’محدثین کی اصطلاح میں محدث حافظ اور ثقہ ہم معنی الفاظ ہیں دراصل ایک ہی حقیقت کی مختلف تعبیریں ہیں جیسا کہ ائمہ

« یَرْوِیْ اَحَادِیْثَ لَیْسَ لَهَا اَصْلٌ. وَقَالَ الْبُخَارِیُّ: تَرَکَهُ ابْنُ الْمُبَارَکِ وَالنَّاسُ. وَعَنِ ابْنِ مَعِیْنٍ: کَذَّابٌ رَافِضِیٌّ. عَلِیُّ بْنُ الْمَدِیْنِیِّ یَقُوْلُ: کَذَّابٌ. وَقَالَ النَّسَائِیُّ وَالدَّارَقُطْنِیُّ وَغَیْرُهُمَا: مَتْرُوْکٌ. اِنْتَهٰی مُلْتَقَطًا وَاَمَّا تَوْثِیْقُ الْبَعْضِ اِیَّاهُ فَقَدْ رَدَّهُ الذَّهَبِیُّ بِقَوْلِهٖ: اَلْجَرْحُ مُقَدَّمٌ.

حدیث کے اقوال بالا سے صاف صاف ظاہر ہے‘‘۔ (حاشیہ ص۱۰)

الفاظ ثلاث محدث‘ حافظ اور ثقہ نہ تو لغت میں ہم معنی ہیں اور نہ ہی محدثین کی اصطلاح میں۔ لغت میں ان الفاظ کا ہم معنی نہ ہونا تو واضح امر ہے رہی یہ بات کہ یہ تینوں الفاظ اصطلاح محدثین میں بھی ہم معنی نہیں تو یہ معلوم کرنے کے لیے آپ تذکرۃ الحفاظ پڑھیں اس میں آپ کو رجال کی ایک جماعت ملے گی جو سب کے سب ہیں تو حافظ اور محدث مگر ثقہ نہیں بلکہ ضعیف ہیں سردست بطور نمونہ آپ صرف واقدی‘ شاذکونی‘ علی بن زید بن جدعان اور ابن لہیعہ کے تراجم ہی پڑھ ڈالئے۔ پہلے ان چاروں حافظوں اور محدثوں کے تراجم تذکرۃ الحفاظ سے ملاحظہ فرمائیں۔

اگر اس سے بندہ کی بات پر یقین نہ آئے تو پھر تھوڑی سی زحمت گوارا فرما کر ان چاروں حافظوں اور محدثوں کے حالات میزان الاعتدال سے مطالعہ فرمائیں تو انشاء اللہ العزیز آپ کو یقین ہو جائیگا کہ کسی راوی کا حافظ اور محدث ہونا اس کے ثقہ ہونے کے ہم معنی نہیں۔ نہ تو اصطلاح محدثین میں اور نہ ہی لغت میں۔

رہا صاحب رسالہ کا قول ’’جیسا کہ ائمہ حدیث کے اقوال بالا سے صاف صاف ظاہر ہے‘‘۔ تو اس سلسلہ میں گزارش ہے کہ ائمہ حدیث کے اقوال بالا سے جو چیز صاف صاف ظاہر ہے وہ تو صرف اس قدر ہے کہ ایک راوی کو ایک امام حدیث نے حافظ کہا دوسرے نے اسے محدث قرار دیا اور تیسرے نے اسے ثقہ بنایا تو اتنی بات سے حافظ‘ محدث اور ثقہ کے اصطلاح محدثین میں ہم معنی ہونے کا صاف صاف ظاہر ہونا تو کجا؟ اس سے تو ان تینوں الفاظ کے اصطلاح محدثین میں ہم معنی ہونے کی طرف خفی سا اشارہ بھی نہیں ہوتا فتدبر۔

⑦ وسابعاً: صاحب رسالہ رقمطراز ہیں:

’’عبارات بالا سے یہ بات ثابت ہوئی کہ جن راویوں پر اس اثر کا مدار ہے وہ سب کے سب قابل اعتماد ہیں اور ان پر کسی محدث نے ادنی

کلام نہیں کیا''۔ (ص۱۱)

پہلے اس اثر کے بعض رواۃ پر کلام کرنے والے محدثین کے نام اور ان کے کلام گزر چکے ہیں اور اگر کوئی صاحب متکلم فیہ رجال کو سرے سے ذکر ہی نہ فرمائیں یا ذکر تو فرمائیں مگر ان پر ائمہ حدیث کے کلام کو نقل نہ کریں تو اس صنیع سے یہ بات ہرگز ہرگز ثابت نہیں ہوتی کہ جن راویوں پر اس اثر کا مدار ہے وہ سب کے سب الخ نیز آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ کسی اثر کے رواۃ ثقہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ اثر بھی صحیح ہو کیونکہ صحت اثر وحدیث کے لیے علت وشذوذ کا انتفاء بھی شرط ہے۔ ''کما لَا یَخْفٰی عَلٰی مَنْ لَهٗ بَصَرٌ بِالْاُصُوْلِ وَبَصِیْرَةٌ فِی الْقَوَاعِدِ'' (جیسا کہ اس شخص سے پوشیدہ نہیں جو اصول پر نگاہ رکھتا ہے اور جسے قواعد کے بارہ میں بصیرت حاصل ہے)

⑧ صاحب رسالہ تحریر فرماتے ہیں:

> ''دیکھئے امام نوی، علامہ سبکی، حافظ ابن تیمیہ، حافظ ابن عبدالبر اور علامہ سیوطی جیسے جلیل القدر وسیع العلم حضرات اس اثر کو واشگاف الفاظ میں صحیح قرار دیتے ہیں''۔ (ص۱۲)

① اولا: جب امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ جیسے اجل القدر اوسع العلم مجتہد حضرات کی تحقیق سے اختلاف کی گنجائش ہے تو صاحب رسالہ کے قول میں مذکور پانچ جلیل القدر وسیع العلم حضرات کی تحقیق سے اختلاف کی تو بطریق اولی گنجائش ہے بشرطیکہ اختلاف برائے اختلاف نہ ہو دلائل پر مبنی ہو اور حنفی بزرگوں کو ان پانچ جلیل القدر وسیع العلم حضرات کی تحقیق سے کئی ایک مسائل میں فی الواقع اختلاف ہے بھی۔ اسی مسئلہ کو لے لیجیے حافظ ابن تیمیہ نے فتاوی میں تصریح فرمائی ہے کہ رسول اکرم ﷺ رمضان وغیر رمضان میں تیرہ رکعات سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے اسی طرح دیگر بزرگ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ

رسول اللہ ﷺ کی رمضان المبارک میں "صلاۃ اللیل" کی تعداد رکعات ثابت ہے جیسا کہ ان کی تحریرات سے واضح ہے مگر صاحب رسالہ فرماتے ہیں:

"کسی صحابی کی صحیح السند روایت میں تعداد مذکور نہیں"۔ (ص ۴)

درست کہ ان کا یہ قول رمضان میں تین رات والی مرفوع روایات سے متعلق ہے مگر ضروری نہیں کہ ان روایات میں تعداد مذکور ہو تو ثابت ورنہ غیر ثابت کیونکہ دوسری مستند صحیح روایات میں مذکور تعداد بھی تو آخر ثابت ہی سمجھی جائے گی پھر ان تین رات والی مرفوع روایات میں سے ایک میں تعداد رکعات کو بھی ذکر کیا گیا ہے اور اس کو کئی ایک محدثین نے صحیح بھی کہا ہے تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

② وثانیاً: ان جلیل القدر وسیع العلم حضرات سے امام نووی اور علامہ سبکی کے جو قول صاحب رسالہ نے اوپر نقل کیے ہیں ان میں حضرت سائب بن یزید کے بیس رکعات والے اثر کی بابت یہ نہیں کہا "ھذا الاثر صحیح" کہ یہ اثر صحیح ہے بلکہ ان کے تو الفاظ ہیں "بالاسناد الصحیح" اور اصول حدیث میں درک رکھنے والے جانتے ہیں ہیں کہ کسی روایت کی سند صحیح ہونے سے لازم نہیں آتا کہ وہ روایت بھی صحیح ہو ہاں روایت واثر کے صحیح ہونے سے اس کی سند کا صحیح ہونا لازم آتا ہے پھر اس اثر کی سند پر کلام پہلے نقل کیا جا چکا ہے۔

③ وثالثاً: حافظ ابن تیمیہ اور حافظ ابن عبدالبر کے جو قول صاحب رسالہ نے اوپر نقل کیے ہیں ان میں یہ نہیں کہ حضرت سائب بن یزید کا بیس رکعات والا اثر صحیح ہے یا اس کی سند صحیح ہے بلکہ ان کے اقوال کا ماحصل تو صرف اتنا ہے کہ بیس رکعات حضرت ابی بن کعب سے ثابت اور صحیح ہیں اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضرت سائب کا اثر ان کے نزدیک صحیح ہو کیونکہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے عمل کو کئی ایک رواۃ نے بیان کیا ہے لہٰذا صاحب رسالہ کو حافظ ابن تیمیہ اور حافظ ابن عبدالبر کے وہ اقوال نقل کرنے چاہئیں جن میں حضرت سائب کے بیس رکعات

والے اثر کو واشگاف یا غیر واشگاف الفاظ میں صحیح کہا گیا ہو۔

④ رابعاً: لطف یہ ہے صاحب رسالہ نے امام سیوطی کا پہلے کوئی قول تصحیح سرے سے نقل ہی نہیں کیا مگر انہوں نے ان کو اس اثر کو واشگاف الفاظ میں صحیح قرار دینے والوں (بزعم خویش) کی فہرست میں شامل کرلیا البتہ حاشیہ میں ہے ''**المصابیح للسیوطی**'' (ص ۴۱) جس سے پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے علامہ سبکی کا قول: ''**بالاستناد الصحیح الخ**'' امام سیوطی کے رسالہ مصابیح سے نقل کیا ہے لیکن اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ سیوطی کو سبکی کے قول سے اختلاف ہے یا اتفاق۔ پھر اتفاق کی صورت میں بھی سند کے صحیح ہونے سے اثر کا صحیح ہونا لازم نہیں آتا اس لیے صاحب رسالہ کو چاہیے تھا کہ پہلے امام سیوطی کا وہ قول نقل فرماتے جس میں حضرت سائب کے بیس رکعات والے اثر کی تصحیح ہوتی پھر وہ ان کو صحیح قرار دینے والوں کی فہرست میں شامل فرماتے تو پتہ چلا کہ مؤلف رسالہ نے جو اقوال اوپر نقل فرمائے ہیں ان میں حافظ ابن تیمیہ' حافظ ابن عبدالبر' امام نووی' علامہ سبکی اور علامہ سیوطی میں سے کسی ایک نے بھی حضرت سائب کے بیس رکعات والے اثر کو واشگاف یا غیر واشگاف الفاظ میں صحیح قرار نہیں دیا۔ لہٰذا صاحب رسالہ ان بزرگوں کے وہ اقوال نقل فرمائیں جن میں انہوں نے اس اثر کو واشگاف الفاظ میں صحیح قرار دیا ہے پھر وہ یہ دعویٰ کریں کہ ان بزرگوں نے اس اثر کو واشگاف الفاظ میں صحیح قرار دیا ہے **فَتَفَكَّرْ** ہاں علامہ سیوطی حضرت سائب کے گیارہ رکعات والے اثر سے متعلق فرماتے ہیں: ''**اِسْنَادُهٗ فِيْ غَايَةِ الصِّحَّةِ**'' حوالہ گزر چکا ہے۔

⑤ وخامساً: اگر جلیل القدر وسیع العلم حضرات کی تحقیق پر ہی اعتماد کرنا ہے تو پھر امام محمد' حافظ زیلعی' علامہ سیوطی' علامہ زرقانی' علامہ ابن ہمام' علامہ عینی' ملا علی قاری'

علامہ عبدالحی لکھنوی' علامہ انور شاہ کشمیری' علامہ شوق نیموی صاحب آثار السنن اور علامہ بیہقی رحمہم اللہ بھی تو آخر جلیل القدر وسیع العلم حضرات ہی ہیں جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی مرفوع قطعی الصحۃ حدیث ''ما کان یزید الخ'' سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رکعات تراویح کا عدد ثابت کرتے ہیں تو ان جلیل القدر وسیع العلم حضرات کی اس مبنی برحق تحقیق پر بھی اعتماد کرنا چاہیے اور صاف صاف واشگاف الفاظ میں اعلان فرمانا چاہیے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے رکعات تراویح کی تعداد صحیح اور مرفوع حدیث سے ثابت ہے نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل کرنا چاہیے کیونکہ ''خَیْرَ الْهَدْیِ هَدْیُ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ'' (سب طریقوں سے بہتر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ ہے) پھر ''عَلَیْکُمْ بِسُنَّتِیْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِیْنَ'' (تم میری اور خلفاء راشدین کی سنت کو لازم پکڑو) میں علیکم بسنتی بھی ہے اور خود خلفاء راشدین بھی سنت نبویہ کے تتبع میں رہتے تھے۔ ''کَمَا لَا یَخْفٰی عَلٰی مَنْ طَالَعَ سِیَرَهُمْ'' (جیسا کہ اس شخص سے مخفی نہیں جو ان کی سیرت کا مطالعہ کرے)

④ وسادسا: حضرت المؤلف نے شروع رسالہ میں جمہور امت کا تذکرہ فرمایا ہے اور اس مقام پر بھی حافظ ابن عبدالبر کا قول: **''وھو قول جمھور العلماء''** نقل فرماتے ہیں تو اس سلسلہ میں صرف اتنی گزارش ہے کہ کئی ایک مسائل میں حنفی بزرگوں نے جمہور امت اور جمہور علماء کی مخالفت کی ہے اہل علم کو وہ مسائل معلوم ہیں تفصیل کی ضرورت نہیں پھر جمہوریت شرعی دلائل سے کوئی دلیل بھی نہیں کہ اس پر زور دیا جائے جب کہ حقیقت یہ ہے کہ کوئی چیز جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو جائے تو اس پر عمل کسی صحابی' تابعی' امام' ولی' جمہور امت اور جمہور علماء کے اس پر عمل یا اس کے مطابق فتویٰ کا محتاج نہیں اور نہ ہی کوئی دوسرا عمل اس سے افضل ہے۔

❸ عہد فاروقی سے متعلق دیگر آثار:

① اولا: یزید بن رومان' یحییٰ بن سعید انصاری' محمد بن کعب قرظی اور عبدالعزیز بن رفیع کے چاروں آثار مرسل و منقطع ہیں چنانچہ صاحب آثار السنن نے اس بات کی تصریح فرمائی ہے اور صاحب رسالہ کو بھی اس کا اعتراف ہے جیسا کہ حاشیہ ص ۱۳ سے ظاہر ہے مگر ان کا خیال ہے کہ مرسل و منقطع حجت ہوتا ہے احناف کے ہاں تو مطلقا اور شوافع کے ہاں مقیداً۔ لیکن انہیں یہ بات معلوم ہونا چاہیے کہ مرسل کی حجیت میں یہ اختلاف تب ہے جب ارسال کرنے والا راوی صرف ثقات سے ارسال کرنے کا التزام کرے اور اگر ارسال کرنے والا راوی ثقات و غیر ثقات ہمہ قسم کے رواۃ سے ارسال کرتا ہوں تو پھر اس کا مرسل بالاتفاق حجت نہیں چنانچہ اصول حدیث کی داخل نصاب متداول و مشہور کتاب شرح نخبہ میں ہے:

عُرِفَ مِنْ عَادَةِ التَّابِعِيِّ اَنَّهُ لَا يُرْسِلُ اِلَّا عَنْ ثِقَةٍ فَذَهَبَ جُمْهُوْرُ الْمُحَدِّثِيْنَ اِلَى التَّوَقُّفِ لِبَقَاءِ الْاِحْتِمَالِ وَهُوَ اَحَدُ قَوْلَيْ اَحْمَدَ وَثَانِيْهِمَا وَهُوَ قَوْلُ الْمَالِكِيِّيْنَ وَالْكُوْفِيِّيْنَ يُقْبَلُ مُطْلَقًا وَقَالَ الشَّافِعِيُّ يُقْبَلُ اِنِ اعْتَضَدَ بِمَجِيْئِهٖ مِنْ وَجْهٍ اٰخَرَ يُبَايِنُ الطَّرِيْقَ الْاُوْلٰى مُسْنَدًا كَانَ اَوْ مُرْسَلًا لِيَتَرَجَّحَ اِحْتِمَالُ كَوْنِ الْمَحْذُوْفِ ثِقَةً فِيْ نَفْسِ الْاَمْرِ وَنَقَلَ اَبُوْبَكْرِ نِ الرَّازِيُّ مِنَ الْحَنَفِيَّةِ وَاَبُو الْوَلِيْدِ الْبَاجِيُّ مِنَ الْمَالِكِيَّةِ اَنَّ الرَّاوِيَ اِذَا كَانَ يُرْسِلُ عَنِ الثِّقَاتِ وَغَيْرِهِمْ لَا يُقْبَلُ مُرْسَلُهٗ اِتِّفَاقًا . اھ(ص۵۵)

''اگر تابعی کی عادت مشہور ہو کہ وہ صرف ثقہ سے ہی ارسال کرتا ہے تو جمہور محدثین کا مذہب یہ ہے کہ اسے قبول کرنے میں توقف کیا جائے گا کیونکہ احتمال باقی ہے اور احمد کا ایک قول بھی یہی ہے اور امام احمد کا دوسرا

قول جو مالکیوں اور کوفیوں کا قول بھی ہے یہ ہے کہ اسے مطلقاً قبول کیا جائے گا اور شافعی نے فرمایا کہ اسے اس صورت میں قبول کیا جائے گا جب اسے کسی دوسری سند کے ساتھ جو پہلی سند سے بالکل جدا ہو آنے کی وجہ سے قوت حاصل ہو جائے خواہ وہ مسند ہو یا مرسل تاکہ یہ احتمال راجح ہو جائے کہ جو شخص حذف کیا گیا ہے حقیقت میں ثقہ تھا اور حنفیہ میں سے ابوبکر رازی نے اور مالکیہ میں سے ابوالولید باجی نے نقل فرمایا ہے کہ راوی اگر ثقہ اور غیر ثقہ دونوں قسم کے راویوں سے روایت کرتا ہو تو اس کی مرسل بالاتفاق قبول نہیں ہوگی'' ۔اھ (ص ۵۵)

اس لیے اصول حدیث کے لحاظ سے صاحب رسالہ کا فرض ہے کہ پہلے وہ یہ ثابت فرمائیں کہ مذکورہ بالا چاروں راوی صرف ثقات سے ارسال کرنے کے عادی تھے پھر ان کے آثار سے استدلال فرمائیں کیونکہ ''اصول حدیث کو پیش نظر رکھنا ہر ذی علم پر لازم ہے'' یاد رہے کہ اگر بالفرض صاحب رسالہ ثابت کر دیں کہ واقعی یہ چاروں رواۃ صرف ثقات سے ارسال کے عادی تھے تو پھر بھی ان کی مرسل جمہور محدثین کے مذہب کے مطابق حجت نہیں البتہ مالکی اور کوفی مطلقاً اور شافعی اعتضاد کی صورت میں اس کی حجیت کے قائل ہیں جیسا کہ حافظ ابن حجر کی عبارت سے صاف صاف ظاہر ہے۔

② وثانیا: صاحب رسالہ لکھتے ہیں:

''یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ یزید بن رومان' یحییٰ بن سعید اور محمد بن کعب قرظی تینوں بزرگ مدینہ منورہ کے رہنے والے ہیں جس قدر مدنی لوگ عہد فاروقی کے حالات سے براہ راست واقف تھے اس قدر دوسرے لوگ واقف نہیں محمد بن کعب کی ولادت ۴۰ھ میں ہوئی ان کو کثیر التعداد صحابہ کی ملاقات کا شرف نصیب ہوا انہوں نے اپنی آنکھوں سے اس واقعہ کو دیکھا اور سالہا سال صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ مسجد نبوی میں تراویح ادا کرنے کا موقع ملا''۔ (ص ۱۴)

صاحب رسالہ کے اس بیان سے پتہ چلا کہ عبدالعزیز بن رفیع چونکہ مدینہ منورہ کے رہنے والے نہیں تھے اس لیے وہ عہد فاروقی کے حالات سے براہ راست اتنے واقف نہ تھے جتنے کہ یزید بن رومان، یحییٰ بن سعید انصاری اور محمد بن کعب قرظی واقف تھے۔ پھر عبدالعزیز بن رفیع نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا دور سرے سے پایا ہی نہیں تو عہد فاروقی کی بابت ان کا بیان کیسے حجت ہوسکتا ہے جب تک وہ عہد فاروقی کے کسی بزرگ کا حوالہ نہ دیں جب کہ عبدالعزیز بن رفیع کے اثر میں حضرت عمر فاروق اور ان کے دور کا ذکر تک نہیں ان کا بیان صرف اس قدر ہے: "كَانَ أُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ يُصَلِّيْ بِالنَّاسِ فِيْ رَمَضَانَ بِالْمَدِيْنَةِ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً" (ابی بن کعب رمضان میں لوگوں کو بیس رکعت پڑھاتے تھے) ادھر صاحب آثار السنن فرماتے ہیں:

"عَبْدُالْعَزِيْزِ بْنُ رُفَيْعٍ لَمْ يُدْرِكْ أُبَيَّ بْنَ كَعْبٍ". (تعلیق ص ۲۰۶)

"عبدالعزیز بن رفیع نے ابی بن کعب کو نہیں پایا"۔

رہے مدنی لوگ تو وہ واقعی عہد فاروقی کے حالات سے براہ راست خوب واقف ہیں بشرطیکہ وہ عہد فاروقی میں ہوش سنبھالنے کے بعد زندگی گزار چکے ہوں جیسے کہ حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ جو بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابی بن کعب اور حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہما کو گیارہ رکعات پڑھانے کا حکم دیا اور ان ہی کا بیان ہے کہ لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں گیارہ اور ایک روایت میں ہے تیرہ رکعات پڑھتے تھے اور ان کے بیس والے اثر پر کلام گزر چکا ہے لیکن وہ مدنی لوگ جن کی ولادت ہی عہد فاروقی کے ختم ہو جانے کے بعد ہوئی ان کا عہد فاروقی کے حالات سے براہ راست خوب واقف ہونا تو درکنار وہ تو سرے سے عہد فاروقی کے حالات سے براہ راست واقف ہی نہیں محمد بن کعب قرظی مدنی کو ہی لے لیجیے جن کا سنہ ولادت حضرت المصنف نے بذات خود چالیس ہجری بتایا ہے جب کہ عہد فاروقی تیئس ہجری کے آخری ماہ ذوالحجہ میں ختم ہو چکا تھا چنانچہ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں:

”عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ الْقُرَشِیُّ الْعَدَوِیُّ اَمِیْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ مَشْهُوْرٌ جَمُّ الْمَنَاقِبِ اُسْتُشْهِدَ فِیْ ذِی الْحِجَّةِ سَنَةَ ثَلاثٍ وَّعِشْرِیْنَ وَ وَلِیَ الْخَلافَةَ عَشْرَ سِنِیْنَ وَنِصْفًا“. اھ (تقریب)

”عمر بن خطاب قرشی عدوی امیر المومنین مشہور ہیں بہت زیادہ مناقب رکھنے والے ہیں ذی الحجہ ۲۳ھ میں شہید کئے گئے اور ساڑھے دس سال خلافت پائی“۔

تو آپ غور فرمائیں حضرت محمد بن کعب قرظی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت سے تقریباً سترہ سال بعد پیدا ہوئے تو وہ عہد فاروقی کے حالات سے براہ راست کیسے واقف ہو سکتے ہیں قرظی صاحب کا عہد فاروقی کے حالات سے براہ راست واقف ہونا تو دور کی بات ہے وہ تو عہد عثمانی اور عہد علوی کے حالات سے بھی براہ راست واقف نہیں۔ محمد بن کعب قرظی کی طرح یزید بن رومان اور یحییٰ بن سعید انصاری بھی عہد فاروقی کے حالات سے براہ راست آگاہ نہیں کیونکہ یہ سب کے سب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے شہید ہو جانے کے بعد پیدا ہوئے ہیں چنانچہ محمد بن کعب قرظی کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد پیدا ہونا تو گزر چکا اور دوسرے دونوں بزرگوں کے بارے میں صاحب آثار السنن تعلیق میں فرماتے ہیں:

”یَزِیْدُ بْنُ رُوْمَانَ لَمْ یُدْرِکْ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ“.

”یزید بن رومان نے عمر بن خطاب کو نہیں پایا“۔

اس کے بعد تعلیق کی عبارت موقع و محل کے مناسب نہیں و للتفصیل موضع آخر۔ نیز فرماتے ہیں:

”رِجَالُهٗ ثِقَاتٌ لٰکِنْ یَحْیَی بْنُ سَعِیْدِ نِ الْاَنْصَارِیُّ لَمْ یُدْرِکْ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ“. (ص۲۰۵،ص۲۰۶)

”اس کے راوی ثقہ ہیں مگر یحییٰ بن سعید انصاری نے عمر رضی اللہ عنہ کو نہیں پایا“۔

یہ درست ہے کہ حضرت قرظی کو کثیر التعداد صحابہ سے ملاقات کا شرف نصیب ہوا مگر حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما سے تو ملاقات کا شرف نصیب نہیں ہوا کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کا سنہ تیئیس ہجری اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا سنہ شہادت پینتیس ہجری ہے جب حضرت قرظی کا سنہ ولادت چالیس ہجری ہے اور یہ چالیس ہجری میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا سنہ شہادت ہے چنانچہ تقریب ہی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ترجمہ میں لکھا ہے:

"مَاتَ فِيْ رَمَضَانَ سَنَةَ اَرْبَعِيْنَ"

تو اگر حضرت قرظی رمضان کے بعد تولد ہوئے تو پھر ان کو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی شرف ملاقات نصیب نہ ہو اور اگر ان کی ولادت محرم میں تصور کی جائے تو پھر وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے وقت کوئی نو ماہ کے بچے تھے تو اس تقریر سے حضرت قرظی کے عہد علوی کے حالات سے براہ راست واقف ہونے اور نہ ہونے پر بھی روشنی پڑتی ہے فتدبر۔

صاحب رسالہ کا قول "جنہوں نے اپنی آنکھوں سے اس واقعہ کو دیکھا" میں یہ چیز ہے کہ ان کے اس واقعہ کو دیکھنے اور اس واقعہ کے اثبات کی بنیاد اس سے قبل رسالہ میں مذکور آثار پر ہی رکھی گئی ہے جن کا حال آپ کو معلوم ہو چکا ہے پھر مصنف صاحب کا قول "اور سالہا سال صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ مسجد نبوی میں نماز تراویح ادا کرنے کا موقع ملا" بھی محل نظر ہے کیونکہ سالہا سال صحابہ کرام کے ساتھ مسجد نبوی میں نماز تراویح ادا کرنے کا موقع ملنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ انہوں نے فی الواقع اس کیفیت سے نماز تراویح ادا بھی کی ہو اور اگر حضرت المؤلف اپنے اس قول کا مطلب یہ سمجھتے ہوں کہ فی الواقع حضرت القرظی نے مذکورہ کیفیت سے نماز تراویح ادا کی تو اس کی دلیل درکار ہے جو رسالہ میں پیش نہیں کی گئی رہا حضرت القرظی کا عہد صحابہ میں مدینہ منورہ کے اندر رہنا تو وہ مدعا مذکور کی دلیل نہیں کیونکہ اسلاف کے اندر ایسے لوگ

رہے ہیں جو نماز تراویح کو مسجد کے بجائے گھر میں' باجماعت کے بجائے اکیلے اور اول اللیل کے بجائے آخر اللیل پڑھنے کو افضل جانتے تھے تحقیق کے لیے قیام اللیل للمروزی' شرح معانی الآثار للطحاوی اور سنن کبری للبیہقی ملاحظہ فرمائیں لہٰذا محمد بن کعب قرظی کے مسجد نبوی میں باجماعت نماز تراویح پڑھنے کی کوئی دلیل پیش کی جائے۔

③ صاحب رسالہ فرماتے ہیں:

"عَنْ اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ اَمَرَهُ اَنْ يُّصَلِّيَ بِاللَّيْلِ فِيْ رَمَضَانَ . اِلٰى قَوْلِهٖ: فَصَلّٰى بِهِمْ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً".

"ابی بن کعب سے روایت ہے کہ عمرؓ بن خطاب نے انہیں حکم دیا کہ رمضان میں رات کو لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ چنانچہ انہوں نے انہیں بیس رکعات پڑھائیں"۔ (حاشیہ ص ۱۴ میں ہے کنز العمال بحوالہ آثار السنن)

مگر حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے نیچے کی سند بیان نہیں کی گئی نہ ہی زیر تبصرہ رسالہ میں اور نہ ہی آثار السنن میں اصل کتاب بندہ کے پاس نہیں لہٰذا حضرت المؤلف کی خدمت میں گزارش ہے کہ وہ اس اثر کی سند بیان فرمائیں۔

④ ورابعا: مصنف صاحب لکھتے ہیں:

"عَنْ عُمَرَ اَنَّهٗ جَمَعَ النَّاسَ عَلٰى اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ فَكَانَ يُصَلِّيْ بِهِمْ فِيْ شَهْرِ رَمَضَانَ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً".

"حضرت عمرؓ سے ہے کہ انہوں نے لوگوں کو ابی بن کعب پر جمع کیا چنانچہ وہ انہیں ماہ رمضان میں بیس رکعت پڑھاتے تھے"۔

(حاشیہ میں ہے مؤطا' مصنف ابن ابی شیبہ اور بیہقی بحوالہ تلخیص الحبیر ص ۱۱۹ المصابیح للسیوطی ص)

اس اثر کو مؤطا امام مالک' مؤطا امام محمد اور سنن کبری للبیہقی میں تلاش کیا گیا مگر ان سہ کتب میں سے کسی ایک میں بھی نہیں پایا لیکن کہا جاسکتا ہے کہ مؤطا کے نسخے

سولہ ہیں متداول نسخہ میں نہیں تو کیا بات ہوئی البتہ اس میں اتنی بات ہے کہ جب مؤطا کا حوالہ بلا قید نسخہ دیا جائے تو اس سے مؤطا امام مالک کا متداول نسخہ ہی مراد ہوتا ہے۔ باقی مصنف ابن ابی شیبہ بندہ کے پاس نہیں اس لیے مؤلف صاحب سے درخواست ہے کہ وہ اس اثر کی بھی سند بیان فرمادیں۔

⑤ وخامسا: صاحب رسالہ حاشیہ میں تحریر فرماتے ہیں:

"سبل السلام ص ۳۳۷ جلد اول مَا نَصُّهٗ وَسَاقَ رِوَايَاتِ اَنَّ عُمَرَ اَمَرَ اُبَيًّا وَتَمِيْمَانِ الدَّارِيَّ يَقُوْمَانِ بِالنَّاسِ بِعِشْرِيْنَ رَكْعَةً". (ص ۱۵)

"سبل السلام ص ۳۳۷ جلد اول کے لفظ یہ ہیں: اور کئی روایات ذکر کیں کہ عمرؓ نے ابی اور تمیم داری رضی اللہ عنہما کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کے ساتھ بیس رکعت قیام کریں"۔

ان روایات سے کچھ تو حضرت المؤلف بحوالہ بیہقی پہلے بیان فرما چکے ہیں اور کچھ آئندہ بیان فرمائیں گے اور اگر ان کے علاوہ کوئی روایت ہو تو اس کی نشاندہی فرمائیں نیز سبل السلام کی اس عبارت پر تفصیلی گفتگو آگے آرہی ہے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور سے متعلق صاحب رسالہ نے جتنے آثار اس سے قبل بیان فرمائے ان کا تو حال بیان کردیا گیا ہے۔

⑥ وسادسا: حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی سنت وہ عمل ہوگا جس پر انہوں نے مواظبت فرمائی ہو یا کم از کم اس کے کرنے کا حکم صادر فرمایا ہو بیس رکعات نماز تراویح پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مواظبت تو درکنار ان سے تو ساری زندگی میں ایک دفعہ بھی بیس تراویح پڑھنا ثابت نہیں اور نہ ہی بیس کا حکم دینا ان سے ثابت ہے صاحب رسالہ نے جس قدر آثار ذکر کئے ہیں ان میں صرف یہی بتایا گیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں لوگ بیس رکعت پڑھتے تھے پھر ایسے آثار کا حال پہلے بیان ہوچکا ہے تو ظاہر بات ہے کہ اتنے سے لوگوں کے عہد فاروقی میں بیس

پڑھنے سے بشرط ثبوت بیس رکعات کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سنت ہونا لازم نہیں آتا ہاں ایک اثر میں یہ لفظ آئے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اکیس رکعات پر جمع کیا اور ایک دوسرے اثر میں یہ لفظ بھی آئے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کو بیس رکعات پڑھانے کا حکم دیا مگر ان دونوں میں کلام ہے جو پہلے گزر چکا ہے البتہ اکیس رکعات والے اثر پر آئندہ بھی کلام ہوگا ان شاء اللہ تعالیٰ تو بیس رکعات کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سنت قرار دینا نا درست ہے کیونکہ نہ تو بیس پر انہوں نے مواظبت فرمائی بلکہ ایک دفعہ بھی بیس پڑھنا ان سے ثابت نہیں اور نہ ہی بیس پڑھنے کا انہوں نے کسی کو حکم دیا البتہ گیارہ رکعات ان کی سنت ہے کیونکہ گیارہ پڑھانے کا انہوں نے حکم دیا تھا نیز گیارہ اور تیرہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی سنت ہے: "عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ" پھر عہد فاروقی میں لوگ گیارہ اور تیرہ پڑھتے بھی رہے۔

⑦ وسابعا: صاحب رسالہ کا بیان ہے:

> "زیر غور آثار کے چند طریقے صحیح لذاتہ ہیں پھر کثرت طرق کی تائید نے ان کی صحت میں کئی گناہ اضافہ کر دیا ہے"۔ الخ (ص ۱۵)

ان آثار کے جونسے طریقے صحیح لذاتہ ہیں ان کی نشاندہی فرمادی جائے تاکہ دیکھا جاسکے آیا وہ صحیح بھی ہیں یا غیر صحیح رہے طرق کثیرہ تو ان کا حال پہلے بیان کیا جاچکا ہے۔

④ ایک لطیف اشارے کی حقیقت:

صاحب رسالہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لوگوں کو قیام رمضان میں ایک امام کی اقتدا پر جمع کرنے کا واقعہ نقل فرماتے ہیں جس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول: "نِعْمَتِ الْبِدْعَةُ هٰذِهٖ" (یہ اچھی (بدعت) نئی چیز ہے) بھی موجود ہے بعدہ لکھتے ہیں:

واضح رہے کہ محدثین کے نزدیک یہ بدعت کا لفظ تین باتوں پر مشتمل ہے:

①: ایک قاری کی اقتدا میں اجتماع۔

②: عشاء کے بعد رات کے اول حصہ میں اس نماز کی ادائیگی

③: بیس رکعت کی پابندی۔

اب یہ استدلال ہر ذی فہم پر واضح ہے کہ مذکورہ بالا روایات نے محدثین کو ایسا یقین بخشا کہ ان کو لفظ بدعت کے مفہوم میں بیس کے عدد کو بھی شامل کرنا پڑا محدثین کی عبارات حسب ذیل ملاحظہ ہوں:

"لِاَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَسُنَّ لَهَا الْاِجْتِمَاعَ وَلَا اَوَّلَ اللَّيْلِ وَلَا كُلَّ لَيْلَةٍ وَلَا هٰذَا الْعَدَدَ" (قسطلانی)

"وَزَادَتِ الصَّحَابَةُ فِيْ قِيَامِ رَمَضَانَ ثَلَاثَةَ اَشْيَاءَ الْاِجْتِمَاعَ لَهُ فِيْ مَسَاجِدِهِمْ وَاَدَاءَهُ فِيْ اَوَّلِ اللَّيْلِ مَعَ الْقَوْلِ بِاَنَّ صَلَاةَ اٰخِرِ اللَّيْلِ مَشْهُوْدَةٌ وَعَدَدَهُ عِشْرُوْنَ رَكْعَةً". (حجة الله البالغة) ص ١٦

"کیونکہ نبی کریم ﷺ نے اس نماز کے لیے نہ اکٹھے ہو کر پڑھنے کا طریقہ مقرر فرمایا' نہ رات کے شروع میں پڑھنے کا' نہ ہر رات پڑھنے کا اور نہ ہی اس تعداد میں پڑھنے کا (قسطلانی) صحابہؓ نے قیام رمضان میں تین چیزوں کا اضافہ فرمایا اس کے لیے اپنی مساجد میں جمع ہونا اور یہ کہنے کے باوجود کہ "پچھلی رات کی نماز حضوری ہوتی ہے"۔ رات کی ابتداء میں نماز ادا کرنا اور اس کی تعداد بیس رکعت ادا کرنا"۔ (حجۃ البالغہ ص ١٦)

① اولا: تو جس قدر وہ روایات ہیں جن میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مقولہ "نِعْمَ الْبِدْعَةُ هٰذِهٖ یا نِعْمَتِ الْبِدْعَةُ هٰذِهٖ" ذکر کیا گیا ہے ان میں عدد رکعات کا سرے سے ذکر ہی نہیں جب کہ صحیح اثر سے یہ بات ثابت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابی بن کعب اور تمیم داری رضی اللہ عنہما کو گیارہ رکعات پڑھانے کا حکم دیا اور صحیح اثر سے یہ بھی ثابت ہے کہ لوگ زمانہ عمرؓ میں گیارہ رکعات پڑھتے تھے تیرہ والے اثر سے متعلق علامہ شوق صاحب نیموی فرماتے ہیں کہ ان میں عشاء کے بعد والی دو رکعت شامل ہیں تو جب

صورت حال یہ ہے تو پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مقولہ: ''نِعْمَتِ الْبِدْعَةُ هٰذِهٖ'' کے مفہوم میں بیس رکعات کو شامل کرنا درست نہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس مقولہ کا مفہوم سمجھنے کے لیے اس اثر کے اصل الفاظ ملاحظہ فرمائیں۔

عَنْ عَبْدِالرَّحْمَانِ بْنِ عَبْدِنِ الْقَارِيِّ اَنَّهٗ قَالَ خَرَجْتُ مَعَ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ لَيْلَةً فِيْ رَمَضَانَ اِلَى الْمَسْجِدِ فَاِذَا النَّاسُ اَوْزَاعٌ مُتَفَرِّقُوْنَ يُصَلِّي الرَّجُلُ لِنَفْسِهٖ وَيُصَلِّي الرَّجُلُ فَيُصَلِّيْ بِصَلَاتِهِ الرَّهْطُ فَقَالَ عُمَرُ اِنِّيْ اَرٰى لَوْ جَمَعْتُ هٰٓؤُلَآءِ عَلٰى قَارِئٍ وَاحِدٍ لَكَانَ اَمْثَلَ ثُمَّ عَزَمَ فَجَمَعَهُمْ عَلٰى اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ ثُمَّ خَرَجْتُ مَعَهٗ لَيْلَةً اُخْرٰى وَالنَّاسُ يُصَلُّوْنَ بِصَلَاةِ قَارِئِهِمْ قَالَ نِعْمَ الْبِدْعَةُ هٰذِهٖ وَالَّتِيْ يَنَامُوْنَ عَنْهَا اَفْضَلُ مِنَ الَّتِيْ يَقُوْمُوْنَ يُرِيْدُ اٰخِرَ اللَّيْلِ وَكَانَ النَّاسُ يَقُوْمُوْنَ اَوَّلَهٗ . اھ (صحیح بخاری اور دیگر کتب حدیث)

''عبدالرحمان بن عبد قاری کہتے ہیں کہ ایک رات میں عمر بن خطاب کے ساتھ رمضان میں مسجد کی طرف نکلا تو لوگ گروہوں کی شکل میں جدا جدا نماز پڑھ رہے تھے کوئی اکیلا پڑھ رہا تھا کسی کے ساتھ نماز پڑھتے ہوئے ایک جماعت شریک ہوکر پڑھ رہی تھی تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میرا خیال ہے کہ اگر میں ان سب کو ایک ہی قاری پر جمع کردوں تو زیادہ بہتر ہے پھر آپ نے پختہ ارادہ کرلیا اور انہیں ابی بن کعب پر جمع فرمادیا پھر ایک اور رات میں آپ کے ساتھ نکلا تو لوگ اپنے قاری کی اقتداء میں نماز پڑھ رہے تھے۔ آپ نے فرمایا یہ نئی چیز اچھی ہے اور رات کے جس حصے میں یہ سوئے رہتے ہیں وہ اس حصے سے بہتر ہے جس میں قیام کرتے ہیں مراد پچھلی رات تھی اور لوگ رات کے شروع میں قیام کرتے تھے''۔

(صحیح بخاری ودیگر کتب احادیث)

یہ الفاظ صاف صاف بتلا رہے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس چیز کو "نِعْمَتِ الْبِدْعَةُ هٰذِهِ" سے تعبیر فرمایا جس کو انہوں نے پہلی آمد میں نہیں اور دوسری آمد میں دیکھا اور وہ چیز یہی تھی کہ لوگوں کا ایک قاری کی اقتدا میں قیام رمضان ادا کرنا اس کے علاوہ دوسری چیزیں مثلاً قیام رمضان کا مسجد میں ہونا' اسے عشاء کے بعد رات کے اول حصہ میں ادا کرنا اور رکعات قیام رمضان کی تعداد تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ پہلی آمد میں ہی ملاحظہ فرما چکے تھے مگر انہوں نے پہلی آمد میں "نِعْمَتِ الْبِدْعَةُ هٰذِهِ" جملہ نہیں بولا بلکہ دوسری آمد میں یہ جملہ بولا جس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دوسری آمد میں کوئی نئی چیز نظر آئی جس کا انہوں نے پہلی آمد میں مشاہدہ نہیں فرمایا تھا اور اس نئی چیز کو دیکھنے پر ہی آپ نے "نِعْمَتِ الْبِدْعَةُ هٰذِهِ" جملہ بولا لہٰذا نماز تراویح کی تعداد' نماز تراویح کے مسجد میں ادا کرنے' نماز تراویح کو باجماعت ادا کرنے اور نماز تراویح کو رات کے ابتدائی حصہ میں ادا کرنے کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مقولہ: "نِعْمَ الْبِدْعَةُ هٰذِهِ" کے مفہوم میں شامل کرنا کسی طرح بھی درست نہیں اس کے مفہوم میں تو صرف وہی چیز شامل ہے جس کو اس جملہ کے متکلم حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بذات خود اپنے ان الفاظ میں واضح فرما رہے ہیں: "اِنِّیْ اَرٰی لَوْ جَمَعْتُ هٰؤُلَاءِ عَلٰی قَارِئٍ وَاحِدٍ لَكَانَ اَمْثَلَ" (میرا خیال ہے کہ اگر میں ان سب کو ایک ہی قاری پر جمع کر دوں تو زیادہ بہتر ہے)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے یہ الفاظ پہلی آمد کے موقع پر ہیں آپ کے ان الفاظ کو نقل کرنے کے بعد حضرت عبدالرحمان قاری فرماتے ہیں: "ثُمَّ عَزَمَ فَجَمَعَهُمْ عَلٰی اُبَیِّ بْنِ كَعْبٍ ثُمَّ خَرَجْتُ مَعَهُ لَيْلَةً اُخْرٰی وَالنَّاسُ يُصَلُّوْنَ بِصَلَاةِ قَارِئِهِمْ" (پھر آپ نے پختہ ارادہ کر لیا اور انہیں ابی بن کعب پر جمع فرما دیا پھر ایک اور رات میں آپ کے ساتھ نکلا تو لوگ اپنے قاری کی اقتداء میں نماز پڑھ رہے تھے) تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "نعم البدعة هذه" (یہ اچھی بدعت (نئی چیز) ہے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ مقولہ دوسری آمد کے موقع پر ہے جب انہوں نے دیکھا کہ لوگ ایک ہی قاری کی اقتدا میں نماز تراویح پڑھ

رہے ہیں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسجد میں قائم شدہ جماعت کے ساتھ نماز تراویح نہ پڑھتے تھے اور اس سے کسی شخص کے مدینہ منورہ میں رہنے سے اس کے مسجد نبوی میں باجماعت نماز تراویح ادا کرنے پر استدلال کرنے پر بھی روشنی پڑھتی ہے پھر سبل السلام کی عبارت (جو ہم آئندہ نقل کریں گے ان شاء اللہ) سے "نعم البدعة هذه" کا مفہوم سمجھنے میں کچھ نہ کچھ مدد ملتی ہے لہٰذا اسے بھی ملاحظہ فرمائیں۔

اگر کوئی صاحب فرمائیں کہ کئی آثار میں بیس رکعات کا بھی تو آخر ذکر ہے نا تو ان کی خدمت میں گزارش ہے کہ ان آثار کی تحقیق پہلے گزر چکی ہے اسے ملاحظہ فرمائیں سردست اتنی بات یاد رکھیں کہ ان آثار سے جس ایک اثر میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بیس کا حکم دینے کا ذکر ہے وہ تو بالکل ہی ناقابل اعتبار ہے۔ "کما تقدم" اور جس ایک اثر میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اکیس پر جمع کرنے کا تذکرہ ہے اس میں داؤد بن قیس اکیس کہنے میں محمد بن یوسف کے شاگردوں امام مالک' یحییٰ بن سعید القطان' محمد بن اسحاق اور عبدالعزیز بن محمد کی مخالفت کرتے ہیں اور باقی آثار کا مفاد صرف اس قدر ہے کہ لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں بیس رکعات پڑھتے تھے پھر ان آثار میں یہ نہیں بتایا گیا کہ لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایک قاری پر جمع کرنے سے پہلے بیس پڑھتے یا بعد میں تو ظاہر ہے کہ ان حالات میں بیس کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مقولہ "نعم البدعة هذه" کے مفہوم میں شامل کرنا کیسے درست ہوسکتا ہے؟ جب کہ عالم یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پہلی آمد میں یہ مقولہ نہیں بولا اور معلوم ہے کہ پہلی آمد کے موقع پر بھی لوگوں کی نماز تراویح عدد رکعات پر مشتمل تھی۔

یہ تو ظاہر ہوگیا کہ بیس رکعات کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مقولہ مذکورہ کے مفہوم میں شامل کرنے کی کوئی دلیل نہیں اب یہ بھی یاد رکھئے کہ بیس رکعات حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سنت قرار دینے کی بھی کوئی دلیل نہیں اگر مان بھی لیا جائے کہ کچھ لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں بخلاف امر فاروقی بیس رکعات پڑھتے تھے تو اتنی بات سے بیس کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سنت ہونا ثابت نہیں ہوتا لما تقدم ورنہ لازم آئے گا کہ عہد فاروقی

میں جس قدر جائز کام معرض وجود میں آئے خواہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وہ کام خود نہ بھی کیے ہوں اور نہ ہی ان کے کرنے کا حکم دیا ہو بلکہ ان کے خلاف کا حکم ہی کیوں نہ دیا ہو ان سب کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سنت قرار دیا جائے۔

وَاللَّازِمُ كَمَا تَرَى وَقِسْ عَلٰى هٰذَا عَهْدَىْ عُثْمَانَ وَعَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اِذِ الْقِيَامُ بِعِشْرِيْنَ رَكْعَةً وَالْاَمْرُ بِهٖ لَمْ يَثْبُتَا عَنْهُمَا اَيْضًا .

''اور یہ لازم ایسا ہے جیسا تم دیکھ رہے ہو (یعنی بے بنیاد ہے) اور اسی پر حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے زمانہ کا قیاس کر لیجیے کیونکہ بیس رکعت قیام یا اس کا حکم دونوں چیزیں ان دو بزرگوں سے بھی ثابت نہیں''۔

نیز عہد فاروقی میں رات کے ابتدائی حصہ میں قیام رمضان کی ادائیگی کے بارہ میں علامہ زرقانی کی تحقیق ملاحظہ فرماتے جائیے۔ چنانچہ وہ شرح مؤطا میں لکھتے ہیں:

''(وَكَانَ النَّاسُ يَقُوْمُوْنَ اَوَّلَهٗ) ثُمَّ جَعَلَهٗ عُمَرُ فِيْ اٰخِرِ اللَّيْلِ'' الخ (ج ۱ ص ۲۳۸)

''لوگ رات کے شروع میں قیام کرتے تھے پھر عمرؓ نے اسے رات کے آخر میں بدل دیا''۔

علامہ زرقانی کی اس بات کو صاحب التعلیق الممجد حضرت مولانا عبدالحی لکھنوی حنفی نے نقل فرما کر سکوت اختیار کیا ہے تو اب قابل غور چیز یہ ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قیام رمضان کو اول اللیل سے بدلا کر آخر اللیل میں کر دیا تو پھر اسے (عشاء کے بعد رات کے اول حصہ میں اس نماز کی ادائیگی کو) ان کے مقولہ ''نعم البدعة هذه'' کے مفہوم مین کیسے داخل کیا جا سکتا ہے؟ نیز جملہ ''نعم البدعة هذه'' کے بارہ میں علامہ زرقانی کی تشریح سنئے وہ فرماتے ہیں:

''وَهٰذَا (اَىْ قَوْلُهٗ نِعْمَتِ الْبِدْعَةُ هٰذِهٖ) تَصْرِيْحٌ مِنْهُ بِاَنَّهٗ (اَىْ تَصْرِيْحٌ مِنْ عُمَرَ بِاَنَّهٗ) اَوَّلُ مَنْ جَمَعَ النَّاسَ فِيْ قِيَامِ رَمَضَانَ عَلٰى اِمَامٍ وَاحِدٍ لِاَنَّ الْبِدْعَةَ مَا ابْتَدَاَ بِفِعْلِهَا الْمُبْتَدِعُ وَلَمْ يَتَقَدَّمْهُ غَيْرُهٗ فَابْتَدَعَهٗ عُمَرُ اِلٰى قَوْلِهٖ فَسَمَّاهَا بِدْعَةً لِاَنَّهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَسُنَّ

الْاِجْتِمَاعَ لَهَا وَلَا كَانَتْ فِيْ زَمَانِ الصِّدِّيْقِ".

''اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فرمان کہ یہ اچھی بدعت (نئی چیز) ہے آپ کی طرف سے اس بات کی تصریح ہے کہ آپ (عمرؓ) پہلے آدمی ہیں جنہوں نے لوگوں کو قیام رمضان میں ایک امام پر جمع کردیا کیونکہ بدعت (نئی چیز) وہ ہے جسے اس سے پہلے کسی نے نہ کیا ہو اور مبتدع اس کا آغاز کرے۔ چنانچہ عمر نے اس کی ابتداء کی۔ الی قولہ۔ پس اس کا نام بدعت رکھا کیونکہ نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لیے اجتماع کا طریقہ مقرر فرمایا اور نہ ہی صدیقؓ کے زمانہ میں تھی''۔

(حوالہ مذکور ہو چکا ہے) دیکھئے علامہ زرقانی نے نہ تو بیس رکعات کو بدعت کے مفہوم میں شامل کیا ہے اور نہ ہی عشاء کے بعد رات کے اول حصہ میں اس نماز کی ادائیگی کو۔

② وثانیا: حجۃ اللہ کی جو عبارت صاحب رسالہ نے نقل فرمائی ہے اس میں نہ تو ذکر ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نام کا' نہ ان کے ایام کا' نہ ان کے ایام کے کام کا اور نہ ہی ان کے کلام ''نعم البدعة هذه'' کا اس عبارت میں تو صرف اتنی بات کہی گئی ہے کہ صحابہ نے قیام رمضان میں تین چیزوں کا اضافہ کیا الخ رہی یہ بات کہ قیام رمضان میں ان تین چیزوں کا اضافہ کرنے والے کون کون سے صحابہ تھے' یہ اضافہ انہوں نے کس دور میں کیا خلفاء اربعہ کے زمانے ختم ہونے کے بعد یا ان میں سے کسی ایک کے زمانہ میں پھر انہوں نے ان تین چیزوں کا اضافہ یکمشت کیا یا یکے بعد دیگرے حجۃ اللہ کی منقولہ بالا عبارت میں ان تینوں باتوں سے کسی ایک بات کا بھی بیان نہیں ہوا تو پھر اس عبارت کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مذکورہ بالا بات ''نعم البدعة هذه'' کے مفہوم میں بیس رکعات وغیرہ کے داخل ہونیکی دلیل کیسے بنایا جاسکتا ہے؟ جب کہ حجۃ اللہ کی محولہ بالا عبارت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مقولہ ''نعم البدعة هذه'' کا

مفہوم بیان کرنے کے سیاق میں وارد ہی نہیں۔

''كَمَا لَا يَخْفٰى عَلٰى اَهْلِ الْعِلْمِ''.

''جیسا کہ اہل علم سے پوشیدہ نہیں''۔

③ وثالثا: صاحب رسالہ فرماتے ہیں:

''نیز علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ اپنے رسالہ المصابیح میں اسی مفہوم کی طرف اشارہ کرتے ہیں''۔ (ص ۱۶)

حضرت المؤلف کی خدمت میں درخواست ہے کہ علامہ سیوطی کی وہ عبارت پیش فرمائیں جس میں انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مقولہ **''نعم البدعة هذه''** کے مفہوم میں بیس رکعات اور اس نماز کی رات کے ابتدائی حصہ میں ادائیگی کے شامل ہونے کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

④ ورابعا: صرف علامہ قسطلانی کی عبارت (جو واقع کے بھی خلاف ہے) دیکھ کر اس میں بیان کردہ چیز کو محدثین کی طرف منسوب کرنا درست نہیں۔

اس لیے مصنف صاحب کا فرض ہے کہ وہ محدثین کے وہ اقوال پیش فرمائیں جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مقولہ میں لفظ بدعت کے تین باتوں پر مشتمل ہونے پر دلالت بھی کرتے ہوں ورنہ اپنے دعویٰ ''محدثین کے نزدیک یہ بدعت کا لفظ تین باتوں پر مشتمل ہے'' پر نظر ثانی فرمائیں۔

⑤ مدینہ منورہ کا تعامل:

حضرت المؤلف لکھتے ہیں:

''مدینہ منورہ کا تعامل تو گزشتہ روایات نے صاف بیان کر دیا الخ''۔ (ص ۱۶)

سابقہ روایات میں جو کچھ بیان ہوا اس پر نیز خود ان روایات پر کلام گزر چکا ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ بیس رکعات نماز تراویح کو خلفاء راشدین اربعہ میں سے کسی خلیفہ راشد کی سنت قرار دینا کسی ایک دلیل سے بھی ثابت نہیں اور نہ ہی بیس رکعات

نمازِ تراویح نبی کریم ﷺ کی سنت ہے البتہ گیارہ اور تیرہ رکعات آنحضرت ﷺ سے ثابت ہیں' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی گیارہ رکعات پڑھانے کا حکم دیا تھا اور لوگ بھی ان کے دور میں گیارہ اور تیرہ رکعات پڑھتے تھے تو گیارہ اور تیرہ رکعات نمازِ تراویح اہل مدینہ منورہ کے بیس اکتالیس وغیرہ تعاملوں سے افضل اور اقدم تعامل ہے کیونکہ اسے سنت نبویہ ہونے کا شرف حاصل ہے نیز گیارہ رکعات پر امر فاروقی اور عمل در عہد نبوی وعہد فاروقی کی مہر ثبت ہے۔

⑥ کوفہ کا تعامل:

حضرت المؤلف شہر کوفہ کی تاریخی حیثیت اجاگر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''اس تاریخی حیثیت سے حضرت عبداللہ بن مسعود کا طرزِ عمل پہلے پیش کیا جاتا ہے اس کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا طرزِ عمل بھی بیان کیا جائے گا۔

مُحَمَّدُ بْنُ نَصْرٍ اَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيٰى اَخْبَرَنَا حَفْصُ بْنُ غِيَاثٍ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ زَيْدَ بْنِ وَهْبٍ كَانَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ مَسْعُوْدٍ يُصَلِّيْ بِنَا فِيْ شَهْرِ رَمَضَانَ قَالَ الْاَعْمَشُ كَانَ يُصَلِّيْ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً". (ص ۱۷)

''(محمد بن نصر نے روایت کیا کہ ہمیں یحییٰ بن یحییٰ نے خبر دی کہ ہمیں حفص بن غیاث نے اعمش سے خبر دی انہوں نے زید بن وہب سے روایت کیا کہ ہمیں عبداللہ بن مسعود ماہ رمضان میں نماز پڑھایا کرتے تھے۔ اعمش کہتے ہیں کہ وہ (عبداللہ) بیس رکعت پڑھاتے تھے)''۔

① اولا: تو اس اثر کی سند میں حفص بن غیاث اور اعمش دو راوی ہیں۔ حفص بن غیاث سے متعلق تقریب میں ہے: **"ثِقَةٌ فَقِيْهٌ تَغَيَّرَ حِفْظُهٗ قَلِيْلًا فِي الْآخِرِ"** (ثقہ فقیہ ہے۔ آخر میں اس کا حافظہ تھوڑا سا متغیر ہو گیا تھا) اور اعمش کی بابت تقریب ہی میں تحریر ہے: **"ثِقَةٌ حَافِظٌ عَارِفٌ بِالْقِرَاءَةِ وَرِعٌ لٰكِنَّهٗ يُدَلِّسُ"** (ثقہ حافظ ہے قراءت کا عالم ہے پرہیز آدمی ہے مگر تدلیس کرتا ہے) مدلس راوی

کے بارے میں اصول حدیث کا قاعدہ ہے کہ جب وہ لفظ عن یا کسی ایسے صیغہ کے ساتھ روایت کرے جو سماع میں نص نہ ہو تو پھر اس کی روایت حجت نہیں ہوتی اور اس مقام پر حضرت اعمش اس اثر کو لفظ عن کے ساتھ روایت کرتے ہیں تو اصول حدیث ''جس کو پیش نظر رکھنا ہر ذی علم پر لازم ہے'' کی رو سے یہ اثر قابل احتجاج واستدلال نہیں۔

② حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بارے میں ''كَانَ يُصَلِّيْ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً'' (وہ بیس رکعات پڑھتے تھے) اعمش کا بیان ہے جن کا سنہ ولادت اکسٹھ ہجری ہے صاحب تقریب فرماتے ہیں:

''وَكَانَ مَوْلِدُهٗ اَوَّلَ اِحْدٰى وَسِتِّيْنَ سَنَةً'' (اس کی پیدائش ۶۱ھ اکسٹھ ہجری کے شروع میں ہوئی) اور بعض مؤرخین نے ان کا سنہ ولادت انسٹھ ہجری بتایا ہے جب کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا سنہ وفات بتیس یا تنتیس ہجری ہے حافظ ابن حجر تقریب میں لکھتے ہیں:

''وَمَاتَ سَنَةَ اثْنَتَيْنِ وَثَلَاثِيْنَ اَوْ فِي الَّتِيْ بَعْدَهَا بِالْمَدِيْنَةِ''.

''(آپ ۳۲ھ میں یا اس سے آئندہ سال مدینہ میں فوت ہوئے)''۔

تو حضرت اعمش حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی وفات سے کوئی ستائیس اٹھائیس بعد برس پیدا ہوئے تو ان کا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے متعلق قول ''كان يصلي عشرين ركعة'' کس طرح قابل قبول ہو سکتا ہے؟ جب کہ عالم یہ ہے کہ حضرت اعمش مدلس بھی ہیں رہا مرسل کا حجت ہونا تو اس پر کلام پہلے گزر چکا ہے اسے ملاحظہ فرمائیں تو صاحب رسالہ کے ذکر کردہ اس اثر سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیس رکعات پڑھنا پڑھانا ثابت نہیں ہوتا کیونکہ نہ اثر اصول حدیث کے اعتبار سے قابل احتجاج ہی نہیں اور ''اصول حدیث کو پیش نظر رکھنا ہر ذی علم پر لازم ہے'' تو صاحب رسالہ کا بیان ''اس اثر سے یہ بات صاف ظاہر ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود اسی تعامل پر کاربند

تھے جو انہوں نے مدینہ منورہ میں رائج پایا تھا''۔ محل نظر ہے کیونکہ اس اثر سے نہ تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیس رکعات پڑھانا ثابت ہوتا ہے اور نہ ہی ان کا بیس رکعات کو مدینہ منورہ میں رائج پانا۔

حضرت المؤلف تحریر فرماتے ہیں:

''اعمش (راوی اثر) کے بیان کی پر زور تائید اس سے ہوتی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود کے اصحاب خاص خصوصاً شتیر بن شکل اور سوید بن غفلہ لوگوں کو (کوفہ میں) بیس رکعت تراویح پڑھایا کرتے تھے جن کا ذکر آ رہا ہے''۔ (ص ۱۸)

① اولا: تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے اصحاب کے اہل کوفہ کو بیس رکعات تراویح پڑھانے کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ شتیر بن شکل اور سوید بن غفلہ کے آثار تو ان پر کلام اس مقام پر ہوگا جس مقام پر حضرت المؤلف ان کو بیان فرمائیں گے ان شاء اللہ تعالیٰ۔

② وثانیا: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے اصحاب خاص کے بیس رکعات تراویح پڑھنے پڑھانے سے لازم نہیں آتا کہ خود حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیس پڑھتے ہوں یا انہوں نے اپنے اصحاب خاص کو بیس پڑھنے پڑھانے کی تلقین کی اور ترغیب دی ہو کیونکہ واقع شاہد صدق ہے کہ شیخ اور شیخ کے اصحاب خاص کے عقائد' اعمال اور اقوال میں بیشتر اوقات اختلاف پایا جاتا ہے دور نہ جایئے صرف حضرت الامام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے اصحاب خاص امام ابو یوسف' امام محمد اور امام زفر رحمہم اللہ کے عقائد' اعمال اور اقوال کا مطالعہ فرما لیجیے جا بجا آپ کو حضرت الامام اور آپ کے اصحاب خاص کے مابین اختلاف ملے گا تو اصحاب حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بیس پڑھنے پڑھانے سے حضرت اعمش کے بیان واثر کی تو نری تائید بھی نہیں ہوتی پر زور تائید تو بعد کی بات ہے۔

صاحب رسالہ فرماتے ہیں:

''یاد رہے کہ یہ دونوں بزرگ عہد نبوی میں مسلمان ہوئے تھے مگر آنحضرت ﷺ کی زیارت سے مشرف نہ ہو سکے ان کے تعامل سے سابقہ روایات کی مزید تائید ہوتی ہے اس لیے کہ وہ عہد فاروقی سے بھی خوب واقف تھے جس کے آغاز سے یہ سنت جاری ہوئی تھی''۔ (ص ۱۸)

① اولا: ان دونوں بزرگوں کے تعامل (بشرط ثبوتہ وسیاتی مافیہ ان شاء اللہ تعالیٰ) سے سابقہ روایات کی تائید نہیں ہوتی کیونکہ ایک یا دو بزرگ جس قدر نفلی عبادت کرتے ہوں ضروری نہیں کہ ان کے دور وزمانہ کے سب یا اکثر لوگ اتنی ہی نفلی عبادت کرتے ہوں بلکہ دوسروں کا ان سے کم وبیش عبادت کرنا بھی وقوع پذیر ہے پھر ان کے عہد فاروقی سے خوب واقف ہونے سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ وہ جتنے بھی نوافل پڑھیں اتنے نوافل عہد فاروقی میں بھی پڑھے پڑھائے جاتے ہوں تو ان دو بزرگوں کے تعامل بیس رکعات (بشرط ثبوتہ) سے سابقہ روایات کی تائید بالکل نہیں ہوتی مزید تحقیق کے لیے کسی عالم کے کسی روایت واثر کے موافق یا مخالف عمل کرنے یا فتویٰ دینے پر ماہرین اصول کی تحریر کردہ مباحث کا مطالعہ فرمائیں۔ ہاں اگر ان دو بزرگوں میں سے کسی بزرک کا کوئی ایک بیان بھی ہے کہ:

''عہد فاروقی میں بیس رکعات پڑھی جاتی تھیں یا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیس رکعات پڑھیں یا انہوں نے کسی کو بیس رکعات پڑھنے پڑھانے کا حکم دیا یا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیس رکعات پڑھتے یا انہوں نے اپنے اصحاب خاص یا اصحاب عام میں سے کسی کو بیس پڑھنے پڑھانے کا حکم دیا''۔ تو وہ بیان نقل فرمائیں۔

② وثانیا: صاحب رسالہ نے اپنے مذکورہ بالا بیان میں بیس رکعات کو سنت قرار دیا

ہے حالانکہ بیس رکعات نماز تراویح سنت نہیں نہ تو نبی کریم ﷺ کی اور نہ ہی خلفا راشدین اربعہ میں سے کسی خلیفہ راشد کی تفصیل گزر چکی ہے۔

7 عہد علوی سے متعلق آثار:

حضرت المؤلف لکھتے ہیں:

"عَنْ اَبِیْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ السُّلَمِیِّ عَنْ عَلِیٍّ قَالَ دَعَا الْقُرَّآءَ فِیْ رَمَضَانَ فَاَمَرَ مِنْهُمْ رَجُلًا اَنْ یُصَلِّیَ بِالنَّاسِ عِشْرِیْنَ رَكْعَةً قَالَ وَكَانَ عَلِیٌّ یُوْتِرُ بِهِمْ". (ص ۱۸)

"(ابوعبدالرحمٰن سلمی سے روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رمضان میں قاریوں کو بلایا اور ان میں سے ایک شخص کو حکم دیا کہ لوگوں کو بیس رکعات نماز پڑھائے سلمی نے کہا کہ حضرت علی انہیں وتر پڑھایا کرتے تھے"۔ (ص ۱۸)

صاحب رسالہ نے آثار السنن اور اس کی تعلیق کے جابجا حوالے دیئے ہیں اور آثار السنن کی تعلیق میں لکھا ہے:

"وَمِنْهَا مَا اَخْرَجَهُ الْبَیْهَقِیُّ فِیْ سُنَنِهٖ اَخْبَرَنَا اَبُوالْحُسَیْنِ بْنُ الْفَضْلِ الْقَطَّانُ بِبَغْدَادَ اَنَا مُحَمَّدُ بْنُ اَحْمَدَ بْنِ عِیْسٰی بْنِ عَبْدَكَ الرَّازِیُّ ثَنَا اَبُوْعَامِرٍ عُمَرُ بْنُ تَمِیْمٍ ثَنَا اَحْمَدُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ یُوْنُسَ ثَنَا حَمَّادُ بْنُ شُعَیْبٍ عَنْ عَطَاءِ بْنِ السَّائِبِ عَنْ اَبِیْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ السُّلَمِیِّ الخ قُلْتُ: حَمَّادُ بْنُ شُعَیْبٍ ضَعِیْفٌ قَالَ الذَّهَبِیُّ فِی الْمِیْزَانِ ضَعَّفَهُ ابْنُ مَعِیْنٍ وَغَیْرُهٗ وَقَالَ یَحْیٰی مَرَّةً: لَا یُكْتَبُ حَدِیْثُهٗ وَقَالَ الْبُخَارِیُّ: فِیْهِ نَظَرٌ. وَقَالَ النَّسَائِیُّ: ضَعِیْفٌ. وَقَالَ ابْنُ عَدِیٍّ: اَكْثَرُ حَدِیْثِهٖ مِمَّا لَا یُتَابَعُ عَلَیْهِ. اھ (ص ۲۰۷)

"اور ان روایات سے ایک وہ ہے جو بیہقی نے اپنی سنن میں نقل کی ہے کہ ہمیں ابوالحسین بن القطان نے بغداد میں بیان کیا کہ ہمیں محمد بن احمد بن

عیسی بن عبدک رازی نے خبر دی کہ ہمیں ابو عامر عمر بن تمیم نے بیان کیا کہ ہمیں احمد بن عبداللہ بن یونس نے بیان کیا کہ ہمیں حماد بن شعیب نے عطاء بن سائب سے بیان کیا کہ انہوں نے ابی عبدالرحمٰن سلمی سے روایت کیا الخ میں کہتا ہوں حماد ابن شعیب ضعیف ہے۔ ذہبی نے میزان میں فرمایا کہ اسے ابن معین وغیرہ نے ضعیف قرار دیا اور ایک مرتبہ یحییٰ نے کہا کہ اس کی حدیث نہ لکھی جائے اور بخاری نے کہا کہ اس میں نظر ہے اور نسائی نے کہا ضعیف ہے اور ابن عدی نے کہا کہ اس کی اکثر حدیثیں ایسی ہیں کہ کوئی ان کی متابعت نہیں کرتا۔ (ص ۲۰۷) (آثار السنن کی تعلیق ختم ہوئی)

① اَقُوْلُ اَوَّلًا: اِنَّ قَوْلَهٗ: اَخْبَرَنَا اَبُو الْحُسَيْنِ الخ فِيْهِ اِنَّ فِی السُّنَنِ الْكُبْرٰی اَخْبَرَنَا اَبُو الْحَسَنِ . الخ.

② وَثَانِيًا: اِنَّ قَوْلَهٗ: اَنَا مُحَمَّدُ بْنُ اَحْمَدَ الخ فِيْهِ اِنَّ فِی الْاَصْلِ اَنْبَا مُحَمَّدُ بْنُ اَحْمَدَ الخ.

③ وَثَالِثًا: اِنَّ قَوْلَهٗ: ثَنَا اَبُوْعَامِرٍ عُمَرُ بْنُ تَمِيْمٍ الخ فِيْهِ اِنَّ فِیْ كِتَابِ الْبَيْهَقِيِّ ثَنَا اَبُوْعَامِرٍ عَمْرُو بْنُ تَمِيْمٍ الخ وَظَنِّیْ الْغَالِبُ اَنَّ كُلَّ هٰذِهٖ مِنَ النَّاسِخِ لَا مِنْ صَاحِبِ التَّعْلِيْقِ نَفْسِهٖ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی .

④ وَرَابِعًا: اِنَّكَ قَدْ عَلِمْتَ مِنْ كَلَامِ صَاحِبِ التَّعْلِيْقِ اَنَّ حَمَّادَ ابْنَ شُعَيْبٍ قَدْ قَالَ فِيْهِ الْبُخَارِیُّ: فِيْهِ نَظَرٌ: وَقَالَ صَاحِبُ تُحْفَةِ الْاَحْوَذِیْ: قَالَ الشَّيْخُ ابْنُ الْهَمَّامِ فِی التَّحْرِيْرِ: اِذَا قَالَ الْبُخَارِیُّ لِلرَّجُلِ: فِيْهِ نَظَرٌ. فَحَدِيْثُهٗ لَا يُحْتَجُّ بِهٖ وَلَا يُسْتَشْهَدُ بِهٖ وَلَا يَصْلُحُ لِلْاِعْتِبَارِ. اھ فَقَدْ تَبَيَّنَ لَكَ اَنَّ اَثَرَ اَبِیْ عَبْدِالرَّحْمَانِ السُّلَمِيِّ الْمَذْكُوْرِ لَا يُحْتَجُّ بِهٖ وَلَا يُسْتَشْهَدُ بِهٖ وَلَا يَصْلُحُ هُوَ لِلْاِعْتِبَارِ لِاَنَّ فِیْ سَنَدِهٖ حَمَّادُ بْنُ شُعَيْبٍ وَقَدْ قَالَ فِيْهِ الْبُخَارِیُّ: فِيْهِ نَظَرٌ. وَاِذَا

قَالَ الْبُخَارِیُّ فِیْ رَجُلٍ: فِیْهِ نَظَرٌ. فَحَدِیْثُهٗ لَا یُحْتَجُّ بِهِ الخ.

① ''میں کہتا ہوں اولا: اس کے قول اخبرنا ابوالحسین میں قابل غور یہ بات ہے کہ سنن کبری میں ہے ''اخبرنا ابوالحسن''۔

② ثانیا: اس کے قول ''انا محمد بن احمد'' میں یہ نظر ہے کہ اصل کتاب میں ہے ''انباء محمد بن احمد''۔

③ ثالثا: اس کے قول ''ثنا ابو عامر عمر بن تمیم'' میں سوچنے کی بات یہ ہے کہ بیہقی کی کتاب میں ''ثنا ابو عامر عمرو بن تمیم'' میرا ظن غالب یہ ہے کہ یہ سب ناسخ کا کام ہے خود صاحب تعلیق کا نہیں۔

④ رابعا: صاحب تعلیق کے کلام سے تمہیں معلوم ہو چکا ہے کہ حماد بن شعیب کے متعلق بخاری نے فرمایا ہے کہ اس میں نظر ہے صاحب تحفۃ الاحوذی نے نقل فرمایا ہے کہ شیخ ابن ہمام نے التحریر میں فرمایا ہے کہ ''بخاری جب کسی شخص کے متعلق فرمائیں کہ اس میں نظر ہے تو اس کی حدیث سے احتجاج نہیں کیا جاسکتا نہ اس سے استشہاد ہوسکتا ہے نہ ہی وہ اعتبار کے لائق ہوتی ہے''۔ چنانچہ واضح ہوگیا کہ ابوعبدالرحمان سلمی کے مذکور اثر سے نہ احتجاج ہوسکتا ہے نہ استشہاد اور نہ ہی وہ اعتبار کے قابل ہے کیونکہ اس کی سند میں حماد بن شعیب ہے اور بخاری نے اس کے متعلق فرمایا ہے کہ اس میں نظر ہے اور جب بخاری کسی کے بارے میں فرمائیں کہ اس میں نظر ہے تو اس کی حدیث سے احتجاج نہیں ہوسکتا الخ''۔

حضرت المؤلف فرماتے ہیں:

''عَنْ اَبِی الْحَسْنَاءِ اَنَّ عَلِیًّا اَمَرَ رَجُلًا اَنْ یُّصَلِّیَ بِهِمْ عِشْرِیْنَ رَکْعَةً''. (ص ۱۸)

''(ابوالحسناء سے روایت ہے کہ حضرت علیؓ نے ایک آدمی کو حکم دیا کہ انہیں

بیس رکعات نماز پڑھائے)''۔

سنن کبریٰ بیہقی کے الفاظ یہ ہیں:

عَنْ اَبِی الْحَسْنَاءِ اَنَّ عَلِیَّ بْنَ اَبِیْ طَالِبٍ اَمَرَ رَجُلًا اَنْ یُّصَلِّیَ بِالنَّاسِ خَمْسَ تَرْوِیْحَاتٍ عِشْرِیْنَ رَکْعَۃً وَفِیْ ھٰذَا الْاِسْنَادِ ضُعْفٌ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ. اھ (ج۲ص۴۹۷)

''(ابوالحسناء سے روایت ہے کہ علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب نے ایک آدمی کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو پانچ ترویحات بیس رکعات پڑھائے اور اس سند میں ضعف ہے واللہ اعلم''۔ (ج۲ص۴۹۷)

تو امام بیہقی نے خود ہی فیصلہ فرما دیا کہ اس اسناد میں ضعف ہے۔ صاحب آثار السنن اس اثر کو باسند نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''قَالَ الْعَلَّامَۃُ ابْنُ التُّرْکُمَانِیِّ فِی الْجَوْھَرِ النَّقِیِّ: اَلْاَظْھَرُ اَنَّ ضُعْفَہٗ مِنْ جِھَۃِ اَبِیْ سَعْدٍ سَعِیْدِ بْنِ الْمَرْزُبَانِ الْبَقَّالِ فَاِنَّہٗ مُتَکَلَّمٌ فِیْہِ فَاِنْ کَانَ کَذَالِکَ فَقَدْ تَابَعَہٗ عَلَیْہِ غَیْرُہٗ قَالَ ابْنُ اَبِیْ شَیْبَۃَ فِی الْمُصَنَّفِ: ثَنَا وَکِیْعٌ عَنِ الْحَسَنِ بْنِ صَالِحٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ قَیْسٍ عَنْ اَبِی الْحَسْنَاءِ اَنَّ عَلِیًّا اَمَرَ رَجُلًا اَنْ یُّصَلِّیَ بِھِمْ فِیْ رَمَضَانَ عِشْرِیْنَ رَکْعَۃً وَعَمْرُو بْنُ قَیْسٍ اَظُنُّہُ الْمُلَائِیُّ وَثَّقَہٗ اَحْمَدُ وَیَحْیٰی وَاَبُوْحَاتِمٍ وَاَبُوْزُرْعَۃَ وَغَیْرُھُمْ وَاَخْرَجَ لَہٗ مُسْلِمٌ اِنْتَھٰی کَلَامُہٗ قُلْتُ: مَدَارُ ھٰذَا الْاَثَرِ عَلٰی اَبِی الْحَسْنَاءِ وَھُوَ لَا یُعْرَفُ'' اھ (ص۲۰۷)

''علامہ ابن الترکمانی نے الجوہر النقی میں فرمایا کہ ''زیادہ تر یہی ظاہر ہے کہ اس کا ضعف ابوسعد سعید بن مرزبان بقال کی وجہ سے ہے کیونکہ اس میں کلام کیا گیا ہے اگر یہی وجہ ہے تو اس حدیث میں اس کی دوسروں نے متابعت کی ہے۔ ابن ابی شیبہ نے المصنف میں فرمایا کہ ہمیں وکیع نے حسن

بن صالح سے بیان کیا انہوں نے عمرو بن قیس سے انہوں نے ابوالحسناء سے کہ حضرت علیؓ نے ایک آدمی کو حکم دیا کہ انہیں رمضان میں بیس رکعت نماز پڑھائے۔ عمرو بن قیس کے متعلق میرا گمان ہے کہ وہ الملائی ہے اسے احمد' یحییٰ ابو حاتم اور ابو زرعہ وغیرہ نے ثقہ قرار دیا اور مسلم نے اس کی حدیث روایت کی ہے ابن ترکمانی کا کلام ختم ہو گیا۔ میں کہتا ہوں اس اثر کا مدار ابوالحسناء پر ہے اور وہ معروف نہیں (مجہول ہے) صاحب تعلیق کا کلام ختم ہوا''۔ (ص ۲۰۷)

ابوالحسناء سے متعلق صاحب تقریب فرماتے ہیں:

''قِيلَ اسْمُهُ الْحَسَنُ وَقِيلَ الْحُسَيْنُ مَجْهُولٌ مِنَ السَّابِعَةِ''.

''بعض نے کہا کہ اس کا نام حسن ہے بعض نے حسین۔ مجہول ہے ساتویں طبقہ سے ہے''۔

اور حافظ ذہبی میزان میں لکھتے ہیں:

''حَدَّثَ عَنْهُ شَرِيكٌ لَا يُعْرَفُ لَهُ عَنِ الْحَكَمِ بْنِ عُتَيْبَةَ''.

''شریک نے اس سے حدیث بیان کی حکم بن عتیبہ سے اس کی روایت معروف نہیں ہے''۔

تو حافظ ذہبی حافظ ابن حجر اور صاحب آثار السنن علامہ نیموی نے ابوالحسناء کو ''لا یعرف'' اور مجہول قرار دیا ہے مگر حضرت المؤلف فرماتے ہیں:

''بعض اہل علم نے ابوالحسناء کو مجہول قرار دے کر اس روایت کو درجہ مقبولیت سے گرا دیا ہے لیکن یہ درست نہیں اس لیے کہ دو شخصوں کی روایت کے بعد کوئی راوی مجہول نہیں رہ سکتا لہٰذا جب ابوالحسناء سے ابوسعد بقال اور عمرو بن قیس دو شخص (اور شریک سمیت تین شخص) روایت کرتے ہیں تو وہ مجہول کہاں ہوا اس کو مستور کہیے اور مستور کی روایت ایک جماعت کے

نزدیک بغیر کسی قید کے مقبول ہے اور جمہور کے نزدیک اس کا کوئی مؤید ہو تو مقبول ہے اور اس کا مؤید ابوعبدالرحمٰن سلمی موجود ہے جن کی روایت پہلے گزر چکی اور تیسری روایت جو درج ذیل ہے وہ بھی مؤید ہے بہرحال یہ تینوں روایات مجموعی حیثیت سے ایسی قوی دلیل ہے جس میں کلام کی کوئی گنجائش ہی نہیں رہ گئی''۔ (ص۱۸،ص۱۹)

① اولا: تو اصول حدیث کی داخل نصاب مشہور کتاب شرح نخبہ میں لکھا ہے:

''فَإِنْ سُمِّيَ الرَّاوِيُ وَانْفَرَدَ رَاوٍ وَاحِدٌ بِالرِّوَايَةِ عَنْهُ فَهُوَ مَجْهُوْلُ الْعَيْنِ كَالْمُبْهَمِ إِلَّا أَنْ يُوَثِّقَهُ غَيْرُ مَنِ انْفَرَدَ عَنْهُ عَلَى الْأَصَحِّ وَكَذَا مَنِ انْفَرَدَ عَنْهُ إِذَا كَانَ مُتَأَهِّلًا لِذَالِكَ وَإِنْ رَوٰى عَنْهُ اثْنَانِ فَصَاعِدًا وَلَمْ يُوَثَّقْ فَهُوَ مَجْهُوْلُ الْحَالِ وَهُوَ الْمَسْتُوْرُ وَقَدْ قَبِلَ رِوَايَتَهُ جَمَاعَةٌ بِغَيْرِ قَيْدٍ وَرَدَّهَا الْجُمْهُوْرُ وَالتَّحْقِيْقُ أَنَّ رِوَايَةَ الْمَسْتُوْرِ وَنَحْوِهِ مِمَّا فِيْهِ الْإِحْتِمَالُ لَا يُطْلَقُ الْقَوْلُ بِرَدِّهَا وَلَا بِقُبُوْلِهَا بَلْ هِيَ مَوْقُوْفَةٌ إِلَى اسْتِبَانَةِ حَالِهِ كَمَا جَزَمَ بِهِ إِمَامُ الْحَرَمَيْنِ وَنَحْوُهُ قَوْلُ ابْنِ الصَّلَاحِ فِيْمَنْ جُرِحَ بِجُرْحٍ غَيْرِ مُفَسَّرٍ''. اھ (ص۷۶)

''پھر اگر راوی کا نام لیا جائے اور اس سے روایت میں ایک راوی اکیلا ہو تو وہ مجہول العین ہے جس طرح مبہم الا یہ کہ اس اکیلے راوی کے علاوہ کوئی اور اسے ثقہ قرار دے۔ زیادہ صحیح مذہب یہی ہے اسی طرح اگر وہ اکیلا راوی جو اس سے روایت کر رہا ہے اسے ثقہ قرار دے جب وہ اس کی اہلیت رکھتا ہو اور اگر اس سے دو یا دو سے زیادہ راوی روایت کریں اور کسی نے اسے ثقہ قرار نہ دیا ہو تو وہ مجہول الحال ہے اور یہی مستور ہے اور اس کی روایت ایک جماعت نے بلا قید قبول کی ہے اور جمہور اسے رد کرتے ہیں اور تحقیق یہ ہے کہ مستور اور اس جیسے شخص کی روایت میں احتمال ہوتا ہے نہ اسے مطلقاً قبول

کرنے کی بات کہی جا سکتی ہے نہ رد کرنے کی بلکہ وہ اس کا اصل حال ظاہر ہونے تک موقوف رہے گی جیسا کہ امام الحرمین نے جزم سے فرمایا ہے اور ابن صلاح کا قول بھی ایسے راوی کے متعلق یہی ہے جس پر جرح غیر مفسر کی گئی ہو"۔ اھ (ص ۷٦)

اور امام نووی لکھتے ہیں:

ثُمَّ الْمَجْهُوْلُ اَقْسَامٌ مَجْهُوْلُ الْعَدَالَةِ ظَاهِرًا وَّبَاطِنًا وَمَجْهُوْلُهَا بَاطِنًا مَعَ وُجُوْدِهَا ظَاهِرًا وَهُوَ الْمَسْتُوْرُ وَالْمَجْهُوْلُ الْعَيْنِ فَاَمَّا الْاَوَّلُ فَالْجُمْهُوْرُ عَلٰى اَنَّهٗ لَا يُحْتَجُّ بِهٖ وَاَمَّا الْآخَرَانِ فَاحْتَجَّ بِهِمَا كَثِيْرُوْنَ مِنَ الْمُحَقِّقِيْنَ". اھ (مقدمہ امام النووی علی شرحہ لمسلم ص ۱۷)

"پھر مجہول کی کئی اقسام ہیں: (۱) جو ظاہراً و باطناً مجہول العدالۃ ہو۔ (۲) جو باطناً مجہول العدالۃ ہو لیکن ظاہر اس کی عدالت موجود ہو اور یہی مستور ہے۔ (۳) مجہول العین۔ پہلی قسم کے متعلق جمہور کا مسلک یہ ہے کہ اس سے احتجاج نہیں ہو سکتا رہ گئیں آخری دو قسمیں تو ان کے ساتھ بہت سے محققین نے دلیل پکڑی ہے۔ اھ

اور حافظ ابن صلاح فرماتے ہیں:

"اَلثَّامِنَةُ فِيْ رِوَايَةِ الْمَجْهُوْلِ وَهُوَ غَرَضُنَا هٰهُنَا اَقْسَامٌ اَحَدُهَا الْمَجْهُوْلُ الْعَدَالَةِ مِنْ حَيْثُ الظَّاهِرِ وَالْبَاطِنِ جَمِيْعًا وَرِوَايَتُهٗ غَيْرُ مَقْبُوْلَةٍ عِنْدَ الْجَمَاهِيْرِ عَلٰى مَا نَبَّهْنَا عَلَيْهِ اَوَّلًا: اَلثَّانِي الْمَجْهُوْلُ الَّذِيْ جُهِلَتْ عَدَالَتُهُ الْبَاطِنَةُ وَهُوَ عَدْلٌ فِي الظَّاهِرِ وَهُوَ الْمَسْتُوْرُ فَهٰذَا الْمَجْهُوْلُ يُحْتَجُّ بِرِوَايَتِهٖ بَعْضُ مَنْ رَدَّ رِوَايَةَ الْاَوَّلِ. اَلثَّالِثُ الْمَجْهُوْلُ الْعَيْنِ وَقَدْ يَقْبَلُ رِوَايَةَ الْمَجْهُوْلِ الْعَدَالَةِ مَنْ لَا يَقْبَلُ رِوَايَةَ الْمَجْهُوْلِ الْعَيْنِ وَمَنْ رَوٰى عَنْهُ عَدْلَانِ وَعَيَّنَاهُ فَقَدِ ارْتَفَعَتْ

عَنْهُ هٰذِهِ الْجَهَالَةُ". اھ بحذف منه (علوم الحدیث ص ۱۰۱)

"فَظَهَرَ مِنْ اَقْوَالِ هٰؤُلَاءِ الْاُصُوْلِيِّيْنَ اَنَّ الْمَسْتُوْرَ اَخَصُّ مُطْلَقًا مِنَ الْمَجْهُوْلِ فَكُلُّ مَسْتُوْرٍ مَجْهُوْلٌ وَلَا عَكْسَ اَیْ بَعْضُ الْمَجْهُوْلِ مَسْتُوْرٌ وَبَعْضُهُ لَيْسَ بِمَسْتُوْرٍ"

''آٹھویں مجہول کی روایت کے بارے میں ہے۔ اس مقام پر ہمارے مقصود کے لحاظ سے اس کی چند اقسام ہیں ایک وہ جو ظاہر و باطن ہر لحاظ سے مجہول العدالۃ ہے اس کی روایت جمہور کے نزدیک غیر مقبول ہے جیسا کہ ہم پہلے اس سے آگاہ کر چکے ہیں۔ دوسرا وہ مجہول جس کی عدالت باطنہ معلوم نہیں اور ظاہر میں وہ عدل ہے اسی کا نام مستور بھی ہے۔ اس مجہول کی روایت کے ساتھ پہلی قسم کے مجہول کی روایت رد کرنے والوں میں سے بعض لوگ احتجاج کرتے ہیں۔ تیسرا وہ جو مجہول العین ہو۔ مجہول العدالۃ کی روایت بعض وہ لوگ قبول کرتے ہیں جو مجہول العین کی روایت قبول نہیں کرتے جس شخص سے دو عادل راوی روایت کریں اور اسے متعین کر دیں اس سے یہ جہالت ختم ہو جاتی ہے۔ ابن صلاح کا کام (تھوڑے سے حذف کے ساتھ) ختم ہوا''۔ (علوم الحدیث ص ۱۰۱)

''ان علماء اصول حدیث کے اقوال سے یہ بات ظاہر ہوئی کہ مستور' مجہول سے اخص مطلق ہے چنانچہ ہر مستور مجہول ہے جب کہ اس کا الٹ نہیں یعنی بعض مجہول مستور ہیں اور بعض مستور نہیں''۔

تو اصول وقواعد کی رو سے حافظ ذہبی' حافظ ابن حجر اور علامہ شوق صاحب نیموی کا اس اثر کے مرکزی راوی ابوالحسناء کو مجہول اور لا یعرف قرار دینا درست ہے کیونکہ ابوالحسناء کے مستور ہونے کا مصنف صاحب کو بھی اعتراف ہے اور مستور مجہول کی ایک قسم ہے جیسا کہ عبارات بالا سے صاف صاف ظاہر ہے اور قسم پر مقسم کا اطلاق

صحیح ہے اور ہے بھی حقیقت مجاز نہیں بشرطیکہ تقسیم تقسیم الکلی الی الجزئیات کے باب سے ہو جیسا کہ اس مقام پر ہے کیونکہ مستور' مجہول العین اور مجہول العدالۃ فی الظاہر والباطن تینوں مجہول کی جزئیات ہیں توضیح کے لیے یوں سمجھئے کہ کسی شخص نے یا کسی طفل مکتب نے لفظ مستور کو کلمہ کہہ دیا تو آیا صاحب رسالہ اس پر قدغن لگائیں گے کہ صاحب یہ درست نہیں اس لیے کہ لفظ مستور تو اسم ہے پھر کیا وہ بھی نقد فرمائیں گے کہ لفظ مستور کو اسم کہنا بھی درست نہیں کیونکہ وہ تو اسم مفعول ہے۔

② وثانیاً: کسی راوی سے دو شخصوں کے روایت کرنے سے جو مجہولیت ختم ہوتی ہے وہ مجہولیت عین ہے نہ کہ مجہولیت حال اور نہ ہی مطلق مجہولیت جیسا کہ حافظ ابن حجر اور حافظ ابن صلاح کی مذکورہ بالا عبارات سے صاف صاف ظاہر ہے تو صاحب رسالہ نے اپنے قول ''دو شخصوں کی روایت کے بعد کوئی راوی مجہول نہیں رہ سکتا الخ'' نیز اپنے قول ''تو وہ مجہول کہاں ہوا؟'' میں جو ابوالحسناء کے مجہول ہونے کی نفی فرمائی اس نفی سے اگر وہ ان کے مجہول الحال یا مطلق مجہول ہونے کی نفی مراد لیتے ہیں تو پھر وہ ابوالحسناء کو مستور کہنے کے بھی مجاز نہیں کیونکہ مجہول الحال کی نفی تو مستور ہی کی نفی ہے اور مطلق مجہول کی نفی مستور کی نفی کو مستلزم ہے لہٰذا مصنف صاحب کے قول: (۱): ''دو شخصوں کی روایت کے بعد کوئی راوی مجہول نہیں رہ سکتا''۔ (۲): ''تو وہ مجہول کہاں ہوا'' محل نظر ہیں کیونکہ وہ خود تسلیم فرما رہے ہیں کہ اس کو مستور کہیے اور یہ بات واضح کی جا چکی ہے کہ ہر مستور مجہول ہوتا ہے کیونکہ مستور مجہول کی قسم ہے تو اس بحث کا ماحصل یہ ہے کہ ابوالحسناء کی جس مجہولیت کی صاحب رسالہ نے نفی فرمائی ہے حافظ ذہبی' ابن حجر اور دیگر علماء نے اس مجہولیت کا اثبات نہیں فرمایا اور ابوالحسناء کی جس مجہولیت کا ان بزرگوں نے اثبات فرمایا ہے صاحب رسالہ اس مجہولیت کی نفی نہیں فرما سکتے بلکہ اقرار مستوریت سے اس مجہولیت کا اعتراف فرما رہے ہیں۔ ''کَمَا وَلِمَا

تَقَدَّمَ" (اس طرح پر اور ان وجوہات کی بنا پر جو گزر چکیں)

③ وثالثاً: شرح نخبہ کی عبارت اس بات پر دال ہے کہ مستور کی روایت ایک جماعت کے ہاں بغیر کسی قید کے مقبول اور جمہور کے نزدیک (بغیر کسی قید کے) مردود ہے مگر تحقیق یہ ہے کہ دونوں قول: (۱) مطلقا مقبول اور (۲) مطلقا مردود صحیح نہیں درست یہ ہے کہ جب تک مستور کا حال معلوم نہ ہو جائے تب تک توقف کیا جائے نیز حافظ ابن صلاح اور امام نووی نے مستور کی روایت کے مردود و مقبول ہونے میں جو مذاہب ذکر فرمائے ہیں ان میں مؤید و غیر مؤید والی بات کسی میں بھی بیان نہیں فرمائی تو صاحب رسالہ اپنے بیان "اور جمہور کے نزدیک اس کا کوئی مؤید ہو تو مقبول ہے" پر اصول حدیث سے کوئی حوالہ بیان فرمائیں۔

④ ورابعاً: ابوعبدالرحمان سلمی کی روایت ابوالحسناء کی روایت کی مؤید تب ہو سکتی ہے جب کہ وہ خود صحیح یا حسن یا کم از کم شواہد و متابعات میں پیش کرنے کے قابل بھی تو ہو اور آپ پہلے پڑھ چکے ہیں کہ ابوعبدالرحمان سلمی کی روایت نہ تو صحیح ہے' نہ ہی حسن اور نہ ہی شواہد و متابعات میں پیش ہونے کے قابل کیونکہ اس کی سند میں حماد بن شعیب ہے جس سے متعلق امام بخاری فرماتے ہیں: **"وفيه نظر"** اور جس راوی کے متعلق امام بخاری یہ فیصلہ دیں اس کی روایت نہ تو قابل احتجاج' نہ ہی قابل استشہاد اور نہ ہی قابل اعتبار۔ یاد رہے کہ ضعاف کا باہم دیگر مل کر حسن لغیرہ بننے والا قاعدہ کلیہ نہیں جزئیہ ہے جو اس مقام پر جاری نہیں ہوتا۔

⑤ وخامسا: تیسری روایت جو آگے آ رہی ہے وہ بھی مؤید بننے کے قابل نہیں کیونکہ وہ روایت سرے سے ثابت ہی نہیں چنانچہ آپ ملاحظہ فرمائیں گے ان شاء اللہ تعالیٰ تو پتہ چلا کہ مصنف صاحب کا فرمان "بہر حال یہ تینوں روایات الخ" نقد و نظر سے خالی نہیں۔

❼ کتاب ''سبل السلام'' کی غلطی:

حضرت المؤلف لکھتے ہیں:

'' وَفِیْ رِوَایَةٍ اَنَّ عَلِیًّا رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ کَانَ یَؤُمُّهُمْ بِعِشْرِیْنَ رَکْعَةً وَیُوْتِرُ بِثَلَاثٍ قَالَ (اَلْبَیْهَقِیُّ) وَفِیْهِ قُوَّةٌ'' سبل السلام. اھ (ص۱۹)

''اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ انہیں بیس رکعت کے ساتھ امامت فرماتے تھے اور تین وتر پڑھاتے تھے فرمایا (بیہقی نے) اور اس میں قوۃ ہے''۔ (سبل السلام)

حضرت المؤلف سبل السلام کا ایک دفعہ پہلے بھی حوالہ دے چکے ہیں چنانچہ وہ فرماتے ہیں ''نیز امام بیہقی نے اس سلسلہ میں متعدد روایات پیش کیں کہ حضرت عمر فاروق نے ابی بن کعب اور تمیم داری کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو بیس رکعت (تراویح) پڑھایا کریں''۔ (ص۱۵) سبل السلام ص ۳۳۷ جلد اول

''مَا نَصُّهُ وَسَاقَ رِوَایَاتٍ اَنَّ عُمَرَ اَمَرَ اُبَیًّا وَتَمِیْمًا نِ الدَّارِیَّ یَقُوْمَانِ بِالنَّاسِ بِعِشْرِیْنَ رَکْعَةً'' (حاشیہ ص ۱۵)

''سبل السلام ص ۳۳۷ جلد اول کے صریح لفظ یہ ہیں'' اور کئی روایات (بیہقی نے) ذکر کیں کہ عمر رضی اللہ عنہ نے ابی رضی اللہ عنہ اور تمیم رضی اللہ عنہ داری کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو بیس رکعت قیام کروائیں''۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے سبل السلام کی اس مقام سے متعلقہ عبارت باترتیب نقل کر دی جائے تاکہ بات سمجھنے میں کسی قسم کی دقت پیش نہ آئے چنانچہ سبل السلام کی وہ عبارت مندرجہ ذیل ہے: ''وَاَخْرَجَ الْبَیْهَقِیُّ''

① رِوَایَةَ ابْنِ عَبَّاسٍ مِنْ طَرِیْقِ اَبِیْ شَیْبَةَ ثُمَّ قَالَ اِنَّهٗ ضَعِیْفٌ وَسَاقَ رِوَایَاتٍ

② اَنَّ عُمَرَ اَمَرَ اُبَیًّا وَتَمِیْمًا نِ الدَّارِیَّ یَقُوْمَانِ بِالنَّاسِ بِعِشْرِیْنَ رَکْعَةً وَفِیْ رِوَایَةٍ .

③ اِنَّهُمْ کَانُوْا یَقُوْمُوْنَ فِیْ زَمَنِ عُمَرَ بِعِشْرِیْنَ رَکْعَةً وَفِیْ رِوَایَةٍ.

④ اِنَّ عَلِیًّا رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ کَانَ یَؤُمُّهُمْ بِعِشْرِیْنَ رَکْعَةً وَیُوْتِرُ بِثَلَاثٍ قَالَ وَفِیْهِ قُوَّةٌ . اھ

① ترجمۃ: اور بیہقی نے ابن ابی شیبہ کے طریق سے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت بیان فرمائی پھر فرمایا کہ یہ ضعیف ہے۔

② اور کئی روایات ذکر فرمائیں کہ عمرؓ نے ابیؓ اور تمیمؓ داری کو حکم دیا کہ لوگوں کو بیس رکعت قیام کروائیں۔

③ اور ایک روایت میں ہے کہ لوگ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بیس رکعت قیام کرتے تھے۔

④ اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ لوگوں کو بیس رکعت کے ساتھ امامت فرماتے تھے اور تین وتر پڑھاتے تھے (بیہقی نے) کہا اور اس میں قوت ہے۔ اھ

فہم میں سہولت کی خاطر نمبر دیئے گئے ہیں اب سنن کبری للبیہقی کی روایات ملاحظہ فرمائیں اور ان میں بھی نمبر ہم نے اپنی طرف سے دیئے ہیں تاکہ بات کو آسانی سمجھا جاسکے نیز اسانید کو ہم نے ذکر نہیں کیا کیونکہ ان سے اکثر پر تو کلام گزر چکا اور باقی ایک آدھ پر کلام آرہا ہے اس مقام پر تو صرف سبل السلام کی غلطی واضح کرنا مقصود ہے بیہقی کی وہ روایات یہ ہیں:

① عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُصَلِّیْ فِیْ شَهْرِ رَمَضَانَ فِیْ غَیْرِ جَمَاعَةٍ بِعِشْرِیْنَ رَکْعَةً وَالْوِتْرِ. تَفَرَّدَ بِهٖ اَبُوْشَیْبَةَ اِبْرَاهِیْمُ بْنُ عُثْمَانَ الْعَبَسِیُّ الْکُوْفِیُّ وَهُوَ ضَعِیْفٌ .

② عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيْدَ اَنَّهُ قَالَ اَمَرَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اُبَيَّ ابْنَ كَعْبٍ وَتَمِيْمَانِ الدَّارِيَّ اَنْ يَقُوْمَا لِلنَّاسِ بِاِحْدٰى عَشَرَةَ رَكْعَةً وَكَانَ الْقَارِي الخ .

③ عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيْدَ قَالَ كَانُوْا يَقُوْمُوْنَ عَلٰى عَهْدِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فِيْ شَهْرِ رَمَضَانَ بِعِشْرِيْنَ رَكْعَةً قَالَ وَكَانُوْا الخ.

④ اَنْبَا اَبُوا الْخُصَيْبِ قَالَ كَانَ يَؤُمُّنَا سُوَيْدُ بْنُ غَفْلَةَ فِيْ رَمَضَانَ فَيُصَلِّيْ خَمْسَ تَرْوِيْحَاتٍ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً وَرُوِيْنَا عَنْ شُتَيْرِ بْنِ شَكْلٍ وَكَانَ مِنْ اَصْحَابِ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّهُ كَانَ يَؤُمُّهُمْ فِيْ شَهْرِ رَمَضَانَ بِعِشْرِيْنَ رَكْعَةً وَيُوْتِرُ بِثَلَاثٍ وَفِيْ ذَالِكَ قُوَّةٌ . اھ

① ترجمہ: ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ ماہ رمضان میں جماعت کے بغیر بیس رکعت اور وتر پڑھتے تھے۔ اس روایت کو بیان کرنے میں ابوشیبہ ابراہیم بن عثمان عبسی کوفی اکیلا ہے اور وہ ضعیف ہے۔

② سائب بن یزید سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ عمرؓ بن الخطاب نے ابی بن کعب اور تمیم داری کو حکم دیا کہ لوگوں کے ساتھ گیارہ رکعت قیام کریں الخ۔

③ سائب بن یزید سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ لوگ عمر بن خطاب کے دور میں بیس رکعت قیام کرتے تھے الخ۔

④ ابوالخصیب نے خبر دی اس نے کہا کہ ہمیں سوید بن غفلہ رمضان میں امامت کرواتے تھے پس پانچ ترویحات بیس رکعت نماز ادا فرماتے تھے اور ہمیں شتیر بن شکل کے متعلق روایت کی گئی ہے اور وہ حضرت علیؓ کے ساتھیوں سے تھے کہ وہ انہیں رمضان میں بیس رکعت کے ساتھ امامت کراتے تھے اور تین وتر پڑھتے تھے اور اس میں قوت ہے۔ اھ

سبل السلام اور سنن کبری للبیہقی کی عبارات آپ کے سامنے ہیں نمبر وار ان کا ایک دوسری سے موازنہ فرمایئے تو آپ کو خود بخود معلوم ہو جائے گا کہ سنن کبری کی نمبر دو میں مذکورہ عبارت ''اَنْ یَقُوْمَا لِلنَّاسِ بِاِحْدٰی عَشَرَةَ رَکْعَةً'' (کہ وہ لوگوں کو گیارہ رکعت قیام کروائیں) کو سبل السلام کی نمبر دو مذکورہ عبارت ''یَقُوْمَانِ لِلنَّاسِ بِعِشْرِیْنَ رَکْعَةً'' (کہ وہ لوگوں کو بیس رکعت قیام کروائیں) سے بدل دیا گیا اور ایسے ہی سنن کبری کی نمبر چار میں مذکورہ عبارت: ''اَنَّهٗ کَانَ یَؤُمُّھُمْ فِیْ شَھْرِ رَمَضَانَ بِعِشْرِیْنَ رَکْعَةً وَیُوْتِرُ بِثَلَاثٍ'' (کہ وہ ماہ رمضان میں لوگوں کو بیس رکعت کے ساتھ امامت کراتے اور تین وتر پڑھتے) میں انہ کی ضمیر کا مرجع حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بنا کر سبل السلام نمبر چار میں وہی عبارت یوں ذکر کی گئی ہے: ''اِنَّ عَلِیًّا کَانَ یَؤُمُّھُمْ بِعِشْرِیْنَ رَکْعَةً وَیُوْتِرُ بِثَلَاثٍ'' حالانکہ ''انہ'' کی ضمیر کا مرجع حضرت علی رضی اللہ عنہ نہیں بلکہ شتیر بن شکل ہیں جیسا کہ سنن کبری کی نمبر چار میں ذکر کردہ عبارت سے ظاہر ہے نیز صاحب آثار السنن کی تعلیق میں مذکورہ عبارت اسی پر دلالت کناں ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

''وَمِنْھَا مَا اَخْرَجَهٗ اَبُوْبَکْرِ بْنُ اَبِیْ شَیْبَةَ حَدَّثَنَا وَکِیْعٌ عَنْ سُفْیَانَ عَنْ اَبِیْ اِسْحَاقَ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ قَیْسٍ عَنْ شُتَیْرِ بْنِ شَکْلٍ اَنَّهٗ کَانَ یُصَلِّیْ فِیْ رَمَضَانَ عِشْرِیْنَ رَکْعَةً وَالْوِتْرَ. اِنْتَھٰی قُلْتُ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ قَیْسٍ لَا یُدْرٰی مَنْ ھُوَ تَفَرَّدَ عَنْهُ اَبُوْاِسْحَاقَ اِنْتَھٰی قُلْتُ وَقَالَ الْبَیْھَقِیُّ فِیْ سُنَنِهٖ وَرُوِیْنَا عَنْ شُتَیْرِ بْنِ شَکْلٍ وَکَانَ مِنْ اَصْحَابِ عَلِیٍّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّهٗ کَانَ یَؤُمُّھُمْ فِیْ شَھْرِ رَمَضَانَ بِعِشْرِیْنَ رَکْعَةً وَیُوْتِرُ بِثَلَاثٍ اِنْتَھٰی قُلْتُ الْبَیْھَقِیُّ لَمْ یَذْکُرْ اِسْنَادَهٗ وَلَعَلَّهٗ مِنْ طَرِیْقِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ قَیْسِ نِ الْمَذْکُوْرِ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ'' اھ(ص۲۰۷، ص۲۰۸)

''اور ان روایات سے ایک وہ ہے جو ابوبکر بن ابی شیبہ نے ذکر فرمائی ہے کہ ہمیں وکیع نے سفیان سے بیان کیا انہوں نے ابواسحاق سے انہوں نے

عبداللہ بن قیس سے انہوں نے شتیر بن شکل سے کہ وہ رمضان میں بیس رکعت اور وتر پڑھاتے تھے ابن ابی شیبہ کی عبارت ختم ہوئی۔ میں کہتا ہوں کہ عبداللہ بن قیس کے متعلق علم نہیں کہ وہ کون ہے ابو اسحاق اس روایت میں اکیلا ہے' انتہی میں کہتا ہوں اور بیہقی نے اپنی سنن میں فرمایا اور ہمیں شتیر بن شکل کے متعلق روایت کی گئی ہے اور وہ حضرت علی کے ساتھیوں سے تھے کہ وہ انہیں ماہ رمضان میں بیس رکعت کے ساتھ امامت کراتے اور تین وتر پڑھتے۔ انتہی میں کہتا ہوں کہ بیہقی نے اس کی سند ذکر نہیں کی شاید یہ بھی عبداللہ بن قیس مذکور کے طریق سے ہی ہے واللہ اعلم۔ اھ

صاحب آثار السنن کی یہ عبارت صاف صاف بتا رہی ہے کہ "انه كان يؤمهم الخ" میں حضرت شتیر بن شکل کی امامت کا تذکرہ ہے نہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امامت کا لہٰذا "انه" کی ضمیر کا مرجع حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بنانا غلط ہے۔

پھر نمبر چار ہی میں مذکور امام بیہقی کے الفاظ "وفي ذالك قوة" سبل السلام میں "وفيه قوة" سے بدل دیئے گئے ہیں جس سے معنی بھی بدل گیا ہے کیونکہ "وفي ذالك قوة" سے تو حضرت سوید بن غفلہ کے اثر پر حکم لگانا مقصود ہے جیسا کہ اسم اشارہ ذالک سے ظاہر ہے اور "وفيه قوة" سے شتیر بن شکل کے اثر (جس کی امام بیہقی نے سند بھی ذکر نہیں فرمائی) یا سبل السلام کے غلط بیان کے مطابق حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اثر پر حکم لگے گا پھر امام بیہقی کی عبارت "وفي ذالك قوة" اگر شتیر بن شکل کے اثر سے متعلق ہوتی تو صاحب آثار السنن سنن کبریٰ سے شتیر بن شکل کا اثر نقل کرنے کے بعد اس عبارت کو ضرور نقل فرماتے تو صاحب رسالہ کی تقریر "اس اثر کے متعلق امام بیہقی نے خود ہی فیصلہ فرما دیا کہ یہ اثر قوی ہے اب ان کے فیصلہ کے بعد اس روایت کی توثیق محتاج بیان نہیں"۔ سبل السلام کے غلط بیان والفاظ پر ہی مبنی ہے۔ "فَهُوَ مِنْ بَابِ بِنَاءِ الْفَاسِدِ عَلَى الْفَاسِدِ" (پس "یہ فاسد کی بنیاد فاسد پر" کے قبیل سے ہے)

نیز آپ صاحب آثار السنن کی مذکورہ بالا عبارت بغور پڑھیں تو آپ کو پتہ چل جائے گا آیا اس روایت کی توثیق محتاج بیان ہے یا نہیں یا وہ سرے سے ثابت ہی نہیں پھر جب صاحب رسالہ حضرت شتیر بن شکل کا اثر ذکر فرمائیں گے تو اس روایت پر مزید کلام ہوگا ان شاء اللہ تعالیٰ کیونکہ یہ روایت اصل میں شتیر بن شکل والا اثر ہی تو ہے جو غلطی سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے۔

تو آپ نے دیکھا کہ سبل السلام کی اس مقام سے متعلقہ عبارت میں تین اغلاط ہیں اور حضرت المؤلف نے ان تینوں اغلاط کو اپنے موقف کی تائید میں پیش فرمایا ہے ادھر انہوں نے اپنے رسالہ میں سنن کبریٰ للبیہقی کے حوالے بقید صفحات دیئے ہیں جس سے پتہ چلتا ہے کہ سنن کبریٰ غالباً ان کے مطالعہ میں ہے پھر چونکہ وہ تحقیق کے درپے ہیں اس لیے انہوں نے سبل السلام میں دی گئی سنن کبریٰ کی روایات کو اصل کتاب سے بھی ضرور دیکھا ہوگا تو اگر انہیں سبل السلام کی مذکورہ عبارت کی ان تین اغلاط کا دوران مطالعہ علم ہوگیا تھا تو انہیں چاہیے تھا کہ وہ سبل السلام کی یہ عبارات اپنے رسالہ میں درج نہ فرماتے یا پھر ان کی اغلاط واضح فرماتے امید ہے کہ اگر ان کا اس رسالہ کو دوبارہ طبع کرانے کا پروگرام ہوا تو وہ ان اور ان جیسے دیگر محل نظر مقامات کی اصلاح فرمادیں گے ان شاء اللہ تعالیٰ اگر ہو سکے تو اس قسم کے اہم مقامات کی فوراً اصلاح کر دی جائے فتامل۔

اتنی بات تو واضح ہو چکی کہ سبل السلام کی اس مقام سے متعلقہ عبارت میں تین اغلاط ہیں رہی یہ بات کہ یہ تین اغلاط صاحب سبل السلام سے خطاءً وسہواً سرزد ہوئیں یا بعض نساخ نے اپنے کسی مفاد کی خاطر عمداً سبل السلام کی اس عبارت میں ردوبدل کیا تو اس کی ضرور تحقیق کی جائے گی ان شاء اللہ تعالیٰ مگر کسی دوسری فرصت میں۔

⑨ صاحب سبل السلام کی تحقیق درمسئلہ تراویح:

اب چونکہ بات سبل السلام کی چل نکلی ہے اور صاحب رسالہ نے اس کتاب کے حوالے بھی دیئے ہیں اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کتاب ہذا میں زیر بحث

موضوع پر کی گئی تحقیق کو بھی سپرد قلم کر دیا جائے چنانچہ صاحب سبل السلام نبی کریم ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو رمضان میں نوافل پڑھانے سے متعلق حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث کی شرح کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"وَاعْلَمْ اَنَّ مَنْ اَثْبَتَ صَلاَةَ التَّرَاوِيْحِ وَجَعَلَهَا سُنَّةً فِيْ قِيَامِ رَمَضَانَ اِسْتَدَلَّ بِهٰذَا الْحَدِيْثِ عَلٰى ذَالِكَ وَلَيْسَ فِيْهِ دَلِيْلٌ عَلٰى كَيْفِيَّةِ مَا يَفْعَلُوْنَهُ وَلَا كَمِيَّتِهِ فَاِنَّهُمْ يُصَلُّوْنَهَا جَمَاعَةً عِشْرِيْنَ رَكْعَةً يَتَرَوَّحُوْنَ بَيْنَ كُلِّ رَكْعَتَيْنِ. فَاَمَّا الْجَمَاعَةُ فَاِنَّ عُمَرَ اَوَّلُ مَنْ جَمَعَهُمْ عَلٰى اِمَامٍ مُعَيَّنٍ وَقَالَ اِنَّهَا بِدْعَةٌ. كَمَا اَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ فِيْ صَحِيْحِهٖ وَاَخْرَجَهُ غَيْرُهُ مِنْ حَدِيْثِ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُرَغِّبُهُمْ فِيْ قِيَامِ رَمَضَانَ مِنْ غَيْرِ اَنْ يَاْمُرَهُمْ فِيْهِ بِعَزِيْمَةٍ فَيَقُوْلُ: مَنْ قَامَ رَمَضَانَ اِيْمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ. قَالَ وَتُوُفِّيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْاَمْرُ عَلٰى ذَالِكَ وَفِيْ خِلَافَةِ اَبِيْ بَكْرٍ وَصَدْرًا مِنْ خِلَافَةِ عُمَرَ. زَادَ فِيْ رِوَايَةٍ عِنْدَ الْبَيْهَقِيِّ قَالَ عُرْوَةُ: فَاَخْبَرَنِيْ عَبْدُالرَّحْمٰنِ الْقَارِيُّ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ خَرَجَ لَيْلَةً فَطَافَ فِيْ رَمَضَانَ فِي الْمَسْجِدِ وَاَهْلُ الْمَسْجِدِ اَوْزَاعٌ مُتَفَرِّقُوْنَ يُصَلِّي الرَّجُلُ لِنَفْسِهٖ وَيُصَلِّي الرَّجُلُ فَيُصَلِّيْ بِصَلَاتِهِ الرَّهْطُ، فَقَالَ عُمَرُ: وَاللّٰهِ لَاَظُنُّ لَوْ جَمَعْنَاهُمْ عَلٰى قَارِئٍ وَّاحِدٍ فَاَمَرَ اُبَيَّ بْنَ كَعْبٍ اَنْ يَقُوْمَ بِهِمْ فِيْ رَمَضَانَ فَخَرَجَ عُمَرُ وَالنَّاسُ يُصَلُّوْنَ بِصَلَاتِهٖ فَقَالَ عُمَرُ: نِعْمَ الْبِدْعَةُ هٰذِهٖ. وَسَاقَ الْبَيْهَقِيُّ فِي السُّنَنِ عِدَّةَ رِوَايَاتٍ فِيْ هٰذَا الْمَعْنٰى.

وَاعْلَمْ اَنَّهٗ يَتَعَيَّنُ حَمْلُ قَوْلِهٖ: بِدْعَةٌ. عَلٰى جَمْعِهٖ لَهُمْ عَلٰى مُعَيَّنٍ وَاِلْزَامِهِمْ بِذَالِكَ لَا اَنَّهٗ اَرَادَ اَنَّ الْجَمَاعَةَ بِدْعَةٌ فَاِنَّهٗ صَلَّى اللّٰهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ جَمَعَ بِهِمْ كَمَا عَرَفْتَ. اِذَا عَرَفْتَ هٰذَا عَرَفْتَ اَنَّ عُمَرَ هُوَ الَّذِیْ جَعَلَهَا جَمَاعَةً عَلٰی مُعَيَّنٍ وَسَمَّاهَا بِدْعَةً وَاَمَّا قَوْلُهٗ: نِعْمَ الْبِدْعَةُ. فَلَيْسَ فِی الْبِدْعَةِ مَا يُمْدَحُ بَلْ كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ.

وَاَمَّا الْكَمِيَّةُ وَهِیَ جَعْلُهَا عِشْرِيْنَ رَكْعَةً فَلَيْسَ فِيْهِ حَدِيْثٌ مَرْفُوْعٌ اِلَّا مَا رَوَاهُ عَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ وَالطَّبْرَانِیُّ مِنْ طَرِيْقِ اَبِیْ شَيْبَةَ اِبْرَاهِيْمَ بْنِ عُثْمَانَ عَنِ الْحَكَمِ عَنْ مِقْسَمٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّیْ فِیْ رَمَضَانَ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً وَالْوِتْرَ. قَالَ فِیْ سَبِيْلِ الرَّشَادِ: اَبُوْشَيْبَةَ ضَعَّفَهُ اَحْمَدُ وَابْنُ مَعِيْنٍ وَالْبُخَارِیُّ وَمُسْلِمٌ وَاَبُوْدَاوُدَ وَالتِّرْمِذِیُّ وَالنِّسَائِیُّ وَغَيْرُهُمْ وَكَذَّبَهٗ شُعْبَةُ وَقَالَ ابْنُ مَعِيْنٍ لَيْسَ بِثِقَةٍ وَعَدَّ هٰذَا الْحَدِيْثَ مِنْ مُنْكَرَاتِهٖ.

وَقَالَ الْاَذْرَعِیُّ فِی الْمُتَوَسِّطِ: وَاَمَّا مَا نُقِلَ اَنَّهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلّٰی فِی اللَّيْلَتَيْنِ اللَّتَيْنِ خَرَجَ فِيْهِمَا عِشْرِيْنَ رَكْعَةً فَهُوَ مُنْكَرٌ.

وَقَالَ الزَّرْكَشِیُّ فِی الْخَادِمِ: دَعْوٰی اَنَّهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلّٰی بِهِمْ فِیْ تِلْكَ اللَّيْلَةِ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً لَمْ تَصِحَّ، بَلِ الثَّابِتُ فِی الصَّحِيْحِ الصَّلَاةُ مِنْ غَيْرِ ذِكْرٍ بِالْعَدَدِ وَمَا فِیْ رِوَايَةِ جَابِرٍ اَنَّهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلّٰی بِهِمْ ثَمَانَ رَكْعَاتٍ وَالْوِتْرَ ثُمَّ انْتَظَرُوْهُ فِی الْقَابِلَةِ فَلَمْ يَخْرُجْ اِلَيْهِمْ رَوَاهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ وَابْنُ حِبَّانَ فِیْ صَحِيْحِهِمَا. اِنْتَهٰی وَقَوْلُهٗ: وَاَخْرَجَ الْبَيْهَقِیُّ رِوَايَةَ ابْنِ عَبَّاسٍ اِلٰی قَوْلِهٖ: قَالَ وَفِيْهِ قُوَّةٌ. قَدْ نُقِلَ مِنْ قَبْلُ فَلَمْ يُذْكَرُ هُنَا. اِذَا عَرَفْتَ هٰذَا عَلِمْتَ اَنَّهٗ لَيْسَ فِی الْعِشْرِيْنَ رِوَايَةٌ مَرْفُوْعَةٌ، بَلْ يَاْتِیْ حَدِيْثُ عَائِشَةَ الْمُتَّفَقُ عَلَيْهِ قَرِيْبًا اَنَّهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا يَكُوْنُ يَزِيْدُ فِیْ رَمَضَانَ وَلَا غَيْرِهٖ عَلٰی اِحْدٰی عَشَرَةَ رَكْعَةً. فَعَرَفْتَ مِنْ هٰذَا

كُلِّهِ اَنَّ صَلَاةَ التَّرَاوِيْحِ عَلٰى هٰذَا الْاُسْلُوْبِ الَّذِىْ اتَّفَقَ عَلَيْهِ الْاَكْثَرُ بِدْعَةٌ. نَعَمْ قِيَامُ رَمَضَانَ سُنَّةٌ بِلَا خِلَافٍ وَالْجَمَاعَةُ فِىْ نَافِلَتِهٖ لَا تُنْكَرُ وَقَدِ ائْتَمَّ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُمَا وَغَيْرُهٗ بِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِىْ صَلَاةِ اللَّيْلِ لٰكِنْ جَعْلُ هٰذِهِ الْكَيْفِيَّةِ وَالْكَمِيَّةِ سُنَّةً وَالْمُحَافَظَةُ عَلَيْهَا هُوَ الَّذِىْ نَقُوْلُ: اِنَّهٗ بِدْعَةٌ . وَهٰذَا عُمَرُ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ خَرَجَ اَوَّلًا وَالنَّاسُ اَوْزَاعٌ مُتَفَرِّقُوْنَ مِنْهُمْ مَنْ يُصَلِّىْ مُنْفَرِدًا وَمِنْهُمْ مَنْ يُصَلِّىْ جَمَاعَةً عَلٰى مَا كَانُوْا (عَلَيْهِ) فِىْ عَصْرِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَخَيْرُ الْاُمُوْرِ مَا كَانَ عَلٰى عَهْدِهٖ .

وَاَمَّا تَسْمِيَتُهَا بِالتَّرَاوِيْحِ فَكَانَ وَجْهُهٗ مَا اَخْرَجَهُ الْبَيْهَقِىُّ مِنْ حَدِيْثِ عَائِشَةَ قَالَتْ: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّىْ اَرْبَعَ رَكْعَاتٍ فِى اللَّيْلِ ثُمَّ يَتَرَوَّحُ فَاَطَالَ حَتّٰى رَحِمْتُهُ الْحَدِيْثَ قَالَ الْبَيْهَقِىُّ: تَفَرَّدَ بِهِ الْمُغِيْرَةُ بْنُ زِيَادٍ وَلَيْسَ بِالْقَوِىِّ فَاِنْ ثَبَتَ فَهُوَ اَصْلٌ فِىْ تَرَوُّحِ الْاِمَامِ فِىْ صَلَاةِ التَّرَاوِيْحِ. انْتَهٰى وَاَمَّا حَدِيْثُ: عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِىْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ بَعْدِىْ تَمَسَّكُوْا بِهَا وَعَضُّوْا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ. اَخْرَجَهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَهْ وَالتِّرْمَذِىُّ وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ وَقَالَ عَلٰى شَرْطِ الشَّيْخَيْنِ وَمِثْلُهٗ حَدِيْثُ: اِقْتَدُوْا بِاللَّذَيْنِ مِنْ بَعْدِىْ اَبِىْ بَكْرٍ وَعُمَرَ. اَخْرَجَهُ التِّرْمَذِىُّ وَقَالَ حَسَنٌ وَاَخْرَجَهُ اَحْمَدُ وَابْنُ مَاجَهْ وَابْنُ حِبَّانَ وَلَهٗ طُرُقٌ فِيْهَا مَقَالٌ اِلَّا اَنَّهٗ يُقَوِّىْ بَعْضُهَابَعْضًا فَاِنَّهٗ لَيْسَ الْمُرَادُ بِسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ اِلَّا طَرِيْقَتَهُمُ الْمُوَافِقَةَ لِطَرِيْقَتِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ جِهَادِ الْاَعْدَاءِ وَتَقْوِيَةِ شَعَائِرِ الدِّيْنِ وَنَحْوِهَا‘ فَاِنَّ الْحَدِيْثَ عَامٌّ لِكُلِّ خَلِيْفَةٍ رَاشِدٍ لَا يَخُصُّ الشَّيْخَيْنِ، وَمَعْلُوْمٌ مِّنْ

قَواعِدِ الشَّرِيعَةِ اَنْ لَيْسَ لِخَلِيْفَةٍ رَاشِدٍ اَنْ يَشْرَعَ طَرِيْقَةً غَيْرَ مَا كَانَ عَلَيْهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ثُمَّ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ نَفْسُهُ الْخَلِيْفَةُ الرَّاشِدُ سَمّٰى مَا رَآهُ مِنْ تَجْمِيْعِ صَلَاتِهِ لَيَالِيَ رَمَضَانَ بِدْعَةً وَلَمْ يَقُلْ اِنَّهَا سُنَّةٌ فَتَاَمَّلْ. عَلٰى اَنَّ الصَّحَابَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ خَالَفُوا الشَّيْخَيْنِ فِيْ مَوَاضِعَ وَمَسَائِلَ، فَدَلَّ اَنَّهُمْ لَمْ يَحْمِلُوا الْحَدِيْثَ عَلٰى اَنَّ مَا قَالُوْهُ وَفَعَلُوْهُ حُجَّةٌ وَقَدْ حَقَّقَ الْبَرْ مَاوِيُّ الْكَلَامَ فِيْ شَرْحِ اَلْفِيَةٍ فِيْ اُصُوْلِ الْفِقْهِ مَعَ اَنَّهُ قَالَ: اَلْحَدِيْثُ الْاَوَّلُ يَدُلُّ اَنَّهُ اِذَا اتَّفَقَ الْخُلَفَاءُ الْاَرْبَعَةُ عَلٰى قَوْلٍ كَانَ حُجَّةً لَا اِذَا انْفَرَدَ وَاحِدٌ مِنْهُمْ، وَالتَّحْقِيْقُ اَنَّ الْاِقْتِدَاءَ لَيْسَ هُوَ التَّقْلِيْدَ بَلْ هُوَ غَيْرُهُ كَمَا حَقَّقْنَاهُ فِيْ شَرْحِ نَظْمِ الْكَافِلِ فِيْ بَحْثِ الْاِجْمَاعِ. اھ (ج۲ص۱۰،۱۱)

''اور جان لے کہ جو لوگ صلاۃ تراویح کو ثابت سمجھتے ہیں اور اسے قیام رمضان میں سنت سمجھتے ہیں وہ اس مقصد کے لیے اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں حالانکہ اس حدیث میں نہ اس فعل کی جو وہ کرتے ہیں کیفیت کی دلیل موجود ہے نہ کمیت کی۔ کیونکہ وہ اس نماز کو باجماعت بیس رکعت پڑھتے ہیں اور ہر دو رکعت کے درمیان کچھ آرام کرتے ہیں۔ رہی جماعت تو حضرت عمرؓ پہلے شخص ہیں جنہوں نے لوگوں کو ایک معین امام پر جمع فرمایا اور فرمایا کہ بدعت (نئی چیز) ہے جیسا کہ اسے مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے اور اس کے علاوہ دوسرے محدثین نے اسے ابو ہریرہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ لوگوں کو قیام رمضان کی ترغیب دیا کرتے تھے مگر فرض کی طرح انہیں حکم نہیں دیتے تھے چنانچہ فرماتے کہ جو شخص ایمان کے ساتھ اور ثواب کی نیت سے رمضان کا قیام کرے اس کے گزشتہ گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔ فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ فوت ہوئے تو معاملہ

اسی طرح تھا اور ابو بکر کی خلافت میں اور عمر کی خلافت کے شروع میں بھی اسی طرح تھا۔ بیہقی کے ہاں ایک روایت میں یہ لفظ زائد ہیں کہ عروہ نے کہا ''تو مجھے عبدالرحمان قاری نے خبر دی کہ عمرؓ بن خطاب ایک رات نکلے ماہ رمضان میں مسجد میں چکر لگایا اور مسجد میں لوگ ٹولیوں کی شکل میں جدا جدا تقسیم ہو چکے تھے۔ کوئی آدمی اکیلا نماز پڑھ رہا تھا کسی کی نماز کے ساتھ (اقتداء میں) ایک گروہ نماز پڑھ رہا تھا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اللہ کی قسم! میرا خیال یہ ہے کہ اگر ہم انہیں ایک قاری پر جمع کر دیں (تو بہتر ہے) تو ابیؓ ابن کعب کو حکم دیا کہ انہیں قیام کروائیں پھر ایک دفعہ حضرت عمرؓ نکلے جب کہ لوگ ان کی اقتداء میں نماز پڑھ رہے تھے تو حضرت عمرؓ نے فرمایا: یہ بدعت اچھی ہے اور بیہقی نے اپنی سنن میں اس مفہوم کی کئی احادیث ذکر فرمائیں۔

اور جان کہ آپ کے اس قول تو یہ بدعت ہے صرف اسی معنی پر محمول کیا جائے گا کہ اس سے مراد لوگوں کو ایک امام پر جمع کرنا اور ان پر یہ چیز لازم کرنا ہے آپ کا یہ مطلب نہیں کہ جماعت بدعت ہے کیونکہ خود رسول اللہ ﷺ نے انہیں جماعت کروائی جیسا کہ آپ کو معلوم ہو چکا ہے جب تم یہ جان چکے تو تمہیں یہ بھی معلوم ہو گیا کہ حضرت عمرؓ نے ہی اسے ایک مقرر کردہ امام کے ساتھ جماعت کی صورت دی اور اس کا نام بدعت رکھا اور آپ کا یہ قول کہ یہ اچھی بدعت ہے تو بدعت کوئی بھی قابل تعریف نہیں بلکہ ہر بدعت گمراہی ہے۔

اور رہی کمیت (تعداد) اور اسے بیس رکعت قرار دینا تو اس کے بارے میں کوئی مرفوع حدیث نہیں ہے سوائے اس کے جو عبد بن حمید اور طبرانی نے ابو شیبہ ابراہیم بن عثمان کے طریق سے روایت کی ہے کہ وہ حکم سے روایت کرتے ہیں وہ مقسم سے وہ ابن عباسؓ سے کہ رسول اللہ ﷺ رمضان میں

بیس رکعت اور وتر پڑھتے تھے۔ سبیل الرشاد میں فرمایا کہ ابوشیبہ کو احمد' ابن معین' بخاری' مسلم' ابوداؤد' ترمذی' نسائی اور ان کے علاوہ دیگر محدثین نے ضعیف قرار دیا۔ شعبہ نے اسے جھوٹا کہا اور ابن معین نے کہا ثقہ نہیں اور یہ حدیث اس کی منکر حدیثوں میں شمار کی۔ اور اذرعی نے متوسط میں فرمایا کہ جونقل کیا گیا ہے ''کہ آنحضرت ﷺ جن دو راتوں میں نکلے تھے ان میں آپ نے بیس رکعتیں پڑھیں'' وہ منکر ہے اور زرکشی نے خادم میں کہا کہ یہ دعویٰ کہ آنحضرت ﷺ نے لوگوں کو اس رات بیس رکعتیں پڑھائیں درست نہیں بلکہ صحیح میں صرف آپ کی نماز عدد کے ذکر کے بغیر ثابت ہے اور جابر کی جو روایت ہے کہ آپ نے انہیں آٹھ رکعت اور وتر پڑھائے پھر لوگوں نے آئندہ رات آپ کا انتظار کیا تو آپ نہیں نکلے یہ روایت ابن خزیمہ اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں بیان کی ہے انتہی اور اس کا قول کہ بیہقی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت بیان کی الی قولہ کہا اور اس میں قوت ہے یہ حصہ پہلے نقل کیا جا چکا ہے اس لیے یہاں ذکر نہیں کیا گیا۔ جب تم نے یہ جان لیا تو معلوم ہوگیا کہ بیس کے متعلق کوئی مرفوع روایت نہیں بلکہ عن قریب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی متفق علیہ حدیث آ رہی ہے کہ آنحضرت ﷺ رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے تو اس ساری بحث سے معلوم ہوگیا کہ صلاۃ تراویح اس انداز پر جس پر اکثر لوگ متفق ہو چکے ہیں بدعت ہے۔ ہاں قیام رمضان بلا خلاف سنت ہے اور ان نوافل میں جماعت کا انکار بھی نہیں کیا جا سکتا اور ابن عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ نے صلاۃ اللیل میں آنحضرت ﷺ کی اقتداء میں نماز پڑھی لیکن اس کیفیت اور کمیت کو اور اس کی باقاعدگی سے ادائیگی کو سنت قرار دینے کو ہم کہتے ہیں کہ یہ بدعت ہے اور دیکھئے خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ پہلے جب نکلے ہیں تو لوگ ٹولیوں کی

شکل میں تھے کچھ اکیلے پڑھ رہے تھے اور کچھ جماعت کے ساتھ جیسا کہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں لوگوں کا معمول تھا اور سب سے بہتر وہ کام ہے جو آنحضرت ﷺ کے دور میں تھا۔

رہ گیا اس کا نام تراویح رکھنا تو اس کی وجہ وہ حدیث ہے جو بیہقی نے روایت کی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ رات کو چار رکعت پڑھتے پھر کچھ آرام فرماتے تو آپ نے اتنی لمبی نماز پڑھی کہ مجھے آپ پر رحم آنے لگا۔ الحدیث۔ بیہقی نے کہا اس حدیث کو بیان کرنے میں مغیرہ بن زیاد منفرد (اکیلا) ہے اور وہ قوی نہیں اگر یہ ثابت ہو جائے تو تراویح کے وقفے میں امام کے آرام کے بارے میں یہ حدیث اصلی دلیل ہوگی۔ انتہی۔

باقی رہی یہ حدیث کہ تم میرے بعد میری اور خلفائے راشدین کی سنت کو لازم پکڑو اسے مضبوطی سے تھامو اور اسے ڈاڑھوں کے ساتھ مضبوط پکڑو۔ اسے احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ، ترمذی نے روایت کیا اور حاکم نے اسے صحیح کہا اور فرمایا کہ یہ شیخین کی شرط پر ہے اور اس کی ہم شکل یہ حدیث ہے کہ ان دونوں کی اقتداء کرو جو میرے بعد ہیں یعنی ابوبکر وعمر۔ اسے ترمذی نے روایت کیا اور کہا کہ یہ حسن ہے اور احمد، ابن ماجہ اور ابن حبان نے اس کو نکالا اور اس کی کئی سندیں ہیں جن پر ائمہ کو کچھ کلام ہے مگر وہ ایک دوسری کو قوت دیتی ہیں تو خلفاء راشدین کی سنت سے مراد صرف ان کا وہ طریقہ ہے جو رسول اللہ ﷺ کے طریقے کے مطابق ہو جیسا کہ دشمنوں سے جہاد شعائر دین کو قوت دینا اور اس جیسے دوسرے کام۔ کیونکہ حدیث ہر نیک خلیفہ کے لیے عام ہے صرف شیخین کے لیے نہیں اور شریعت کے قواعد سے معلوم ہے کہ کسی خلیفہ راشد کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ کوئی ایسا طریقہ مقرر کرے جو اس طریقے کے خلاف ہو جس پر آنحضرت ﷺ تھے۔ پھر خود حضرت عمرؓ نے جو

خلیفہ راشد تھے رمضان کی راتوں میں اس نماز کو باقاعدہ باجماعت مقرر کرنے کو بدعت کا نام دیا اور یہ نہیں کہا کہ یہ سنت ہے پس اس میں غور کرو علاوہ ازیں صحابہ رضی اللہ عنہم نے کئی مقامات اور کئی مسائل میں شیخین کی مخالفت کی اس سے معلوم ہوا کہ انہوں نے حدیث کا مطلب یہ نہیں سمجھا کہ خلفائے راشدین جو کچھ کہیں یا کریں وہ حجت ہے اور برماوی نے اصول فقہ میں اپنی کتاب الفیہ کی شرح میں اس کلام کی خوب تحقیق کی ہے ساتھ ہی انہوں نے فرمایا ہے کہ پہلی حدیث تو صرف اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ خلفاء اربعہ جب کسی قول پر متفق ہوں تو وہ حجت ہے یہ نہیں کہ ان میں سے کوئی منفرد ہوتو وہ بھی حجت ہے اور تحقیق یہ ہے کہ اقتداء بعینہ تقلید نہیں بلکہ اس سے الگ چیز ہے جیسا کہ ہم نے نظم الکافل کی شرح میں بحث اجماع میں اس کی تحقیق کی ہے''۔ (جلد۲ص۱۰،۱۱)

اَقُوْلُ: اِنَّ قَوْلَ الْبَیْهَقِیِّ: تَفَرَّدَ بِهِ الْمُغِیْرَةُ بْنُ زِیَادٍ الخ قَدْ وَقَعَ فِیْ سُبُلِ السَّلَامِ هٰکَذَا: تَفَرَّدَ بِهِ الْمُغِیْرَةُ بْنُ ذِبَابٍ الخ وَاِنَّمَا صَحَّحْنَاهُ نَحْنُ مِنْ کِتَابِ الْبَیْهَقِیِّ وَاعْلَمْ اَنَّ صَاحِبَ الْجَوْهَرِ النَّقِیِّ قَالَ: ثُمَّ ذَکَرَ حَدِیْثًا فِیْ سَنَدِهِ الْمُغِیْرَةُ بْنُ زِیَادٍ فَقَالَ لَیْسَ بِالْقَوِیِّ قُلْتُ: ضَعَّفَهُ فِیْ بَابِ تَرْکِ الْقَصْرِ وَقَالَ فِیْ بَابِ خَلِّ الْخَمْرِ: صَاحِبُ مَنَاکِیْرَ. وَقَدْ وَثَّقَهُ ابْنُ مَعِیْنٍ وَجَمَاعَةٌ فَلَمْ یَذْکُرِ الْبَیْهَقِیُّ شَیْئًا مِنْ ذَالِکَ. اهـ۔ وَفِیْهِ اَنَّهُ لَا اعْتِرَاضَ عَلَی الْبَیْهَقِیِّ فِیْ عَدَمِ ذِکْرِهٖ شَیْئًا مِنْ ذَالِکَ لِاَنَّهُ لَمْ یَلْتَزِمْ فِیْ هٰذَا الْکِتَابِ اِسْتِیْعَابَ اَقْوَالِ جَمِیْعِ الْمُعَدِّلِیْنَ وَالْجَارِحِیْنَ الْوَارِدَةِ فِیْ رَاوٍ وَمَا ذَکَرَهُ الْبَیْهَقِیُّ هُنَا فِی الْمُغِیْرَةِ بْنِ زِیَادٍ اِنَّمَا هُوَ رَاْیُهُ فِیْهِ فَلَوْ کَانَ ابْنُ التُّرْکُمَانِیِّ قَالَ اِنَّ الْبَیْهَقِیَّ قَدْ خَالَفَ رَاْیَهُ هٰذَا فَوَثَّقَ الْمُغِیْرَةَ بْنَ زِیَادٍ فِیْ بَابِ

كَذَا وَبَابِ كَذَا مِنْ هٰذَا الْكِتَابِ اَوْفِيْ كِتَابِ وَتَصْنِيْفِ كَذَا مِنْ كُتُبِهٖ وَمُصَنَّفَاتِهٖ لَكَانَ قَوْلُهٗ مُتَّجِهًا فَتَدَبَّرْ ثُمَّ اَعْلَمُ اَنِّيْ لَا اُوَافِقُ صَاحِبَ سُبُلِ السَّلَامِ فِيْ كُلِّ مَا قَالَهٗ وَذَهَبَ اِلَيْهِ فِيْ بَابِ صَلَاةِ التَّرَاوِيْحِ .

''میں کہتا ہوں کہ بیہقی کا قول کہ اس میں مغیرہ بن زیاد متفرد ہے سبل السلام میں اس طرح آیا ہے کہ مغیرہ بن دیاب اس کے ساتھ متفرد ہے الخ یہ تصحیح بیہقی کی کتاب سے ہم نے کی ہے اور جان لے کہ صاحب الجوہر النقی نے کہا کہ پھر ایک حدیث ذکر کی ہے جس کی سند میں مغیرہ بن زیاد ہے اور کہا ہے کہ وہ قوی نہیں۔ میں کہتا ہوں کہ بیہقی نے اسے باب ترک القصر میں ضعیف کہا ہے اور باب خل الخمر میں کہا کہ وہ منکر روایتوں والا ہے۔ حالانکہ ابن معین اور ایک جماعت نے اسے ثقہ قرار دیا تو بیہقی نے اس بارے میں کوئی بات ذکر نہیں کی۔ ابن ترکمانی کا کلام ختم ہوا۔ میں کہتا ہوں اس کلام میں محل نظر یہ بات ہے کہ اگر بیہقی نے توثیق کا کوئی لفظ نقل نہیں کیا تو اس میں ان پر کوئی اعتراض نہیں آ سکتا کیونکہ انہوں نے اپنی کتاب میں کسی راوی کے بارے میں تمام معدلین اور جارحین کے اقوال ذکر کرنے کی پابندی نہیں رکھی۔ بیہقی نے اس مقام پر مغیرہ بن زیاد کے متعلق جو ذکر کیا ہے وہ اس کے بارے میں ان کی اپنی رائے ہے تو اگر ابن ترکمانی یہ کہتے کہ بیہقی نے اپنی رائے کی خود مخالفت کی ہے چنانچہ مغیرہ بن زیاد کو اس کتاب کے فلاں فلاں باب میں ثقہ قرار دیا ہے اور فلاں میں ضعیف یا اپنی فلاں کتاب یا تصنیف میں اسے ثقہ کہا ہے اور فلاں میں ضعیف تو ابن ترکمانی کی بات بن سکتی ہے اس لیے خوب غور کرو۔ آخر میں یاد رکھو کہ صاحب سبل السلام نے جو کچھ کہا ہے اور نماز تراویح کے متعلق جو راہیں اختیار فرمائی ہیں میں ان میں سے ہر ایک میں ان کے ساتھ متفق نہیں ہوں''۔

حضرت المؤلف لکھتے ہیں:

''حافظ ابن تیمیہؒ نے منہاج السنہ جلد ۲ ص ۲۲۴ میں حضرت علیؓ کے اثر (بروایت ابی عبدالرحمٰن) سے اس بات پر استدلال کیا کہ حضرت علیؓ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی قائم کی ہوئی جماعت تراویح کو توڑا نہیں بلکہ برقرار رکھا لہٰذا ابن تیمیہ کے نزدیک بھی یہ اثر صحیح ہے نیز حافظ ذہبی نے اپنے مختصر میں ابن تیمیہ کے اس استدلال پر ادنیٰ کلام نہیں کیا اس سے ثابت ہوا کہ ان کے نزدیک ابن تیمیہ کا یہ استدلال اور اثر دونوں صحیح ہیں''۔ (ص ۱۹)

مصنف صاحب کی عبارت سے ظاہر ہے کہ حافظ ابن تیمیہ اور حافظ ذھبی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اثر بروایت ابی عبدالرحمان سلمی کو قولاً صحیح قرار نہیں دیا ورنہ صاحب رسالہ ان کا قول تصحیح نقل فرماتے اور مذکورہ بالا طریق اختیار نہ کرتے پھر اگر حافظ ابن تیمیہؒ کے خیال میں اگر وہ اثر صحیح بھی ہو تو ان کا یہ خیال درست نہیں کیونکہ اس کی سند میں حماد بن شعیب ہے جس کے متعلق حافظ ذھبی ہی میزان میں لکھتے ہیں:

حَمَّادُ بْنُ شُعَيْبِ نِ الْحِمَّانِيُّ الْكُوفِيُّ عَنْ اَبِي الزُّبَيْرِ وَغَيْرِهٖ ضَعَّفَهُ ابْنُ مَعِيْنٍ وَغَيْرُهٗ وَقَالَ يَحْيٰ مَرَّةً لَا يُكْتَبُ حَدِيْثُهٗ وَقَالَ الْبُخَارِيُّ فِيْهِ نَظَرٌ وَقَالَ النَّسَائِيُّ ضَعِيْفٌ وَقَالَ ابْنُ عَدِيٍّ اَكْثَرُ حَدِيْثِهٖ مِمَّا لَا يُتَابَعُ عَلَيْهِ وَمِنْ مَنَاكِيْرِهٖ مَا رَوَاهُ جَمَاعَةٌ عَنْهُ عَنْ اَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَدْخُلَ الْمَاءَ اِلَّا بِمِئْزَرٍ قَالَ الْعُقَيْلِيُّ لَا يُتَابِعُهٗ عَلَيْهِ اِلَّا مَنْ هُوَ دُوْنَهٗ اَوْ مِثْلُهٗ وَقَالَ اَبُوْ حَاتِمٍ لَيْسَ بِالْقَوِيِّ. اھ

''حماد بن شعیب حمانی کوفی' ابوالزبیر وغیرہ سے روایت کرتا ہے ابن معین وغیرہ نے اسے ضعیف قرار دیا ہے اور یحیٰ نے ایک مرتبہ فرمایا اس کی حدیث نہ لکھی جائے اور بخاری نے کہا اس میں نظر ہے اور نسائی نے کہا

ضعیف ہے ابن عدی نے کہا اس کی اکثر احادیث ایسی ہیں کہ اس کی متابعت نہیں کی جاتی اور اس کی منکر روایات میں سے ایک وہ ہے جو ایک جماعت نے اس سے روایت کی ہے کہ وہ ابوالزبیر سے اور وہ جابر سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا کہ کوئی شخص پانی میں تہ بند کے بغیر داخل ہو عقیلی نے کہا کہ اس روایت میں اس کی متابعت ایسے راوی کے علاوہ کوئی نہیں کرتا جو اس سے کمتر ہے یا اس جیسا ہے اور ابوحاتم نے کہا کہ وہ قوی نہیں''۔ اھ

دیکھئے حافظ ذہبی نے میزان میں حماد بن شعیب کے ترجمہ میں جس قدر اقوال نقل فرمائے ہیں ان سب میں حماد بن شعیب کو ضعیف ہی قرار دیا گیا ہے اور انہوں نے اس راوی کے متعلق کسی محدث کا ایک جملہ بھی ایسا نقل نہیں فرمایا جس میں حماد بن شعیب کی توثیق ہو حالانکہ ان کی اس کتاب میں عادت یہ ہے کہ وہ راوی کے متعلق توثیق وتضعیف ہمہ قسم کے اقوال نقل فرماتے ہیں تو ظاہر بات ہے کہ حافظ ذہبی (جنہوں نے حماد بن شعیب کو میزان میں ضعیف قرار دیا) وہ حماد بن شعیب کی روایت کو صحیح یا حسن کیسے خیال کر اور کہہ سکتے ہیں تو منتقی میں حماد بن شعیب کی روایت پر حافظ ذہبی کا سکوت اس کی روایت کے ان کے ہاں صحیح یا حسن ہونے کی دلیل نہیں کیونکہ وہ اسے میزان میں ضعیف قرار دے چکے ہیں اور ضعیف بھی وہ جس کے متعلق امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ''فیہ نظر'' اور بقول ابن ہمام رحمہ اللہ جس راوی کے متعلق امام بخاریؒ فیہ نظر سے اظہار خیال فرمائیں اس راوی کی روایت نہ تو قابل احتجاج واستدلال' نہ ہی قابل استشہاد اور نہ ہی قابل اعتبار ہوتی ہے۔

تو ظاہر ہوا کہ حافظ ابن تیمیہؒ نے اگر حماد بن شعیب کی روایت سے احتجاج واستدلال فرمایا ہے تو ان کا یہ احتجاج واستدلال سرے سے درست ہی نہیں لما تقدم پھر استدلال تو حسن روایت سے بھی ہو سکتا ہے بلکہ بعض کے نزدیک بعض مواضع میں

ضعیف روایت سے بھی استدلال درست ہے لہٰذا کسی عالم کے کسی روایت سے استدلال سے اس روایت کے اس عالم کے ہاں صحیح ہونے پر استدلال کرنے کے لیے ضروری ہے کہ پہلے ثابت کیا جائے کہ وہ عالم صحیح کے سوا کسی اور روایت سے استدلال نہیں کرتا نہ حسن سے اور نہ ہی ضعیف سے تو صاحب رسالہ کو چاہیے کہ وہ ثابت فرمائیں کہ حافظ ابن تیمیہ جس روایت سے استدلال فرمائیں وہ روایت ان کے نزدیک صحیح ہی ہوتی ہے نہ حسن اور نہ ضعیف پھر وہ ان کے حماد بن شعیب کی روایت سے استدلال کرنے سے اس کی روایت کو ان کے نزدیک صحیح قرار دینے میں حق بجانب تصور کیے جائیں گے تاہم ان کی اس ساری کاوش سے جو بات ثابت ہوگی وہ صرف یہ ہے کہ حافظ ابن تیمیہ اس روایت کو صحیح سمجھتے ہیں جس سے مسئلہ ثابت نہیں ہوگا کیونکہ وہ روایت واقع میں قابل احتجاج نہیں اور نہ ہی شواہد ومتابعات میں پیش ہونے کے قابل ۔حضرت المؤلف تحریر فرماتے ہیں :

''علاوہ ازیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اثر کے صحیح ہونے کا ایک زبردست قرینہ یہ بھی ہے کہ جو لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خاص صحبت یافتہ اور شاگرد اور ان کے مستقر خلافت کوفہ میں رہتے تھے آپ کے بعد وہ بھی بیس رکعتیں پڑھتے تھے چنانچہ شتیر بن شکل سوید بن غفلہ' عبدالرحمان بن ابی بکرہ' سعید بن ابی الحسن اور علی بن ربیعہ جیسے جلیل القدر تابعین بھی اسی تعامل کی پابندی کرتے رہے''۔(ص ۱۹،۲۰)

① اولاً: شتیر بن شکل کے اثر پر کچھ کلام تو گزر چکا اسے ملاحظہ فرمائیں مزید برآں یہ کہ اس کی سند میں عبداللہ بن قیس راوی مجہول ہے چنانچہ میزان میں لکھا ہے :

''عَبْدِاللّٰهِ بْنِ قَيْسٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ لَا يُدْرٰى مَنْ هُوَ تَفَرَّدَ عَنْهُ اَبُوْاِسْحَاقَ''. اھ

''عبداللہ بن قیس' ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کوئی پتہ نہیں چلتا کہ وہ

کون ہیں ان سے روایت میں ابواسحاق متفرد (اکیلے) ہیں''۔اھ

اور تقریب میں ہے:

''عَبْدُاللّٰهِ بْنُ قَيْسٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَوْلَهُ مَجْهُوْلٌ مِنَ الثَّالِثَةِ''.

''عبداللہ بن قیس ابن عباس سے ان کا قول روایت کرتے ہیں مجہول میں تیسرے طبقہ سے''۔اھ

نیز اس کی سند میں ابواسحاق ہے اور ان کی بابت تقریب میں ہے:

''عَمْرُو بْنُ عَبْدِاللّٰهِ الْهَمْدَانِيُّ اَبُوْاِسْحَاقَ السَّبِيْعِيُّ بِفَتْحِ الْمُهْمَلَةِ وَكَسْرِ الْمُوَحَّدَةِ مُكْثِرٌ ثِقَةٌ عَابِدٌ مِنَ الثَّالِثَةِ اِخْتَلَطَ بِاٰخِرِهٖ''. اھ

''عمرو بن عبداللہ ہمدانی ابواسحاق سبیعی سین کی فتح اور باء کے کسرہ کے ساتھ بہت احادیث بیان کرنے والے ثقہ عابد ہیں تیسرے طبقے سے ہیں آخر عمر میں مختلط ہو گئے''۔اھ

اور میزان میں ہے:

اَبُوْاِسْحَاقَ السَّبِيْعِيُّ مِنْ اَئِمَّةِ التَّابِعِيْنَ بِالْكُوْفَةِ وَاَثْبَاتِهِمْ اِلَّا اَنَّهُ شَاخَ وَنَسِيَ وَلَمْ يَخْتَلِطْ وَقَدْ سَمِعَ مِنْهُ سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ وَقَدْ تَغَيَّرَ قَلِيْلًا وَقَالَ اَبُوْحَاتِمٍ ثِقَةٌ يُشْبِهُ الزُّهْرِيَّ فِي الْكَثْرَةِ وَقَالَ فُضَيْلُ بْنُ غَزْوَانَ: كَانَ اَبُوْاِسْحَاقَ يَقْرَأُ الْقُرْآنَ فِيْ كُلِّ ثَلَاثٍ وَقَالَ غَيْرُهُ: كَانَ اَبُوْاِسْحَاقَ صَوَّامًا قَوَّامًا. قُلْتُ: وُلِدَ فِيْ اَيَّامِ عُثْمَانَ وَرَاٰى عَلِيًّا وَاُسَامَةَ بْنَ زَيْدٍ وَفَرَضَ لَهُ مُعَاوِيَةُ الْعَطَاءَ ثَلَاثَمِائَةٍ فِي الشَّهْرِ وَرَوٰى جَرِيْرٌ عَنْ مُغِيْرَةَ قَالَ: مَا اَفْسَدَ حَدِيْثَ اَهْلِ الْكُوْفَةِ غَيْرُ اَبِيْ اِسْحَاقَ وَالْاَعْمَشِ. وَقَالَ الْفَسَوِيُّ: قَالَ ابْنُ عُيَيْنَةَ: حَدَّثَنَا اَبُوْاِسْحَاقَ فِي الْمَسْجِدِ لَيْسَ مَعَنَا ثَالِثٌ وَقَالَ الْفَسَوِيُّ: فَقَالَ بَعْضُ اَهْلِ الْعِلْمِ: كَانَ قَدِ اخْتَلَطَ وَاِنَّمَا تَرَكُوْهُ مَعَ ابْنِ عُيَيْنَةَ

لاختلاطه . اھ وَقَالَ صَاحِبُ تُحْفَةِ الْاَحْوَذِیْ بَعْدَ نَقْلِ عِبَارَةِ التَّقْرِیْبِ الْمَاضِیَةِ: وَقَالَ فِی الْخُلَاصَةِ: اَحَدُ اَعْلَامِ التَّابِعِیْنَ قَالَ اَبُوْ حَاتِمٍ: ثِقَةٌ یُشْبِهُ الزُّهْرِیَّ فِی الْکَثْرَةِ: وَقَالَ حُمَیْدُ الرَّوَّاسِیُّ سَمِعَ مِنْهُ ابْنُ عُیَیْنَةَ بَعْدَ مَا اخْتَلَطَ. اِنْتَھٰی قُلْتُ: ھُوَ مُدَلِّسٌ صَرَّحَ بِهِ الْحَافِظُ فِیْ طَبَقَاتِ الْمُدَلِّسِیْنَ . اھ

ابواسحاق سبیعی کوفہ کے ائمہ تابعین اور پختہ راویوں سے ہیں مگر وہ بوڑھے ہو گئے تھے اور انہیں نسیان (بھول) ہو گیا تھا اور مختلط نہیں ہوئے اور سفیان ابن عیینہ نے ان سے اس حال میں سنا کہ ان میں کچھ تغیر آ چکا تھا اور ابوحاتم نے کہا کہ وہ ثقہ ہے کثرت روایت میں زہری کے مشابہ ہے اور فضیل بن غزوان نے کہا کہ ابواسحاق قرآن مجید ہر تین دن میں پڑھ لیتے تھے اور اس کے غیر نے کہا کہ ابواسحاق بہت روزے رکھنے والے اور بہت قیام کرنے والے تھے۔ میں کہتا ہوں حضرت عثمانؓ کے دور میں پیدا ہوئے اور حضرت علی اور اسامہ ابن زید رضی اللہ عنہم کو دیکھا اور حضرت معاویہؓ نے ان کا ماہانہ وظیفہ تین سو مقرر فرمایا اور جریر نے مغیرہ سے بیان کیا کہ انہوں نے فرمایا کہ اہل کوفہ کی حدیث ابواسحاق اور اعمش کے علاوہ کس قدر خراب ہے اور فسوی نے کہا کہ ابن عیینہ نے کہا کہ ہمیں ابواسحاق نے مسجد میں حدیث بیان کی ہمارے پاس کوئی تیسرا شخص نہ تھا اور فسوی نے کہا تو بعض اہل علم نے کہا کہ وہ مختلط ہو گیا تھا اور محدثین نے اسے ابن عیینہ کے ساتھ ہونے کی صورت میں اس کے اختلاط کی وجہ سے ترک کر دیا۔ اھ۔ اور صاحب تحفۃ الاحوذی نے تقریب کی گزشتہ عبارت نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ خلاصہ میں کہا ہے کہ وہ جلیل القدر تابعین میں سے ایک ہے ابوحاتم نے کہا کہ وہ ثقہ ہے جو کثرت روایت میں زہری کے مشابہ ہے اور حمید رواسی نے کہا ہے کہ ابن

عیینہ نے اس سے اس کے اختلاط کے بعد سنا ہے۔ انتہی میں کہتا ہوں کہ وہ مدلس ہے حافظ نے اس کی تصریح طبقات المدلسین میں کی ہے۔ اھ

تو اس اثر کی سند میں ایک راوی عبداللہ بن قیس تو مجہول ہے اور ایک اور راوی ابواسحاق مختلط اور مدلس ہے جو اس اثر کو بصیغہ عن روایت کر رہا ہے مختلط اور مدلس کی روایت کا حکم ازروئے اصول حدیث پہلے بیان ہو چکا ہے۔

② وثانیاً: حضرت سوید بن غفلہ کا اثر نقل کرنے کے بعد صاحب آثار السنن لکھتے ہیں:

"رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ وَإِسْنَادُهُ حَسَنٌ" (اسے بیہقی نے روایت کیا اور اس کی سند حسن ہے) اور امام بیہقی خود فرماتے ہیں: "وَفِي ذَالِكَ قُوَّةٌ" (اور اس میں قوت ہے) مگر اس اثر کے راوی ابوالخصیب سے متعلق میزان میں ہے: "زِيَادُ بْنُ عَبْدِالرَّحْمٰنِ اَبُوالْخُصَيْبِ تَابِعِيٌّ بَصْرِيٌّ عَنِ ابْنِ عُمَرَ لَا يُعْرَفُ وَذَكَرَهُ ابْنُ حِبَّانَ فِي الثِّقَاتِ" (زیاد بن عبدالرحمان ابوالخصیب تابعی بصری ابن عمرؓ سے روایت کرتا ہے۔ معروف نہیں اور ابن حبان نے اسے ثقات میں ذکر کیا ہے) اور اس کے بعد صاحب میزان ہی کنی کے حصہ میں لکھتے ہیں:

"اَبُوالْخُصَيْبِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ لَا يُدْرٰى مَنْ هُوَ يُقَالُ اسْمُهُ زِيَادُ بْنُ عَبْدِالرَّحْمٰنِ الْعَبَسِيُّ تَفَرَّدَ عَنْهُ عَقِيْلُ بْنُ طَلْحَةَ حَدِيْثَهُ فِي النَّهْيِ اَنْ يَجْلِسَ الرَّجُلُ مَكَانَ مَنْ يَقُوْمُ لَهُ. اھ

قُلْتُ: قَدْ رَوٰى عَنْ اَبِي الْخُصَيْبِ جَعْفَرُ بْنُ عَوْنٍ اَيْضًا فَلَمْ يَتَفَرَّدْ عَنْهُ عَقِيْلُ بْنُ طَلْحَةَ، وَقَالَ الْحَافِظُ فِي التَّقْرِيْبِ اَبُوالْخُصَيْبِ الْبَصَرِيُّ مَقْبُوْلٌ مِنَ الرَّابِعَةِ". اھ

"ابوالخصیب' ابن عمرؓ سے روایت کرتا ہے پتہ نہیں چلتا کہ وہ کون ہے کہا جاتا ہے کہ اس کا نام زیاد بن عبدالرحمان العبسی ہے عقیل بن طلحہ ان سے وہ روایت کرنے میں منفرد ہیں جس میں منع کیا گیا ہے کہ آدمی اس شخص کی جگہ

بیٹھے جو اس کی خاطر اٹھے''۔اھ

میں کہتا ہوں کہ ابوالخصیب سے جعفر بن عون نے بھی روایت کی ہے تو عقیل بن طلحہ روایت میں ان سے متفرد نہ رہے' اور حافظ نے تقریب میں فرمایا کہ ابوالحصیب بصری مقبول ہے چوتھے طبقہ سے ہے''۔اھ

③ وثالثاً: حضرت علی بن ربیعہ کے اثر کی سند کو صاحب آثار السنن نے صحیح قرار دیا ہے۔ رہے عبدالرحمان بن ابی بکرہ اور سعید بن ابی الحسن کے دو اثر تو حضرت المؤلف کی خدمت میں گزارش ہے کہ ان دونوں اثروں کی سند سے بندہ کو مطلع فرمائیں کیونکہ وہ ساری کتابیں پاس نہ ہونے کی وجہ سے ان کی سندیں نہیں دیکھ سکا۔

④ ورابعاً: حضرت علی رضی اللہ عنہ کے چند ایک صحبت یافتہ بزرگوں کے بیس رکعات پڑھنے پڑھانے سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ خود بھی بیس پڑھتے تھے یا انہوں نے کسی صاحب خاص یا عام کو بیس پڑھنے پڑھانے کا حکم دیا تھا تو ان بزرگوں کے مذکورہ آثار تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اثر کے صحیح کیا حسن ہونے کا بھی قرینہ نہیں چہ جائیکہ وہ اس کے صحیح ہونے کا زبردست قرینہ ہوں بلکہ وہ تو ان بزرگوں کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اثر کے صحیح یا حسن ہونے کا بھی قرینہ نہیں ایسے قرینوں کی پہلے وضاحت کی جا چکی ہے اسے بھی ملاحظہ فرمالیں۔

حضرت المؤلف لکھتے ہیں:

''حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اصحاب خاص اور ان کے متبعین کا بیس رکعت کے اختیار کرنے پر یہ اتفاق اس بات کی ناقابل تردید دلیل ہے کہ انہوں نے یقیناً بیس رکعت پڑھنے کا حکم دیا تھا''۔ (ص۲۰)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اصحاب خاص اور متبعین صرف پانچ ہی نہیں بہت زیادہ ہیں لہٰذا صرف ان پانچ بزرگوں کا بیس رکعات اختیار کرنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سب اصحاب خاص اور تمام متبعین کے بیس رکعات اختیار کرنے پر اتفاق پر دلالت نہیں کرتا

جب کہ ان پانچ میں سے کچھ بزرگوں کا بیس رکعات اختیار کرنا ثابت ہی نہیں ۔ پھر ان چند بزرگوں کا بیس رکعات اختیار کرنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ان کو یا کسی اور کو بیس رکعات پڑھنے پڑھانے کا حکم دینے کی بھی دلیل نہیں یقینی اور ناقابل تردید دلیل ہونا تو دور کی بات ہے پھر مصنف صاحب کے اس طرز استدلال کو لے کر کوئی صاحب کہہ سکتے ہیں کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعض اصحاب خاص کا بیس رکعات کو اختیار کرنا ناقابل تردید دلیل ہے اس بات کی کہ انہوں نے یقیناً بیس رکعات پڑھنے کا حکم دیا تھا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی تو آخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب خاص سے تھے تو ان کا بیس رکعات پڑھنے کا حکم دینا کیوں ناقابل تردید دلیل نہیں اس بات کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یقیناً بیس رکعات پڑھنے کا حکم دیا تھا؟ نیز حضرت عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب خاص سے تھے اور گیارہ رکعات پڑھانے کا حکم دینا ان سے ثابت ہے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ حکم آخر کیوں ناقابل تردید دلیل نہیں اس بات کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یقیناً گیارہ رکعات پڑھنے کا حکم دیا تھا؟

پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے گیارہ کا حکم دینا ثابت ہے جب کہ حضرت علیؓ سے بیس کا حکم دینا ثابت ہی نہیں کما ولما تقدم حضرت المؤلف نے اس قسم کے دلائل' قرائن اور مؤیدات کافی بیان فرمائے ہیں مگر اہل علم جانتے ہیں کہ اس قسم کے دلائل' قرائن اور مؤیدات کا علمی دنیا میں ذرہ بھی وزن نہیں بلکہ یہ تو اس قابل ہی نہیں کہ انہیں دلائل' قرائن اور مؤیدات ایسے ناموں سے موسوم کیا جائے فتدبر۔

⑩ اہل مکہ کا تعامل:

حضرت المؤلف فرماتے ہیں:

"رَوٰی مُحَمَّدُ بْنُ نَصْرٍ مِنْ طَرِيْقِ عَطَاءٍ قَالَ اَدْرَكْتُهُمْ فِيْ رَمَضَانَ يُصَلُّوْنَ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً وَثَلَاثَ رَكْعَاتِ الْوِتْرَ".

"(محمد بن نصر نے عطاء کے طریق سے روایت کی ہے کہ وہ فرماتے ہیں میں

نے لوگوں کو رمضان میں بیس رکعت نماز اور تین وتر پڑھتے ہوئے پایا)''۔

عطاء بن ابی رباح مکہ معظّمہ کے رہنے والے جلیل القدر تابعی ہیں وہ اپنا چشم دید واقعہ بیان کرتے ہیں۔ ان کی پیدائش ۲۷ھ میں ہوئی اور ان کی وفات ۱۱۴ھ میں ہوئی''۔ (ص ۲۱)

حضرت المؤلف نے عطاء بن ابی رباح کا جو سنہ ولادت ذکر فرمایا اس سے ظاہر ہے کہ حضرت عطاء نے نہ تو عہد صدیقی پایا' نہ ہی عہد فاروقی اور عہد عثمانی کے اختتام کے وقت وہ کوئی آٹھ سال کے بچے تھے اور عہد علوی کے انصرام کے وقت وہ کوئی تیرہ سال کے بچے تھے پھر حضرت عطاء کے اس اثر میں یہ نہیں بتایا گیا کہ جن لوگوں کو انہوں نے بیس رکعات پڑھتے پایا وہ صحابہ تھے یا تابعین پھر اس میں یہ بھی نہیں بتایا گیا کہ وہ باجماعت پڑھتے تھے یا اکیلے اکیلے۔

مصنف عبدالرزاق میں ہے:

''عَنِ ابْنِ جُرَیْجٍ عَنْ عَطَاءٍ اَنَّ بَعْضَ اُمَرَاءِ هِمْ مُعَاوِیَةَ اَوْ غَیْرَهٗ اَرَادَ جَمْعَ اَهْلِ مَکَّةَ عَلٰی قَارِئٍ وَاحِدٍ فَقَالَ مکره کرنبس لاَ تَفْعَلْ دَعِ النَّاسَ مَنْ شَاءَ طَافَ وَمَنْ شَاءَ صَلّٰی بِصَلَاةِ الْقَارِئِ.

(ج ۴ ص ۲۶۲۔۲۶۳ ح ۷۷۳۷)

ابن جریج سے روایت ہے وہ عطاء سے بیان کرتے ہیں کہ ان کے بعض امراء حضرت معاویہ یا کسی اور نے ارادہ کیا کہ اہل مکہ کو ایک قاری پر جمع کر دیں تو مکرہ کرنبس نے کہا کہ آپ ایسا نہ کریں لوگوں کو رہنے دیں جو چاہے طواف کرے اور جو چاہے قاری کے ساتھ نماز پڑھے تو اس امیر نے ایسا ہی کیا''۔

(ج ۴ ص ۲۶۲۔۲۶۳ حدیث ۷۷۳۷)

اس اثر سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت عطاء کے زمانہ اور امیر معاویہ کے دور تک اہل مکہ کو سرکاری طور پر ایک قاری کی اقتداء میں نماز تراویح ادا کرنے کا پابند نہیں

کیا گیا تھا۔ تو حضرت عطاء کے مذکور بالا اثر سے اتنی بات ثابت ہوتی ہے کہ لوگ ان کے زمانہ میں بیس رکعات پڑھتے تھے البتہ ان کے اس اثر سے بیس رکعات کا سنت نبویہ ہونا ثابت نہیں ہوتا' نہ ہی بیس کا خلفاء راشدین کی سنت ہونا اور نہ ہی اس دور کے تمام لوگوں کا بیس رکعات پڑھنا اس سے ثابت ہوتا ہے۔

حضرت المؤلف لکھتے ہیں:

''رَوٰی اَبُوْبَکْرِ بْنُ اَبِیْ شَیْبَةَ عَنْ وَکِیْعٍ عَنْ نَافِعِ بْنِ عُمَرَ کَانَ ابْنُ اَبِیْ مُلَیْکَةَ یُصَلِّیْ بِنَا فِیْ رَمَضَانَ عِشْرِیْنَ رَکْعَةً (آثار السنن)''۔

''ابوبکر بن شیبہ نے وکیع سے روایت کی انہوں نے نافع بن عمر سے کہ ابن ابی ملیکہ ہمیں رمضان میں بیس رکعت نماز پڑھاتے تھے''۔

ابن ابی ملیکہ جلیل القدر تابعی مکہ معظّمہ کے رہنے والے ہیں ان کی ملاقات حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے ہوئی اب ظاہر ہے کہ خلافت راشدہ کے حالات سے یہ پورے آگاہ تھے عبداللہ بن الزبیر کے دو میں ان کی تقرری عہدہ قضاء پر ہوئی شرح صحیح مسلم نووی ص۱۱۰ ان کے عمل سے اہل مکہ کے طرز عمل پر خوب روشنی پڑتی ہے۔ ابن ابی ملیکہ کی وفات ۱۱۷ھ میں ہوئی نیز یہ دونوں بزرگ عہد عثمانی کے آخری دور اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پورے دور سے واقف ہیں لہٰذا عطاء بن ابی رباح کی روایت سے صحابہ کے تعامل پر روشنی پڑتی ہے''۔ (ص۲۰،ص۲۱)

① اولا: نافع بن عمر صحابی نہیں اور نہ ہی ابن ابی ملیکہ صحابی ہیں تو حضرت نافع ابن عمر کے بیان ''ابن ابی ملیکہ رمضان میں ہمیں بیس رکعات پڑھاتے تھے'' سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ صحابہ کرام اس دور میں بیس رکعات پڑھتے یا پڑھاتے تھے۔

② وثانیا: ابن ابی ملیکہ کی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ملاقات درست اور مسلم لیکن اس ملاقات سے یہ کیسے ثابت ہوا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی بیس رکعات پڑھتے تھے یا انہوں نے کسی کو بیس رکعات پڑھنے پڑھانے کا حکم دیا تھا جب کہ اسلاف کی

نفل عبادت میں تفاوت وقوع پذیر ہے بلکہ واقع ہے کما تقدم وسیاقی ہاں صاحب رسالہ نے ملاقات پر لے لگا کر حاشیہ میں لکھا ہے ''انہیں حضرت عثمان بن عفان کی رؤیت کا شرف نصیب ہوا'' (ابوداؤد) اگر حضرت المولف نے اس رؤیت سے اس ملاقات کا اثبات فرمایا ہے تو پھر ان کا یہ اثبات محل نظر ہے۔

③ وثالثا: یہ بھی مسلم کہ تقریباً نصف خلافت راشدہ (عہد عثمانی کے آخری دور اور عہد علوی کے پورے دور) کے حالات سے وہ آگاہ اور واقف تھے مگر ان کا بیس رکعات نوافل پڑھنا حضرت عثمان' حضرت علی اور ان کے دور کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے بیس رکعات پڑھنے پڑھانے یا پڑھنے پڑھانے کا حکم دینے کی دلیل نہیں۔

④ ورابعا: بیس رکعات پڑھنے پڑھانے والے حضرت عبداللہ بن ابی ملیکہ کی حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے دور میں عہدہ قضاء پر تقرری حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے بیس رکعات پڑھنے پڑھانے یا بیس رکعات کا حکم دینے کے لیے مثبت نہیں۔

⑤ وخامسا: حضرت عطاء بن ابی رباح اور حضرت عبداللہ بن ابی ملیکہ کے مذکورہ بالا دو اثر صحابہ کے بیس رکعات پڑھنے پڑھانے کی دلیل نہیں اور نہ ہی خلفاء راشدین کے بیس پڑھنے پڑھانے یا بیس کا حکم دینے کی دلیل ہیں اور اگر ان دو بزرگوں کی خلافت راشدہ کے تقریباً نصف دور کے حالات سے آگاہی و واقفیت ان کے عمل (بیس رکعات خلفاء راشدین کی سنت ہونے کی دلیل ہے تو پھر حضرت اسود بن یزید کے عمل چالیس رکعات کو بھی خلفاء راشدین کی سنت قرار دینا ہوگا کیونکہ حضرت عطاء اور حضرت ابن ابی ملیکہ تو خلافت راشدہ کے آخری تقریباً نصف دور کے حالات سے آگاہ و واقف تھے لیکن چالیس رکعات پڑھنے والے جلیل القدر بلکہ اجل القدر مخضرم تابعی حضرت اسود ابن یزید تو خلافت راشدہ کے پورے دور کے حالات سے صرف آگاہ و واقف ہی نہ تھے بلکہ انہوں

نے خلفاء راشدین حضرت ابوبکر' حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے ہمراہ حج کرنے کی سعادت بھی حاصل کی پھر خلفاء راشدین حضرت ابوبکر' حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہم سے حدیث سننے پھر روایت کرنے کا شرف بھی انہیں نصیب ہوا تو بانداز مؤلف ان کا یہ عمل چالیس رکعات اس بات کی دلیل ہے کہ خلفاء راشدین نے یقیناً حضرت اسود بن یزید کو چالیس رکعات پڑھنے کا حکم دیا تھا۔

پھر چالیس رکعات پڑھنے والے جلیل القدر تابعی حضرت اسود بن یزید نے عہد نبوی کے آخری ایام پائے مگر ان کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات نہیں ہوئی تو ظاہر ہے کہ انہیں کثیر التعداد صحابہ سے ملاقات کا شرف نصیب ہوا تو ان کے چالیس رکعات پڑھنے والے اثر سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تعامل پر بھی روشنی پڑتی ہے۔

نیز انہوں نے حضرت عبداللہ بن زبیر اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے پورے دور پائے اور وہ ان دونوں کے دوروں کے حالات سے پوری طرح آگاہ بھی تھے لہٰذا ان کے اس طرز عمل سے حضرت عبداللہ بن زبیر' امیر معاویہ اور ان کے دور کے تعامل پر بھی روشنی پڑتی ہے پھر امام مالک کا بیان "یوم حرہ" سے قبل سے لے کر آج تک مدینہ منورہ میں اڑتیس رکعات اور وتر پر عمل ہو رہا ہے" سے بھی مذکورہ بالا دلیل کی کچھ نہ کچھ تائید ہوتی ہے۔

پھر حضرت اسود بن یزید کی وفات کوفہ میں ۷۴ھ یا ۷۵ھ میں ہوئی تو ان کے اثر سے اہل کوفہ کا تعامل سمجھنے میں بھی کچھ نہ کچھ مدد ملتی ہے نیز یہ بزرگ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ان اصحاب خاص میں سے تھے جو صاحب فتویٰ تھے تو ان کے چالیس رکعات پڑھنے سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے تعامل کی بھی وضاحت ہوتی ہے۔

نیز ان کا یہ تعامل حضرت ابی بن کعب کے اکتالیس والے اثر (جس کی طرف جامع ترمذی میں "علی ما روی عن ابی بن کعب" کے الفاظ سے اشارہ کیا

گیا ہے) کے صحیح ہونے کی پرزور شہادت ہے۔ یادر ہے حضرت اسود بن یزید کے چالیس رکعات والے اثر پر یہ ساری تقریر مصنف صاحب کے انداز پر ہے اور وہ اسے ناقابل تردید اور قوی دلائل سے شمار کرتے ہیں جیسا کہ ان کی تحریر سے ظاہر ہے ورنہ ہمارے نزدیک علمی دنیا میں ایسے دلائل کا کوئی وزن نہیں اور حضرت اسود بن یزید کا چالیس رکعات والا اثر عمدۃ القاری میں موجود ہے چنانچہ آگے آرہا ہے۔

⑥ وسادسا: یہ تو پہلے بیان ہو چکا ہے کہ خلفاء راشدین میں سے کسی ایک بھی خلیفہ راشد کا بیس رکعات پڑھنا پڑھانا یا بیس کا کسی کو حکم دینا ثابت نہیں تو اگر بعض صحابہ بیس رکعات پڑھتے بھی ہوں تو ان کے بیس پڑھنے سے بیس رکعات کا سنت نبویہ ہونا ثابت نہیں ہوتا اور نہ ہی ان کے بیس پڑھنے سے بیس کا خلفاء راشدین کی سنت ہونا ثابت ہوتا ہے۔

حضرت المؤلف تحریر فرماتے ہیں: ''محولہ بالا آثار کے صحیح ہونے کی ایک پرزور شہادت یہ بھی ہے کہ فن حدیث کے مسلّم الثبوت امام ابوعیسیٰ ترمذی نے (سنن ترمذی کے مصنف) ترمذی میں فرمایا ہے کہ: ''اَكْثَرُ اَهْلِ الْعِلْمِ عَلٰى مَا رُوِيَ عَنْ عَلِيٍّ وَعُمَرَ وَغَيْرِهِمَا مِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ وَعَبْدِاللّٰهِ بْنِ مُبَارَكٍ وَالشَّافِعِيِّ وَهٰكَذَا اَدْرَكْتُ بِبَلَدِنَا بِمَكَّةَ يُصَلُّوْنَ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً''

''اکثر اہل علم کا عمل اسی پر ہے جو حضرت علی اور عمر رضی اللہ عنہما اور ان کے علاوہ دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے روایت کیا گیا ہے یعنی بیس رکعت اور یہی قول سفیان ثوری' عبداللہ بن مبارک اور شافعی کا ہے اور اسی طرح میں نے اپنے شہر مکہ میں پایا کہ لوگ بیس رکعت پڑھتے تھے''۔

اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ روایات کے صحت وسقم کا علم یا ان کے نقد کا سلیقہ سفیان ثوری' عبداللہ بن مبارک' امام شافعی اور امام ترمذی جیسے جلیل القدر ائمہ حدیث کو زیادہ

حاصل ہے یا عصر حاضر کے ان حضرات کو جوان کی نسبت طفل مکتب ہیں؟ ؎

سَتُبْدِیْ لَکَ الْاَیَّامُ مَا کُنْتَ جَاھِلًا

وَیَاْتِیْکَ بِالْاَخْبَارِ مَنْ لَمْ تُزَوِّدِ (ص۲۱)

''عنقریب زمانہ تیرے لیے وہ چیزیں ظاہر کردے گا جس سے تو واقف نہ تھا اور ایسے ایسے لوگ آ کر تجھے خبریں بتائیں گے جنہیں تو نے زادراہ دے کر نہیں بھیجا''

① اولا: اس بات میں تو کوئی شک وشبہ نہیں کہ امام ترمذی رحمہ اللہ فن حدیث کے مسلم الامامۃ جلیل القدر امام ہیں مگر ان کا قول ''واکثر اھل العلم علی ما روی عن علی وعمر وغیرھما الخ'' محولا بالا آثار کے صحیح ہونے کی شہادت ہے نہ حسن ہونے کی صحیح ہونے کی پر وزر شہادت ہونا تو دور کی بات ہے کیونکہ اصول حدیث کی کتابوں کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ کسی امام حدیث کا کسی حدیث یا اثر کو روایت کرنا اس حدیث یا اثر کے صحیح یا حسن ہونے کی شہادت نہیں الا یہ کہ وہ امام حدیث فرما دیں کہ جس حدیث یا اثر کو وہ روایت کرتے ہیں وہ حدیث یا اثر ان کے نزدیک صحیح ہوتا ہے یا حسن اور ظاہر ہے کہ امام ترمذی نے جامع ترمذی کے متعلق کوئی ایسی بات نہیں فرمائی جب کہ عالم یہ ہے کہ حضرت علی' حضرت عمر اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کے محولہ بالا آثار کو انہوں نے اپنی کتاب جامع میں روایت بھی نہیں کیا صرف اتنے لفظ بولے ہیں۔ ''ما روی عن علی وعمر وغیرھما الخ'' اگر انہوں نے حضرت علی' حضرت عمر اور دیگر صحابہ کے محولا آثار کو جامع ترمذی میں روایت کیا ہوتا تو پھر حضرت المؤلف' صاحب آثار السنن اور دیگر علماء کرام کو ان محولہ بالا آثار کا حوالہ دینے کے سلسلہ میں فن حدیث کے مسلم الثبوت امام کی تالیف کردہ صحاح ستہ کی معتبر ومستند کتاب جامع ترمذی چھوڑ کر سنن کبری' کتاب المعرفۃ للبیہقی' مصنف ابن ابی شیبۃ' مصنف عبدالرزاق اور قیام اللیل للمروزی ایسی کتابوں کے نام لینے کی کیا ضرورت تھی؟

② وثانیا: امام ترمذی اپنی کتاب میں فی الباب کہہ کر ایک مضمون کی کئی احادیث کی طرف اشارہ فرما دیتے ہیں مثلاً باب رفع الیدین عند الرکوع میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث روایت کرنے کے بعد وہ فرماتے ہیں:

"وَفِي الْبَابِ عَنْ عُمَرَ وَعَلِيٍّ وَ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ وَمَالِكِ بْنِ الْحُوَيْرِثِ وَاَنَسٍ وَاَبِیْ هُرَيْرَةَ وَاَبِیْ حُمَيْدٍ وَاَبِیْ اُسَيْدٍ وَسَهْلِ بْنِ سَعْدٍ وَمُحَمَّدِ بْنِ مَسْلَمَةَ وَاَبِیْ قَتَادَةَ وَاَبِیْ مُوْسَى الْاَشْعَرِيِّ وَجَابِرٍ وَعُمَيْرِنِ اللَّيْثِيِّ".

''اوراس مسئلہ میں حضرت عمرؓ، حضرت علی، وائل بن حجر، مالک بن حویرث، انس، ابوہریرہ، ابوحمید، ابواسید، سہل بن سعد، محمد بن مسلمہ، ابوقتادہ، ابوموسیٰ اشعری، جابر اور عمیر لیثی کی احادیث موجود ہیں''۔

تو اب عالم تو عالم کوئی طفل مکتب فن حدیث بھی یہ بات نہیں کہہ سکتا کہ ان چودہ صحابہ کی احادیث در باب رفع الیدین کے صحیح ہونے کی ایک پر زور شہادت یہ بھی ہے کہ فن حدیث کے مسلم الثبوت امام ابوعیسیٰ ترمذی نے جامع ترمذی میں فرمایا ہے: "وفي الباب عن عمر وعلي و وائل بن حجر الخ" البتہ جو حضرات گرامی امام ترمذی کے قول "ما روي عن علي وعمر وغيرهما الخ" کو حضرت علی، حضرت عمر اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کے محولہ بالا آثار در باب تراویح کے صحیح ہونے کی پر زور شہادت قرار دیتے ہوں ان کو چاہیے کہ وہ امام ترمذی ہی کے قول "وفي الباب عن عمر وعلي و وائل بن حجر الخ" کو بھی ان چودہ صحابہ کی احادیث در باب رفع الیدین کے صحیح ہونے کی پر زور شہادت قرار دیں۔ کیونکہ امام صاحب اس مقام پر بھی تو یہی فرما رہے ہیں کہ رفع الیدین کی احادیث ان چودہ صحابہ سے بھی مروی ہیں جیسے کہ باب قیام رمضان میں انہوں نے فرمایا کہ بیس رکعات کے آثار حضرت علی، حضرت عمر اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں اور ان کے ایک قول کو صحت کی پر زور شہادت قرار دینا اور دوسرے قول کو صحت کی پر زور

شہادت قرار نہ دینا انصاف نہیں۔

اگر کوئی صاحب فرمائیں کہ باب قیام رمضان میں تو امام صاحب نے اکثر اہل علم کا قول بھی نقل فرمایا ہے تو ان صاحب کو یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ اکثر اہل علم یا اقل اہل علم کا قول و مذہب کسی حدیث و اثر کے صحیح یا ضعیف ہونے کی شہادت نہیں کما سیاتی پھر امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اکثر اہل علم کا قول و مذہب تو بیان فرمایا مگر یہ نہیں بتایا کہ ان کا اپنا قول و مذہب کیا تھا؟ آیا وہ خود اکثر اہل علم کے قول و مذہب پر تھے یا اسحاق بن راہویہ اور اہل مدینہ منورہ کے قول و مذہب اکتالیس رکعات پر تھے؟

③ وثالثا: امام ترمذی ہی فرماتے ہیں:

”وَاخْتَلَفَ اَهْلُ الْعِلْمِ فِیْ قِیَامِ رَمَضَانَ فَرَاٰی بَعْضُهُمْ اَنْ یُّصَلِّیَ اِحْدٰی وَاَرْبَعِیْنَ رَكْعَةً مَعَ الْوِتْرِ وَهُوَ قَوْلُ اَهْلِ الْمَدِیْنَةِ وَالْعَمَلُ عَلٰی هٰذَا عِنْدَهُمْ بِالْمَدِیْنَةِ“۔

”اہل علم نے قیام رمضان کے متعلق اختلاف فرمایا ہے بعض کا خیال ہے کہ وتر سمیت اکتالیس رکعت پڑھے یہ اہل مدینہ کا قول ہے اور ان کے ہاں اسی پر عمل ہے۔

نیز فرماتے ہیں:

”وَقَالَ اِسْحَاقُ: بَلْ نَخْتَارُ اِحْدٰی وَاَرْبَعِیْنَ عَلٰی مَا رُوِیَ عَنْ اُبَیِّ بْنِ كَعْبٍ“۔

”اور اسحاق نے کہا بلکہ ہم اکتالیس رکعت کو پسند کرتے ہیں جیسا کہ ابی بن کعب سے روایت کی گئی ہے“۔

اور علامہ عینی امام ترمذی کا قول نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

”ذَكَرَ ابْنُ عَبْدِالْبَرِّ فِی الْاِسْتِذْكَارِ عَنِ الْاَسْوَدِ بْنِ یَزِیْدَ كَانَ یُصَلِّیْ اَرْبَعِیْنَ رَكْعَةً وَیُوْتِرُ بِسَبْعٍ هٰكَذَا ذَكَرَهٗ وَلَمْ یَقُلْ اِنَّ الْوِتْرَ مِنَ

اَلْاَرْبَعِیْنَ وَقِیْلَ ثَمَانٌ وَّثَلَاثُوْنَ رَوَاهُ مُحَمَّدُ بْنُ نَصْرٍ مِنْ طَرِیْقِ ابْنِ اَیْمَنَ عَنْ مَالِکٍ قَالَ یُسْتَحَبُّ اَنْ یَقُوْمَ النَّاسُ فِیْ رَمَضَانَ بِثَمَانٍ وَّثَلَاثِیْنَ رَکْعَةً ثُمَّ یُسَلِّمُ الْاِمَامُ وَالنَّاسُ ثُمَّ یُوْتِرُ بِهِمْ بِوَاحِدَةٍ قَالَ وَهٰذَا الْعَمَلُ بِالْمَدِیْنَةِ قَبْلَ الْحَرَّةِ مُنْذُ بِضْعٍ وَمِائَةِ سَنَةٍ اِلَی الْیَوْمِ. هٰکَذَا رَوَی ابْنُ اَیْمَنَ عَنْ مَالِکٍ وَکَاَنَّهُ جَمَعَ رَکْعَتَیْنِ مِنَ الْوِتْرِ مَعَ قِیَامِ رَمَضَانَ وَسَمَّاهُمَا مِنْ قِیَامِ رَمَضَانَ وَاِلَّا فَالْمَشْهُوْرُ عَنْ مَالِکٍ سِتٌّ وَّثَلَاثُوْنَ وَالْوِتْرُ بِثَلَاثٍ وَالْعَدَدُ وَاحِدٌ.

(عمدۃ القاری ج ۵ ص ۳۵۶ـ۳۵۷)

’’ابن عبدالبر نے استذکار میں ذکر کیا ہے کہ اسود بن یزید چالیس رکعت پڑھتے تھے اور سات وتر پڑھتے تھے انہوں نے اسی طرح ذکر کیا ہے اور یہ نہیں کہا کہ وتر چالیس میں شامل تھے۔ بعض نے کہا کہ اڑتیس رکعات پڑھے اسے محمد بن نصر نے ابن ایمن کے طریق سے مالک سے ذکر فرمایا کہ انہوں نے فرمایا کہ مستحب یہ ہے کہ لوگ رمضان میں اڑتیس رکعات قیام کریں پھر امام اور لوگ سلام پھیر دیں۔ پھر امام انہیں ایک رکعت وتر پڑھائے اور یہ عمل مدینہ میں حرہ سے پہلے سے لے کر آج تک ایک سو کئی برس سے آ رہا ہے۔ ابن ایمن نے مالک سے یہ روایت اسی طرح بیان کی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے وتر میں سے دو رکعتیں قیام رمضان کے ساتھ شامل کر دی ہیں اور ان کا نام قیام رمضان رکھ دیا ہے ورنہ امام مالک کا مشہور مذہب تو یہ ہے کہ چھتیس رکعتیں اور تین وتر پڑھے جائیں۔ دونوں صورتوں میں کل تعداد ایک ہی ہے‘‘۔ (عمدۃ القاری ص ۳۵۶ـ۳۵۷ جلد ۵)

تو اب اگر حضرت المولف کا طریقہ اپنایا جائے تو کہا جا سکتا ہے کہ سنتالیس، اکتالیس اور انتالیس رکعات والے آثار صحیح ہونے کی ایک پرزور شہادت یہ بھی ہے

کہ فن حدیث کے مسلم الثبوت امام ابوعیسیٰ ترمذی' حافظ ابن عبدالبر اور محمد ابن نصر مروزی رحمہم اللہ فرماتے ہیں:

"وَقَالَ اِسْحَاقُ: بَلْ نَخْتَارُ اِحْدٰی وَاَرْبَعِیْنَ عَلٰی مَا رُوِیَ عَنْ اُبَیِّ بْنِ کَعْبٍ" عَنِ الْاَسْوَدِ بْنِ یَزِیْدَ کَانَ یُصَلِّیْ اَرْبَعِیْنَ رَکْعَةً الخ" عَنْ مَالِکٍ قَالَ الخ".

"اسحاق نے کہا بلکہ ہم اکتالیس کو پسند کرتے ہیں جیسا کہ ابی بن کعب سے روایت کی گئی ہے۔ اسود بن یزید سے ہے کہ وہ چالیس رکعت پڑھتے تھے الخ مالک سے ہے کہ انہوں نے کہا الخ"۔

اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ روایات کے صحیح وسقیم ہونے کا علم یا ان کے نقد کا سلیقہ امام مالک' امام ترمذی' محمد بن نصر مروزی اور حافظ ابوعمر ابن عبدالبر جیسے جلیل القدر ائمہ حدیث کو زیادہ حاصل ہے یا عصر حاضر کے ان حضرات کو جو ان کی نسبت طفل مکتب ہیں:

سَتُبْدِیْ لَکَ الْاَیَّامُ مَا کُنْتَ جَاهِلًا
وَیَاْتِیْکَ بِالْاَخْبَارِ مَنْ لَمْ تُزَوِّدِ

"عنقریب زمانہ تیرے لیے وہ چیزیں ظاہر کردے گا جس سے تو واقف نہ تھا اور ایسے ایسے لوگ آ کر تجھے خبریں بتائیں گے جنہیں تو نے زادراہ دے کر نہیں بھیجا"

④ ورابعا: امام ترمذی کا بیان یہ نہیں کہ بیس رکعات کا سنت نبویہ یا سنت خلفاء راشدین ہونا سفیان ثوری عبداللہ بن مبارک' امام شافعی اور اکثر اہل علم کا قول ومذہب ہے اور نزاع تو بیس رکعات کے سنت نبویہ اور سنت خلفاء راشدین ہونے میں ہے نہ کہ اقل یا اکثر اہل علم کے بیس یا بیس سے کم وبیش رکعات پڑھنے پڑھانے میں ہاں اگر سفیان بن سعید ثوری' عبداللہ بن مبارک' امام ترمذی' امام ابوحنیفہ' امام مالک' امام شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ تعالیٰ کے بیس

رکعات کو سنت نبویہ یا سنت خلفاء راشدین سمجھنے کی کوئی دلیل ہو تو صاحب رسالہ وہ دلیل بیان فرمائیں۔

⑤ وخامسا: سفیان ثوری' عبداللہ بن مبارک' امام شافعی اور اکثر اہل علم کا قول ''بیس رکعات نماز تراویح'' اس بات کی شہادت و دلیل نہیں کہ محولہ بالا آثار ان کے نزدیک صحیح یا حسن ہیں کیونکہ حافظ ابن صلاح تحریر فرماتے ہیں:

اِذَا رَوَی الْعَدْلُ عَنْ رَجُلٍ وَسَمَّاهُ لَمْ یُجْعَلْ رِوَایَتُهٗ عَنْهُ تَعْدِیْلًا مِنْهُ لَهٗ عِنْدَ اَکْثَرِ الْعُلَمَاءِ مِنْ اَهْلِ الْحَدِیْثِ وَغَیْرِهِمْ وَقَالَ بَعْضُ اَهْلِ الْحَدِیْثِ وَبَعْضُ اَصْحَابِ الشَّافِعِیِّ یُجْعَلُ ذَالِکَ تَعْدِیْلًا مِنْهُ لَهٗ لِاَنَّ ذَالِکَ یَتَضَمَّنُ التَّعْدِیْلَ وَالصَّحِیْحُ هُوَ الْاَوَّلُ لِاَنَّهٗ یَجُوْزُ اَنْ یَرْوِیَ عَنْ غَیْرِ عَدْلٍ فَلَمْ یَتَضَمَّنْ رِوَایَتُهٗ عَنْهُ تَعْدِیْلَهٗ وَهٰکَذَا نَقُوْلُ: اِنَّ عَمَلَ الْعَالِمِ اَوْ فُتْیَاهُ عَلٰی وَفْقِ حَدِیْثٍ لَیْسَ حُکْمًا مِنْهُ بِصِحَّةِ ذَالِکَ الْحَدِیْثِ وَکَذَالِکَ مُخَالَفَتُهٗ لِلْحَدِیْثِ لَیْسَتْ قَدْحًا مِنْهُ فِیْ صِحَّتِهٖ وَلَا فِیْ رَاوِیْهِ " (علوم الحدیث لابن الصلاح) اَقُوْلُ وَالْمُرَادُ بِالصِّحَّةِ فِیْ کَلَامِهٖ هٰذَا مَا یُقَابِلُ الضُّعْفَ وَهُوَ یَشْمَلُ الصِّحَّةَ وَالْحَسَنَ فَتَاَمَّلْ.

''جب عدل راوی کسی شخص سے روایت بیان کرے اور اس کا نام بھی ذکر کرے تو اکثر علماء اہل حدیث اور دوسرے علماء کے نزدیک عادل راوی کا اس شخص سے روایت کرنا اس عادل کی طرف سے اس شخص کی توثیق نہیں سمجھا جائے گا اور شافعی کے بعض اصحاب اس عادل کے روایت کرنے کو اس کی توثیق قرار دیتے ہیں کیونکہ اس کے ضمن میں اس کی تعدیل بھی آجاتی ہے اور صحیح بات پہلی ہے کیونکہ غیر عدل سے اس کا روایت کرنا جائز ہے اس لیے اس کے روایت کرنے سے اسے عادل قرار دینا لازم نہیں آتا اور اسی

طرح ہم کہتے ہیں کہ عالم کا کسی حدیث کے مطابق عمل کرنا یا فتویٰ دینا اس عالم کا اس حدیث کو صحیح قرار دینا نہیں ہے اور اسی طرح کسی امام کا کسی حدیث کے مخالف عمل کرنا اس امام کی طرف سے اس حدیث پر یا اس کے راوی پر عیب نہیں سمجھا جائے (علوم الحدیث) میں کہتا ہوں ابن صلاح کے کلام میں صحت سے مراد وہ ہے جو ضعف کے مقابلہ میں ہے اس لیے اس میں صحیح اور حسن ہونا دونوں شامل ہیں پس غور کیجیے''۔

''اور اصول حدیث کو پیش نظر رکھنا ہر ذی علم پر لازم ہے'' لہٰذا مذکورہ بالا بزرگوں اور اکثر اہل علم کے قول ''بیس رکعات'' سے ثابت کرنا کہ محولہ بالا آثار ان کے نزدیک صحیح یا حسن ہیں درست نہیں اسی سلسلہ میں مزید تفصیل سے سنئے تدریب شرح تقریب میں لکھا ہے:

''وَعَمَلُ الْعَالِمِ وَفُتْيَاهُ عَلٰى وَفْقِ حَدِيْثٍ رَوَاهُ لَيْسَ حُكْمًا، مِنْهُ (بِصِحَّتِهٖ) وَلَا بِتَعْدِيْلِ رُوَاتِهٖ لِاِمْكَانِ اَنْ يَكُوْنَ ذَالِكَ مِنْهُ احْتِيَاطًا اَوْلِدَلِيْلٍ اٰخَرَ وَافَقَ ذَالِكَ الْخَبَرَ وَصَحَّحَ الْاٰمِدِيُّ وَغَيْرُهٗ مِنَ الْاُصُوْلِيِّيْنَ اَنَّهٗ حَكَمَ بِذَالِكَ وَقَالَ اِمَامُ الْحَرَمَيْنِ اِنْ لَمْ يَكُنْ فِيْ مَسَالِكِ الْاِحْتِيَاطِ وَفَرَّقَ ابْنُ تَيْمِيَّةَ بَيْنَ اَنْ يَعْمَلَ بِهٖ فِي التَّرْغِيْبِ وَغَيْرِهٖ (وَلَا مُخَالَفَتُهٗ) لَهٗ (قَدْحٌ) مِنْهُ (فِيْ صِحَّتِهٖ وَلَا فِيْ رُوَاتِهٖ) لِاِمْكَانِ اَنْ يَكُوْنَ ذَالِكَ لِمَانِعٍ مِنْ مُعَارِضٍ اَوْ غَيْرِهٖ وَقَدْ رَوٰى مَالِكٌ حَدِيْثَ الْخِيَارِ وَلَمْ يَعْمَلْ بِهٖ لِعَمَلِ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ بِخِلَافِهٖ وَلَمْ يَكُنْ ذَالِكَ قَدْحًا فِيْ نَافِعٍ رَاوِيْهِ . وَقَالَ ابْنُ كَثِيْرٍ فِي الْقِسْمِ الْاَوَّلِ نَظَرٌ اِذَا لَمْ يَكُنْ فِي الْبَابِ غَيْرُ ذَالِكَ الْحَدِيْثِ وَتَعَرَّضَ لِلْاِحْتِجَاجِ بِهٖ فِيْ فُتْيَاهُ اَوْ حُكْمِهٖ اَوِ اسْتَشْهَدَ بِهٖ عِنْدَ الْعَمَلِ بِمُقْتَضَاهُ قَالَ الْعِرَاقِيُّ: وَالْجَوَابُ اَنَّهٗ لَا يَلْزَمُ مِنْ كَوْنِ ذَالِكَ

الْبَابِ لَيْسَ فِيْهِ غَيْرُ هٰذَا الْحَدِيْثِ اَنْ لَا يَكُوْنَ ثَمَّ دَلِيْلٌ اٰخَرُ مِنْ قِيَاسٍ اَوْ اِجْمَاعٍ وَلَا يَلْزَمُ الْمُفْتِيَ اَوِ الْحَاكِمَ اَنْ يَذْكُرَ جَمِيْعَ اَدِلَّتِهٖ بَلْ وَلَا بَعْضَهَا وَلَعَلَّ لَهٗ دَلِيْلًا اٰخَرَ وَاسْتَاْنَسَ بِالْحَدِيْثِ الْوَارِدِ فِي الْبَابِ وَرُبَّمَا كَانَ يَرَى الْعَمَلَ بِالضَّعِيْفِ وَتَقْدِيْمَهٗ عَلَى الْقِيَاسِ كَمَا تَقَدَّمَ (تنبيه) مِمَّا لَا يَدُلُّ عَلٰى صِحَّةِ الْحَدِيْثِ اَيْضًا كَمَا ذَكَرَهٗ اَهْلُ الْاُصُوْلِ مُوَافَقَةُ الْاِجْمَاعِ لَهٗ عَلَى الْاَصَحِّ لِجَوَازِ اَنْ يَكُوْنَ الْمُسْتَنَدُ غَيْرَهٗ وَقِيْلَ يَدُلُّ وَكَذَالِكَ بَقَاءُ خَبَرٍ تَتَوَفَّرُ الدَّوَاعِيْ عَلٰى اِبْطَالِهٖ وَقَالَ الزَّيْدِيَّةُ يَدُلُّ وَافْتِرَاقُ الْعُلَمَاءِ بَيْنَ مُتَاَوِّلٍ لِلْحَدِيْثِ وَمُحْتَجٍّ بِهٖ وَقَالَ ابْنُ السَّمْعَانِيْ وَقَوْمٌ يَدُلُّ لِتَضَمُّنِهٖ تَلَقِّيَهُمْ لَهٗ بِالْقُبُوْلِ وَاُجِيْبَ بِاحْتِمَالِ اَنَّهٗ تَاَوَّلَهٗ عَلٰى تَقْدِيْرِ صِحَّتِهٖ فَرْضًا لَا عَلٰى ثُبُوْتِهَا عِنْدَهٗ اھ اَقُوْلُ اِنَّ لَفْظَةَ لَا فِيْ قَوْلِهٖ: وَالْجَوَابُ اَنَّهٗ لَا يَلْزَمُ كَوْنُ الخ لَيْسَتْ فِيْ نُسْخَةِ التَّدْرِيْبِ الَّتِيْ بِيَدِيْ وَاِنَّمَا صَحَّحْنَا ذَالِكَ نَحْنُ نَظَرًا اِلَى السِّيَاقِ وَالسِّبَاقِ وَاللِّحَاقِ وَهٰذَا كَمَا صَحَّحْنَا قَوْلَ صَاحِبِ الرِّسَالَةِ: وَيَاْتِيْكَ بِالْاَخْبَارِ لَمْ تُزَوِّدِ بِاِدْخَالِ لَفْظَةِ مَنْ بَيْنَ بِالْاَخْبَارِ وَبَيْنَ لَمْ تُزَوِّدِ، فَتَدَبَّرْ .

''عالم کا کسی حدیث کے مطابق عمل یا فتویٰ اس عالم کی طرف سے اس حدیث کے صحیح ہونے کا حکم نہیں ہے نہ ہی اس کے راویوں کے عادل ہونے کا حکم ہے کیونکہ ہوسکتا ہے اس نے احتیاط کی وجہ سے یا کسی دوسری دلیل کی وجہ سے ایسا کیا ہو جو اس حدیث کے مطابق ہے اور آمدی اور کچھ دوسرے اصولی علماء نے اس بات کو صحیح قرار دیا کہ یہ اس عالم کا حکم ہوگا اور امام الحرمین نے کہا اس شرط کے ساتھ کہ احتیاط کی صورتوں سے نہ ہو اور ابن تیمیہ نے مواقع ترغیب اور دوسرے مواقع میں عمل کے درمیان فرق کیا ہے .

اور نہ ہی اس امام کے حدیث کے مخالف عمل یا فتویٰ کو اس حدیث کی صحت یا اس کے راویوں کی ثقاہت میں عیب سمجھا جائے گا کیونکہ ہوسکتا ہے یہ کسی معارض یا دوسرے مانع کی بنا پر ہو۔ امام مالک نے حدیث خیار روایت کی ہے اور اہل مدینہ کے مخالف عمل کی وجہ سے اس پر عمل نہیں کیا اور مالک کا یہ عمل حدیث کے راوی نافع پر عیب نہیں ہے۔ ابن کثیر نے فرمایا کہ پہلی قسم اس صورت میں محل نظر ہے جب اس مسئلے میں اس حدیث کے علاوہ کوئی اور حدیث نہ ہو اور عالم نے اپنے فتویٰ یا فیصلے میں بطور حجت وہ حدیث پیش کی ہو یا اس کے مفہوم پر عمل کے وقت اس حدیث سے استشہاد کیا ہو۔ عراقی نے فرمایا کہ اس کا جواب یہ ہے کہ اس مسئلہ میں کسی دوسری حدیث کے نہ ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ وہاں اجماع یا قیاس کی بھی کوئی دوسری دلیل نہیں اور مفتی یا حاکم کے لیے ضروری نہیں کہ اپنی تمام دلیلیں بیان کرے بلکہ بعض دلیلیں بیان کرنا بھی ضروری نہیں۔ شاید اس کے پاس کوئی اور دلیل ہو اور اس کا میلان اس حدیث کی طرف ہو گیا ہو جو زیر بحث مسئلہ میں موجود ہے اور ممکن ہے کہ اس عالم کا خیال یہ ہو کہ قیاس کے مقابلے میں ضعیف حدیث مقدم سمجھی جائے گی اور اس پر عمل ہوگا جیسا کہ گزر چکا۔ تنبیہ۔ جو چیزیں اہل اصول کے بیان کے مطابق حدیث کے صحیح ہونے کی دلیل نہیں بن سکتیں ان میں ایک چیز اجماع کا اس حدیث کے مطابق ہونا ہے زیادہ صحیح مذہب کے مطابق کیونکہ ہوسکتا ہے اجماع کی اصل بنیاد کوئی اور ہو۔ بعض کہتے ہیں کہ دلیل بن سکتی ہے۔ اسی طرح خبر کے ابطال کے تقاضوں کے باوجود اس کا باقی رہنا بھی دلیل نہیں زیدیہ نے کہا دلیل ہے اسی طرح بعض علماء کا اس حدیث کی تاویل اور بعض کا اس سے دلیل پکڑنا بھی صحت کی دلیل نہیں اور ابن سمعانی اور ایک قوم نے کہا دلیل ہے کیونکہ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ

انہوں نے اس حدیث کو قبول کیا ہے (تبھی تو دلیل پکڑی ہے یا تاویل کی ہے) اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ احتمال بھی ہے کہ اس نے اس کی تاویل اس لیے کی ہو کہ اگر اس کو صحیح فرض کیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا یہ بات نہیں کہ وہ حدیث فی الواقع اس کے نزدیک ثابت ہے۔ انتہی۔ میں کہتا ہوں کہ اس عبارت "والجواب انه لم یلزم من کون الخ" میں "لا" کا لفظ تدریب کے اس نسخہ میں نہیں ہے جو میرے پاس ہے تصحیح ہم نے سیاق وسباق ولحاظ کو دیکھ کر کی ہے۔ جس طرح ہم نے صاحب رسالہ کے قول: "ویاتیک بالاخبار لم تزود" کی تصحیح بالاخبار اور لم تزود کے درمیان "من" کا لفظ لکھ کر کی ہے۔ فتدبر"۔

تو جب پوری امت کے تمام مجتہدین کا کسی حدیث واثر کے موافق اجماع اس حدیث واثر کے صحیح یا حسن ہونے پر دلالت نہیں کرتا تو پھر تین چار ائمہ یا جمہور امت کا کسی حدیث واثر کے موافق قول وعمل اس حدیث واثر کے ان کے ہاں صحیح یا حسن ہونے پر کیونکر دلالت کرسکتا ہے۔

⑥ وسادسا: یہ بات درست اور مسلم کہ روایات کے صحیح وسقیم ہونے کا علم اور نقد روایات کا سلیقہ سفیان ثوری عبداللہ بن مبارک' امام شافعی اور امام ترمذی رحمہم اللہ جیسے جلیل القدر وسیع العلم ائمہ حدیث حضرات کو زیادہ اور خوب حاصل تھا نیز بندہ' صاحب رسالہ اور عصر حاضر کے علماء ان کی نسبت طفل مکتب ہیں مگر یہ بات درست ومسلم ہونے سے ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ محولہ بالا آثار ان جلیل القدر وسیع العلم ائمہ حدیث حضرات کے نزدیک صحیح یا حسن ہیں۔ کما ولم تقدم۔

⑦ وسابعا: صاحب رسالہ نے اپنے مذکورہ بالا بیان میں شعر ستبدی لک الایام الخ کو عصر حاضر کے بعض علماء پر چسپاں فرمایا ہے تو اس سلسلہ میں ان کی خدمت میں گزارش ہے کہ پہلے وہ ہمارے اس تبصرہ کو شروع سے لے کر آخر تک خصوصاً

محدث حافظ اور ثقہ کے ہم معنی ہونے نہ ہونے' مستور کے مجہول ہونے نہ ہونے اور سبل السلام کے تین مقامات مذکورہ غلط ہونے نہ ہونے کی مباحث بغور پڑھیں پھر اس کے بعد اپنا ذکر کیا ہوا شعر ستبدی لک الایام الخ بھی ایک مرتبہ پڑھ لیں۔ رہا بندہ تو اسے ستبدی لک الایام کا مصداق ہونے کا اعتراف ہے جیسے اسے حضرت سفیان ثوری' حضرت عبداللہ بن مبارک' امام شافعی اور امام ترمذی رحمہم اللہ تعالیٰ جیسے جلیل القدر وسیع ائمہ حدیث کی نسبت طفل مکتب ہونے کا اقرار ہے۔

حضرت المؤلف فرماتے ہیں:

> ''نیز عہد فاروقی سے لے کر صحابہ کرام اور تابعین اور نسلا بعد نسل عامۃ المسلمین کے وسیع پیمانہ پر مسلسل تعامل ہوا اگر کوئی شخص اہمیت نہ دے تو اس کی ناواقفیت ہے ورنہ حقیقت میں تعامل سلف صحیح السند روایت سے کہیں بڑھ کر قابل اعتماد دلیل ہے''۔ (ص ۲۱)

① اولا: عہد فاروقی کے تعامل بیس رکعات کی بنیاد تو مذکورہ بالا آثار ہی ہیں جن کی حقیقت واضح کر دی گئی ہے۔

② وثانیا: صحابہ کرام کا تعامل بیس رکعات صاحب رسالہ نے جس دلیل سے ثابت کیا ہے وہ یہ ہے کہ بعض صحابہ کے کچھ خاص صحبت یافتہ اور چند شاگرد بیس پڑھتے تھے یا پھر عہد صحابہ کے فلاں بزرگ بیس پڑھتے پڑھاتے تھے لہٰذا صحابہ کرام بھی بیس پڑھتے پڑھاتے اور پڑھانے کا حکم دیتے تھے اور اس دلیل کی اصلیت کو بھی پچھلے صفحات میں روشن کیا جا چکا ہے اور جن آثار میں خاص خاص صحابہ کے بیس پڑھنے پڑھانے اور بیس کا حکم دینے کا ذکر ہے وہ سرے سے ثابت ہی نہیں مثلاً حضرت علی' حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم کے آثار تحقیق پہلے گزر چکی اسے ملاحظہ فرمائیں۔

③ وثالثا: حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا ابی بن کعب اور تمیم داری رضی اللہ عنہما کو گیارہ رکعات پڑھانے کا حکم دینا ثابت ہے نیز عہد فاروقی میں لوگوں (جن میں صحابہ وتابعین بھی تھے) کا گیارہ اور تیرہ رکعات پڑھنا ثابت ہے لہٰذا صاحب رسالہ کا بیان ''نیز عہد فاروقی سے لے کر الخ'' محل نظر ہے۔

④ ورابعا: عہد فاروقی میں اہل مدینہ کا تعامل گیارہ اور تیرہ رکعات تھا اور عہد نبوی میں بھی اہل مدینہ کا تعامل یہی تھا پھر امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے بیان ''قبل یوم حرہ سے لے کر آج تک کوئی سو برس سے زائد عرصہ سے مدینہ منورہ میں انتالیس پر عمل ہورہا ہے'' سے پتہ چلتا ہے کہ خلفاء راشدین اربعہ کے دور کے بعد اہل مدینہ کا تعامل انتالیس رکعات ہوگیا تھا اور امام مالک کی وفات ۱۷۹ھ میں ہوئی اور یوم حرہ ۶۳ھ میں معرض وجود میں آیا تو ظاہر ہے کہ یوم حرم سے قبل اور بعد صحابہ کثیر تعداد میں موجود تھے کیونکہ صحابہ کا زمانہ ایک سودس ہجری (۱۱۰ھ) تک ہے اور تابعین تو اس دور میں بے شمار تھے تو قبل یوم حرہ سے لے کر امام مالکؒ کے زمانہ تک اہل مدینہ انتالیس رکعات پڑھتے رہے پھر فن حدیث کے مسلم الثبوت امام ابوعیسیٰ ترمذی کی شہادت بھی ملاحظہ فرمائیں وہ لکھتے ہیں:

'' فَرَأَى بَعْضُهُمْ اَنْ يُصَلِّيَ اِحْدٰى وَاَرْبَعِيْنَ رَكْعَةً مَعَ الْوِتْرِ وَهُوَ قَوْلُ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَهُمْ بِالْمَدِيْنَةِ ''.

''تو بعض کا خیال یہ ہے کہ اکتالیس رکعات وتر سمیت پڑھے اور یہ اہل مدینہ کا قول ہے اور مدینہ میں ان کے ہاں اسی پر عمل ہے''۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ۲۷۹ھ میں ہوئی تو ان کی اس شہادت سے پتہ چلا کہ امام ترمذی کے زمانہ تک اہل مدینہ کا تعامل اکتالیس رکعات تھا تو اب صاحب رسالہ خود غور فرمائیں کہ آیا بیس رکعات عہد فاروقی سے لے کر اہل مدینہ کا مسلسل تعامل ہے یا نہیں؟ اور اہل مکہ کا تعامل بیس رکعات جن تابعین کے واسطہ سے مصنف

صاحب نے نقل فرمایا ان تابعین نے عہد فاروقی سرے سے پایا ہی نہیں بلکہ وہ تو شہادت حضرت عمر فاروق کے بعد پیدا ہوئے تو پھر بیس رکعات کو عہد فاروقی سے لے کر اہل مکہ کا مسلسل تعامل کیسے قرار دیا جا سکتا ہے رہے اہل کوفہ تو ان کے تعامل بیس رکعات کے عہد فاروقی میں معرض وجود میں آنے کی صاحب رسالہ نے کوئی دلیل بیان نہیں فرمائی۔ ادھر کوفہ کے رہنے والے حضرت اسود بن یزید جن کی وفات بھی ۷۵ھ میں کوفہ کے اندر ہی ہوئی چالیس رکعات پڑھتے تھے اور انہوں نے خلفاء راشدین اربعہ کا دور بھی پایا ہے کیونکہ وہ مخضرم تابعی ہیں اور ۷۵ھ میں وفات پا رہے ہیں تو حضرت اسود بن یزید کے تعامل سے اہل کوفہ کے تعامل پر بھی روشنی پڑتی ہے تو صاحب رسالہ اگر ان قرائن وشواہد کی روشنی میں اپنے دعویٰ ''عہد فاروقی سے لے کر الخ پر غور فرمائیں گے تو واقفیت وناواقفیت اور اہمیت وناہمیت والا راز ان کو معلوم ہو جائے گا ان شاء اللہ تعالیٰ نیز فن حدیث کے مسلم الثبوت امام ابوعیسیٰ ترمذی کا بیان ''وَقَالَ اِسْحَاقُ بَلْ نَخْتَارُ اِحْدٰی وَاَرْبَعِیْنَ عَلٰی مَا رُوِیَ عَنْ اُبَیِّ ابْنِ کَعْبٍ'' اور اسحاق نے کہا بلکہ ہم اکتالیس کو مختار سمجھتے ہیں اس کی بنا پر جو ابی بن کعب سے روایت کیا گیا ہے۔ ان کے دعویٰ مذکورہ کو روشن کرتا ہے۔

⑤ وخامسا: چونکہ علامہ بدر الدین عینی رحمہ اللہ کی تقریر سے بیس رکعات کے عہد فاروقی سے لے کر صحابہ کرام، تابعین عظام اور نسلا بعد نسل عامۃ المسلمین کے وسیع پیمانہ پر تعامل ہونے پر کافی روشنی پڑتی ہے اس لیے مناسب ہے کہ اس مقام پر وہ تقریر بتمامہ (مکمل) نقل کر دی جائے تاکہ حضرت المؤلف کے مذکورہ بالا دعویٰ کی حقیقت کو پہچانا جا سکے چنانچہ علامہ صاحب لکھتے ہیں:

''وَقَدِ اخْتَلَفَ الْعُلَمَاءُ فِی الْعَدَدِ الْمُسْتَحَبِّ فِیْ قِیَامِ رَمَضَانَ عَلٰی اَقْوَالٍ کَثِیْرَۃٍ:

① فَقِیْلَ اِحْدٰی وَاَرْبَعُوْنَ وَقَالَ التِّرْمَذِیُّ: رَاٰی بَعْضُھُمْ اَنْ یُّصَلِّیَ

اِحْدٰی وَاَرْبَعِیْنَ رَکْعَةً مَعَ الْوِتْرِ وَهُوَ قَوْلُ اَهْلِ الْمَدِیْنَةِ وَالْعَمَلُ عَلٰی هٰذَا عِنْدَهُمْ بِالْمَدِیْنَةِ . قَالَ شَیْخُنَا رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی: وَهُوَ اَکْثَرُ مَا قِیْلَ فِیْهِ . قُلْتُ: ذَکَرَ ابْنُ عَبْدِالْبَرِّ فِی الْاِسْتِذْکَارِ عَنِ الْاَسْوَدِ بْنِ یَزِیْدَ کَانَ یُصَلِّیْ اَرْبَعِیْنَ رَکْعَةً وَیُوْتِرُ بِسَبْعٍ هٰکَذَا ذَکَرَهٗ وَلَمْ یَقُلْ اِنَّ الْوِتْرَ مِنَ الْاَرْبَعِیْنَ .

② وَقِیْلَ ثَمَانٌ وَّثَلَاثُوْنَ رَوَاهُ مُحَمَّدُ بْنُ نَصْرٍ مِنْ طَرِیْقِ ابْنِ اَیْمَنَ عَنْ مَالِکٍ قَالَ یُسْتَحَبُّ اَنْ یَقُوْمَ النَّاسُ فِیْ رَمَضَانَ بِثَمَانٍ وَّثَلَاثِیْنَ رَکْعَةً یُسَلِّمُ الْاِمَامُ وَالنَّاسُ ثُمَّ یُوْتِرُبِهِمْ بِوَاحِدَةٍ قَالَ وَهٰذَا الْعَمَلُ بِالْمَدِیْنَةِ قَبْلَ الْحَرَّةِ مُنْذُ بِضْعٍ وَّمِائَةِ سَنَةٍ اِلَی الْیَوْمِ . هٰکَذَا رَوَی ابْنُ اَیْمَنَ عَنْ مَالِکٍ وَکَاَنَّهٗ جَمَعَ رَکْعَتَیْنِ مِنَ الْوِتْرِ مَعَ قِیَامِ رَمَضَانَ وَسَمَّاهَا مِنْ قِیَامِ رَمَضَانَ وَاِلَّا فَالْمَشْهُوْرُ عَنْ مَالِکٍ سِتٌّ وَّثَلَاثُوْنَ وَالْوِتْرُ بِثَلَاثٍ وَالْعَدَدُ وَاحِدٌ

③ وَقِیْلَ سِتٌّ وَّثَلَاثُوْنَ وَهُوَالَّذِیْ عَلَیْهِ عَمَلُ اَهْلِ الْمَدِیْنَةِ وَرَوَی ابْنُ وَهْبٍ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ عَمْرٍو یُحَدِّثُ عَنْ نَافِعٍ قَالَ لَمْ اُدْرِکِ النَّاسَ اِلَّا وَهُوَ یُصَلُّوْنَ تِسْعًا وَثَلَاثِیْنَ رَکْعَةً وَیُوْتِرُوْنَ مِنْهَا بِثَلَاثٍ .

④ وَقِیْلَ اَرْبَعٌ وَّثَلَاثُوْنَ عَلٰی مَا حُکِیَ عَنْ زُرَارَةَ بْنِ اَوْفٰی اَنَّهٗ کَذَالِکَ کَانَ یُصَلِّیْ بِهِمْ فِی الْعَشْرِ الْاَخِیْرِ .

⑤ وَقِیْلَ ثَمَانٌ وَّعِشْرُوْنَ وَهُوَ الْمَرْوِیُّ عَنْ زُرَارَةَ بْنِ اَوْفٰی فِی الْعَشْرَیْنِ الْاَوَّلَیْنِ مِنَ الشَّهْرِ وَکَانَ سَعِیْدُ بْنُ جُبَیْرٍ یَفْعَلُهٗ فِی الْعَشْرِ الْاَخِیْرِ .

⑥ وَقِیْلَ اَرْبَعٌ وَّعِشْرُوْنَ وَهُوَ مَرْوِیٌّ عَنْ سَعِیْدِ بْنِ جُبَیْرٍ .

⑦ وَقِیْلَ عِشْرُوْنَ وَحَکَاهُ التِّرْمَذِیُّ عَنْ اَکْثَرِ اَهْلِ الْعِلْمِ فَاِنَّهٗ رُوِیَ عَنْ

عُمَرَ وَعَلِيٍّ وَغَيْرِهِمَا مِنَ الصَّحَابَةِ وَهُوَ قَوْلُ الْحَنَفِيَّةِ اَمَّا اَثَرُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ فَرَوَاهُ مَالِكٌ فِي الْمُوَطَّا بِاِسْنَادٍ مُنْقَطِعٍ فَاِنْ قُلْتَ: رَوٰى عَبْدُالرَّزَّاقِ فِي الْمُصَنَّفِ عَنْ دَاوٗدَ بْنِ قَيْسٍ وَغَيْرِهٖ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يُوْسُفَ عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيْدَ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ جَمَعَ النَّاسَ فِيْ رَمَضَانَ عَلٰى اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ وَعَلٰى تَمِيْمِنِ الدَّارِيِّ عَلٰى اِحْدٰى وَعِشْرِيْنَ رَكْعَةً يَقُوْمُوْنَ بِالْمِئِيْنَ وَيَنْصَرِفُوْنَ فِيْ بُزُوْغِ الْفَجْرِ . قُلْتُ: قَالَ ابْنِ عَبْدِالْبَرِّ هُوَمَحْمُوْلٌ عَلٰى اَنَّ الْوَاحِدَةَ لِلْوِتْرِ. وَقَالَ ابْنُ عَبْدِالْبَرِّ: وَرَوَى الْحَارِثُ بْنُ عَبْدِالرَّحْمٰنِ ابْنِ اَبِيْ ذُبَابٍ عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيْدَ قَالَ الْقِيَامُ عَلٰى عَهْدِ عُمَرَ بِثَلَاثٍ وَّعِشْرِيْنَ رَكْعَةً . قَالَ ابْنُ عَبْدِالْبَرِّ: هٰذَا مَحْمُوْلٌ عَلٰى اَنَّ الثَّلَاثَ لِلْوِتْرِ . وَقَالَ شَيْخُنَا: وَمَا حَمَلَهٗ عَلَيْهِ فِي الْحَدِيْثَيْنِ صَحِيْحٌ بِدَلِيْلِ مَا رَوٰى مُحَمَّدُ بْنُ نَصْرٍ مِنْ رِوَايَةِ يَزِيْدَ بْنِ خُصَيْفَةَ عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيْدَ اَنَّهُمْ كَانُوْا يَقُوْمُوْنَ فِيْ رَمَضَانَ بِعِشْرِيْنَ رَكْعَةً فِيْ زَمَانِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ . وَاَمَّا اَثَرُ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ فَذَكَرَهٗ وَكِيْعٌ عَنْ حَسَنِ بْنِ صَالِحٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ قَيْسٍ عَنْ اَبِي الْحَسْنَاءِ عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَّهٗ اَمَرَ رَجُلًا يُصَلِّيْ بِهِمْ رَمَضَانَ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً وَاَمَّا غَيْرُهُمَا مِنَ الصَّحَابَةِ فَرُوِيَ ذَالِكَ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَوَاهُ مُحَمَّدُ بْنُ نَصْرِ نِ الْمَرْوَزِيُّ قَالَ اَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيٰى اَخْبَرَنَا حَفْصُ بْنُ غِيَاثٍ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ زَيْدِ بْنِ وَهْبٍ قَالَ كَانَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ مَسْعُوْدٍ يُصَلِّيْ لَنَا فِيْ شَهْرِ رَمَضَانَ فَلْيَنْصَرِفُ وَعَلَيْهِ لَيْلٌ قَالَ الْاَعْمَشُ كَانَ يُصَلِّيْ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً وَيُوْتِرُ بِثَلَاثٍ. وَاَمَّاالْقَائِلُوْنَ بِهٖ مِنَ

التَّابِعِيْنَ فَشُتَيْرُ بْنُ شَكَلٍ وَابْنُ اَبِیْ مُلَيْكَةَ وَالْحَارِثُ الْهَمْدَانِیُّ وَعَطَاءُ بْنُ اَبِیْ رِبَاحٍ وَاَبُوالْبُخْتَرِیِّ وَسَعِيْدُ ابْنُ اَبِی الْحَسَنِ الْبَصْرِیُّ اَخُو الْحَسَنِ وَعَبْدُالرَّحْمٰنِ بْنُ اَبِیْ بَكْرٍ وَعِمْرَانُ الْعَبْدِیُّ وَقَالَ ابْنُ عَبْدِالْبَرِّ وَهُوَ قَوْلُ جُمْهُوْرِ الْعُلَمَاءِ وَبِهٖ قَالَ الْكُوْفِيُّوْنَ وَالشَّافِعِیُّ وَاَكْثَرُ الْفُقَهَاءِ وَهُوَ الصَّحِيْحُ عَنْ اُبَیِّ بْنِ كَعْبٍ مِنْ غَيْرِ خِلَافٍ مِّنَ الصَّحَابَةِ .

⑧ وَقِيْلَ سِتَّ عَشَرَةَ فَهُوَ مَرْوِیٌّ عَنْ اَبِیْ مِجْلَزٍ اَنَّهٗ كَانَ يُصَلِّیْ بِهِمْ اَرْبَعَ تَرْوِيْحَاتٍ وَيَقْرَأُ بِهِمْ سُبُعَ الْقُرْآنِ فِیْ كُلِّ لَيْلَةٍ رَوَاهُ مُحَمَّدُ بْنُ نَصْرٍ مِنْ رِوَايَةِ عِمْرَانَ بْنِ جُدَيْرٍ عَنْ اَبِیْ مِجْلَزٍ .

⑨ وَقِيْلَ ثَلَاثَ عَشَرَةَ وَاخْتَارَهٗ مُحَمَّدُ بْنُ اِسْحَاقَ رَوٰی مُحَمَّدُ بْنُ نَصْرٍ مِنْ طَرِيْقِ ابْنِ اِسْحَاقَ قَالَ حَدَّثَنِیْ مُحَمَّدُ بْنُ يُوْسُفَ ابْنِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ يَزِيْدَ ابْنُ اُخْتِ نَمِرٍ عَنْ جَدِّهِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيْدَ قَالَ كُنَّا نُصَلِّیْ فِیْ زَمَانِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ فِیْ رَمَضَانَ ثَلَاثَ عَشَرَةَ رَكْعَةً وَلٰكِنْ وَاللّٰهِ مَا كُنَّا نَخْرُجُ اِلَّا فِیْ وِجَاهِ الصُّبْحِ كَانَ الْقَارِئُ يَقْرَأُ فِیْ كُلِّ رَكْعَةٍ بِخَمْسِيْنَ اٰيَةً وَسِتِّيْنَ آيَةً قَالَ ابْنُ اِسْحَاقَ: وَمَا سَمِعْتُ فِیْ ذَالِكَ حَدِيْثًا هُوَ اَثْبَتُ عِنْدِیْ وَلَا اَحْرٰی بِاَنْ يَّكُوْنَ مِنْ حَدِيْثِ السَّائِبِ وَذَالِكَ اَنَّ صَلَاةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَتْ مِنَ اللَّيْلِ ثَلَاثَ عَشَرَةَ رَكْعَةً . وَقَالَ شَيْخُنَا: لَعَلَّ هٰذَا كَانَ مِنْ فِعْلِ عُمَرَ اَوَّلًا ثُمَّ نَقَلَهُمْ اِلٰی ثَلَاثٍ وَّعِشْرِيْنَ .

⑩ وَقِيْلَ اِحْدٰی عَشَرَةَ رَكْعَةً وَهُوَ اخْتِيَارُ مَالِكٍ لِنَفْسِهٖ وَاخْتَارَهٗ اَبُوْبَكْرِ (بْنُ) الْعَرَبِیِّ . اھ (عمدۃ القاری ج۵ص ۳۵۶۔۳۵۷)

① ترجمہ: قیام رمضان میں مستحب عدد کے بارے میں علماء کے بہت سے اقوال ہیں بعض نے کہا اکتالیس، ترمذی نے فرمایا کہ بعض علماء کا خیال ہے کہ وتر سمیت اکتالیس رکعتیں پڑھے یہ اہل مدینہ کا قول ہے اور وہاں ان کا اسی پر عمل ہے۔ ہمارے شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ قیام رمضان میں تمام اقوال میں سے یہ زیادہ تعداد ہے میں کہتا ہوں کہ ابن عبدالبر نے استذکار میں اسود بن یزید کے متعلق ذکر فرمایا کہ وہ چالیس رکعت اور سات وتر پڑھتے راوی نے اسی طرح ذکر کیا یہ نہیں کہا کہ وتر چالیس میں شامل تھے۔

② بعض کہتے ہیں اڑتیس، اسے محمد بن نصر نے ابن ایمن کے طریق سے مالک سے ذکر فرمایا کہ انہوں نے فرمایا کہ مستحب یہ ہے کہ رمضان میں لوگوں کو اڑتیس رکعت پڑھائے پھر امام اور لوگ سلام پھیر دیں پھر انہیں ایک وتر پڑھائے مالک نے فرمایا کہ مدینہ میں یہ عمل واقعہ حرہ سے قبل آج تک ایک سو سے زائد برس سے چلا آ رہا ہے۔ ابن ایمن نے مالک سے اسی طرح روایت کی۔ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے وتر کی دو رکعتیں قیام رمضان کے ساتھ شامل کر دی ہیں اور انہیں قیام رمضان کا نام دے دیا ہے ورنہ امام مالک سے مشہور روایت چھتیس رکعات اور تین وتر ہیں۔ بہرحال دونوں صورتوں میں تعداد ایک ہی ہے۔

③ بعض کہتے ہیں چھتیس۔ اہل مدینہ کا اسی پر عمل ہے اور ابن وھب نے روایت کی کہ میں نے عبداللہ بن عمر سے سنا وہ نافع سے بیان فرماتے تھے کہ انہوں نے فرمایا میں نے لوگوں کو اسی حال میں پایا کہ وہ انتالیس رکعت پڑھتے تھے جن میں سے تین وتر ہوتے تھے۔

④ بعض کہتے ہیں چونتیس جیسا کہ زرارہ بن اوفی سے بیان کیا گیا ہے کہ وہ آخری عشرہ میں لوگوں کو اسی طرح پڑھایا کرتے تھے۔

⑤ بعض کہتے ہیں اٹھائیس۔ اور یہ عدد زرارہ بن اوفی سے ماہ رمضان کے پہلے دو عشروں میں بیان کیا گیا ہے اور سعید بن جبیر آخری عشرے میں اتنی رکعات پڑھتے تھے۔

⑥ بعض کہتے ہیں چوبیس اور یہی سعید بن جبیر سے مروی ہے۔

⑦ بعض کہتے ہیں بیس۔ ترمذی نے یہ قول اکثر اہل علم سے بیان کیا ہے کیونکہ یہ حضرت عمر اور علی اور دوسرے صحابہ سے بیان کیا گیا ہے اور یہ ہمارے حنفی ساتھیوں کا قول ہے۔ حضرت عمر کا اثر جو ہے وہ مالک نے موطا میں منقطع سند کے ساتھ بیان کیا ہے اگر تم کہو کہ عبدالرزاق نے مصنف میں داؤد بن قیس وغیرہ سے محمد بن یوسف سے بیان کیا ہے انہوں نے سائب بن یزید سے بیان کیا کہ عمر بن خطاب نے رمضان میں لوگوں کو ابی بن کعب اور تمیم داری پر اکیس رکعت پر جمع کیا وہ سو آیتوں والی سورتوں کے ساتھ قیام کرتے تھے اور فجر کے طلوع کے قریب ہٹتے تھے۔ میں کہتا ہوں ابن عبدالبر نے کہا کہ یہ اس پر محمول ہے کہ ایک رکعت وتر کے لیے ہوتی تھی اور ابن عبدالبر نے فرمایا کہ حارث بن عبدالرحمان بن ابی ذباب نے سائب بن یزید سے روایت کی کہ حضرت عمرؓ کے عہد میں تیئیس رکعت قیام تھا۔ ابن عبدالبر نے فرمایا کہ یہ اس پر محمول ہے کہ تین وتر تھے۔ اور ہمارے شیخ نے فرمایا کہ دونوں حدیثوں کو جس مطلب پر ابن عبدالبر نے محمول کیا ہے وہ صحیح ہے اس کی دلیل وہ روایت ہے جو محمد بن نصر نے یزید بن خصیفہ سے اور انہوں نے سائب بن یزید سے بیان کی ہے کہ وہ عمرؓ بن خطاب کے دور میں رمضان میں بیس رکعت قیام کرتے تھے اور جو حضرت علی کا اثر ہے وہ وکیع نے حسن بن صالح سے انہوں نے عمرو بن قیس سے انہوں نے ابوالحسناء سے انہوں نے حضرت علیؓ سے بیان کیا ہے کہ انہوں نے ایک آدمی کو حکم دیا

کہ وہ انہیں رمضان میں بیس رکعت پڑھائے اور جوان کے علاوہ دوسرے صحابہ ہیں تو عبداللہ بن مسعود سے یہ تعداد بیان کی گئی ہے اسے محمد بن نصر مروزی نے روایت کیا کہ ہمیں یحییٰ بن یحییٰ نے خبر دی انہوں نے زید بن وھب سے بیان کیا کہ عبداللہ بن مسعود ہمیں ماہ رمضان میں نماز پڑھاتے تھے تو وہ نماز سے فارغ ہوتے تو ابھی رات کا کچھ حصہ باقی ہوتا اعمش نے کہا کہ ابن مسعود بیس رکعت اور تین وتر پڑھتے تھے اور تابعین میں سے اس عدد کے قائل شتیر بن شکل' ابن ابی ملیکہ' حارث ہمدانی' عطاء بن ابی رباح' ابوالبختری حسن کے بھائی سعید بن ابی الحسن بصری' عبدالرحمان بن ابی بکر اور عمران بن عبدی ہیں۔ ابن عبدالبر نے فرمایا کہ یہ جمہور علماء کا قول ہے اور اہل کوفہ شافعی اور اکثر فقہاء کا یہی قول ہے اور ابی بن کعب سے بھی یہی ثابت ہے اور صحابہ میں سے کسی نے اس کی مخالفت نہیں کی۔

⑧ بعض کہتے ہیں سولہ۔ یہ ابومجلز سے مروی ہے کہ وہ لوگوں کو چار وتر پڑھاتے اور ہر رات قرآن مجید کا ساتواں حصہ پڑھتے۔ اسے محمد بن نصر نے عمران بن جدیر کی روایت سے ابومجلز سے بیان کیا ہے۔

⑨ بعض کہتے ہیں تیرہ۔ اسے محمد بن اسحاق نے پسند فرمایا ہے محمد بن نصر نے ابن اسحاق کے طریق سے روایت کی ہے اس نے کہا مجھے محمد بن یوسف نے اپنے دادا سائب بن یزید سے بیان کیا کہ ہم عمر بن خطاب کے زمانہ میں رمضان میں تیرہ رکعت پڑھتے تھے لیکن اللہ کی قسم ہم صبح کے بالکل قریب جا کر ہی فارغ ہوتے تھے۔ قاری ہر رکعت میں پچاس ساٹھ آیتیں پڑھتا تھا ابن اسحاق نے کہا میں نے اس مسئلہ میں جتنی حدیثیں سنی ہیں ان میں سے میرے نزدیک سب سے زیادہ ثابت اور سائب کی اصل حدیث ہونے میں سب سے زیادہ لائق یہی حدیث ہے کیونکہ آنخضرت ﷺ کی نماز رات

کے وقت تیرہ رکعت تھی اور ہمارے شیخ نے فرمایا شاید حضرت عمر کا یہ فعل پہلے کا ہو بعد میں آپ نے انہیں تیئس کی طرف منتقل کر دیا۔

⑩ بعض کہتے ہیں گیارہ اور مالک نے اپنے لیے اسی کو پسند فرمایا اور ابوبکر بن العربی نے اسی کو اختیار فرمایا۔ (عمدۃ القاری جلد ۵ ص ۳۵۶۔۳۵۷)

① اَقُوْلُ اَوَّلًا: اِنَّ كَلَامَ صَاحِبِ الْعُمْدَةِ هٰذَا صَرِيْحٌ فِي اخْتِلَافِ الْعُلَمَاءِ هٰذَا عَلٰى زُهَاءِ عَشْرَةِ اَقْوَالٍ اِنَّمَا هُوَ فِي الْعَدَدِ الْمُسْتَحَبِّ فِيْ قِيَامِ رَمَضَانَ لَا فِي الْعَدَدِ الْمَسْنُوْنِ فِيْهِ وَهُوَ صَرِيْحٌ اَيْضًا فِيْ اَنَّ الْعُلَمَاءَ وَالْفُقَهَاءَ مِنَ الصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِيْنَ لَيْسُوْا بِمُجْمِعِيْنَ عَلٰى اَنَّ قِيَامَ رَمَضَانَ عِشْرُوْنَ رَكْعَةً وَهُوَ يَدُلُّ اَيْضًا عَلٰى اَنَّ الْقِيَامَ بِعِشْرِيْنَ رَكْعَةً لَيْسَ عَمَلًا لِلْمُسْلِمِيْنَ نَسْلًا بَعْدَ نَسْلٍ مُسَلْسَلًا مِّنْ عَهْدِ عُمَرَ اِلٰى يَوْمِنَا هٰذَا فَتَاَمَّلْ .

② وَثَانِيًا: اَنَّ الْآثَارَ الْمَرْوِيَّةَ فِيْ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً عَنْ عُمَرَ وَعَلِيٍّ وَعَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَدْ تَقَدَّمَ مَا فِيْهَا مِنَ الْمَقَالِ وَكَذَالِكَ الْآثَارُ الْوَارِدَةُ فِيْ عَدَدِ الْقِيَامِ فِيْ عَهْدِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَدْ سَبَقَ تَحْقِيْقُ مَا هُوَ الصَّحِيْحُ مِنْهَا فَارْجِعْ اِلَيْهِ .

③ وَثَالِثًا: اَنَّ قَوْلَ شَيْخِ صَاحِبِ الْعُمْدَةِ: وَمَا حَمَلَهُ عَلَيْهِ فِي الْحَدِيْثَيْنِ صَحِيْحٌ بِدَلِيْلِ مَا رَوٰى مُحَمَّدُ الخ فِيْهِ اَنَّ لَفْظَ يَزِيْدَ بْنِ خُصَيْفَةَ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً لَيْسَ دَلِيْلًا لِكَوْنِ الْوِتْرِ فِيْ لَفْظِ مُحَمَّدِ بْنِ يُوْسُفَ اِحْدٰى وَعِشْرِيْنَ رَكْعَةً وَّاحِدَةً لِاِحْتِمَالِ جَمْعِ رَكْعَتَيْنِ مِنَ الْوِتْرِ الثَّلَاثِ مَعَ قِيَامِ رَمَضَانَ وَاِلٰى مِثْلِ هٰذَا ذَهَبَ الْعَيْنِيُّ قَبْلُ فِيْ قَوْلِهٖ: وَكَاَنَّهُ جَمَعَ رَكْعَتَيْنِ مِنَ الْوِتْرِ مَعَ قِيَامِ رَمَضَانَ الخ وَلَا دَلِيْلًا لِكَوْنِ الْوِتْرِ فِيْ لَفْظِ الْحَارِثِ بْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ ثَلَاثٌ وَّعِشْرِيْنَ ثَلَاثٌ

رَكْعَاتٍ لِاِحْتِمَالِ حَذْفِهِ الْكَسْرَ مِنَ الْعَدَدِ وَكَوْنِ الْوِتْرِ رَكْعَةً .

④ وَرَابِعًا: اَنَّ قَوْلَ شَيْخِهِ: وَلَعَلَّ هٰذَا كَانَ مِنْ فِعْلِ عُمَرَ اَوَّلًا الخ يُشْعِرُ بِاَنَّ شَيْخَ الْعَيْنِيِّ لَمْ يَكُنْ عِنْدَهُ دَلِيْلٌ لِقَوْلِهِ هٰذَا وَاِلَّا لَمْ يُصْدِرْهُ بِلَعَلَّ وَكَذَالِكَ كُلُّ مَنْ ذَهَبَ اِلٰى هٰذَا التَّطْبِيْقِ لَمْ يَاْتِ بِدَلِيْلٍ يَثْبُتُ اَنَّ عُمَرَ جَمَعَهُمْ اَوَّلًا عَلٰى ثَلَاثَ اَوْ اِحْدٰى عَشْرَةَ رَكْعَةً ثُمَّ نَقَلَهُمْ اِلٰى اِحْدٰى اَوْ ثَلَاثٍ وَّعِشْرِيْنَ رَكْعَةً كَمَا سَنُبَيِّنُهُ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى .

⑤ وَخَامِسًا: اَنَّ الدَّعْوٰى: وَهُوَ الصَّحِيْحُ عَنْ اَبِيْ الخ فِيْهَا اَنَّهُ لَمْ يَصِحَّ عَنْ اُبَيٍّ وَعَلٰى تَقْدِيْرِ صِحَّتِهِ عَنْهُ قَدْ خَالَفَهُ الصَّحَابَةُ بَلْ اَمَرَهُ عُمَرُ بِاِحْدٰى عَشْرَةَ رَكْعَةً وَيَظْهَرُ لَكَ كُلُّ ذَالِكَ بِمُطَالَعَةِ مَا حَرَّرْنَا قَبْلُ وَبَعْدُ .

⑥ وَسَادِسًا: اَنَّ قَوْلَ الْعَيْنِيِّ: وَلَمْ يَقُلْ اِنَّ الْوِتْرَ مِنَ الْاَرْبَعِيْنَ فِيْهِ نَظَرٌ ظَاهِرٌ اِذِ الْوِتْرُ يَكُوْنُ فَرْدًا فَكَيْفَ يُتَصَوَّرُ كَوْنُهُ مِنَ الْاَرْبَعِيْنَ وَهُوَ عَدَدٌ زَوْجٌ فَتَدَبَّرْ .

① ترجمہ: میں کہتا ہوں عمدۃ القاری کے مصنف کے اس مسئلہ میں کلام سے واضح ہے کہ علماء کا تقریباً دس اقوال پر اختلاف قیام رمضان کے مستحب عدد کے بارے میں ہے اس کے مسنون عدد کے بارے میں نہیں اس سے یہ بات صاف معلوم ہو رہی ہے کہ صحابہ اور تابعین کے علماء اور فقہاء اس بات پر متفق نہیں کہ قیام رمضان بیس رکعت ہی ہے اور یہ کلام اس بات کی بھی دلیل ہے کہ بیس رکعت قیام حضرت عمرؓ کے دور سے لے کر آج تک مسلمانوں کا نسلاً بعد نسل مسلسل عمل نہیں ہے فتامل۔

② حضرت عمرؓ حضرت علی اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم سے جو آثار بیس رکعت کے

منقول ہیں ان پر گفتگو گزر چکی ہے اسی طرح حضرت عمرؓ کے دور میں قیام کی تعداد کے بارے میں آثار میں سے جو صحیح ہیں ان کی تحقیق گزر چکی ہے وہاں دیکھئے۔

③ عمدہ کے مصنف کے شیخ نے جو کہا ہے کہ دونوں حدیثوں میں وتر کو جو ایک اور تین پر محمول کیا ہے یہ صحیح ہے الخ اس پر اعتراض ہے کہ یزید بن خصیفہ کا بیس رکعت کہنا اس بات کی دلیل نہیں ہو سکتی کہ محمد بن یوسف کے لفظ اکیس رکعات میں وتر ایک ہو کیونکہ احتمال ہے کہ تین وتر میں سے دو کو قیام رمضان کے ساتھ شامل کر دیا ہو اور قبل ازیں عینی نے اڑتیس والے قول میں یہی صورت اختیار کی ہے اور نہ ہی یزید کا قول اس بات کی دلیل بن سکتا ہے کہ حارث بن عبدالرحمان کے قول تئیس رکعات میں وتر تین رکعات تھے کیونکہ احتمال ہے کہ عدد میں سے کسر کو حذف کر دیا گیا ہوں اور وتر ایک ہی رکعت ہو۔

④ عینی کے شیخ کا کہنا کہ شاید یہ پہلے حضرت عمر کا عمل ہو الخ بتا رہا ہے کہ عینی کے شیخ کے پاس اپنے اس قول کی کوئی دلیل موجود نہیں ورنہ اس قول کا آغاز شاید کے لفظ کے ساتھ نہ کرتے۔ اسی طرح جتنے لوگوں نے یہ تطبیق دی ہے کسی نے یہ دلیل پیش نہیں کی کہ حضرت عمرؓ نے پہلے تیرہ یا گیارہ کا حکم دیا تھا پھر ان کو اکیس یا تئیس کا حکم دے دیا جیسا کہ ہم ان شاء اللہ اس کی وضاحت کریں گے۔

⑤ یہ دعویٰ کہ حضرت ابی سے یہی (بیس رکعت) صحیح ہے۔ حضرت ابی کے متعلق درست نہیں بالفرض اگر مان لیں کہ یہ ان سے ثابت ہے تو صحابہ نے ان کی مخالفت کی ہے بلکہ حضرت عمرؓ نے انہیں گیارہ رکعت کا حکم دیا ہے یہ سب باتیں آپ کو اس تحریر سے معلوم ہو جائیں گی جو گزر چکی ہے اور کچھ اس سے

جو آ رہی ہے۔

⑥ عینی کے اس قول میں کہ ''یہ نہیں کہا کہ وتر چالیس میں شامل تھے''۔ ظاہر نظر ہے کیونکہ وتر طاق ہوتا ہے تو وتر کا چالیس میں شامل ہونا کس طرح تصور میں آ سکتا ہے جب کہ چالیس کا عدد جفت ہے۔ فتدبر۔

وساد سا: بیس رکعات کے عہد فاروقی سے لے کر صحابہ کرام' تابعین عظام اور عامۃ المسلمین کے وسیع پیمانہ پر مسلسل تعامل ہونے نہ ہونے پر تو کلام ہو چکا رہی بیس رکعات کو اہمیت دینے نہ دینے والی بات تو اس سلسلہ میں صاحب رسالہ سے سوال ہے کہ کم و بیش قیام کرنے والے صحابہ کرام' تابعین عظام اور ائمہ دین مثلاً حضرت ابی بن کعب' حضرت تمیم داری' حضرت سائب بن یزید' حضرت زرارہ بن اوفیٰ' حضرت اسود بن یزید' حضرت ابومجلز' حضرت سعید بن جبیر' حضرت محمد بن اسحاق صاحب مغازی' حضرت اسحاق بن راہویہ شیخ بخاری' حضرت امام مالک شیخ شافعی اور اہل مدینہ بھی ان کے مزعوم مسلسل تعامل سے واقف تھے یا نہیں؟ پھر واقف ہونے کی صورت میں انہوں نے اس کو اہمیت دی یا نہ دی؟ نیز تعامل سلف کے صحیح السند روایت سے کہیں بڑھ کر قابل اعتماد ہونے کا ان کو علم تھا یا نہیں؟

پھر صاحب رسالہ کی خدمت میں گزارش ہے کہ لگے ہاتھوں وہ یہ بھی بتاتے جائیں آیا رسول اکرم ﷺ کے اپنے تعامل' عہد نبوی و عہد فاروقی کے تعامل گیارہ اور تیرہ رکعات اور خلیفہ راشد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے گیارہ رکعات پڑھانے کا حکم دینے کی بھی کوئی اہمیت ہے یا نہیں؟ اور جو حضرات گرامی اس تعامل کو اہمیت نہ دیں تو یہ ان کی واقفیت ہے یا ناواقفیت۔

⑦ وسابعا: فن حدیث کے مسلم الثبوت امام ابوعیسیٰ ترمذی جامع ترمذی میں لکھتے ہیں:

''وَقَالَ اَحْمَدُ: رُوِیَ فِیْ ھٰذَا اَلْوَانٌ لَمْ یَقْضِ فِیْهِ بِشَیْئٍ''۔

''امام احمدؒ نے فرمایا کہ اس کے متعلق مختلف قسم کے اقوال روایت کیے گئے چنانچہ امام احمد نے اس کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں فرمایا''۔

امام احمد بن حنبل شیخ البخاری وابی داوٗد رحمۃ اللہ علیہ جو امام المحدثین کے لقب سے یاد کیے جاتے ہیں نے عدد رکعات قیام رمضان میں کوئی فیصلہ نہیں فرمایا تو اگر بیس رکعات عہد فاروقی سے لے کر صحابہ کرام تابعین عظام اور نسلا بعد نسل عامۃ المسلمین کا وسیع پیمانہ پر مسلسل تعامل ہوتا تو ضرور بالضرور امام المحدثین حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اس کے حق میں فیصلہ صادر فرماتے اور یونہی ''روی فی ھذا الوان'' کہہ کر اس مقام سے نہ گزر جاتے جب کہ تعامل سلف کا صحیح السند روایت سے کہیں بڑھ کر قابل اعتماد دلیل ہونا نہ ہونا بھی آخر ان کے علم میں تھا تو اب صاحب رسالہ ہی فرمائیں گے کہ ان کا کوئی فیصلہ نہ فرمانا ان کی واقفیت ہے یا ناواقفیت؟ نیز امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا کوئی فیصلہ نہ فرمانا حضرت المؤلف کے مزعوم مسلسل تعامل کو اہمیت دینا یا نہ دینا؟

پھر سوچنے کی بات یہ ہے کہ عہد فاروقی سے لے کر صحابہ کرام' تابعین عظام اور نسلا بعد نسل عامۃ المسلمین کے وسیع پیمانہ پر مسلسل تعامل اور اس کی اہمیت کا علم امام احمد بن حنبل جیسے جلیل القدر امام المحدثین کو زیادہ اور خوب حاصل ہے یا عصر حاضر کے ان حضرات کو جو ان کی نسبت طفل مکتب ہیں۔ ''ستبدی لک الایام الخ''

⑧ وثامنا: صاحب رسالہ کا بیان ''عہد فاروقی سے لے کر الخ اور ان کے دیگر بیانات سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے نزدیک بھی بیس رکعات تراویح کا عہد نبوی وعہد صدیقی میں ہونا ثابت نہیں ورنہ وہ فرماتے ''عہد نبوی یا عہد صدیقی سے لے کر'' الخ البتہ گیارہ اور تیرہ رکعات آنحضرت ﷺ' عہد نبوی اور عہد فاروقی سے ثابت ہیں کما تقدم۔

⑨ وتاسعا: رہا صاحب رسالہ کا تعامل سلف کو صحیح السند روایت سے کہیں بڑھ کر قابل اعتماد دلیل قرار دینا تو وہ درست نہیں کیونکہ اصول فقہ سے تھوڑی بہت سوجھ بوجھ

رکھنے والا طفل مکتب بھی جانتا ہے کہ شرعی دلائل چار ہیں بایں ترتیب:

(۱) کتاب اللہ (۲) سنت رسول اللہ ﷺ بشرطیکہ ثابت ہو

(۳) اجماع امت۔ (۴) قیاس بشرطیکہ صحیح ہو۔

تو اگر تعامل سلف صحیح السند روایت سے کہیں بڑھ کر قابل اعتماد دلیل ہوتا تو اہل اصول تعامل سلف کو کتاب اللہ کے بعد اور سنت رسول اللہ ﷺ سے پہلے دوسرے نمبر پر ضرور بالضرور بیان فرماتے اور کتب اصول میں لکھتے کہ اصول شرع پانچ ہیں۔ بایں ترتیب:

(۱) کتاب اللہ (۲) تعامل سلف (۳) سنت رسول اللہ ﷺ

(۴) اجماع امت (۵) قیاس

اہل علم کو معلوم ہے کہ صحیح تو صحیح' حسن حدیث کے ہوتے ہوئے بھی اجماع وقیاس کی طرف رجوع نہیں کیا جاتا یہی وجہ ہے کہ اجماع اور قیاس محققین اہل اصول کے ہاں کتاب وسنت کے ناسخ نہیں تو اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ تعامل سلف کے صحیح السند روایت سے کہیں بڑھ کر قابل اعتماد دلیل ہونے کا علم توضیح' صاحب تلویح' صاحب تحریر' صاحب تقریر' صاحب حسامی' صاحب نامی' صاحب منار' صاحب نور الانوار' صاحب مسلم الثبوت' صاحب فواتح الرحموت' صاحب اصول شاشی' صاحب محصول' صاحب ورقات' صاحب کشف بزدوی' صاحب ارشاد الفحول اور دیگر اہل اصول کو زیادہ حاصل ہے یا عصر حاضر کے ان حضرات کو جو ان کی نسبت طفل مکتب ہیں ستبدی لک الایام الخ ہاں تعامل سلف یا اہل مدینہ کا عمل اگر بسند مقبول نبی کریم ﷺ یا عہد نبوی تک پہنچتا ہو تو وہ سنت رسول اللہ ﷺ میں شامل ہے جیسے گیارہ اور تیرہ رکعات نماز تراویح۔

⑩ وعاشرا: صاحب رسالہ کے اس بیان سے معلوم ہو رہا ہے کہ تعامل سلف بیس رکعات کے مقابلہ میں کوئی صحیح السند روایت موجود ہے جس سے تعامل سلف کو

کہیں بڑھ کر قابل اعتماد دلیل بنایا جارہا ہے جب کہ عالم یہ ہے کہ گیارہ اور تیرہ رکعات بھی تعامل سلف ہیں بلکہ خلیفہ راشد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تو گیارہ پڑھانے کا حکم بھی دیا تھا اور اس تعامل کے مقابلہ میں نہ تو کوئی صحیح السند مرفوع روایت ہے اور نہ ہی کوئی حسن السند مرفوع روایت بلکہ قطعی الصحۃ مرفوع روایت اس تعامل کی تائید کررہی ہے لہٰذا صاحب رسالہ کے قاعدہ کی رو سے تو تعامل گیارہ اور تیرہ رکعات بطریق اولی تعامل سلف بیس رکعات سے کہیں بڑھ کر قابل اعتماد دلیل ہے۔

حضرت المولف لکھتے ہیں:

"دیکھئے حضرت عبداللہ بن مبارک جن کی امامت اور علمی جلالت مسلم اور متفق علیہ ہے فرماتے ہیں:

اِجْمَاعُ النَّاسِ عَلٰی شَيْئٍ اَوْثَقُ فِيْ نَفْسِيْ مِنْ سُفْيَانَ عَنْ مَنْصُوْرٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ" الخ. (ص۲۲)

"لوگوں کا کسی چیز پر اجماع ہو تو میرے دل میں اس کا اعتماد اس سند سے بھی زیادہ ہے کہ سفیان نے منصور سے بیان کیا انہوں نے ابراہیم سے انہوں نے علقمہ سے انہوں نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بیان کیا"۔ (ص۲۲)

① اولا: حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ کا فرمان درست مگر وہ تب ملحوظ ہوگا جب اجماع اور کسی اصح الاسانید سند سے مروی حدیث میں بظاہر تعارض ہو اور واضح بات ہے کہ اجماع کا درجہ سنت وحدیث خواہ وہ حسن ہی کیوں نہ ہو سے متاخر ہے تو پھر اصح الاسانید سند سے مروی حدیث اور اجماع کے مابین تعارض کیونکر متصور ہوسکتا ہے پھر جتنے اجماعات ہیں ان سے کوئی ایک اجماع بھی مقبول حدیث کے خلاف نہیں کسی اجماع کا اصح الاسانید سے مروی صحیح حدیث کے

خلاف ہونا تو دور کی بات ہے اور اگر صاحب رسالہ کے علم میں کوئی ایسا اجماع ہو جو اصح الاسانید سند سے مروی صحیح حدیث کے خلاف ہو تو اسے بیان فرمائیں بندہ ان کا ممنون ہوگا۔

② وثانیا: بیس رکعات نماز تراویح پر اجماع نہیں چنانچہ فن حدیث کے مسلم الثبوت امام ابوعیسیٰ ترمذی کے بیان "**واختلف اهل العلم فی قیام رمضان فرأی بعضهم الخ**" امام المحدثین امام احمد بن حنبل (جن کی امامت اور علمی جلالت مسلم اور اتفاقی ہے) کے بیان "**روی فی هذا الوان**" نیز امام احمدؒ کے عدد قیام رمضان کے بارہ میں کوئی فیصلہ نہ فرمانے' حافظ ابن عبدالبر مالکی جیسے جلیل القدر وسیع العلم امام کے قول "**وهو قول جمهور العلماء**" اور علامہ بدرالدین عینی رحمہ اللہ کی مذکور تقریر "**وقد اختلف العلماء فی العدد المستحب فی قیام رمضان علی اقوال کثیرة الخ**" سے ظاہر ہے پھر صاحب رسالہ نے بھی متعدد مقامات پر بیس رکعات کو جمہور کا قول وعمل قرار دیا ہے انہوں نے اجماع کا دعویٰ نہیں فرمایا چنانچہ وہ اپنے رسالہ کے ص ۳ پر فرماتے ہیں:

> "نماز تراویح کے بارے میں عہد فاروقی سے لے کر آج تک جمہور امت کا عمل بیس رکعت پر چلا آ رہا ہے"۔

ص ۱۲ پر لکھتے ہیں: "جمہور امت کے اس دعویٰ کی بنیاد الخ"۔ ص ۲۱ پر تحریر کرتے ہیں: "نیز عہد فاروقی سے لے کر صحابہ کرام اور تابعین اور نسلا بعد نسل عامۃ المسلمین کے وسیع پیمانہ پر تعامل الخ"۔

اور اپنے رسالہ کے آخری صفحہ پر رقم فرماتے ہیں:

> "اور ترجیح یا تطبیق کے بعد جمہور امت کے مدعاء پر اس سے کوئی اثر نہیں پڑ سکتا"۔

تو صاحب رسالہ کے مذکورہ بالا چار بیانات سے واضح ہے کہ انہیں بھی اعتراف واقرار

ہے کہ بیس رکعات پر اجماع نہیں ورنہ وہ اجماع کا دعویٰ کرتے جب کہ اجماع شرعی دلائل سے ایک دلیل ہے اور اکثریت و جمہوریت شرعی دلائل سے کوئی سی دلیل بھی نہیں تو جب صاحب رسالہ کو بھی تسلیم ہے کہ بیس رکعات پر اجماع نہیں تو پھر ان کا اس مقام پر حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ کے قول: "اجماع الناس علی شئ الخ" کو پیش فرمانا بے محل ہے ہاں اگر حضرت عبداللہ بن مبارک فرماتے "اِجْتِمَاعُ جُمْهُوْرِ النَّاسِ وَاَكْثَرِهِمْ عَلٰى شَيْئٍ الخ" تو پھر ان کا فرمان صاحب رسالہ کے لیے مفید ہوسکتا تھا مگر انہوں نے یہ تو فرمایا ہی نہیں تو اب اگر صاحب رسالہ کو حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کے مذکور در رسالہ بیان سے بیس رکعات کو تقویت پہنچانے کا شوق ہو تو پہلے وہ بیس رکعات پر امت کا اجماع ثابت فرمائیں ودونہ خرط القتاد اور اس کے بعد ان کا بیان "اجماع الناس علی شئ الخ" پیش فرمائیں۔

حضرت المولف فرماتے ہیں:

"اسی طرح امام احمد بن حنبل (جو امام المحدثین کے لقب سے یاد کئے جاتے ہیں) کا فرمان منقول ہے: "قَالَ اَبُوْدَاوُدَ: قِيْلَ لِاَحْمَدَ وَاَنَا اَسْمَعُ: يُؤَخَّرُ الْقِيَامُ يَعْنِي التَّرَاوِيْحَ اِلٰى آخِرِ اللَّيْلِ؟ قَالَ: لَا! سُنَّةُ الْمُسْلِمِيْنَ اَحَبُّ اِلَيَّ". (ص ۲۲)

"ابوداؤد فرماتے ہیں امام احمد سے سوال کیا گیا اور میں سن رہا تھا کہ کیا تراویح کو رات کے آخری حصے تک مؤخر کردیا جائے فرمایا نہیں عام مسلمانوں کا طریقہ مجھے زیادہ پسند ہے"۔

① اولاً: نعم البدعۃ ہذہ والے اثر میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا فرمان: "وَالَّتِيْ يَنَامُوْنَ عَنْهَا اَفْضَلُ مِنَ الَّتِيْ يَقُوْمُوْنَ" يُرِيْدُ آخِرَ اللَّيْلِ وَكَانَ النَّاسُ يَقُوْمُوْنَ اَوَّلَهٗ. منقول ہے نیز علامہ زرقانی کی زبانی اس کی شرح پہلے لکھی جا چکی ہے ذرا اسے بھی ملاحظہ فرمائیں۔

② وثانیا: امام المحدثین امام احمد حنبل رحمہ اللہ نے رات کے ابتدائی حصہ میں تراویح ادا کرنے سے متعلق فرمایا: ”سنة المسلمين احب الی“ انہوں نے یہ نہیں فرمایا: ”سُنَّةُ الْمُسْلِمِيْنَ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنَ الْحَدِيْثِ الصَّحِيْحِ“ لہٰذا امام احمد بن حنبل کے اس قول سے صاحب رسالہ کے مدعا ”تعامل سلف صحیح السند روایت سے کہیں بڑھ کر قابل اعتماد دلیل ہے“ کی تائید نہیں ہوتی۔

③ وثالثا: امام المحدثین امام احمد کا عدد رکعات تراویح کے بارہ میں بیان ”روی فی هذا الوان“ گزر چکا آپ نے پڑھا کہ امام المحدثین امام احمد نے عدد رکعات تراویح کے بارہ میں کوئی فیصلہ نہیں فرمایا تو اگر وہ بیس رکعات کو بھی سنۃ المسلمین سمجھتے ہوتے تو تراویح کے رات کے ابتدائی حصہ میں ادا کرنے کے بارہ میں دیئے ہوئے فیصلہ ”سنة المسلمين احب الی“ کو وہ بیس رکعات کے بارے میں بھی صادر فرما دیتے تو ان کے بیس رکعات کے بارہ میں یہ فیصلہ صادر نہ فرمانے بلکہ عدد رکعات تراویح سے متعلق کوئی فیصلہ نہ دینے سے پتہ چلتا ہے کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے نزدیک بیس رکعات وغیرہ کوئی ایک عدد معین در قیام رمضان سنۃ المسلمین نہیں ورنہ وہ اس کے حق میں فرماتے: ”سنة المسلمين احب الی“.

④ ورابعا: یہ بھی یاد رکھیں امام المحدثین امام احمد کا فرمان ہے: ”سنة المسلمين احب الی“ ان کا فرمان یہ نہیں کہ ”سنة جمهور المسلمين واكثرهم احب الی“ فتدبر۔

حضرت المؤلف تحریر فرماتے ہیں:

”اور اسی طرح امام ترمذی عملی تواتر کی بنیاد پر ضعیف روایت کو صحیح روایت سے مقدم سمجھتے ہیں دیکھو ترمذی جلد ا ص ۲۶ ”باب ما جاء في الجمع بين الصلاتين“ (ص۲۲)

صاحب رسالہ کے حکم کے مطابق بندہ نے ترمذی کا مذکور باب دیکھا مگر اس

میں کوئی ایک لفظ بھی ایسا نہیں جو حضرت صاحب کے مدعا ''امام ترمذی عملی تواتر کی بنیاد پر ضعیف روایت کو صحیح روایت سے مقدم سمجھتے ہیں'' پر دلالت کرتا ہو چنانچہ ہم اس مقام پر وہ باب بتمامہ نقل کئے دیتے ہیں تاکہ آپ بذات خود بھی غور فرما سکیں تو فن حدیث کے مسلم الثبوت امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

بَابُ مَا جَآءَ فِي الْجَمْعِ بَيْنَ الصَّلَاتَيْنِ حَدَّثَنَا هَنَّادٌنَا اَبُوْمُعَاوِيَةَ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ حَبِيْبِ بْنِ اَبِيْ ثَابِتٍ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: جَمَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ وَبَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ بِالْمَدِيْنَةِ مِنْ غَيْرِ خَوْفٍ وَلَا مَطَرٍ. قَالَ فَقِيْلَ لِابْنِ عَبَّاسٍ مَا اَرَادَ بِذَالِكَ؟ قَالَ: اَرَادَ اَنْ لَّا تَحْرَجَ اُمَّتُهٗ. وَفِي الْبَابِ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ اَبُوْعِيْسٰى: حَدِيْثُ ابْنِ عَبَّاسٍ قَدْرُوِيَ عَنْهُ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ رَوَاهُ جَابِرُ بْنُ زَيْدٍ وَسَعِيْدُ بْنُ جُبَيْرٍ وَعَبْدُاللّٰهِ بْنُ شَقِيْقِ نِ الْعُقَيْلِيُّ وَقَدْ رُوِيَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَيْرُ هٰذَا حَدَّثَنَا اَبُوْسَلَمَةَ يَحْيَى بْنُ خَلَفٍ نِ الْبَصْرِيُّ نَا الْمُعْتَمِرُ بْنُ سُلَيْمَانَ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ حَنَشٍ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ جَمَعَ بَيْنَ الصَّلَاتَيْنِ مِنْ غَيْرِ عُذْرٍ فَقَدْ اَتٰى بَابًا مِنْ اَبْوَابِ الْكَبَائِرِ. قَالَ اَبُوْعِيْسٰى: وَهٰذَا هُوَ اَبُوْعَلِيِّ الرَّحَبِيُّ وَهُوَ حَنَشُ بْنُ قَيْسٍ وَهُوَ ضَعِيْفٌ عِنْدَ اَهْلِ الْحَدِيْثِ ضَعَّفَهٗ اَحْمَدُ وَغَيْرُهٗ وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ اَهْلِ الْعِلْمِ اَنْ لَا يُجْمَعَ بَيْنَ الصَّلَاتَيْنِ اِلَّا فِي السَّفَرِ اَوْبِعَرَفَةَ وَرَخَّصَ بَعْضُ اَهْلِ الْعِلْمِ مِنَ التَّابِعِيْنَ فِي الْجَمْعِ بَيْنَ الصَّلَاتَيْنِ لِلْمَرِيْضِ وَبِهٖ يَقُوْلُ اَحْمَدُ وَاِسْحَاقُ وَقَالَ بَعْضُ اَهْلِ الْعِلْمِ يَجْمَعُ بَيْنَ الصَّلَاتَيْنِ فِي الْمَطَرِ وَبِهٖ يَقُوْلُ الشَّافِعِيُّ وَاَحْمَدُ وَاِسْحَاقُ وَلَمْ يَرَ الشَّافِعِيُّ لِلْمَرِيْضِ اَنْ يَجْمَعَ بَيْنَ الصَّلَاتَيْنِ . اھ

”یہ باب ان احادیث میں ہے جو دو نمازوں کو جمع کرنے کے متعلق آئی ہیں۔ ہمیں ہناد نے بیان کیا انہوں نے فرمایا ہمیں ابو معاویہ نے اعمش سے بیان کیا انہوں نے حبیب بن ابی ثابت سے انہوں نے سعید بن جبیر سے انہوں نے ابن عباس سے بیان کیا کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ میں ظہر' عصر اور مغرب عشاء کو بغیر خوف اور بارش کے جمع فرمایا۔ تو ابن عباس سے پوچھا گیا کہ آنحضرت ﷺ کا اس سے مقصد کیا تھا؟ فرمایا مقصد یہ تھا کہ تنگی نہ ہو اور اس مسئلہ میں ابو ہریرہ کی حدیث بھی ہے۔ ابو عیسیٰ (ترمذی) نے کہا ابن عباس کی حدیث ان سے کئی سندوں سے روایت کی گئی ہے اسے جابر بن زید' سعید بن جبیر اور عبداللہ بن شقیق عقیلی نے روایت کیا ہے اور ابن عباس سے اس کے علاوہ بھی روایت کی گئی ہے ہمیں ابو سلمہ یحییٰ بن خلف بصری نے بیان کیا کہ ہمیں معتمر بن سلیمان نے اپنے باپ سے بیان کیا انہوں نے حنش سے انہوں نے عکرمہ سے انہوں نے ابن عباس سے انہوں نے نبی کریم ﷺ سے کہ آپ نے فرمایا جو شخص بغیر عذر کے دو نمازیں جمع کرے وہ کبیرہ گناہوں کے دروازوں سے ایک دروازے میں آیا۔ ابو عیسیٰ نے کہا اور یہ حنش ابو علی الرحبی ہے یہی حنش بن قیس ہے اور وہ اہل حدیث کے نزدیک ضعیف ہے اسے احمد وغیرہ نے ضعیف کہا اور اہل علم کے نزدیک عمل اسی پر ہے کہ دو نمازیں سفر اور عرفہ کے علاوہ جمع نہ کرے اور تابعین کے بعض اہل علم نے مریض کو دو نمازیں جمع کرنے کی اجازت دی ہے اور یہی قول احمد اور اسحاق کا ہے اور بعض اہل علم نے کہا کہ بارش میں دو نمازیں جمع کر سکتا ہے یہ قول شافعی احمد اور اسحاق کا ہے اور شافعی نے مریض کے لیے دو نمازیں جمع کرنا جائز نہیں سمجھا“۔

تو امام ترمذی نے پہلے حنش بن قیس کی روایت باسند بیان کی بعدہ حنش بن قیس کی بابت لکھا ”وھو ضعیف عند اھل الحدیث الخ“ پھر فرمایا: ”والعمل

علی هذا عند اهل العلم ان لا الخ ‘‘ تو اس عبارت میں بلکہ پورے باب میں امام صاحب نے نہ تو کسی عمل کو متواتر کہا‘ نہ ہی کسی عملی تواتر کو کسی چیز کی بنیاد بنایا اور نہ ہی کسی ضعیف روایت کو کسی صحیح روایت سے مقدم سمجھا نہ مطلقا اور نہ کسی عملی تواتر کی بنیاد پر ہاں ان کی اس عبارت سے یہ ضرور پتہ چلتا ہے کہ امام ترمذی کے نزدیک اہل علم کے عمل کے کسی حدیث کے موافق ہونے سے اس حدیث کا صحیح یا حسن ہونا ثابت نہیں ہوتا کیونکہ وہ حدیث کے راوی حنش بن قیس کو ضعیف بھی بتا رہے ہیں اور اس کی روایت کے موافق اہل علم کا عمل بھی بیان فرما رہے ہیں تو اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ روایات کے صحیح وسقیم ہونے کا علم یا نقد روایات کا سلیقہ فن حدیث کے مسلم الثبوت جلیل القدر اور وسیع العلم امام ابوعیسیٰ ترمذی کو زیادہ اور خوب حاصل ہے یا عصر حاضر کے ان حضرات کو جوان کی نسبت طفل مکتب ہیں ستبدی لک الایام الخ۔

① گیارہ رکعات والی روایت پر کلام کی تحقیق:

حضرت المولف فرماتے ہیں:

’’اب رہی وہ روایت جو حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ابی بن کعب اور تمیم داری کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو گیارہ رکعت پڑھائیں (موطا امام مالک باب قیام رمضان) سو یاد رہے کہ اس اثر کے ناقل صرف اور صرف محمد بن یوسف ہیں اور محمد بن یوسف کے پانچ شاگرد ہیں اور ان پانچوں کے بیان باہم مختلف ہیں جیسا درج ذیل نقشہ سے صاف ظاہر ہے۔

سائب بن یزید صحابی رضی اللہ عنہ



محمد بن یوسف

❶ (امام مالک): حضرت عمر نے ابی بن کعب اور تمیم داری کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو گیارہ رکعات پڑھائیں۔ بحوالہ موطا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ۔

❷ (یحییٰ بن سعید): حضرت عمر نے ابی ابن کعب اور تمیم پر لوگوں کو جمع کیا پس وہ دونوں گیارہ رکعت پڑھتے تھے (اس میں حضرت عمر کے حکم کا ذکر نہیں) بحوالہ مصنف ابن ابی شیبہ۔
❸ (عبدالعزیز بن محمد): ہم حضرت عمر کے زمانہ میں بماہ رمضان گیارہ رکعت پڑھتے تھے (اس میں نہ حکم کا ذکر ہے نہ ابی بن کعب وتمیم داری کا) بحوالہ سنن سعید بن منصور۔
❹ (ابن اسحاق): ہم حضرت عمر کے زمانہ میں بماہ رمضان تیرہ رکعت پڑھتے تھے (اس میں بھی حکم اور ابی بن کعب وتمیم کا ذکر نہیں اور گیارہ کی بجائے تیرہ کا ذکر ہے) بحوالہ قیام اللیل۔
❺ (داؤد بن قیس وغیرہ): حضرت عمر نے رمضان میں لوگوں کو ابی بن کعب اور تمیم داری کی اقتداء میں اکیس رکعت پر جمع کیا۔ (اس میں گیارہ کی بجائے اکیس کا ذکر ہے) بحوالہ مصنف عبدالرزاق۔

پس اصول کی رو سے یہ روایت مضطرب ہے اور اس حالت میں جب تک کہ کسی ایک بیان کو اصول کے مطابق ترجیح نہ دی جائے یا تمام بیانات میں تطبیق نہ دی جائے اس وقت تک اس روایت کو کسی مدعا کے ثبوت میں پیش کرنا درست نہیں۔ (ص۲۲٬۲۳)

① اولا: صرف اور صرف محمد بن یوسف کے اثر کا ناقل ہونا کوئی وجہ ضعف نہیں دیکھئے بخاری شریف کی حدیث: ''اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ الخ'' کے ناقل صرف اور صرف حضرت علقمہ ہیں حالانکہ حدیث انما الاعمال بالنیات باتفاق جمیع محدثین صحیح ہے پھر محمد بن یوسف سے متعلق صاحب رسالہ ہی لکھتے ہیں ''محمد ابن یوسف ثقہ ثبت' تقریب ص ۲۳۸'' (ص۹) لہٰذا صاحب رسالہ کا قول ''اس اثر کے ناقل

صرف اور صرف محمد بن یوسف ہیں'' حقیقت حال کا بیان ہے تضعیف اثر نہیں۔

② وثانیا: یحییٰ بن سعید قطان کا بیان ''حضرت عمر نے ابی بن کعب اور تمیم داری پر لوگوں کو جمع کیا پس وہ دونوں گیارہ رکعات پڑھتے تھے''۔ امام مالک کے بیان ''حضرت عمر نے ابی بن کعب اور تمیم داری کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو گیارہ رکعات پڑھائیں'' کے خلاف ومنافی نہیں بلکہ یحییٰ بن سعید کا بیان بتا رہا ہے کہ حضرت ابی ابن کعب اور تمیم داری کا عمل گیارہ رکعات تھا اور امام مالک کا بیان واضح کر رہا ہے کہ حضرت عمر نے ابی بن کعب اور تمیم داری کو گیارہ رکعات پڑھانے کا حکم دیا تھا تو ان میں موافقت ہے مخالفت اور منافات نہیں یہ درست ہے کہ یحییٰ بن سعید کے بیان میں حضرت عمر کے حکم کا ذکر نہیں مگر ان کے بیان میں حضرت عمر کے حکم کی نفی بھی تو نہیں ہے۔

نیز عبدالعزیز بن محمد کا بیان ''ہم حضرت عمر کے زمانہ میں بماہ رمضان گیارہ رکعات پڑھتے تھے'' امام مالک اور یحییٰ ابن سعید کے مذکورہ بالا بیانات کے خلاف ومنافی نہیں کیونکہ اس میں نہ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے گیارہ رکعات کا حکم دینے کی نفی ہے اور نہ یہ حضرت ابی بن کعب اور تمیم داری کے گیارہ رکعات پڑھنے کی نفی ہے باقی اس میں حکم اور ابی بن کعب وتمیم داری کا ذکر نہ ہونے سے حضرت عمر کے گیارہ رکعات پڑھانے کا حکم دینے اور حضرت ابی بن کعب وتمیم داری کے گیارہ رکعات پڑھانے کی نفی نہیں ہوتی ہاں اس میں یہ ضرور بتایا گیا ہے کہ لوگ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بماہ رمضان گیارہ رکعات پڑھتے تھے ادھر امام مالک کے بیان کے مطابق حضرت عمر کا حکم بھی گیارہ رکعات ہی تھا اور یحییٰ بن سعید کے بیان کے موافق حضرت ابی بن کعب اور تمیم داری کا عمل بھی گیارہ رکعات ہی تھا۔

پھر محمد بن اسحاق کا بیان ''ہم حضرت عمر کے زمانہ میں بماہ رمضان تیرہ رکعات پڑھتے تھے'' بھی امام مالک، یحییٰ بن سعید اور عبدالعزیز بن محمد کے بیانات مذکورہ کے خلاف ومنافی نہیں بشرطیکہ صاحب آثار السنن کی توجیہ ''تیرہ رکعات میں

بعد از عشاء والی دو رکعات شامل ہیں'' کو تسلیم کر لیا جائے باقی اس میں حکم اور ابی بن کعب وتمیم داری کا ذکر نہ ہونا ان کے بیانات سے مخالفت ومنافات نہیں کما تقدم ہاں اگر صاحب آثار السنن کی توجیہ اور اس قسم کی کسی اور توجیہ کو تسلیم نہ کیا جائے تو پھر محمد بن اسحاق کا بیان عبدالعزیز بن محمد کے بیان کے منافی ہوگا کیونکہ اس میں ہے کہ ہم گیارہ رکعات پڑھتے تھے اور اس میں ہے کہ تیرہ رکعات پڑھتے تھے البتہ محمد بن اسحاق کا بیان اس صورت میں بھی امام مالک اور یحییٰ بن سعید کے بیانات کے خلاف ومنافی نہیں کیونکہ امام مالک کے بیان میں گیارہ کے حکم اور یحییٰ بن سعید کے بیان میں ابی بن کعب وتمیم داری کے گیارہ رکعات پڑھنے کا تذکرہ ہے اور محمد بن اسحاق کے بیان میں ان دونوں چیزوں (حضرت عمر کے گیارہ کا حکم دینے اور ابی بن کعب وتمیم داری کے گیارہ پڑھنے) کی نفی نہیں کی گئی کیونکہ عدم ذکر کو نفی نہیں کہا جا سکتا۔

رہا داود بن قیس کا بیان ''حضرت عمر نے رمضان میں لوگوں کو ابی بن کعب اور تمیم داری کی اقتدا میں اکیس رکعات پر جمع کیا'' تو واقعی امام مالک اور یحییٰ بن سعید کے بیانات کے خلاف ومنافی ہے بشرطیکہ وہ مقبول ہو البتہ وہ عبدالعزیز ابن محمد اور محمد بن اسحاق کے بیانات کے خلاف ومنافی نہیں تو پتہ چلا کہ صاحب رسالہ کا فرمان ''اور ان پانچوں کے بیان باہم مختلف ہیں'' محل نظر ہے فتدبر۔

② وَثَانِیًا: قَالَ الْعَلَّامَةُ الزَّرْقَانِیُ فِیْ شَرْحِ الْمُوَطَّا: وَقَوْلُهٗ: اِنَّ مَالِكًا انْفَرَدَ بِهٖ. لَیْسَ كَمَا قَالَ فَقَدْ رَوَاهُ سَعِیْدُ بْنُ مَنْصُوْرٍ مِنْ وَجْهٍ اٰخَرَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ یُوْسُفَ فَقَالَ: اِحْدٰی عَشْرَةَ. كَمَا قَالَ مَالِكٌ. اھ (ج۱ص۲۳۹) وَقَالَ الْحَافِظُ فِی الْفَتْحِ: لَمْ یَقَعْ فِیْ هٰذِهِ الرِّوَایَةِ عَدَدُ الرَّكْعَاتِ الَّتِیْ كَانَ یُصَلِّیْ بِهَا اُبَیُّ بْنُ كَعْبٍ وَقَدِ اخْتُلِفَ فِیْ ذَالِكَ فَفِی الْمُوَطَّا عَنْ مُحَمَّدِ ابْنِ یُوْسُفَ عَنِ السَّائِبِ بْنِ یَزِیْدَ اَنَّهَا اِحْدٰی عَشْرَةَ وَرَوَاهُ سَعِیْدُ بْنُ مَنْصُوْرٍ مِنْ وَجْهٍ اٰخَرَ الخ (ج۴ص۲۵۳)

وَقَالَ صَاحِبُ آثَارِ السُّنَنِ: مَا قَالَهُ ابْنُ عَبْدِالْبَرِّ مِنْ وَهْمِ مَالِكٍ فَغَلَطٌ جِدًّا لِاَنَّ مَالِكًا قَدْ تَابَعَهُ عَبْدُالْعَزِيْزِ بْنُ مُحَمَّدٍ عِنْدَ سَعِيْدِ بْنِ مَنْصُوْرٍ فِيْ سُنَنِهٖ وَيَحْيَى بْنُ سَعِيْدِ الْقَطَّانُ عِنْدَ اَبِيْ بَكْرِ بْنِ اَبِيْ شَيْبَةَ فِيْ مُصَنَّفِهٖ كِلَاهُمَا عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يُوْسُفَ وَقَالَا اِحْدٰى عَشْرَةَ كَمَا رَوَاهُ مَالِكٌ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يُوْسُفَ، وَاَخْرَجَ مُحَمَّدُ بْنُ نَصْرِ الْمَرْوَزِيُّ فِيْ قِيَامِ اللَّيْلِ مِنْ طَرِيْقِ مُحَمَّدِ بْنِ اِسْحَاقَ حَدَّثَنِيْ مُحَمَّدُ بْنُ يُوْسُفَ عَنْ جَدِّهٖ السَّائِبِ بْنِ يَزِيْدَ قَالَ: كُنَّا نُصَلِّيْ فِيْ زَمَنِ عُمَرَ فِيْ رَمَضَانَ ثَلَاثَ عَشَرَةَ رَكْعَةً . اِنْتَهٰى قُلْتُ: هٰذَا قَرِيْبٌ مِمَّا رَوَاهُ مَالِكٌ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يُوْسُفَ اَيْ مَعَ الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعِشَاءِ اھ (التعلیق الحسن ص ۲۰۲)

② ترجمہ: ثانیا: علامہ زرقانی نے موطا کی شرح میں فرمایا: اس کا قول کہ مالک اس روایت میں اکیلے ہیں صحیح نہیں کیونکہ سعید بن منصور نے ایک دوسری سند کے ساتھ محمد بن یوسف سے بیان کیا اور فرمایا ''گیارہ رکعتیں'' جس طرح مالک نے فرمایا اھ (ج ۱ ص ۲۳۹) اور حافظ نے فتح میں فرمایا اس روایت میں ان رکعات کی تعداد مذکور نہیں جو ابی بن کعب پڑھاتے تھے اور اس کے متعلق اختلاف ہے چنانچہ مؤطا میں محمد بن یوسف نے سائب بن یزید سے بیان کیا ہے کہ وہ گیارہ رکعتیں تھیں اور سعید بن منصور نے اسے ایک سند کے ساتھ بیان کیا الخ۔ (ج ۴ ص ۲۵۳) اور صاحب آثار السنن نے فرمایا: ابن عبدالبر نے جو مالک کا وہم بتایا ہے بہت ہی غلط ہے کیونکہ مالک کی متابعت سنن سعید بن منصور میں عبدالعزیز بن محمد نے کی ہے اور مصنف ابن ابی شیبہ میں سعید بن قطان نے کی ہے دونوں نے محمد بن یوسف سے بیان کیا ہے اور گیارہ رکعتیں ذکر کی ہیں جس طرح مالک نے محمد بن

یوسف سے بیان کیا اور محمد بن نصر مروزی نے قیام اللیل میں محمد بن اسحاق کے طریق سے روایت کی ہے کہ وہ کہتے ہیں مجھے محمد بن یوسف نے اپنے دادا سائب بن یزید سے بیان کیا کہ انہوں نے فرمایا کہ ہم حضرت عمرؓ کے زمانہ میں رمضان میں تیرہ رکعتیں پڑھتے تھے انتھی میں کہتا ہوں یہ اس روایت کے قریب ہے جو مالک نے محمد بن یوسف سے بیان کی یعنی عشاء کے بعد دو رکعتیں ملا کر''۔ (التعلیق الحسن ص ۳۰۲)

تو منقولہ بالا عبارت دلالت کر رہی ہیں کہ یحییٰ بن سعید اور عبدالعزیز بن محمد نے امام مالک کی متابعت کی ہے اور متابعت موافقت کا نام ہے نہ کہ مخالفت کا چنانچہ شرح نخبہ میں لکھا ہے:

وَمَا تَقَدَّمَ ذِكْرُهُ مِنَ الْفَرْدِ النِّسْبِيِّ اِنْ وُجِدَ بَعْدَ ظَنِّ كَوْنِهِ فَرْدًا قَدْ وَافَقَهُ غَيْرُهُ فَهُوَ الْمُتَابِعُ ''. (ص ۴۴)

''اور جس فرد نسبی کا ذکر پہلے ہو چکا ہے اسے فرد سمجھنے کے بعد اگر کوئی دوسرا راوی مل جائے جس نے اس کی موافقت کی ہو تو وہ متابع ہے''۔

نیز ایک توجیہ کے مطابق محمد بن اسحاق بھی امام مالک رحمہ اللہ کی متابعت کرتا ہے جیسا کہ صاحب آثار السنن کے کلام سے مترشح ہو رہا ہے۔

③ وَثَالِثًا: قَالَ الْحَافِظُ ابْنُ الصَّلاحِ: اَلْمُضْطَرِبُ مِنَ الْحَدِيْثِ هُوَ الَّذِیْ تَخْتَلِفُ الرِّوَايَةُ فِيْهِ فَيَرْوِيْهِ بَعْضُهُمْ عَلٰى وَجْهٍ وَبَعْضُهُمْ عَلٰى وَجْهٍ اٰخَرَ مُخَالِفٍ لَّهٗ، وَاِنَّمَا نُسَمِّيْهِ مُضْطَرِبًا اِذَا تَسَاوَتِ الرِّوَايَتَانِ اَمَّا اِذَا تَرَجَّحَتْ اِحْدَاهُمَا بِحَيْثُ لَا تُقَاوِمُهَا الْاُخْرٰى بِاَنْ يَكُوْنَ رَاوِيْهَا اَحْفَظَ اَوْ اَكْثَرَ صُحْبَةً لِلْمَرْوِيِّ عَنْهُ اَوْ غَيْرَ ذَالِكَ مِنْ وُجُوْهِ التَّرْجِيْحَاتِ الْمُعْتَمَدَةِ فَالْحُكْمُ لِلرَّاجِحَةِ وَلَا يُطْلَقُ عَلَيْهِ حِيْنَئِذٍ وَصْفُ الْمُضْطَرِبِ وَلَا لَهٗ حُكْمُهٗ . اھ (علوم الحدیث ص ۸۴)

وَفِی التَّدْرِیْبِ شَرْحِ التَّقْرِیْبِ: (اَلنَّوْعُ التَّاسِعَ عَشَرَ الْمُضْطَرِبُ هُوَ الَّذِیْ یُرْوٰی عَلٰی اَوْجُهٍ مُخْتَلِفَةٍ) مِنْ رَاوٍ وَاحِدٍ مَرَّتَیْنِ اَوْ اَکْثَرَ اَوْمِنْ رَاوِیَیْنِ اَوْ رُوَاةٍ (مُتَقَارِبَةٍ) وَعِبَارَةُ ابْنِ الصَّلَاحِ مُتَسَاوِیَةٌ وَعِبَارَةُ ابْنِ جَمَاعَةَ مُتَقَاوِمَةٌ بِالْوَاوِ وَالْمِیْمِ اَیْ وَلَا مُرَجِّحَ (فَاِنْ رَجَحَتْ اِحْدَی الرِّوَایَتَیْنِ) اَوِ الرِّوَایَاتِ (بِحِفْظِ رَاوِیْهَا) مَثَلًا (اَوْکَثْرَةِ صُحْبَتِهِ الْمَرْوِیَّ عَنْهُ اَوْغَیْرِ ذَالِکَ) مِنْ وُجُوْهِ التَّرْجِیْحَاتِ (فَالْحُکْمُ لِلرَّاجِحَةِ وَلَا یَکُوْنُ) الْحَدِیْثُ (مُضْطَرِبًا) لَا الرِّوَایَةُ الرَّاجِحَةُ کَمَا هُوَ ظَاهِرٌ وَلَا الْمَرْجُوْحَةُ بَلْ هِیَ شَاذَّةٌ اَوْ مُنْکِرَةٌ کَمَا تَقَدَّمَ. اھ(ص۱۶۹) وَفِیْ شَرْحِ النُّخْبَةِ: اَوْاِنْ کَانَتِ الْمُخَالَفَةُ بِاِبْدَالِهٖ اَیِ الرَّاوِیْ وَلَا مُرَجِّحَ لِاِحْدَی الرِّوَایَتَیْنِ عَلَی الْاُخْرٰی فَهٰذَا هُوَ الْمُضْطَرِبُ وَهُوَ یَقَعُ فِی الْاِسْنَادِ غَالِبًا وَقَدْ یَقَعُ فِی الْمَتْنِ لٰکِنْ قَلَّ اَنْ یَحْکُمَ الْمُحَدِّثُ عَلَی الْحَدِیْثِ بِالْاِضْطِرَابِ بِالنِّسْبَةِ اِلَی اخْتِلَافٍ فِی الْمَتْنِ دُوْنَ الْاِسْنَادِ. اھ وَفِیْ حَاشِیَتِهٖ: قَوْلُهٗ : وَلَا مُرَجِّحَ الخ فَاِنْ تَرَجَّحَتْ بِاَنْ یَکُوْنَ رَاوِیْهَا اَحْفَظَ اَوْ اَکْثَرَ صُحْبَةً لِلْمَرْوِیِّ عَنْهُ سِیَّمَا اِذَا کَانَ وَلَدَهٗ اَوْ قَرِیْبَهٗ اَوْ مَوْلَاهُ اَوْ بَلَدِیَّهٗ اَوْ غَیْرَ ذَالِکَ مِنْ وُجُوْهِ التَّرْجِیْحِ الْمُعْتَمَدَةِ کَکَوْنِهٖ حِیْنَ التَّحَمُّلِ بَالِغًا اَوْ سَمَاعَهٗ مِنْ لَفْظِ شَیْخِهٖ فَالْحُکْمُ لِلرَّاجِحِ وَلَا یَکُوْنُ الْحَدِیْثُ حِیْنَئِذٍ مُضْطَرِبًا وَکَذَا اِنْ اَمْکَنَ الْجَمْعُ بِحَیْثُ یُمْکِنُ اَنْ یَکُوْنَ الْمُتَکَلِّمُ مُعَبِّرًا بِاللَّفْظَیْنِ فَاَکْثَرَ عَنْ مَعْنًی وَاحِدٍ اَوْ یُحْمَلَ کُلٌّ مِنْهُمَا عَلٰی حَالَةٍ لَا تُنَافِی الْاُخْرٰی شَرْحُ الشَّرْحِ. اھ(ص۶۹) وَفِیْ شَرْحِ النُّخْبَةِ اَیْضًا: فَاِنْ خُوْلِفَ بِاَرْجَحَ مِنْهُ لِمَزِیْدِ ضَبْطٍ اَوْ کَثْرَةِ عَدَدٍ اَوْ غَیْرِ ذَالِکَ مِنْ وُجُوْهِ التَّرْجِیْحَاتِ فَالرَّاجِحُ یُقَالُ لَهٗ

الْمَحْفُوْظُ وَمُقَابِلُهٗ وَهُوَ الْمَرْجُوْحُ يُقَالُ لَهُ الشَّاذُّ هٰذَا هُوَ الْمُعْتَمَدُ فِيْ تَعْرِيْفِ الشَّاذِّ بِحَسْبِ الْاِصْطِلَاحِ وَاِنْ وَقَعَتِ الْمُخَالَفَةُ مَعَ الضَّعِيْفِ فَالرَّاجِحُ يُقَالُ لَهُ الْمَعْرُوْفُ وَمُقَابِلُهٗ يُقَالُ لَهُ الْمُنْكَرُ. اھ مقتصرا (ص۴۲،۴۳) وَفِيْ شَرْحِ النُّخْبَةِ اَيْضًا: وَاِنْ كَانَتِ الْمُعَارَضَةُ بِمِثْلِهٖ فَلَا يَخْلُوْ اِمَّا اَنْ يُمْكِنَ الْجَمْعُ بَيْنَ مَدْلُوْلَيْهِمَا بِغَيْرِ تَعَسُّفٍ اَوْلَا فَاِنْ اَمْكَنَ الْجَمْعُ فَهُوَ النَّوْعُ الْمُسَمّٰى بِمُخْتَلَفِ الْحَدِيْثِ اھ (ص۴۷)

③ ترجمہ: ثالثاً: حافظ ابن صلاح نے فرمایا: مضطرب حدیث وہ ہے جس میں روایت مختلف ہو جائے چنانچہ کوئی اسے ایک روایت کرے اور کوئی دوسرے طریقہ پر جو پہلے کے مخالف ہو ہم اسے مضطرب کا نام صرف اس وقت دیں گے جب دونوں روایتیں (قوت میں) برابر ہوں لیکن جب ان دونوں میں سے ایک کو ایسی ترجیح حاصل ہو جائے کہ دوسری اس کے مقابل نہ رکھی جا سکتی ہو اس وجہ سے کہ اس کا راوی حافظے میں زیادہ ہو یا جس سے روایت کر رہا ہو اس کی صحبت اسے زیادہ میسر رہی ہو یا اس کے علاوہ ترجیح کی صورتوں میں سے کوئی صورت موجود ہو تو راجح روایت کے حق میں فیصلہ ہوگا اور اسے مضطرب نہیں کہا جائے گا اور نہ ہی اس کا حکم مضطرب والا ہوگا (علوم الحدیث ص ۸۴) اور تقریب کی شرح تدریب میں ہے: انیسویں قسم مضطرب ہے جو ایک ہی راوی سے دو یا زیادہ مرتبہ یا دو راویوں سے زیادہ راویوں سے ایسی مختلف وجوہ کے ساتھ روایت کی جائے جو ایک دوسرے کے قریب قریب ہوں ابن صلاح کی عبارت یہ ہے کہ وہ وجوہ ایک دوسری کے برابر ہوں اور ابن جماعۃ کی عبارت یہ ہے کہ وہ ایک دوسری کی برابر کی مدمقابل ہوں اور ان وجوہ کے درمیان ترجیح دینے والی کوئی چیز موجود نہ

ہو۔ اگر ان دو روایات یا زیادہ روایات میں سے کسی ایک کو ترجیح حاصل ہو جائے مثلاً اسکے راوی کے حافظہ کی وجہ سے یا مروی عنہ کے ساتھ اس کی صحبت کی وجہ سے یا ترجیح کے اسباب میں سے کسی سبب کی وجہ سے تو فیصلہ راجح روایت کے حق میں ہوگا اور وہ حدیث مضطرب نہیں ہوگی نہ راجح روایت مضطرب ہوگی جیسا کہ ظاہر ہے اور نہ ہی مرجوح روایت کیونکہ وہ اس صورت میں شاذ یا منکر ہوگی جیسا کہ گزر چکا انتہی (ص ۱۶۹) اور شرح نخبہ میں ہے: ''اور اگر مخالفت راوی کے بدل دینے کے ساتھ ہو اور دونوں روایتوں میں سے ایک کو دوسری پر ترجیح دینے والی کوئی چیز بھی موجود نہ ہو تو اس کا نام مضطرب ہے اور یہ اکثر سند میں ہوتی ہے اور کبھی کبھی متن میں بھی واقع ہوتی ہے لیکن ایسا کم ہی ہوتا ہے کہ محدث حدیث پر اضطراب کا حکم سند کے بغیر صرف متن کے اختلاف کی وجہ سے لگائے۔ انتہی اور اس کے حاشیہ میں ہے قولہ: ''وَلاَ مُـرَجِّـحَ'' تو اگر ایک روایت راجح ہو جائے اس وجہ سے کہ اس کا راوی زیادہ حافظ ہو یا مروی عنہ کے ساتھ زیادہ رہا ہو بالخصوص جب وہ اس کا لڑکا یا رشتہ دار یا غلام یا اس کے شہر میں رہنے والا ہو۔ یا اس کے علاوہ ترجیح کی صورتوں میں سے کوئی قابل اعتبار صورت ہو مثلاً اس کا راوی حدیث حاصل کرنے کے وقت بالغ ہو یا اس نے خود شیخ کے لفظ سنے ہوں تو اس قسم کی ترجیح حاصل ہو جانے کی صورت میں راجح روایت کے حق میں فیصلہ ہوگا اور اس وقت حدیث مضطرب نہیں ہوگی۔ اسی طرح اگر تطبیق ممکن ہو اس طرح کہ متکلم نے ایک ہی معنی کو دو یا زیادہ لفظوں کے ساتھ تعبیر کر دیا ہو یا دونوں میں سے ہر ایک لفظ کو کسی ایک حالت پر محمول کر دیا جائے جو دوسری حالت کے منافی نہ ہو شرح نخبہ میں ہے۔ پس اگر ایک روایت کی مخالفت ایسی روایت سے کی جائے جو ضبط کی زیادتی یا تعداد کی کثرت کی وجہ سے یا ترجیح کی

وجوہ میں سے کسی وجہ سے راجح ہے تو راجح کو محفوظ کہا جائے گا اور اس کے مقابل کو جو مرجوح ہے شاذ کہا جائے گا اصطلاح کے اعتبار سے شاذ کی یہی تعریف قابل اعتماد ہے اور اگر مخالفت ضعف کے ساتھ واقع ہو تو راجح کو معروف اور اس کی مقابل کو منکر کہا جائے انتہیٰ بقدر ضرورت (ص۴۲،۴۳)
اور شرح نخبہ ہی میں ہے اگر مخالفت ہم مثل روایت کے ساتھ ہو تو یا تو دونوں کے مفہوم میں بلا تکلف تطبیق ممکن ہوگی یا نہیں اگر تطبیق ممکن ہو تو اس قسم کا نام ''مختلف الحدیث'' ہے انتہی ۔ (ص۴۷)

وَحَاصِلُ هٰذِهِ الْعِبَارَاتِ اَنَّ الْحَدِيْثَ اِذَا رُوِیَ عَلٰی اَوْجُهٍ مُخْتَلِفَةٍ فَاِنْ اَمْكَنَ الْجَمْعُ مِنْ غَيْرِ تَعَسُّفٍ فَهُوَ مُخْتَلِفُ الْحَدِيْثِ اَوْ تَرَجَّحَ اَحَدُهَا بِطَرِيْقٍ مِنْ طُرُقِ التَّرْجِيْحِ الْمُعْتَبَرَةِ فَالرَّاجِحُ مَحْفُوْظٌ اَوْ مَعْرُوْفٌ وَالْمَرْجُوْحُ شَاذٌّ اَوْ مُنْكَرٌ وَاِنْ لَمْ يُمْكِنِ الْجَمْعُ وَلَا التَّرْجِيْحُ فَالْحَدِيْثُ مُضْطَرِبٌ فَالْاِخْتِلَافُ الَّذِیْ يُمْكِنُ رَفْعُهٗ بِالْجَمْعِ وَالتَّرْجِيْحِ لَيْسَ بِاضْطِرَابٍ فِیْ عُرْفِ اُصُوْلِ الْحَدِيْثِ .

''ان عبارات سے حاصل یہ ہوا کہ ایک حدیث جب مختلف وجوہ پر روایت کی جائے تو اگر تکلف کے بغیر تطبیق ہو تو وہ مختلف الحدیث ہے یا ترجیح کی معتبر وجوہ میں سے کسی وجہ کے ساتھ ایک روایت کو ترجیح حاصل ہو جائے تو راجح کا نام محفوظ یا معروف اور مرجوح کا نام شاذ ہے یا منکر اور اگر نہ ہی تطبیق ممکن ہو اور نہ ترجیح تو وہ حدیث مضطرب ہے تو وہ اختلاف جسے تطبیق یا ترجیح کے ساتھ ختم کیا جا سکتا ہو اصول حدیث کی رو سے اضطراب نہیں ہے''۔

پس کتب اصول حدیث کی مندرجہ بالا عبارات شہادت دے رہی ہیں کہ اگر مختلف بیانات میں ترجیح یا تطبیق کی کوئی معقول و مقبول صورت نکل آئے تو روایت کو اصطلاحاً مضطرب نہیں کہا جائے گا اور اس مقام پر ترجیح اور تطبیق کی صورت موجود ہے

لہٰذا مصنف صاحب کا فرمان ''پس اصول حدیث کی رو سے یہ روایت مضطرب ہے'' درست نہیں ہاں جامع ترمذی کے بعض مقامات سے پتہ چلتا ہے کہ ترجیح اور تطبیق کی موجودگی میں بھی روایت کو مضطرب کہا جا سکتا ہے تو پھر حضرت المؤلف کا بیان ''یہ روایت مضطرب ہے الخ'' درست ہوگا۔

④ ورابعا: اگر امام مالک وغیرہ کی گیارہ رکعات والی روایت کو مضطرب قرار دیا جائے تو پھر داؤد بن قیس کی اکیس رکعات والی روایت کو بھی مضطرب قرار دینا پڑے گا کیونکہ محمد بن یوسف کے باہم مختلف بیانات والے پانچ شاگردوں میں داؤد بن قیس بھی شامل ہیں چنانچہ حضرت المؤلف کے پیش کردہ نقشہ سے صاف صاف ظاہر ہے تو جیسے صاحب رسالہ کے خیال میں بوجہ اضطراب امام مالک وغیرہ کی گیارہ رکعات والی روایت کو کسی مدعا کے ثبوت میں پیش کرنا درست نہیں ویسے ہی بوجہ اضطراب داؤد بن قیس کی اکیس رکعات والی روایت کو بھی کسی مدعا کے ثبوت میں پیش کرنا درست نہیں حالانکہ حضرت المولف نے اپنے مدعا کے ثبوت میں فرمودہ دلائل میں سے سب سے پہلے داؤد بن قیس والی روایت کو پیش فرمایا ہے اگر کہا جائے کہ صاحب رسالہ نے تو داؤد بن قیس کی روایت کو بعد از ترجیح یا تطبیق دلیل بنایا ہے تو پھر امام مالک رحمہ اللہ وغیرہ کی گیارہ رکعات والی روایت سے استدلال کرنے والے بھی کہہ سکتے ہیں کہ ہم نے بھی آخر گیارہ رکعات والی روایت کو ترجیح یا تطبیق کے بعد ہی دلیل بنایا ہے رہی یہ بات کہ کون سی ترجیح یا تطبیق درست ہے تو اس پر کلام ہوگا انشاء اللہ تعالیٰ۔

④ وخامسا: جس طریقہ سے حضرت المولف نے گیارہ رکعت والی روایت کو مضطرب بنایا اگر اس طریقہ کو اختیار کیا جائے تو کہا جا سکتا ہے کہ حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ کی بیس رکعات والی روایت بھی مضطرب ہے کیونکہ حضرت سائب بن یزید کے تین شاگردوں محمد بن یوسف' یزید بن خصیفہ اور حارث بن عبدالرحمان

کے بیانات باہم مختلف ہیں جیسا کہ درج ذیل نقشہ سے صاف ظاہر ہے۔

حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ

❶ (محمد بن یوسف) ان کے پانچ شاگردوں کے مذکورہ بیانات کو ذہن میں رکھیں جن کو حضرت المؤلف باہم مختلف قرار دے چکے ہیں نیز ایک نقشہ دے کر انہوں نے ان کے اختلاف کی صورت کو واضح کیا۔
❷ یزید بن خصیفہ: (۱) ہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بیس رکعات اور وتر پڑھتے تھے (مالک اور محمد بن جعفر) (۲) لوگ حضرت عمر کے زمانہ میں بیس رکعات پڑھتے تھے۔ (ابن ابی ذئب) (پہلے بیان میں اپنے عمل کا ذکر ہے لوگوں کے عمل کا ذکر نہیں دوسرے بیان میں اس کا عکس نیز پہلے بیان میں وتر کا ذکر ہے دوسرے میں وتر کا ذکر نہیں پھر ان دونوں بیانوں میں حکم کا ذکر نہیں اور نہ ہی ابی بن کعب و تمیم کا نیز گیارہ' تیرہ اور اکیس کی بجائے بیس کا ذکر ہے۔
❸ (حارث بن عبدالرحمان): حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں قیام تیئس رکعات تھا اس میں بھی حکم کا ذکر ہے نہ ہی ابی بن کعب و تمیم کا پھر گیارہ' تیرہ' بیس اور اکیس کی بجائے تیئس کا ذکر ہے۔

پس اصول حدیث کی رو سے یہ روایت مضطرب ہے اور اس حالت میں جب تک کسی ایک بیان کو اصول کے مطابق ترجیح نہ دی جائے یا تمام بیانات میں تطبیق نہ دی جائے اس وقت تک اس روایت کو کسی مدعا کے ثبوت میں پیش کرنا درست نہیں جب کہ عالم یہ ہے کہ حضرت المولف بطرق ثلاثہ اس روایت کو اپنے مدعا کے ثبوت میں پیش فرما چکے ہیں رہی ترجیح و تطبیق والی بات تو اس پر کلام آ رہا ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

اب اگر ترجیح کی راہ اختیار کی جائے تو محمد بن یوسف کی گیارہ رکعات والی

روایت کو ترجیح ہوگی جیسا کہ تینوں بزرگوں کی روایات کی اسانید پر کلام سے ظاہر ہے مگر اس میں یہ نقص ہے کہ ترجیح کی راہ تب اختیار کی جاتی ہے جب رواۃ کے بیانات میں مخالفت ومنافات ہو اور وہ اس مقام پر ہے ہی نہیں جیسا کہ تدبر وتامل کرنے سے ظاہر ہے ہاں صاحب رسالہ کے انداز فکر کو پیش نظر رکھا جائے تو پھر حضرت سائب بن یزید کے تینوں شاگردوں کے بیانات باہم مختلف ہیں۔

نیز یزید بن خصیفہ اور حارث بن عبدالرحمان کے بیانات میں نہ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم کا ذکر ہے اور نہ ہی ان کے عمل کا بلکہ ان میں تو یہ بھی نہیں بتایا گیا کہ لوگوں کے بیس رکعات پڑھنے کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو علم تھا یا نہیں تو ان دو بزرگوں کے بیانات سے بیس رکعات کے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سنت ہونے پر استدلال کرنا درست نہیں۔

② ترجیح وتطبیق کی تحقیق:

حضرت المولف تحریر فرماتے ہیں:

> ''حافظ ابن عبدالبر المالکی المتوفی ۴۶۳ھ نے دونوں صورتیں اختیار کی ہیں گیارہ اور اکیس میں اکیس کو ترجیح (قوت) دی اور گیارہ کو مرجوح (کمزور) قرار دیا اور اس کے ساتھ تطبیق کی یہ صورت بھی لکھی کہ پہلے گیارہ کا حکم دیا ہو پھر قیام میں تخفیف کے لیے گیارہ کی بجائے اکیس رکعتیں کر دی گئی ہوں اور زرقانی مالکی نے اسی تطبیق کو پسند کیا اور کہا کہ امام بیہقی نے بھی مختلف روایتوں کو اسی طرح جمع کیا ہے (زرقانی شرح مؤطا جلد ا ص ۲۱۵) اور دیگر ائمہ حدیث نے بھی اسی تطبیق کو پسند کیا خصوصاً حافظ ابن حجر عسقلانی فتح الباری میں اور علامہ شوکانی نیل الاوطار میں تطبیق کی صورت اختیار کی''۔اھ (ص ۲۴)

① اَوَّلًا: قَالَ الزَّرْقَانِیُ فِی شَرْحِ الْمُوَطَّا: (اَنْ یَقُوْمَا لِلنَّاسِ بِاِحْدٰی عَشْرَۃَ رَکْعَۃً) قَالَ الْبَاجِیُ: لَعَلَّ عُمَرَ اَخَذَ ذَالِکَ مِنْ صَلَاۃِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَفِیْ حَدِیْثِ عَائِشَۃَ اَنَّھَا سُئِلَتْ عَنْ صَلَاتِہٖ

فِیْ رَمَضَانَ فَقَالَتْ: مَا کَانَ یَزِیْدُ فِیْ رَمَضَانَ وَلَا فِیْ غَیْرِہٖ عَلٰی اِحْدٰی عَشْرَۃَ رَکْعَۃً . وَقَالَ ابْنُ عَبْدِالْبَرِّ: رَوٰی غَیْرُ مَالِکٍ فِیْ ھٰذَا الْحَدِیْثِ اِحْدٰی وَعِشْرُوْنَ وَھُوَ الصَّحِیْحُ وَلَا اَعْلَمُ اَحَدًا قَالَ فِیْہِ اِحْدٰی عَشْرَۃَ اِلَّا مَالِکًا وَیَحْتَمِلُ اَنْ یَکُوْنَ ذَالِکَ اَوَّلًا ثُمَّ خُفِّفَ عَنْھُمْ طُوْلُ الْقِیَامِ وَنَقَلَھُمْ اِلٰی اِحْدٰی وَعِشْرِیْنَ اِلَّا اَنَّ الْاَغْلَبَ عِنْدِیْ اَنَّ قَوْلَہٗ: اِحْدٰی عَشْرَۃَ وَھْمٌ . اِنْتَھٰی وَلَا وَھْمٌ مَعَ اَنَّ الْجَمْعَ بِالْاِحْتِمَالِ الَّذِیْ ذَکَرَہٗ قَرِیْبٌ وَبِہٖ جَمَعَ الْبَیْھَقِیُّ اَیْضًا وَقَوْلُہٗ: اِنَّ مَالِکًا اِنْفَرَدَ بِہٖ. لَیْسَ کَمَا قَالَ فَقَدْ رَوَاہُ سَعِیْدُ بْنُ مَنْصُوْرٍ مِنْ وَجْہٍ اٰخَرَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ یُوْسُفَ فَقَالَ اِحْدٰی عَشْرَۃَ . کَمَا قَالَ مَالِکٌ. اھ (ج۱ص۲۳۹)

وَقَالَ: صَاحِبُ اٰثَارِ السُّنَنِ: مَا قَالَہُ ابْنُ عَبْدِالْبَرِّ مِنْ وَھْمِ مَالِکٍ فَغَلَطٌ جِدًّا لِاَنَّ مَالِکًا قَدْ تَابَعَہٗ عَبْدُالْعَزِیْزِ بْنُ مُحَمَّدٍ اِلٰی آخِرِ مَا نَقَلْنَا قَبْلُ مِنَ التَّعْلِیْقِ الْحَسَنِ . وَقَالَ عَلِیُّ نِ الْقَارِیُّ فِی الْمِرْقَاۃِ : (بِاِحْدٰی عَشْرَۃَ رَکْعَۃً) اَیْ فِیْ اَوَّلِ الْاَمْرِ قَالَ ابْنُ عَبْدِالْبَرِّ ھٰذِہِ الرِّوَایَۃُ وَھْمٌ وَالَّذِیْ صَحَّ اَنَّھُمْ کَانُوْا یَقُوْمُوْنَ عَلٰی عَھْدِ عُمَرَ بِعِشْرِیْنَ رَکْعَۃً وَاعْتُرِضَ بِاَنَّ سَنَدَ تِلْکَ صَحِیْحٌ اَیْضًا وَیُجَابُ بِاَنَّہٗ لَعَلَّھُمْ فِیْ بَعْضِ اللَّیَالِیْ قَصَدُوا التَّشْبِیْہَ بِہٖ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَاِنَّہٗ صَحَّ عَنْہُ اَنَّہٗ صَلّٰی بِھِمْ ثَمَانِیَ رَکْعَاتٍ وَالْوِتْرِ وَاِنْ کَانَ الَّذِی اسْتَقَرَّ عَلَیْہِ اَمْرُھُمُ الْعِشْرِیْنَ وَرِوَایَۃُ ثَلَاثٍ وَّعِشْرِیْنَ حَسَبَ رَاوِیْھَا الثَّلَاثَۃَ الْوِتْرَ فَاِنَّہٗ جَآءَ اَنَّھُمْ کَانُوْا یُوْتِرُوْنَ بِثَلَاثٍ وَھٰذَا یَدُلُّ عَلٰی اَنَّ الْوِتْرَ ثَلَاثٌ عَلٰی مَا تَقَرَّرَ عَلَیْہِ اٰخِرُ الْاَمْرِ وَاَنَّہٗ غَیْرُ دَاخِلٍ فِیْ صَلَاۃِ اللَّیْلِ اھ (ج۳ص۱۹۲) وَقَالَ صَاحِبُ تُحْفَۃِ الْاَحْوَذِیْ بَعْدَ

نَقْلِ رَدِّالزَّرْقَانِیْ وَالنِّیْمَوِیّ لِقَوْلِ ابْنِ عَبْدِالْبَرِّ: اَنَّ الْاَغْلَبَ عِنْدِیْ اَنَّ قَوْلَهٗ اِحْدٰی عَشَرَةَ وَهْمٌ . مَا نَصُّهٗ: فَلَمَّا ثَبَتَ اَنَّ الْاِمَامَ مَالِکًا لَمْ یَنْفَرِدْ بِقَوْلِهٖ: اِحْدٰی عَشَرَةَ . بَلْ تَابَعَهٗ عَلَیْهِ عَبْدُالْعَزِیْزِ بْنُ مُحَمَّدٍ وَهُوَ ثِقَةٌ وَیَحْیٰی بْنُ سَعِیْدِ نِ الْقَطَّانُ اِمَامُ الْجَرْحِ وَالتَّعْدِیْلِ قَالَ الْحَافِظُ فِی التَّقْرِیْبِ: ثِقَةٌ مُتْقِنٌ حَافِظٌ اِمَامٌ ظَهَرَلَکَ حَقَّ الظُّهُوْرِ اَنَّ قَوْلَ ابْنِ عَبْدِالْبَرِّ: اَنَّ الْاَغْلَبَ عِنْدِیْ اَنَّ قَوْلَهٗ اِحْدٰی عَشَرَةَ وَهْمٌ لَیْسَ بِصَحِیْحٍ، بَلْ لَوْ تَدَبَّرْتَ ظَهَرَلَکَ اَنَّ الْاَمْرَ عَلٰی خِلَافِ مَا قَالَ ابْنُ عَبْدِالْبَرِّ اَعْنِیْ اَنَّ الْاَغْلَبَ اَنَّ قَوْلَ غَیْرِ مَالِکٍ فِیْ هٰذَا الْاَثَرِ اِحْدٰی وَعِشْرُوْنَ کَمَا فِیْ رِوَایَةِ عَبْدِالرَّزَّاقِ وَهْمٌ فَاِنَّهٗ قَدْ اِنْفَرَدَ هُوَ بِاِخْرَاجِ هٰذَا الْاَثَرِ بِهٰذَااللَّفْظِ وَلَمْ یُخْرِجْهُ بِهٖ اَحَدٌ غَیْرُهٗ فِیْمَا اَعْلَمُ وَعَبْدُالرَّزَّاقِ وَاِنْ کَانَ ثِقَةً حَافِظًا لٰکِنَّهٗ قَدْ عَمِیَ فِیْ اٰخِرِ عُمُرِهٖ فَتَغَیَّرَ کَمَا صَرَّحَ بِهِ الْحَافِظُ فِی التَّقْرِیْبِ وَاَمَّا الْاِمَامُ مَالِکٌ فَقَالَ الْحَافِظُ فِی التَّقْرِیْبِ: اِمَامُ دَارِالْهِجْرَةِ رَاْسُ الْمُتَّقِیْنَ وَکَبِیْرُ الْمُتَثَبِّتِیْنَ حَتّٰی قَالَ الْبُخَارِیُّ: اَصَحُّ الْاَسَانِیْدِ کُلِّهَا مَالِکٌ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ. اِنْتَهٰی وَمَعَ هٰذَا لَمْ یَنْفَرِدْ هُوَ بِاِخْرَاجِ هٰذَا الْاَثَرِ بِلَفْظِ اِحْدٰی عَشَرَةَ بَلْ اَخْرَجَهٗ اَیْضًا بِهٰذَا اللَّفْظِ سَعِیْدُ بْنُ مَنْصُوْرٍ وَابْنُ اَبِیْ شَیْبَةَ کَمَا عَرَفْتَ فَالْحَاصِلُ اَنَّ لَفْظَ اِحْدٰی عَشَرَةَ فِیْ اَثَرِ عُمَرَ الْخَطَّابِ الْمَذْکُوْرِ صَحِیْحٌ ثَابِتٌ مَحْفُوْظٌ وَلَفْظُ اِحْدٰی وَعِشْرُوْنَ فِیْ هٰذَا الْاَثَرِ غَیْرُ مَحْفُوْظٍ وَالْاَغْلَبُ اَنَّهٗ وَهْمٌ . اھ(ج۲ص۷۴)

وَقَالَ الْحَافِظُ فِیْ تَهْذِیْبِ التَّهْذِیْبِ: وَقَالَ ابْنُ الْمَدِیْنِیِّ سَمِعْتُ ابْنَ مَهْدِیٍّ یَقُوْلُ: کَانَ وُهَیْبٌ لَا یَعْدِلُ بِمَالِکٍ اَحَدًا. وَقَالَ اَیْضًا: وَکَانَ ابْنُ مَهْدِیٍّ لَا یُقَدِّمُ عَلٰی مَالِکٍ اَحَدًا. وَقَالَ اَیْضًا: وَقَالَ

النَّسَائِیُّ: مَا عِنْدِیْ بَعْدَ التَّابِعِیْنَ اَنْبَلُ مِنْ مَالِکٍ وَلَا اَجَلُّ مِنْهُ وَلَا اَوْثَقُ وَلَا آمَنُ عَلَی الْحَدِیْثِ مِنْهُ الخ ۔ (ج ۱۰ص ۸،۷،۹)

① ترجمہ: اولا: زرقانی نے موطا کی شرح میں فرمایا: ''ان یقوما للناس باحدی عشرۃ رکعۃ'' باجی نے فرمایا کہ شاید حضرت عمرؓ نے یہ تعداد آنحضرت ﷺ کی نماز سے لی ہو کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہ ان سے رسول اللہ ﷺ کی رمضان میں نماز پوچھی گئی تو انہوں نے فرمایا آپ رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے اور ابن عبدالبر نے فرمایا کہ مالک کے علاوہ دوسرے راویوں نے اس حدیث میں اکیس رکعتیں روایت کیں اور یہی صحیح ہے اور مجھے مالک کے علاوہ کوئی شخص معلوم نہیں جس نے گیارہ روایت کی ہوں اور یہ بھی احتمال ہے کہ پہلے گیارہ ہی ہوں پھر لوگوں سے لمبے قیام میں تخفیف کردی گئی ہو اور انہیں اکیس رکعتوں کی طرف منتقل کردیا ہو۔ مگر میرے نزدیک زیادہ غالب یہی ہے کہ گیارہ رکعت وہم ہے انتہی ۔ اور جب اس احتمال کے ساتھ تطبیق بالکل آسان ہے جو ابن عبدالبر نے بیان کیا تو یہ لفظ وہم نہیں ہے اور بیہقی نے بھی یہی تطبیق دی ہے اور اس نے جو یہ کہا کہ مالک اس میں اکیلے ہیں تو یہ بات اس طرح نہیں جس طرح انہوں نے فرمائی کیونکہ سعید بن منصور نے ایک دوسری سند کے ساتھ محمد بن یوسف سے روایت کی ہے اور فرمایا ''گیارہ رکعتیں'' جس طرح مالک نے فرمایا اھ (ج ۱ص ۲۳۹) اور صاحب آثار السنن نے فرمایا کہ ابن عبدالبر نے جو مالک کا وہم قرار دیا ہے بالکل غلط ہے کیونکہ مالک کی متابعت عبدالعزیز بن محمد نے کی ہے۔ آخر عبارت تک جو اس سے پہلے ہم نے التعلیق الحسن سے نقل کی ہے اور علی قاری نے مرقاۃ میں فرمایا کہ ''باحدی عشرۃ رکعۃ'' یعنی شروع شروع میں (گیارہ رکعتیں تھیں) جیسا کہ ابن عبدالبر نے کہا کہ یہ روایت وہم ہے اور ثابت یہی ہے کہ

لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں بیس رکعتیں قیام کرتے تھے اور یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ سند تو اس (گیارہ) کی بھی صحیح ہے جواب یہ دیا جائے گا کہ شاید انہوں نے بعض راتوں میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ تشبیہ کا ارادہ کیا ہو کیونکہ آپ سے ثابت ہے کہ آپ نے لوگوں کو آٹھ رکعت اور وتر پڑھائے۔ اگرچہ ان کا معاملہ بیس پر آ ٹھہرا اور تیئس رکعت والی روایت میں راوی نے تین وتر بھی شمار کر لئے کیونکہ آیا ہے کہ لوگ تین وتر پڑھتے تھے یہ اس بات کی دلیل ہے کہ آخر میں معاملہ اسی بات پر آ ٹھہرا کہ وتر تین ہیں اور وہ صلاۃ لیل میں داخل نہیں انتہی (ج ۳ ص ۱۹۲) اور صاحب تحفۃ الاحوذی نے ابن عبدالبر کے قول (میرے نزدیک زیادہ غالب یہ ہے کہ مالک کا قول گیارہ رکعت وہم ہے) پر زرقانی اور نیموی کا رد نقل کرنے کے بعد فرمایا۔ صاحب تحفہ کی بلفظہ عبارت کا ترجمہ تو جب ثابت ہو گیا کہ مالک اپنے قول گیارہ رکعت میں اکیلے نہیں بلکہ اس لفظ پر ان کی متابعت عبدالعزیز نے کی ہے اور وہ ثقہ ہیں اور جرح وتعدیل کے امام یحییٰ بن سعید قطان نے بھی متابعت کی ہے جن کے متعلق حافظ نے تقریب میں فرمایا ''ثقہ' متقن' حافظ' امام'' تو تمہارے لیے روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ ابن عبدالبر کا قول ''کہ میرے نزدیک زیادہ غالب یہ ہے کہ مالک کا قول گیارہ رکعت وہم ہے صحیح نہیں بلکہ اگر تم تدبر کرو گے تو تمہیں ظاہر ہو جائے گا کہ اصل معاملہ اس بات کے برعکس ہے جو ابن عبدالبر نے کہی ہے میرا مطلب یہ ہے کہ اس اثر میں مالک کے غیر کا قول اکیس رکعت جیسا کہ عبدالرزاق کی روایت میں ہے وہم ہے کیونکہ اس اثر کو ان لفظوں کے ساتھ روایت کرنے میں صرف عبدالرزاق اکیلا ہے اور جہاں تک مجھے معلوم ہے اس کے علاوہ کسی نے اسے ان لفظوں میں روایت نہیں کیا اور عبدالرزاق اگرچہ ثقہ اور حافظ ہیں مگر وہ آخر عمر میں نابینا ہو گئے تو متغیر ہو گئے جیسا کہ حافظ نے

تقریب میں اس کی تصریح کی ہے رہے امام مالکؒ تو حافظ نے تقریب میں فرمایا: دارالہجرت کے امام متقنین کے رئیس اور متثبتین کے سردار ہیں یہاں تک کہ بخاری نے فرمایا کہ تمام سندوں سے زیادہ صحیح سند ''مالک عن نافع عن ابن عمر'' ہے انتہی۔ علاوہ ازیں مالک اس اثر کو گیارہ کے لفظ کے ساتھ روایت کرنے میں اکیلے نہیں بلکہ سعید بن منصور اور ابن ابی شیبہ نے اس اثر کو ان لفظوں میں روایت کیا ہے جیسا کہ تمہیں معلوم ہو چکا ہے تو حاصل یہ ہے کہ حضرت عمر بن خطاب کے اثر مذکور میں گیارہ کا لفظ صحیح ثابت محفوظ ہے اور اکیس کا لفظ غیر محفوظ ہے اور زیادہ غالب یہ ہے کہ وہ وہم ہے۔ اھ (ج ۲ ص ۷۴)

اور حافظ نے تہذیب التہذیب میں فرمایا: ''اور ابن مدینی نے کہا میں نے ابن مہدی سے سنا کہ وھیب مالکؒ کے برابر کسی کو قرار نہیں دیتے تھے اور یہ بھی کہا کہ ابن مہدی مالک پر کسی کو مقدم نہیں کرتے تھے اور یہ بھی فرمایا'' اور نسائی نے کہا میرے نزدیک تابعین کے بعد مالکؒ سے زیادہ کوئی شخص نہ باشرف ہے نہ زیادہ جلیل القدر نہ زیادہ ثقہ اور نہ ان سے کوئی شخص حدیث میں زیادہ امین ہے الخ''۔ (جلد ۱۰ ص ۸، ۷، ۹)

حضرت المولف نے حافظ ابن عبدالبر کے اکیس رکعات والی روایت کو راجح اور امام مالک وغیرہ کی گیارہ رکعات والی روایت کو مرجوح قرار دینے کو شرح زرقانی سے نقل فرمایا مگر شارح زرقانی کی تنقید وتردید برقول ابن عبدالبر وترجیح کو رسالہ میں ذکر کرنا تو درکنار انہوں نے اس کی طرف ادنی اشارہ کرنے کو گوارا تک نہیں فرمایا حالانکہ جس مقام سے وہ حافظ ابن عبدالبر کی ترجیح کو نقل فرما رہے ہیں اسی مقام پر علامہ زرقانی کی تنقید وتردید بھی موجود ہے جیسا کہ شرح زرقانی کی مندرجہ بالا عبارت سے صاف صاف ظاہر ہے۔

محمد بن یوسف کا شاگرد داؤد بن قیس اکیس رکعات کہنے میں متفرد ہے اور

اپنے اوثق رواۃ کی مخالفت بھی کر رہا ہے تو اصول حدیث کی رو سے اس کی روایت مرجوح ہوگی اور ''اصول حدیث کو پیش نظر رکھنا ہر ذی علم پر لازم ہے'' اگر کہا جائے کہ حافظ عبدالرزاق کی کتاب مصنف سے پتہ چلتا ہے کہ داوٗد بن قیس کا متابع بھی موجود ہے کیونکہ وہاں لفظ ہیں "داود بن قیس وغیرہ" تو جواباً عرض ہے کہ یہ غیرہ مبہم اور مجہول ہے۔ ''لَا یُدْرٰی مَنْ هُوَ''۔

اس لیے اس متابعت کا کوئی اعتبار نہیں دیکھیے حضرت المولف نے بھی اس غیرہ کو درخور اعتناء نہیں سمجھا ورنہ وہ فرماتے ''محمد بن یوسف کے کم از کم چھ شاگرد ہیں الخ'' تو ان کے بیان ''اور محمد بن یوسف کے پانچ شاگرد ہیں اور ان پانچوں کے الخ'' سے واضح ہے کہ اس غیرہ کا ان کو بھی کوئی اتہ پتہ نہیں پھر داوٗد بن قیس کے بیان کے محمد بن یوسف کے دیگر چار شاگردوں کے بیانات کے مخالف ہونے کا حضرت المولف کو بھی اعتراف ہے اور اقرار ہے جیسا کہ ان کے دیئے ہوئے نقشہ سے صاف صاف ظاہر ہے۔

② وثانیاً: پہلے تو محمد بن یوسف کے پانچ شاگردوں کے بیانات میں ترجیح پر بات ہو رہی تھی جو اس نتیجہ پر پہنچی کہ امام مالک' یحیٰی بن سعید اور عبدالعزیز بن محمد کا بیان ''گیارہ رکعات'' راجح اور داوٗد بن قیس کا بیان ''اکیس رکعات'' مرجوح ہے رہی حضرت سائب بن یزید کے تین شاگردوں محمد بن یوسف' یزید بن خصیفہ اور حارث بن عبدالرحمان کے بیانات میں ترجیح تو اس مقام پر محمد بن یوسف کا بیان راجح کیونکہ وہ یزید بن خصیفہ اور حارث بن عبدالرحمان سے اوثق ہے اس لیے کہ حضرت المولف نے بذات خود محمد بن یوسف کی توثیق میں "ثقة ثبت" دو لفظ نقل فرمائے ہیں اور یزید بن خصیفہ کی توثیق میں "ثقة" صرف ایک ہی لفظ نقل فرمایا ہے اور شرح نخبہ میں ہے:

"وَمِنَ الْمُهِمِّ اَيْضًا مَعْرِفَةُ مَرَاتِبِ التَّعْدِيْلِ وَاَرْفَعُهَا الْوَصْفُ اَيْضًا

بِمَا دَلَّ عَلَى الْمُبَالَغَةِ فِيهِ وَاَصْرَحُ ذَالِكَ التَّعْبِيْرُ بِاَفْعَلَ كَاَوْثَقِ النَّاسِ اَوْ اَثْبَتِ النَّاسِ وَاِلَيْهِ الْمُنْتَهٰى فِي التَّثَبُّتِ ثُمَّ مَا تَاَكَّدَ بِصِفَةٍ مِنَ الصِّفَاتِ الدَّالَّةِ عَلَى التَّعْدِيْلِ اَوْ صِفَتَيْنِ كَثِقَةٍ ثِقَةٍ اَوْ ثَبْتٍ ثَبْتٍ اَوْ ثِقَةٍ حَافِظٍ اَوْ عَدْلٍ ضَابِطٍ اَوْ نَحْوِ ذَالِكَ الخ".

"اور اہم باتوں میں سے تعدیل کے مراتب کی پہچان بھی ہے ان میں سب سے بلند مرتبہ یہ ہے کہ ایسے لفظ سے تعریف کی جائے جو اس وصف میں مبالغہ پر دلالت کرے اور اس میں سب سے زیادہ صریح وہ ہے جو افعل (تفصیل) کے لفظوں کے ساتھ بیان کی جائے مثلاً: "اوثق الناس، اثبت الناس. اليه المنتهى في التثبت" پھر جس کی تاکید کسی صفت سے کی جائے جو تعدیل پر دلالت کرنے والی ہو یا دو صفتوں کے ساتھ موکد ہو مثلاً ثقة ثقة ثبت ثبت یا ثقة حافظ یا عدل ضابطہ یا اس جیسے الفاظ الخ"۔

اور تدریب شرح تقریب میں لکھا ہے:

" (فَاَلْفَاظُ التَّعْدِيْلِ مَرَاتِبُ) ذَكَرَهَا الْمُصَنِّفُ كَابْنِ الصَّلَاحِ تَبَعًا لِاِبْنِ اَبِي حَاتِمٍ اَرْبَعَةً وَجَعَلَهَا الذَّهَبِيُّ وَالْعِرَاقِيُّ خَمْسَةً وَشَيْخُ الْاِسْلَامِ سِتَّةً (اَعْلَاهَا) بِحَسْبِ مَا ذَكَرَهُ الْمُصَنِّفُ (ثِقَةٌ اَوْ مُتْقِنٌ اَوْ ثَبْتٌ اَوْ حُجَّةٌ اَوْ عَدْلٌ حَافِظٌ اَوْ) عَدْلٌ (ضَابِطٌ) وَاَمَّا الْمَرْتَبَةُ الَّتِي زَادَهَا الذَّهَبِيُّ وَالْعِرَاقِيُّ فَاِنَّهَا اَعْلٰى مِنْ هٰذِهٖ وَهُوَ مَا كُرِّرَ فِيْهِ اَحَدُ هٰذِهِ الْاَلْفَاظِ الْمَذْكُوْرَةِ اِمَّا بِعَيْنِهٖ كَثِقَةٍ ثِقَةٍ اَوْلَا كَثِقَةٍ ثَبْتٍ اَوْ ثِقَةٍ حُجَّةٍ اَوْ ثِقَةٍ حَافِظٍ وَالرُّتْبَةُ الَّتِي زَادَهَا شَيْخُ الْاِسْلَامِ اَعْلٰى مِنْ مَرْتَبَةِ التَّكْرِيْرِ وَهِيَ الْوَصْفُ بِاَفْعَلَ كَاَوْثَقِ النَّاسِ وَاَثْبَتِ النَّاسِ اَوْ نَحْوِهٖ كَاِلَيْهِ الْمُنْتَهٰى فِي التَّثَبُّتِ قُلْتُ: وَمِنْهُ لَا اَحَدٌ اَثْبَتَ مِنْهُ وَمَنْ مِثْلُ فُلَانٍ؟ وَفُلَانٌ لَا يُسْأَلُ عَنْهُ وَلَمْ اَرَ مَنْ ذَكَرَ هٰذِهِ الثَّلَاثَةَ وَهِيَ

اَلْفَاظُهُمْ فَالْمَرْتَبَةُ الَّتِیْ ذَکَرَهَا الْمُصَنِّفُ اَعْلٰی هِیَ الثَّالِثَةُ فِی الْحَقِیْقَةِ". اھ (ص ۲۳۰).

''پس تعدیل کے الفاظ کے چند مرتبے ہیں مصنف نے ابن صلاح کی طرح ابن ابی حاتم کی پیروی میں چار مرتبے ذکر کئے ہیں اور ذھبی اور عراقی نے یہ مراتب پانچ بنائے ہیں اور شیخ الاسلام نے چھ بنائے ہیں (ان سب سے بلند) مصنف کے ذکر کے اعتبار سے (ثقہ یا متقن یا ثبت یا حجۃ یا عدل حافظ یا) عدل (ضابطہ) ہے اور ذھبی اور عراقی نے جو مرتبہ زیادہ کیا ہے وہ اس مرتبہ سے بلند ہے اور وہ وہ ہے جس میں مذکورہ الفاظ بعینہٖ مکرر لائے جائیں یا کوئی دو لفظ مکرر لائے جائیں مثلاً ثقۃ ثقۃ یا ثقۃ ثبت یا ثقۃ حجۃ یا ثقۃ حافظ اور جو مرتبہ شیخ الاسلام نے زیادہ کیا ہے وہ تکریر کے مرتبہ سے بھی بلند ہے اور وہ وہ ہے جس میں افعل (تفضیل) کے ساتھ وصف بیان کیا جائے۔ مثلاً اوثق الناس' اثبت الناس یا اس جیسے الفاظ مثلاً الیہ المنتھی فی التثبت میں کہتا ہوں اسی مرتبے سے یہ لفظ بھی ہیں ''اس سے زیادہ پختہ کوئی نہیں'' اور ''فلاں کی مثل کون ہے''؟ اور فلاں کے متعلق سوال نہیں کیا جاتا'' اور میں نے کسی کو نہیں دیکھا جس نے یہ تین لفظ ذکر کئے ہوں حالانکہ تعدیل کے الفاظ میں یہ لفظ بھی آتے ہیں تو وہ مرتبہ جو مصنف نے اعلیٰ قرار دیا ہے درحقیقت وہ تیسرا ہے''۔ اھ (ص ۲۳۰)

تو محمد بن یوسف اور یزید بن خصیفہ کے بارے میں حضرت المولف کے نقل کردہ الفاظ توثیق کے لحاظ سے محمد بن یوسف تعدیل کے دوسرے مرتبہ میں اور یزید بن خصیفہ توثیق کے تیسرے مرتبہ میں ہیں لہٰذا محمد بن یوسف یزید بن خصیفہ سے اوثق ہیں تو ترجیح محمد بن یوسف کی روایت کو ہوگی نہ کہ یزید بن خصیفہ کی روایت کو اگر تسلیم کرلیا جائے کہ درجہ ثقاہت میں یہ دونوں بزرگ برابر ہیں تو بھی کثرت صحبت اور رشتہ

داری کی بنا پر ترجیح محمد بن یوسف کی روایت کو دی جائے گی۔ اور کثرت صحبت اور رشتہ داری کا وجوہ ترجیح میں شامل ہونا پہلے باحوالہ بیان ہو چکا ہے۔ رہے حارث بن عبدالرحمان تو محمد بن یوسف کا ان سے اوثق ہونا ظاہر بات ہے کیونکہ محمد بن یوسف تو ثقہ ثبت ہیں اور حارث بن عبدالرحمان صدوق یہم رہا حارث بن عبدالرحمان کا رجال مسلم سے ہونا تو وہ اتنے سے تو محمد بن یوسف کے برابر بھی نہیں ہو سکتے چہ جائیکہ وہ محمد بن یوسف سے اوثق بنیں کیونکہ کسی راوی کا دوسرے درجہ کا ثقہ ہونا مسلم کی شرط نہیں جب کہ عالم یہ ہے کہ حارث بن عبدالرحمان تو مسلم کے رجال سے ہیں اور محمد بن یوسف بخاری اور مسلم دونوں کے رجال سے ہیں پھر محمد بن یوسف میں ترجیح کی دو اور وجہیں کثرت صحبت اور حضرت سائب سے رشتہ داری بھی موجود ہیں نیز حارث بن عبدالرحمان کی روایت کی سند محمد بن یوسف کی روایت کی سند کے ہم پلہ نہیں کیونکہ محمد بن یوسف سے بیان کرنے والے تو راس المتقنین' کبیر المتثبتین اور اوثق بعد التابعین حضرت الامام مالک'' امام الجرح والتعدیل ثقہ متقن اور حافظ یحییٰ بن سعید القطان اور ثقہ عبدالعزیز بن محمد ہیں ادھر حارث بن عبدالرحمان سے بیان کرنے والے اسلمی صاحب ہیں جن کا حال پہلے لکھا جا چکا ہے تو ان وجوہ ترجیح کی بنا پر محمد بن یوسف کی روایت راجح اور حارث بن عبدالرحمان کی روایت مرجوح ٹھہرے گی۔

باقی یزید بن خصیفہ اور حارث بن عبدالرحمان کے ایک دوسرے کا متابع ہونے سے بھی وہ دونوں محمد بن یوسف کے درجہ ثقاہت کو نہیں پہنچ سکتے جیسا کہ مراتب تعدیل وتوثیق' محمد بن یوسف کے مرتبہ ثقاہت ثقہ ثبت' یزید بن خصیفہ کے درجہ ثقاہت ثقہ اور حارث بن عبدالرحمان کے مقام عدالت صدوق یہم پر تدبر کرنے سے واضح ہے چلو ہم تسلیم کرتے ہیں کہ یزید اور حارث دونوں مل کر درجہ ثقاہت میں محمد بن یوسف کے برابر ہیں لیکن ترجیح کی دو اور وجہوں کثرت صحبت اور رشتہ داری سے محمد بن یوسف تو بہرہ ور ہیں اور یزید و حارث دونوں ان دو وجوہ سے محروم ہیں یہ بھی تسلیم کہ

کثرت صحبت میں بھی یہ دونوں محمد بن یوسف کے برابر ہیں مگر مروی عنہ سے رشتہ داری والی وجہ ترجیح سے تو یہ دونوں بہر حال محروم ہیں نیز یزید وحارث سے نیچے کے سب راوی محمد بن یوسف سے نیچے کے سب راویوں کے ہم پلہ نہیں ہیں کما تقدم تو اصول حدیث کے لحاظ سے محمد بن یوسف کی روایت راجح اور یزید وحارث کی روایت مرجوح ہے اور بقول حضرت المولف ''اصول حدیث کو پیش نظر رکھنا ہر ذی علم پر لازم ہے'' پھر محمد بن یوسف کی روایت راجح ہونے کی اور وجوہ بھی ہیں جیسا کہ ترجیح کی پچاس سے زائد وجوہ پر غور وفکر کرنے سے ظاہر ہے۔

③ وثالثا: حنفیہ کے نزدیک ترجیح تطبیق سے مقدم ہے لہٰذا ترجیح کی کسی صورت مقبولہ کے ہوتے ہوئے ان کے ہاں تطبیق کی طرف رجوع نہیں کیا جاتا چنانچہ صاحب فیض الباری تحریر فرماتے ہیں:

''وَاعْلَمْ اَنَّ الْحَدِيْثَيْنِ اِذَا لَاحَ بَيْنَهُمَا تَعَارُضٌ فَحُكْمُهٗ عِنْدَنَا اَنْ يُحْمَلَ اَوَّلًا عَلَى النَّسْخِ فَيُجْعَلُ اَحَدُهُمَا نَاسِخًا وَالْآخَرُ مَنْسُوْخًا ثُمَّ يُتَنَزَّلُ اِلَى التَّرْجِيْحِ فَاِنْ لَمْ يَظْهَرْ وَجْهُ تَرْجِيْحِ اَحَدِهِمَا عَلَى الْآخَرِ يُصَارُ اِلَى التَّطْبِيْقِ فَاِنْ اَمْكَنَ فِيْهَا وَاِلَّا فَاِلَى التَّسَاقُطِ هٰذَا هُوَ التَّرْتِيْبُ عِنْدَ التَّعَارُضِ عِنْدَنَا كَمَا فِي التَّحْرِيْرِ وَعِنْدَ الشَّافِعِيَّةِ يُبْدَأُ اَوَّلًا بِالتَّطْبِيْقِ ثُمَّ بِالنَّسْخِ ثُمَّ بِالتَّرْجِيْحِ ثُمَّ بِالتَّسَاقُطِ قُلْتُ: وَمَا اخْتَارَهُ الشَّافِعِيَّةُ رَأْيٌ حَسَنٌ فِيْ بَادِئِ النَّظَرِ وَمَا يَظْهَرُ بَعْدَ التَّعَمُّقِ هُوَ اَنَّ مَا ذَهَبْنَا اِلَيْهِ اَوْلٰى لِاَنَّ التَّرْتِيْبَ بَيْنَ التَّطْبِيْقِ وَالتَّسَاقُطِ ظَاهِرٌ فَاِنَّ التَّسَاقُطَ اِنَّمَا هُوَ عِنْدَ تَعَذُّرِ التَّطْبِيْقِ وَمَادَامَ اَمْكَنَ الْجَمْعُ لَا مَعْنٰى لِلتَّسَاقُطِ وَكَذَا تَقْدِيْمُ التَّرْجِيْحِ عَلَى التَّطْبِيْقِ اَيْضًا وَاضِحٌ فَاِنَّ الْاَخْذَ بِالرَّاجِحِ مِمَّا جُبِلَ عَلَيْهِ الْاِنْسَانُ فَهُوَ مُوْدَعٌ فِيْ فِطْرَتِهٖ اَلَا تَرٰى اَنَّكَ اِذَا سَمِعْتَ رَجُلًا اَفْتَاكَ فِيْ مَسْاَلَةٍ بِجَوَابٍ ثُمَّ

تَسْمَعُ رَجُلًا اَفْضَلَ مِنْهُ یُجِیْبُ بِغَیْرِ جَوَابِہٖ تَأْخُذُ بِمَا اَجَابَ بِهِ الْاَفْضَلُ بِدُوْنِ تَامُّلٍ وَلَا تَرْکَنُ اِلٰی قَوْلِ الْمَفْضُوْلِ اَصْلًا وَھٰذَا ھُوَ الْاَخْذُ بِالرَّاجِحِ مِنْ حَیْثُ لَا نَدْرِیْهِ اھ" (المقدمۃ ص ۵۲)

''اور جان کہ جب دو حدیثوں کے درمیان تعارض سامنے آئے تو اس کا حکم ہمارے نزدیک یہ ہے کہ پہلے اسے نسخ پر محمول کیا جائے چنانچہ ایک کو ناسخ بنا دیا جائے اور دوسری کو منسوخ پھر نسخ سے اتر کر ترجیح کی طرف رخ کیا جائے اگر ایک حدیث کی دوسری پر ترجیح کی وجہ ظاہر نہ ہو تو تطبیق کی راہ اختیار کی جائے اگر ممکن ہو تو بہتر ورنہ دونوں کو ساقط سمجھا جائے۔ تعارض کی صورت میں ہمارے نزدیک یہی ترتیب ہے جیسا کہ التحریر میں ہے اور شافعیہ کے نزدیک پہلے تطبیق سے ابتداء کی جائے گی پھر نسخ پھر ترجیح اور پھر تساقط۔ میں کہتا ہوں شافعیہ نے جو طریقہ اختیار کیا ہے بادی النظر میں اچھی رائے ہے لیکن گہری نظر سے معلوم ہوتا ہے کہ ہماری رائے اولی ہے کیونکہ تطبیق اور تساقط کے درمیان ترتیب ظاہر ہے کیونکہ تساقط ہوتا ہی اسی وقت ہے جب تطبیق ناممکن ہو جب تک تطبیق ممکن ہو تساقط کا کوئی مطلب نہیں۔ اسی طرح تطبیق پر ترجیح کا مقدم ہونا بھی واضح ہے کیونکہ راجح بات کو اخذ کرنا ایسی چیز ہے جس پر انسان پیدا کیا گیا ہے چنانچہ یہ اس کی فطرت میں رکھ دی گئی ہے۔ آپ دیکھتے نہیں کہ جب آپ کو کوئی آدمی کسی مسئلہ میں کوئی فتویٰ دے پھر آپ کو کسی ایسے آدمی سے جو پہلے سے افضل ہو اس مسئلہ میں پہلے شخص کے فتویٰ کے علاوہ کوئی فتویٰ سنیں تو آپ بلا تامل اس فتویٰ کو اخذ کریں گے جو افضل نے دیا ہے اور مفضول کے قول کی طرف مائل نہیں ہوں گے اور یہی چیز راجح کو اخذ کرنا ہے اور جو ہم نہ جانتے ہوئے بھی کرتے ہیں''۔ (مقدمہ ص ۵۲)

اَقُوْلُ: اِنْ شِئْتَ اَنْ تَعْرِفَ مَا عَلٰی کَلَامِ صَاحِبِ الْفَیْضِ هٰذَا وَغَیْرِهٖ فَارْجِعْ اِلَی انْتِقَادَاتِ شَیْخِنَا بَارَکَ اللّٰهُ تَعَالٰی فِیْ عِلْمِهٖ وَعَمَلِهٖ وَرِزْقِهٖ وَعُمُرِهٖ عَلَی الْفَیْضِ الْمُسَمَّاةِ بِاِرْشَادِ الْقَارِیْ وَسَوْفَ تُطْبَعُ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰی وَاِنَّمَا الْمَقْصُوْدُ هٰهُنَا بَیَانُ اَنَّ التَّرْجِیْحَ مُقَدَّمٌ عَلَی التَّطْبِیْقِ عِنْدَ الْحَنَفِیَّةِ .

''میں کہتا ہوں اگر آپ صاحب فیض کے اس کلام اور دوسرے کلام پر جو اعتراض اور خرابیاں لازم آتی ہیں جاننا چاہیں تو ہمارے شیخ ''بارک اللہ فی علمہ وعملہ ورزقہ وعمرہ'' نے فیض الباری پر جو انتقادات ارشاد القاری کے نام کے ساتھ لکھے ہیں ان کا مطالعہ فرمائیں ان شاء اللہ وہ طبع ہو جائیں گے۔ یہاں مقصد صرف یہ بیان کرنا ہے کہ حنفیہ کے ہاں ترجیح تطبیق پر مقدم ہے''۔

تو اصول کے اعتبار سے عند الحنفیہ اس مقام پر تطبیق کی طرف رجوع کرنے کی کوئی ضرورت نہ تھی کیونکہ اس جگہ ترجیح کی صورت موجود ہے لیکن حضرت المولف نے چونکہ تطبیق کا بھی تذکرہ فرمایا ہے اس لیے ان کی پیش فرمودہ تطبیق کا جائز لینا بھی فائدہ سے خالی نہیں۔

④ ورابعا: حضرت المولف نے جو تطبیق نقل فرمائی ہے وہ یہ ہے ''کہ پہلے گیارہ کا حکم دیا ہو پھر قیام میں تخفیف کے لیے گیارہ کی بجائے اکیس رکعتیں کر دی گئی ہوں'' مگر بندہ کو گیارہ کا حکم پہلے ہونے اور بعد میں اکیس کر دینے کی کوئی دلیل نہیں ملی نہ تو حضرت المولف کے کلام میں اور نہ ہی حافظ بیہقی' حافظ ابن حجر' علامہ زرقانی' علامہ شوکانی' علامہ عینی' علامہ شوق صاحب نیموی صاحب آثار السنن' علامہ باجی مالکی اور دیگر مشاہیر علماء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی تحریرات میں بلکہ بندہ نے اپنی ناقص یادداشت کے مطابق گیارہ کا حکم پہلے ہونے اور بعد میں اکیس کر دینے کی آج تک کوئی دلیل نہ کہیں پڑھی اور نہ کسی سے سنی لہٰذا حضرت

المولف کی خدمت میں التماس ہے کہ وہ برائے مہربانی اس مذکور تطبیق کی کوئی دلیل بیان فرمائیں۔

⑤ وخامسا: حضرت المولف کی عبارت بتلا رہی ہے کہ مذکور تطبیق احتمال پر مبنی ہے کیونکہ وہ فرماتے ہیں ''اس کے ساتھ تطبیق کی یہ صورت بھی لکھی ہے کہ پہلے گیارہ کا حکم دیا ہو پھر قیام میں تخفیف کے لیے گیارہ کی بجائے اکیس رکعتیں کر دی گئی ہوں'' تو ان کے الفاظ ''حکم دیا ہو'' اور ''کردی گئی ہوں'' پر غور کرنے سے مذکور تطبیق کا مبنی بر احتمال ہونا خود بخود واضح ہو جاتا ہے پھر حافظ ابن عبدالبر کے الفاظ ''وَيَحْتَمِلُ اَنْ يَكُوْنَ ذَالِكَ اَوَّلًا ثُمَّ خُفِّفَ عَنْهُمْ طُوْلُ الْقِيَامِ وَنُقِلَهُمْ اِلٰى اِحْدٰى وَعِشْرِيْنَ الخ'' (احتمال ہے کہ یہ پہلے ہو پھر ان سے لمبے قیام میں تخفیف کردی ہو اور انہیں اکیس کی طرف منتقل کردیا ہو) علامہ زرقانی کے الفاظ ''وَلَا وَهْمَ مَعَ اَنَّ الْجَمْعَ بِالْاِحْتِمَالِ الَّذِىْ ذَكَرَهٗ قَرِيْبٌ'' (اور وہم بالکل نہیں کیونکہ مذکورہ احتمال کے ساتھ تطبیق ممکن ہے) اور علامہ عینی کے شیخ مکرم کے الفاظ: ''لَعَلَّ هٰذَا كَانَ مِنْ فِعْلِ عُمَرَ اَوَّلًا ثُمَّ نَقَلَهُمْ اِلٰى ثَلَاثٍ وَّعِشْرِيْنَ'' (شاید حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ فعل پہلے ہو پھر آپ نے انہیں تیئس کی طرف منتقل کر دیا ہو بھی حضرت المولف وغیرہ کی نقل کردہ تطبیق کے احتمالی ہونے پر صراحۃً دلالت کر رہے ہیں۔

⑥ وسادسا: اگر احتمالی تطبیق ہی کو اختیار کرنا ہے تو پھر احتمالی تطبیقات اور بھی ہیں ان میں سے کسی کو اختیار کیا جا سکتا ہے چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وَالْجَمْعُ بَيْنَ هٰذِهِ الرِّوَايَاتِ مُمْكِنٌ بِاخْتِلَافِ الْاَحْوَالِ وَيَحْتَمِلُ اَنَّ ذَالِكَ الْاِخْتِلَافَ بِحَسْبِ تَطْوِيْلِ الْقِرَاءَةِ وَتَخْفِيْفِهَا فَحَيْثُ يُطِيْلُ الْقِرَاءَةَ تَقِلُّ الرَّكْعَاتُ وَبِالْعَكْسِ وَبِذَالِكَ جَزَمَ الدَّاوُدِىُّ وَغَيْرُهٗ وَالْعَدَدُ الْاَوَّلُ (اَىْ اِحْدٰى عَشْرَةَ) مُوَافِقٌ لِحَدِيْثِ عَائِشَةَ الْمَذْكُوْرِ

بَعْدَ هٰذَا الْحَدِيْثِ فِي الْبَابِ وَالثَّانِيْ (اَیْ ثَلَاثَ عَشَرَةَ) قَرِيْبٌ مِنْهُ وَالْاِخْتِلَافُ فِيْمَا زَادَ عَنِ الْعِشْرِيْنَ رَاجِعٌ اِلَى الْاِخْتِلَافِ فِي الْوِتْرِ وَكَاَنَّهُ كَانَ تَارَةً يُوْتِرُ بِوَاحِدَةٍ وَتَارَةً بِثَلَاثٍ". اھ (فتح الباری ج۴ص۲۵۳)

''اور ان روایات میں مختلف احوال کا لحاظ رکھتے ہوئے تطبیق ممکن ہے اور احتمال ہے کہ یہ اختلاف قراء ۃ کو طویل اور کم کرنے کے اعتبار سے ہو تو جب قراء ۃ لمبی ہو تو رکعات کم ہوں اور اس کے برعکس قراء ۃ ہلکی ہو تو رکعات زیادہ ہوں۔ داؤدی وغیرہ نے اسی کو یقین کے ساتھ بیان کیا ہے اور پہلی تعداد (گیارہ) حضرت عائشہ کی اس حدیث کے موافق ہے جو اس حدیث کے بعد باب میں ذکر ہوئی ہے اور دوسری (تیرہ) اس سے قریب ہے اور بیس سے زائد کا اختلاف وتر کے مختلف ہونے کی وجہ سے ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کبھی ایک وتر پڑھا جاتا تھا کبھی تین''۔ انتہیٰ (فتح الباری ج ۴ ص۲۵۳)

اَقُوْلُ: وَيُؤَيِّدُ مَا جَزَمَ بِهِ الدَّاوُدِيُّ وَغَيْرُهٗ مَا ذَكَرَهٗ صَاحِبُ آثَارِ السُّنَنِ فِيْ بَابِ التَّرَاوِيْحِ بِاَكْثَرَ مِنْ ثَمَانِ رَكَعَاتٍ عَنْ دَاوُدَ بْنِ الْحُصَيْنِ اَنَّهٗ سَمِعَ الْاَعْرَجَ يَقُوْلُ: مَا اَدْرَكْتُ النَّاسَ اِلَّا وَهُمْ يَلْعَنُوْنَ الْكَفَرَةَ فِيْ رَمَضَانَ قَالَ وَكَانَ الْقَارِئُ يَقْرَأُ سُوْرَةَ الْبَقَرَةِ فِيْ ثَمَانِ رَكَعَاتٍ فَاِذَا قَامَ بِهَا فِيْ اثْنَتَيْ عَشَرَةَ رَكْعَةً رَأَى النَّاسُ اَنَّهٗ قَدْ خَفَّفَ رَوَاهُ مَالِكٌ وَاِسْنَادُهٗ صَحِيْحٌ . اھ (ص۲۰۳)

''میں کہتا ہوں: داؤدی وغیرہ نے جو بات یقین سے کہی ہے اس کی تائید اس اثر سے بھی ہوتی ہے جو صاحب آثار السنن نے آٹھ رکعت سے زیادہ تراویح کے باب میں داؤد بن حصین سے بیان کیا ہے کہ انہوں نے اعرج سے سنا وہ فرماتے تھے میں نے لوگوں کو اسی حال پر پایا کہ وہ رمضان میں

کافروں پرلعنت کرتے تھے فرمایا کہ قاری سورۂ بقرہ آٹھ رکعتوں میں پڑھتا تھا تو جب وہ اسے بارہ رکعتوں میں پڑھتا تو لوگ سمجھتے کہ اس نے تخفیف کردی ہے اسے مالکؒ نے روایت کیا اوراس کی سند صحیح ہے اھ (ص۲۰۲)

وَقَالَ الْمُحَدِّثُ الْمُبَارَكْفُوْرِيُّ: قَدْ جَمَعَ الْبَيْهَقِيُّ وَغَيْرُهُ بَيْنَ رِوَايَتَيِ السَّائِبِ الْمُخْتَلَفَتَيْنِ الْمَذْكُوْرَتَيْنِ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَقُوْمُوْنَ بِاِحْدٰى عَشَرَةَ رَكْعَةً ثُمَّ كَانُوْا يَقُوْمُوْنَ بِعِشْرِيْنَ وَيُوْتِرُوْنَ بِثَلَاثٍ قُلْتُ: فِيْهِ اِنَّهُ لِقَائِلٍ اَنْ يَقُوْلَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَقُوْمُوْنَ اَوَّلاً بِعِشْرِيْنَ رَكْعَةً ثُمَّ كَانُوْا يَقُوْمُوْنَ بِاِحْدٰى عَشَرَةَ رَكْعَةً وَهٰذَا هُوَ الظَّاهِرُ لِاَنَّ هٰذَا كَانَ مُوَافِقًا لِمَا هُوَ الثَّابِتُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَذَاكَ كَانَ مُخَالِفًا لَهُ فَتَفَكَّرْ. اھ (تحفۃ الاحوذی ج۲ص۷۶)

''اورمحدث مبارکپوریؒ نے فرمایا:''بیہقیؒ وغیرہ نے سائب کی مذکورہ دونوں مختلف روایتوں کے درمیان اس طرح تطبیق دی ہے کہ وہ پہلے گیارہ رکعت قیام کرتے تھے پھر بیس رکعت قیام کرتے تھے اور تین وتر پڑھتے تھے۔ میں کہتا ہوں اس میں یہ ہے کہ کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ وہ پہلے بیس رکعت قیام کرتے تھے پھر گیارہ رکعت قیام کرنے لگے اور ظاہر یہی بات ہے کیونکہ یہ اس تعداد کے مطابق ہے جو رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے اور وہ اس کے مخالف ہے فتفکر۔ اھ (تحفۃ الاحوذی ج۲ص۷۶)

اَقُوْلُ: وَيُؤَيِّدُهُ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَدْ اَرْشَدَهُمْ اِلَى اِعْطَاءِ الْاَفْضَلِ فِيْ وَقْتِ الْقِيَامِ بِقَوْلِهٖ: وَالَّتِيْ يَنَامُوْنَ عَنْهَا اَفْضَلُ مِنَ الَّتِيْ يَقُوْمُوْنَ. يُرِيْدُ آخِرَ اللَّيْلِ وَكَانَ النَّاسُ يَقُوْمُوْنَ اَوَّلَهُ وَاَعْطَى الْاَفْضَلَ فِيْ كَيْفِيَّةِ الْقِيَامِ بِجَمْعِهٖ اِيَّاهُمْ عَلٰى قَارِئٍ وَاحِدٍ وَيَظْهَرُ ذَالِكَ مِنْ قَوْلِهٖ: لَوْ جَمَعْتُ هٰؤُلَاءِ عَلٰى قَارِئٍ

وَاحِدٍ لَكَانَ اَمْثَلَ. فَلَمْ يَكُنْ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ لِيُرْشِدَهُمْ فِيْ كَمِيَّةِ الْقِيَامِ اِلَّا اِلَى الْاَفْضَلِ اَيْضًا وَلِذَالِكَ كَانَ اَمَرَ اُبَيَّ بْنَ كَعْبٍ وَتَمِيْمَانِ الدَّارِيَّ اَنْ يَقُوْمَا لِلنَّاسِ بِاِحْدٰى عَشَرَةَ رَكْعَةً وَكَانَ الْقَارِئُ يَقْرَأُ بِالْمَئِيْنَ وَكَانُوْا يَعْتَمِدُوْنَ عَلَى الْعَصِيِّ مِنْ طُوْلِ الْقِيَامِ وَمَا كَانُوْا يَنْصَرِفُوْنَ اِلَّا فِيْ فُرُوْعِ الْفَجْرِ وَاِنَّمَا كَانَ هٰذَا الْعَدَدُ فِي الْقِيَامِ اَفْضَلَ لِثُبُوْتِهٖ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمِنَ الْمَعْلُوْمِ اِنَّ خَيْرَ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَدْ قَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلثَّلَاثَةِ الَّذِيْنَ تَقَالُّوْا عِبَادَتَهٗ: اَنْتُمُ الَّذِيْنَ قُلْتُمْ كَذَا وَكَذَا اَمَا وَاللّٰهِ اِنِّيْ لَاَخْشَاكُمْ لِلّٰهِ وَاَتْقَاكُمْ لَهٗ الخ وَهُوَ يَدُلُّ عَلٰى اَنَّ مَا وَافَقَ سُنَّةَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَطَرِيْقَتَهٗ وَلَوْ كَانَ قَلِيْلًا اَفْضَلُ مِمَّا خَالَفَهَا وَلَوْ كَانَ كَثِيْرًا فَالْقِيَامُ بِاِحْدٰى عَشَرَةَ اَوْ ثَلَاثَ عَشَرَةَ وَاِنْ كَانَ قَلِيْلًا فِيْ بَادِي الرَّأْيِ اَفْضَلُ مِنَ الْقِيَامِ بِثَلَاثٍ وَّعِشْرِيْنَ وَسِتٍّ وَّثَلَاثِيْنَ وَاِنْ كَانَ كَثِيْرًا فِيْ بَادِي الرَّأْيِ لِمُوَافَقَةِ الْاَوَّلِ سُنَّةَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمُخَالَفَةِ الثَّانِيْ اِيَّاهَا وَقَدْ ثَبَتَ اَنَّ طُوْلَ الْقِيَامِ وَالْقِرَاءَةِ اَفْضَلُ مِنْ كَثْرَةِ الرُّكُوْعِ وَالسُّجُوْدِ فِيْ صَلَاةِ التَّطَوُّعِ وَهُوَ مَذْهَبُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَاَبِيْ يُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ قَالَ الطَّحَاوِيُّ فِيْ شَرْحِ مَعَانِي الْآثَارِ: وَمِمَّنْ قَالَ بِهٰذَا الْقَوْلِ الْآخِرِ فِيْ اِطَالَةِ الْقِيَامِ وَاِنَّهٗ اَفْضَلُ مِنْ كَثْرَةِ الرُّكُوْعِ وَالسُّجُوْدِ مُحَمَّدُ بْنُ الْحَسَنِ حَدَّثَنِيْ بِذَالِكَ ابْنُ اَبِيْ عِمْرَانَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سَمَاعَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْحَسَنِ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَاَبِيْ يُوْسُفَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى. (ج۱ص۳۲۱)

''میں کہتا ہوں اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ

نے قیام کے وقت میں لوگوں کی راہنمائی افضل وقت کی طرف فرمائی یہ کہہ کر کہ جس وقت میں یہ لوگ سو جاتے ہیں وہ اس سے افضل ہے جس میں قیام کرتے ہیں یعنی رات کا آخری حصہ اور لوگ رات کے شروع حصہ میں قیام کرتے تھے اور قیام کی کیفیت میں بھی افضل کی طرف رہنمائی کی کہ ان لوگوں کو ایک قاری پر جمع کر دوں تو افضل ہو تو قیام کی تعداد میں بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کی رہنمائی افضل کی طرف ہی کر سکتے تھے۔ اسی لیے انہوں نے ابی بن کعب اور تمیم داری کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو گیارہ رکعت قیام کروائیں اور قاری سو سو آیات کی سورتیں پڑھتا اور لوگ طول قیام کی وجہ سے لاٹھیوں کا سہارا لے کر کھڑے ہوتے اور فجر کے قریب جا کر ہی فارغ ہوتے تھے اور قیام میں یہ تعداد اس لیے افضل ہے کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور معلوم ہے کہ سب طریقوں سے بہتر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تین آدمیوں کو فرمایا جنہوں نے آپ کی عبادت کو کم سمجھا تھا کہ کیا تم وہ لوگ ہو جنہوں نے ایسی ایسی باتیں کی ہیں یاد رکھو! اللہ کی قسم! یقیناً میں تم سب سے زیادہ اللہ کی خشیت رکھنے والا اور تم سب سے زیادہ اللہ کا تقویٰ رکھنے والا ہوں الخ۔ یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ جو عمل آپ کی سنت اور طریقے کے مطابق ہو خواہ کم ہی ہو اس عمل سے افضل ہے جو آپ کی سنت اور طریقے کے مخالف ہو خواہ وہ زیادہ ہی ہو تو گیارہ یا تیرہ رکعت قیام اگرچہ بظاہر نظر کم ہے تیئس اور چھتیس رکعت قیام سے افضل ہے اگرچہ ظاہر دیکھنے میں وہ زیادہ ہی ہے کیونکہ پہلی تعداد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق ہے اور دوسری اس کے مخالف ہے اور یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ نفل نماز میں قیام اور قرأت کا طویل ہونا رکوع سجود کی کثرت سے افضل ہے یہ ابو حنیفہ، ابو یوسف اور محمد کا مذہب ہے اور شافعی کا قول بھی یہی ہے طحاوی نے شرح معانی الآثار میں فرمایا: ”جو لوگ

اس آخری قول یعنی قیام طویل کرنے اور کثرۃ رکوع وسجود سے اس کے افضل ہونے کے قائل ہیں ان میں محمد بن حسن بھی شامل ہیں مجھے یہ بات ابن ابی عمران نے محمد بن سماعۃ سے بیان کی انہوں نے محمد بن حسن سے اور یہی قول ابوحنیفہ' ابو یوسف اور محمد رحمۃ اللہ علیہ کا ہے''۔ (ج ۱ ص ۳۲۱)

وَقَالَ الْحَافِظُ فِي الْفَتْحِ: وَرَوٰى مُحَمَّدُ بْنُ نَصْرٍ مِنْ طَرِيْقِ دَاوٗدَ بْنِ قَيْسٍ قَالَ: اَدْرَكْتُ النَّاسَ فِيْ اِمَارَةِ اَبَانَ بْنِ عُثْمَانَ وَعُمَرَ ابْنِ عَبْدِالْعَزِيْزِ يَعْنِيْ بِالْمَدِيْنَةِ يَقُوْمُوْنَ بِسِتٍّ وَّثَلَاثِيْنَ رَكْعَةً وَيُوْتِرُوْنَ بِثَلَاثٍ وَقَالَ مَالِكٌ هُوَ الْاَمْرُ الْقَدِيْمُ عِنْدَنَا وَعَنِ الزَّعْفَرَانِيِّ عَنِ الشَّافِعِيِّ رَاَيْتُ النَّاسَ يَقُوْمُوْنَ بِالْمَدِيْنَةِ بِتِسْعٍ وَّثَلَاثِيْنَ وَبِمَكَّةَ بِثَلَاثٍ وَّعِشْرِيْنَ وَلَيْسَ فِيْ شَيْءٍ مِنْ ذَالِكَ ضِيْقٌ وَعَنْهُ قَالَ: اِنْ اَطَالُوا الْقِيَامَ وَاَقَلُّوا السُّجُوْدَ فَحَسَنٌ وَاِنْ اَكْثَرُوا السُّجُوْدَ وَاَخَفُّوا الْقِرَاءَةَ فَحَسَنٌ وَالْاَوَّلُ اَحَبُّ اِلَيَّ . اھ (ج ۴ ص ۲۵۳)

''اور حافظ نے فتح الباری میں فرمایا: ''اور محمد بن نصر نے داؤد بن قیس کے طریق سے روایت کی انہوں نے فرمایا کہ میں نے لوگوں کو ابان بن عثمان اور عمر ابن عبدالعزیز کی (مدینہ میں) امارت کے زمانہ میں پایا کہ وہ چھتیس رکعت قیام کرتے تھے اور تین وتر پڑھتے تھے اور مالک نے فرمایا کہ یہ ہمارے ہاں قدیم دستور ہے اور زعفرانی نے شافعی سے بیان کیا کہ میں نے لوگوں کو مدینہ میں دیکھا کہ انتالیس رکعت قیام کرتے تھے اور مکہ میں تیئس رکعت اور ان میں سے کسی میں بھی مضائقہ نہیں اور شافعی سے ہی روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا: اگر قیام طویل کردیں اور سجود کی تعداد کم کردیں تو اچھا ہے اور سجود زیادہ کریں اور قراءۃ ہلکی کردیں تو بھی اچھا ہے اور پہلی بات مجھے زیادہ محبوب ہے''۔ اھ (ج ۴ ص ۲۵۳)

فَظَهَرَ اَنَّ الْقِيَامَ بِاِحْدٰی عَشَرَةَ اَوْ ثَلَاثَ عَشَرَةَ اِذَا اُطِيْلَ الْقِيَامُ وَالْقِرَاءَ ةُ فِيْهَا اَفْضَلُ عِنْدَ الْاِمَامَيْنِ الْهُمَّا مَيْنِ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَالشَّافِعِيِّ اَيْضًا مِنَ الْقِيَامِ بِثَلَاثٍ وَعِشْرِيْنَ وَتِسْعٍ وَّثَلَاثِيْنَ وَاِحْدٰی وَاَرْبَعِيْنَ اِذَا خُفِّفَ الْقِرَاءَ ةُ وَالْقِيَامُ فِيْهَا وَالْعَمَلُ فِيْ بِلَادِنَا الْيَوْمَ اَنَّ الَّذِيْنَ يُصَلُّوْنَ اِحْدٰی عَشَرَةَ اَوْ ثَلَاثَ عَشَرَةَ تَكُوْنُ قِرَاءَ تُهُمْ مُسَاوِيَةً لِقِرَاءَ ةِ الَّذِيْنَ يُصَلُّوْنَ ثَلَاثًا وَّعِشْرِيْنَ اِلَّا نَادِرًا وَ كَذَا يَكُوْنُ قِيَامُ الْاَوَّلِيْنَ اَطْوَلَ مِنْ قِيَامِ الْآخِرِيْنَ غَالِبًا فَيَكُوْنُ عَمَلُ الْاَوَّلِيْنَ فِيْ قِيَامِ رَمَضَانَ اَفْضَلُ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَالشَّافِعِيِّ اَيْضًا مِّنْ عَمَلِ الْآخِرِيْنَ فِيْهِ فَتَدَبَّرْ .ثُمَّ التَّطْبِيْقُ الَّذِيْ حَكَاهُ صَاحِبُ الرِّسَالَةِ عَنِ ابْنِ عَبْدِالْبَرِّ وَغَيْرِهٖ قَدْ بُنِيَ عَلٰى تَخْفِيْفِ الْقِيَامِ وَالْقِرَاءَ ةِ فِيْ ثَلَاثٍ وَّعِشْرِيْنَ اَوْ اِحْدٰی وَعِشْرِيْنَ كَمَا يَظْهَرُ ذَالِكَ مِنْ عِبَارَةِ ابْنِ عَبْدِالْبَرِّ نَفْسِهٖ وَمِنْ تَرْجَمَتِهِمَا الْاَرْدِيَّةِ الَّتِيْ ذَكَرَهَا الْمُصَنِّفُ وَيَظْهَرُ ذَالِكَ مِنْ كَلَامِ الْبَاجِيْ اَيْضًا حَيْثُ قَالَ: فَاَمَرَهُمْ اَوَّلًا بِتَطْوِيْلِ الْقِرَاءَ ةِ لِاَنَّهٗ اَفْضَلُ ثُمَّ ضَعُفَ النَّاسُ فَاَمَرَهُمْ بِثَلَاثٍ وَّعِشْرِيْنَ فَخَفَّفَ مِنْ طُوْلِ الْقِرَاءَ ةِ وَاسْتَدْرَكَ بَعْضَ الْفَضِيْلَةِ بِزِيَادَةِ الرَّكْعَاتِ وَقَالَ اَيْضًا: وَكَانَ الْاَمْرُ عَلٰى ذَالِكَ اِلٰى يَوْمِ الْحَرَّةِ فَثَقُلَ عَلَيْهِمُ الْقِيَامُ فَنَقَصُوْا مِنَ الْقِرَاءَ ةِ وَزَادَ وَالرَّكْعَاتِ فَجُعِلَتْ سِتًّا وَّثَلَاثِيْنَ غَيْرَ الشَّفْعِ وَالْوِتْرِ وَذَكَرَ ابْنُ حَبِيْبٍ اَنَّهَا كَانَتْ اَوَّلًا اِحْدٰی عَشَرَةَ كَانُوْا يُطِيْلُوْنَ الْقِرَاءَ ةَ فَثَقُلَ عَلَيْهِمْ فَخَفَّفُوا الْقِرَاءَ ةَ وَزَادُوْا فِيْ عَدَدِ الرَّكْعَاتِ فَكَانُوْا يُصَلُّوْنَ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً غَيْرَ الشَّفْعِ وَالْوِتْرِ بِقِرَاءَ ةٍ مُتَوَسِّطَةٍ ثُمَّ خَفَّفُوا الْقِرَاءَ ةَ وَجَعَلُوا الرَّكْعَاتِ سِتًّا وَّثَلَاثِيْنَ غَيْرَ الشَّفْعِ وَالْوِتْرِ، وَمَضَى الْاَمْرُ

عَلٰی ذَالِکَ وَرَوٰی مُحَمَّدُ بْنُ نَصْرٍ عَنْ دَاوٗدَ بْنِ قَیْسٍ قَالَ: اَدْرَکْتُ النَّاسَ فِیْ اِمَارَةِ اَبَانَ بْنِ عُثْمَانَ وَعُمَرَ بْنِ عَبْدِالْعَزِیْزِ یَعْنِیْ بِالْمَدِیْنَةِ یَقُوْمُوْنَ بِسِتٍّ وَّثَلَاثِیْنَ رَکْعَةً وَیُوْتِرُوْنَ بِثَلَاثٍ وَقَالَ مَالِکٌ هُوَ الْاَمْرُ الْقَدِیْمُ عِنْدَنَا . اھ (شرح المؤطا للزرقانی ج۱ص۲۳۹)

''اس سے ظاہر ہوا کہ گیارہ یا تیرہ رکعت قیام جب کہ ان میں قیام اور قراءۃ طویل کئے جائیں دونوں جلیل القدر ائمہ ابوحنیفہ اور شافعی کے نزدیک بھی تیئس، انتالیس اور اکتالیس رکعت قیام سے افضل ہے جب کہ ان میں قیام اور قراءۃ ہلکے ہوں۔ ہمارے علاقے میں آج کل عملی صورت یہی ہے کہ جو لوگ گیارہ رکعت پڑھتے ہیں ان کی قراءۃ تیئس رکعت پڑھنے والوں کی قراءت کے برابر ہوتی ہے الا نادرًا اسی طرح اول الذکر لوگوں کا قیام آخر الذکر حضرات کے قیام سے عموماً لمبا ہوتا ہے تو پہلے لوگوں کا عمل قیام رمضان میں دوسرے حضرات کے قیام سے ابوحنیفہ اور شافعی کے نزدیک بھی افضل ہوگا۔ فتدبر۔ پھر وہ تطبیق جو صاحب رسالہ نے ابن عبدالبر وغیرہ سے بیان کی ہے اس کی بنا تیئس یا اکتالیس رکعتوں میں قیام اور قراءت کی تخفیف پر ہے جیسا کہ یہ بات خود ابن عبدالبر کی عبارت اور اس کے اس اردو ترجمہ سے ظاہر ہے جو مصنف نے کیا ہے اور یہی بات باجی کے اس کلام سے بھی ظاہر ہو رہی ہے جس میں وہ فرماتے ہیں ''تو آپ نے پہلے انہیں قراءۃ طویل کرنے کا حکم دیا کیونکہ یہ افضل ہے پھر لوگ کمزور ہو گئے تو انہیں تیئس کا حکم دیا اور طول قراءت میں تخفیف کر دی اور اس سے فضیلۃ میں جو کمی آئی تھی اس کا کچھ حصہ رکعتیں زیادہ کر کے پورا کر دیا'' اور یہ بھی فرمایا کہ ''اور یوم حرہ تک معاملہ اسی طریقے پر رہا پس لوگوں پر قیام بھاری ہو گیا تو انہوں نے قراءۃ کم کر دی اور رکعات زیادہ کر دیں چنانچہ رکعات کی تعداد

جفت اور وتر کے علاوہ چھتیس کردی گئی اور ابن حبیب نے ذکر کیا کہ تراویح پہلے گیارہ تھیں لوگ ان میں قراءت لمبی کرتے تھے تو یہ ان پر بھاری ہوگئی تو انہوں نے قراءۃ ہلکی کردی اور رکعتوں کی تعداد میں اضافہ کردیا چنانچہ وہ جفت اور وتر کے بغیر درمیانی قراءت کے ساتھ بیس رکعت پڑھتے تھے پھر انہوں نے قراءت میں تخفیف کردی اور رکعات جفت اور وتر کے بغیر چھتیس کردیں اور معاملہ اسی پر چل نکا'' اور محمد بن نصر نے داوٗد بن قیس سے روایت کی کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے لوگوں کو (مدینہ میں) ابان بن عثمان اور عمر بن عبدالعزیز کے زمانہ میں پایا کہ وہ چھتیس رکعت قیام کرتے تھے اور تین وتر پڑھتے تھے اور مالک نے فرمایا ہمارے ہاں یہی امر قدیم ہے''۔اھ (شرح موطا للزرقانی ج ا ص ۲۳۹)

فَيَكُوْنُ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ عَلٰى رَأْيِ هٰؤُلَاءِ اَمَرَهُمْ اَوَّلًا بِالْاَفْضَلِ ثُمَّ نَقَلَهُمْ اِلٰى غَيْرِ الْاَفْضَلِ وَشَانُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَجَلُّ وَاَرْفَعُ مِنْ هٰذَا كَمَا يُحَصْحِصُ مِنْ اِرْشَادِهٖ اِيَّاهُمْ اِلَى الْقِيَامِ فِيْ آخِرِ اللَّيْلِ وَجَمْعِهٖ اِيَّاهُمْ عَلٰى قَارِئٍ وَّاحِدٍ وَاِنَّمَا رَاعَى الْاَفْضَلَ فِيْهِمَا فَلَمْ يَكُنْ لِيُرَاعِيَ الْاَفْضَلَ فِيْ وَقْتِ الْقِيَامِ وَكَيْفِهٖ وَيَدَعُهَا فِيْ كَمِّهٖ، ثُمَّ لَا دَلِيْلَ لِاَمْرِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اِيَّاهُمْ بِثَلَاثٍ وَّعِشْرِيْنَ كَمَا تَقَدَّمَ نَعَمْ قَدْ ثَبَتَ اَنَّ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَمَرَ اُبَيًّا وَتَمِيْمًا رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا اَنْ يَقُوْمَا لِلنَّاسِ بِاِحْدٰى عَشْرَةَ فَتَامَّلْ.

ثُمَّ قَوْلُ الْبَاجِيْ: وَاسْتَدْرَكَ بَعْضَ الْفَضِيْلَةِ بِزِيَادَةِ الرَّكَعَاتِ. ظَاهِرٌ فِيْ اَنَّ فِيْ زِيَادَةِ الرَّكَعَاتِ اِسْتِدْرَاكًا لِبَعْضِ فَضِيْلَةِ طُوْلِ الْقِيَامِ وَالْقِرَاءَةِ لَا كُلِّ فَضِيْلَتِهٖ. فَالتَّطْبِيْقَاتُ الَّتِيْ ذَكَرَهَا الْعُلَمَاءُ

هٰهُنَا ثَلَاثٌ اَلْاَوَّلُ مَا ذَكَرَهُ ابْنُ عَبْدِالْبَرِّ وَالْبَيْهَقِيُّ وَغَيْرُهُمَا وَالثَّانِيْ مَا ذَهَبَ اِلَيْهِ الدَّاوٗدِيُّ وَغَيْرُهٗ وَالثَّالِثُ اَنَّهُمْ كَانُوْا يُصَلُّوْنَ اِحْدٰى عَشْرَةَ تَارَةً وَتَارَةً ثَلَاثَ عَشْرَةَ وَتَارَةً عِشْرِيْنَ وَقَدْ اَشَارَ اِلَيْهِ الْحَافِظُ بِقَوْلِهٖ: وَالْجَمْعُ بَيْنَ هٰذِهِ الرِّوَايَاتِ مُمْكِنٌ بِاخْتِلَافِ الْاَحْوَالِ . وَهٰهُنَا تَطْبِيْقٌ رَابِعٌ قَدْ ذَكَرَهٗ صَاحِبُ تُحْفَةِ الْاَحْوَذِيِّ وَلَا يَذْهَبُ عَلَيْكَ اَنَّ مَعْنَى التَّطْبِيْقِ وَالْجَمْعِ وَالتَّوْفِيْقِ فِي الثَّانِيْ وَالثَّالِثِ اَشَدُّ وَاَزْيَدُ مِنْهُ (فِي الْاَوَّلِ) وَالرَّابِعِ فَتَفَكَّرْ .

''تو ان لوگوں کی رائے کے مطابق حضرت عمرؓ نے انہیں پہلے افضل کا حکم دیا ہوگا پھر انہیں غیر افضل کی طرف منتقل کر دیا ہوگا حالانکہ حضرت عمر کی شان اس بات سے نہایت بلند ہے جیسا کہ آپ کے ان کی رات کے آخر حصہ میں قیام کی طرف رہنمائی اور انہیں ایک قاری پر جمع کرنے سے بالکل ظاہر ہو رہا ہے اور آپ نے ان دونوں چیزوں میں افضل کا خیال رکھا تو یہ نہیں ہوسکتا کہ حضرت عمرؓ قیام کے وقت اور کیفیت میں تو افضل کا خیال رکھیں اور کمیت (تعداد) میں اس کا خیال چھوڑ دیں۔ پھر اس بات کی بھی کوئی دلیل نہیں کہ آپ نے لوگوں کو تئیس رکعت کا حکم دیا جیسا کہ گزر چکا۔ ہاں یہ ثابت ہو چکا ہے کہ حضرت عمرؓ نے ابی اور تمیم داری رضی اللہ عنہما کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو گیارہ رکعت قیام کروائیں فتامل۔

پھر باجی کے اس قول ''فضیلت کی کچھ کمی رکعتیں زیادہ کرکے پوری کی'' سے ظاہر ہے کہ رکعتیں زیادہ کرنے سے قیام اور قراءت کے طویل ہونے کی فضیلت کی کچھ کمی پوری ہوسکتی ہے تو علماء نے اس مقام پر جو تطبیق ذکر کی ہیں تین ہیں پہلی وہ جو ابن عبدالبر اور بیہقی وغیرہ نے ذکر کی دوسری وہ جس کی طرف داؤدی وغیرہ گئے ہیں تیسری یہ کہ کبھی لوگ گیارہ پڑھتے تھے کبھی

تیرہ اور کبھی بیس۔ اس تطبیق کی طرف حافظ نے یہ کہہ کر اشارہ کیا ہے کہ ان روایات کے درمیان احوال کے اختلاف کا ذکر کرتے ہوئے تطبیق ممکن ہے اور اس مقام پر ایک چوتھی تطبیق بھی ہے جو صاحب تحفۃ الاحوذی نے ذکر کی ہے۔ پھر آپ سے مخفی نہیں رہنا چاہیے کہ تطبیق اور جمع کا مفہوم دوسری اور تیسری تطبیق میں پہلی اور چوتھی تطبیق کی بہ نسبت زیادہ ہے فتفکر۔

⑦ وسابعا: اگر کوئی صاحب فرمائیں مانا کہ حنفیہ کے نزدیک ترجیح تطبیق سے مقدم ہے مگر آپ کے نزدیک تو تطبیق ترجیح سے مقدم ہے تو جوابا عرض ہے کہ یہ درست لیکن محدث مبارکپوری اور علامہ داؤدی وغیرہ کی پیش کردہ تطبیقات بھی تو آخر تطبیقات ہی ہیں انہیں بھی اختیار کیا جاسکتا ہے البتہ اتنی بات یاد رہے کہ یہ ترجیح وتطبیق والی ساری گفتگو حضرت المولف کے انداز فکر کو پیش نظر رکھنے پر مبنی ہے ورنہ بندہ کے نزدیک تو محمد بن یوسف کے بیان ”حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابی بن کعب وتمیم داری کو گیارہ رکعات پڑھانے کا حکم دیا“ اور یزید وحارث کے بیانات میں تعارض تو سرے سے ہے ہی نہیں کیونکہ یزید اور حارث کے بیانات میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے گیارہ کا حکم دینے کی نفی نہیں کی گئی ان میں تو صرف لوگوں کے عمل کا ذکر ہے کہ وہ بیس رکعات پڑھتے تھے یا ہم بیس رکعات پڑھتے تھے یا قیام بیس رکعات تھا تو لوگوں کا بیس رکعات پڑھنا خواہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے گیارہ کا حکم دینے سے پہلے ہو خواہ گیارہ کا حکم دینے کے بعد کسی صورت میں بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے گیارہ کا حکم دینے سے متعارض نہیں ہے تو جب سائب بن یزید کے اصحاب ثلاثہ کے بیانات میں تعارض ہی نہیں تو اس مقام پر نہ تو تطبیق کی ضرورت ہے اور نہ ہی ترجیح کی اگر کوئی صاحب فرمائیں کہ لوگوں کا گیارہ کے حکم سے پہلے بیس رکعات پڑھنا تو واقعی گیارہ کے حکم سے متعارض نہیں مگر گیارہ کے حکم کے بعد لوگوں کا بیس رکعات پڑھنا گیارہ کے حکم سے

کیونکر متعارض نہیں تو جواباً گزارش ہے کہ وہ اس لیے متعارض نہیں کہ لوگوں کے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے گیارہ کا حکم دینے کے بعد بیس رکعات پڑھنے سے بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے گیارہ کے دینے کی نفی نہیں ہوتی نہ مطابقۃً' نہ تضمنا اور نہ ہی التزاما زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ لوگوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم گیارہ رکعات سے بڑھ کر از خود بیس رکعات پڑھیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے پہلے حکم ہی پر اکتفا کرتے ہوئے انہیں بیس پڑھنے سے منع نہ فرمایا پھر اس لیے بھی کہ بیس رکعات قیام رمضان میں بھی آخر نفلی عبادت ہی ہے گو رتبہ میں گیارہ رکعات قیام رمضان کے بوجوہ برابر نہیں مگر یہ بھی تب لازم آتا ہے جب کہ لوگوں کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم گیارہ رکعات کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زندگی میں بیس رکعات پڑھنا ثابت ہو اور ظاہر ہے کہ اس کی کوئی دلیل نہیں نیز یاد رہے کہ بیس رکعات سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے منع نہ فرمانے کا کسی روایت میں صراحۃً ذکر نہ ہونے سے ان کا بیس رکعات سے منع نہ فرمانا ثابت نہیں ہوتا اور نہ ہی اس سے منع فرمانا ثابت ہوتا ہے بہر حال لوگوں کا بیس پڑھنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے گیارہ کا حکم دینے سے پہلے ہو یا بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے گیارہ کا حکم دینے سے متعارض نہیں لہٰذا اس مقام پر نہ تطبیق کی ضرورت ہے نہ ہی ترجیح کی رہا یہ سوال کہ کئی علماء کرام نے تطبیق یا ترجیح کی راہ اختیار فرمائی ہے تو وہ ان بزرگوں کی تحقیق ہے بندہ نے اپنی تحقیق پیش کی فتدبر۔

⑧ وثامنا: حضرت المؤلف نے علامہ شوکانی کے تطبیق کو اختیار کرنے کا تذکرہ فرمایا ہے سو وہ تطبیق وہی ہے جس کا حافظ ابن حجر کے کلام میں ذکر ہو چکا ہے البتہ مناسب ہے کہ اس مسئلہ کے بارہ میں علامہ شوکانی کی تحقیق بھی نقل کر دی جائے چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

" قَالَ الْحَافِظُ: وَالْجَمْعُ بَيْنَ هٰذِهِ الرِّوَايَاتِ ..... اِلٰى اَنْ قَالَ :

هٰذَا حَاصِلُ مَا ذَكَرَهُ فِي الْفَتْحِ مِنَ الْإِخْتِلَافِ فِيْ ذَالِكَ وَاَمَّا الْعَدَدُ الثَّابِتُ عَنْهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ صَلَاتِهٖ فِيْ رَمَضَانَ فَاَخْرَجَ الْبُخَارِيُّ وَغَيْرُهٗ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّهَا قَالَتْ: مَا كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَزِيْدُ فِيْ رَمَضَانَ وَلَا فِيْ غَيْرِهٖ عَلٰى اِحْدٰى عَشْرَةَ رَكْعَةً . وَاَخْرَجَ ابْنُ حِبَّانَ فِيْ صَحِيْحِهٖ مِنْ حَدِيْثِ جَابِرٍ اَنَّهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلّٰى بِهِمْ ثَمَانَ رَكْعَاتٍ ثُمَّ اَوْتَرَ. وَاَخْرَجَ الْبَيْهَقِيُّ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ كَانَ يُصَلِّيْ فِيْ شَهْرِ رَمَضَانَ فِيْ غَيْرِ جَمَاعَةٍ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً وَالْوِتْرَ. زَادَ سُلَيْمُ نِالرَّازِيُّ فِيْ كِتَابِ التَّرْغِيْبِ لَهٗ وَيُوْتِرُ بِثَلَاثٍ . قَالَ الْبَيْهَقِيُّ: تَفَرَّدَ بِهٖ اَبُوْشَيْبَةَ اِبْرَاهِيْمُ بْنُ عُثْمَانَ وَهُوَ ضَعِيْفٌ . وَاَمَّا مِقْدَارُ الْقِرَاءَةِ فِيْ كُلِّ رَكْعَةٍ فَلَمْ يَرِدْ بِهٖ دَلِيْلٌ وَالْحَاصِلُ اَنَّ الَّذِيْ دَلَّتْ عَلَيْهِ اَحَادِيْثُ الْبَابِ وَمَا يُشَابِهُهَا هُوَ مَشْرُوْعِيَّةُ الْقِيَامِ فِيْ رَمَضَانَ وَالصَّلَاةُ فِيْهِ جَمَاعَةً وَفُرَادٰى فَقَصْرُ الصَّلَاةِ الْمُسَمَّاةِ بِالتَّرَاوِيْحِ عَلٰى عَدَدٍ مُعَيَّنٍ وَتَخْصِيْصُهَا بِقِرَاءَةٍ مَخْصُوْصَةٍ لَمْ يَرِدْ بِهٖ سُنَّةٌ" اھ (نیل الاوطار ج۳ ص۵۳)

"حافظ نے فرمایا: اور ان روایتوں کے درمیان تطبیق .... یہاں تک کہ شوکانی نے کہا کہ یہ اس اختلاف کا خلاصہ ہے جو فتح الباری میں اس مسئلہ میں ذکر کیا ہے۔ رہی وہ تعداد جو آنحضرت ﷺ سے رمضان کی نماز میں ثابت ہے تو بخاری وغیرہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے انہوں نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں جابر کی حدیث بیان کی کہ آنحضرت ﷺ نے انہیں آٹھ رکعتیں پڑھائیں پھر وتر پڑھایا اور بیہقی نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ آپ ماہ رمضان میں جماعت کے بغیر

بیس رکعت اور وتر پڑھتے تھے۔ سلیم رازی نے اپنی کتاب الترغیب میں یہ لفظ زیادہ کیے ہیں کہ اور تین وتر پڑھتے تھے‘‘ بیہقی نے فرمایا: اس میں ابوشیبہ ابراہیم بن عثمان متفرد ہے اور وہ ضعیف ہے۔ رہ گئی ہر رکعت میں قراءت کی مقدار تو اس کے بارے میں کوئی دلیل نہیں آئی۔ حاصل یہ ہے کہ باب کی احادیث اور اس کی ہم مثل دوسری احادیث سے جو بات ثابت ہوتی ہے وہ رمضان کے قیام اور اسے اکیلے اکیلے یا با جماعت ادا کرنے کی مشروعیت ہے تو اس نماز کو جس کا نام تراویح ہے کسی معین عدد پر بند کر دینا اور کسی مخصوص قراءۃ کے ساتھ خاص کر دینا کسی حدیث میں نہیں آیا‘‘۔ اھ

(نیل الاوطار ج ۳ ص ۵۳)

اَقُوْلُ: لَمْ یُرِدِ الشَّوْکَانِیُّ بِقَوْلِہٖ: فَقَصْرُ الصَّلاۃِ الْمُسَمَّاۃِ بِالتَّرَاوِیْحِ عَلٰی عَدَدٍ مُّعَیَّنٍ الخ اِنَّ الْعَدَدَ الْمُعَیَّنَ فِیْ صَلاۃِ رَمَضَانَ لَمْ یَثْبُتْ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَمَا یَزْعُمُہٗ بَعْضُ النَّاسِ الْیَوْمَ وَالدَّلِیْلُ عَلٰی عَدَمِ اِرَادَتِہٖ ذَالِکَ مَا قَالَ قَبْلُ: وَاَمَّا الْعَدَدُ الثَّابِتُ عَنْہُ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ صَلَاتِہٖ فِیْ رَمَضَانَ الخ وَاِنَّمَا اَرَادَ بِقَوْلِہٖ: فَقَصْرُ الصَّلاۃِ الْمُسَمَّاۃِ بِالتَّرَاوِیْحِ الخ مَا اَشَارَ اِلَیْہِ بِقَوْلِہٖ قَبْلُ وَاَمَّا فِعْلُھَا عَلَی الصِّفَۃِ الَّتِیْ یَفْعَلُوْنَھَا الْآنَ مِنْ مُلَازَمَۃِ عَدَدٍ مَخْصُوْصٍ وَقِرَاءَ ۃٍ مَّخْصُوْصَۃٍ فِیْ کُلِّ لَیْلَۃٍ فَسَیَاْتِی الْکَلَامُ عَلَیْہِ . اھ (نیل الاوطار ج ۳ ص ۵۲) والکلام الموعود اتیانہ قبل ھو قَوْلُہٗ: فَقَصْرُ الصَّلَاۃِ الخ .

فَائِدَۃٌ: قَالَ الشَّوْکَانِیُّ فِی النَّیْلِ فِیْ شَرْحِ قَوْلِ صَاحِبِ الْمُنْتَقٰی وَلِمَالِکٍ فِی الْمُوَطَّا عَنْ یَزِیْدَ بْنِ رُوْمَانَ قَالَ: کَانَ النَّاسُ فِیْ زَمَنِ عُمَرَ یَقُوْمُوْنَ فِیْ رَمَضَانَ بِثَلَاثٍ وَّعِشْرِیْنَ رَکْعَۃً . مَا نَصُّہٗ بِلَفْظِہٖ:

قَوْلُهُ: (بِثَلَاثٍ وَّعِشْرِيْنَ رَكْعَةً) قَالَ ابْنُ اِسْحَاقَ: وَهٰذَا اَثْبَتُ مَا سَمِعْتُ فِيْ ذَالِكَ. وَوَهِمَ فِيْ ضَوْءِ النَّهَارِ فَقَالَ: اِنَّ فِيْ سَنَدِهٖ اَبَاشَيْبَةَ وَلَيْسَ الْاَمْرُ كَذَالِكَ الخ (ج۳ص۵۳)

اَقُوْلُ: وَقَدْ تَقَدَّمَ فِيْ كَلَامِ الْحَافِظِ وَالْعَيْنِيِّ مَا يَدُلُّ عَلٰى اَنَّ قَوْلَ ابْنِ اِسْحَاقَ: وَهٰذَا اَثْبَتُ مَا سَمِعْتُ فِيْ ذَالِكَ. فِيْ حَقِّ رِوَايَةِ مُحَمَّدِ ابْنِ يُوْسُفَ عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيْدَ قَالَ: كُنَّا نُصَلِّيْ فِيْ زَمَنِ عُمَرَ فِيْ رَمَضَانَ ثَلَاثَ عَشَرَةَ رَكْعَةً. وَلَيْسَ قَوْلُهُ الْمَذْكُوْرُ فِيْ حَقِّ رِوَايَةِ يَزِيْدَ بْنِ رُوْمَانَ قَالَ: كَانَ النَّاسُ فِيْ زَمَنِ عُمَرَ يَقُوْمُوْنَ فِيْ رَمَضَانَ بِثَلَاثٍ وَّعِشْرِيْنَ رَكْعَةً. تَوَهَّمَهُ الشَّوْكَانِيُّ، فَوَهِمَ صَاحِبُ ضَوْءِ النَّهَارِ فِيْ قَوْلِهٖ: اِنَّ فِيْ سَنَدِ رِوَايَةِ يَزِيْدَ بْنِ رُوْمَانَ اَبَاشَيْبَةَ. وَوَهِمَ صَاحِبُ النَّيْلِ فِيْ جَعْلِ قَوْلِ ابْنِ اِسْحَاقَ: وَهٰذَا اَثْبَتُ مَا سَمِعْتُ فِيْ ذَالِكَ. فِيْ حَقِّ رِوَايَةِ يَزِيْدَ بْنِ رُوْمَانَ وَلَيْسَ الْاَمْرُ كَذَالِكَ فَتَفَكَّرْ.

''میں کہتا ہوں: شوکانی کا مقصد اپنے قول ''تراویح کو کسی معین عدد پر بند کرنا الخ'' سے یہ نہیں ہے کہ رمضان کی نماز میں معین عدد نبی کریم ﷺ سے ثابت نہیں جیسا کہ آج کل بعض لوگوں کا خیال ہے اور ان کا مقصد یہ نہ ہونے کی دلیل وہ قول ہے جو انہوں نے اس سے پہلے فرمایا ہے کہ ''رہی وہ تعداد جو آنحضرت ﷺ سے رمضان کی نماز میں ثابت ہے الخ'' بلکہ ان کا مقصد نماز کو عدد معین پر بند نہ کرنے سے وہ ہے جس کی طرف اس عبارت سے پہلے اس قول کے ساتھ اشارہ کیا ''لیکن اس نماز کو اس طریقے پر ادا کرنا جس طرح آج کل کرتے ہیں کہ ہر رات خاص تعداد اور خاص قراءت کی پابندی کرتے تھے تو اس پر کلام عنقریب آئے گا۔ اھ (نیل الاوطار ج ۳

ص ۵۲) اس عبارت میں جس کلام کے آنے کا وعدہ کیا گیا ہے وہ ہے جس میں کہا ہے کہ تراویح کو کسی عدد معین پر بند کرنا'' الخ

فائدہ: شوکانی نے نیل میں صاحب المنتقی کے قول: ''وَلِمَالِكٍ فِي الْمُوَطَّا عَنْ يَزِيْدَ بْنِ رُوْمَانَ قَالَ كَانَ النَّاسُ فِيْ زَمَنِ عُمَرَ يَقُوْمُوْنَ فِيْ رَمَضَانَ بِثَلَاثٍ وَّعِشْرِيْنَ رَكْعَةً'' کی شرح میں فرمایا: قولہ: ''بثلاث وعشرین رکعة'' ابن اسحاق نے کہا یہ سب سے پختہ روایت ہے جو میں نے اس مسئلہ میں سنی اور ضوء النہار میں مصنف کو وہم ہوا پس کہا ہے کہ اس کی سند میں ابوشیبہ ہے حالانکہ بات اس طرح نہیں ہے الخ (ج ۳ ص ۵۳)

میں کہتا ہوں حافظ اور عینی کے کلام میں اس بات کی دلیلیں گزر چکی ہیں کہ ابن اسحاق کا قول'' کہ یہ سب سے پختہ روایت ہے جو میں نے اس مسئلہ میں سنی'' محمد بن یوسف کی سائب بن یزید سے اس روایت کے بارہ میں ہے جس میں وہ کہتے ہیں کہ ہم عمرؓ کے زمانہ میں رمضان میں تیرہ رکعت پڑھتے تھے۔ اور ان کا یہ قول یزید بن رومان کی روایت کے بارے میں نہیں ہے کہ لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں تئیس رکعت قیام کرتے تھے جیسا کہ شوکانی کو وہم ہوا ہے تو صاحب ضوء النہار کو اپنے اس قول میں وہم ہوا ہے کہ یزید بن رومان کی روایت میں ابوشیبہ ہے اور صاحب نیل کو یہ وہم ہوا ہے کہ انہوں نے ابن اسحاق کا قول: ''هذا اثبت ما سمعت الخ'' یزید بن رومان کی روایت کے حق میں قرار دے دیا ہے حالانکہ اصل معاملہ یہ نہیں ہے۔ فتفکر۔

حضرت المولف تحریر فرماتے ہیں:

''بہر حال روایت (گیارہ والی) ترجیح یا تطبیق کے بغیر قابل استدلال نہیں ہے اور ترجیح یا تطبیق کے بعد جمہور امت کے مدعا پر اس سے کوئی اثر نہیں پڑ سکتا اس لیے کہ ترجیح کے بعد گیارہ کا ثبوت ہی نہیں ہوگا اور تطبیق کے بعد یہ

ثابت ہوگا کہ عہد فاروقی میں چند روز اس پر عمل ہوا اس کے بعد عہد فاروقی ہی میں اس پر عمل موقوف ہوگیا اور جب سے موقوف ہوا اس وقت سے تیرھویں صدی کے آواخر تک پھر کبھی اس پر عمل درآمد نہیں ہوا''۔ (ص ۲۴)

① اولا: صاحب رسالہ کا بیان ''اور ترجیح یا تطبیق کے بعد الخ'' حافظ ابن عبدالبر مالکی کی بیان کردہ ترجیح اور تطبیق پر مبنی ہے جن کا حال پہلے تفصیلاً گزر چکا ہے تو جب مصنف صاحب کے اس فرمان کی بنیاد ہی انتہائی غلط اور احتمالی ہے تو پھر ان کا یہ فرمان کیونکر درست اور غیر احتمالی ہوسکتا ہے فتدبر۔

② وثانیا: پہلے آثار باحوالہ بیان ہو چکے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابی بن کعب وتمیم داری کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو گیارہ رکعات پڑھائیں' ہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بماہ رمضان گیارہ رکعات پڑھتے تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابی بن کعب اور تمیم رضی اللہ عنہما پر لوگوں کو جمع کیا پس وہ دونوں گیارہ رکعات پڑھتے تھے۔ پھر پہلے یہ بھی بیان ہو چکا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اپنے امر اور لوگوں کے عمل گیارہ رکعات کو بدلنے کی کوئی دلیل نہیں لہٰذا حضرت المولف کا دعویٰ ''عہد فاروقی میں چند روز اس پر عمل ہوا اس کے بعد عہد فاروقی ہی میں اس پر عمل موقوف ہوگیا'' بے دلیل ہے۔

③ وثالثا: حضرت المولف کا فرمان: ''اس وقت سے تیرھویں صدی کے اواخر تک پھر کبھی اس پر عمل درآمد نہیں ہوا'' بھی مبنی پر حقیقت اور صادر از انصاف نہیں جیسا کہ امام مالک اور ابوبکر بن العربی کے گیارہ رکعات اور محمد بن اسحاق کے تیرہ رکعات اختیار کرنے سے ظاہر ہے نیز تیئیس رکعات' انتالیس رکعات اور اکتالیس رکعات پڑھنے والے گیارہ رکعات پڑھتے رہے ہیں کیونکہ کم عدد زیادہ عدد کے اندر شامل ہوتا ہے چنانچہ قاضی شمس الدین صاحب مدظلہ نے اپنے بعض رسائل میں بیس پڑھنے والوں کے آٹھ رکعات سنت نبویہ کے عامل

ہونے کی تصریح فرمائی ہے تو جب سے گیارہ رکعات پر عمل شروع ہوا اس وقت سے لے کر آج تک ان پر عمل موقوف ہوا نہ رہتی دنیا تک موقوف ہوگا انشاء اللہ تعالیٰ پھر جب گیارہ اور تیرہ رکعات پر رسول کریم ﷺ کے عمل کی مہر ثبت ہے تو تیرھویں صدی تو تیرھویں صدی ہے خواہ قیامت تک کے لوگ ان پر عمل درآمد نہ کریں ان (گیارہ اور تیرہ رکعات) کی سنیت کو کوئی طاقت ختم کر سکی نہ کر سکے گی اور بیس رکعات کے سنت نبویہ ہونے کو کسی طاقت نے آج تک ثابت کیا نہ کر سکے گی رہا بیس رکعات کے خلفاء راشدین کی سنت ہونے کا دعویٰ تو اس کے دلائل کا حال بھی پچھلے صفحات میں لکھا جا چکا ہے اسے ملاحظہ فرمائیں۔

④ ورابعا: اگر حضرت المولف کے انداز فکر کو اپنایا جائے تو پھر ہم بھی یہ کہنے کا حق رکھتے ہیں کہ ''بہر حال یہ روایت داؤد بن قیس اکیس رکعات والی ترجیح یا تطبیق کے بغیر قابل استدلال نہیں ہے اور ترجیح یا تطبیق کے بعد گیارہ یا تیرہ رکعات پڑھنے والوں کے مدعا پر اس سے کوئی اثر نہیں پڑ سکتا اس لیے کہ ترجیح کے بعد اکیس کا ثبوت ہی نہیں ہوگا اور تطبیق کے بعد یہ ثابت ہوگا کہ عہد فاروقی میں چند روز اکیس پر عمل ہوا اس کے بعد عہد فاروقی ہی میں اکیس پر عمل موقوف ہو گیا اور لوگ بحسب امر فاروقی گیارہ رکعات پڑھتے رہے پھر صاحب رسالہ ہی کے انداز فکر کو پیش نظر رکھتے ہوئے حضرت یزید بن خصیفہ اور حارث بن عبد الرحمان کی روایت کو بھی حضرت داؤد بن قیس کی روایت پر قیاس فرما لیں فتامل۔

حضرت المولف لکھتے ہیں:

''یہی وجہ ہے کہ شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ نے جہاں حضرت عمرؓ کے تراویح قائم کرنے کا ذکر کیا ہے وہاں گیارہ کا ذکر بھولے سے بھی نہیں کیا'' فرماتے ہیں:

''فَلَمَّا جَمَعَهُمْ عُمَرُ عَلٰی أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ كَانَ يُصَلِّيْ بِهِمْ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً وَيُوْتِرُ بِثَلَاثٍ'' فتاوی ابن تیمیه. اھ (ص ۲۴)

''پس جب عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں ابی بن کعبؓ پر جمع فرمایا تو وہ انہیں بیس رکعت اور تین وتر پڑھاتے تھے''۔

① اولا: صاحب رسالہ کے کلام میں مذکور ترجیح یا تطبیق کو شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے تراویح قائم کرنے کے بیان میں گیارہ رکعات کے ذکر نہ کرنے کی وجہ بنانا اور بتانا بے دلیل ہے اور جو قول فتاوی ابن تیمیہ سے نقل کیا گیا ہے اس کی دلیل نہیں جیسا کہ اس پر غور وفکر کرنے سے ظاہر ہے جب صورت حال یہ ہے تو پھر اوپر منقول قول صاحب رسالہ کے بیان ''یہی وجہ ہے کہ شیخ الاسلام الخ'' میں مذکور حصر وقصر کی دلیل کیونکر بن سکتا ہے۔

② وثانیا: شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے اس مقام پر گیارہ رکعات کا ذکر نہ فرمانے سے نفس الامر اور واقع میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ابی بن کعب اور تمیم داری رضی اللہ عنہما کو گیارہ پڑھانے کا حکم دینے حضرت ابی بن کعب اور تمیم داری رضی اللہ عنہما کے گیارہ رکعات پڑھنے اور لوگوں کے عہد فاروقی میں گیارہ اور تیرہ رکعات ادا کرنے کی نفی نہیں ہوتی نیز جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حکم ابی بن کعب وتمیم رضی اللہ عنہما کا عمل گیارہ رکعات اور لوگوں کا عہد فاروقی میں عمل گیارہ اور تیرہ رکعات صحیح آثار سے ثابت ہے تو محض شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول: **"فلما جمعهم الخ"** کو لے کر ان صحیح آثار کو رد کرنا کوئی انصاف نہیں۔

③ وثالثا: پھر شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول: **"فلما جمعهم الخ"** بظاہرہ حضرت المولف کی نقل کردہ تطبیق کی تردید کر رہا ہے فتدبر۔

④ ورابعا: چونکہ بات شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی چل نکلی ہے اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس موضوع پر ان کی تحقیق بھی سپرد قلم کردی جائے شاید اس ہی سے کسی کا بھلا ہو جائے چنانچہ ملا علی قاری رحمہ اللہ الباری مرقاۃ شرح مشکاۃ میں لکھتے ہیں:

'' قَالَ ابْنُ تَیْمِیَّةَ الْحَنْبَلِیُّ: اِعْلَمْ اَنَّهٗ لَمْ یُوَقِّتْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي التَّرَاوِيحِ عَدَدًا مُعَيَّنًا بَلْ لَا يَزِيدُ فِي رَمَضَانَ وَلَا فِي غَيْرِهِ عَلَى ثَلَاثَ عَشْرَةَ رَكْعَةً لٰكِنْ كَانَ يُطِيلُ الرَّكَعَاتِ، فَلَمَّا جَمَعَهُمْ عُمَرُ عَلَى أُبَيٍّ كَانَ يُصَلِّي بِهِمْ عِشْرِينَ رَكْعَةً ثُمَّ يُوتِرُ بِثَلَاثٍ وَكَانَ يُخَفِّفُ الْقِرَاءَةَ بِقَدْرِ مَا زَادَ مِنَ الرَّكَعَاتِ لِأَنَّ ذٰلِكَ أَخَفُّ عَلَى الْمَأْمُومِينَ مِنْ تَطْوِيلِ الرَّكْعَةِ الْوَاحِدَةِ ثُمَّ كَانَ طَائِفَةٌ مِّنَ السَّلَفِ يَقُومُونَ بِأَرْبَعِينَ رَكْعَةً وَيُوتِرُونَ بِثَلَاثٍ وَآخَرُونَ بِسِتٍّ وَّثَلَاثِينَ وَأَوْتَرُوا بِثَلَاثٍ وَّهٰذَا كُلُّهُ حَسَنٌ سَائِغٌ وَمَنْ ظَنَّ أَنَّ قِيَامَ رَمَضَانَ فِيهِ عَدَدٌ مُعَيَّنٌ مُوَقَّتٌ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَزِيدُ وَلَا يَنْقُصُ فَقَدْ أَخْطَأَ. اھ (ج ۲۳ ص ۱۱۳)

''ابن تیمیہ حنبلی نے فرمایا'' جان لے کہ رسول اللہ ﷺ نے تراویح میں کوئی معین عدد مقرر نہیں فرمایا بلکہ رمضان اور غیر رمضان میں تیرہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے'' لیکن رکعات کو طویل کرتے تھے پس جب حضرت عمرؓ نے انہیں ابیؓ پر جمع کر دیا تو وہ انہیں بیس رکعت پڑھاتے تھے پھر تین وتر پڑھاتے اور قراءۃ اتنی ہلکی کر لیتے جتنی رکعات بڑھائی تھیں کیونکہ یہ چیز مقتدیوں کے لیے ایک رکعت لمبی کرنے سے زیادہ آسان تھی۔ پھر سلف میں سے کچھ لوگ چالیس رکعت قیام اور تین وتر پڑھتے تھے اور کچھ دوسرے حضرات چھتیس رکعت قیام اور تین وتر ادا کرتے تھے اور یہ سب صورتیں اچھی اور جائز ہیں اور جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ قیام رمضان میں کوئی تعداد معین ہے جو نبی کریم ﷺ نے مقرر فرمائی ہے اور جسے انسان نہ کم کر سکتا ہے نہ زیادہ تو اس شخص نے خطا کی انتہی''۔ (ج ۲۳ ص ۱۱۳)

أَقُولُ: إِنَّ الْحَافِظَ ابْنَ تَيْمِيَّةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى لَمْ يَنْفِ فِي كَلَامِهِ هٰذَا ثُبُوتَ الْعَدَدِ الْمُعَيَّنِ فِي التَّرَاوِيحِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ كَمَا تَوَهَّمَهُ بَعْضُ النَّاسِ الْيَوْمَ، بَلْ قَدْ اَثْبَتَ فِيْهِ الْعَدَدَ الْمُعَيَّنَ فِيهَا عَنْهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَيْثُ قَالَ: لَا يَزِيْدُ فِيْ رَمَضَانَ وَلَا فِيْ غَيْرِهٖ عَلٰى ثَلَاثَ عَشَرَةَ رَكْعَةً . وَاِنَّمَا نَفٰى فِيْهِ تَوْقِيْتَ الْعَدَدِ الْمُعَيَّنِ فِيهَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ . وَهٰذَا هُوَ الْمُرَادُ بِقَوْلِ السُّيُوْطِيِّ: وَلَوْ ثَبَتَ عَدَدُهَا بِالنَّصِّ لَمْ تَجُزِ الزِّيَادَةُ عَلَيْهِ وَلَاَهْلُ الْمَدِيْنَةِ وَالصَّدْرُ الْاَوَّلُ كَانُوْا اَوْرَعَ مِنْ ذَالِكَ. وَبِقَوْلِ الشَّوْكَانِيِ الْمَاضِيْ: فَقَصْرُ الصَّلَاةِ الْمُسَمَّاةِ بِالتَّرَاوِيْحِ عَلٰى عَدَدٍ مُّعَيَّنٍ الخ.

''میں کہتا ہوں: حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اپنے اس کلام میں آنحضرت ﷺ سے تراویح میں معین عدد کے ثبوت کی نفی نہیں فرمائی جیسا کہ آج کل بعض لوگوں کو وہم ہوا ہے بلکہ خود آنحضرت ﷺ سے تراویح میں معین عدد یہ کہہ کر ثابت فرمایا کہ رمضان اور غیر رمضان میں تیرہ رکعات سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔ نفی صرف اس بات کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے کوئی معین عدد مقرر فرما دیا ہو یہی مطلب سیوطی کے اس قول کا ہے جس میں وہ فرماتے ہیں: ''اگر نص کے ساتھ (صاف لفظوں میں) اس کی تعداد ثابت ہوتی تو اس سے زیادہ کرنا کبھی جائز نہ ہوتا اور اہل مدینہ اور صدر اول کے لوگ اس سے زیادہ بچنے والے تھے'' اور شوکانی کے گزشتہ قول ''اس نماز کو جس کا نام تراویح ہے کسی معین عدد پر بند کرنا الخ'' کا مطلب بھی یہی ہے''۔

③ حضرت المولف کی ایک تحریر دل پذیر:

بندہ نے اس تبصرہ کے تقریباً انتالیس صفحات بدست میاں محمد صادق متعلم جامعہ عربیہ۔ جی۔ ٹی۔ روڈ گوجرانوالہ حضرت المولف کو بھیجے اس کے بعد میاں محمد صادق موصوف ہی صاحب رسالہ کی طرف سے ایک تحریر فقیر کے پاس لائے جو درج ذیل ہے:

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

محترم جناب مولانا حافظ عبدالمنان صاحب مدظلکم العالی

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! میرے رسالہ ''بیس رکعات تراویح کا شرعی ثبوت'' پر آپ کا تبصرہ میرے لیے موجب مسرت ہے اللہ آپ کو جزائے خیر دے کہ آپ نے بڑی محنت سے کام لے کر اس خدمت کو سرانجام دیا ہے آپ کا تبصرہ میرے لیے مفید معلومات کا ذخیرہ ثابت ہوا ہے آپ نے جن خامیوں کی طرف توجہ دلائی ہے اگر موقع ملا تو آئندہ طباعت میں ان شاء اللہ یہ دور کر دی جائیں گی سردست میں چند چیزیں آپ کے زیر نظر لے آنا مناسب سمجھتا ہوں۔

① شارح ترمذی محدث مبارکپوری علیہ الرحمۃ اپنی کتاب تحفۃ الاحوذی میں ابن فنجویہ کے متعلق رقمطراز ہیں:

" قُلْتُ : فِيْ اِسْنَادِهٖ اَبُوْعَبْدِاللّٰهِ بْنُ فنجويه الدينوری وَلَمْ اَقِفْ عَلٰی تَرْجَمَتِهٖ فَمَنْ يَدَّعِيْ صِحَّةَ هٰذَا الْاَثَرِ فَعَلَيْهِ اَنْ يُّثْبِتَ كَوْنَهٗ ثِقَةً " .

''میں کہتا ہوں: اس کی سند میں ابوعبداللہ بن فنجویہ دینوری ہے اور مجھے اس کے حالات نہیں مل سکے تو جو شخص اس اثر کے صحیح ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اس پر لازم ہے کہ اس کا ثقہ ہونا ثابت کرے''۔

تو لیجیے العبر فی خبر من غبر ج ۳ ص ۱۱۶ غالبا کا مطالعہ فرمایئے اور ابن فنجویہ کی ثقات کا ثبوت علامہ ذھبی سے لیجیے۔''ابـن فنجويه وَكَانَ ثِقَةً مُصَنِّفًا رَوٰی عَنْ اَبِیْ بَـكْـرِ بْـنِ السُّنِّـيْ وَعِيْسٰـی بْـنِ حَـامِلِ الرخمي وَطَبَقَتِهِمَا وَحَصَلَ لَهٗ حَشْمَةٌ وَمَـــالٌ" (ابن فنجویہ اور وہ ثقہ مصنف تھا اس نے ابوبکر بن سنی اور عیسی بن حامد رخمی اور ان کے طبقہ سے روایت کی اور اسے حشمت اور مال حاصل ہوا)

② آپ نے اپنے تبصرہ کے صفحہ نمبر ۱۱ پر تحریر فرمایا ہے کہ ''صاحب رسالہ کی خدمت میں درخواست ہے کہ وہ اس اثر کی امام مالک سے نیچے کی سند سے بندہ کو مطلع فرمائیں'' نیچے کی سند پیش خدمت ہے ملاحظہ فرمایئے:

''قَالَ الْبَیْهَقِیُّ: فِیْ مَعْرِفَةِ السُّنَنِ وَالْآثَارِ: اَخْبَرَنَا اَبُوْزَکَرِیَّا قَالَ حَدَّثَنَا اَبُو الْحَسَنِ الطَّرَائِفِیُّ قَالَ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ سَعِیْدٍ قَالَ حَدَّثَنَا یَحْیَی ابْنُ بُکَیْرٍ قَالَ حَدَّثَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنِیْ یَزِیْدُ بْنُ خُصَیْفَةَ عَنِ السَّائِبِ ابْنِ یَزِیْدَ قَالَ: کُنَّا نَقُوْمُ فِیْ زَمَانِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ بِعِشْرِیْنَ رَکْعَةً وَالْوِتْرِ''. (رواہ البیہقی فی معرفۃ السنن والآثار قلمی نسخہ ص ۳۶۷)

''بیہقی نے معرفۃ السنن والآثار میں فرمایا: ہمیں ابوزکریا نے خبر دی انہوں نے کہا ہمیں ابوالحسن طرائفی نے بیان کیا انہوں نے فرمایا ہمیں یحییٰ بن بکیر نے بیان فرمایا انہوں نے فرمایا ہمیں مالک نے بیان کیا انہوں نے فرمایا ہمیں یزید بن خصیفہ نے سائب بن یزید سے بیان کیا کہ انہوں نے فرمایا کہ ہم حضرت عمرؓ بن خطاب کے زمانہ میں بیس رکعت اور تین وتر قیام کرتے تھے''۔

③ عبدالرزاق بن ہمام کے بارے میں آپ کے ذہن میں جو اشکال ہیں اس کے لیے ملاحظہ فرمایئے فتح الباری کا مقدمہ ہدی الساری ج ۲ ص ۱۴۳۔

محمد عارف

۲۵ دسمبر ۱۹۷۸ھ

از (مولانا) غلام سرور (صاحب)

چنن ۔ ضلع گجرات

① ابوعبداللہ فنجویہ بن الدینوری کی ثقاہت کی العمر اور دیگر کتب کے مطالعہ سے تحقیق کی جائے گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔

② اس اثر کی امام مالک رحمہ اللہ سے نیچے کی سند کی بھی تحقیق کی جائے گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

③ حافظ عبدالرزاق بن ہمام صنعانی کے بارے میں مقدمہ فتح الباری میں لکھا ہے:

"عَبْدُالرَّزَّاقِ بْنُ هَمَّامِ بْنِ نَافِعِ نِ الْحِمْيَرِيُّ الصَّنْعَانِيُّ اَحَدُ الْحُفَّاظِ الْاَثْبَاتِ وَثِقَةُ الْاَئِمَّةِ كُلُّهُمْ اِلَّا الْعَبَّاسَ بْنَ عَبْدِالْعَظِيْمِ الْعَنْبَرِيَّ وَحْدَهُ فَتَكَلَّمَ بِكَلَامٍ اَفْرَطَ فِيْهِ وَلَمْ يُوَافِقْهُ عَلَيْهِ اَحَدٌ وَقَدْ قَالَ اَبُوْزُرْعَةَ الدِّمَشْقِيُّ قِيْلَ لِاَحْمَدَ مَنْ اَثْبَتُ فِي ابْنِ جُرَيْجٍ عَبْدُالرَّزَّاقِ اَوْ مُحَمَّدُ بْنُ بَكْرِ نِالْبُرْسَانِيُّ فَقَالَ عَبْدُالرَّزَّاقِ: وَقَالَ عَبَّاسُ نِالدُّوْرِيُّ عَنِ ابْنِ مَعِيْنٍ كَانَ عَبْدُالرَّزَّاقِ اَثْبَتَ فِيْ حَدِيْثِ مَعْمَرٍ مِنْ هِشَامِ بْنِ يُوْسُفَ وَقَالَ يَعْقُوْبُ بْنُ شَيْبَةَ عَنْ عَلِيِّ بْنِ الْمَدِيْنِيِّ قَالَ لِيْ هِشَامُ بْنُ يُوْسُفَ كَانَ عَبْدُالرَّزَّاقِ اَعْلَمَنَا وَاَحْفَظَنَا فَقَالَ يَعْقُوْبُ وَكِلَاهُمَا ثِقَةٌ ثَبْتٌ وَقَالَ الذُّهْلِيُّ كَانَ اَيْقَظَهُمْ فِي الْحَدِيْثِ وَكَانَ يَحْفَظُ وَقَالَ ابْنُ عَدِيٍّ رَحَلَ اِلَيْهِ ثِقَاتُ الْمُسْلِمِيْنَ وَكَتَبُوْا عَنْهُ اِلَّا اَنَّهُمْ نَسَبُوْهُ اِلَى التَّشَيُّعِ وَهُوَ اَعْظَمُ مَا رَمَوْهُ بِهٖ وَاَمَّا الصِّدْقُ فَاَرْجُوْ اَنَّهُ لَا بَاْسَ بِهٖ وَقَالَ النِّسَائِيُّ فِيْهِ نَظَرٌ فَمَنْ كَتَبَ عَنْهُ بِاٰخِرِهٖ كَتَبُوْا عَنْهُ اَحَادِيْثَ مَنَاكِيْرَ وَقَالَ الْاَثْرَمُ عَنْ اَحْمَدَ مَنْ سَمِعَ مِنْهُ بَعْدَ مَا عَمِيَ فَلَيْسَ بِشَيْئٍ وَمَا كَانَ فِيْ كُتُبِهٖ فَهُوَ صَحِيْحٌ وَمَا لَيْسَ فِيْ كُتُبِهٖ فَاِنَّهُ كَانَ يُلَقَّنُ فَيَتَلَقَّنُ قُلْتُ اِحْتَجَّ بِهِ الشَّيْخَانِ فِيْ جُمْلَةِ حَدِيْثِ مَنْ سَمِعَ مِنْهُ قَبْلَ الْاِخْتِلَاطِ وَضَابِطُ ذَالِكَ مَنْ سَمِعَ مِنْهُ قَبْلَ الْمِأَتَيْنِ فَاَمَّا بَعْدَهَا فَكَانَ قَدْ تَغَيَّرَ وَفِيْهَا سَمِعَ مِنْهُ اَحْمَدُ بْنُ شبوية فِيْمَا حَكَى الْاَثْرَمُ عَنْ اَحْمَدَ وَاِسْحَاقَ الدَّبَرِيَّ وَطَائِفَةٌ مِّنْ شُيُوْخِ اَبِيْ عَوَانَةَ وَالطَّبْرَانِيِّ مِمَّنْ تَاَخَّرَ اِلٰى قُرْبِ الثَّمَانِيْنَ وَمِأَتَيْنِ وَرَوٰى لَهُ الْبَاقُوْنَ . اھ

اَقُوْلُ: اِنَّ اِسْحَاقَ ابْنَ اِبْرَاهِيْمَ اَبَايَعْقُوْبَ الدَّبَرِيَّ رَاوِي الْمُصَنَّفِ

عَنْ عَبْدِالرَّزَّاقِ وَقَدْ عَلِمْتَ اَنَّ الْحَافِظَ قَدْ صَرَّحَ اَنَّ سَمَاعَهُ مِنْ عَبْدِالرَّزَّاقِ بَعْدَ التَّغَيُّرِ وَالْاِخْتِلَاطِ وَقَالَ الذَّهَبِيُّ فِي الْمِيْزَانِ: اِسْحَاقُ ابْنُ اِبْرَاهِيْمَ الدَّبَرِيُّ صَاحِبُ عَبْدِالرَّزَّاقِ قَالَ ابْنُ عَدِيٍّ: اُسْتُصْغِرَ فِيْ عَبْدِالرَّزَّاقِ قُلْتُ: مَا كَانَ الرَّجُلُ صَاحِبَ حَدِيْثٍ وَاِنَّمَا اَسْمَعَهُ اَبُوْهُ وَاعْتَنٰى بِهٖ سَمِعَ مِنْ عَبْدِالرَّزَّاقِ تَصَانِيْفَهُ وَهُوَ ابْنُ سَبْعِ سِنِيْنَ اَوْ نَحْوِهَا لٰكِنْ رَوٰى عَنْ عَبْدِالرَّزَّاقِ اَحَادِيْثَ مُنْكَرَةً فَوَقَعَ التَّرَدُّدُ فِيْهَا هَلْ هِيَ مِنْهُ فَانْفَرَدَ بِهَا اَوْهِيَ مَعْرُوْفَةٌ مِمَّا تَفَرَّدَ بِهٖ عَبْدُالرَّزَّاقِ وَقَدِ احْتَجَّ بِالدَّبَرِيِّ اَبُوْعَوَانَةَ فِيْ صَحِيْحِهٖ وَغَيْرُهُ وَاَكْثَرَ عَنْهُ الطَّبْرَانِيُّ وَقَالَ الدَّارَقُطْنِيُّ فِيْ رِوَايَةِ الْحَاكِمِ صُدُوْقٌ مَا رَاَيْتُ فِيْهِ خِلَافًا اِنَّمَا قِيْلَ لَمْ يَكُنْ مِنْ رِجَالِ هٰذَا الشَّاْنِ قُلْتُ وَيُدْخَلُ فِي الصَّحِيْحِ؟ قَالَ اِيْ وَاللّٰهِ. وَفِيْ مَرْوِيَّاتِ الْحَافِظِ اَبِيْ بَكْرِ بْنِ الْخَيْرِ الْاَشْبِيْلِيْ كِتَابُ الْحُرُوْفِ الَّذِيْ اَخْطَاَ فِيْهَا الدَّبَرِيُّ وَصَحَّفَهَا فِيْ مُصَنَّفِ عَبْدِالرَّزَّاقِ لِلْقَاضِيْ مُحَمَّدِ بْنِ حَمْدِ مُفَرِّجِ نِ الْقُرْطَبِيِّ وَعَاشَ الدَّبَرِيُّ اِلٰى سَبْعٍ وَّثَمَانِيْنَ وَمِائَتَيْنِ . اھ لٰكِنْ بَيْنَ سَمَاعِ رَجُلٍ مِنَ الْمُخْتَلِطِ بَعْدَ الْاِخْتِلَاطِ وَبَيْنَ رِوَايَتِهٖ عَنْهُ بَعْدَ الْاِخْتِلَاطِ كِتَابَهُ الَّذِيْ صَنَّفَهُ قَبْلَ الْاِخْتِلَاطِ فَرْقٌ' فَتَدَبَّرْ.

''عبدالرزاق بن ہمام بن نافع حمیری صنعانی حفاظ اثبات میں سے ایک ہیں تمام ائمہ نے ان کی توثیق کی ہے سوائے تنہا عباس بن عبدالعظیم عنبری کے' کہ انہوں نے ان کے بارے میں کلام کیا ہے جس میں زیادتی کی ہے اور کسی نے اس کلام میں ان کی موافقت نہیں کی۔ اور ابوزرعہ دمشقی نے کہا ہے کہ احمد سے کہا گیا کہ ابن جریج سے روایت میں زیادہ پختہ کون ہے؟ عبدالرزاق یا محمد بن بکر برسانی تو انہوں نے فرمایا عبدالرزاق اور عباس

دوری نے ابن معین سے بیان کیا کہ معمر کی حدیث میں عبدالرزاق' ہشام بن یوسف سے زیادہ پختہ تھے اور یعقوب بن شیبہ نے علی بن مدینی سے بیان کیا وہ فرماتے ہیں کہ مجھے ہشام بن یوسف نے کہا کہ عبدالرزاق ہم سب سے زیادہ علم اور حافظہ والے ہیں تو یعقوب نے فرمایا وہ دونوں ثقہ ثبت ہیں اور ذھلی نے کہا کہ وہ حدیث میں ان سب سے زیادہ بیدار مغز تھے اور وہ حفظ رکھا کرتے تھے ابن عدی نے فرمایا اس کی طرف ثقہ مسلمانوں نے رحلت کی اور اس سے حدیث لکھی مگر انہوں نے اس کو تشیع کی طرف منسوب کیا اور یہ سب سے بڑی چیز ہے جو لوگوں نے اس پر لگائی ہے۔ رہا اس کا صدق تو مجھے امید ہے کہ اس میں کوئی خرابی نہیں اور نسائی نے کہا اس میں نظر ہے پس جنہوں نے اس سے آخری عمر میں لکھا ہے انہوں نے اس سے منکر حدیثیں لکھی ہیں اور اثرم نے احمد سے بیان کیا کہ جس نے اس سے نابینا ہونے کے بعد سنا ہے وہ کوئی چیز نہیں ہے اور جو اس کی کتابوں میں ہے وہ صحیح ہے اور جو اس کی کتابوں میں نہیں تو اس کو تلقین کی جاتی تو تلقین قبول کرتا تھا میں کہتا ہوں شیخین نے اس سے ان لوگوں کی حدیث میں احتجاج کیا ہے جنہوں نے اس سے اختلاط سے پہلے سنا ہے اور اس کا ضابطہ یہ ہے کہ جنہوں نے اس سے ۲۰۰ سے پہلے سنا ہے (وہ ٹھیک ہے) اور اس کے بعد اس میں تغیر آ گیا تھا اور اسی عرصہ میں احمد بن شبویہ نے اس سے سنا جیسا کہ اثرم نے احمد سے بیان کیا ہے اور اسحاق دبری نے بھی اور ابوعوانہ اور طبرانی کے شیوخ کی ایک جماعت نے بھی جو ۲۸۰ کے قریب تک متاخر تھے اور باقی نے اس سے روایت کی۔ اھ

میں کہتا ہوں: اسحاق بن ابراہیم ابو یعقوب دبری کتاب مصنف کو عبدالرزاق سے روایت کرنے والے ہیں اور آپ جان چکے ہیں کہ حافظ

نے تصریح کی ہے اور ان کا عبدالرزاق سے سماع ان کے تغیر (اور اختلاط کے بعد ہے) اور ذہبی نے میزان میں فرمایا۔ اسحاق بن ابراہیم دبری جو عبدالرزاق کے (شاگرد ہیں اور ابن عدی) نے کہا انہیں عبدالرزاق میں صغیر سمجھا گیا ہے۔ میں کہتا ہوں آدمی صاحب حدیث (نہیں) تھا صرف اس کے باپ نے اسے سماع کروایا اور اس کی طرف توجہ کی۔ اس نے عبدالرزاق سے سات سال یا اس کے قریب عمر میں اس کی تصانیف سنیں لیکن عبدالرزاق سے منکر احادیث روایت کیں پس ان میں تردد پیدا ہوگیا کہ آیا وہ صرف اسی کی ہیں کہ وہ ان میں منفرد ہے یا ان معروف احادیث میں سے ہیں جن میں عبدالرزاق متفرد ہے اور دبری کے ساتھ ابوعوانہ نے اپنی صحیح میں اور دوسرے محدثین نے حجت پکڑی ہے اور طبرانی نے اس سے بہت روایات بیان کی ہیں اور دارقطنی نے حاکم کی روایت میں کہا صدوق ہے میں نے اس کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں دیکھا صرف یہ کہا گیا ہے کہ وہ اس شان کے آدمیوں سے نہ تھا میں نے کہا اور اسے صحیح میں داخل کیا جاتا ہے؟ اس نے کہا ہاں اللہ کی قسم اور حافظ ابوبکر ابن خیر اشبیلی کی روایت کردہ کتابوں میں قاضی محمد بن حمد مفرج قرطبی کی کتاب "**كتاب الحروف الذى اخطاء فيها الدبرى وصحفها فى مصنف عبدالرزاق**" بھی شامل ہے اور دبری ۲۸۷ھ تک زندہ رہے۔ اھ لیکن مختلط سے اختلاط کے بعد آدمی کے سماع کے درمیان اور اختلاط کے بعد اس سے اس کی وہ تصنیف کردہ کتاب روایت کرنے کے درمیان جو اُس نے اختلاط سے پہلے تصنیف کی فرق ہے فتدبر۔



④ تعارف وتبصرہ:

از قلم شیخ الحدیث فخر الاماثل استاذ الاساتذہ حضرت مولانا محمد چراغ صاحب مدظلہ العالی

''نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم۔ محترم مولانا غلام سرور صاحب کا رسالہ تراویح کے بارے میں میں نے دیکھا مصنف محترم نے رسالہ زیر تبصرہ میں تراویح کی بیس رکعت ثابت کرنے میں خلفاء راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے تعامل کو صحیح الاسانید روایات سے ثابت کرنے میں جس عرق ریزی سے کام لیا ہے یہ ایک کامیاب کوشش ہے اور حسب ارشاد نبی ﷺ: ''عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ'' کی روشنی میں مسئلہ کی وضاحت کرنے کی کوشش کی ہے اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر دے مصنف نے اپنے قلم کو کسی طعن وطنز سے محفوظ رکھنے کی پوری پوری کوشش کی ہے اور موجودہ زمانے کے ارباب قلم کے طرز تحریر سے حتی الامکان بچنے کی پوری پوری کوشش کی ہے جس میں اپنے اختلاف رکھنے والوں کو قلم کے نشتروں سے زخمی کرنے کا وطیرہ اختیار کیا جاتا ہے مؤلف محترم نے نہایت سنجیدہ طریقہ سے مسئلہ کو واضح کرنے کی سعی کی ہے ''جَزَاهُ اللّٰهُ عَنِّيْ وَعَنْ سَائِرِ الْمُسْلِمِيْنَ''۔

فقط محمد چراغ مہتمم مدرسہ عربیہ رجسٹرڈ گوجرانوالہ (رسالہ مذکورہ ص ۲)

مولانا محمد چراغ صاحب کے تبصرہ کا جائزہ

حضرت المولف نے اپنے پورے رسالہ میں کوئی بھی ایک حسن السند روایت ایسی پیش نہیں فرمائی جس سے واقعۃً بیس رکعات تراویح کا سب خلفاء راشدین یا کسی ایک خلیفہ راشد کا تعامل ہونا ثابت ہوتا ہو چہ جائیکہ انہوں نے بیس رکعات تراویح کے خلفاء راشدین یا خلیفہ راشد کے تعامل ہونے

کے ثبوت میں کوئی ایک صحیح السند روایت یا کئی ایک صحیح الاسانید روایات پیش فرمائی ہوں اس تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ بندہ حضرت مولانا موصوف کے پیش فرمودہ تعارف وتبصرہ کی پرزور تائید کرتا ہے نیز حضرت المؤلف کی توجہ اغلاط کتابت کی طرف مبذول کراتا ہے مثلاً ایک مقام پر حافظ سخاوی کو حافظ سخاوت' ایک جگہ مرجوح کو مرجوع اور شعر ستبدی لک الایام الخ میں من لم تزود کو لم تزور لکھا گیا ہے امید ہے موقع ملنے پر اس قسم کی اغلاط کی بھی تصحیح واصلاح فرمائی جائے گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔

فقیر نے اپنی ساری تحریر میں پوری کوشش کی ہے کہ حضرت المولف کے ممدوح انداز تحریر سے ہٹا ہوا کوئی ایک جملہ بھی استعمال نہ کیا جائے تاہم میری تحریر سے کوئی ایک کلمہ بھی اگر مصنف صاحب کی طبع پر ناگوار گزرے تو بندہ اس کے لیے صاحب رسالہ کی خدمت میں معذرت پیش کرتا ہوا دعا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو حق سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے آمین یارب العالمین!

ابن عبدالحق بقلمہ

سرفراز کالونی۔ جی۔ ٹی روڈ گوجرانوالہ

۴ صفر ۱۳۹۹ھ



بسم اللہ الرحمن الرحیم

ضمیمہ

اس تبصرہ کا کچھ حصہ مؤلف رسالہ ''بیس رکعت تراویح کا شرعی ثبوت'' کے پاس بھیجا گیا تو انہوں نے جناب حافظ محمد عارف صاحب مدرس جامعہ عربیہ جی۔ٹی۔ روڈ گوجرانوالہ سے ایک تحریر لکھوا کر مجھے بھیجی جس کو من وعن پہلے نقل کیا جاچکا ہے اور اس کا عکس بھی دیا جارہا ہے اصل تحریر ہمارے پاس محفوظ پڑی ہے اس تحریر میں انہوں نے تین چیزوں کی طرف توجہ دلائی تھی جن میں سے ایک چیز کے متعلق تو اپنی تحقیق لکھ کر تبصرہ کے باقی حصہ کے ساتھ ان کو بھیج دی گئی اور دو چیزوں کے متعلق وعدہ کرلیا گیا کہ ان کی بھی تحقیق کی جائے گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔

اب کے جب بعض دوستوں نے اس تبصرہ کو طبع ونشر کرنے کا پروگرام بنایا تو ہمارے محترم ساتھی حافظ عبدالسلام بھٹوی صاحب حفظہ اللہ نے توجہ مبذول کروائی کہ ان دو چیزوں کی تحقیق والا وعدہ بھی پورا ہونا چاہیے مگر جو کتابیں درکار تھیں وہ ادھر موجود نہ تھیں اس کے لیے کوشش شروع کردی گئی پتہ چلا کہ وہ کتابیں ادارہ علوم اثریہ فیصل آباد میں موجود ہیں چنانچہ وہاں سے مطلوبہ صفحات کی نقول کو حاصل کیا اس سلسلہ میں ہمارے محترم ساتھی مولانا ارشاد الحق صاحب اثری حفظہ اللہ نے ہر طرح تعاون فرمایا جس پر ہم ان کے انتہائی شکر گزار ہیں۔

❶ پہلی چیز:

صاحب رسالہ نے محولہ بالا تحریر میں ابن فنجویہ دینوری کی ثقاہت کو علامہ ذھبی رحمہ اللہ کی کتاب العبر سے نقل فرمایا اس پر میری طرف سے یہ وعدہ کیا گیا ''ابن

فنجو یہ دینوری کی ثقاہت کی العبر اور دیگر کتب کے مطالعہ سے تحقیق کی جائے گی ان شاء اللہ تعالیٰ'' چنانچہ وہ تحقیق ملاحظہ فرمالیں۔

علامہ ذھبیؒ اپنی مایہ ناز کتاب ''سیر اعلام النبلاء'' میں لکھتے ہیں:

قَالَ شِيرَوَيْهِ فِي تَارِيخِهِ: كَانَ ثِقَةً صُدُوقًا كَثِيرَ الرِّوَايَةِ لِلْمَنَاكِيرِ حُسْنُ الْخَطِّ كَثِيرَ التَّصَانِيفِ" الخ (ج۷ص۳۸۳)

''علامہ شیرویہ اپنی تاریخ میں کہتے ہیں ''ابن فنجو یہ دینوری ثقہ' صدوق' منکر روایات کو کثرت سے بیان کرنے والے' خوشنویس اور تصانیف کثیرہ کے مصنف تھے''۔ الخ

تو ابن فنجو یہ دینوری کے منکر روایات کو کثرت سے بیان کرنے والے اس وصف کو ملحوظ رکھیں' ان کی بیان کردہ بیس رکعات والی موقوف روایت کی تحقیق کو اسی کتاب میں ''حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ کا اثر'' کے عنوان کے تحت ملاحظہ فرمائیں اور صاحب رسالہ کی اضطراب والی بحث اور میری طرف سے اس کے جواب کو بھی اسی کتاب میں پڑھیں تو آپ ابن فنجو یہ دینوری کی اس موقوف روایت کی تحقیق کے سلسلہ میں ضرور بالضرور کسی ٹھوس نتیجہ تک پہنچ جائیں گے ان شاء اللہ تعالیٰ۔

❷ دوسری چیز:

مؤلف رسالہ صفحہ نمبر ۶ پر لکھتے ہیں: ''یزید بن خصیفہ کے دوسرے شاگرد امام مالک کی روایت یہ ہے: **"حَدَّثَنِي يَزِيدُ بْنُ خُصَيْفَةَ عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ قَالَ: كُنَّا نَقُومُ فِي زَمَانِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ بِعِشْرِينَ رَكْعَةً وَالْوِتْرِ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي الْمَعْرِفَةِ"** اس کے جواب میں انہیں میری طرف سے لکھا گیا ''امام بیہقی کی کتاب معرفۃ بندہ کے پاس نہیں۔ صاحب رسالہ کی خدمت میں درخواست ہے کہ وہ اس اثر کی امام مالکؒ سے نیچے کی سند سے بندہ کو مطلع فرمائیں' میری اس بات کے جواب میں وہ لکھتے ہیں ''نیچے کی سند پیش خدمت ہے ملاحظہ فرمائیے:

"قَالَ الْبَيْهَقِيُّ فِي مَعْرِفَةِ السُّنَنِ وَالْآثَارِ: اَخْبَرَنَا اَبُوْزَكَرِيَّا قَالَ حَدَّثَنَا اَبُوالْحَسَنِ الطَّرَائِفِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ سَعِيْدٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ قَالَ حَدَّثَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنِيْ يَزِيْدُ بْنُ خُصَيْفَةَ عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيْدَ قَالَ: كُنَّا نَقُوْمُ فِيْ زَمَانِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ بِعِشْرِيْنَ رَكْعَةً وَالْوِتْرِ" . (رواہ البیہقی فی معرفۃ السنن والآ ثار. قلمی نسخہ ص ۳۶۷)

ہم اس مقام پر معرفۃ السنن والآ ثار کے قلمی نسخہ کے صفحہ نمبر ۳۶۷ کا عکس دے رہے ہیں اس کو بغور پڑھیں صاحب رسالہ کی اپنے رسالہ اور اپنی اس تحریر میں رقم کروائی ہوئی سند خورد بین لگا کر دیکھنے سے بھی کہیں آپ کو نظر نہیں آئے گی معرفۃ السنن والآ ثار میں امام مالک کے اوپر سند اس طرح ہے:"عَنْ يَزِيْدَ بْنِ رُوْمَانَ اَنَّهُ قَالَ: كَانَ النَّاسُ يَقُوْمُوْنَ فِيْ زَمَنِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فِيْ رَمَضَانَ بِثَلَاثٍ وَّعِشْرِيْنَ رَكْعَةً" جیسا کہ اس عکس سے ظاہر ہو رہا ہے مگر صاحب رسالہ اور ان کے محرر دونوں بزرگوں نے سند کے اندر امام مالکؒ کے استاذ یزید بن رومان کو یزید بن خصیفہ سے بدل ڈالا پھر معرفۃ کے اسی صفحہ میں اس سے پہلے مذکور محمد بن جعفر والی سند اور روایت نقل کر دی تو یوں اس سند کو اپنے خیال کے مطابق بنا کر وہ خوش ہو گئے حالانکہ امر واقع اس طرح نہیں جیسا کہ معرفۃ کے اس صفحہ کے عکس سے واضح ہے۔

تو امام مالکؒ نے اس موقوف روایت کو یزید بن خصیفہ عن السائب بن یزید سے بیان نہیں کیا ہاں انہوں نے اس کو یزید بن رومان سے بیان کیا ہے اور یزید بن رومان نے حضرت عمر بن خطاب کا دور پایا ہی نہیں لہٰذا مالک کی یہ روایت بوجہ انقطاع قابل اعتبار نہیں۔علامہ عینی حنفی عمدۃ القاری میں لکھتے ہیں:

" فَاِنْ قُلْتَ: قَالَ مَالِكٌ فِي الْمُوَطَّا عَنْ يَزِيْدَ بْنِ رُوْمَانَ قَالَ: كَانَ النَّاسُ فِيْ زَمَنِ عُمَرَ يَقُوْمُوْنَ فِيْ رَمَضَانَ بِثَلَاثٍ وَّعِشْرِيْنَ رَكْعَةً .

قُلْتُ: قَالَ الْبَيْهَقِيُّ : وَالثَّلَاثُ هُوَ الْوِتْرُ وَ يَزِيْدُ لَمْ يُدْرِكْ عُمَرَ

فَيَكُوْنُ مُنْقَطِعًا. (ج ۳ ص ۵۹۸ باب تحریض النبی ﷺ علی قیام اللیل والنوافل من غیر ایجاب)

لطف یہ کہ امام بیہقی کی معرفتہ کے اسی صفحہ پر اس کے بعد امام مالک کی سائب بن یزید رضی اللہ عنہ کی گیارہ رکعات والی روایت موجود ہے آپ اس کو اس دیئے ہوئے عکس میں پڑھ لیں۔ پھر بھی واضح ہو گیا کہ صاحب رسالہ کا امام مالک کو اپنے رسالہ میں یزید بن خصیفہ سے اس اثر کو روایت کرنے والوں میں شمار کرنا بھی غلط ہے جس سے رجوع کا اعلان کرنا ان کے لیے ضروری ہے۔

الحاصل امام مالک رحمہ اللہ کی یزید بن رومان والی یہ موقوف روایت حقیقت میں منقطع ہے جسے یزید بن خصیفہ عن السائب بن یزید کو یزید بن رومان کی جگہ لکھ کر متصل بنایا گیا ہے اب ہم نہیں جانتے کہ صاحب رسالہ حضرت مولانا غلام سرور صاحب اور ان کی طرف سے یہ تحریر لکھ کر میری طرف بھیجنے والے حافظ محمد عارف صاحب دونوں نے یا ایک نے عمداً ایسا کیا یا سہواً ان سے ایسا ہو گیا ہے بہر حال یہ کام اپنی جگہ پر انتہائی شنیع ہے دونوں بزرگوں کی ذمہ داری ہے کہ اولین فرصت میں وہ اس غلطی کا ازالہ فرمائیں آخر ہم سب نے اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونا ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو حق سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یا رب العالمین۔

ابن عبد الحق بقلمہ

گوجرانوالہ

۸/۳/۱۴۰۷ھ



مولوی غلام سرور صاحب کی اصل تحریر کا عکس

محترم جناب مولانا حافظ عبدالقدوس صاحب مدظلکم العالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ میری کتاب "بیس رکعت تراویح کا شرعی ثبوت" پر آپ کا تبصرہ میرے لیے موجب مسرت ہے۔ الحمد للہ آپ نے وہ سارے جوابات دیے کہ شاید ہی کسی نے دیے ہوں۔ کام سمجھ کر اس خدمت کو سر انجام دیا ہے۔ آپ کا تبصرہ میرے لیے مفید معلومات کا ذخیرہ ثابت ہوا ہے۔ آپ نے میری خامیوں کی طرف توجہ دلائی ہے اگر موقع ملا تو آئندہ ایڈیشن میں ان شاء اللہ یہ دور کر دی جائیں گی۔

سر دست میں چند چیزیں آپ کے زیر نظر لانا مناسب سمجھتا ہوں۔

1. شارح ترمذی حضرت مبارکپوری صاحب مرحوم کی کتاب تحفۃ الاحوذی میں اس حدیث کے متعلق یہ کلام درج ہے۔ "قلت فی اسناده ابو عبد اللہ بن محمد بن ... [illegible] ... فی ترجمته ... حدثنا ... [illegible]" ان کا ترجمہ [illegible] (بحوالہ صفحہ 1۲/۲۲) [illegible] ... ان تو کی ثقاہت کا ثبوت [illegible] ... اس حدیث [illegible] ... وکان ثقة ... [illegible] ... وعیسی بن حامد ... وثقتہا ... [illegible] ...

2. آپ نے اپنے تبصرہ کے صفحہ ... پر تحریر فرمایا ہے کہ "صاحب رسالہ کی خدمت میں درخواست ہے کہ وہ اس اثر کا امام بیہقی تک کی سند بندہ کو مطلع فرمائیں"۔ بیہقی کی سند جس میں حدیث ہے درج فرمائی ہے۔ قال البیہقی فی معرفۃ السنن والآثار ... اخبرنا ابو بکر ... قال حدثنا ابو الحسن ... قال حدثنا ... بن سعید قال حدثنا یحیی بن بکیر قال حدثنا ... حدثنی یزید بن خصیفۃ عن السائب بن یزید قال کنا نقوم فی زمان عمر بن الخطاب بعشرین رکعۃ والوتر۔ (رواہ البیہقی فی معرفۃ السنن والآثار ... صفحہ ۲۶۹)۔

3. عبد الرزاق بن ہمام کے بارے میں آپ کے ذہن میں جو اشکال ہے اس کے لیے ملاحظہ فرمائیں ... البخاری کا مقدمہ "ہدی الساری" صفحہ ۱۹۳/۲۲۔

[signature] 21/12/79

ابو (اعجاز) غلام سرور (صاحب)

جہلم۔ ... [illegible]

معرفۃ السنن والآثار کے صفحہ ۳۶۷ کا عکس

خرج ليلة في جوف الليل فصلى في المسجد فصلى رجال بصلاته فأصبح الناس فتحدثوا
بذلك فاجتمع أكثر منهم فخرج رسول الله صلى الله عليه وسلم الليلة الثانية فصلوا
معه فأصبح الناس فتحدثوا بذلك فكثر أهل المسجد في الليلة الثالثة فخرج رسول الله
صلى الله عليه وسلم فصلوا بصلاته فلما كانت الليلة الرابعة عجز المسجد عن أهله فلم
يخرج إليهم رسول الله صلى الله عليه وسلم حتى خرج لصلاة الصبح فلما قضى صلاة الفجر
أقبل على الناس فتشهد ثم قال أما بعد فإنه لم يخف علي شأنكم ولكني خشيت أن تفرض
عليكم فتعجزوا عنها وكان رسول الله صلى الله عليه وسلم يرغبهم في قيام رمضان من غير
أن يأمرهم بعزيمة أمر فيه فيقول من قام رمضان إيمانا واحتسابا غفر له ما تقدم من
ذنبه فتوفي رسول الله صلى الله عليه وسلم والأمر على ذلك خلافة أبي بكر وصدرا من
خلافة عمر قال عروة قال عبد الرحمن بن عبد القاري وكان يعمل مع عبد الله بن
الأرقم على بيت مال المسلمين إن عمر بن الخطاب خرج ليلة رمضان فخرج معه عبد الرحمن
فطاف في المسجد وأهل المسجد أوزاع متفرقون يصلي الرجل لنفسه ويصلي الرجل
فيصلي بصلاته الرهط فقال عمر والله إني لأظن لو جمعنا هؤلاء على قارئ واحد
لكان أفضل [illegible] ثم عزم عمر على أن يجمعهم على قارئ واحد فأمر أبي بن
كعب أن يقوم لهم في رمضان فخرج عمر والناس يصلون بصلاة قارئهم ومعه عبد الرحمن
بن عبد القاري فقال عمر نعم البدعة هذه والتي تنامون عنها أفضل من التي تقومون
يريد آخر الليل وكان الناس يقومون أوله أخرجه البخاري حديث [illegible]
يحيى بن بكير وأخرج حديث عمر من حديث مالك عن ابن شهاب الزهري أخبرنا أبو
طاهر الفقيه قال أخبرنا أبو عثمان البصري قال حدثنا أبو أحمد محمد بن عبد الوهاب
قال أخبرنا خالد بن مخلد قال حدثنا محمد بن جعفر قال حدثني يزيد بن خصيفة عن
السائب بن يزيد قال كنا نقوم في زمان عمر بن الخطاب بعشرين ركعة والوتر
أخبرنا أبو زكريا قال حدثنا أبو الحسن [illegible] قال حدثنا عثمان بن سعيد قال حدثنا
يحيى بن بكير قال حدثنا مالك قال وحدثنا القعنبي فيما قرأ على مالك عن يزيد بن رومان
أنه قال كان الناس يقومون في زمن عمر بن الخطاب في رمضان بثلاث وعشرين
ركعة قال الشافعي وليس في شيء من هذا ضيق ولا حد ينتهى إليه لأنه نافلة فإن أطالوا
القيام وأقلوا السجود فحسن وهو أحب إلي وإن أكثروا الركوع والسجود فحسن
قال الشافعي أخبرنا مالك عن محمد بن يوسف عن السائب بن يزيد قال أمر عمر بن الخطاب
أبي بن كعب وتميم الداري أن يقوما للناس بإحدى عشرة ركعة قال وكان
القارئ يقرأ بالمئين حتى كنا نعتمد على العصي من طول القيام وما كنا

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾

نماز میں ہاتھ اُٹھانے

اور

باندھنے کی کیفیت

(ایک رسالہ کا جواب)

اس رسالہ میں صحیح احادیث سے ثابت کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز میں اپنے ہاتھ کندھوں اور کانوں تک اُٹھایا کرتے تھے اور انہیں سینے پر اور ناف سے اُوپر باندھا کرتے تھے' نیز واضح کیا گیا ہے کہ زیر ناف ہاتھ باندھنے کی کوئی ایک روایت بھی رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں' اس لئے کئی ایک حنفی بزرگ بھی سینے پر اور ناف سے اُوپر ہاتھ باندھنے کے قائل اور عامل گزرے ہیں۔

از

حافظ عبدالمنان نورپوری حفظہ اللہ

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

تحقیق ہے تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ کی زندگی اسوہ حسنہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

تعارف

توحید و رسالت کی شہادت کے بعد اسلام میں صلوٰۃ (نماز) کو جو بنیادی حیثیت حاصل ہے وہ کسی اور عمل کو حاصل نہیں کیونکہ اسی سے آدمی کے کفر و اسلام کا فرق ظاہر ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں شرفِ قبولیت وہی نماز حاصل کر سکتی ہے جو رسول کریم ﷺ کے طریقے کے مطابق ہو۔ صحیح بخاری میں آپؐ کا فرمان موجود ہے کہ:

صَلُّوْا كَمَا رَاَيْتُمُوْنِيْ اُصَلِّيْ.

''یعنی تم اس طرح نماز پڑھو جس طرح مجھے پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو''۔

مگر بعض لوگوں نے تقریباً ہر عمل میں رسول اللہ ﷺ کے طریقے کو مسخ کر کے اپنی مرضی کے مطابق کچھ طریقے اختیار کر لیے نماز بھی ان حضرات کی دستبرد سے محفوظ نہ رہ سکی۔ انہوں نے بہت سی چیزیں اپنے پاس سے ایجاد کیں مثلاً ''اللہ اکبر'' کے علاوہ کوئی لفظ کہہ کر نماز شروع کرنے کی اجازت' سورۂ فاتحہ کے بغیر امام' مقتدی اور منفرد کو نماز پڑھنے کی اجازت' رکوع سجود میں خاموش رہنے اور کچھ نہ پڑھنے کی اجازت' رکوع جاتے اور اُٹھتے وقت رفع یدین کی ممانعت' اطمینان کے بغیر نماز درست قرار دینا سلام پھیرنے کے بغیر ہی نماز سے فارغ ہو جانا وغیرہ۔

ان ہی خود ساختہ طریقوں میں سے ایک ایجاد یہ ہے کہ قیام کی حالت میں مرد ناف کے نیچے ہاتھ باندھے اور عورت سینے پر ہاتھ باندھے' حالانکہ مرد کے لیے ناف سے نیچے ہاتھ باندھنا کسی بھی صحیح حدیث میں نبی کریم ﷺ سے ثابت نہیں۔ بلکہ کئی صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ قیام کی حالت میں ناف سے اوپر

اور سینے پر ہاتھ باندھتے تھے اس لیے ہر مسلمان کو خواہ مرد ہو یا عورت نماز میں سینے پر ہاتھ باندھنے چاہئیں۔

چونکہ یہ حضرات جانتے تھے کہ ناف سے نیچے ہاتھ باندھنا رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں اس لیے انہوں نے اسے رائج کرنے کے لیے کئی طریقے اختیار کیے۔ کبھی یہ کہا کہ جس طرح ناف سے نیچے ہاتھ باندھنے کی روایت ثابت نہیں اسی طرح سینے پر ہاتھ باندھنے کی بھی ثابت نہیں۔ حالانکہ سینے پر ہاتھ باندھنے کی متعدد صحیح احادیث موجود ہیں۔ کبھی یہ کہا کہ ناف سے نیچے ہاتھ باندھنے کی صحیح حدیث موجود ہے اور اس کے لیے اتنی زبردست خیانت کی کہ کراچی کے ایک ادارے نے مصنف ابن ابی شیبہ شائع کرتے ہوئے ایک صحیح سند والی روایت کے ساتھ تحت السرۃ (زیرناف) کے الفاظ بڑھا دیئے۔

اس کشمکش میں یہ حضرات یہ بھی بھول گئے کہ جب وہ خود کہہ رہے ہیں کہ نہ سینے پر ہاتھ باندھنے کی کوئی حدیث صحیح ہے نہ ناف سے نیچے باندھنے کی تو ان کا یہ کہنا کس طرح درست ہوسکتا ہے کہ ناف سے نیچے ہاتھ باندھنے کی صحیح حدیث مصنف ابن ابی شیبہ میں موجود ہے۔ اور نہ ہی انہیں یہ خیال رہا کہ جب ان کے بقول رسول اللہ ﷺ سے نہ سینے پر ہاتھ باندھنا ثابت ہے اور نہ ناف سے نیچے تو ان کو کس نے حق دیا کہ وہ اپنے پاس سے مردوں کے لیے زیرناف اور عورتوں کے لیے سینے کے اوپر ہاتھ باندھنا مقرر کریں یہ تو صرف نبی ﷺ ہی اللہ تعالیٰ کے حکم سے مقرر کر سکتے ہیں جب آپ ؐ نے مقرر نہیں کیا تو بعد میں کسی کو یہ مقرر کرنے کا حق دینا تو اسے نبی کے مقام پر فائز کرنا ہے پھر تاج و تخت ختم نبوت کے تحفظ کا کیا بنے گا؟

حقیقت یہ ہے کہ ناف سے نیچے ہاتھ باندھنا ہرگز رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں نہ ہی اس چیز میں مرد عورت کا کوئی فرق آپ ؐ نے بیان فرمایا ہے آپ کا طریقہ سینے پر ہاتھ باندھنے کا ہی ہے۔

کچھ عرصہ بیشتر ایک صاحب ایک تحریر لے کر محترم حافظ عبدالمنان صاحب کے پاس حاضر ہوئے کہ مجھے ایک عالم نے ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کے دلائل لکھ کر دیئے ہیں۔ میں نے کئی حضرات سے جواب لکھنے کے لیے کہا ہے مگر ابھی تک کسی نے نہیں لکھا۔ آپ اس کا جواب لکھیں۔ چونکہ اس تحریر میں زیر ناف ہاتھ باندھنے والوں کے تقریباً تمام دلائل لکھے ہوئے تھے' مصنف ابن ابی شیبہ کی اضافہ کردہ روایت بھی نقل کی گئی تھی اور سینے پر ہاتھ باندھنے کی احادیث پر اعتراض کیے گئے تھے اس لیے محترم حافظ صاحب نے تفصیل سے سینے پر ہاتھ باندھنے کی احادیث ذکر کر کے ان پر اعتراضات کا جواب دیا خواہ وہ اس تحریر میں موجود تھے یا نہیں۔ اسی طرح زیر ناف ہاتھ باندھنے کی روایات کا ضعف خوب واضح کیا جس سے ہاتھ باندھنے کے موضوع پر ایک جامع رسالہ مرتب ہو گیا۔

اب وہ رسالہ افادۂ عام کے لیے شائع کیا جاتا ہے۔ پہلے وہ تحریر نقل کی جاتی ہے جس کے جواب میں رسالہ لکھا گیا ہے بعد میں رسالہ شروع ہوتا ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو حق سمجھنے کی اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

عبدالسلام بن محمد۔ سرفراز کالونی

جی ٹی روڈ گوجرانوالہ

۱۲/ رمضان المبارک ۱۴۰۸ھ



نماز میں ہاتھ اٹھانے کی کیفیت

احناف کے دلائل:

تکبیر تحریمہ میں ہاتھوں کے انگوٹھے کانوں کی لو تک اُٹھانا بھی سنت سے ثابت ہے لہٰذا تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھوں کو کندھے کے برابر اُٹھانا اور کانوں کی لو تک اُٹھانا حدیث سے ثابت ہے۔

حدیث میں ہے۔ حضرت وائل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا جب آپ نماز شروع کرتے تھے تو اپنے دونوں ہاتھ اُٹھاتے تھے یہاں تک کہ قریب تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں انگوٹھے آپؐ کے دونوں کانوں مبارک کی لو تک برابر ہو جاتے۔ (نسائی ج۱ص ۱۴۱)

دوسری حدیث میں ہے۔ حضرت انسؓ سے روایت کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع کرتے تھے تو تکبیر تحریمہ کہتے تھے اور دونوں ہاتھ اُٹھاتے تھے یہاں تک کہ انگوٹھوں کو کانوں کے برابر کرتے تھے پھر ثناء پڑھتے تھے۔ (دارقطنی ج۱ص۳۰۰)

نماز میں ہاتھ باندھنے کا قاعدہ حدیث کی روشنی میں:

جو حضرات نماز میں زیرِ ناف ہاتھ باندھنے کو غلط سمجھتے ہیں یا اس کے منکر ہیں یا زیرِ ناف ہاتھ باندھنے کے عمل کو توہین آمیز سمجھتے اور ان کا مذاق اُڑاتے ہیں ان بھائیوں کو یاد رکھنا چاہیے کہ سنت کا منکر بدعتی اور گنہگار رہتا ہے اور مذاق اُڑانے سے ایمان جاتا رہتا ہے۔

حدیث میں ہے۔ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں لوگوں کو حکم دیا جاتا تھا کہ وہ نماز میں اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں کلائی پر رکھیں۔ (بخاری ج۱ص۱۰۲)

اس حدیث میں نہ سینے پر ہاتھ باندھنے اور نہ ہی زیر ناف ہاتھ باندھنے کا ذکر ہے۔

دوسری حدیث میں ہے۔ حضرت وائل بن حجرؓ سے روایت ہے میں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا کہ آپؐ نے نماز میں اپنا داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر زیر ناف رکھا۔
(مصنف ابن ابی شیبہ ج ا ص ۳۹۰ آثار السنن ج ا ص ۶۹ ا وقال اسناد صحیح)

نوٹ: نماز میں زیر ناف باندھنے کی روائتیں حضرت علیؓ وحضرت ابراہیم نخعیؒ، حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت انسؓ سے بھی ملتی ہیں مگر وہ روائتیں ضعیف ہیں اور سینے پر ہاتھ باندھنے کی روائتیں حضرت ابن عباسؓ وقبیصہ بن ہلب اور وائل بن حجرؓ کی ملتی ہیں لیکن ان احادیث کے راوی کو محدثین کرام کثیر الخطا منکر الحدیث کثیر الغلط اور حافظہ میں کمزور اور غیر محفوظ قرار دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ سینے پر ہاتھ باندھنے کے جو دلائل ہیں وہ ان روایتوں سے بھی ابتر ہیں۔ لہذا جب طرفین کی احادیث محدثین کرامؒ کے اُصول سے صحیح نہیں ہے تو عوام الناس کو ورغلانا اور پریشان نہیں کرنا چاہیے کیونکہ ایسا عمل مؤمن کے شایانِ شان نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ امام مالکؒ نے ہاتھ چھوڑنے کو اختیار کیا ہے۔

البتہ ہاتھ باندھنے کے مسئلے کو امام ابو حنیفہؒ نے مشاہدہ سے لیا ہے انہوں نے خود صحابہؓ اور اکابر تابعین کو نماز پڑھتے دیکھا کیونکہ امام ابو حنیفہؒ خود تابعینؒ میں سے ہیں اسی لیے احناف اس مسئلے میں ضعیف اور کمزور و غلط روائتیں چھوڑ کر امام ابو حنیفہؒ کے مسلک پر عمل پیرا ہیں۔

فقہ: میں بھی زیر ناف کی احادیث اور فوق الصدر کی احادیث کے بارے میں لکھا ہے کہ روایت دونوں طرف ہیں مگر کمزور ہیں مگر یہ بات آپ کی کتب میں لکھی نہیں گئی ہے لہذا امام مجتہد جس عمل کو اختیار کرے وہ اس کی طرف سے تصحیح ہوتی ہے۔
اسی بنا پر امام ابو حنیفہؒ نے زیر ناف کو اختیار کیا ہے جیسا کہ اُوپر بتایا گیا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ.

امابعد: چند دنوں کی بات ہے کہ مسقط میں مقیم ایک پاکستانی دوست محمد آصف اعوان نے ایک تحریر دکھائی جو اللہ کا نام درج کیے بغیر لکھی گئی۔ پھر لکھنے والے صاحب بہادر نے اس پر اپنے دستخط بھی ثبت نہیں کیے جس سے اس تحریر کا علمی اور تحقیقی وزن تو عیاں ہو رہا ہے تاہم اس دوست نے باصرار مطالبہ کیا کہ اس کا جواب ضرور لکھا جائے چنانچہ ان کے مطالبہ پر بتوفیق اللہ تعالیٰ وعونہ جواب لکھا جاتا ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو دنیا و آخرت کی سعادت سے ہمکنار فرمائے۔

کندھوں اور کانوں تک ہاتھ اُٹھانا

صاحب تحریر[1] لکھتے ہیں ''تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھوں کو کندھے کے برابر اُٹھانا اور کانوں کی لو تک اُٹھانا حدیث سے ثابت ہے'' اس کے بعد انہوں نے کانوں تک ہاتھ اُٹھانے کی صرف دو روائتیں پیش کی ہیں۔ جو دونوں ہی ضعیف ہیں جیسے تفصیل آگے آئے گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

---

[1] صاحب تحریر سے مراد اوپر ذکر شدہ ''ایک تحریر'' والے بزرگ ہیں چونکہ انہوں نے اپنا نام پتہ نہیں لکھا اس لیے یہ طریقہ اختیار کیا گیا اور ان کی اس تحریر کو پہلے درج کر دیا گیا ہے۔ منہ

نیز کندھوں تک ہاتھ اُٹھانے کی احادیث اور کانوں تک ہاتھ اُٹھانے کی صحیح احادیث کو صاحبِ تحریر نے بالکل ذکر ہی نہیں کیا حالانکہ وہ احادیث مبارکہ ان دو کتابوں میں بھی موجود ہیں جن دو کتابوں سے انہوں نے کانوں تک ہاتھ اٹھانے کی دوضعیف روایتیں نقل کی ہیں آخر ایسا کیوں؟ کہیں اس لیے تو نہیں کہ ان میں رکوع جاتے اور رکوع سے سر اُٹھاتے وقت کندھوں یا کانوں تک ہاتھ اُٹھانے کا بھی ذکر ہے جو صاحبِ تحریر کی طبع نازک کو ناگوار ہے۔

کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

ہم تو صرف یہی کہہ سکتے ہیں کہ ایسا کرنا ان لوگوں کا کام نہیں جو عوام الناس کی خیر خواہی کرنے کے جذبہ سے سرشار اور کل کلاں اللہ تعالیٰ کے روبرو پیش ہو کر کامیابی وکامرانی کے سزاوار بننے کے خواہشمند ہیں۔

پیش کردہ روایت نمبر ۱ کا حال

صاحب تحریر کہتے ہیں ''حضرت وائل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا جب آپ نماز شروع کرتے تو اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے تھے یہاں تک کہ قریب تھا آپ کے دونوں انگوٹھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں کانوں مبارک کی لوتک برابر ہو جاتے''۔ (نسائی ج ۱ ص ۱۴۱)

یہ روایت سنن نسائی **کتاب الافتتاح باب موضع الابهامين عند الرفع** میں مذکور ہے اس کی سند میں عبدالجبار بن وائل بن حجرؒ ہے جو اس روایت کو اپنے باپ وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے بیان کرتا ہے۔ اس عبدالجبار نے اپنے باپ وائلؓ سے کوئی حدیث نہیں سنی لہٰذا یہ روایت بوجہ انقطاع ضعیف ہے۔ تقریب التہذیب میں لکھا ہے ''**ثقة لكنه ارسل عن ابيه**'' ہے تو ثقہ لیکن اس نے اپنے باپ سے بارسال وانقطاع بیان کیا ہے۔ اس کی زیادہ تفصیل آپ کو تہذیب التہذیب میں ملے گی۔

اسی عبدالجبار بن وائل کی شروع نماز میں کانوں تک ہاتھ اُٹھانے کی ایک

اور روایت نسائی میں زیر عنوان "رفع الیدین حیال الاذنین" مذکور ہے مگر صاحب تحریر نے وہ نقل نہیں فرمائی کیونکہ اس میں رسول اللہ ﷺ کا بآواز بلند آمین کہنا بھی موجود ہے جس سے ان بزرگوں کو زبردست کد ہے۔ گو روایت یہ بھی بوجہ انقطاع ضعیف ہی ہے باقی بآواز بلند آمین کہنے کی اور صحیح احادیث بھی موجود ہیں۔



پیش کردہ روایت نمبر۲ کا حال



صاحبِ تحریر فرماتے ہیں "حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ جب نماز شروع کرتے تھے تو تکبیر کہتے تھے اور دونوں ہاتھ اُٹھاتے تھے یہاں تک کہ انگوٹھوں کو کانوں کے برابر کرتے تھے پھر ثنا پڑھتے تھے"۔ (دارقطنی ج ۱ ص ۳۰۰)

علامہ زیلعی حنفی نصب الرایہ ج ۱ ص ۳۲۰ میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی مذکورہ بالا روایت کو دارقطنی کے حوالہ سے نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: "دارقطنی نے کہا اس کی اسناد کلھم ثقہ ہیں انتہی اور حسین بن علی بن الاسود۔ اس روایت کی سند میں ایک راوی۔ مروزی نے کہا اس کی بابت امام احمد پوچھے گئے تو انہوں نے فرمایا میں اس کو نہیں پہچانتا' ابو حاتم نے کہا صدوق ہے' ابن عدی نے کہا حدیث چراتا ہے اور اس کی احادیث پر متابعت نہیں کی جاتی' ازدی نے کہا انتہائی ضعیف ہے وہ اس کی حدیث میں کلام کرتے ہیں' ابن حبان نے اس کو ثقات میں ذکر کیا اور کہا بسا اوقات اس نے خطا کی ہے۔ انتہی

اور ابن ابی حاتم نے اپنی علل میں کہا میں نے اپنے باپ سے سنا انہوں نے ایک حدیث ذکر کی اور فرمایا اس کو محمد بن الصلت نے ابو خالد الاحمر سے روایت کیا اس نے حمید سے اس نے انسؓ سے افتتاحِ صلوٰۃ میں:

سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ.... الخ

اور یہ کہ آپ کانوں کے برابر تک ہاتھ اٹھاتے تھے اس کے بعد ابو حاتم نے فرمایا یہ حدیث جھوٹ ہے اس کی کوئی اصل و بنیاد نہیں اور محمد بن الصلت لا باس بہ ہے میں نے

اس سے حدیث لکھی ہے۔اھ

اصل عربی عبارت ملاحظہ ہو علامہ زیلعی حنفی نصب الرایہ میں محولہ بالا مقام پر لکھتے ہیں:

"ثُمَّ قَالَ:إِسْنَادُهُ كُلُّهُمْ ثِقَاتٌ. انْتَهٰى وَالْحُسَيْنُ بْنُ عَلِيِّ الْاَسْوَدُ قَالَ الْمَرْوَزِيُّ سُئِلَ عَنْهُ اَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ فَقَالَ: لَا اَعْرِفُهُ. وَقَالَ اَبُوْحَاتِمٍ: صُدُوْقٌ. وَقَالَ ابْنُ عَدِيٍّ: يَسْرِقُ الْحَدِيْثَ' وَاَحَادِيْثُهُ لَايُتَابَعُ عَلَيْهَا. وَقَالَ الْاَزْدِيُّ: ضَعِيْفٌ جِدًّا يَتَكَلَّمُوْنَ فِيْ حَدِيْثِهٖ. وَذَكَرَهُ ابْنُ حِبَّانَ فِي الثِّقَاتِ وَقَالَ: رُبَّمَا اَخْطَاءَ. اِنْتَهٰى وَقَالَ ابْنُ اَبِيْ حَاتِمٍ فِيْ عِلَلِهٖ: سَمِعْتُ اَبِيْ وَذَكَرَ حَدِيْثًا رَوَاهُ مُحَمَّدُ بْنُ الصَّلْتِ عَنْ اَبِيْ خَالِدِ الْاَحْمَرِ عَنْ حُمَيْدٍ عَنْ اَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي افْتِتَاحِ الصَّلٰوةِ: سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ. وَاَنَّهٗ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ اِلٰى حَذْوِ اُذُنَيْهِ فَقَالَ: هٰذَا حَدِيْثٌ كَذِبٌ لَا اَصْلَ لَهٗ' وَمُحَمَّدُ بْنُ الصَّلْتِ لَابَأْسَ بِهٖ كَتَبْتُ عَنْهُ. اھ"۔

نوٹ نمبرا: علامہ زیلعی حنفی نے قول: اسناده كلهم ثقات. کو دارقطنی کی طرف منسوب فرمایا مگر مجھے ابھی تک یہ قول سنن دارقطنی میں نہیں ملا۔

نوٹ نمبر۲: الحسین بن علی الاسود نصب الرایہ کے میرے پاس موجود نسخہ میں اسی طرح لکھا ہے مگر نصب الرایہ میں ہی اس سے چند سطور پہلے' دارقطنی اور تقریب وغیرہ میں یہی نام الحسین بن علی بن الاسود لکھا ہے۔

نوٹ نمبر۳: اس حدیث کی سند میں ایک راوی حمید بھی ہیں یہ صاحب مدلس ہیں اور اس حدیث کو بصیغہ عن بیان کرتے ہیں اور اُصولِ حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ مدلس کی حدیث سماع کی تصریح کے بغیر قابل قبول نہیں ہوتی یا پھر اس کی کوئی مقبول متابعت مل جائے۔

کانوں تک ہاتھ اُٹھانے کی صحیح احادیث

کندھوں اور کانوں تک ہاتھ اُٹھانا دونوں طریقے رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہیں البتہ صاحب تحریر کا ان کو تکبیر تحریمہ کے ساتھ مخصوص ومقید کرنا بے بنیاد ہے جیسا کہ واضح کیا جائے گا ان شاء اللہ' صاحبِ تحریر نے کانوں تک ہاتھ اُٹھانے کی دو روایتیں پیش کی تھیں جو دونوں ہی ضعیف ہیں جیسا کہ بدلائل واضح کیا جا چکا ہے اس لیے ضرورت تھی کہ کانوں تک ہاتھ اُٹھانے کی چند ایک صحیح احادیث پیش کی جائیں لہٰذا نیچے وہ درج کی جاتی ہیں:

پہلی حدیث:

عَنْ مَالِكِ بْنِ الْحُوَيْرِثِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا كَبَّرَ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتّٰى يُحَاذِيَ بِهِمَا اُذُنَيْهِ وَاِذَا رَكَعَ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتّٰى يُحَاذِيَ بِهِمَا اُذُنَيْهِ' وَاِذَا رَفَعَ رَاْسَهٗ مِنَ الرُّكُوْعِ فَقَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ فَعَلَ مِثْلَ ذَالِكَ. (صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۶۸)

''مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب تکبیر کہتے تھے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو اُٹھاتے تھے حتیٰ کہ ان دونوں کو اپنے کانوں کے برابر لے جاتے اور جب رکوع کرتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو اُٹھاتے حتیٰ کہ ان کو اپنے کانوں کے برابر لے جاتے اور جب رکوع سے سر اُٹھاتے پس سمع اللہ لمن حمدہ کہتے تو بھی اس کی مثل کرتے''۔

سوال وجواب:

اس حدیث کی سند میں ایک راوی قتادہ بن دعامہ سدوسی مدلس ہیں اور بلفظ عن روایت کرتے ہیں؟ جواباً گزارش ہے کہ یہی حدیث امام نسائی نے کتاب الافتتاح میں زیر عنوان ''رفع الیدین حیال الاذنین'' روایت کی ہے جس میں قتادہ موصوف نے سماع کی تصریح فرما دی ہے نیز نسائی کی اس سند میں قتادہ سے بیان کرنے والے

راوی شعبہ ہیں لہٰذا قتادہ کی تدلیس والا اعتراض جاتا رہا۔

فائدہ نمبر۱: نسائی کی اس مقام پر بیان کردہ مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ کی شعبہ والی حدیث میں سجدوں میں رفع الیدین کرنے کا ذکر نہیں اس سے نسائی کے دوسرے مقام پر شعبہ والی روایت میں سجدوں میں رفع یدین کے ذکر ہونے کے وہم ہونے کی طرف اشارہ ہوتا ہے یا پھر سعید میں تصحیف ہوکر شعبہ بن گیا ہے جیسا کہ انور شاہ کشمیری حنفی وغیرہ نے تصریح فرمائی ہے۔ بعض کہتے ہیں صحیح ابی عوانہ میں شعبہ نے سعید کی متابعت کی ہے مگر ان کا یہ کہنا ان کے لیے مفید مطلب نہیں کیونکہ صحیح ابی عوانہ والی شعبہ کی روایت میں بھی نسائی کی شعبہ والی اس روایت کی طرح سجدوں میں رفع یدین کا ذکر نہیں۔

فائدہ نمبر۲: اس حدیث سے ثابت ہوا کہ کانوں تک ہاتھ اُٹھانا تکبیر تحریمہ کے ساتھ ہی مخصوص نہیں بلکہ رکوع جاتے اور اس سے سر اُٹھاتے وقت کانوں تک ہاتھ اُٹھانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔

دوسری حدیث:

عَنْ وَائِلِ بْنِ حَجَرٍ اَنَّهٗ رَاَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَفَعَ يَدَيْهِ حِيْنَ دَخَلَ فِي الصَّلٰوةِ كَبَّرَ وَ وَصَفَ هَمَامٌ حِيَالَ اُذُنَيْهِ، ثُمَّ الْتَحَفَ بِثَوْبِهٖ، ثُمَّ وَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنٰى عَلَى الْيُسْرٰى فَلَمَّا اَرَادَ اَنْ يَّرْكَعَ اَخْرَجَ يَدَيْهِ مِنَ الثَّوْبِ ثُمَّ رَفَعَهُمَا ثُمَّ كَبَّرَ فَرَكَعَ فَلَمَّا قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ رَفَعَ يَدَيْهِ، فَلَمَّا سَجَدَ سَجَدَ بَيْنَ كَفَّيْهِ. (صحیح مسلم ج۱ص۱۷۳)

''وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپ نے ہاتھ اُٹھائے جب آپ نماز میں داخل ہوئے آپ نے تکبیر کہی اور ہمام نے بیان کیا اپنے کانوں کے برابر پھر آپ نے کپڑا لپیٹ لیا پھر آپ نے اپنا دایاں ہاتھ بائیں کے اوپر رکھا لیا پس جب آپ نے رکوع کرنے کا

ارادہ کیا تو آپ نے دونوں ہاتھ کپڑے سے باہر نکالے پھر ان کو اُٹھایا پھر تکبیر کہی تو رکوع کیا پس جب آپ نے سمع اللّٰہ حمدہ کہا تو آپ نے دونوں ہاتھ اُٹھائے پس جب آپ نے سجدہ کیا تو دونوں ہتھیلیوں کے درمیان سجدہ کیا''۔

امام نسائی نے اس حدیث کو اس طرح بیان فرمایا ہے:

اَیْ وَائِلُ بْنُ حَجَرٍ قَالَ قُلْتُ: لَاَنْظُرَنَّ اِلٰی صَلَاۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَیْفَ یُصَلِّیْ؟ فَنَظَرْتُ اِلَیْہِ، فَقَامَ فَکَبَّرَ، وَرَفَعَ یَدَیْہِ حَتّٰی حَاذَتَا بِاُذُنَیْہِ، ثُمَّ وَضَعَ یَدَہُ الْیُمْنٰی عَلٰی کَفِّہِ الْیُسْرٰی وَالرُّسْغِ وَالسَّاعِدِ، فَلَمَّا اَرَادَ اَنْ یَّرْکَعَ رَفَعَ یَدَیْہِ مِثْلَھَا قَالَ: وَوَضَعَ یَدَیْہِ عَلٰی رُکْبَتَیْہِ. ثُمَّ لَمَّا رَفَعَ رَأْسَہٗ رَفَعَ یَدَیْہِ مِثْلَھَا، ثُمَّ سَجَدَ فَجَعَلَ کَفَّیْہِ بِحَذَاءِ اُذُنَیْہِ، ثُمَّ قَعَدَ وَافْتَرَشَ رِجْلَہُ الْیُسْرٰی عَلٰی فَخِذِہٖ وَرُکْبَتِہِ الْیُسْرٰی وَجَعَلَ حَدِّ مِرْفَقِہِ الْاَیْمَنَ عَلٰی فَخِذِہِ الْیُمْنٰی، ثُمَّ قَبَضَ اثْنَتَیْنِ مِنْ اَصَابِعِہٖ وَحَلَّقَ حَلْقَۃً، ثُمَّ رَفَعَ اِصْبَعَہٗ فَرَأَیْتُہٗ یُحَرِّکُھَا یَدْعُوْبِھَا. (کتاب الافتتاح باب موضع الیمین من الشمال فی الصلوٰۃ)

''وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے کہا میں ضرور بالضرور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز دیکھوں گا آپ کیسے نماز پڑھتے ہیں؟ چنانچہ میں نے آپ کو دیکھا پس آپ کھڑے ہوئے تو آپ نے تکبیر کہی اور دونوں ہاتھ اُٹھائے حتیٰ کہ وہ دونوں کانوں کے برابر ہو گئے پھر آپ نے اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں ہتھیلی۔ گٹ اور کلائی پر رکھ لیا پس جب آپ نے رکوع کرنے کا رادہ کیا تو آپ نے پہلے کی طرح ہاتھ اُٹھائے اس (وائل بن حجرؓ) نے کہا پھر آپ نے دونوں ہاتھ گھٹنوں پر رکھ لیے تو پھر جب آپ نے سر اُٹھایا تو پہلے کی طرح ہاتھ اٹھائے پھر آپ نے سجدہ کیا تو اپنی ہتھیلیوں کو کانوں کے برابر

رکھا' یعنی زمین پر۔ پھر آپ بیٹھ گئے اور بائیں پاؤں کو بچھا لیا اور بائیں ہتھیلی کو بائیں ران اور گھٹنے پر رکھ لیا اور دائیں کہنی کی حد کو دائیں ران پر کر دیا پھر آپ نے اپنی انگلیوں سے دو انگلیوں کو بند کر لیا اور حلقہ بنا لیا پھر آپ نے اپنی ایک انگلی کو اُٹھا لیا تو میں نے آپ کو اسے ہلاتے دیکھا آپ اس سے دعاء و اشارہ فرما رہے ہیں''۔

فائدہ: اس حدیث سے بھی ثابت ہوا کہ کانوں تک ہاتھ اُٹھانا کوئی تکبیر تحریمہ کے ساتھ مخصوص و مقید نہیں بلکہ رکوع جاتے اور رکوع سے سر اُٹھاتے وقت بھی کانوں تک ہاتھ اُٹھانا رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے لہٰذا صاحبِ تحریر وغیرہ کا اسے تکبیر تحریمہ کے ساتھ ہی مخصوص سمجھنا درست نہیں۔

کندھوں تک ہاتھ اُٹھانے کی صحیح احادیث

صاحبِ تحریر نے تکبیر تحریمہ کے وقت کندھوں تک ہاتھ اُٹھانے کے متعلق یہ تو لکھا ہے ''حدیث سے ثابت ہے'' مگر انہوں نے اس سلسلہ میں کوئی حدیث نقل نہیں فرمائی نہ ہی صحیح اور نہ ہی ضعیف حالانکہ انہوں نے کانوں تک ہاتھ اُٹھانے کے متعلق دو ضعیف روایتیں پیش کی ہیں۔ انصاف کا تقاضا تھا کہ وہ کندھوں تک ہاتھ اُٹھانے کی بھی ایک دو احادیث پیش فرما دیتے خدا جانے ایسا کرنے میں ان کی کیا مصلحت ہے شاید یہی کہ کندھوں تک ہاتھ اُٹھانے والی کئی احادیث میں رکوع والا رفع الیدین بھی بیان ہوا ہے جو انہیں ناگوار ہے اور ان کے علاوہ اس مضمون کی کوئی حدیث انہیں ملی نہیں۔

نیز وہ اپنی اس تحریر میں رکوع جاتے اور اس سے سر اُٹھاتے وقت کندھوں یا کانوں تک ہاتھ اُٹھانے کو گول ہی کر گئے ہیں اس لیے ہم نے ان دو مقاموں پر بھی کانوں تک ہاتھ اُٹھانے کی چند ایک احادیث پہلے بیان کر دی ہیں۔ اب کے تکبیر تحریمہ' رکوع جاتے' رکوع سے سر اُٹھاتے اور دو رکعتوں سے اُٹھ کر کندھوں تک ہاتھ اُٹھانے کی چند ایک احادیث بیان کرتے ہیں۔

پہلی حدیث:

اَنَّ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ عُمَرَ قَالَ: رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ افْتَتَحَ التَّكْبِيْرَ فِي الصَّلٰوةِ فَرَفَعَ يَدَيْهِ حِيْنَ يُكَبِّرُ حَتّٰى يَجْعَلَهُمَا حَذْوَ مَنْكِبَيْهِ، وَاِذَا كَبَّرَ لِلرُّكُوْعِ فَعَلَ مِثْلَهٗ، وَاِذَا قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ فَعَلَ مِثْلَهٗ وَ قَالَ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ وَلَا يَفْعَلُ ذٰلِكَ حِيْنَ يَسْجُدُ وَلَا حِيْنَ يَرْفَعُ رَأْسَهٗ مِنَ السُّجُوْدِ. (صحیح بخاری جلد اوّل باب الی این یرفع یدیہ وقال ابوحمید فی اصحابہ رفع النبی ﷺ حذو منکبیہ صحیح مسلم ج ا ص ۱۶۸)

''عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں' میں نے نبی ﷺ کو دیکھا' آپ نے نماز میں تکبیر شروع کی تو آپ نے ہاتھ اُٹھائے جب تکبیر کہی حتیٰ کہ آپ ان دونوں کو اپنے کندھوں کے برابر کرتے اور جب آپ رکوع کے لئے تکبیر کہتے تو اسی طرح کرتے' اور جب سمع اللہ لمن حمدہ کہتے تو اسی طرح کرتے اور ربنا ولک الحمد کہتے اور یہ (رفع یدین) نہ کرتے جس وقت سجدہ کرتے اور نہ ہی جس وقت سجدہ سے سر اُٹھاتے''۔

دوسری حدیث:

عَنْ عَلِيٍّ قَالَ: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَامَ اِلَى الصَّلٰوةِ الْمَكْتُوْبَةِ كَبَّرَ وَ رَفَعَ يَدَيْهِ حَذْوَ مَنْكِبَيْهِ وَ يَصْنَعُ مِثْلَ ذٰلِكَ اِذَا قَضٰى قِرَاءَتَهٗ فَاَرَادَ اَنْ يَّرْكَعَ وَ يَصْنَعُهٗ اِذَا رَفَعَ رَأْسَهٗ مِنَ الرُّكُوْعِ وَلَا يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِيْ شَيْئٍ مِنْ صَلٰوةٍ وَهُوَ جَالِسٌ فَاِذَا قَامَ مِنَ السَّجْدَتَيْنِ رَفَعَ يَدَيْهِ كَذٰلِكَ وَ كَبَّرَ. (سنن دارقطنی ج ا ص ۲۸۷)

''علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ جب فرضی نماز کی طرف کھڑے ہوتے تو تکبیر کہتے اور اپنے کندھوں کے برابر اپنے دونوں ہاتھ اُٹھاتے اور اسی طرح کرتے جب قرأت پوری کر لیتے تو

رکوع کا ارادہ کرتے اور یہی کام کرتے جب رکوع سے سر اُٹھاتے اور بیٹھا ہوا ہونے کی حالت میں رفع یدین نہ کرتے' پس جب دو سجدوں' یعنی دو رکعتوں سے کھڑے ہوتے تو اسی طرح رفع یدین کرتے اور تکبیر کہتے''۔

التعلیق المغنی میں لکھا ہے:

اَلْحَدِيْثُ اَخْرَجَهُ اَصْحَابُ السُّنَنِ الْاَرْبَعَةِ وَالْبُخَارِيُّ فِيْ كِتَابِهِ فِيْ رَفْعِ الْيَدَيْنِ عَنْ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ ، وَ قَالَ التِّرْمَذِيُّ: حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ. قَالَ الشَّيْخُ فِي الْاِمَامِ وَ رَأَيْتُ فِيْ عِلَلِ الْخِلَالِ عَنْ اِسْمٰعِيلَ بْنِ اِسْحَاقَ الثَّقَفِيِّ قَالَ :سُئِلَ اَحْمَدُ عَنْ حَدِيْثِ عَلِيٍّ هٰذَا فَقَالَ :صَحِيْحٌ. قَالَ الشَّيْخُ :وَ قَوْلُهُ فِيْهِ :وَاِذَا قَامَ مِنَ السَّجْدَتَيْنِ - يَعْنِيْ رَكْعَتَيْنِ - اِنْتَهٰى وَ قَالَ النَّوَوِيُّ فِي الْخَلَاصَةِ :وَقَعَ فِيْ لَفْظِ اَبِيْ دَاوُدَ :السَّجْدَتَيْنِ . وَ فِيْ لَفْظِ التِّرْمَذِيِّ :الرَّكْعَتَيْنِ. وَالْمُرَادُ بِالسَّجْدَتَيْنِ الرَّكْعَتَانِ يَدُلُّ عَلَيْهِ الرِّوَايَةُ الْاُخْرٰى.

''اس حدیث کو چاروں سنن (سنن ابی داوٗد' سنن ترمذی' سنن نسائی اور سنن ابن ماجہ) کے مؤلفین اور امام بخاری نے اپنے مسئلہ رفع الیدین پر کتاب میں علی بن ابی طالب سے روایت کیا ہے اور ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ الشیخ نے امام میں کہا میں نے خلال کی علل میں اسماعیل بن اسحاق ثقفی سے روایت دیکھی وہ کہتے ہیں علی رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کے متعلق امام احمد سے سوال کیا گیا تو انہوں نے جواباً فرمایا یہ صحیح ہے۔ الشیخ نے کہا اس میں لفظ و اذا قام من السجدتین سے مراد دو رکعتیں ہیں۔ اور نووی نے خلاصہ میں کہا' ابوداوٗد کی روایت میں لفظ ''السجدتین'' ہے اور ترمذی کی روایت میں لفظ ''الرکعتین'' اور ''سجدتین'' سے مراد رکعتیں ہیں' دوسری روایت اس پر دلالت کرتی ہے''۔

فائدہ: ان احادیث میں بھی تکبیر تحریمہ کی کوئی تخصیص نہیں بلکہ تکبیر تحریمہ' رکوع جاتے اور رکوع سے سر اُٹھاتے وقت کندھوں تک رفع الیدین (ہاتھ اُٹھانے) کا ثبوت ہے' بعض لوگ زبانی کلامی کندھوں تک رفع الیدین کے نبی کریم ﷺ سے ثابت ہونے کو تسلیم تو کر لیتے ہیں مگر اپنی پوری زندگی میں اس پر عمل ایک دفعہ بھی نہیں کرتے انہیں اپنے اس رویہ پر نظر ثانی فرمانی چاہیے۔

سوال و جواب:

بعض لوگ کہتے ہیں رکوع جاتے اور رکوع سے سر اُٹھاتے وقت کندھوں یا کانوں تک ہاتھ اُٹھانے کی احادیث پہلے کی ہیں' بعد میں جب رکوع والا رفع الیدین ہی منسوخ ہو گیا تو رکوع والے رفع الیدین کی ہیئت کذائی خود بخود ختم ہو گئی لہٰذا صاحب تحریر کا تکبیر تحریمہ والی بات کہنا بجا ہے؟

جواباً گزارش ہے کہ رکوع والا رفع الیدین منسوخ نہیں' چنانچہ مولانا انور شاہ صاحب کشمیری حنفی' مولانا محمد یوسف بنوری حنفی مولانا عبدالحی لکھنوی حنفی اور دیگر کئی حنفی بزرگ اپنی کتابوں میں رکوع والے رفع الیدین کے منسوخ ہونے کی تردید کرتے ہیں' لہٰذا ان چاروں مقامات پر کندھوں یا کانوں تک رفع الیدین کرنا رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے' محکم ہے منسوخ ہرگز نہیں' تو اس بے بنیاد اور بالکل غلط دعوائے نسخ کو ان مقاموں پر رفع الیدین کی ہیئت کذائی کے ختم ہونے کا بہانا بنانا نرا افسانہ ہے جس میں حقیقت کا شائبہ تک نہیں۔

نوٹ: صاحبِ تحریر لکھتے ہیں ''تکبیر تحریمہ میں ہاتھوں کے انگوٹھے کانوں کی لو تک اُٹھانا بھی سنت ہے''۔ اس دعویٰ کے جو دلائل انہوں نے پیش فرمائے ان کا حال پہلے لکھا جا چکا ہے کہ وہ کمزور اور ضعیف ہیں۔ اب مقام پر ایک اور بات کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے' اور وہ یہ کہ صاحبِ تحریر کا لفظ ''بھی'' بتا رہا ہے کہ اس مقام پر کندھوں تک ہاتھ اُٹھانا بھی ان کے نزدیک سنت ہے۔ حالانکہ حنفی اصطلاحات کی

روشنی میں کندھوں تک اور کانوں کی لو تک دونوں کو سنت قرار دینا درست نہیں کیونکہ حنفی حضرات عام طور پر سنت کے دو ہی معانی بیان کرتے ہیں۔(۱) جس پر رسول اللہ ﷺ نے مواظبت وہمیشگی کی ہو۔(۲) جس کو رسول اللہ ﷺ کا عمل میں لانا اس کے عمل میں نہ لانے سے اکثر وزیادہ ہو۔ اور ان دونوں معنوں کے لحاظ سے ہاتھ اُٹھانے کی مذکورہ بالا دونوں کیفیتوں کو سنت کا نام نہیں دیا جا سکتا کہ ان دونوں کیفیتوں سے جس کیفیت پر بھی رسول اللہ ﷺ کے عمل کی مواظبت یا کثرت تسلیم کی جائے گی دوسری کیفیت پر آپ کے عمل کی مواظبت اور کثرت خود بخود ختم ہو جائے گی اور وہ مذکورہ دونوں معنوں کی رو سے سنت نہ رہے گی۔ اس نوٹ سے مواضع ثلاثہ میں (رکوع جاتے' رکوع سے سر اٹھاتے وقت اور دو رکعتوں سے اُٹھ کر) رفع الیدین کرنے اور نہ کرنے دونوں کے سنت ہونے والے نظریہ کی بھی قلعی کھل رہی ہے کہ حنفی اصطلاحات کی روشنی میں یہ صاحب تحریر کے مذکورہ بالا دعویٰ سے بھی بڑھ کر ہے۔ رہے اہلحدیث تو ان کی تحقیق کے مطابق کندھوں اور کانوں تک ہاتھ اُٹھانا دونوں سنت ہیں' اور رفع الیدین کرنا تو سنت ہے جبکہ رفع الیدین نہ کرنا سنت کا ترک اور اس کی مخالفت' دلائل کا یہ موقع نہیں کتابوں میں پڑھ لیں۔



زیر ناف یا سینہ پر ہاتھ نہ باندھنے والوں پر فتویٰ



صاحب تحریر فرماتے ہیں ''جو حضرات نماز میں زیر ناف ہاتھ باندھنے کو غلط سمجھتے ہیں یا اس کے منکر ہیں یا زیر ناف ہاتھ باندھنے کے عمل کو توہین آمیز سمجھتے اور ان کا مذاق اڑاتے ہیں ان بھائیوں کو یاد رکھنا چاہئے کہ سنت کا منکر بدعتی اور گنہگار ہوتا ہے اور مذاق اُڑانے سے ایمان جاتا رہتا ہے''۔

اس فتویٰ پر کئی وجوہ سے مناقشہ ہے' اوّلاً زیر ناف ہاتھ باندھنا رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے ہی نہیں' اس سلسلہ میں جتنی روایات ہیں سب ضعیف اور کمزور ہیں۔ کئی حنفی بزرگ ان کے ضعف کی تصریح فرما چکے ہیں۔ حتیٰ کہ صاحب تحریر نے خود اپنی اس

تحریر میں بھی ان کے ضعف کا برملا اعتراف واقرار کیا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں: ''اسی لئے احناف اس مسئلے میں ضعیف اور کمزور و غلط روایتیں چھوڑ کر ...الخ''۔ نیز لکھتے ہیں: ''جب طرفین کی احادیث محدثین کرام کے اصول سے صحیح نہیں تو...الخ''۔ مزید لکھتے ہیں ''فقہ میں بھی زیر ناف کی احادیث اور فوق الصدر کی احادیث کے بارے میں لکھا ہے کہ روایت دونوں طرف ہیں مگر کمزور ہیں''۔ تو صاحب تحریر نے اپنی اس تحریر میں تین جگہ اعتراف اور اقرار کیا کہ زیر ناف ہاتھ باندھنے کی احادیث و روایات صحیح نہیں ضعیف اور کمزور ہیں تو ثابت ہوا کہ زیر ناف ہاتھ باندھنا رسول اللہ ﷺ کی سنت نہیں' اس کا منکر سنت کا منکر نہیں اور اس کا مذاق اڑانے والا سنت کا مذاق اڑانے والا نہیں' نیز اس کو غلط سمجھنے والا سنت کو غلط سمجھنے والا نہیں اور اس عمل کو توہین آمیز سمجھنے والا سنت کو توہین آمیز سمجھنے والا بھی نہیں تو صاحب فتویٰ غور فرمائیں کہ وہ کس منہ سے زیر ناف ہاتھ باندھنے کے منکروں کو بدعتی بنا رہے ہیں؟ اور کس بنیاد پر اس کا مذاق اڑانے والوں کو ایمان سے عاری گردان رہے ہیں؟ **كبرت كلمته تخرج من افواههم** ۔

لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

نوٹ: صاحب تحریر وغیرہ کا سینہ پر ہاتھ باندھنے کی تمام احادیث کو ضعیف قرار دینا درست نہیں کیونکہ سینے پر یا ناف سے اُوپر ہاتھ باندھنے کی کئی احادیث صحیح بھی ہیں تفصیل آگے آئے گی۔ ان شاء اللہ۔

ثانیاً: اگر صاحب تحریر کے اس فتویٰ کے وزن پر کوئی صاحب یہ کہہ دیں ''جو حضرات نماز میں سینے پر ہاتھ باندھنے کو غلط سمجھتے ہیں یا اس کے منکر ہیں یا سینے پر ہاتھ باندھنے کے عمل کو توہین آمیز سمجھتے ہیں اور ان کا مذاق اڑاتے ہیں' ان بھائیوں کو یاد رکھنا چاہیے کہ سنت کا منکر بدعتی اور گنہگار ہوتا ہے اور مذاق اڑانے سے ایمان جاتا رہتا ہے'' تو فرمایئے صاحب تحریر کا جواب کیا ہو؟ جبکہ سینے پر ہاتھ باندھنے کی کئی ایک احادیث صحیح بھی ہیں' پھر کئی ایک حنفی بزرگوں نے ان کے صحیح ہونے کی تصدیق و تائید

بھی کی ہے چنانچہ تفصیل آ رہی ہے۔ان شاء اللہ۔

ثالثاً: صاحب تحریر لکھتے ہیں ’’یہی وجہ ہے کہ امام مالکؒ نے ہاتھ چھوڑنے کی اختیار کی ہے‘‘ پتہ چلا صاحب تحریر کے ہاں امام مالکؒ زیر ناف ہاتھ باندھنے کو بھی سنت نہیں مانتے اور امام شافعیؒ کا مذہب بھی یہی ہے کہ وہ بھی زیر ناف ہاتھ باندھنے کو سنت نہیں مانتے اور ناف سے اُوپر ہاتھ باندھنے کے قائل ہیں۔ پھر امام احمد بھی زیر ناف ہاتھ باندھنے کو سنت نہیں مانتے تو یہ ائمہ ثلاثہ زیر ناف ہاتھ باندھنے کے سنت ہونے کے منکر ہیں تو اب صاحب تحریر سے ہم پوچھتے ہیں آیا وہ ان تینوں اماموں کو اپنے فتویٰ یا تقویٰ کی رُو سے واقعی بدعتی ہی سمجھتے ہیں؟ غور کا مقام ہے اس کی کیا دلیل ہے کہ امام ابوحنیفہؒ زیر ناف ہاتھ باندھنے کو رسول اللہ ﷺ کی سنت سمجھتے تھے؟ اس تحریر میں تو انہوں نے اس کی بھی کوئی دلیل پیش نہیں کی سوچیں کہیں امام ابوحنیفہ بھی اس فتویٰ کی رو سے بدعتی نہ بن جائیں۔

رابعاً: معلوم ہے کہ رکوع والا رفع الیدین رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے‘ چنانچہ بہت سے حنفی بزرگوں نے بھی اس کے سنت ہونے کی تصریح فرمائی ہے‘ ادھر بہت سے حنفیوں کا اس سنت سے انکار کرنا اور اس کا مذاق اُڑانا مشہور زمانہ ہے‘ حتیٰ کہ خود امام ابوحنیفہؒ کے متعلق علامہ زیلعی حنفی نصب الرایہ میں امام بخاری کی کتاب جزء رفع الیدین کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

وَ کَانَ ابْنُ الْمُبَارَکِ یَرْفَعُ یَدَیْهِ وَهُوَ اَعْلَمُ اَهْلِ زَمَانِهٖ فِیْمَا یَعْرِفُ ، وَلَقَدْ قَالَ ابْنُ الْمُبَارَکِ:صَلَّیْتُ یَوْمًا اِلٰی جَنْبِ النُّعْمَانِ فَرَفَعْتُ یَدِیْ فَقَالَ لِیْ: اَمَا خَشِیْتَ اَنْ تَطِیْرَ؟ قَالَ: فَقُلْتُ لَهٗ:اِنْ لَّمْ اَطِرْ فِی الْاُوْلٰی لَمْ اَطِرْ فِی الثَّانِیَةِ. قَالَ وَکِیْعٌ:رَحِمَ اللّٰهُ ابْنَ الْمُبَارَکِ کَانَ حَاضِرَ الْجَوَابِ. اھ

’’اور ابن مبارک رفع الیدین کیا کرتے تھے اور معروف و معلوم میں ہے کہ وہ اپنے زمانہ والوں سے زیادہ علم والے تھے اور تحقیق ابن مبارک نے بیان

کیا کہ میں نے ایک دن نعمان' ابوحنیفہ کے پہلو میں نماز پڑھی' میں نے رفع الیدین کیا تو انہوں نے مجھ سے کہا' کیا آپ اُڑنے سے نہ ڈرے؟ وہ کہتے ہیں میں نے ان سے کہا اگر میں پہلی دفعہ نہیں اُڑا تو دوسری دفعہ بھی نہیں اُڑا۔ وکیع نے کہا اللہ تعالیٰ ابن مبارک پر رحم کرے وہ حاضر جواب تھے''۔ (نصب الرایہ ج ۱ص ۴۱۷)

تو امام ابوحنیفہؒ رکوع والے رفع الیدین کے سنت ہونے کے منکر بھی ہیں اور انہوں نے اس سنت کا مذاق بھی اُڑایا ہے۔ اب صاحبِ تحریر کا انصاف کڑی آزمائش میں ہے کہ وہ اپنے اس فتویٰ ''سنت کا منکر بدعتی اور گنہگار ہوتا ہے اور مذاق اُڑانے سے ایمان جاتا رہتا ہے'' کو ملحوظ رکھتے ہوئے امام ابوحنیفہؒ کے متعلق کیا فیصلہ صادر فرماتے ہیں؟ نیز اس سنت سے انکار کرنے والے اور اس کا مذاق اُڑانے والے حنفیوں کو بدعتی اور ایمان سے عاری قرار دیتے ہیں یا نہیں؟

جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے

خامساً: زیر ناف ہاتھ باندھنا نہ تو رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے اور نہ ہی آپ کی سنت' لہٰذا یہ سراسر غیر سنت ہے جس کو صاحب تحریر نے سنت بنایا تو ہم اُن سے پوچھتے ہیں آیا وہ غیر سنت کو سنت بنانے والے کو کیا سمجھتے ہیں؟ کہیں وہ بدعتی اور گنہگار نہ ہو؟ اور کہیں اس کا ایمان بھی نہ جاتا رہا ہو؟ آخر مسئلہ یہ بھی بڑا اہم ہے اس کے متعلق بھی انہیں اپنا کوئی نہ کوئی فتویٰ داغنا چاہئے۔

سادساً: تو واضح ہو گیا کہ صاحبِ تحریر نے جو اپنے اس فتویٰ میں رنگ بھرا وہ محض اس لئے کہ عوام الناس کو ورغلایا جائے تو اب وہ دوسروں کو کس منہ سے نصیحت کرتے ہیں ''تو .... عوام الناس کو ورغلانا اور پریشان نہیں کرنا چاہئے کیونکہ ایسا عمل مومن کے شایانِ شان نہیں''۔ میں پوچھتا ہوں آپ کے شایانِ شان تو ہے ہی؟ کسی نے سچ کہا ہے' خود میاں فضیحت دیگراں را نصیحت۔

وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی زیر ناف ہاتھ باندھنے والی روایت کا حال

صاحبِ تحریر فرماتے ہیں ''حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے نماز میں اپنا داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر زیر ناف رکھا.....الخ''۔

اوّلاً : گزارش ہے یہ حدیث ابن ابی شیبہ میں موجود ہے مگر لفظ ''تحت السرة'' ''زیر ناف'' اس میں موجود نہیں قاسم بن قطلو بغا حنفی نے ان لفظوں کے مصنف ابن ابی شیبہ میں ہونے کی رٹ لگا رکھی ہے مگر آج تک وہ مصنف مذکور کے کسی صحیح نسخہ میں وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یہ لفظ ''زیر ناف'' دکھا نہیں سکے اور ان کا یہ نہ دکھا سکنا ان کے لیے ایک بڑی پریشانی تھی۔ اس پریشانی کو دور کرنے کی خاطر اب کے کراچی والے دیوبندی حنفیوں نے مصنف ابن ابی شیبہ چھاپی اور اس میں وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں لفظ ''تحت السرة'' ازخود بڑھا دیئے ہیں۔ صاحب تحریر نے اسی کراچی والے نسخہ کا صفحہ دیا ہوا ہے حالانکہ کراچی والوں نے جس نسخہ کا عکس چھاپا ہے اس میں بھی ''تحت السرة'' کے لفظ موجود نہیں اس لیے صاحب تحریر کا فرض ہے کہ وہ ہمیں کراچی والے اس مطبوعہ نسخے کا صحیح اصل دکھائیں جس میں وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں لفظ ''تحت السرة'' زیر ناف بھی موجود ہوں۔

ثانیاً: ایک طرف تو آپ ان دیوبندی حنفیوں کی مذکورہ بالا حدیث کے ساتھ یہ کارستانی ملاحظہ فرمائیں اور دوسری طرف ان کا یہ وعظ ''جب طرفین کی احادیث محدثین کرام کے اصول سے صحیح نہیں ہیں تو......عوام الناس کو ورغلانا اور پریشان نہیں کرنا چاہیے کیونکہ ایسا عمل ......مؤمن کے شایانِ شان نہیں'' مدنظر رکھیں اور غور فرمائیں کہیں یہ:

﴿فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ يَكْتُبُونَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هَٰذَا مِنْ عِندِ اللَّهِ......﴾ الخ

اور فرمایا:

﴿ اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَکُمْ ﴾ الخ

کی جیتی جاگتی مثالیں تو نہیں؟ پھر سوچیں عوام الناس کو کون ورغلا رہا ہے؟ اور ان کو کون پریشان کر رہا ہے؟

ثالثاً: شوق نیموی حنفی آثار السنن کی تعلیق میں لکھتے ہیں:

اَلْاِنْصَافُ اَنَّ هٰذِهِ الزِّيَادَةَ وَاِنْ كَانَتْ صَحِيْحَةً لِوُجُوْدِهَا فِيْ اَكْثَرِ النُّسَخِ مِنَ الْمُصَنَّفِ لٰكِنَّهَا مُخَالِفَةٌ لِرِوَايَاتِ الثِّقَاتِ فَكَانَتْ غَيْرَ مَحْفُوْظَةٍ كَزِيَادَةِ عَلَى الصَّدْرِ فِيْ رِوَايَةِ ابْنِ خُزَيْمَةَ، وَمَعَ ذَالِكَ فِيْهِ اِضْطِرَابٌ كَمَا مَرَّ فَالْحَدِيْثُ وَاِنْ كَانَ صَحِيْحًا مِنْ حَيْثُ السَّنَدِ لٰكِنَّهُ ضَعِيْفٌ مِنْ جِهَةِ الْمَتْنِ. اھ

''انصاف یہ ہے کہ یہ زیادۃ ''تحت السرۃ'' اگرچہ مصنف کے اکثر نسخوں میں موجود ہونے کی وجہ سے تو صحیح ہے لیکن ثقہ راویوں کی روایات کے مخالف ہے تو یہ زیادۃ ''تحت السرۃ'' غیر محفوظ ہے جیسا کہ ابن خزیمہ کی روایت میں زیادۃ ''علی الصدر'' اور اس کے ساتھ ساتھ اس میں اضطراب بھی ہے جیسے کہ گزرا تو یہ حدیث اگرچہ سند کے لحاظ سے تو صحیح ہے لیکن متن کے اعتبار سے ضعیف ہے''۔

تو معلوم ہوا اس ''تحت السرۃ'' کے مصنف ابن ابی شیبہ کی حدیث وائلؓ میں موجود ہونے کو تسلیم کر لینے سے بھی زیر ناف ہاتھ باندھنے والوں کی بات زیر ہی رہتی ہے زبر نہیں ہوتی کیونکہ یہ روایت بزیادۃ تحت السرۃ بہر حال ضعیف اور نا قابل قبول ہے۔ پھر صاحب تحریر کو بھی اس کے ضعیف و کمزور ہونے کا اعتراف ہے تو مقام غور ہے کہ ایک روایت کو ضعیف مانتے ہوئے عوام الناس کے سامنے اسے بیان کرنا' ان کو ورغلانا اور پریشان کرنا نہیں تو اور کیا ہے؟

امام مالکؒ کا مذہب

صاحبِ تحریر فرماتے ہیں ''یہی وجہ ہے کہ امام مالکؒ نے ہاتھ چھوڑنے کو اختیار کیا ہے۔ان کی یہ بات بھی محلِ نظر ہے۔

اوّلاً: تو اس لیے کہ اس مقام پر مسئلہ زیر ناف یا سینہ پر ہاتھ باندھنا موضوع بحث ہے ہاتھ باندھنا یا چھوڑنا موضوع بحث نہیں اور ہاتھ باندھنے کی کیفیت والی احادیث پر کلام کو تسلیم کر لینے سے لازم نہیں آتا کہ ہاتھ چھوڑنا ہی اختیار کر لیا جائے لہٰذا سینے پر یا زیر ناف ہاتھ باندھنے کی روایات پر کلام کو امام مالکؒ سے ہاتھ چھوڑنے والی ایک روایت کی وجہ بنانا بے جا' بے ربط اور بے بنیاد ہے چہ جائیکہ اسے بطریق حصر وقصر وجہ قرار دیا دیا جائے جیسا کہ لفظ ''یہی وجہ'' سے واضح ہو رہا ہے۔

ثانیاً: اس لیے کہ امام مالکؒ سے ہاتھ چھوڑنے کو اختیار کرنا ہی مخدوش ہے کیونکہ ہاتھ چھوڑنا صرف ان کی ایک روایت ہے اور دوسری روایت ہاتھ باندھنے کی ہے۔ بہت سے مالکیوں اور غیر مالکیوں نے اس دوسری روایت کو ترجیح دی ہے پھر اس دوسری روایت کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ امام مالکؒ نے اپنی مایہ ناز اور شہرۂ آفاق کتاب مؤطا میں ہاتھ باندھنے کا باب وعنوان قائم کیا ہے اور پیچھے صاحبِ تحریر کی بیان کردہ ہاتھ باندھنے کی حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ والی حدیث بھی باسند روایت کی ہے۔

ثالثاً: اس لیے کہ دعویٰ ''یہی وجہ ہے کہ امام مالکؒ'' الخ صحیح ہونے کے لیے ضروری ہے کہ مندرجہ ذیل اُمور کو ثابت کیا جائے:

1. سینے پر اور زیر ناف ہاتھ باندھنے کی احادیث امام مالک رحمہ اللہ کو معلوم تھیں۔
2. پھر ان احادیث طرفین سے ہر حدیث کا ضعف بھی ان کے علم میں تھا۔
3. انہوں نے ہاتھ چھوڑنے کو واقعی اختیار بھی فرمایا ہے۔
4. اس ہاتھ چھوڑنے کی وجہ احادیث طرفین کا ضعف ہے۔

5 احادیث طرفین کے ضعف کے علاوہ اور کوئی وجہ نہیں۔

مگر ان پانچ امور کو ثابت کرنا تو درکنار صاحبِ تحریر نے ان پانچ امور سے کسی ایک امر کو بھی دلائل سے ثابت نہیں فرمایا صرف زبانی کلامی ''یہی وجہ ہے کہ امام مالکؒ الخ'' والا دعویٰ داغ دیا ہے۔

رابعاً: صاحبِ تحریر کی تصریح کے مطابق امام مالکؒ نے ہاتھ چھوڑنے کو اختیار فرمایا ہے اور صاحبِ تحریر کے اندازِ فکر کی روشنی میں یہ ہاتھ چھوڑنا امام مالکؒ کا مشاہدہ ہی قرار پائے گا کہ انہوں نے تابعین کو ایسے کرتے دیکھا۔ انہوں نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو' پھر امام مالکؒ قرآن مجید' حدیث وسنت اور اقوال وقضایا صحابہؓ تینوں کو امام ابوحنیفہؒ سے زیادہ جاننے والے تھے۔ جیسا کہ امام محمدؒ نے تصریح فرمائی ہے۔ دیکھئے کتاب الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم اور وفیات الاعیان لابن خلکان۔

تو صاحبِ تحریر کو چاہیے کہ وہ بھی ہاتھ چھوڑنے کو ہی اختیار فرمالیں' محض تابعیت کی بنیاد پر کسی کے قول وعمل کو مقدم سمجھنا کوئی انصاف نہیں ورنہ یہ لوگ صحابی کے قول وعمل کو امام ابوحنیفہؒ کے قول وعمل پر مقدم سمجھتے اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی بجائے کسی صحابی کی تقلید کرتے۔ آخر صحابی میں قربِ زمانہ اور صحابیت ہے جو تابعی میں ہرگز نہیں۔ یہ بات مقلدین کے اندازِ فکر پر کہی گئی ہے ورنہ ہمارے نزدیک تو کتاب وسنت کے سامنے کسی کا قول' فتویٰ' اجتہاد' قیاس' فیصلہ' عالم ہونا' اعلم ہونا' صحابی ہونا' تابعی ہونا حتیٰ کہ آپ سے پہلے کسی پیغمبر کا ہونا ہرگز نہیں چل سکتا۔

سینے پر یا ناف سے اُوپر ہاتھ باندھنے کی احادیث

پہلی حدیث:

اَنَّ وَائِلَ بْنَ حُجْرٍ اَخْبَرَهٗ قَالَ: لَاَنْظُرَنَّ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيْفَ يُصَلِّيْ، قَالَ: فَنَظَرْتُ اِلَيْهِ قَامَ فَكَبَّرَ وَرَفَعَ يَدَيْهِ حَتّٰی حَاذَتَا اُذُنَيْهِ، ثُمَّ وَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنٰی عَلٰی ظَهْرِ كَفِّهِ الْيُسْرٰی

وَالرُّسْغِ وَالسَّاعِدِ. (صحیح ابن خزیمہ ج۱ص ۲۴۳ حدیث نمبر ۴۸)

''وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے کہا میں ضرور بالضرور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھوں گا آپ کیسے نماز پڑھتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں پھر میں نے آپ کو دیکھا آپ کھڑے ہوئے تو آپ نے تکبیر کہی اور اپنے دونوں ہاتھ اُٹھائے حتیٰ کہ وہ آپ کے کانوں کے برابر ہو گئے پھر آپ نے اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہتھیلی کی پشت' گٹ اور کلائی پر رکھ لیا''۔

یہ حدیث پہلے نسائی کے حوالہ سے گزر چکی ہے اور ابوداؤد میں بھی موجود ہے اور ہے بھی صحیح' اس کی سند میں کوئی ایک راوی بھی کثیر الخطا' منکر الحدیث' کثیر الغلط اور ناقابل احتجاج واعتبار نہیں سب کے سب ثقہ ہیں پھر یہ حدیث غیر محفوظ بھی نہیں سنداً ومتناً دونوں لحاظ سے صحیح ہے لہٰذا صاحب تحریر کا کہنا ''اور سینے پر ہاتھ باندھنے کی روایتیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وقبیصہ بن ہلب اور حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی ملتی ہیں لیکن ان احادیث کے راوی کو الخ'' غلط ہے یا مغالطہ۔

سوال وجواب:

اگر کوئی صاحب فرمائیں اس حدیث میں سینے کا لفظ نہیں تو جواباً گزارش ہے کہ اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ باندھنے کی جو کیفیت بیان ہوئی ہے اس کیفیت ''دائیں ہاتھ کو بائیں ہتھیلی' گٹ اور کلائی پر رکھنے والی کیفیت'' سے ہاتھ باندھے جائیں تو وہ ناف سے نیچے جا ہی نہیں سکتے چنانچہ محدثِ وقت شیخ البانی حفظہ اللہ مشکوٰۃ کی تعلیق میں لکھتے ہیں:

''وَهٰذِهِ الْكَيْفِيَّةَ تَسْتَلْزِمُ اَنْ يَكُوْنَ الْوَضْعُ عَلَى الصَّدْرِ''.

اور ہاتھ باندھنے کی اس کیفیت سے سینے پر ہاتھ باندھنا لازم آتا ہے۔

مزید لکھتے ہیں:

''وَمِمَّا يَنْبَغِيْ اَنْ يُّعْلَمَ اَنَّهٗ لَمْ يَصِحَّ عَنْهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْوَضْعَ

عَلٰی غَیْرِ الصَّدْرِ".

اور معلوم ہونا چاہیے کہ رسول اللہ ﷺ سے سینے کے علاوہ بدن کے کسی حصہ پر ہاتھ باندھنا صحیح اور ثابت نہیں۔ (ص ۲۴۹)

پھر وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی فقط ابن خزیمہ والی حدیث میں سینے کا لفظ بھی موجود ہے اگر چہ ابن خزیمہ والی یہ حدیث مؤمل بن اسماعیل کی وجہ سے ضعیف معلوم ہوتی ہے لیکن دوسرے شواہد اور اس کے ہم معنی دوسرے طرق کی بنا پر اس میں قوت پیدا ہو چکی ہے اور اس کا ضعف جاتا رہا ہے۔ شیخ البانی ہی لکھتے ہیں:

"اِسْنَادُهٗ ضَعِیْفٌ لِاَنَّ مُؤَمَّلًا وَهُوَ ابْنُ اِسْمٰعِیْلَ سَیِّئُ الْحِفْظِ لٰكِنَّ الْحَدِیْثُ صَحِیْحٌ جَاءَ مِنْ طُرُقٍ اُخَرَ بِمَعْنَاهُ وَفِی الْوَضْعِ عَلَی الصَّدْرِ اَحَادِیْثُ تَشْهَدُ لَهٗ". (تعلیق صحیح ابن خزیمہ ج ا ص ۲۴۳)

"اس کی سند ضعیف ہے کیونکہ مؤمل بن اسمٰعیل راوی سیئ الحفظ ہے لیکن یہ حدیث صحیح ہے اس معنی ومفہوم میں دوسری سندوں سے بھی آئی ہے اور سینے پر ہاتھ باندھنے کی اور بھی کئی احادیث ہیں جو اس حدیث کی شاہد ہیں"۔

نوٹ: ہم نے ایک دو جگہ "فقط ابن خزیمہ" کا لفظ استعمال کیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی دو روایتیں ہیں ان سے ایک روایت تو سنن نسائی' سنن ابی داؤد اور صحیح ابن خزیمہ تینوں میں موجود ہے یہ روایت دوسرے کی بہ نسبت ذرا لمبی ہے۔ اسی کو ہم نے اوپر "پہلی حدیث" کے عنوان میں نقل کیا اور استدلال کی بنیاد بنایا ہے اور اس میں "دائیں ہاتھ کو بائیں ہتھیلی' گٹ اور کلائی پر رکھنے" کے لفظ ہیں۔

---

۱ سید بدیع الدین شاہ صاحب پیر آف جھنڈا فرماتے ہیں کہ اس روایت میں جو مؤمل بن اسمٰعیل ہے وہ مؤمل نہیں جسے تہذیب وغیرہ میں ضعیف قرار دیا گیا ہے۔ مزید تحقیق کے لیے فتح الغفور پر ان کی تحقیق وتخریج ملاحظہ فرمائیں۔

اس کے برعکس دوسری صرف ابن خزیمہ میں ہے نسائی اور ابوداوٗد میں نہیں۔ یہ روایت مختصر ہے اس کے لفظ ہیں ''آپ نے اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ کے اوپر سینے پر رکھا'' اس کو ہم نے اپنے استدلال کی بنیاد نہیں بنایا۔ وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی ان دونوں روایتوں کے مابین ان چار فرقوں کے علاوہ ایک پانچواں فرق بھی ہے وہ یہ کہ تین کتابوں ابوداوٗد نسائی اور ابن خزیمہ والی روایت کی سند میں مؤمل بن اسمٰعیل نہیں اور نہ ہی اس کے علاوہ کوئی اور ضعیف راوی ہے جب کہ صرف ابن خزیمہ والی روایت کی سند میں مؤمل بن اسمٰعیل راوی ہے تو ان دونوں روایتوں کے امتیاز کی خاطر ہم نے لفظ ''فقط ابن خزیمہ'' استعمال کیا ہے تاکہ یہ دونوں روایتیں قاری پہ کہیں خلط ملط نہ ہو جائیں۔

دوسری حدیث:

عَنْ اَبِیْ حَازِمٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ كَانَ نَاسٌ يُؤْمَرُوْنَ اَنْ يَّضَعَ الرَّجُلُ الْيَدَ الْيُمْنٰى عَلٰى ذِرَاعِهِ الْيُسْرٰى فِى الصَّلٰوةِ وَقَالَ اَبُوْحَازِمٍ: لَا اَعْلَمُهٗ اِلَّا يَنْمِىْ ذَالِكَ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. (صحیح بخاری ج۱ ص۱۰۲ باب وضع الیمنی علی الیسری فی الصلوٰۃ۔ مؤطا امام مالکؒ ص۱۱۱ وضع الیدین احداھما علی الاخری فی الصلوٰۃ)

''ابو حازم سے سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں لوگ حکم دیئے جاتے تھے کہ آدمی نماز میں دائیں ہاتھ کو بائیں کلائی پر رکھے' ابو حازم کہتے ہیں مجھے صرف اور صرف یہی معلوم ہے کہ سہل بن سعدؓ نے اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچایا''۔

اس حدیث کو صاحب تحریر نے بھی نقل فرمایا اور لکھا ''اس حدیث میں نہ سینے پر ہاتھ باندھنے اور نہ ہی زیر ناف ہاتھ باندھنے کا ذکر ہے'' مگر انہیں یہ یقینی طور پر معلوم ہے کہ اس حدیث میں دائیں ہاتھ کو بائیں ذراع۔ جس کا معنی صاحب تحریر نے

کلائی کیا ہے۔ اسی لیے اوپر ترجمہ میں کلائی لکھا گیا ورنہ ذراع کا لفظ بڑی انگلی کی طرف سے لے کر کہنی تک کے حصہ پر بولا جاتا ہے۔ پر باندھنے کا ذکر تو ہے جس سے کسی کو مجال انکار نہیں اور سب جانتے ہیں کہ ذراع کہنی والے جوڑ تک ہے تو اب اگر دائیں ہاتھ کو بائیں کہنی والے جوڑ تک پہنچایا جائے گا تبھی مذکور بالا حکم پر عمل ہوگا۔ دیکھئے وضو میں چہرہ دھونے کا حکم ہے اب پورا چہرہ دھویا جائے گا۔ تبھی چہرہ دھونے والے حکم پر عمل ہوگا ورنہ نہیں۔ بالکل اسی طرح دائیں ہاتھ کو بائیں کہنی والے جوڑ تک پہنچایا جائے گا تبھی سہل بن سعد کی حدیث میں مذکور حکم پر عمل ہوگا ورنہ نہیں۔ اور واضح چیز ہے کہ جب اس کیفیت سے ہاتھ باندھے جائیں تو ہاتھوں کے زیر ناف جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ الا بتکلف شدید اور قرآن مجید میں وما انا من المتکلفین اور میں تکلف کرنے والوں سے نہیں ہوں۔

نوٹ: سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ، قبیصہ بن ہلب اور وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی احادیث کے علاوہ ہے اور ہے بھی صحیح' اس لیے صاحبِ تحریر کا لکھنا ''اس کے علاوہ سینے پر ہاتھ باندھنے کے جو دلائل ہیں وہ ان روایتوں سے بھی ابتر ہیں'' بالکل غلط ہے۔

تیسری حدیث:

عَنْ قَبِيْصَةَ بْنِ هَلْبٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ: رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْصَرِفُ عَنْ يَّمِيْنِهٖ وَعَنْ يَسَارِهٖ' وَرَأَيْتُهٗ يَضَعُ هٰذِهٖ عَلٰى صَدْرِهٖ وَصَفَ يَحْيَى الْيُمْنٰى عَلَى الْيُسْرٰى فَوْقَ الْمَفْصَلِ رواه احمد واسناده حسن. (آثار السنن ص ۶۷ باب وضع الیدین علی الصدر)

''قبیصہ بن ہلب اپنے باپ ہلب سے بیان کرتے ہیں میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپ دائیں اور بائیں دونوں جانبوں سے پھرتے اور میں نے آپ کو دیکھا آپ اس کو اپنے سینے پر رکھتے۔ یحییٰ نے بیان کیا کہ دائیں کو بائیں کے

اُوپر جوڑ پر''۔اس حدیث کو احمد نے روایت کیا اور اس کی سند حسن ہے۔

علامہ نیموی حنفی اس حدیث کی سند کو حسن قرار دینے کے بعد لکھتے ہیں ''لکن قوله: على صدره غير محفوظ'' لیکن لفظ ''علی صدرہ سینہ پر'' محفوظ نہیں مگر ان کی یہ بات درست نہیں کیونکہ انہوں نے اس لفظ کے غیر محفوظ ہونے کی جو دلیل پیش کی ہے اس کا ماحصل یہ ہے کہ سفیان اس لفظ کو بیان کرنے میں متفرد اور اکیلے ہیں اور اصولِ حدیث سے تھوڑی بہت سوجھ بوجھ رکھنے والے بھی جانتے ہیں کہ کسی ثقہ راوی کا کسی لفظ کے بیان کرنے میں متفرد اور اکیلا ہونا اس لفظ کے غیر محفوظ ہونے کی دلیل نہیں ہوا کرتا بشرطیکہ وہ لفظ اوثق کے بیان کردہ الفاظ کے منافی نہ ہو حافظ ابن حجر عسقلانی نخبۃ الفکر میں فرماتے ہیں:

''وَزِيَادَةُ رَاوِيهِمَا مَقْبُولَةٌ مَالَمْ تَقَعْ مُنَافِيَةً لِّمَا هُوَ اَوْثَقُ''.

اور ان دونوں صحیح اور حسن کے راوی کے زائد کردہ الفاظ مقبول ہیں جب تک وہ اوثق کے منافی نہ ہوں اور اس مقام پر سفیان کے بیان کردہ لفظ ''علی صدرہ اپنے سینہ پر'' سماک کے دوسرے تلامذہ کے بیان کردہ الفاظ کے منافی نہیں ہیں۔ تفصیل کے لیے تحفۃ الاحوذی اور ابکار المنن کا متعلقہ مقام دیکھ لیں اور اگر کوئی صاحب سفیان کے ان الفاظ کو ان کے ساتھیوں کے الفاظ کے منافی خیال کرتے ہیں تو یہ ان کی خطا ہے۔

نیموی حنفی کے اسنادہ حسن ''اس کی سند حسن ہے'' کہنے سے اتنی بات تو واضح ہوگئی کہ اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں ان میں سے کوئی ایک بھی منکر الحدیث' کثیر الغلط اور ضعیف نہیں ہے لہٰذا صاحبِ تحریر کا کہنا ''ان احادیث کے راوی کو محدثین کرام کثیر الخطا الخ شدید الخطا ہے۔

نیز یہ حدیث قبیصہ کے باپ ہلب طائی رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے قبیصہ کی اپنی نہیں اس لیے یہ حدیث بھی سہل ابن سعد رضی اللہ عنہ کی حدیث کی طرح ابن عباس رضی اللہ عنہ، قبیصہ

بن ہلب اور وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی احادیث کے علاوہ ہے اور اس کی سند نیموی حنفی کے قول کے مطابق بھی حسن ہے لہٰذا صاحبِ تحریر کا کہنا ''اس کے علاوہ سینے پر ہاتھ باندھنے کے جو دلائل ہیں وہ ان روایتوں سے بھی ابتر ہیں'' سراسر واقع کے خلاف ہے جس میں ذرہ برابر بھی صداقت نہیں۔

حنفیو ترمذی میں بھی ''علی صدرہ'' کا اضافہ کرو

مولانا فیض الرحمان ثوری حفظہ اللہ تعالیٰ رسالہ فتح الغفور کے حاشیہ میں ہلب طائی رضی اللہ عنہ کی مسند احمد والی حدیث پر تعلیق لکھتے ہیں ''قولہ عن قبیصہ بن ہلب عن ابیہ الخ'' شیخ عبدالحق محدث دہلوی سفر السعادۃ کی شرح میں وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی سینہ پر ہاتھ باندھنے والی ابن خزیمہ کی حدیث نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں ''اور ایسے ہی روایت کیا ہے ترمذی نے قبیصہ بن ہلب سے وہ اپنے باپ سے انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے اپنے ہاتھوں کو اپنے سینہ پر رکھا'' اور محدث دہلوی کے پوتے مؤطا کی مُحلّی نامی شرح میں لکھتے ہیں ''نووی نے شافعی کے لیے اس حدیث سے استدلال کیا ہے جو ابن خزیمہ میں وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے ہے وہ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی تو آپ نے دائیں ہاتھ کو بائیں کے اُوپر اپنے سینہ پر رکھ لیا'' انتہیٰ اور ترمذی نے روایت کیا قبیصہ بن ہلب سے وہ اپنے باپ سے وہ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپ اپنے ہاتھوں کو اپنے سینے پر باندھتے اور یہی بات شیخ الاسلام مذکور نے بخاری کی شرح میں بھی لکھی ہے کہ ترمذی نے اس حدیث ہلب کو اس زیادۃ ''علی صدرہ'' (اپنے سینے پر) سمیت روایت کیا ہے۔ (حاشیہ فتح الغفور ص ۲)

تو اب انصاف کا تقاضا ہے کہ جس طرح کراچی والے دیوبندی حنفیوں نے قاسم بن قطلوبغا وغیرہ کے ابن ابی شیبہ کا حوالہ دینے کی بنیاد پر مصنف ابن ابی شیبہ میں وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ''تحت السرۃ زیر ناف'' کے لفظ چھاپ دیئے ہیں

بالکل اسی طرح وہ ترمذی میں بھی ہلب کی حدیث میں ''علی صدرہ اپنے سینے پر'' کے لفظ اولیں فرصت میں چھاپ دیں کیونکہ حنفی بزرگ شیخ عبدالحق دہلوی اور شیخ الاسلام صاحب محلی حوالہ دے رہے ہیں کہ ترمذی نے لفظ ''علی صدرہ اپنے سینے پر'' کو روایت کیا ہے۔ آخر قاسم بن قطلو بغا وغیرہ کے حوالہ پر اتنا اعتماد اور عبدالحق دہلوی اور صاحب محلی کے حوالہ پر اتنی بد اعتمادی کیوں؟ اگر انہیں گوارا نہیں ہے کہ وہ ''علی صدرہ'' کو ترمذی میں چھاپیں تو پھر وہ مصنف ابن ابی شیبہ میں کی ہوئی کارستانی سے فی الفور رجوع کر لیں ورنہ وہ سوچیں کہ کل اللہ تعالیٰ کی عدالت میں وہ اس تحکم وتعصب کا کیا جواب دیں گے؟

فما عذر کم یوم یقوم الناس لرب العالمین.

امام ابوحنیفہؒ کے ایک مشاہدہ کی حقیقت

مندرجہ بالا احادیث سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی کہ رسول اللہ ﷺ اپنے ہاتھ ناف سے اوپر اور سینے پر باندھا کرتے تھے اب اس کے بعد کسی مسلمان کے لیے کوئی گنجائش نہیں کہ وہ رسول اللہ ﷺ سے ثابت شدہ طریقہ کو چھوڑ کر امام ابوحنیفہؒ یا کسی اور امام کے قول یا عمل کو اپنے سینے سے لگائے رکھے اور سینے پر ہاتھ نہ باندھے جبکہ ائمہ کرام تصریح فرما چکے ہیں کہ حدیث وسنت ملنے کی صورت میں ہماری بات چھوڑ دینا اور حدیث وسنت پر عمل کرنا مگر اس کو تقلید کی ہی برکت سمجھئے کہ حق وانصاف واضح ہو جانے کے بعد بھی مقلد حق وانصاف کے مقابلہ میں سینہ سپر اپنے امام کے قول وعمل پر فخر کرتے ہوئے یوں گویا ہوتا ہے:

''وَنَحْنُ مُقَلِّدُوْنَ یَجِبُ عَلَیْنَا تَقْلِیْدُ اِمَامِنَا اَبِیْ حَنِیْفَةَ.''

''اور ہم تو مقلد ہیں ہم پر ہمارے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی تقلید واجب ہے''۔

تقلید کی اسی برکت کی برکھا صاحبِ تحریر پر بھی برسی ہوئی ہے اس لیے وہ لکھتے ہیں: ''احناف اس مسئلے میں ضعیف اور کمزور و غلط روایتیں چھوڑ کر امام ابوحنیفہؒ

کے مسلک پر عمل پیرا ہیں" مزید لکھتے ہیں: "البتہ ہاتھ باندھنے کے مسئلے کو امام ابوحنیفہؒ نے مشاہدہ سے لیا ہے انہوں نے الخ" چنانچہ پہلے واضح کیا جا چکا ہے کہ سینے پر ہاتھ باندھنے کی احادیث صحیح ہیں مگر محض تقلید کی بنیاد پر انہیں ضعیف اور کمزور بنایا جا رہا ہے کیونکہ ان احادیث سے بھی کم درجہ کی احادیث کو ان لوگوں نے کئی مقام پر صحیح قرار دیا ہے لیکن وہاں جہاں وہ ان کے امام کے مسلک کے موافق ہوں۔

تو ہم صاحب تحریر سے گزارش کریں گے کہ وہ باسند حوالہ بیان فرمائیں کہ امام ابوحنیفہؒ نے رسول اللہ ﷺ کے کس صحابی کو نماز میں زیر ناف ہاتھ باندھتے دیکھا اگر کوئی صحیح سند وحوالہ آپ کے پاس ہے تو پیش فرمائیں ورنہ اس قسم کی بے سروپا باتیں لکھ کر عوام الناس اور خواص الناس کو ورغلانا چھوڑ دیں اور اس طرح انہیں پریشان نہ کریں کیونکہ ایسا عمل مؤمن کے شایانِ شان نہیں۔ یاد رہے اس مقام پر مسئلہ امام ابوحنیفہؒ کے کسی صحابی یا تابعی کو نماز پڑھتے دیکھنے کا نہیں۔ مسئلہ یہ ہے کہ امام ابوحنیفہؒ نے کسی صحابی کو نماز میں زیر ناف ہاتھ باندھے دیکھا ہو اس کا ثبوت پیش فرمائیں زبانی کلامی جمع خرچ کا کوئی فائدہ نہیں۔

اگر اسی طرح بات بنانے سے کام نکل سکتا ہے تو کوئی صاحب یہ بھی کہہ سکتے ہیں "ناف سے اوپر ہاتھ باندھنا امام شافعیؒ کا مشاہدہ ہے انہوں نے تابعین کو نماز پڑھتے دیکھا تابعینؒ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو اور صحابہؓ نے رسول اللہ ﷺ کو" تو کیا اس سے ناف سے اُوپر ہاتھ باندھنے کا رسول اللہ ﷺ کی سنت ہونا ثابت ہو جائے گا؟ نہیں ہرگز نہیں تو پھر صاحب تحریر کی مشاہدے والی خانہ ساز بات سے بھی زیر ناف ہاتھ باندھنے کا سنت ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ الحاصل ایسی کچی اور مصنوعی باتوں کا علمی دنیا میں کوئی وزن نہیں۔

اگر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی طرف منسوب صاحب تحریر کا گھڑا ہوا یہ مشاہدہ اپنے اندر کوئی قوت رکھتا ہے تو لامحالہ ابوداؤد وغیرہ میں ثابت شدہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا

مشاہدہ تو اس سے کہیں زیادہ قوت و پاور کا حامل ہے وہ مشاہدہ یہ ہے کہ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ناف سے اُوپر ہاتھ باندھا کرتے تھے باقی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زیر ناف ہاتھ باندھنے والی روایت ثابت نہیں ضعیف ہے اس کا صاحب تحریر نے بھی اعتراف کیا ہے۔

جبکہ وہ روایت ان کے ہاں ثابت ہونے کی صورت میں بھی ان کے ہاں قابل عمل نہیں کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اپنا عمل ''ناف سے اوپر ہاتھ باندھنا'' ان کی اس روایت کے خلاف ہے اور راوی کا قول یا عمل اگر اس کی روایت کے خلاف ہو تو حنفیہ کے نزدیک راوی کے قول یا عمل کو اپنایا جاتا ہے نہ کہ اس کی روایت کو' تو ان کا فرض ہے کہ آج ہی سے ناف سے اُوپر ہاتھ باندھنے شروع کر دیں۔

نوٹ نمبرا: اوپر ہم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عمل کو مشاہدہ کا نام دیا ہے تو اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا کرتے دیکھا یا ایسا کہتے سنا ہے کیونکہ یہ ایک احتمالی صورت تو ہوسکتی ہے لیکن حتمی قطعی اور یقینی نہیں۔ ہم نے اس مقام پر صرف اور صرف صاحبِ تحریر کی زبان میں بات کی ہے کہ انہوں نے امام ابوحنیفہؒ کے عمل کو مشاہدہ کا نام دیا ہے جس کا واضح ترین تقاضا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا عمل بھی مشاہدہ کے نام سے موسوم ہو۔

دیکھئے رکوع والے رفع الیدین کے متعلق صحیح احادیث بکثرت موجود ہیں مگر صاحبِ تحریر اور ان کے ہمنوا حنفی مقلدان پر عمل نہیں کرتے اور ان سے بعض اس سلسلہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عمل کا سہارا لیتے ہیں تو کیا وجہ ہے کہ زیر بحث مسئلہ میں ان کو اعتراف بھی ہے کہ اس مسئلہ میں روایات واحادیث ضعیف اور کمزور ہیں اس کے باوجود وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عمل ''ناف سے اوپر ہاتھ باندھنے'' کو نظر انداز کیے ہوئے ہیں۔ نتیجہ یہی کہ تقلید کی پاداش میں انہوں نے حدیث کو بھی چھوڑا اور اپنے اُصول وقواعد کو بھی توڑا پھوڑا۔

صاحبِ تحریر لکھتے ہیں ''امام مجتہد جس عمل کو اختیار کرے وہ اس کی طرف سے تصحیح ہوتی ہے'' اور اس اُصول کی رو سے لازم آتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ناف سے اوپر ہاتھ باندھنے کی تصحیح فرمائی ہے کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ امام ابوحنیفہؒ سے بڑے مجتہد ہیں اور انہوں نے ناف سے اُوپر ہاتھ باندھنے کو اختیار بھی فرمایا ہے تو اب کیا وجہ ہے کہ صاحبِ تحریر اور ان کے ہمنوا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تصحیح کو چھوڑ کر امام ابوحنیفہؒ کی تصحیح پر جا گرے ہیں آیا حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کے کچھ نہیں لگتے۔ سچ ہے جن کو امام ابوحنیفہؒ کا قول ہوتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث وسنت کی کوئی پروانہیں' انہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عمل اور ان کی تصحیح کی خاک پروا ہوگی۔

نوٹ نمبر۲: صاحبِ تحریر کا لکھا ہوا قاعدہ ''مجتہد جس عمل کو اختیار کرے وہ اس کی طرف سے تصحیح ہوتی ہے'' دلیل کی رو سے ثابت نہیں تفصیل کتابوں میں دیکھ لیں۔ ہم نے اُوپر جو کچھ لکھا ہے وہ صاحبِ تحریر کی زبان میں لکھا ہے۔

نوٹ نمبر۳: صاحبِ تحریر کے قول ''ان احادیث کے راوی کو محدثین کرام'' الخ سے پتہ چلتا ہے کہ وہ ان تینوں احادیث (ابن عباسؓ، قبیصہ بن ہلبؓ اور وائل بن حجرؓ کی احادیث) کا راوی ایک ہی شخص کو سمجھ رہے ہیں حالانکہ یہ چیز انتہائی مضحکہ خیز ہے پھر ان کا اپنے اس قول میں راوی کو غیر محفوظ قرار دینا پھر اسے محدثین کرام کی طرف منسوب کرنا ان کی اصول حدیث اور فن حدیث میں کامل رسائی اور بالغ نظری کی غمازی کر رہا ہے۔ **فیا للعجب.**

ایک سوال:

صاحبِ تحریر لکھتے ہیں ''اسی بناء پر امام ابوحنیفہؒ نے زیر ناف کو اختیار کیا'' تو ہم پوچھتے ہیں یہ ''اسی'' کا اشارہ کس طرف ہے۔ پہلے اسے متعین فرمائیں پھر اس چیز کو امام ابوحنیفہؒ سے ثابت کریں یاد رہے یہ سوال امام ابوحنیفہؒ کے اس مسئلہ میں مذہب اور اس کی سند کے متعلق نہیں بلکہ ان کے مذہب کی ''اسی بناء'' کے متعلق ہے۔

کچھ حنفی بزرگوں کا اعترافِ حق

علامہ محمد حیات سندھی اپنے رسالہ فتح الغفور میں لکھتے ہیں:

”وَهٰذَا ابْنُ اَمِيْرِ الْحَاجِّ الَّذِيْ هُوَ تلو شَيْخِهِ ابْنِ الْهَمَامِ فِي التَّحْقِيْقِ وَسَعَةِ الْاِطْلَاعِ يَقُوْلُ فِيْ شَرْحِ الْمُنْيَةِ: اِنَّ الثَّابِتَ مِنَ السُّنَّةِ وَضْعُ الْيَمِيْنِ عَلَى الشِّمَالِ وَلَمْ يَثْبُتْ حَدِيْثٌ يُوْجِبُ تَعِيْيْنَ الْمَحَلِّ الَّذِيْ يَكُوْنُ فِيْهِ الْوَضْعُ مِنَ الْبَدَنِ اِلَّا حَدِيْثَ وَائِلِ الْمَذْكُوْرِ. وَهٰكَذَا قَالَ صَاحِبُ الْبَحْرِ“. (ص ۱۵، ۱٦)

”یہ ابن امیر الحاج تحقیق و وسعت مطالعہ میں اپنے شیخ ابن ہمام کے ثانی شرح منیہ میں کہتے ہیں ”سنت سے ثابت چیز دائیں کو بائیں پر رکھنا ہے اور بدن سے ہاتھ باندھنے کے مقام کو متعین کرنے والی احادیث سے صرف وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی مذکور (سینے والی) حدیث ثابت ہے۔ اس کے علاوہ اور کوئی حدیث ثابت نہیں۔ البحر الرائق کے مصنف نے بھی ایسا ہی کہا ہے“۔

نوٹ نمبر۱: پتہ چلا فقہ والوں سے بھی کئی بزرگ سینے پر ہاتھ باندھنے کی تمام احادیث کو ضعیف اور غیر ثابت نہیں سمجھتے بلکہ ان سے وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی حدیث کے صحیح و ثابت ہونے کی تصریح فرماتے اور اس کو اپنی کتابوں میں لکھتے ہیں۔ لہٰذا صاحبِ تحریر کا کہنا ”فقہ میں بھی زیر ناف کی احادیث اور فوق الصدر کی احادیث کے بارے میں لکھا ہے کہ روایت[1] دونوں طرف ہیں مگر کمزور ہیں“ سینے والی احادیث کی بہ نسبت سراسر غلط ہے یا مغالطہ۔

نوٹ نمبر۲: آپ پہلے پڑھ چکے ہیں کہ سینے پر اور ناف سے اُوپر ہاتھ

---

[1] یہ لفظ صاحبِ تحریر نے اسی طرح لکھا ہے۔ منہ

باندھنے کی وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی حدیث کے علاوہ اور بھی کئی احادیث صحیح اور حسن ہیں لہٰذا ابن امیر الحاج وغیرہ کا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی حدیث کے علاوہ ناف سے اوپر ہاتھ باندھنے کی تمام احادیث کو غیر ثابت قرار دینا درست نہیں۔ صحاح ستہ کے محشی شیخ ابوالحسن سندھی حنفی ابوداؤد کے حاشیہ فتح الودود میں لکھتے ہیں:

''پھر انہوں (ابوداؤد) نے طاؤس سے ذکر کیا انہوں نے کہا رسول اللہ ﷺ اپنے دائیں ہاتھ کو اپنے بائیں ہاتھ پر رکھتے تھے پھر ان کو اپنے سینے پر باندھ لیتے تھے درآنحالیکہ آپ نماز میں ہوتے اور یہ حدیث اگرچہ مرسل ہے لیکن مرسل ہمارے اور جمہور کے نزدیک حجت ہے۔ پس یہ حدیث دلیل ہونے میں کافی ہے اور کیسے کافی نہ ہو؟ جبکہ حال یہ ہے کہ صحیح ابن خزیمہ میں وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے آچکا ہے انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی تو آپ نے اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ کے اوپر سینے پر رکھا اور مسند احمد میں ہے قبیصہ بن ہلب سے وہ اپنے باپ سے انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا آپ اپنے ہاتھ کو سینے پر رکھتے۔ المختصر جب ثابت ہو چکا کہ ہاتھ باندھنا ہی سنت ہے چھوڑنا سنت نہیں تو یہ بھی ثابت ہو گیا کہ اس (ہاتھ باندھنے) کا مقام سینہ ہے نہ کہ کوئی اور جگہ۔ واللہ اعلم''۔

شیخ ابوالحسن سندھی حنفی نے حاشیہ ابن ماجہ میں مزید لکھا ہے:

''لیکن رہی یہ حدیث کہ ''ہتھیلیوں کو ہتھیلیوں پر نماز میں زیر ناف رکھنا سنت سے ہے تو انہوں (اہل علم) نے اس کے ضعیف ہونے پر اتفاق کیا ہے ابن ہمام (حنفی) نے امام نووی رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہوئے ایسے ہی ذکر کیا ہے اور اس پر سکوت فرمایا ہے''۔

....

ایک عبرت آموز واقعہ

یہ شیخ ابوالحسن سندھی حنفی سینے پر ہاتھ باندھنے والی سنت وحدیث پر عمل بھی کیا کرتے تھے۔ اس سلسلہ میں انہیں قید و بند کی صعوبت میں بھی مبتلا ہونا پڑا جسے انہوں نے خندہ پیشانی سے برداشت کیا چنانچہ شیخ محمد عابد سندھی اپنی کتاب ''تراجم الشیوخ'' میں شیخ ابوالحسن سندھی حنفی کے حالات میں لکھتے ہیں:

''شیخ صاحب حدیث پر عمل کرنے والے تھے' کسی مذہب کی آڑ لے کر حدیث کو نہ چھوڑتے تھے۔ رکوع سے پہلے' رکوع سے اُٹھ کر اور دو رکعتوں سے اُٹھ کر رفع یدین کیا کرتے تھے اور اپنے ہاتھ بھی سینے پر باندھا کرتے تھے اور ان کے زمانہ میں حنفی المذہب شیخ ابوالطیب سندھی بھی تھے جو اپنے مذہب سے عدول نہ کرتے تھے تو یہ بزرگ شیخ صاحب موصوف سے مناظرہ کرتے تو جب شیخ ابوالحسن دلائل پیش فرماتے تو شیخ ابوالطیب ان دلائل کا جواب دینے سے عاجز آ جاتے اور یہ نزاع و تکرار ان کے مابین مسلسل قائم رہی تا آنکہ مدینہ منورہ میں روم کے حنفی قاضیوں سے ایک حنفی قاضی تشریف لائے تو شیخ ابوالطیب ان کے پاس گئے۔ اور شیخ ابوالحسن کے ان کے مذہب کی طرف مائل نہ ہونے اور بعض مسائل میں امام صاحب (ابوحنیفہؒ) کی مخالفت کرنے کی شکایت کی۔ قاضی صاحب موصوف نے شیخ ابوالحسن کے حال سے بحث و کرید کی تو انہوں نے شیخ ابوالحسن کو علوم و فنون میں امام پایا اور اہل مدینہ کو ان کے شاگرد۔ تو اس صورتِ حال کے پیش نظر قاضی صاحب مذکور نے ان (شیخ ابوالحسن) سے اپنے لیے دعا کروانے کے سوا کوئی گنجائش نہ پائی پھر شیخ ابوالطیب ہر سال ہر قاضی کے پاس شیخ ابوالحسن کا شکوہ کرتے رہے حتیٰ کہ ایک سال امام ابوحنیفہؒ کے مذہب پر ایک متعصب قاضی آ گیا تو شیخ ابوالطیب نے شیخ ابوالحسن کے معاملے کی اس متعصب حنفی قاضی کے پاس بھی شکایت داغ دی۔ اس قاضی نے شیخ ابوالحسن کو اپنے پاس طلب و حاضر کر لیا اور حکم دیا کہ وہ اپنے ہاتھ زیر ناف

باندھیں اور تکبیر تحریمہ کے علاوہ نماز میں کسی اور جگہ رفع یدین نہ کریں۔ شیخ ابوالحسن نے جواب دیا میں (آپ کے حکم کی تعمیل) نہیں کروں گا۔

قاضی صاحب نے انہیں ایک ایسی تاریک واندھیر کوٹھڑی میں قید و بند کرنے کا حکم دے دیا جس کوٹھڑی میں بوجہ تاریکی قیدی اپنے اعضاء بھی نہ دیکھ سکے اور پاخانہ بھی وہ اسی کوٹھڑی میں کرے چنانچہ شیخ ابوالحسن ایسی کوٹھڑی میں چھ دن محبوس رہے۔ مدینہ والے شیخ صاحب کو نصیحت کرتے کہ آپ قاضی صاحب کا حکم (ہاتھ زیر ناف باندھنا اور رفع یدین چھوڑنا) مان لیں اور قید سے رہا ہو جائیں۔ شیخ صاحب انہیں جواب دیتے ''میں وہ کام نہیں کروں گا جو میرے نزدیک صحیح اور ثابت ہی نہیں اور وہ کام نہیں چھوڑوں گا جو میرے نزدیک رسول اللہ ﷺ کے عمل سے ثابت ہو چکا ہے'' اور اس جواب پر انہوں نے حلف وقسم اُٹھالی۔ لوگ قاضی کے پاس گئے تو قاضی نے بھی قسم اُٹھالی کہ اگر اس نے (قاضی نے) شیخ صاحب کو سینے پر ہاتھ باندھے دیکھ لیا تو پھر وہ انہیں دوبارہ جیل میں ڈال دیں گے تو لوگوں نے شیخ صاحب کو مشورہ دیا کہ وہ بدن پر کپڑا لپیٹ کر کپڑے کے نیچے ہاتھ باندھ لیا کریں تاکہ شیخ اور قاضی دونوں کی قسمیں ٹوٹنے نہ پائیں تو شیخ صاحب نے لوگوں کے اس مشورہ کو قبول فرمالیا۔ اس کے بعد تھوڑی مدت ہی گزرنے پائی تھی کہ کسی نے آکر شیخ صاحب کو ان کی نماز میں قاضی صاحب کے فوت ہو جانے کی اطلاع دے دی تو شیخ صاحب نے فوراً وہ کپڑا اتار پھینکا''۔

شاہ ولی اللہ دہلوی کا ارشادِ گرامی

ماقبل کی ساری بحث وتمحیص سے یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ ناف سے اُوپر اور سینے پر ہاتھ باندھنا تو رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے اور اس کے متعلق واردشدہ احادیث سے کئی ایک احادیث صحیح اور حسن بھی ہیں جن کی تفصیل پہلے لکھی جا چکی ہے اُدھر زیر ناف ہاتھ باندھنا رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں اس سلسلہ میں حنفیوں کی طرف سے جتنی احادیث پیش کی جاتی ہیں وہ سب کی سب ضعیف اور کمزور ہیں اور

صاحبِ تحریر کو بھی اس کا اعتراف واقرار ہے جیسے وضاحت کے ساتھ پہلے لکھا جا چکا ہے تو اب زیر ناف ہاتھ باندھنے کے لیے صرف خرص، تخمین، ظن، اندازے اور اٹکل پچو کے سہارے باقی رہ جاتے ہیں جن کی رسول اللہ ﷺ کی سنت وحدیث کے سامنے کوئی حیثیت نہیں چنانچہ شاہ ولی اللہ دہلوی اپنی مایہ ناز کتاب حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں:

"فَإِنْ بَلَغَنَا حَدِيْثٌ مِنَ الرَّسُوْلِ الْمَعْصُوْمِ الَّذِیْ فَرَضَ اللّٰهُ عَلَيْنَا طَاعَتَهٗ بِسَنَدٍ صَالِحٍ يَدُلُّ عَلٰى خِلَافِ مَذْهَبِهٖ وَتَرَكْنَا حَدِيْثَهٗ وَاتَّبَعْنَا ذَالِكَ التَّخْمِيْنَ فَمَنْ اَظْلَمُ مِنَّا وَمَا عُذْرُنَا يَوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعَالَمِيْنَ". (حجۃ اللہ البالغہ ج۱ص۱۵٦)

''تو جس رسول معصوم ﷺ کی طاعت واتباع کو اللہ تعالیٰ نے ہم پر فرض کیا اس رسول معصوم ﷺ کی حدیث صالح ومقبول سند کے ساتھ ہم کو مل جائے جو کسی امام وبزرگ کے مذہب کے خلاف پر دلالت کرتی ہو پھر ایسی صورت میں ہم اگر اس حدیث کو چھوڑ دیں اور (امام وبزرگ) کے تخمین واندازے کے پیچھے ہولیں تو ہم سے بڑا ظالم کون ہوگا؟ اور اس دن ہمارا کیا عذر ہوگا جس دن تمام لوگ رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے؟''۔

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ إِلَى اللّٰهِ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ. وَهٰذَا مَا اَرَدْنَا اِيْرَادَهٗ فِیْ هٰذِهِ الْعَجَالَةِ وَاِنَّمَا هُوَ بلالة صاد وعلالة مشوق، وَنَدْعُو اللّٰهَ تَعَالٰى اَنْ يَّجْعَلَ هٰذَا الْكِتٰبَ نَافِعًا لَّنَا وَلِسَائِرِ الْمُسْلِمِيْنَ فِی الدُّنْيَا وَيَوْمَ يُقْضٰى بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَيُقَالُ: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ، وَاَنْ يُّرِيَنَا الْحَقَّ حَقًّا وَيَرْزُقَنَا اتِّبَاعَهٗ وَيُرِيَنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَيَرْزُقَنَا اجْتِنَابَهٗ.



بسم اللہ الرحمن الرحیم

خلاصہ

نماز میں ہاتھ اُٹھانے کی حد

تکبیر تحریمہ کہتے وقت' رکوع جاتے وقت' رکوع سے سر اُٹھاتے وقت اور دو رکعتوں سے اُٹھ کر کندھوں اور کانوں تک ہاتھ اُٹھانا دونوں طرح رسول اللہ ﷺ کی حدیث سے ثابت ہے۔

حدیث نمبرا: عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں میں نے نبی ﷺ کو دیکھا آپ نے نماز میں تکبیر شروع کی تو آپ نے ہاتھ اُٹھائے جب تکبیر کہی حتیٰ کہ آپ ان دونوں کو اپنے کندھوں کے برابر کرتے اور جب آپ رکوع کے لیے تکبیر کہتے تو اسی طرح کرتے اور جب سمع اللہ لمن حمدہ کہتے تو اسی طرح کرتے اور ربنا ولک الحمد کہتے اور یہ کام (رفع یدین) نہ کرتے۔ جس وقت سجدہ کرتے اور نہ ہی جس وقت سجدہ سے سر اُٹھاتے۔ (صحیح بخاری جلد اوّل ص ۱۰۲ باب الی این یرفع یدیہ۔ صحیح مسلم ج ا ص ۱۶۸)

حدیث نمبر۲: مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب تکبیر کہتے تھے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو اُٹھاتے تھے حتیٰ کہ ان دونوں کو اپنے کانوں کے برابر لے جاتے اور جب رکوع کرتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو اُٹھاتے حتیٰ کہ ان کو اپنے کانوں کے برابر لے جاتے اور جب رکوع سے سر اُٹھاتے پس سمع اللہ لمن حمدہ کہتے تو بھی اس کی مثل کرتے۔ (صحیح مسلم ج ا ص ۱۶۸)

نوٹ نمبرا: بخاری شریف میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور ابوداؤد' ترمذی'

نسائی، ابن ماجہ اور دار قطنی وغیرہ میں علیؓ ابن ابی طالب کی حدیثوں میں دو رکعتوں سے اُٹھ کر ہاتھ اُٹھانے کا ذکر بھی موجود ہے۔

نوٹ نمبر۲: نسائی ج ا ص ۱۴۱ میں وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی انگوٹھے کانوں کی لوتک اُٹھانے والی حدیث اور دار قطنی ج ا ص ۳۰۰ میں انس رضی اللہ عنہ کی انگوٹھے کانوں کے برابر اُٹھانے والی حدیث دونوں ہی ضعیف اور کمزور ہیں۔

نماز میں ہاتھ باندھنے کا مقام

نماز میں سینے پر اور ناف سے اُوپر ہاتھ باندھنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔

حدیث نمبر۱: سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ لوگوں کو حکم دیا جاتا تھا کہ آدمی اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں ذراع (بڑی انگلی کے کنارے سے لے کر کہنی کے جوڑ تک کا حصہ) پر رکھے۔ (صحیح بخاری ج ا ص ۱۰۲)

حدیث نمبر۲: وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ''اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہتھیلی کی پشت، گٹ اور ساعد (گٹ سے لے کر کہنی کے جوڑ تک حصہ) پر رکھ لیا''۔ (صحیح ابن خزیمہ ج ا ص ۲۴۳ حدیث نمبر ۴۸)

یاد رہے اس حدیث کی سند میں مؤمل بن اسماعیل نہیں ہے اور ان دو حدیثوں میں بیان شدہ کیفیت سے ہاتھ باندھے جائیں تو وہ زیر ناف پہنچتے ہی نہیں آپ سیدھے کھڑے ہو کر اس طرح ہاتھ باندھ کر تجربہ کر سکتے ہیں۔

حدیث نمبر۳: ہلب طائی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اور میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپ اس کو (ہاتھ کو) اپنے سینے پر رکھتے۔ (مسند احمد ج ۵ ص ۲۲۶)

نیموی کا اس کی سند کو حسن کہنا درست اور لفظ ''علی صدرہ'' کو غیر محفوظ کہنا نا درست ہے۔

نوٹ نمبرا: ان تینوں احادیث کے تمام راوی ثقہ ہیں ان میں کوئی ایک راوی بھی کثیر الخطاء منکر الحدیث اور سیئ الحفظ یا ضعیف نہیں جو ایسا سمجھتا ہے وہ غلطی پر ہے کتب رجال کے متعلقہ مقام دیکھے اس کی غلطی کافور ہو جائے گی۔ ان شاء اللہ المنان

نوٹ نمبر۲: زیر ناف ہاتھ باندھنے کی تمام احادیث ضعیف اور کمزور ہیں۔ صاحبِ تحریر خود لکھتے ہیں:

''طرفین کی احادیث محدثین کرامؒ کے اُصول سے صحیح نہیں''۔

نیز لکھتے ہیں:

''احناف اس مسئلے میں ضعیف اور کمزور و غلط روایتیں الخ''۔

مزید لکھتے ہیں:

''فقہ میں بھی زیر ناف کی احادیث اور فوق الصدر کی احادیث کے بارے میں لکھا ہے کہ روایت دونوں طرف ہیں مگر کمزور ہیں''۔

نوٹ نمبر۳: صاحبِ تحریر اور بعض دیگر حنفیوں کا زیر ناف ہاتھ باندھنے کی سب احادیث کو ضعیف اور کمزور قرار دینا تو درست ہے البتہ سینے پر یا ناف سے اُوپر ہاتھ باندھنے کی تمام احادیث کو ان کا ضعیف قرار دینا درست نہیں چنانچہ خود کئی حنفی بزرگ بھی مثلاً ابن امیر الحاج' صاحب البحر الرائق اور ابوالحسن سندھی ان سے بعض احادیث کے صحیح ہونے کی تصریح فرما چکے ہیں۔

نوٹ نمبر۴: جب زیر ناف ہاتھ باندھنے کی تمام احادیث ضعیف اور کمزور ہیں اور صاحبِ تحریر بھی ان کے ضعیف ہونے کا برملا اعتراف و اعلان فرما چکے ہیں تو اس کے باوجود ان ضعیف و کمزور روایات کو تحریرات میں لکھ اور تقریرات میں سنا کر عوام الناس کو ورغلانا اور پریشان نہیں کرنا چاہیے کیونکہ ایسا عمل ...... مؤمن کے شایانِ شان نہیں۔

نوٹ نمبر۵: اس موضوع میں امام مالکؒ سے مروی ہاتھ چھوڑنے والے

ایک قول کو ان کے اختیار کا نام دے کر بیان کرنا نرا مغالطہ ہے کیونکہ ان کے دوسرے قول ہاتھ باندھنے والے کو بہت سے مالکی وغیر مالکی علماء نے ترجیح دی ہے نیز امام مالکؒ نے خود اپنی مایہ ناز کتاب مؤطا میں سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کی ہاتھ باندھنے والی حدیث روایت کی ہے جس سے امام مالک کے اختیار کردہ قول وعمل پر کچھ نہ کچھ روشنی پڑتی ہے۔ پھر اس جگہ زیر بحث ہاتھ باندھنا اور چھوڑنا نہیں بلکہ زیر ناف اور سینے پر باندھنا زیر بحث ہے بہر کیف صورتِ حال کچھ بھی ہو اس کا صاحبِ تحریر اور ان کے ہمنواؤں کو کوئی فائدہ نہیں کیونکہ امام کوئی ہوں مالک ہوں یا شافعی' احمد ہوں یا ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہم یا کوئی اور امام ہوں ان کا قول وعمل دین میں حجت نہیں دین میں حجت ودلیل صرف اور صرف کتاب وسنت ہے۔

نوٹ نمبر۶: امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے متعلق کہنا کہ ''زیر ناف ہاتھ باندھنے کو انہوں نے مشاہدہ سے لیا ہے الخ''۔ سراسر غلط بیانی ہے جس کی کوئی وجہ جواز نہیں۔ پھر یہ کہنا کہ ''امام مجتہد جس عمل کو اختیار کرے وہ اس کی تصحیح ہوتی ہے'' بھی بے بنیاد اور غلط ہے کتاب وسنت اور عقل ونقل میں اس کی کوئی اصل نہیں۔ چند منٹ کے لیے اس قاعدہ بے فائدہ کو تسلیم کر لیا جائے تو بھی ناف سے اوپر ہاتھ باندھنا ہی صحیح بنتا ہے کیونکہ اس عمل کو اختیار کرنے والوں میں بھی بڑے بڑے مجتہد گزرے ہیں جن میں حضرت علی رضی اللہ عنہ شامل ہیں کیونکہ ابوداؤد میں ہے کہ وہ ناف سے اوپر ہاتھ باندھا کرتے تھے۔

پھر جب کسی مجتہد کا کسی عمل کو اختیار کرنا اس عمل کی تصحیح ہے تو پھر کیا خیال ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی عمل کو اختیار کرنا اس عمل کی تصحیح نہ ہوگی؟ تو پتہ چلا ان مقلدین نے نہ تو حدیث پر عمل کیا اور نہ ہی اپنے اس خانہ ساز اُصول پر ؎

تقلید کی شامت کہ احادیث کو چھوڑا
اور اپنے اُصولوں کو بھی توڑا چھوڑا

نوٹ نمبر ۷: جو لوگ نماز میں سینے پر اور ناف سے اوپر ہاتھ باندھنے کو غلط سمجھتے ہیں یا اس کے منکر ہیں یا اس عمل کو توہین آمیز سمجھتے ہیں اور اس کا مذاق اڑاتے ہیں۔ اُن لوگوں کو یاد رکھنا چاہیے کہ سنت کا منکر بدعتی اور گنہگار ہوتا ہے اور مذاق اُڑانے سے ایمان جاتا رہتا ہے۔

پھر زیر ناف ہاتھ باندھنا غیر سنت ہے اور غیر سنت کو سنت بنانا بڑا ہی سنگین جرم ہے کیونکہ غیر سنت کو سنت بنانا رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ بولنا اور بہتان لگانا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ پر بھی۔ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذَالِكَ.

اللہ تعالیٰ ہم سب کو زندگی کے ہر شعبہ میں کتاب وسنت کا پابند بنائے۔ آمین یا رب العالمین!



مسئلہ رفع الیدین

تحریری مناظرہ

ما بین

حافظ عبدالمنان نورپوری حفظہ اللہ
مدرس جامعہ محمدیہ جی ٹی روڈ گوجرانوالہ

اور

مولانا قاری جمیل احمد حنفی صاحب
مدرس دارالعلوم تعلیم القرآن مسجد گنبد والی سرفراز کالونی گوجرانوالہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرفِ آغاز

آج سے چھ سات سال پہلے ہمارے مدرسہ جامعہ محمدیہ گوجرانوالہ میں امجد علی نامی ایک صاحب دینی علم حاصل کرنے کے لیے داخل ہوئے۔ دُنیاوی تعلیم ان کی خاصی تھی اور اس سے پہلے وہ ایک غیر ملکی تعمیراتی فرم میں معقول تنخواہ پر کام کرتے رہے تھے۔ تبلیغی جماعت میں بھی کافی وقت لگا چکے تھے۔ دینی علم حاصل کرنے کا شوق بڑھا تو ملازمت چھوڑ دی۔ اور مدارسِ عربیہ کی طرف رُخ کیا۔ ایک دو مدارس میں گئے مگر دل کو اطمینان نہ ہوا۔ کسی کے بتانے پر جامعہ محمدیہ میں آ گئے۔ یہاں ان کے خیال کے مطابق ان کی تعلیم تسلی بخش ہونے لگی۔ طبیعت میں سعادت اور اطاعت تھی۔ رسول اللہ ﷺ کی جو صحیح حدیث ملتی اس پر عمل کرنے کی کوشش کرتے۔ آہستہ آہستہ اپنے پہلے اکابر کا طریقہ چھوڑ کر سنتِ نبویؐ کے مطابق صحیح نماز ادا کرنے لگے۔ رکوع جاتے اور اُٹھتے وقت رفع الیدین بھی شروع کر دی۔

جامعہ کے قریب محلّہ سرفراز کالونی میں دیوبندی حضرات کی ایک مسجد میں وہ اکثر جایا کرتے تھے کیونکہ تبلیغی حضرات سے ان کی پرانی راہ و رسم تھی۔ اب جب ان لوگوں نے انہیں رفع الیدین کرتے ہوئے دیکھا تو اس سے باز رکھنے کی کوشش فرمانے لگے خصوصاً وہاں کے مدرس مولانا قاری جمیل احمد صاحب اس کارِ خیر میں پیش پیش تھے۔ ان سے کہا گیا کہ رفع الیدین تو منسوخ ہو چکی آپ کیوں کرتے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ اگر ثابت ہو جائے کہ یہ منسوخ ہے تو میں چھوڑ دوں گا۔ صرف زبانی ہی نہیں بلکہ حسبِ ذیل تحریر بھی قاری جمیل احمد صاحب کو لکھ کر دے دی:

''اگر آپ مجھے یہ ثابت کر دیں کہ رکوع میں جاتے ہوئے اور اُٹھتے ہوئے اور دو رکعت کے بعد تیسری رکعت کے لیے جب ہم اٹھیں گے تو رفع یدین کریں گے اور تیسری اور چوتھی رکعت میں جب ہم رکوع میں جائیں گے اور اٹھیں گے تو رفع یدین دونوں دفعہ کریں گے۔ اگر یہ طریقہ رفع یدین نماز میں منسوخ ہے کہ حضورؐ مندرجہ بالا بیان کے مطابق رفع یدین نہیں کرتے تھے نماز میں اور اگر کرتے تھے تو بعد میں منسوخ فرما دیا ہو۔ اگر منسوخ ہونے کی قوی دلیل پیش کر دیں تو میں نماز میں رفع یدین رکوع والا چھوڑ دوں گا'' امجد علی

اس پر قاری جمیل احمد صاحب نے رفع الیدین منسوخ ہونے کے دلائل لکھ کر امجد صاحب کو دیے اور ان کے آخر میں لکھا۔ نوٹ: اگر کسی بھائی کو ان احادیث پر کسی قسم کا کوئی اعتراض اور کوئی شک ہو تو وہ ان لکھے ہوئے صفحوں کے ساتھ جو صفحے خالی ہیں ان پر اپنے اعتراض اور شک وشبہات لکھے ان شاء اللہ العزیز تسلی بخش جواب دیا جائے گا فَتَدَبَّرُوْا۔

جناب امجد علی صاحب نے قاری جمیل احمد صاحب کا رقعہ محترم مولانا حافظ عبدالمنان صاحب کی خدمت میں پیش کیا کہ آپ اس کی حقیقت واضح کریں۔ حافظ صاحب نے اس کا جواب لکھا اور امجد علی نے وہ جواب قاری جمیل احمد صاحب کے پاس پہنچایا۔ اس کے بعد دونوں حضرات میں مزید تحریری گفتگو ہوئی۔ پہلی تحریر سمیت قاری صاحب نے چھ رقعے لکھے۔ حافظ عبدالمنان صاحب نے بھی جواب میں چھ رُقعے لکھے۔ ان کا آخری رقعہ ۲۶/ذوالقعدہ ۱۴۰۲ھ کا لکھا ہوا قاری جمیل احمد صاحب کو پہنچا مگر آج شعبان ۱۴۰۸ھ تک ان کا جواب نہیں آیا۔

اللہ تعالیٰ نور دین خادم صاحب کو جزائے خیر عطا فرمائے جنہوں نے دونوں حضرات کی تحریریں افادۂ عام کے لیے شائع کرنے کا اہتمام فرمایا۔

اگر کوئی صاحب ان رُقعوں کوغور سے پڑھیں تو انہیں صحیح بحث ومناظرہ کا بہترین سلیقہ حاصل ہوسکتا ہے۔ ضعیف احادیث کو صحیح بنانے کی کوشش کرنا' کبھی کوئی موقف اور کبھی کوئی موقف اختیار کرنا اور اصل موضوع سے غیر متعلق باتیں چھیڑ کر جان بچانا آپ کو قاری صاحب کی تحریروں میں ملے گا۔

اور صحیح احادیث کا دفاع' بہترین صبر وتحمل کے ساتھ اپنی ایک ہی بات پر قائم رہنا' حریف کو مجبور کر کے اصل بات پر لانا' غیر ثابت روایات کو صحیح قرار دینے کی کوشش کا قلع قمع' اور غیر متعلق باتوں سے اچھے طریقہ کے ساتھ عہدہ برآء ہونا آپ کو حافظ عبدالمنان صاحب کی تحریروں میں ملے گا۔

اللہ تعالیٰ ان تحریروں کو اپنے بندوں کے لیے نافع بنائے اور ہمیں زیادہ سے زیادہ ان سے فائدہ حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

راقم

عبدالسلام بھٹوی جامعہ محمدیہ جی ٹی روڈ

گوجرانوالہ

۲۵ شعبان ۱۴۰۸ھ



بسم اللہ الرحمن الرحیم

”اگر آپ مجھے یہ ثابت کر دیں کہ رکوع میں جاتے ہوئے اور اُٹھتے ہوئے اور دو رکعت کے بعد تیسری رکعت کے لیے جب ہم اٹھیں گے تو رفع یدین کرے گیں اور نہیں اور چوتھی رکعت میں جب ہم رکوع میں جائے گیں اور اٹھے گیں تو رفع یدین دونوں دفعہ کرے گیں۔ اگر یہ طریقہ رفع یدین نماز میں منسوخ ہے کہ حضورؐ مندرجہ بالا بیان کے مطابق رفع یدین نہیں کرتے تھے نماز میں اور اگر کرتے تھے تو بعد میں منسوخ فرما دیا ہو۔ اگر منسوخ ہونے کی قوی دلیل پیش کر دیں تو میں نماز میں رفع یدین رکوع والا چھوڑ دوں گا“۔

امجد علی



بسم اللہ الرحمن الرحیم

بخدمت جناب بھائی امجد صاحب:

زِيْدَ عِلْمُكُمْ وَعَمَلُكُمْ وَشَرُفُكُمْ وَفَهْمُكُمْ وَعُمُرُكُمْ.

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

سلام و دُعا کے بعد گزارش یہ ہے کہ بھائی امجد صاحب آپ کچھ دوستوں کے ساتھ رفع یدین کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے اور یہ بندۂ ناچیز ادھر ہی تھا۔ اسی اثنا میں آپ نے یہ کہا اگر آپ یہ ثابت کر دیں کہ رفع یدین نہیں کرنا چاہیے دلیل قوی سے یا اس رفع یدین کے منسوخیت پر[1] تو اب میرے پیارے بھائی آنکھوں سے پڑھیے اور دل و دماغ کے ساتھ غور و فکر کریں اور پھر کسی منصف مزاج سے فیصلہ کروائے[2] ان شاء اللہ بات سمجھ میں آ جائے گی۔

دلیل: مسلم شریف ج ا ص ۱۸۱ اور ابوداؤد ج ا ص ۱۴۳، نسائی ج ا ص ۱۳۳ میں حضرت جابر ابن سمرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے ہم نماز میں مصروف تھے اور رفع یدین کر رہے تھے۔ آپؐ نے فرمایا:

مَالِيْ اَرَاكُمْ رَافِعِيْ اَيْدِيْكُمْ كَاَنَّهَا اَذْنَابُ خَيْلٍ شُمْسٍ اُسْكُنُوْا فِي الصَّلٰوةِ.

اس سے یہ دلیل ثابت ہوئی کہ رفع نہیں کرنا چاہیے اور دلیل منسوخیت پر بھی۔

اعتراض: مسلم ج ا ص ۱۸۱ میں روایت ہے کہ لوگ سلام پھیرتے وقت

---

[1] تو میں رفع یدین کرنا چھوڑ دوں گا۔ [2] یہ عبارت اسی طرح ہے۔

ہاتھ اُٹھاتے تھے تو اس روایت کا مطلب یہ ہے کہ سلام پھیرتے وقت رفع یدین نہ کیا کرو، یہ مطلب نہیں کہ عند الرکوع و عند الرفع رأسہ رفع یدین نہ کرو۔

جواب ۱: علامہ زیلعی نصب الرایہ ج ۱ ص ۳۹۳ میں لکھتے ہیں کہ ان دونوں روایتوں کا سیاق جدا جدا ہے لہٰذا ایک روایت کو دوسری کی تفسیر نہیں بنایا جا سکتا۔ حضرت جابر ابن سمرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ جب آپ ﷺ تشریف لائے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مسجد کے اندر نماز میں مشغول تھے اور آپ ﷺ باہر سے تشریف لائے اور دوسری روایت میں ہے کہ کُنَّا اِذَا صَلَّیْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ الحدیث۔ اس سے معلوم ہوا کہ عند السلام جس رفع سے آپ ﷺ نے منع فرمایا اس وقت آپ ﷺ خود بھی نماز میں مصروف تھے شریک تھے۔

جواب ۲: ان شاء اللہ العزیز بحث اپنے مقام کو مذکور ہے کہ اَلْعِبْرَۃُ بِعُمُوْمِ اللَّفْظِ لَا لِمَخْصُوْصِ السَّبَبِ. یعنی اعتبار عموم لفظ کا ہے نہ کہ خصوص سبب کا۔ آپ ﷺ نے اُسْکُنُوْا فِی الصَّلٰوۃِ فرمایا ظاہری الفاظ چاہتے ہیں کہ عند الرکوع یا عند الرفع یا عند السلام کسی بھی وقت رفع یدین نہ کیا جائے۔

دلیل: عن عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ صحابی جلیل (لَا یُسْئَالُ عَنْ مِثْلِہٖ) امام دارقطنی ج ۱ ص ۵۵ میں لکھتے ہیں:

وَاِذَا اجْتَمَعَ[1] ابْنُ مَسْعُوْدٍ وَ ابْنُ عُمَرَ اِخْتَلَفَا وَابْنُ مَسْعُوْدٍ اَوْلٰی اَنْ یُتَّبَعَ وَقَالَ اَحْمَدُ نَعَمْ. قَالَ اِلٰی لَکُمْ صَلٰوۃَ رَسُوْلِ اللّٰہِ فَصَلّٰی وَلَمْ یَرْفَعْ بِیَدَیْہِ فِیْ اَوَّلِ مَرَّۃٍ.

یہ روایت ترمذی ج ۱ ص ۶۴ اور طحاوی ج ۱ ص ۱۱۰ اور مسند احمد ج ۱ ص ۴۴۲ میں مذکور ہے اور مسند احمد کے الفاظ یہ ہیں فَرَفَعَ بِیَدَیْہِ فِیْ اَوَّلِ مَرَّۃٍ اور ابوداؤد ج ۱

---

[1] یہ عبارت اصل مسودہ میں اسی طرح ہے۔

ص ۱۰۹ میں بھی یہی روایت مذکور ہے۔ امام ترمذی ج ا ص ۶۵ میں لکھتے ہیں حدیث ابن مسعودؓ حدیث حسن اور ابن حزم محلی ج ۳ ص ۸۸ میں لکھتے ہیں ہیں وھذا الحدیث صحیح الصرف ص ۱۳۲ میں وصححہ' ابن القطان الغربی فی کتاب الوھم وکذالک صححہ' ابن حزم اندلسی۔

اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز کا نقشہ کھینچ کر بتلایا اور اس میں صرف افتتاح صلوٰۃ کے وقت رفع یدین تھا بعد کو نہیں۔

نوٹ: صاحبِ مشکوٰۃ نے ج ا ص ۷۷ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کرنے کے بعد لکھا ہے قَالَ اَبُوْدَاؤُدَ لَيْسَ هُوَ بِصَحِيْحٍ عَلٰى هٰذَا الْمَعْنٰى لیکن یہ صاحب مشکوٰۃ کا وہم ہے۔ جیسا کہ مشکوٰۃ میں ان کی اور اوہام کثیرہ ہیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی یہ روایت ابوداؤد ج ا ص ۱۰۹ میں مذکور ہے اور اس میں لیس بصحیح کے الفاظ مذکور نہیں۔ یہ الفاظ حضرت براء ابن عازب رضی اللہ عنہ کی روایت کے آخر میں ہیں جو ابوداؤد ج ا ص ۱۱۰ میں مذکور ہیں چونکہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی یہ روایت ترک رفع یدین کرنے والوں کے لیے اہم ہے اس لیے فریق ثانی کی طرف سے کئی اعتراض کیے گئے ہیں۔

اعتراض ا: کہ یہ روایت مرفوع نہیں۔

جواب ا: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ، حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مجلس میں بڑی ذمہ داری سے یہ فرماتے ہیں الا احملی لکم صلوٰۃ رسول اللہ۔الحدیث' تو وہ اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز طریقہ ان کو سکھاتے تھے جس کو موقوف کہنا نری جہالت ہے۔

اعتراض ۲: ابوداؤد کی روایت میں ثم لایعود کے لفظ ہیں۔ لیکن وکیع اس میں متفرد ہیں لہٰذا روایت معتبر نہیں۔

جواب ۲: وکیع ابن الجراح ثـقـة ثبـة ہیں اور ثقہ زیادتی مقبول ہوتی ہے۔ تمام محدثین کا اتفاق ہے۔ امام نوویؒ مقدمہ نووی ص ۱۸، اور شرح ج ا ص ۲۷۴ میں لکھتے ہیں کہ جمہور محدثین اور علماء فقہ اور اُصول اس پر متفق ہیں کہ ثقہ راوی کی زیارت واجب القبول ہے نواب صدیق حسن خانؒ بدور الاھلہ ج ا ص ۶۵ میں لکھتے ہیں وشک نیست کہ زیارۃِ ثقہ مقبول است۔ اسی طرح مبارکپوریؒ تحفۃ الاحوذی ج ا ص ۲۰۵ میں لکھتے ہیں۔

دلیل: مسند حمیدی ج ۲ ص ۲۷۷ میں روایت ہے قـامـه ثـنـا الحميدى قـال حدثنا الزهرى . (حمید اور زہری کے درمیان کتابت کی غلطی کی وجہ سے سفیان کا لفظ ساقط ہو گیا)

قَـالَ اَخْـبَـرَنَـا سَـالِـمُ ابْنُ عَبْدِاللّٰهِ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ اِذَا افْتَتَحَ الـصَّـلٰوةَ رَفَعَ يَدَيْهِ حَذْوَ مَنْكِبَيْهِ وَاِذَا اَرَادَ اَنْ يَّرْكَعَ وَبَعْدَمَا يَرْفَعُ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوْعِ فَلَا يَرْفَعُ وَلَا بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ.

دلیل: مصنف ابن ابی شیبہ ج ا ص ۱۶۰ اور طحاوی ج ا ص ۱۳۳ میں روایت ہے وَقَـالَ هُـوَ حَـدِيْـثٌ صَـحِيْحٌ عَنِ الْاَسْوَدِ وَقَالَ رَأَيْتُ عُمَرَ ابْنَ الْخَطَّابِ يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِيْ اَوَّلِ تَكْبِيْرَةٍ ثُمَّ لَا يَعُوْدُ. الجوہر النقی ص ۷۵ میں ہے هذا سند على شرط مسلم. اور حافظ ابن حجر درایہ ص ۸۵ میں لکھتے ہیں دواته ثقات.

دلیل: طحاوی ج ا ص ۱۱۰ اور ابن ابی شیبہ ص ۱۵۹ میں روایت ہے عن ابن کـلـيـب عـن ابـيـه ان عليا كان يرفع يديه على اوّل تكبيرة من الصلوٰة ثم لم يعود . درایہ میں ص ۸۵ ہے رواتـه ثـقـات حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحبؒ نیل الفرقدین ص ۱۰۹ میں لکھتے ہیں قال الذيلعى هو صحيح و قال النبى على شرط مسلم....

ان ہی دلائل پر اکتفا کرتا ہوں اگر اور ضرورت پڑی تو پھر بھی ان شاء اللہ

العزیز ان کے ساتھ اور بھی دلائل پیش کیے جا سکتے ہیں۔

فقط والسلام

نوٹ: اگر کسی بھائی کو ان احادیث پر کسی قسم کا کوئی اعتراض اور کوئی شک ہو تو وہ ان لکھے ہوئے صفحوں کے ساتھ جو صفحے خالی ہیں ان پر اپنے اعتراض اور شک و شبہات لکھے ان شاء اللہ العزیز تسلی بخش جواب دیا جائے گا۔ فتدبروا۔

تنبیہ: بھائی امجد صاحب دلائل پیش کیے ہیں ترک رفع یدین پر۔ آپ میں اگر استعداد نہیں تو آپ ان دلائل کو کسی عالم سے فیصلہ کروائے جو کم جامع العقول و المنقول ہو اور غیر متعصب ہو۔

جمیل احمد



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

محترم بھائی امجد صاحب!

زَادَنِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَاِیَّاکَ عِلْمًا نَّافِعًا وَّ عَمَلًا مُّتَقَبَّلًا۔

اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَ بَرَکَاتُہٗ۔

امابعد! آپ نے بندہ کو رکوع جاتے اور اس سے سر اُٹھاتے وقت رفع الیدین نہ کرنے سے متعلق جناب قاری جمیل احمد صاحب معلم گنبد والی مسجد سرفراز کالونی جی۔ ٹی روڈ گوجرانوالہ کا لکھا ہوا ایک رُقعہ لاکر دیا اور مطالبہ کیا کہ آپ اس کا جواب لکھیں' تو نیچے اس کا جواب لکھا جاتا ہے اُمید ہے آپ اسے بغور پڑھیں گے۔ اللہ تعالیٰ نیکی کی توفیق دے۔

حضرت قاری صاحب کا موقف و مدعیٰ

أصول ہے کہ دلیل یا دلائل پر کلام سے پہلے اس چیز کو سامنے رکھنا ضروری ہے جس چیز کے دلائل پیش کیے جارہے ہوں تو اس مقام پر پہلے ہم نے غور کرنا ہے کہ قاری صاحب نے بزعم خود جو دلائل ذکر فرمائے ہیں وہ کس چیز کے دلائل ہیں تو سنیئے قاری صاحب حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی روایت لکھنے کے بعد فرماتے ہیں ''اس سے یہ دلیل[1] ثابت ہوئی کہ رفع الیدین نہیں کرنا چاہیے اور دلیل منسوخیت پر بھی''۔

(قاری صاحب کا رقعہ ص ۱)

تو ان کی اس منقولہ بالا عبارت سے پتہ چلا کہ وہ اپنے اس رقعہ میں رفع الیدین نہ کرنے کے دلائل بیان فرمارہے ہیں اور رفع الیدین نہ کرنے کی دو صورتیں ہیں۔

---

[1] یہ عبارت قاری صاحب کے رقعہ میں اسی طرح ہے۔ منہ

① رفع الیدین نہ کرنا بایں صورت کہ رفع الیدین کرنا سرے سے مشروع ہی نہ ہو۔

② رفع الیدین نہ کرنا بایں صورت کہ رفع الیدین کرنا پہلے پہل مشروع ہو بعد میں اسے منسوخ کر دیا گیا ہو۔ پہلی صورت میں رفع الیدین کے نبی کریم ﷺ سے ثبوت کا بالکلیہ انکار ہے جبکہ دوسری صورت میں رفع الیدین کے پہلے پہل نبی کریم ﷺ سے ثابت ہونے کا اقرار پھر اس کے منسوخ ہونے کا دعویٰ ہے کیونکہ جو چیز سرے سے شرع میں ثابت ہی نہ ہو اس کے نسخ کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

اتنی بات ذہن میں رکھنے کے بعد دیکھنا یہ ہے کہ ''رفع الیدین نہیں کرنا چاہیے'' کی مذکورہ بالا دونوں صورتوں میں سے جناب قاری صاحب نے کون سی صورت اختیار کی ہوئی ہے تو اس سلسلہ میں ان کا اپنا ہی بعد والا جملہ ''اور دلیل منسوخیت پر بھی'' صاف صاف بتلا رہا ہے کہ انہوں نے دوسری صورت ''رفع الیدین کے مشروع ہونے کے بعد منسوخ ہونے کو اختیار فرمایا ہے تو مختصر الفاظ میں یوں سمجھئے کہ قاری صاحب رفع الیدین کے منسوخ ہونے کے مدعی ہیں اور رفع الیدین کی منسوخیت ان کا دعویٰ ہے۔

تو واضح بات ہے کہ ان کے اس دعویٰ میں رفع الیدین کے نبی کریم ﷺ سے پہلے پہل ثابت ہونے کا اعتراف واقرار موجود ہے لہٰذا ہمیں اس مقام پر صحیح بخاریؒ، صحیح مسلمؒ، سنن ابی داوٗدؒ، سنن ترمذیؒ، سنن نسائیؒ، سنن ابن ماجہؒ، موطا امام مالکؒ، موطا امام محمدؒ، شرح معانی الآثار للطحاویؒ، سنن دارقطنیؒ، سنن کبریٰ للبیہقیؒ اور دیگر کتبِ حدیث سے نبی کریم ﷺ کے رکوع جاتے اور اس سے سر اُٹھاتے وقت رفع الیدین کرنے کو ثابت کرنے والی احادیث کو نقل کرنے کی ضرورت نہیں ہم آپ کو اس جگہ صرف اور صرف یہ بتائیں گے کہ قاری صاحب کا دعویٰ ''منسوخیت رفع الیدین'' کسی ایک دلیل سے بھی ثابت نہیں ہوتا۔

منسوخیت رفع الیدین کے دلائل کا جائزہ

حضرت قاری صاحب نے اپنے دعویٰ ''منسوخیتِ رفع الیدین'' پہ بطورِ دلیل کل پانچ روایات پیش فرمائی ہیں جن میں سے آخری دو تو موقوف ہیں اور پہلی تین مرفوع۔ اہل علم کو معلوم ہے کہ موقوف روایت فعلی ہو خواہ قولی شرعی دلائل میں سے کوئی سی دلیل بھی نہیں کیونکہ شرعی دلائل صرف چار ہیں۔ ❶ کتاب اللہ ❷ سنت رسول اللہ ﷺ بشرطیکہ ثابت ہو' ❸ اجماع امت ❹ قیاس صحیح' لہٰذا قاری صاحب کی آخر میں پیش فرمودہ دو موقوف روایتوں سے رفع الیدین کی منسوخیت پر استدلال درست نہیں۔ یہ جواب ان روایتوں کی صحت کو تسلیم کر لینے کی صورت میں ہے ورنہ یہ روایات بعض محدثین کی نگاہ میں مرجوح ہیں' دیکھئے درایہ' نصب الرایہ' التعلیق الممجد اور امام بخاری کا رسالہ جزء رفع الیدین''۔

رہی پہلی تین مرفوع روایات تو ان میں سے آخری دو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما' اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ' والی روایات کو احادیث رفع الیدین کے لیے ناسخ بنانا درست نہیں۔

❶ اوّلاً تو اس لیے کہ وہ دونوں روایتیں سرے سے قابل احتجاج ہی نہیں' حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی مسند حمیدی والی روایت کا قابل احتجاج نہ ہونا تو آپ حضرت مولانا ارشاد الحق صاحب اثری زید مجدہ کی تصنیف لطیف ''مسئلہ رفع الیدین پر ایک نئی کاوش کا تحقیقی جائزہ'' میں ملاحظہ فرمائیں جس کا ایک نسخہ آپ کو دیا جا رہا ہے نیز اس کا ایک نسخہ آپ کی وساطت سے قاری صاحب کی خدمت میں بھیجا جا رہا ہے تا کہ وہ بھی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی مسند حمیدی والی روایت کا حال اس میں پڑھ لیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ والی روایت بھی قابل احتجاج نہیں:

حضرت قاری صاحب نے کتاب ترمذی کے جس باب سے امام ترمذی کا

قول حدیث ابن مسعود حدیث حسن. نقل کیا ہے کتاب ترمذی کے اسی باب میں حضرت الامام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد رشید حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کا مندرجہ ذیل قول بھی موجود ہے۔

قَدْ ثَبَتَ حَدِيْثُ مَنْ يَرْفَعُ، وَذَكَرَ حَدِيْثَ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَالِمٍ عَنْ اَبِيْهِ وَلَمْ يَثْبُتْ حَدِيْثُ ابْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَرْفَعْ اِلَّا فِيْ اَوَّلِ مَرَّةٍ.

حضرت الامام عبداللہ بن مبارکؒ فرماتے ہیں ''جو لوگ رفع الیدین کرتے ہیں بلاشبہ ان کی حدیث ثابت ہے اور انہوں نے امام زہری کی سالم سے اس کے باپ (حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما) سے (رفع الیدین کرنے کی) حدیث بیان فرمائی اور کہا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف پہلی مرتبہ ہاتھ اُٹھائے ثابت نہیں۔

اس مقام پر بعض لوگ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ والی روایت میں قولی اور فعلی والی بات بنا کر حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کے مذکورہ بالا فیصلہ کا جواب دینے کی کوشش کرتے ہیں مگر حضرت الحافظ عبداللہ صاحب روپڑیؒ نے ان کی اس کوشش کو اپنے رسالہ ''امین بالجہر اور رفع الیدین'' میں ناکام بنا دیا ہے آپ اس کا ضرور بالضرور مطالعہ فرمائیں:

وَقَالَ الْحَافِظُ فِي التَّلْخِيْصِ: وَهٰذَا الْحَدِيْثُ حَسَّنَهُ التِّرْمِذِيُّ وَ صَحَّحَهُ ابْنُ حَزْمٍ، وَقَالَ ابْنُ الْمُبَارَكِ: لَمْ يَثْبُتْ عِنْدِيْ وَ قَالَ ابْنُ اَبِيْ حَاتِمٍ عَنْ اَبِيْهِ: هٰذَا حَدِيْثٌ خَطَاءٌ. وَقَالَ اَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ وَ شَيْخُهُ يَحْيَى بْنُ آدَمَ: هُوَ ضَعِيْفٌ، نَقَلَهُ الْبُخَارِيُّ عَنْهُمَا، وَ تَابَعَهُمَا عَلٰى ذَالِكَ، وَقَالَ اَبُوْدَاوُدَ: لَيْسَ هُوَ بِصَحِيْحٍ، وَقَالَ الدَّارَقُطْنِيُّ: لَمْ يَثْبُتْ، وَقَالَ ابْنُ حِبَّانَ فِي الصَّلَاةِ: هٰذَا اَحْسَنُ خَبَرٍ رُوِيَ لِاَهْلِ

الْكُوْفَةِ فِيْ نَفْيِ رَفْعِ الْيَدَيْنِ فِي الصَّلَاةِ عِنْدَ الرُّكُوْعِ وَ عِنْدَ الرَّفْعِ مِنْهُ، وَهُوَ فِي الْحَقِيْقَةِ اَضْعَفُ شَيْءٍ يُعَوَّلُ عَلَيْهِ لِاَنَّ لَهُ عِلَلاً تُبْطِلُهُ. ۱۰ھ (تحفۃ الاحوذی ج ۱ ص ۲۲۰)

مطلب یہ ہے کہ حضرت حافظ ابن حجرؒ تلخیص میں لکھتے ہیں کہ ''حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی اس روایت کو امام ترمذیؒ نے حسن اور ابن حزمؒ نے صحیح کہا اور حضرت عبداللہ بن مبارکؒ فرماتے ہیں وہ میرے ہاں ثابت نہیں اور ابوحاتم کہتے ہیں یہ روایت خطا ہے اور امام احمد بن حنبل اور ان کے استاد حضرت یحییٰ بن آدمؒ دونوں فرماتے ہیں وہ روایت ضعیف ہے۔ امام بخاریؒ نے ان دونوں بزرگوں کا یہ فیصلہ ان دونوں سے نقل فرمایا اور اس فیصلہ پر ان دونوں کی متابعت و موافقت کی اور امام ابوداوٗد فرماتے ہیں وہ روایت صحیح نہیں اور دارقطنیؒ فرماتے ہیں وہ ثابت نہیں اور ابن حبانؒ کہتے ہیں کوفیوں کے لیے نماز میں رکوع جاتے اور اس سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین کی نفی میں جتنی روایات ہیں ان میں یہ روایت سب سے اچھی ہے اور درحقیقت وہ ضعیف ترین شی ہے کیونکہ اس کی کئی علتیں ہیں جو اس کے قابل احتجاج ہونے میں مانع ہیں۔

ملحوظہ

قاری صاحب نے عرف شذی کے حوالہ سے لکھا ہے: ''وَصَحَّحَهُ ابْنُ الْقَطَّانِ'' الخ مگر درایہ برحاشیہ ہدایہ (ج ۱ ص ۱۱۲) میں لکھا ہے:

وَقَالَ ابْنُ الْقَطَّانِ: هُوَ عِنْدِيْ صَحِيْحٌ اِلَّا قَوْلَهُ: ثُمَّ لَا يَعُوْدُ. فَقَدْ قَالُوْا: اِنَّ وَكِيْعًا كَانَ يَقُوْلُهَا مِنْ قِبَلِ نَفْسِهِ. ۱۰ھ

جس سے صاف ظاہر ہے کہ ابن القطانؒ جملہ ثم لا یعود کو صحیح نہیں سمجھتے اس لیے صاحب عرف شذی کا بلا استثناء ''صححہ ابن القطان'' لکھنا درست نہیں۔ چنانچہ معارف السنن میں نیل الفرقدین سے التقاطاً اور اختصاراً نقل کرتے ہوئے

حضرت بنوریؒ لکھتے ہیں:

فَابْنُ الْقَطَّانِ فِیْ کِتَابِ الْوَهْمِ وَالْاِیْهَامِ صَحَّحَ الْحَدِیْثَ بِاللَّفْظِ الْاَوَّلِ وَاَعَلَّ بِلَفْظِ "ثُمَّ لَا یَعُوْدُ" الخ (ج۲ص۴۸۳ع)

حافظ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ تہذیب السنن میں لکھتے ہیں: "وَضَعَّفَهُ الدَّارِمِیُّ وَالدَّارَقُطْنِیُّ وَالْبَیْهَقِیُّ". اوراس روایت کوامام دارمیؒ امام دارقطنیؒ اورامام بیہقی نے ضعیف کہا۔ نیز مرعاۃ المفاتیح میں ہے:

"وَقَالَ الْبَزَّارُ لَا یَثْبُتُ وَلَا یُحْتَجُّ بِمِثْلِهٖ، وَقَالَ ابْنُ عَبْدِالْبَرِّ: هُوَ مِنْ آثَارٍ مَعْلُوْلَةٍ ضَعِیْفَةٍ عِنْدَ اَهْلِ الْعِلْمِ". اھ (ج ۲ ص ۳۲۳)

حافظ بزارؒ فرماتے ہیں وہ ثابت نہیں اور نہ ہی اس جیسی روایت سے احتجاج کیا جاتا ہے اور حافظ ابن عبدالبرؒ فرماتے ہیں وہ اہل علم کے نزدیک معلول اور ضعیف روایات سے ہے۔

تو محترم امجد صاحب! قاری صاحب نے جن ائمہ محدثین سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ والی روایت کا قابل احتجاج ہونا نقل فرمایا' ان کے نام اوران کی تعداد آپ کے سامنے ہے جن سے ابن القطانؒ کی تصحیح کا حال بھی آپ کومعلوم ہو چکا ہے۔ اب یہ بھی یادرکھیے کہ اس روایت کوضعیف اور نا قابل احتجاج قرار دینے والے ائمہ محدثین بہت ہی زیادہ ہیں جن میں سے بارہ کے اسماء گرامی مع حوالہ اُوپر گزر چکے ہیں۔ آپ ایک مرتبہ پھران کے ناموں پر نگاہ ڈال لیجیے تو سنیے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ والی روایت کو نا قابل احتجاج قرار دینے والے ائمہ محدثین میں حضرت الامام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد رشید حضرت عبداللہ بن مبارک، حضرت الامام احمد بن حنبل' حضرت الامام احمد کے شیخ اور استاذ حضرت یحیٰی بن آدم' امام بخاری' امام ابوداوٗد' امام ابوحاتم' حافظ دارقطنی' حافظ ابن حبان' امام دارمی' امام بیہقی حافظ بزار' اور حافظ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہم کے اسماءِ گرامی سرفہرست ہیں۔

صاحبِ مشکوٰۃ پر ایک وہم کے الزام کی حقیقت

صاحبِ مشکوٰۃ اپنی شہرۂ آفاق کتاب مشکوٰۃ المصابیح میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ والی زیر بحث روایت کو ترمذی' ابوداوٗد' اور نسائی کے حوالہ سے نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں "وَقَالَ اَبُوْدَاوٗدَ: لَیْسَ هُوَ بِصَحِیْحٍ عَلٰی هٰذَا الْمَعْنٰی". یعنی امام ابوداوٗدؒ فرماتے ہیں کہ "وہ روایت اس معنی پر صحیح نہیں" اس پر مشکوٰۃ کے ایک محشی فرماتے ہیں "یہ صاحبِ مشکوٰۃ کا وہم ہے کیونکہ ابوداوٗدؒ کی سنن میں یہ لفظ نہیں ہیں" ہمارے قاری صاحب نے بھی اسی خیال کا اظہار فرمایا ہے مگر معلوم ہونا چاہیے کہ اس مقام پر صاحبِ مشکوٰۃ کی طرف وہم کی نسبت بجائے خود ایک وہم ہے کیونکہ صاحبِ مشکوٰۃ اس فیصلہ کو امام ابوداوٗدؒ کا فیصلہ قرار دینے میں منفرد اور اکیلے نہیں' چنانچہ آپ اُوپر پڑھ چکے ہیں کہ حافظ ابن حجرؒ بھی "لَیْسَ هُوَ بِصَحِیْحٍ" کو ابوداوٗدؒ کا فیصلہ قرار دے چکے ہیں۔ پھر امام شوکانی نیل الاوطار میں لکھتے ہیں "وَتَصْرِیْحُ اَبِیْ دَاوٗدَ بِاَنَّهٗ لَیْسَ بِصَحِیْحٍ" نیز صاحبِ عون المعبود کا بیان ہے کہ "میرے پاس ابوداوٗد کے دو پرانے نسخے ہیں جن میں یہ لفظ بھی موجود ہیں۔

ملا علی قاریؒ اور علامہ میرک حنفی کی صاحبِ مشکوٰۃ کے حق میں شہادت

ملا علی قاری حنفی شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں:

(وَقَالَ اَبُوْدَاوٗدَ: لَیْسَ هُوَ بِصَحِیْحٍ عَلٰی هٰذَا الْمَعْنٰی) یَعْنِیْ وَ اِنْ کَانَ سَنَدُهٗ صَحِیْحًا لِاَنَّ غَیْرَ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَوٰی عَنْهُ عَلَیْهِ السَّلَامُ الرَّفْعَ عِنْدَ الرُّکُوْعِ وَالْاِعْتِدَالِ وَالْقِیَامِ مِنَ التَّشَهُّدِ الْاَوَّلِ. اھ

(ج۲ص۲۶۹)

ملا علی قاریؒ حنفی فرماتے ہیں کہ ابوداوٗد کے اس فیصلہ کا مقصود یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت گو سنداً صحیح ہے معنًی صحیح نہیں کیونکہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے غیر نے رکوع جاتے اور اس سے سیدھا کھڑے ہوتے وقت

اور پہلے تشہد سے اُٹھ کر رفع الیدین کرنا نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے۔

تو ملا علی قاری حنفی کا صاحبِ مشکوٰۃ کے ابوداوٗد سے نقل کردہ فیصلہ کی مندرجہ بالا توجیہ اور تشریح کرنا صاف صاف بتا رہا ہے کہ ملا علی قاری حنفی اس فیصلہ کو ابوداوٗد کا فیصلہ تسلیم کرتے ہیں ورنہ وہ بھی ہمارے قاری صاحب زید مجدہ کی طرح فرما دیتے ''یہ صاحبِ مشکوٰۃ کا وہم ہے'' پھر ملا علی قاری حنفی ہی اس کے بعد لکھتے ہیں:

''قَالَ مِيْرَكُ: فِيْهِ نَظَرٌ لِاَنَّهُ لَيْسَ فِيْ سُنَنِ اَبِيْ دَاوٗدَ عَلٰى هٰذَا الْمَعْنٰى وَاِنَّمَا فِيْهِ لَيْسَ بِصَحِيْحٍ فَقَطْ''. (حوالہ مذکورہ)

علامہ میرک حنفی فرماتے ہیں: ''اس میں نظر ہے کیونکہ لفظ ''علٰی ھذا المعنی'' سنن ابی داوٗد میں نہیں ہیں۔ سنن ابی داوٗد میں تو صرف ''لیس بصحیح'' کے لفظ ہیں' تو علامہ میرک حنفی رحمہ اللہ نے شہادت دے دی کہ لفظ ''لیس بصحیح'' (حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت صحیح نہیں) امام ابوداوٗد کی کتاب سنن میں موجود ہیں۔

فائدہ: علامہ میرک حنفیؒ کے ریمارک سے پتہ چلا کہ ملا علی قاری حنفی کی تشریح ''وان کان سندہ صحیحا لان غیر الخ'' واقع کے مطابق ہے نہ ہی وہ ابوداوٗد کی مراد میں شامل ہے کیونکہ اس کی بنیاد لفظ ''علٰی ھذا المعنی'' ہی تو ہے۔

تو دونوں حنفی بزرگ ملا علی قاریؒ اور علامہ میرکؒ بھی دیگر اہل علم کی طرح 'لیس بصحیح' کے ابوداوٗد کا فیصلہ ہونے میں صاحب مشکوٰۃ کے ساتھ ہیں تو ثابت ہوا کہ اس مقام پر ''لیس بصحیح'' کو امام ابوداوٗد کا فیصلہ قرار دینے میں صاحب مشکوٰۃ سے تو کوئی وہم سرزد نہیں ہوا البتہ ان پر اس جگہ وہم کا الزام لگانے والے خود ضرور بالضرور وہم یا ابہام میں مبتلا ہیں۔

یاد رہے کسی لفظ کے ابوداوٗد کا لفظ ہونے کے لیے ضروری نہیں کہ وہ ابوداوٗد کی کتاب کے تمام نسخوں میں موجود ہو بلکہ اس کا کسی ایک نسخہ میں موجود ہونا بھی کافی

ہے جیسا کہ اہل علم اس کو خوب جانتے ہیں۔ یہ تو قاری صاحب کے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سے استدلال کا پہلا جواب تھا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی یہ روایت بہت سارے ائمہ محدثین کے ہاں سرے سے قابل احتجاج ہی نہیں اب ان کے استدلال کے دیگر جواب سنیے:

❷ ثانیاً' تھوڑی دیر کے لیے ہم تسلیم کر لیتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ والی روایت قابل احتجاج ہے لیکن اس کو احادیث رفع الیدین کا ناسخ قرار دینا دُرست نہیں کیونکہ اسے ناسخ تب قرار دیا جا سکتا ہے جبکہ اس کا احادیثِ رفع الیدین سے متاخر ہونا ثابت ہو مگر قاری صاحب نے ابھی تک اس کے متاخر ہونے کی کوئی ایک دلیل بھی پیش نہیں فرمائی لہٰذا ان کی خدمت میں گزارش ہے کہ وہ پہلے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ والی روایت کا احادیثِ رفع الیدین سے متاخر ہونا ثابت کریں۔

❸ ثالثاً چند منٹ کے لیے اگر تسلیم کر لیا جائے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ والی روایت احادیث رفع الیدین سے متاخر ہے تو بھی اس کو ناسخ رفع الیدین قرار دینا درست نہیں کیونکہ اُصول کا قاعدہ ہے کہ فعل ناسخ نہیں ہوا کرتا۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ

اگر کوئی صاحب فرمائیں کہ قاری صاحب نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ والی روایت یا بعض دیگر روایات سے نسخ رفع الیدین پر استدلال نہیں کیا بلکہ ''رفع الیدین نہیں کرنا چاہیے'' پر استدلال فرمایا ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہم پہلے تفصیل سے مدلل طور پر وضاحت کر چکے ہیں کہ قاری صاحب ''منسوخیتِ رفع الیدین'' کے مدعی ہیں لہٰذا ان کے جملہ ''رفع الیدین نہیں کرنا چاہیے'' کا مطلب بھی یہی ہے کہ نسخ کی وجہ سے رفع الیدین نہیں کرنا چاہیے جیسا کہ اس کے بعد والا ان کا اپنا ہی جملہ ''اور دلیل منسوخیت پر بھی'' ہماری اس تفصیل پر دلالت کر رہا ہے۔

ہاں اگر قاری صاحب کا نظریہ ہو کہ رکوع جاتے اور اس سے سر اُٹھاتے وقت رفع الیدین رسول اللہ ﷺ سے سرے سے ثابت ہی نہیں تو ان کا فرض ہے کہ وہ اپنا یہ نظریہ صاف اور واضح لفظوں میں لکھیں اور یہ بات یاد رکھیں اس نظریہ سے ان کا ''منسوخیت رفع الیدین'' والا دعویٰ لامحالہ غلط ٹھہرے گا تو اس صورت میں انہیں منسوخیت والا دعویٰ واپس لینا ہوگا۔ اگر قاری صاحب نے اپنا دعویٰ ''منسوخیتِ رفع الیدین'' واپس لے لیا اور دوسرا موقف ونظریہ' رکوع جاتے اور اس سے سر اُٹھاتے وقت رفع الیدین کرنا نبی کریم ﷺ سے اصلاً ثابت ہی نہیں'' لکھ دیا تو ان شاء اللہ العزیز بتایا جائے گا کہ ان کا یہ دوسرا نظریہ دعوائے نسخ کی طرح ان کی پیش کردہ پانچ اور غیر پیش کردہ روایات میں سے کسی ایک روایت سے بھی ثابت نہیں ہوتا۔

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ والی روایت سے نسخ رفع الیدین پر استدلال کی روایت:

رہا حضرت قاری صاحب کا حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے نسخ رفعِ الیدین پر استدلال تو وہ بھی نادرست ہے۔

① اوّلاً تو اس لیے کہ اس روایت میں رسول اللہ ﷺ کے لفظ ''مالی اراکم رافعی ایدیکم'' بھی موجود ہیں جن کا معنی ہے ''کیا ہے مجھے یا میرے لیے دیکھتا ہوں میں تمہیں اپنے ہاتھ اُٹھانے والے'' اور واضح ہے کہ رسول کریم ﷺ جو رفع الیدین خود کیا کرتے تھے اور جو رفع الیدین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کے اتباع میں کیا کرتے تھے وہ رفع الیدین تو آپ ﷺ کو معلوم ہی تھا پھر اس رفع الیدین سے متعلق آپ مَالِیْ اَرَاکُمْ الخ کیونکر فرما سکتے ہیں لہٰذا اس روایت سے نبی کریم ﷺ کے رکوع جاتے اور اس سے سر اُٹھاتے وقت رفع الیدین کے نسخ پر استدلال غلط ہے۔

② ثانیاً اس لیے کہ اس روایت میں نبی کریم ﷺ کے لفظ کَاَنَّھَا اَذْنَابُ خَیْلٍ شُمُسٍ' بھی مذکور ہیں جن کا ترجمہ ہے ''گویا وہ ہاتھ سرکش گھوڑوں کی دُمیں

ہیں'' اور واضح ہے کہ جو رفع الیدین نبی کریم ﷺ کا اپنا معمول ہے اور جو رفع الیدین آپ کے اتباع میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا معمول ہے اس رفع الیدین کے متعلق آپ کا یہ الفاظ استعمال فرمانا محال ہے لہٰذا اس روایت سے نبی کریم ﷺ کے اتباع میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے معمول رفع الیدین کے نسخ پر استدلال ناقابل التفات ہے۔

③ ثالثاً اس لیے کہ نماز رکعت میں رفع الیدین بھی ''کَأَنَّهَا أَذْنَابُ خَيْلٍ شُمُسٍ'' کا مصداق ہے کیونکہ قاعدہ ہے ''اَلْعِبْرَةُ بِعُمُوْمِ اللَّفْظِ'' الخ' تو جیسے اس وتروں والے رفع الیدین کو اس روایت سے منسوخ نہیں کیا گیا ویسے ہی رکوع جاتے اور اس سے سر اُٹھاتے وقت رفع الیدین کو بھی اس کی مثبت احادیث کی بنا پر منسوخ قرار نہیں دیا جا سکتا۔

④ رابعاً اس لیے کہ قاری صاحب کے اس روایت سے رفع الیدین کے نسخ پر استدلال کی بنیاد رافعی ایدیکم الخ' میں رکوع جاتے اور اس سے سر اُٹھاتے وقت رفع الیدین مراد ہونے پر ہے مگر ابھی تک انہوں نے اس کی کوئی دلیل بیان نہیں فرمائی لہٰذا ان کا اس روایت سے اس رفع الیدین کے نسخ پر استدلال صحیح نہیں۔ باقی ''كنا اذا صلينا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم'' الخ اور ''خرج علينا رسول الله صلى الله عليه وسلم'' الخ کے اس واقعہ کے دو دفعہ رُونما ہونے پر دلالت سے یہ لازم نہیں آتا کہ دونوں موقعوں پر رفع الیدین جدا جدا ہو ''وَمَنِ ادَّعٰى فَعَلَيْهِ الْبَيَانُ'' بصورت تسلیم اتنی چیز سامنے آئے گی کہ خرج علينا والے واقعہ میں رفع الیدین عندالسلام مراد نہیں مگر اس سے یہ کیونکر ثابت ہوگا کہ اس سے رکوع والا رفع الیدین مراد ہے؟ وَمَنِ ادَّعٰى فَعَلَيْهِ الْبُرْهَانُ.

⑤ خامساً اس لیے کہ قیام سے رکوع میں جانا' رکوع سے سر اُٹھانا' قومہ سے سجدہ میں

جانا' سجدہ سے سر اُٹھانا اور جلسہ سے دوسرے سجدہ میں جانا یہ سب حرکات ہیں جو سکون فی الصلوٰۃ کے منافی ہیں تو "اُسْكُنُوا فِي الصَّلٰوةِ" کا تقاضا ہے کہ یہ مذکورہ بالا حرکات بھی ممنوع یا منسوخ ہوں کیونکہ قاعدہ ہے۔ "اَلْعِبْرَةُ بِعُمُوْمِ اللَّفْظِ لَا بِخُصُوْصِ السَّبَبِ" تو جس طرح نماز کے اندر یہ سب حرکات دوسرے دلائل کی بنا پر دُرست ہیں اسی طرح رکوع والا رفع الیدین بھی دوسرے دلائل کی وجہ سے درست' نبی کریم ﷺ کی سنت اور قابل اجر وثواب ہے لہٰذا قاری صاحب کا حضرت جابر بن سمرہؓ والی روایت سے رفع الیدین کے نسخ پر استدلال بے بنیاد ہے۔

⑥ سادساً' اس لیے کہ رکوع جاتے اور اس سے سر اُٹھاتے وقت رفع الیدین اگر سکون فی الصلوٰۃ کے منافی ہے تو لامحالہ نماز وتر کی تیسری رکعت میں رفع الیدین بھی سکون فی الصلوٰۃ کے منافی ہے اور اَلْعِبْرَةُ بِعُمُوْمِ اللَّفْظِ الخ والا قاعدہ اس کو بھی اپنی لپیٹ میں لے رہا ہے لہٰذا حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے رکوع والے رفع الیدین کے نسخ پر استدلال غلط ہے ورنہ نمازِ وتر کی تیسری رکعت والے رفع الیدین کا نسخ لازم آئے گا وَهُوَ كَمَا تَرٰى.

منسوخیتِ رفع الیدین کی تردید از بزرگانِ حنفیہ

کئی ایک حنفی بزرگوں نے بھی دعوی "منسوخیتِ رفع الیدین" کی تردید و تغلیط فرمائی ہے جن میں سے صرف تین بزرگوں کے اقوال نیچے درج کیے جاتے ہیں:

① حضرت مولانا عبدالحی لکھنوی حنفی لکھتے ہیں:

وَاَمَّا دَعْوٰی نَسْخِهٖ كَمَا صَدَرَ عَنِ الطَّحَاوِيِّ مُغْتَرًّا بِحُسْنِ الظَّنِّ بِالصَّحَابَةِ التَّارِكِيْنَ وَابْنِ الْهُمَّامِ وَالْعَيْنِيْ وَ غَيْرِهِمْ مِنْ اَصْحَابِنَا فَلَيْسَتْ بِمُبَرْهَنٍ عَلَيْهَا بِمَا يَشْفِي الْعَلِيْلَ وَيَرْوِي الْغَلِيْلَ.

(التعلیق الممجد علی مؤطا محمد ص ۸۹ حاشیہ ۹)

نیز وہی لکھتے ہیں:

وَذَكَرَ الطَّحَاوِيُّ بَعْدَ رِوَايَتِهِ عَنْ عَلِيٍّ: لَمْ يَكُنْ عَلِيٌّ يَرَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْفَعُ ثُمَّ يَتْرُكُهُ إِلَّا وَقَدْ ثَبَتَ عِنْدَهُ نَسْخُهُ. اِنْتَهٰى وَفِيهِ نَظَرٌ فَقَدْ يَجُوزُ أَنْ يَكُونَ تَرْكُ عَلِيٍّ وَكَذَا تَرْكُ ابْنِ مَسْعُوْدٍ وَ تَرْكُ غَيْرِهِمَا مِنَ الصَّحَابَةِ إِنْ ثَبَتَ عَنْهُمْ لِأَنَّهُمْ لَمْ يَرَوُا الرَّفْعَ سُنَّةً مُؤَكَّدَةً يَلْزَمُ الْأَخْذُ بِهَا وَلَا يَنْحَصِرُ ذَالِكَ فِي النَّسْخِ بَلْ لَا يُجْتَرَءُ بِنَسْخِ أَمْرٍ ثَابِتٍ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمُجَرَّدِ حُسْنِ الظَّنِّ بِالصَّحَابِيِّ مَعَ إِمْكَانِ الْجَمْعِ بَيْنَ فِعْلِ الرَّسُوْلِ وَ فِعْلِهِ. اھ (ص۸۹ حاشیہ۱۱)

نیز لکھنوی صاحب ؒ ہی تحریر فرماتے ہیں:

وَلَا إِلٰى دَعْوٰى نَسْخِ الرَّفْعِ مَالَمْ يَثْبُتْ ذَالِكَ بِنَصٍّ عَنِ الشَّارِعِ.

(ص۹۱ حاشیہ۵)

تو ان مندرجہ بالا عبارات میں حضرت مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی حنفی رحمۃ اللہ علیہ نے تصریح فرمادی ہے کہ منسوخیت رفع الیدین والا دعویٰ درست نہیں۔

② حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحب کشمیریؒ اپنی کتاب ''نیل الفرقدین'' میں تحریر فرماتے ہیں: ''إِنَّ الرَّفْعَ مُتَوَاتِرٌ إِسْنَادًا وَعَمَلًا وَلَا يُشَكُّ فِيهِ، وَ لَمْ يُنْسَخْ وَلَا حَرْفٌ مِنْهُ'' (ص۲۲)

رفع الیدین سند اور عمل کے لحاظ سے متواتر ہے، اس میں شک نہیں کیا جاتا، وہ منسوخ بھی نہیں اور نہ ہی اس کا کوئی حرف منسوخ ہے۔

ⓓ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری حنفی ترمذی کی شرح معارف السنن میں اپنے استاذ گرامی کی مندرجہ بالا عبارت نقل فرما کر کوئی ایک لفظ بھی اس کی تردید میں نہیں بولتے اور ان کے اسلوبِ بیان سے صاف ظاہر ہے کہ وہ اپنے استاذ

گرامی کی اس مسئلہ میں حرف بحرف تائید فرما رہے ہیں۔

آخری بات:

قاری صاحب حضرت الامام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مقلد ہیں اور مقلد کا مستند اس کے امام کا قول ہی ہوا کرتا ہے چنانچہ مسلم الثبوت کے صفحہ نمبر ۵ پر لکھا ہے:

وَاَمَّا الْمُقَلِّدُ فَمُسْتَنَدُهٗ قَوْلُ مُجْتَهِدِهٖ لاظنه ولاظنه.

اس لیے مقلد ہونے کی حیثیت سے قاری صاحب کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے دعویٰ ''منسوخیت رفع الیدین'' کو حضرت الامام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے ثابت فرمائیں ورنہ وہ کم از کم اس موقف میں تو ان کے مقلد نہیں رہیں گے۔ نیز حنفی حضرات کے رفع الیدین کے سلسلہ میں متعدد و مختلف قول ہیں۔ کوئی صاحب فرماتے ہیں:

''رفع الیدین قبیح ہے''۔ (بدائع الصنائع)

کوئی بزرگ یوں گویا ہوتے ہیں:

''رفع الیدین سے نماز فاسد ہو جاتی ہے''۔ (علامہ اتقانی)

کوئی صاحب لکھتے ہیں:

''ترک رفع الیدین اولیٰ ہے'' (الکوکب الدری)

کوئی صاحب فرماتے ہیں:

''رفع الیدین کرنا اقوی وارجح ہے'' (حجۃ اللہ، علامہ سندھیؒ، علامہ عبدالحی لکھنویؒ)

کوئی بزرگ فرماتے ہیں

''رفع الیدین کرنا نہ کرنا دونوں سنت ہیں'' (نیل الفرقدین، معارف السنن)

تو مقلدین حضرات کے پانچ مختلف قول ہیں۔ ظاہر بات ہے کہ حضرت الامام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے تو یہ پانچوں کے پانچ قول ثابت نہیں تو پھر پانچوں قسم کے یہ مقلدین مسئلہ رفع الیدین میں حضرت الامام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مقلد کیوں کر رہ سکتے ہیں تو مقلد ہونے کی حیثیت سے منسوخیت رفع الیدین کے قول کا حضرت الامام

ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے ثابت کرنا قاری صاحب کی ذمہ داری ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ رکوع والا رفع الیدین نبی کریم ﷺ کی سنت غیر منسوخہ ہے۔ نسخ رفع الیدین کی کوئی دلیل نہیں۔ کئی ایک حنفی بزرگ اس بات کا اعتراف واقرار فرما چکے ہیں اللہ تعالیٰ ہم سب کو کتاب وسنت سمجھنے اور ان پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ امین یا رب العالمین!

ابن عبدالحق بقلمہ

۶ رشعبان ۱۴۰۲ھ

سرفراز کالونی جی۔ٹی روڈ گوجرانوالہ



بسم اللہ الرحمن الرحیم

بخدمتِ اقدس جناب مولانا عبدالمنان صاحب:

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

امابعد! السلام علیکم بعد گزارش یہ ہے کہ مولانا محمد امجد صاحب نے تین چار آدمیوں کی موجودگی میں مجھ سے یہ کہا تھا کہ اگر آپ ترکِ رفع الیدین کے متعلق کوئی حدیث صحیح صریح دکھلا دیں تو میں رفع الیدین کرنا چھوڑ دوں گا تو میں نے اس کے کہنے کے مطابق کئی احادیث لکھ کر دکھلائیں جو کہ رفع الیدین کے متعلق صحیح اور صریح ہیں لیکن بات ہے اور کہ غیر مقلدین حضرات کا مقصد ہی اور ہوتا ہے۔ مسائل پوچھتے ہیں سمجھنے کے لیے لیکن مقصد ان کا اور ہی ہوتا ہے جیسا کہ ان کے رقعہ سے معلوم ہو رہا ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ یہ بندہ ناچیز ان کے مقصد سے خدا کے فضل وکرم سے نہیں پیچھے ہٹتا۔

لہٰذا اگر تمہارا مقصد یہی ہے تو اس بات کو آگے چلانے کے لیے یعنی ترک رفع الیدین یا رفع الیدین کو تاکہ حق ظاہر ہو قبل اس کے یہ باتیں بیان کرے۔

① اپنا مسلک رفع الیدین کے بارے میں بیان کرے کہ کون سی جگہ رفع الیدین کرنا ہے اور کون سی جگہ نہیں۔

② اور دوسری بات یہ بیان کریں کہ یہ رفع الیدین فرض ہے یا سنت ہے واجب ہے یا مستحب ہے۔

③ تیسری بات ان مذکورہ شقوں میں سے جو بھی اختیار کرو اس کی دلیل۔

فقط والسلام: ۹ر شعبان المعظم ۱۴۰۲ھ

۲ر جون ۱۹۸۲ء بروز بدھ

جواب کا منتظر...... جمیل احمد، گلوٹیاں کلاں

مقیم مدرسہ دار العلوم تعلیم القرآن

ملحقہ مسجد گنبد والی سرفراز کالونی جی ٹی روڈ گوجرانوالہ



ل یہ عبارت مسودہ میں اسی طرح ہے۔ (کاتب)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

بخدمت جناب قاری جمیل احمد صاحب!

زَادَنِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَاِیَّاکَ عِلْمًا نَّافِعًا وَّعَمَلًا مُّتَقَبَّلًا.

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

امابعد! آپ کا گرامی نامہ موصول ہوا جس میں آپ لکھتے ہیں ''مولانا محمد امجد صاحب نے تین چار آدمیوں کی موجودگی میں مجھ سے یہ کہا تھا کہ اگر آپ ترکِ رفع الیدین''۔ الخ

تو محترم! مجھے مولوی امجد صاحب کے ذریعہ سے ہی پتہ چلا کہ جو بات انہوں نے آپ سے تین چار آدمیوں کی موجودگی میں کہی تھی وہ بات انہوں نے آپ کو لکھ کر بھی دی تھی چنانچہ جو کچھ انہوں نے آپ کو لکھ کر دیا اور جو کچھ آپ نے ان سے لکھا ہوا وصول فرمایا وہ پورے کا پورا نیچے درج کیا جاتا ہے پڑھیے:

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

''اگر آپ مجھے یہ ثابت کر دیں کہ رکوع میں جاتے ہوئے اور اُٹھتے ہوئے اور دو رکعت کے بعد تیسری رکعت کے لیے جب ہم اٹھے گیں[1] تو رفع یدین کرے گیں[2] اور تیسری اور چوتھی رکعت میں جب ہم رکوع میں جائے گیں[3] اور اٹھے گیں[4] تو رفع یدین دونوں دفعہ کرے گیں[5] اگر یہ طریقہ رفع یدین نماز میں منسوخ ہے کہ حضورؐ مندرجہ بالا بیان کے مطابق رفع یدین نہیں کرتے تھے نماز میں اور اگر کرتے تھے تو بعد میں منسوخ فرما دیا ہو۔ اگر منسوخ ہونے کی قوی دلیل پیش کر دیں تو میں نماز میں رفع یدین رکوع والا

---

[1] [2] [3] [4] [5]: ان پانچ مقاموں پر مولوی امجد صاحب کی تحریر میں الفاظ اسی طرح ہیں۔ ۱۲ منہ

چھوڑ دوں گا''۔ دستخط امجد علی

تو جناب قاری صاحب! آپ نے مولوی امجد صاحب کے نام دو صفحات پر مشتمل رقعہ علیٰ وجہ البصیرت لکھا۔ رفع الیدین کی منسوخیت ثابت کرنے کی غرض سے لکھا' اور مولوی امجد صاحب کو مواضع ثلاثہ میں رفع الیدین ترک کرانے کے مقصد کو پیش نظر رکھ کر لکھا جیسا کہ مولوی امجد صاحب کی تحریر اور آپ کی طرف سے اس کے جواب سے ظاہر ہے۔

پھر آپ نے مولوی امجد صاحب کے نام لکھے ہوئے رقعہ میں اپنے بھائیوں کو اس پر کلام کرنے کی دعوت دی نیز ان کے کلام کا جواب دینے کا وعدہ فرمایا چنانچہ آپ اپنے اُسی رقعہ کے اواخر میں لکھتے ہیں:

''اگر کسی بھائی کو ان احادیث پر کسی قسم کا کوئی اعتراض اور کوئی شک ہو تو وہ ان لکھے ہوئے صفحوں کے ساتھ جو صفحے خالی ہیں ان پر اپنے اعتراض اور شک وشبہات لکھے۔ ان شاء اللہ العزیز تسلی بخش جواب دیا جائے گا''۔

تو محترم قاری صاحب! آپ کی اس دعوت کو قبول کرتے ہوئے آپ کے ہی ایک بھائی نے آپ کے اس رقعہ پر کلام کیا تو اب آپ کا حسبِ وعدہ فرض ہے کہ آپ اپنے اس بھائی کے کلام کا جواب دیں نہ کہ یہ لکھیں۔ ''لہٰذا اگر تمہارا مقصد یہی ہے''۔ الخ

رہا آپ کا فرمان: ''غیر مقلدین کا مقصد ہی اور ہوتا ہے مسائل پوچھتے ہیں''۔ الخ' تو اس کا جواب مولوی امجد صاحب سے پوچھئے کہ ان کا کیا مقصد تھا؟ سر دست بندہ آپ کی دعوت کے مطابق آپ کے رقعہ پر اپنے کلام کا مقصد بتائے دیتا ہے تو غور سے سنیئے کہ آپ کے اس بھائی نے جو کچھ آپ کے رقعہ پر لکھا صرف اور صرف تین مقاصد کے پیش نظر لکھا۔

① مولوی امجد' آپ اور دیگر اہل اسلام پر واضح ہو جائے کہ رفع الیدین منسوخ

نہیں۔ اس سلسلہ میں جو دلائل پیش کیے جاتے ہیں ان سے رفع الیدین کا نسخ ثابت نہیں ہوتا۔

② مسلمانوں کو بتایا جائے کہ منسوخیتِ رفع الیدین کا قائل و مدعی اگر حضرت الامام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے ''منسوخیت رفع الیدین کا قول'' ثابت کر دے تو پھر وہ اس مسئلہ میں ان کا مقلد ورنہ وہ اس مسئلہ میں ان کا مقلد نہیں۔

③ عوام کے علم میں لایا جائے کہ مقلدین حضرات کے رفع الیدین کرنے نہ کرنے میں پانچ باہم مختلف قول ہیں اور ظاہر بات ہے کہ حضرت الامام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے تو یہ پانچوں کے پانچ قول ثابت نہیں تو پھر پانچوں قسم کے یہ مقلدین مسئلہ رفع الیدین میں حضرت الامام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مقلد کیونکر رہ سکتے ہیں؟

رہے آپ کے تین سوال تو ان کی کوئی وجہ جواز نہیں' پہلے کی تو اس لیے کہ مولوی امجد صاحب کی تحریر میں رفع الیدین کے مواضع کی تعیین واشگاف الفاظ میں موجود ہے اور انہیں مواضع ثلاثہ میں رفع الیدین کے منسوخ ہونے کا آپ نے دعویٰ کیا ہوا ہے نیز میرے رقعہ میں کئی جگہ رفع الیدین کے مواضع کا ذکر ہے تو ان سب چیزوں کو مدنظر رکھتے ہوئے غور کیجیے آیا آپ کا یہ سوال بنتا بھی ہے؟

دوسرے سوال کی اس لیے کوئی وجہ جواز نہیں کہ آپ اس سے پہلے رفع الیدین کے منسوخ ہونے کا دعویٰ فرما چکے ہیں تو آخر آپ کو معلوم ہی تھا نا کہ آپ نے اس کی فرضیت یا اس کے وجوب یا اس کی سنیت یا اس کے استحباب کو منسوخ قرار دیا ہے تب ہی تو آپ نے رفع الیدین کے منسوخ ہونے کا دعویٰ فرمایا جس کا اثبات ابھی تک آپ کے ذمہ ہے۔ نیز میں نے اپنے رُقعہ میں صاف صاف لکھا ہے'' خلاصہ کلام یہ ہے کہ رکوع والا رفعِ الیدین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت غیر منسوخہ ہے نسخ رفع الیدین کی کوئی دلیل نہیں الخ'' (رقعہ ا ص ۱۲) لہٰذا آپ کے اس سوال کی بھی کوئی وجہ جواز نہیں۔

اور تیسرے سوال کی اس لیے کوئی وجہ جواز نہیں کہ آپ منسوخیتِ رفع

الیدین کے مدعی ہیں اور دعوائے منسوخیت کی صورت میں ثبوت شرعی مدعی اور سائل دونوں کے ہاں مسلم ہوتا ہے اس لیے ایسی صورت میں اثبات کے دلائل پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی' نسخ کے دلائل پر بات چیت ہوا کرتی ہے۔ ہاں اگر آپ منسوخیتِ رفع الیدین والے دعویٰ کو واپس لے لیں اور لکھ دیں کہ رفع الیدین سرے سے رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہی نہیں تو یہ بندہ ضرور بالضرور ان شاء اللہ العزیز اثباتِ رفع الیدین کے دلائل جناب کی خدمتِ اقدس میں پیش کر دے گا۔ یہ بات میرے پہلے رُقعہ میں بھی موجود ہے دُعا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کو کتاب وسنت سمجھنے اور ان پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یا رب العالمین!

ابن عبدالحق بقلمہٗ

۱۰ر شعبان ۱۴۰۲ھ

سرفراز کالونی جی۔ٹی روڈ' گوجرانوالہ



بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

بخدمت اقدس جناب مولانا عبدالمنان صاحب!

زَادَنِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَاِیَّاکَ عِلۡمًا نَّافِعًا وَّعَمَلًا مُّتَقَبَّلًا.

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

امابعد! سلام اور دعا کے بعد گزارش ہے کہ ۹ رشعبان کو آپ کی طرف ایک رُقعہ روانہ کیا تھا جس کے اندر میں نے لکھا تھا کہ آپ ان تین سوالوں کا جواب دیں اور وہ تین سوال بالترتیب میں نے لکھ دیئے تھے اور وہ تین سوال اب پھر میں لکھ رہا ہوں محض اور خاص آپ ہی کی طرف تاکہ آپ ان سوالوں کا جواب دیں تاکہ آئندہ اس مسئلہ پر آپ کے ساتھ باقاعدہ بات چیت شروع ہو جائے۔ اور ان شاء اللہ حق بھی ظاہر ہو جائے گا۔ اور وہ تین سوال یہ ہیں:

① کہ اپنا مسلک بیان کرے یعنی رفع الیدین کے بارے میں کہ کون سی جگہ رفع الیدین کرنا ہے اور کون سی جگہ نہیں۔

② اور دوسری بات یہ بیان کریں کہ رفع الیدین فرض ہے یا واجب یا سنت یا مستحب ہے۔

③ تیسری بات یہ بیان کریں کہ ان مذکورہ شقوں میں جو بھی اختیار کرو اس کی دلیل۔

لیکن آپ نے بجائے جواب دینے کے یہ لکھا تھا۔ رہے آپ کے تین سوال تو ان کی کوئی وجہ جواز نہیں۔ اس کے بعد آپ نے عدم جواز کی دلیلیں بیان فرمائی تھیں لیکن یہ کوئی جواب نہیں۔ خلاصہ کلام یہ کہ ایک رُقعہ ۹ رشعبان کو آپ کے پاس بھیج دیا تھا اور ایک آج لکھ کر بھیج رہا ہوں خاص اور خاص آپ کی طرف لہٰذا آپ ان سوالوں کا جواب دیں۔ جب تم بزعم خود صحیح طریقہ پر ہو تو ان سوالوں کا جواب دیں

بلاضرورت دیر کیوں کرتے ہو۔[1] میری طرف سے آپ کو سلام۔

فقط والسلام

۱۲؍شعبان ۱۴۰۲ھ ۵؍جون ۱۹۸۲ء بروز ہفتہ

جواب کا منتظر......جمیل احمد گلوٹیاں کلاں

مقیم مدرسہ دارالعلوم تعلیم القرآن ملحقہ مسجد گنبد والی

سرفراز کالونی جی ٹی روڈ گوجرانوالہ



[1] یہ عبارت مسودہ میں اسی طرح ہے۔ (کاتب)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

بخدمت جناب قاری جمیل احمد صاحب!

زَادَنِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی وَاِیَّاکَ عِلْمًا نَّافِعًا وَّعَمَلًا مُّتَقَبَّلًا.

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

امابعد! اصل واقعہ یہ ہے کہ آپ کی مولوی امجد صاحب کے ساتھ بات چیت ہوئی جس میں طے یہ ہوا کہ اگر رکوع جاتے' اس سے سر اُٹھاتے وقت اور درمیانے تشہد سے اُٹھ کر رفع الیدین کا منسوخ ہونا قوی دلیل سے ثابت ہو جائے تو مولوی امجد موصوف ان مواضع ثلاثہ میں رفع الیدین چھوڑ دیں گے۔ چنانچہ یہ بات انہوں نے آپ کو لکھ کر بھی دی جس کی پوری نقل میں اپنی دوسری تحریر میں پیش کر چکا ہوں۔ سردست ان کی تحریر کا آخری جملہ مدنظر رکھئے' وہ لکھتے ہیں ''اگر منسوخ ہونے کی قوی دلیل پیش کر دیں تو میں نماز میں رفع یدین رکوع والا چھوڑ دوں گا''۔

اتنے واقعہ کے بعد آپ نے اپنا پہلا رُقعہ سپردِ قلم فرمایا جس کے آغاز میں آپ تحریر فرماتے ہیں:

''بھائی امجد صاحب! آپ کچھ دوستوں کے ساتھ رفع یدین کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے اور یہ بندہ ناچیز ادھر ہی تھا' اسی اثناء میں آپ نے یہ کہا' اگر آپ یہ ثا ت کر دیں کہ رفع یدین نہیں کرنا چاہیے دلیل قوی سے یا اس رفع یدین[۱] کے منسوخیت پر تو میں رفع یدین کرنا چھوڑ دوں گا' لو اب میرے بھائی صاحب آنکھوں سے پڑھئے''۔الخ

اس کے بعد آپ نے پانچ روایات اور کچھ اعتراض وجواب تحریر فرمائے ہیں جبکہ پہلی روایت درج کرنے کے بعد آپ نے لکھا ''اس سے یہ دلیل ثابت ہوئی

---

[۱] قاری صاحب کے رقعہ میں عبارت اسی طرح ہے۔۱۲ منہ

کہ رفع یدین نہیں کرنا چاہیے اور دلیل منسوخیت پر بھی'' تو مولوی امجد صاحب کی تحریر اور آپ کے پہلے رقعہ سے صاف صاف پتہ چل رہا ہے کہ آپ نے بزعم خود منسوخیت رفع الیدین پر دلائل پیش کیے تھے۔

پھر آپ نے خود ہی اپنے پہلے رُقعہ کے آخر میں لکھا ''اگر کسی بھائی کو ان احادیث پر کسی قسم کا کوئی اعتراض اور کوئی شک ہو تو وہ ان لکھے ہوئے صفحوں کے ساتھ جو صفحے خالی ہیں ان پر اپنے اعتراض اور شک وشبہات لکھے ان شاء اللہ العزیز تسلی بخش جواب دیا جائے گا'' چنانچہ آپ کی اس دعوت کو قبول کرتے ہوئے آپ کے پہلے رقعہ پر کلام کیا گیا جو آپ کے پاس پہنچا ہوا ہے اور حسبِ وعدہ اس کا جواب دینا آپ کے ذمہ ہے تو آپ ہی فرمائیں آیا آج تک تسلی بخش تو کجا کوئی غیر تسلی بخش جواب ہی ان بارہ صفحات کا آپ نے دیا ہے؟ رہی تین سوالات والی بات آپ نے ضرور کہی جس کی کوئی وجہ جواز نہیں کیونکہ آپ نے منسوخیت رفع الیدین کا دعویٰ فرما کر بزعم خود اس پر دلائل پیش کیے ہوئے ہیں۔ ادھر بندہ نے بارہ صفحات کے رقعہ میں واضح کر دیا کہ آپ کے پیش فرمودہ دلائل میں سے کسی ایک دلیل سے بھی رفع الیدین کی منسوخیت ثابت نہیں ہوتی تو محترم آپ حسبِ وعدہ ''تسلی بخش جواب دیا جائے گا'' میرے بارہ صفحات والے رقعہ کا جواب دیں۔

باقی آپ کے تین سوالوں کا جواب تو بندہ کی پہلی تحریر میں موجود ہے نیز اس کی دوسری تحریر میں تفصیلاً ان کا جواب ہو چکا ہے۔ ذرا غور سے سنیے ''رہے آپ کے تین سوال تو ان کی کوئی وجہ جواز نہیں پہلے کی تو اس لیے کہ مولوی امجد صاحب کی تحریر میں رفع الیدین کے مواضع کی تعیین واشگاف الفاظ میں موجود ہے اور انہیں مواضع ثلاثہ میں رفع الیدین کے منسوخ ہونے کا آپ نے دعویٰ کیا ہوا ہے نیز میرے رقعہ میں کئی جگہ رفع الیدین کے مواضع کا ذکر ہے' تو ان سب چیزوں کو مدنظر رکھتے ہوئے غور کیجیے آیا آپ کا یہ سوال بنتا بھی ہے؟

دوسرے سوال کی اس لیے کوئی وجہ جواز نہیں کہ آپ اس سے پہلے رفع الیدین کے منسوخ ہونے کا دعویٰ فرما چکے ہیں تو آخر آپ کو معلوم ہی تھا نا کہ آپ نے اس کی فرضیت یا اس کے وجوب یا اس کی سنیت یا اس کے استحباب کو منسوخ قرار دیا ہے تب ہی تو آپ نے رفع الیدین کے منسوخ ہونے کا دعویٰ فرمایا جس کا اثبات ابھی تک آپ کے ذمہ ہے۔ نیز میں نے اپنے رقعہ میں صاف صاف لکھا ہے ''خلاصہ کلام یہ ہے کہ رکوع والا رفع الیدین نبی کریم ﷺ کی سنت غیر منسوخہ ہے۔ نسخ رفع الیدین کی کوئی دلیل نہیں الخ'' (رقعہ نمبر ا ص ۱۲) لہٰذا آپ کے اس سوال کی بھی کوئی وجہ جواز نہیں۔

اور تیسرے سوال کی اس لیے کوئی وجہ جواز نہیں کہ آپ منسوخیتِ رفع الیدین کے مدعی ہیں اور دعوائے منسوخیت کی صورت میں ثبوتِ شرعی مدعی اور سائل دونوں کے ہاں مسلم ہوتا ہے اس لیے ایسی صورت میں اثبات کے دلائل پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی' نسخ کے دلائل پر بات چیت ہوا کرتی ہے۔ ہاں اگر آپ منسوخیتِ رفع الیدین والے دعویٰ کو واپس لے لیں اور لکھ دیں کہ رفع الیدین سرے سے رسول ﷺ سے ثابت ہی نہیں تو یہ بندہ ضرور بالضرور ان شاء اللہ العزیز اثباتِ رفع الیدین کے دلائل جناب کی خدمت اقدس میں پیش کر دے گا۔ یہ بات میرے پہلے رُقعہ میں بھی موجود ہے''۔ (رقعہ نمبر ۲ ص ۳)

اپنے تین سوالات کے مندرجہ بالا یہ جوابات پڑھ کر آپ لکھتے ہیں ''رہے آپ کے تین سوال تو ان کی کوئی وجہ جواز نہیں۔ اس کے بعد آپ نے عدم جواز کی دلیلیں بیان فرمائی ہیں لیکن یہ کوئی جواب نہیں'' تو حضرت قاری صاحب! آپ کو اعتراف کرنا پڑا کہ یہ بندہ آپ کے تین سوالات کے عدم جواز کی دلیلیں پیش کر چکا ہے تو اب غور کا مقام ہے اپنے اس اعتراف کے بعد آپ کا فرمانا ''لیکن یہ کوئی جواب نہیں'' صرف منہ کی بات نہیں تو اور کیا ہے ورنہ آپ میری طرف سے آپ کے

سہ سوالات کے عدم جواز پر پیش کردہ دلائل میں کوئی خامی نکالتے۔

دُعا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کو کتاب وسنت سمجھنے اور ان پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یارب العالمین!

ابن عبدالحق بقلمہٖ

۱۳ر شعبان ۱۴۰۲ھ

سرفراز کالونی جی ٹی روڈ گوجرانوالہ



بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

بخدمتِ اقدس جناب مولانا عبدالمنان صاحب!

زَادَنِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَاِیَّاکَ عِلْمًا نَّافِعًا وَّعَمَلًا مُّتَقَبَّلًا.

السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ!

اما بعد! السلام علیکم کے بعد عرض کہ دو رُقعے پہلے لکھ چکا ہو۔ اور ایک یہ لکھ رہا ہو اور یہ بھی قابل غور بات ہے کہ دو رقعے پہلے اور ایک یہ محض صرف اور صرف آپ کی ہی طرف ہے۔ پہلے دو رقعے میں تین سوالوں کے متعلق کہا تھا کہ ان کا جواب فرمائے تا کہ آپ کے ساتھ با قاعدہ اس مسئلہ پر یعنی ترک رفع یدین اور رفع یدین پر الخ لیکن آپ کے مبارک ہاتھوں سے ان تین سوالوں کا جواب نہیں آیا۔ اچھا مولانا صاحب تین کا جواب نہیں دیتے تو ایک ہی کا جواب دے دے۔ (ا) آپ اپنے مسلک کے بارے میں حضوؐر سے کوئی قولی یا فعلی صحیح صریح اور قوی حدیث سے کہ حضوؐر ہمیشہ رفع یدین کرتے رہے یہاں تک کہ دنیا سے تشریف لے گئے۔ یعنی اسی طرح پہلی اور تیسری رکعت کے شروع میں دونوں ہاتھ کندھوں تک اُٹھانے سنت مؤکدہ ہے۔ حضوؐر ہمیشہ یہ رفع یدین کرتے تھے اور دوسری اور چوتھی رکعت کے شروع میں رفع یدین خلافِ سنت ہے۔ حضوؐر نے کبھی یہاں رفع یدین نہیں کی (ب) رکوع جاتے اور رکوع سے سر اُٹھاتے وقت رفع یدین سنت مؤکدہ ہے۔ حضوؐر ہمیشہ یہ رفع یدین کرتے تھے۔ اور سجدوں میں جاتے اور سجدوں سے سر اُٹھاتے ہوئے رفع یدین کرنا خلافِ سنت ہے۔ حضوؐر نے کبھی یہ رفع یدین نہیں کی......

ا ان لفظوں پر غور کریں۔ ۱۲

۲ ان حرفوں پر بھی تدبر کریں۔ ۱۲

بطور نص موجود ہو۔ پوری دنیا کی کسی کتاب سے پیش کر دیں۔ تو یہ بندہ ناچیز رفع یدین کرنا شروع کر دے گا ان شاء اللہ العزیز۔[1]

فقط والسلام

۱۴رشعبان المعظم ۱۴۰۲ھ ۷رجون ۱۹۸۲ء بروز پیر

جواب کا منتظر جمیل احمد گلوٹیاں کلاں

مقیم مدرسہ دار العلوم تعلیم القرآن ملحقہ مسجد گنبد والی

سرفراز کالونی جی ٹی روڈ گوجرانوالہ



نوٹ: یہ تمام عبارت (رقعہ) قاری صاحب کا بعینہٖ کتابت کیا گیا ہے لہٰذا کتابت کی غلطی تصور نہ کی جائے۔ (کاتب)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جناب قاری جمیل احمد صاحب!

زَادَنِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَاِیَّاکَ عِلْمًا نَّافِعًا وَّعَمَلًا مُّتَقَبَّلًا.

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امابعد! آپ اپنے اس تازہ رقعہ میں لکھتے ہیں''اسلام علیکم کے بعد عرض ہے کہ دو رقعے پہلے لکھ چکا ہوں اور ایک یہ لکھ رہا ہوں الخ'' یہ دُرست کہ آپ نے بندہ کو مخاطب کر کے اپنے اس تازہ رقعہ سے پہلے دو رقعے قلم بند فرمائے لیکن آپ کا اصل رقعہ تو وہ ہے جو آپ نے مولوی امجد صاحب کے نام لکھا' جس میں آپ نے منسوخیت رفع الیدین کا دعویٰ فرمایا' جس میں بزعم خود آپ نے اپنے اس مذکورہ دعویٰ پر مولوی امجد صاحب کو رفع الیدین ترک کرانے کی غرض سے پانچ روایات پیش فرمائیں جس کے آخر میں آپ نے بڑے طمطراق سے لکھا ''اگر کسی بھائی کو ان احادیث پر کسی قسم کا کوئی اعتراض اور کوئی شک ہو تو وہ ان لکھے ہوئے صفحوں کے ساتھ جو صفحے خالی ہیں ان پر اپنے اعتراض اور شک وشبہات لکھے ان شاء اللہ العزیز تسلی بخش جواب دیا جائے گا'' اور جس کے جواب میں آپ کی دعوت کو قبول کرتے ہوئے بندہ نے بارہ صفحات کا رُقعہ لکھ کر آپ کے پاس پہنچایا اور آپ نے اسے وصول بھی فرمایا مگر تا حال آپ نے تسلی بخش جواب دینے کا وعدہ کرنے کے باوجود میرے اس بارہ صفحات والے جوابی رُقعہ کے ایک لفظ کا بھی جواب نہیں دیا بلکہ آپ نے اپنے پہلے پانچ روایات والے رقعہ اور میری طرف سے اس کے بارہ صفحات والے جوابی رقعہ کے نام تک لینے چھوڑ رکھے ہیں اور نہ ہی آپ ان دو رُقعوں کو باقاعدہ بات چیت کا حصہ شمار

ا قاری صاحب نے اپنے رقعوں میں کئی جگہ یہ لفظ اُسی طرح لکھا ہے۔۱۲

منہ کرتے ہیں جیسا کہ آپ کا قول ''ان کا (تین سوالوں کا) جواب فرماتے تا کہ آپ کے ساتھ با قاعدہ اس مسئلہ پر'' الخ (قاری صاحب کا چوتھا رُقعہ ص ۱) اس پر دلالت کر رہا ہے آخر ایسا کیوں؟ کیا ''تسلی بخش جواب دیا جائے گا'' والی آپ کی بات کوئی بے قاعدہ ہی تھی؟ کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے۔ تو قاری صاحب اپنا وعدہ پورا کریں اور میرے بارہ صفحات والے رقعہ کا جواب دیں ورنہ صاف و واشگاف الفاظ میں اعتراف و اقرار فرمائیں کہ میرا ''منسوخیتِ رفع الیدین'' والا دعویٰ بے بنیاد اور غلط ہے۔ اللہ را کچھ تو انصاف لگتی کہیئے۔

آپ مزید لکھتے ہیں ''پہلے دو[1] رقعے میں تین سوالوں کے متعلق کہا تھا...... لیکن آپ کے مبارک ہاتھوں سے ان تین سوالوں کا جواب نہیں آیا'' قاری صاحب! آپ نے یہ بات ایسی کہی جس کا انصاف کے ساتھ دُور کا بھی واسطہ نہیں' کیونکہ آپ کے ان تین سوالوں کے جواب تو بندہ کے بارہ صفحات والے پہلے رُقعہ ہی میں موجود تھے پھر تین تین صفحات والے دوسرے اور تیسرے رُقعہ میں بالتصریح ان کے جوابات موجود و مذکور ہیں جن میں بتایا گیا ہے کہ آپ کے ان تین سوالوں کی کوئی وجہ جواز نہیں ایک مرتبہ پھر ان جوابات کو سن لیجیے۔

قاری صاحب کا پہلا سوال اور اس کا جواب

① قاری صاحب کا پہلا سوال ہے ''کون سی جگہ رفع الیدین کرنا چاہیے الخ'' بندہ نے اس کا جواب دیا تھا ''رہے آپ کے تین سوال تو ان کی کوئی وجہ جواز نہیں' پہلے کی تو اس لیے کہ مولوی امجد صاحب کی تحریر میں رفع الیدین کے مواقع کی تعیین واشگاف الفاظ میں موجود ہے اور انہیں مواضع ثلاثہ میں رفع الیدین کے منسوخ ہونے کا آپ نے دعویٰ کیا ہوا ہے۔ نیز میرے رقعہ میں کئی جگہ

---

[1] قاری صاحب نے یہ لفظ اسی طرح لکھا ہے۔ ۱۲ منہ

رفع الیدین کے مواضع کا ذکر ہے تو ان سب چیزوں کو مدنظر رکھتے ہوئے غور کیجیے' آیا آپ کا یہ سوال بنتا بھی ہے''۔؟ (دیکھئے میرا رقعہ نمبر۲ ص۳ اور رقعہ نمبر۳ ص۲)

قاری صاحب کا دوسرا سوال اور اس کا جواب

② قاری صاحب کا دوسرا سوال ہے ''رفع الیدین فرض ہے یا واجب ہے یا سنت ہے یا مستحب ہے'' بندہ نے اس کے جواب میں لکھا تھا ''دوسرے سوال کی اس لیے کوئی وجہ جواز نہیں کہ آپ اس سے پہلے رفع الیدین کے منسوخ ہونے کا دعویٰ فرما چکے ہیں تو آخر آپ کو معلوم ہی تھا نا کہ آپ نے اس کی فرضیت یا اس کے وجوب یا اس کی سنیت یا اس کے استحباب کو منسوخ قرار دیا ہے تب ہی تو آپ نے رفع الیدین کے منسوخ ہونے کا دعویٰ فرمایا جس کا اثبات ابھی تک آپ کے ذمہ ہے۔ نیز میں نے اپنے رقعہ میں صاف صاف لکھا ہے ''خلاصہ کلام یہ ہے کہ رکوع والا رفع الیدین نبی کریم ﷺ کی سنت غیر منسوخہ ہے نسخ رفع الیدین کی کوئی دلیل نہیں'' الخ (رقعہ نمبر۱ ص۱۲) لہٰذا آپ کے اس سوال کی بھی کوئی وجہ جواز نہیں۔ (دیکھئے میرا رقعہ نمبر۲ ص۳ اور رقعہ نمبر۳ ص۲ و ص۳)

قاری صاحب کا تیسرا سوال اور اس کا جواب

③ قاری صاحب کا تیسرا سوال ہے ''ان مذکورہ شقوں میں جو بھی اختیار کرو اس کی دلیل'' بندہ نے اس کا جواب دیا تھا ''اور تیسرے سوال کی اس لیے کوئی وجہ جواز نہیں کہ آپ منسوخیتِ رفع الیدین کے مدعی ہیں اور دعوائے منسوخیت کی صورت میں ثبوتِ شرعی مدعی اور سائل دونوں کے ہاں مسلم ہوتا ہے اس لیے ایسی صورت میں اثبات کے دلائل پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی نسخ کے دلائل پر بات چیت ہوا کرتی ہے ہاں اگر آپ منسوخیتِ رفع الیدین والے

دعویٰ کو واپس لے لیں اور لکھ دیں کہ رفع الیدین سرے سے رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہی نہیں تو یہ بندہ ضرور بالضرور ان شاء اللہ العزیز اثباتِ رفع الیدین کے دلائل جناب کی خدمتِ اقدس میں پیش کر دے گا' یہ بات میرے پہلے رُقعہ میں بھی موجود ہے''۔ (دیکھئے میرا رقعہ نمبر۲ ص۳ اور رقعہ نمبر۳ ص۳)



اس جواب کی قدرے توضیح



قاری صاحب! ''منسوخیتِ رفع الیدین'' آپ کا دعویٰ ہے اور منسوخ اسی شے کو کہا جاتا ہے جو شرع میں پہلے پہل ثابت شدہ ہو' تو آپ نے یہ دعویٰ کر کے مواضع ثلاثہ میں رفع الیدین کے پہلے پہل نبی کریم ﷺ سے ثابت ہونے کو تو تسلیم فرما لیا ہوا ہے' اب دلیل آپ کس کی طلب فرماتے ہیں؟ اب تو آپ کا فرض ہے کہ نسخ رفع الیدین پر آپ کی طرف سے پیش کردہ دلائل کے رد میں بندہ کی طرف سے آپ کے پاس پہنچے ہوئے بارہ صفحات والے رُقعہ کا حسبِ وعدہ جواب دیں یا پھر نسخ رفع الیدین والا دعویٰ واپس لیں اور لکھ دیں کہ ''رفع الیدین سرے سے نبی کریم ﷺ سے ثابت ہی نہیں'' تو اس بندۂ فقیر سے رفع الیدین کے رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہونے کے دلائل سن لیں' آخر انصاف بھی تو کوئی شے ہے نا۔

قاری صاحب کو ان کے تین سوالوں کے عدم جواز پر دلائل کا اعتراف:

اپنے ان تین سوالات کے مذکورہ بالا جوابات پڑھ کر قاری صاحب اپنے تیسرے رقعہ میں لکھتے ہیں ''اس کے بعد آپ نے عدم جواز کی دلیلیں بیان فرمائی تھیں'' تو جب آپ نے خود اعتراف واقرار فرما لیا کہ بندہ نے آپ کے تین سوالوں کی کوئی وجہ جواز نہ ہونے کے دلائل بیان کر دیئے ہیں اور آپ کے رُقعے شاہد ہیں کہ آج تک آپ نے ان تین سوالوں کی کوئی وجہ جواز نہ ہونے کے دلائل کا کوئی توڑ پیش نہیں فرمایا تو ان حالات میں خود سوچئے اور کسی دوسرے سے پوچھئے کہ اپنے ان تین سوالوں کی

کوئی وجہ جواز نہ ہونے پر دلائل کے بیان ہو جانے کے اعتراف واقرار کے بعد نیز ان کا کوئی توڑ پیش نہ کرنے کے باوجود آپ کا اپنے تیسرے رُقعہ میں لکھنا ''یہ کوئی جواب نہیں'' اور اپنے چوتھے رقعہ میں کہنا ''آپ کے مبارک ہاتھوں سے ان تین سوالوں کا جواب نہیں آیا'' کوئی انصاف لگتی بات ہے؟

قاری صاحب کا ایک تازہ سوال اور اس کا جواب:

حضرت قاری صاحب! آپ مدعی ہیں ''منسوخیتِ رفع الیدین'' آپ کا دعویٰ ہے تو اس دعویٰ کو دلائل سے ثابت کرنا اور ان پر وارد شدہ اعتراضات کا جواب دینا آپ کا فرضِ منصبی ہے لہٰذا آپ اِدھر اُدھر کے سوالوں میں وقت پاس نہ کریں اور بندہ کی طرف سے آپ کے نسخ رفع الیدین پر پیش کردہ دلائل پر اعتراضات و مناقشات کا جواب دیں جو اعتراضات ومناقشات بارہ صفحات کے رُقعہ کی صورت میں آپ کے پاس پہنچے ہوئے ہیں مگر اس صحیح اور مبنی بر انصاف لائن سے ہٹ کر قاری صاحب نے اپنے اس چوتھے رقعہ میں ایک اور سوال پیش کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے ''کیا مواضع ثلاثہ میں رفع الیدین سنتِ مؤکدہ ہے' آیا نبی کریم ﷺ مواضع ثلاثہ میں ہمیشہ رفع الیدین کرتے رہے یہاں تک کہ دُنیا سے تشریف لے گئے؟ نیز انہوں نے لکھا ''پیش کر دیں تو یہ بندہ ناچیز رفع الیدین کرنا شروع کر دے گا''۔

① اولاً اس سوال کی بنیاد ایک قاعدہ ہے ''جو عمل نبی کریم ﷺ ہمیشہ کرتے رہے ہوں صرف وہی اپنایا جائے گا'' اگر اس سوال کی بنیاد یہ قاعدہ نہ ہو تو یہ سوال سرے سے وارد نہیں ہوتا تو قاری صاحب کی خدمت میں گزارش ہے کہ پہلے وہ یہ قاعدہ دلائل سے ثابت فرمائیں اس کے بعد اپنا مندرجہ بالا سوال پیش کریں۔

② ثانیاً' پھر اس سوال کی بنیاد ایک اور قاعدہ بھی ہے ''سنتِ مؤکدہ پر عمل کیا جائے گا نہ کہ سنتِ غیر مؤکدہ پر'' ورنہ اگر ثواب حاصل کرنے کی غرض سے عمل کرنا ہو تو مذکورہ سوال بے فائدہ ہے لہٰذا قاری صاحب کو چاہیے کہ پہلے یہ قاعدہ بھی ثابت

فرمالیں اس کے بعد اپنا مندرجہ بالا سوال پیش فرمائیں۔ ثَبِّتِ الْعَرْشَ ثُمَّ انْقُشْ

③ ثالثاً' قاری صاحب! آپ لوگ وتروں کی تیسری رکعت میں رفع الیدین کرتے ہیں تو آیا اس وتروں کی تیسری رکعت والے رفع الیدین کا سنتِ مؤکدہ ہونا آپ کے ہاں ثابت ہے؟ اگر ثابت ہے تو دلائل پیش فرمائیں ورنہ مواضع ثلاثہ میں رفع الیدین پر عمل کے لیے یہ شرط اور یہ مندرجہ بالا سوال کیوں؟ ہم تو مواضع ثلاثہ والے رفع الیدین کو سنتِ غیر منسوخہ سمجھ کر اس پر عمل پیرا ہیں۔

④ رابعاً' آپ لوگ بھی وتروں کی تیسری رکعت میں رفع الیدین کرتے ہیں تو آیا اس پر نبی کریم ﷺ کا تاوفات ہمیشگی کرنا ثابت ہے۔ اگر ثابت ہے تو دلیل پیش کریں ورنہ مواضع ثلاثہ میں رفع الیدین پر آپ ﷺ کے تاوفات ہمیشگی کرنے کا سوال کیوں؟

⑤ خامساً' تو قاری صاحب! آپ کو اپنے اس تازہ مندرجہ بالا سوال کے تقاضا کو پورا کرتے ہوئے وتروں کی تیسری رکعت والے رفع الیدین کو چھوڑ دینا ہوگا یا مواضع ثلاثہ والے رفع الیدین کو ابھی سے اپنا لینا ہوگا ورنہ کہا جائے گا۔ تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى.

⑥ سادساً' اگر آپ نبی کریم ﷺ کو دنیوی زندگی کے ساتھ زندہ سمجھتے ہیں تو بتائیے آپ کا قول ''یہاں تک کہ دُنیا سے تشریف لے گئے'' کیا معنی رکھتا ہے؟

اللہ تعالیٰ ہم سب کو کتاب و سنت سمجھنے اور ان پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یارب العالمین!

ابن عبدالحق بقلمہٖ

۱۵رشعبان ۱۴۰۲ھ

سرفراز کالونی جی ٹی روڈ' گوجرانوالہ



بسم اللہ الرحمن الرحیم

بخدمتِ اقدس جناب مولانا حافظ عبدالمنان صاحب شیخ الحدیث مدرسہ[1] جامعہ محمدیہ جی ٹی روڈ گوجرانوالہ

زَادَنِی اللّٰہُ تَعَالٰی وَاِیَّاکَ عِلْمًا نَّافِعًا وَّ عَمَلًا مُّتَقَبَّلًا.

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

امابعد! السلام علیکم کے بعد عرض یہ ہے کہ آپ کا رقعہ مع ایک رسالہ کے بواسطہ مولانا محمد امجد کے پہنچا' پڑھنے کے بعد معلوم ہوا کہ مولانا صاحب بزعم خود مجھے منسوخیتِ رفع الیدین کا مدعی ٹھہرایا ہوا ہے حالانکہ میرے رقعہ کے آخری سطور یہ ہیں اور بطورِ سرخی دے کر لکھا ہوا ہے یعنی اس طرح۔ تنبیہ: بھائی امجد صاحب یہ دلائل پیش کیے ہیں ترکِ رفع الیدین پر الخ۔

اسی بنا پر جب یہ رقعہ میرے پاس آیا تو میں نے مولانا صاحب کی خدمت اقدس میں تین رُقعے روانہ کیے۔ دو رُقعوں میں تین سوالوں کے متعلق کہا تھا کہ ان کا جواب دیں وہ تین سوال یہ ہیں:

① کہ اپنا مسلک رفع الیدین کے بارے میں بیان کرے کہ کون سی جگہ رفع الیدین کرنا ہے اور کون سی جگہ نہیں۔

② دوسری بات یہ بیان کرے کہ یہ رفع الیدین فرض ہے یا واجب ہے یا سنت ہے یا مستحب ہے؟

③ تیسری بات ان مذکورہ شقوں میں سے جو بھی اختیار کرو اس کی دلیل۔

اور تیسرے رقعے میں یہ لکھا تھا کہ آپ اپنے مسلک کے بارے حضورؐ سے کوئی قولی یا

---

[1] یہ لفظ قاری صاحب کی تحریر میں اسی طرح ہے۔

فعلی صحیح صریح اور قوی حدیث الخ ...... آخر میں لکھا تھا کہ پوری دُنیا کی کسی کتاب سے پیش کر دیں تو بندہ ناچیز رفع الیدین شروع کر دے گا۔ لیکن مولانا صاحب کہیں تو فرماتے ہیں تم وتروں میں کیوں کرتے ہو کہیں فرماتے یہ قاعدہ صحیح نہیں وغیرہ وغیرہ غرض کہ یہ تمام کہیں وتروں کا نام کہیں کچھ یہ ڈوبتے کو تنکے کا سہارا ہے کیونکہ جب میں نے کہا کوئی حدیث دکھلاؤ تو مولانا کا فرض تھا کہ حدیثیں پیش کرتے نہ کہ اِدھر اُدھر کی مارتے۔ اسی طرح مولانا صاحب نے تین سوالوں کے متعلق جو کہ میں نے ان سے کہا تھا کہ ان کا جواب فرمائیں' بجائے جواب دینے کے یہ راستہ اختیار کیا کہ آپ منسوخیت ِرفع الیدین کے مدعی ہو لہٰذا آپ کے ان تین سوالوں کا کوئی جواز نہیں الخ یہ تو مولانا صاحب اس وقت فرماتے جب میں منسوخ کا قائل ہوتا۔ بہر کیف مولانا میں ہوں ترک رفع الیدین کا قائل اور تم ہو رفع الیدین کے قائل اور مدعی اور دلیل جو ہوتی ہے اصول کے لحاظ سے مدعی کے ذمہ ہے نہ کہ مدعیٰ علیہ پر۔ اس بنا پر میں نے آپ کو چیلنج دیا تھا کہ کوئی حدیث پیش کر دیں الخ میں رفع الیدین شروع کر دوں گا لیکن آپ نے کوئی حدیث پیش نہیں کیں اور نہ ہی ان شاء اللہ العزیز کوئی حدیث آپ پیش کر سکتے ہیں اور نہ ہی اور کوئی غیر مقلدین قیامت تک۔

اگر بالفرض میں منسوخیت ِرفع الیدین کا مدعی ہوں بقول شما تو پھر بھی کوئی بات نہیں کیونکہ مولانا صاحب آپ کو معلوم ہی ہوگا کہ منسوخ کی کتنی قسمیں ہیں۔

تو خیر میرا دعویٰ ہے منسوخیت ِرفع الیدین کا مولانا صاحب آپ کوئی فکر نہ کریں آپ اپنے رقعے کا جواب سنیے:

جو دلائل میں نے دیے ہیں مولانا صاحب ان کا جائزہ لینے کے لیے ایک سرخی قائم کرتے ہیں اس طرح:

''منسوخیت ِرفع الیدین کے دلائل کا جائزہ''

نیچے لکھتے ہیں کہ حضرت قاری صاحب نے اپنے دعویٰ منسوخیت رفع الیدین کل پانچ روائتیں پیش فرمائیں ہیں جن میں سے آخری دو موقوف ہیں اور تین مرفوع اور مولانا صاحب نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اہل علم کو معلوم ہے موقوف روایت فعلی ہو خواہ قوی شرعی دلائل میں سے کوئی سے دلیل بھی نہیں۔ الخ

جواب اوّلاً تو مولانا صاحب نے اس پر کوئی دلیل نہیں دی لہٰذا دعویٰ بغیر دلیل کے خارج۔

ثانیاً مولانا صاحب نے موقوف کے بارے میں کوئی تفصیل نہیں بیان فرمائی لہٰذا میری طرف سے بھی کوئی تفصیل نہیں ہوگی۔

ثالثاً مولانا صاحب کا یہ فرمانا کہ اہل علم کو معلوم ہے کہ موقوف روایت کا شرعی دلیل میں سے کوئی بھی نہیں۔ یہاں قابل غور بات یہ ہے کہ اہل علم سے مراد کون سے اہل علم مراد ہیں۔

میرا تو یہ عقیدہ ہے عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ خُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الخ اسی بنا پر میں نے حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ ان کی روایت پیش کی تھی۔ اللہ سے ڈرو۔

آگے مولانا صاحب لکھتے ہیں رہی پہلی تین مرفوع روایات تو ان میں سے آخری دو حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ والی روایات کو احادیث رفع الیدین کے لیے ناسخ بنانا درست نہیں۔

اولاً تو اس لیے کہ وہ دونوں روائتیں سرے سے قابل احتجاج ہی نہیں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی مسند حمیدی والی روایت قابل احتجاج نہ ہونا تو آپ مولانا ارشاد الحق صاحب اثری۔ الخ

جواب مولانا صاحب کا یہ فرمانا کہ مسند حمیدی والی روایت کا حال اس میں پڑھ لیں یعنی مولانا ارشاد الحق صاحب اثری کے رسالہ میں۔ تو مولانا صاحب مجھے کیا ضرورت پڑی کہ جب آپ ہی نے کوئی شک وشبہات اور اعتراض نہیں کیے ہیں

دوسروں کے رسالہ وغیرہ دیکھتا پھیرو[1] خلاصہ کلام یہ کہ نہ آپ نے کوئی اعتراض اس حدیث پر کیا نہ کچھ اور لہٰذا ثابت ہوا یہ حدیث تمہارے نزدیک بھی صحیح ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ وہی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جو حدیث رفع الیدین والی روایت بیان کرتے ہیں وہی ترک رفع الیدین والی بھی روایت کرتے ہیں لہٰذا ثابت ہوا مولانا صاحب رفع الیدین منسوخ ہے۔

آگے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ والی روایت کے بارے میں مولانا صاحب فرماتے ہیں: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ والی روایت بھی قابل احتجاج نہیں۔

حالانکہ جس کے بارے میں میں نے یہ لکھا تھا کہ یہ حدیث حسن ہے صحیح ہے حوالہ کے ساتھ ایک دفعہ پھر مولانا صاحب سن لیں اور غور وفکر کے ساتھ پڑھے۔ امام ترمذی ج ا ص ۶۵ لکھتے ہیں حدیث ابن مسعودؓ حدیث حسن اور ابن حزم محلی ج ۳ ص ۸۸ میں لکھتے ہیں:

> وھذ الحدیث صحیح العرف الشندی ص ۱۲۲ میں وصحہ' ابن القطان المغربی فی کتاب الوھم والایھام وکذالک صحہ ابن حزم اندلسی.

اس حدیث کے بارے میں شیخ الحدیث حافظ عبدالمنان صاحب فرماتے ہیں کہ یہ حدیث قابل احتجاج نہیں دلیل یہ بیان فرماتے ہیں کہ جس باب میں امام ترمذی کا قول حدیث ابن مسعودؓ حدیث حسن ہے اسی باب میں امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد رشید حضرت عبداللہ بن مبارک کا مندرجہ ذیل قول بھی موجود ہے:

> قَدْ ثَبَتَ حَدِیْثُ مَنْ یَرْفَعُ وَ ذَکَرَ حَدِیْثَ الزُّھْرِیِّ عَنْ سَالِمٍ عَنْ اَبِیْهِ

---

[1] یہ لفظ اصل مسودہ میں اسی طرح ہے۔ (کاتب)

وَلَمْ يَثْبُتْ حَدِيْثُ ابْنُ مَسْعُوْدٍ اَنَّ النَّبِیَّ لَمْ يَرْفَعْ اِلَّا فِیْ اَوَّلِ مَرَّةٍ.

جواب: مولانا صاحب حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے ترک رفع الیدین کی کئی روایات بیان کی گئی ہیں ایک یہی حدیث جو زیر بحث ہے جو ترمذی وغیرہ میں ہے جس کی سند میں حضرت ابن مبارکؒ نہیں ہے اور اس حدیث کے الفاظ بھی جرح سے نہیں ملتے اس کے الفاظ اس طرح ہیں:

اَلَا اُصَلِّیْ بِکُمْ صَلٰوةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلّٰی فَلَمْ يَرْفَعْ يَدَيْهِ اِلَّا فِیْ اَوَّلِ مَرَّةٍ.

دوسری حدیث اس طرح ہے:

اَلَا اُخْبِرُکُمْ بِصَلٰوةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

اور یہ حدیث حضرت عبداللہ بن مبارک کے طریق مروی ہے اس کے الفاظ بھی جرح سے نہیں ملتے۔ تیسری روایت طحاوی میں ہے:

اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَرْفَعْ يَدَيْهِ اِلَّا فِیْ اَوَّلِ مَرَّةٍ.

اس کے الفاظ جرح سے ملتے ہیں اور حضرت ابن مبارک کی جرح بھی اسی حدیث کے بارے میں ہے۔ چوتھی روایت دارقطنی بیہقی وغیرہ میں ہے:

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍؓ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ اَبِیْ بَکْرٍؓ وَ عُمَرَ فَلَمْ يَرْفَعُوْا اَيْدِيَهُمْ اِلَّا عِنْدَ الْاِفْتِتَاحِ.

پانچویں مسند اعظم کی روایت اس طرح ہے:

اَنَّ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ مَسْعُوْدٍ کَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِیْ اَوَّلِ التَّکْبِيْرِ ثُمَّ لَا يَعُوْدُ اِلٰی شَیْءٍ مِنْ ذَالِکَ وَ يَاْثُرُ ذَالِکَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

محترم مکرم مولانا صاحب ان روایات کے ملاحظہ کرنے کے بعد آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ جرح کے الفاظ تیسری حدیث طحاوی والی کے الفاظ حدیث سے

ملتے جلتے ہیں ان باقی روایات سے اس جرح کا کوئی تعلق نہیں۔ اس تفصیل کے بعد بھی اگر کوئی مولانا صاحب پر اس حدیث ابن مبارک کی جرح چسپاں کرنے کی کوشش کریں تو اس کا نرا تعصب یا کم عقلی ہے۔

آگے لکھتے ہیں مولانا صاحب:

قَالَ الْحَافِظُ فِی التَّلْخِیْصِ: وَھٰذَا الْحَدِیْثُ حَسَّنَهُ التِّرْمَذِیُّ وَ صَحَّحَهُ ابْنُ حَزْمٍ وَ قَالَ ابْنُ الْمُبَارَکِ لَمْ یَثْبُتْ عِنْدِیْ وَ قَالَ ابْنُ اَبِیْ حَاتِمٍ عَنْ اَبِیْهِ ھٰذَا حَدِیْثٌ خَطَاءٌ وَقَالَ اَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ وَشَیْخُهٗ یَحْیَی بْنُ آدَمَ ھُوَ ضَعِیْفٌ نَقَلَهُ الْبُخَارِیُّ عَنْهُمَا الخ.

(مولانا صاحب یہ دلائل آپ شوافع وغیرہ کے پیش کر رہے ہو آپ جیسے عالم کے لیے یہ مناسب نہیں، اور دوسری بات یہ کہ ہے بھی غیر صفر الخ) اور کہا حافظ ابن حجر تلخیص میں کہ اس حدیث کو یعنی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کو امام ترمذی نے حسن کہا ہے اور ابن حزم صحیح کہا ہے اور حضرت عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں کہ وہ میرے ہاں ثابت نہیں (اس کا جواب مفصل گزر چکا ہے) اور ابو حاتم کہتے ہیں یہ روایت خطاء ہے اور امام احمدؒ بن حنبل اور ان کے شاگرد حضرت یحییٰ بن آدمؒ دونوں فرماتے ہیں وہ روایت ضعیف ہے۔ الخ

اب ترتیب وار ان کے جوابات سنیے مولانا صاحب!

حضرت ابن مبارکؒ فرماتے ہیں کہ وہ میرے ہاں ثابت نہیں اس کا جواب اسی رقعہ کے ص ۵ اور صفحہ ۷ پر ملاحظہ فرمائیں۔ اور آپ کا یہ کہنا کہ ابو حاتم کہتے ہیں کہ یہ روایت خطاء ہے تو مولانا صاحب اس کا جواب سنیے۔ جس حدیث پر امام ابو حاتم نے جرح کی ہے اس کے الفاظ اس طرح ہیں:

وَ قَالَ ابْنُ اَبِیْ حَاتِمٍ فِیْ کِتَابِ الْعِلَلِ ج ۱ ص ۹۶ سَأَلْتُ اَبِیْ عَنْ حَدِیْثٍ رَوَاهُ سُفْیَانُ الثَّوْرِیُّ عَنْ عَاصِمِ بْنِ کُلَیْبٍ عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ

بْنِ الْاَسْوَدِ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَامَ فَكَبَّرَ فَرَفَعَ يَدَيْهِ ثُمَّ لَمْ يَعُدْ فَقَالَ اَبِىْ هٰذَا خَطَاءٌ يُقَالُ وَ هُمْ فِيْهِ الثَّوْرِيُّ الخ.

کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو گئے پس تکبیر کہی پھر رفع الیدین کیا اور پھر رفع الیدین کے لیے نہ لوٹے تو ابو حاتم نے فرمایا (اسی طریقہ سے) یہ حدیث خطاء ہے اور سفیان ثوری کا وہم کہا جاتا ہے بحوالہ نصب الرایہ ج ا ص ۳۹۶ تو مولانا صاحب میں نے وہ حدیث پیش کی تھی۔ جس میں عبداللہ بن مسعودؓ نے حضورؐ کی نماز کا نقشہ پڑھ کر دکھایا تھا۔ لیکن کتاب کے حوالہ سے جو ابھی روایت گزری ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود کھڑے ہو گئے اور سارا نقشہ نماز کا اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو پڑھ کر دکھایا تو یہیں سے امام ابو حاتم کو وہم ہو گیا کہ شاید اس طریقہ سے روایت بیان کرنے میں سفیان ثوری کا وہم ہے لیکن امام ابو حاتم کا نرا وہم ہے اور یہ حدیث بھی اپنے مقام صحیح ہے کیونکہ حضورؐ نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نماز کا جو نقشہ کھینچ دکھایا یہ جدا روایت ہے۔ اور آپ کی سنت ادا کرتے ہوئے حضرت ابن مسعودؓ نے بھی اپنے شاگردوں کے سامنے کھڑے ہو کر وہی نقشہ کھینچ کر جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز پڑھ کر دکھائی اس میں سفیان ثوری کے وہم کا کوئی دخل نہیں۔

دیکھ لیا مولانا صاحب حال اپنا کہ بغیر تحقیق کے فرما دینا کہ فلاں یوں کہتا ہے فلاں جوں فیا للعجب اور رہا آپ کا فرمانا کہ امام احمد بن حنبلؒ اور ان کے استاد یحییٰ بن آدم اس روایت کو ضعیف کہتے ہیں الخ یعنی اس طرح:

وقال احمد بن حنبل و شيخه يحيىٰ بن آدم هو ضعيف نقله البخاری عنهما.

جواب: مولانا صاحب امام احمد بن حنبل اور ان کے استاد یحییٰ بن آدم اس

حدیث پر جرح نہیں کی۔ اگر ہمت کر کے مولانا عبدالمنان صاحب (شیخ الحدیث جامع محمدیہ[1]) مجھے یہ دکھلا دے صحیح حوالہ سے کہ امام احمد بن حنبلؒ اور یحییٰ بن آدم نے اس کو ضعیف کہا ہے تو میں جھوٹا اور آپ سچے اگر نہ دکھلا سکے تو پھر......اگر آپ یہ حوالہ صحیح ثابت کر دیں تو آگے بات کرنا ورنہ ختم۔

اصل بات یہ ہے مولانا صاحب یہ دلائل شوافع وغیرہ سے مانگ مانگ تم اپنا مسلک ان دلائل سے ثابت کرنا چاہتے ہو۔ جب انہوں نے بھی انکار کر دیا پھر تم نے بھاگتے بھاگتے ان سے جب دلائل نہ ملے ان کی طرف غلط باتیں منسوب کیں۔ خلاصہ کلام یہ کہ ماشاءاللہ تحقیق کے میدان کے شہسوار ہو تم فَوَا اَسَفًا جب تم حضرات حوالوں کے اندر ہی تحقیق نہیں کر سکتے تو احادیثِ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں کیا تم سے اچھی اُمید رکھی جا سکتی ہے یہی وجہ ہے کہ تم حدیثوں کے درمیان فرق معلوم نہیں کر سکتے۔ گر ہمیں مکتب وہمیں ملاں است کار طفلاں تمام خواہد شد

خلاصہ کلام یہ کہ کون کون سی غلطی پکڑوں۔ مولانا صاحب خدا کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ اللہ سے ڈرو۔ فالی اللہ المشتکی

باقی رہا ابوداؤد کا لیس ھو بصحیح کہنا اس کا جواب میں نے اپنے پہلے رقعہ میں دیا ہے۔

الحاصل یہ کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی یہ روایت ابوداؤد ج ۱ ص ۱۰۹ میں مذکور ہے اور اس میں لیس بصحیح کے الفاظ مذکور نہیں یہ الفاظ حضرت براء ابن عازب رضی اللہ عنہ کی روایت کے آخر میں ہیں جو ابوداؤد ج ۱ ص ۱۱۰ میں مذکور ہے۔

وقال دارقطنی لم یثبت اس کا جواب مولانا صاحب اوّل تو یہ ہے غیر مفسر

---

[1] یہ لفظ مسودہ میں اسی طرح ہے۔

ہے۔ دوسری یہ بات ہے کہ تم نے ان حوالوں کی دلیلیں نہیں جن میں سے ایک یہ بھی ہے لہٰذا دعویٰ بغیر دلیل کے خارج لیکن مولانا صاحب یاد رہے امام دارقطنی صحیح کہتے ہیں۔ باقی رہا تمہارا یہ کہنا کہ

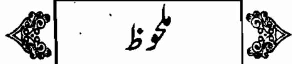
وقال ابن حبان فی الصلوٰة هذا احسن جزروی لاهل الكوفة فی نفی رفع الیدین فی الصلوٰة عند الركوع وعند الرفع منه وهو فی الحقيقة اضعف شیء یقول علیه لازله عللا تبطله. اھ (تحفۃ الاحوذی ج ۱ ص ۲۲۰)

مولانا صاحب اس کی بھی ذرا سی تفصیل سن لیجیے۔ مولانا صاحب ابن حبان کی جرح کئی وجوہ سے مردود ہے۔ اوّلاً اس لیے کہ حضرت ابن مسعودؓ سے کئی سندوں سے یہ روایت مروی ہے پتہ نہیں ان کا کس سند پر اعتراض ہے اور پھر یہ جرح بھی غیر مفسر ہے۔

ثانیاً' علامہ احمد محمد شاکر غیر مقلد شرح ترمذی ج ۲ ص ۴۱ اور علامہ شعیب الأرنا ووط غیر مقلد اور علامہ محمد زہیر الشاویش دونوں تعلیقات شرح السنۃ ج ۲ ص ۲۴ میں فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے **وما قالوه فی تعلیله لیس بعلة** یعنی بعض نے جو علتیں (خرابیاں) اس میں نکالی ہے وہ کچھ نہیں۔ کیونکہ اس میں کوئی خرابی نہیں ہے۔

مولانا صاحب اگر کوئی حوالہ پیش کرنا ہو تو پہلے اپنے بڑوں کی طرف بھی نظر کر لیا کرو۔ میرا یہ مشورہ ہے گر قبول افتدز ہے عزوشرف۔ اور علامہ شبیر احمد عثمانی فتح الملہم ج ۲ ص ۱۳ میں لکھتے ہیں کہ ہمیں تو ان علتوں کے بارے میں کوئی علم نہیں ہو سکا۔ شاید یہ علت ہو کہ یہ علت ان کے مذہب کے خلاف ہے۔

آگے مولانا صاحب لکھتے ہیں بطور سرخی دے اس طرح۔



ملحوظ

میں نے عرف شذی کے حوالہ سے لکھا تھا کہ **وصححه ابن القطان** الخ لیکن مولانا صاحب نے درایہ برحاشیہ ہدایہ (ج ۱ ص ۱۱۲) کا حوالہ دے کر لکھا ہے: **وقال ابن القطان هو عندی صحیح الاقوله ثم لا یعود فقد قالوا ان وکیعا کان یقولها**

من قبل نفسه. ١٠ھ جس سے ظاہر ہے کہ ابن القطان جملہ ثم لا یعود کو صحیح نہیں سمجھتے اس لیے صاحب عرفِ شذی کا بلا استثناء صححہ' ابن القطان لکھنا درست نہیں۔

مولانا صاحب امام وکیع جب ثقہ ہیں تو ثقہ کی زیادت قابل اعتبار ہے نیز انہوں نے اس روایت کو صحیح سمجھ کر عمل کر کے چار چاند لگا دیے ہیں۔ نیز امام وکیع اس زیادت کے نقل کرنے میں منفرد نہیں بلکہ حضرت ابن المبارک ثم لم یعد نقل کرتے ہیں۔

آگے مولانا حافظ عبدالمنان صاحب لکھتے ہیں بطور عنوان وسرخی دے کر اس طرح صاحبِ مشکوٰۃ پر ایک وہم کے الزام کی حقیقت۔

اسی کے تحت آگے جا کر مولانا صاحب لکھتے ہیں کہ اس مقام پر صاحبِ مشکوٰۃ کی طرف وہم کی نسبت بجائے خود ایک وہم ہے الخ

اصل بات یہ ہے کہ مولانا صاحب پریشانی میں پڑ گئے ہوں گے کہ صاحب مشکوٰۃ کا وہم ہاں مولانا صاحب تحقیق کے میدان میں ایسا ہی ہوتا ہے۔ آپ تو ایک پڑھ کر پریشان ہو رہے ہیں جبکہ صاحبِ مشکوٰۃ کے اوہام کثیرہ ہے تفصیل کی اب گنجائش نہیں ویسے چلتے چلتے ایک دو ملاحظہ فرمائیے۔

❶ مشکوٰۃ ج ١ ص ٨٨ میں عَنِ ابْنِ الزُّبَیْرِ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ مِنْ صَلٰوتِہٖ یَقُوْلُ بِصَوْتِہِ الْاَعْلٰی لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ. الحدیث رواہ مسلم۔ حالانکہ صحیح مسلم میں ج ١ ص ٢١٨' یہ روایت موجود ہے اور بصوتہ الاعلی کے الفاظ موجود نہیں۔ بدعتی ذکر بالجہر کے ثبوت میں مشکوٰۃ اس غلط روایت سے استدلال کرتے ہیں۔

❷ مشکوٰۃ ج ٢ ص ٥٤٤ میں ایک روایت ہے جس کے بعض الفاظ یہ ہیں۔

استقبله داعی امرئيته یہاں سے بدعتی استدلال کرتے ہیں کہ میت کے گھر کا کھانا جائز ہے۔ حالانکہ صحیح الفاظ داعی امراۃ کے ہیں بغیر ضمیر کے چنانچہ یہ روایت ابوداؤد ج ١ ص مشکل الاثار ج ٢ ص ٣٣٢' مقتم ص ١٦٩ شرح معانی الاثار ج ٢ ص ٣٢١ دارقطنی

ج ۲ ص ۵۴۵ مسند احمد ج ۵ ص ۲۹۳ سنن الکبریٰ ج ٦ ص ۹۷ عقود الجواہر المصصہ ج ۲ ص ٦۲ خصاص الکبریٰ ج ۲ ص ۱۰۳ مستدرک حاکم ج ۴ ص ۲۳۴ محلیٰ ابن ج ۷ ص ۴۵ عون المعبود ج ۳ ص ۲۴۹ بدل المجہود ج ۴ ص ۲۴۹ وغیرھا کتب میں موجود ہے اور داعی امراۃ بغیر ضمیر کے ہے بحوالہ راہِ سنت ص ۲۵۰۔

آ گے جا کر مولانا حافظ عبدالمنان صاحب تحریر فرماتے ہیں بطور سرخی دے کر اس طرح ملا علیؒ قاری حنفی اور علامہ میرک حنفی کی صاحبِ مشکوٰۃ کے حق میں شہادت۔

ملا علی قاری حنفی شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں: **وقال ابو دائود لیس هو بصحیح علی هذا اللفظ. (یعنی وان کان سنده الخ)**

ترجمہ کرنے کے بعد مولانا صاحب لکھتے ہیں کہ ملا علی قاری حنفیؒ کا صاحبِ مشکوٰۃ کے ابوداؤد سے نقل کردہ فیصلہ کی مندرجہ بالا توجیہ اور تشریح کرنا صاف صاف بتا رہا ہے کہ ملا علی قاری حنفیؒ اس فیصلہ کو ابوداؤد کا فیصلہ تسلیم کرتے ہیں الخ۔

❶ مولانا صاحب یہ جو ابوداؤد کا فیصلہ ملا علی قاری حنفی یا علامہ میرک حنفی کا فیصلہ ہے بقول شما یعنی صحیح نہیں اس صفحہ ۱۰ پر تو مولانا صاحب احتمال رکھتا ہے کہ مراد نہ صحیح ہونا ساتھ اس طریق خاص کے ہوئے پس ضرر نہیں کرتا بیچ صحت حدیث کے۔

❷ دوسری بات یہ کہ غیر مفر ہے الخ

باقی رہا مولانا صاحب کا یہ فرمانا کہ تھوڑی دیر کے لیے ہم تسلیم کرتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ والی روایت قابلِ احتجاج ہے لیکن اس کو حدیث رفع الیدین کا ناسخ قرار دینا درست نہیں کیونکہ اسے ناسخ تب قرار دیا جا سکتا ہے جبکہ اس کا احادیث رفع الیدین سے متاثر ہونا ثابت ہو الخ

مولانا صاحب اور کوئی دلیل پیش کرو تو شاید آپ چوں و چراں کریں اس لیے میں ان ہی سے یعنی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ہی سے دلیل پیش کرتا ہوں۔ مظاہر حق ج ۱ ص ۲۵۸ میں ہے اور کہا ابن مسعودؓ نے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہاتھ اٹھائے ہم

نے بھی ہاتھ اٹھائے اور حضرتؐ نے ترک کیے ہم نے بھی ترک کیے۔

نیز جن حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے رفع الیدین کی روایات آتی ہیں انہیں سے پھر ترکِ رفع الیدین کی روایات آتی ہیں اور عمل بھی ترک رفع الیدین کا ہے مثلاً حضرت عبداللہ بن عمر و حضرت علی و حضرت ابو ہریرہ و حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم وغیرھم۔ نیز بعض حدیثوں کو غیر مقلدین حضرات خود منسوخ مانتے ہیں جیسے رفع الیدین بین السجدتین' تو جو دلائل وہ اس رفع الیدین بین السجدتین کی منسوخیت کے قائم کرنے میں وہی دلائل رفع الیدین عندالرکوع وغیرہ کی منسوخیت کے احناف حضرات کی طرف سے سمجھ لیں۔

مولانا صاحب حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے بارے میں جناب رسول اللہ ﷺ کا فرمان بھی سن لے۔ مستدرک حاکم ج ۳ ص ۳۱۹ میں بسند صحیح آتا ہے کہ حضورؐ نے فرمایا ہے کہ جو چیز ابن مسعودؓ تمہارے لیے پسند کریں اسے میں بھی پسند کرتا ہوں اور راضی ہوں۔ اور استعیاب ج ۱ ص ۳۵۶ میں آتا ہے کہ جس چیز کو ابن مسعودؓ پسند نہ کریں میں بھی اسے پسند نہیں کرتا۔ نیز ترمذی ج ۲ ص ۲۲۱ و مستدرک حاکم ج ۲ ص ۳۱۹ میں آتا ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں **وَمَا حَدَّثَكُمُ ابْنُ مَسْعُوْدٍ فَصَدِّقُوْهُ** حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ تمہیں جو حدیث سنائیں اس کی تصدیق کرو۔

ثالثاً' چند منٹ کے لیے اگر تسلیم کر لیا جائے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ والی روایت احادیث رفع الیدین سے متاخر ہے تو بھی اس کو ناسخ رفع الیدین قرار دینا درست نہیں کیونکہ اُصول کا قاعدہ ہے کہ فعل ناسخ نہیں ہوا کرتا۔ یہ مولانا صاحب کی عبارت ہے۔

مولانا صاحب اس کا جواب سنیے مولانا صاحب آپ ماشاء اللہ عالم دین ہیں لیکن مجھے آپ پر افسوس بہت آتا ہے کہ آپ فرما رہے ہیں کہ فعل ناسخ نہیں ہوا کرتا۔ خدا جانے مولانا صاحب کون سے اُصول کے تحت فرما رہے ہیں کہ فعل ناسخ

نہیں ہوا کرتا مولانا صاحب تفصیل کی تو اب گنجائش نہیں اختصاراً سنیئے۔ نووی ج اص ۱۵۶ میں ہے الوضو مماست النار الخ[1]

آ گے جا کر مولانا صاحب لکھتے ہیں کہ:

حضرت جابر بن سمرۃؓ والی روایت سے نسخ رفع الیدین پر استدلال کی حالت

جناب مولانا عبدالمنان صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے نسخ رفع الیدین پر استدلال تو وہ درست نہیں۔ اس کے تحت مولانا صاحب بہت تفصیل کے ساتھ لکھتے ہیں۔ مولانا صاحب کی اس تفصیل میں دو تین باتیں خاص ہیں جو کہ قابل جواب ہیں۔

1. مولانا صاحب فرماتے ہیں کہ جو رفع الیدین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا معمول ہے اور جو رفع الیدین آپ کے اتباع یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا معمول ہے اس کے متعلق آپ کا یہ الفاظ استعمال فرمانا محال ہے یعنی کانها اذناب خیل شمس.

مولانا صاحب اس کے جواب میں صرف آپ کو یہ مشورہ دیتا ہوں کہ آپ تلخیص یا مختصر المعانی کا ضرور مطالعہ فرمائیں یعنی بحث شبہ اور مشبہ بہ کی۔

2. مولانا صاحب فرماتے ہیں کہ قیام سے رکوع میں جانا' رکوع سے سر اُٹھانا' قومہ سے سجدہ میں جانا' سجدہ سے سر اُٹھانا اور جلسہ سے دوسرے سجدہ میں جانا یہ سب حرکات ہیں جو کہ سکون فی الصلوٰۃ کے منافی ہیں تو اسکنوا فی الصلوٰۃ کا تقاضا ہے کہ یہ مذکورہ بالا حرکات بھی ممنوع یا منسوخ ہوں کیونکہ قاعدہ ہے: **اَلْعِبرَۃُ بِعُمُوْمِ اللَّفْظِ لَا بِخُصُوْصِ السَّبَبِ** الخ جناب مولانا صاحب قیام سے رکوع میں جانا رکوع سے سر اُٹھانا قومہ سے سجدہ میں جانا' سجدہ سے سر اٹھانا وغیرہ وغیرہ یہ دلائل سے ثابت ہیں لہٰذا قیام سے رکوع میں جانا رکوع سے سر اٹھانا وغیرہ یہ

---

[1] قاری صاحب نے یہ عبارت اسی طرح لکھی ہے۔

سکون فی الصلوٰۃ منافی نہیں۔

3 ایک بات مولانا صاحب یہ فرماتے ہیں کہ اس روایت سے رفع الیدین کے نسخ پر استدلال کی بنیاد رافعی ایدیکم الخ میں رکوع جاتے اور اس سر اٹھاتے وقت رفع الیدین مراد ہونے پر ہے مگر ابھی تک الخ۔

مولانا صاحب جواب سنیے رفع الیدین سے منع کی حدیث کے راوی حضرت جابرؓ کے شاگرد تمیم بن طرفہ ہیں اور پھر ان کے شاگرد مسیب بن رافع ہیں لہٰذا عن تمیم بن طرفہ عن جابر بن سمرہؓ والی روایت جو مسلم شریف ج ۱ ص ۱۸۱ وسنن نسائی ج ۱ ص ۱۷۶ وسنن ابوداؤد ج ۱ ص ۱۴۲ ونصب الرایہ ج ۱ ص ۳۹۲ میں روایت:

واللفظ لمسلم عن تميم بن طرفه عن جابر بن سمره قال خرج علينا رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال مالي اراكم رافعي ايديكم كانها اذناب خيل شمس اسكنوا في الصلوٰة.

حضرت ملا علی قاری جن کو نواب صدیق حسن خاں غیر مقلد الشیخ اور العلامہ کے الفاظ سے یاد کرتے ہیں (نزل الابرار ص ۱۴۵) شرح نقایہ ج ۱ ص ۷۸ میں لکھتے ہیں راوہ مسلم ویفید النسخ۔ کہ اس روایت امام مسلم نے روایت کیا ہے اور یہ نسخ رفع الیدین میں مفید ہے۔ مولانا عبدالمنان صاحب اس سے یہ ثابت ہوا کہ جناب نبی کریم ﷺ رفع الیدین کرنے والوں پر ناراض ہوئے اور انہیں سکون کا حکم دیا کہ معلوم ہوا رفع الیدین سکون کے خلاف ہے۔ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی اپنی تفسیر کے مطابق رفع الیدین خشوع نماز کے مخالف ہے۔ مولانا صاحب یہ تفسیری فتویٰ ان کی مرفوع روایت کے عین موافق ہے جس میں رفع الیدین سے منع کیا گیا ہے اور مولانا صاحب یہ بات بھی یاد رکھیں کہ جو حدیث سلام کے وقت ہاتھوں سے اشارہ کی منع کی حدیث کے راوی حضرت جابرؓ سے عبیداللہ بن القبطیہ اور پھر ان کے شاگرد مسعر ہیں کتنا فرق ہے۔ ببیں تفاوتِ راہ است از کجا تا بہ کجا۔

یہ فرق معلوم کرنا معمولی سی بات نہیں اور نہ ہی یہ غیر مقلدین کے بس کی بات ہے۔

ہر ہاتھ کو عاقل ید بیضاء نہیں کہتے ۔۔۔۔۔۔ اور ہر صاحبِ عصا کو موسیٰ نہیں کہتے

آگے جا کر مولانا صاحب فرماتے یعنی لکھتے ہیں: کنا اذا صلینا مع رسول الله الخ اور خرج علینا رسول الله صلی الله علیه وسلم الخ کے اس واقعہ کے دو دفعہ رونما ہونے پر دلالت سے یہ لازم نہیں آتا کہ دونوں موقعوں پر رفع الیدین جدا جدا ہوالخ۔

مولانا صاحب علامہ زیلعی نصب الرایہ ج ۱ ص ۳۹۲ میں لکھتے ہیں کہ ان دونوں سیاق جدا جدا ہے۔ لہٰذا ایک روایت کو دوسری کی تفسیر نہیں بنایا جا سکتا۔

① نیز رفع الیدین سے منع کی حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں خرج علینا رسول الله صلی الله علیه وسلم یادخل علینا رسول الله صلی الله علیه وسلم یا انه دخل المسجد فابصرقوما جس کا مطلب یہ ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جماعت کے بغیر اپنی نماز سنن یا نوافل ادا کر رہے تھے۔

اور اشارہ سے منع کی حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں صلینا دراء رسول الله صلی الله علیه وسلم مسند احمد ج ۵ ص ۸۶ کنا اذا صلینا خلف رسول الله صلی الله علیه وسلم مسند احمد ج ۵ ص ۱۰۷ جس کا مطلب یہ ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز باجماعت ادا کر رہے تھے۔

② رفع الیدین سے منع کی حدیث میں رافعی ایدیکم یا تمد رفعوا ایدیهم کے الفاظ ہیں جو رفع الیدین میں واضح ہیں۔ اور اشارہ سے منع کی حدیث میں تشبرون بایدیکم یاتومون بایدیکم یا یرمون بایدیهم کے الفاظ ہیں جو اشارہ میں واضح ہیں۔

③ رفع یدین سے منع کی حدیث میں سلام کا کوئی ذکر نہیں اور اشارہ سے منع کی حدیث میں سلام کا ذکر ہے اور پھر اس کا طریقہ مذکور ہے۔

④ رفع یدین سے منع کی حدیث میں اسکنوا فی الصلوٰۃ کے الفاظ ہیں اور اشارہ کے منع کی حدیث میں یہ الفاظ ندارد۔

مولانا صاحب ان دلائل سے معلوم ہوا کہ دو حدیثوں کو ایک بنا کر منع پر چسپاں کرنا حقیقت کے بالکل خلاف ہے۔

باقی رہا مولانا صاحب کا یہ لکھنا کہ تیسری رکعت وتروں میں بھی رفع الیدین نہیں کرنا چاہیے یا مولانا صاحب کا یہ لکھنا کہ یہ اسکنوا فی الصلوٰۃ کے منافی ہے۔

جواب: مولانا صاحب تیسری رکعت کے اندر وتروں میں رفع الیدین نہ کرنے کی کوئی صریح روایت موجود نہیں اس لیے یہ نہ سکون فی الصلوٰۃ کے منافی ہے اور نہ ہی ممنوع اور منسوخ۔

آخر کے اندر مولانا صاحب لکھتے ہیں۔

آخری بات:

نیچے لکھتے ہیں کہ آپ حضرت الامام ابوحنیفہؒ کے مقلد ہیں اور مقلد کا مستند اس کے امام کا قول ہی ہوا کرتا ہے چنانچہ مسلم الثبوت ص [illegible] لکھا ہے۔ **واما المقلد ومستنده قول مجتهده لاظنه ولاظنه** اس لیے مقلد ہونے کی حیثیت سے الخ۔

❶ اوّلاً مولانا صاحب یہ جو بحث چل رہی ہے اس سے یہ بات خارج ہے لہٰذا خروج عن البحث لازم آتا ہے۔ الخ

❷ اس کے جواب میں صرف یہی کہتا ہوں کہ مولانا صاحب اس عبارت کو پوری پڑھیں آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ میں امام الاعظم امام ابوحنیفہؒ کے کس بات میں مقلد ہوں۔

نیز مولانا صاحب لکھتے ہیں کہ حنفی حضرات کے رفع الیدین کے سلسلہ میں متعدد قول ہیں۔

مولانا صاحب تفصیل کا موقعہ نہیں۔ خلاصہ کلام یہ کہ غیر مقلدین کے بھی

مختلف قول ہیں۔ رفع الیدین کے بارے میں لہٰذا پہلے آپ ایک قول پر یعنی سب کے سب غیر مقلدین متفق ہوں پھر احناف پر اعتراض کرنا۔ الخ

اسی سلسلہ میں غیر مقلدین سے ایک سوال کہ بعض غیر مقلدین سجدہ کی رفع الیدین کو سنت کہتے ہیں۔ ابوحفص وغیرہ۔ اور عام غیر مقلدین اس کے سنت ہونے کے منکر ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ سنت کا منکر بھی لعنتی ہوتا ہے اور غیر سنت کو سنت کہنے والا بھی لعنتی ہوتا ہے اس لیے بتایا جائے۔ الخ

دعا ہے اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کو کتاب وسنت سمجھنے کی توفیق اور عمل کرنے کی توفیق دیں۔ آمین یارب العالمین!

فقط والسلام مع الاکرام

جمیل احمد گلوٹیاں کلاں

مقیم مدرسہ دار العلوم تعلیم القرآن ملحقہ مسجد گنبد والی

سرفراز کالونی جی ٹی روڈ گوجرانوالہ



نوٹ: الفاظ ومحاورات کی غلطیاں قاری صاحب کی عبارت میں اسی طرح ہیں لہٰذا کاتب ان سے بری ہے۔ (کاتب)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

جناب قاری جمیل احمد صاحب!

زَادَنِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی وَاِیَّاکَ عِلْمًا نَّافِعًا وَّ عَمَلًا مُّتَقَبَّلًا.

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

امابعد: آج بعد از نماز جمعہ آپ کا پانچواں رُقعہ موصول ہوا۔ شاید آپ کو معلوم ہو کہ بندہ ان دنوں اپنے گاؤں نور پور میں گیا ہوا ہے اور پورا رمضان المبارک وہیں گزارنا ہے اس لیے آپ کے اس رقعے کا جواب عید الفطر کے بعد لکھنا شروع کیا جائے گا ہاں اتنی بات ابھی عرض کیے دیتا ہوں کہ میرے نام کے ساتھ ''شیخ الحدیث'' ایسے لقب نہ لکھا کریں آپ میرے دوست احباب سے پوچھ سکتے ہیں کہ میں اس قسم کے لقبوں کے اپنے نام کے ساتھ پکارے جانے کو پسند نہیں کرتا۔

ابن عبدالحق بقلمہ

۱۰ر رمضان المبارک ۱۴۰۲ھ

سرفراز کالونی جی ٹی روڈ گوجرانوالہ

مندرجہ بالا تحریر قاری صاحب کو ۱۰ر رمضان المبارک ۱۴۰۲ھ کو جمعہ کے روز ہی پہنچا دی گئی تھی۔ حسبِ وعدہ اب ان کے پانچویں رقعہ کا جواب سنیے تو قاری صاحب اپنے اس پانچویں رُقعہ میں لکھتے ہیں ''آپ کا رقعہ مع ایک رسالہ کے بواسطہ مولنا[1] محمد امجد[2] کے پہنچا پڑھنے کے بعد معلوم ہوا کہ مولنا[3] صاحب نے بزعم[4] خود مجھے منسوخیت رفع الیدین کا مدعی ٹھرایا[5] ہوا ہے حالانکہ مرے[6] رقعہ کے آخری سطور یہ[7] ہے اور بطور سرخی دے کر لکھا ہو[8] ہے یعنی اس طرح۔ تنبیہ۔ بھائی امجد صاحب یہ دلائل پیشن[9] کیے ہیں ترکِ رفع یدین پر'' الخ (قاری صاحب کا رقعہ نمبر ۵ ص ۱)

② نیز قاری صاحب ہی تحریر فرماتے ہیں ''بجائے جواب دینے کے یہ راستہ اختیار

کیا کہ آپ منسوخیتِ رفع الیدین کے مدعی ہو لہٰذا آپ کے ان تین سوالوں کا کوئی جواز نہیں الخ یہ تو مولنا[1] صاحب اس وقت فرماتے کہ جب میں منسوخ کا قائل ہوتا''۔ (قاری صاحب کا رقعہ نمبر ۵ ص ۱)

③ قاری صاحب ہی مزید لکھتے ہیں ''اگر بالفرض[11] میں منسوخیتِ رفع الیدین کا مدعی ہوں بقول شما تو پھر بھی کوئی بات نہیں کیونکہ مولنا[12] صاحب آپ کو معلوم ہی ہوگا کہ منسوخ کی کتنی قسمیں ہیں''۔ (قاری صاحب کا رقعہ نمبر ۵ ص ۳)

قاری صاحب کے ان مندرجہ بالا تین اقوال سے پتہ چل رہا ہے کہ انہوں نے مولوی امجد صاحب کی تحریر کے جواب میں لکھے ہوئے اپنے رقعہ نمبر ا میں رفع الیدین کی منسوخیت کا دعویٰ نہیں کیا اور نہ ہی وہ رفع الیدین کی منسوخیت کے مدعی اور قائل ہیں اور بندہ نے خواہ مخواہ انہیں منسوخیت کا قائل اور مدعی ٹھہرایا ہوا ہے تو گزارش ہے کہ آپ کی یہ تینوں کی تین باتیں واقع کے خلاف اور نری غلط بیانیاں ہیں چنانچہ بندہ اپنے پہلے رُقعہ سے قاری صاحب کے دعویٰ سے متعلق لکھی ہوئی عبارت پوری کی پوری من وعن نقل کیے دیتا ہے تاکہ آپ قاری صاحب کے مندرجہ بالا تین اقوال کی حقیقت کو پاسکیں تو سنیئے:



حضرت قاری صاحب کا موقف و مدعی



اس عنوان کے تحت بندہ نے اپنے پہلے رُقعہ میں لکھا ''اُصول ہے کہ دلیل یا دلائل پر کلام سے پہلے اس چیز کو سامنے رکھنا ضروری ہے جس چیز کے دلائل پیش کیے جا رہے ہوں تو اس مقام پر پہلے ہم نے غور کرنا ہے کہ قاری صاحب نے بزعم خود جو دلائل ذکر فرمائے ہیں وہ کس چیز کے دلائل ہیں تو سنیئے قاری صاحب حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی روایت لکھنے کے بعد فرماتے ہیں ''اس سے یہ دلیل ثابت ہوئی کہ رفع

---

[1] تا [12]: الفاظ وعبارات قاری صاحب کے رُقعہ میں اسی طرح ہیں۔۱۲ منہ

الیدین نہیں کرنا چاہیے اور دلیل منسوخیت پر بھی''۔ (قاری صاحب کا رقعہ ص ۱)

تو ان کی اس منقولہ بالا عبارت سے پتہ چلا کہ وہ اپنے اس رقعہ میں رفع الیدین نہ کرنے کے دلائل بیان فرما رہے ہیں اور رفع الیدین نہ کرنے کی دو صورتیں ہیں' ❶ رفع الیدین نہ کرنا بایں صورت کہ رفع الیدین کرنا سرے سے مشروع ہی نہ ہو۔ ❷ رفع الیدین نہ کرنا بایں صورت کہ رفع الیدین کرنا پہلے پہل مشروع ہو بعد میں اسے منسوخ کر دیا گیا ہو۔ پہلی صورت میں رفع الیدین کے نبی کریم ﷺ سے ثبوت کا بالکلیہ انکار ہے جبکہ دوسری صورت میں رفع الیدین کے پہلے پہل نبی کریم ﷺ سے ثابت ہونے کا اقرار پھر اس کے منسوخ ہونے کا دعویٰ ہے کیونکہ جو چیز سرے سے شرع میں ثابت ہی نہ ہو اس کے نسخ کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

اتنی بات ذہن میں رکھنے کے بعد دیکھنا یہ ہے کہ ''رفع الیدین نہیں کرنا چاہیے'' کی مذکورہ بالا دونوں صورتوں میں سے جناب قاری صاحب نے کون سی صورت اختیار کی ہوئی ہے تو اس سلسلہ میں ان کا اپنا ہی بعد والا جملہ ''اور دلیل منسوخیت پر بھی'' صاف صاف بتلا رہا ہے کہ انہوں نے دوسری صورت ''رفع الیدین کے مشروع ہونے کے بعد منسوخ ہونے'' کو اختیار فرمایا ہے تو مختصر الفاظ میں یوں سمجھئے کہ قاری صاحب رفع الیدین کے منسوخ ہونے کے مدعی ہیں اور رفع الیدین کی منسوخیت ان کا دعویٰ ہے''۔ (میرا رقعہ نمبر ا ص ا و ۲)

قاری صاحب نے اپنے پہلے رقعہ کے آخر سے جو تنبیہ کے الفاظ نقل فرمائے ہیں ان میں صرف اور صرف یہ بات ہے کہ ان کے رقعہ میں پیش کردہ پانچ روایات ترکِ رفع الیدین (رفع الیدین نہ کرنے) کے دلائل ہیں ان کی اس تنبیہ میں ترک رفع الیدین کی مندرجہ بالا دو صورتوں سے پہلی صورت کی کوئی تعیین نہیں نیز اس میں منسوخیت رفع الیدین کی نفی بھی نہیں اور آپ کا اپنے رقعہ کے آخر میں ترک رفع الیدین کا لفظ لکھ دینا پہلی صورت کی تعیین ہے نہ منسوخیت کی نفی۔

تو بندہ نے جس دلیل کی بنا پر آپ کو رفع الیدین کی منسوخیت کا مدعی لکھا وہ دلیل میرے پہلے ہی رُقعہ میں درج ہے جس کو اوپر نقل کیا جا چکا ہے ایک دفعہ پھر سن لیجیے ''اتنی بات ذہن میں رکھنے کے بعد دیکھنا یہ ہے کہ ''رفع الیدین نہیں کرنا چاہیے'' کی مذکورہ بالا دونوں صورتوں میں سے جناب قاری صاحب نے کون سی صورت اختیار کی ہوئی ہے تو اس سلسلہ میں ان کا اپنا ہی بعد والا جملہ ''اور دلیل منسوخیت پر بھی'' صاف صاف بتلا رہا ہے کہ انہوں نے دوسری صورت ''رفع الیدین کے مشروع ہونے کے بعد منسوخ ہونے'' کو اختیار فرمایا ہے۔ (میرا رقعہ نمبر ۱ ص ۱ و ۲)()

تو قاری صاحب اپنے اس پانچویں رُقعہ میں بھی میری طرف سے ان کے مدعیٔ نسخ ہونے پر پیش کی ہوئی دلیل کی تردید نہیں کر سکے اور آئندہ ابدالآباد تک بھی وہ اس کی تردید نہ کر سکیں گے ان شاء اللہ تعالیٰ' اس لیے ان کے مندرجہ بالا تینوں کے تین اقوال نری غلط بیانیاں اور سراسر واقع کے خلاف ہیں' دوسروں کو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی تلقین کرنے والو خود بھی تو اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور کچھ تو انصاف لگتی کہو۔

پھر لطف یہ کہ بندہ کے اس ٹھوس اور مضبوط موقف و بیان کو قاری صاحب نے اپنے اس پانچویں رقعہ میں بھی تسلیم فرما لیا ہے چنانچہ وہ خود ہی لکھتے ہیں ''تو خیر میرا دعویٰ ہے منسوخیت رفع الیدین کا'' (قاری صاحب کا رُقعہ نمبر ۵ ص ۳) بات تو صرف اتنی تھی جس کو آخر کار آپ نے بھی تسلیم فرما لیا ہے تو اب آپ خود ہی غور فرمائیں آیا آپ کے اسی بات کے انکار میں لکھے ہوئے پہلے تین قول اللہ تعالیٰ سے ڈرنے پر مبنی ہیں؟ اگر ہیں تو پھر آپ کا یہ آخری قول ''تو خیر میرا دعویٰ ہے منسوخیتِ رفع الیدین کا' نیز آپ کا اپنے پہلے رُقعہ میں لکھا ہوا قول ''اور دلیل منسوخیت پر بھی'' دونوں ہی اللہ تعالیٰ کے ڈر پر مبنی نہیں۔

قاری صاحب کے سوالات اور میری طرف سے ان کے جوابات والا معاملہ:

قاری صاحب نے اپنے اس رقعہ میں بھی اپنے سوالات کو دُہرا کر بندہ کی

طرف سے ان کے جوابات ملنے کا ان الفاظ میں انکار کیا ہے ''میں نے ان سے کہا تھا کہ ان کا جواب فرمائیں بجائے جواب دینے کو یہ راستہ اختیار کیا کہ آپ منسوخیت رفع الیدین کے مدعی ہو لہٰذا آپ کے ان تین سوالوں کا کوئی جواز نہیں الخ یہ تو مولنا صاحب اس وقت فرماتے کہ جب میں منسوخ کا قائل ہوتا''۔ (ان کا رقعہ نمبر۵ ص۱)

تو اس مقام پر بھی قاری صاحب نے خود تسلیم فرما لیا ہے کہ ان کے منسوخیت رفع الیدین کے قائل ہونے کی صورت میں ان کے سوالوں کا کوئی جواز نہیں اور یہ پہلے ثابت کیا جا چکا ہے کہ قاری صاحب واقعی منسوخیت رفع الیدین کے مدعی اور قائل ہیں چنانچہ ان کے اپنے ہی دو قول ''اور دلیل منسوخیت پر بھی'' اور ''تو خیر میرا دعویٰ ہے منسوخیت رفع الیدین کا'' اس سے قبل باحوالہ نقل کیے جا چکے ہیں لہٰذا ان کے اس مندرجہ بالا بیان کے لحاظ سے بھی ان کے ان سوالوں کی کوئی وجہ جواز نہیں۔ قاری صاحب کے سوالات کے جوابات تو پہلے بھی لکھے جا چکے ہیں تاہم انہیں ایک دفعہ پھر سن لیجیے۔

قاری صاحب کا پہلا سوال اور اس کا جواب:

۱۔ قاری صاحب کا پہلا سوال ہے ''کون سی جگہ رفع الیدین کرنا چاہیے'' الخ

بندہ نے اپنے دوسرے' تیسرے اور چوتھے رقعہ میں اس کا جواب دیا تھا ''رہے آپ کے تین سوال تو ان کی کوئی وجہ جواز نہیں' پہلے کی تو اس لیے کہ مولوی امجد صاحب کی تحریر میں رفع الیدین کے مواضع کی تعیین واشگاف الفاظ میں موجود ہے اور انہی مواضع ثلاثہ میں رفع الیدین کے منسوخ ہونے کا آپ نے دعویٰ کیا ہوا ہے۔ نیز میرے رقعہ میں کئی جگہ رفع الیدین کے مواضع کا ذکر ہے تو ان سب چیزوں کو مدنظر رکھتے ہوئے غور کیجیے آیا آپ کا یہ سوال بنتا بھی ہے؟''۔

(دیکھئے میرا رقعہ نمبر۲ ص۳' رقعہ نمبر۳ ص۲ اور رقعہ نمبر۴ ص۲)

تو قاری صاحب کے پہلے سوال کا یہ جواب بندہ کے رقعہ نمبر۲' رقعہ نمبر۳ اور رقعہ نمبر۴

میں موجود ہے اس جواب میں ان کے پہلے سوال کے بے جواز ہونے کی تین وجوہ مذکور ہیں۔

پہلی وجہ ✵ ''مولوی امجد صاحب کی تحریر میں رفع الیدین کے مواضع کی تعیین واشگاف الفاظ میں موجود ہے'' اور ظاہر ہے کہ قاری صاحب نے اپنا پانچ روایات والا پہلا رُقعہ مولوی امجد صاحب کی تحریر کے جواب میں ہی قلم بند فرمایا تھا تو مولوی امجد صاحب کے اپنی تحریر میں رفع الیدین کے مواضع کی تعیین فرما دینے اور قاری صاحب کا ان کی تحریر کا جواب دے لینے کے بعد سوال کرنا ''کون سی جگہ رفع الیدین کرنا چاہیے'' الخ بے جواز نہیں تو اور کیا ہے۔

دوسری وجہ ✵ ''انہی مواضع ثلاثہ میں رفع الیدین کے منسوخ ہونے کا آپ نے دعویٰ کیا ہوا ہے'' اس وجہ کو خود قاری صاحب بھی تسلیم فرما چکے ہیں چنانچہ وہ لکھتے ہیں ''لہٰذا آپ کے تین سوالوں کا کوئی جواز نہیں الخ یہ تو مولنا صاحب اس وقت فرماتے جب کہ میں منسوخ کا قائل ہوتا'' (قاری صاحب کا رقعہ نمبر ۵ ص ۱) تو گزارش ہے کہ بندہ نے یہ اسی لیے کہا کہ آپ منسوخ ہونے کے قائل ہیں چنانچہ آپ کے منسوخ ہونے کے قائل ہونے پر دلالت کرنے والے آپ کے ہی اقوال آپ کے ہی پہلے اور پانچویں رُقعہ کے حوالہ سے پہلے نقل کیے جا چکے ہیں تو لیجیے آپ کے اپنے ہی اس بیان کے مطابق آپ کے پہلے سوال کا کوئی جواز نہ رہا۔

تیسری وجہ ✵ ''میرے رقعہ میں کئی جگہ رفع الیدین کے مواضع کا ذکر ہے'' تو غور کیجیے بندہ کے رقعہ میں کئی جگہ رفع الیدین کے مواضع کا ذکر دیکھ اور پڑھ کر سوال کرنا ''کون سی جگہ رفع الیدین کرنا چاہیے'' الخ بے جواز نہیں تو اور کیا ہے؟

قاری صاحب کا دوسرا سوال اور اس کا جواب:

۲۔ قاری صاحب کا دوسرا سوال ہے ''رفع الیدین فرض ہے یا واجب ہے یا سنت ہے یا مستحب ہے'' بندہ نے اس کے جواب میں لکھا تھا ''دوسرے سوال کی اس

لیے کوئی وجہ جواز نہیں کہ آپ اس سے پہلے رفع الیدین کے منسوخ ہونے کا دعویٰ فرما چکے ہیں تو آخر آپ کو معلوم ہی تھا نا کہ آپ نے اس کی فرضیت یا اس کے وجوب یا اس کی سنیت یا اس کے استحباب کو منسوخ قرار دیا ہے تب ہی تو آپ نے رفع الیدین کے منسوخ ہونے کا دعویٰ فرمایا جس کا اثبات ابھی تک آپ کے ذمہ ہے نیز میں نے اپنے رُقعہ میں صاف صاف لکھا ہے ''خلاصہ کلام یہ ہے کہ رکوع والا رفع الیدین نبی کریم ﷺ کی سنت غیر منسوخہ ہے۔ نسخ رفع الیدین کی کوئی دلیل نہیں الخ (رقعہ نمبر ا ص ۱۲) لہٰذا آپ کے اس سوال کی بھی کوئی وجہ جواز نہیں''۔

(دیکھئے میرا رقعہ نمبر ۲ ص ۳، رقعہ نمبر ۳ ص ۲، ۳ اور رقعہ نمبر ۴ ص ۲)

تو قاری صاحب کے اس دوسرے سوال کا جواب بھی بندہ کے رقعہ نمبر ۲، رقعہ نمبر ۳ اور رقعہ نمبر ۴ میں موجود ہے اس جواب میں ان کے اس دوسرے سوال کے بے جواز ہونے کی دو وجہیں بیان کی گئی ہیں۔

پہلی وجہ ✵ قاری صاحب کا رفع الیدین کی منسوخیت کا قائل اور مدعی ہونا چنانچہ قاری صاحب اپنے اس پانچویں رُقعہ میں لکھتے ہیں ''آپ منسوخیت رفع الیدین کے مدعی ہو لہٰذا آپ کے ان تین سوالوں کا کوئی جواز نہیں الخ یہ تو مولانا صاحب اس وقت فرماتے کہ جب میں منسوخ کا قائل ہوتا'' (ص ۱) اور یہ پہلے ثابت کیا جا چکا ہے کہ آپ منسوخیت کے قائل اور مدعی ہیں دیکھئے پہلا رقعہ ص ا جملہ ''اور دلیل منسوخیت پر بھی'' نیز دیکھئے اپنا پانچواں رُقعہ ص ۳ جملہ ''تو خیر میرا دعویٰ ہے منسوخیت رفع الیدین کا'' لہٰذا آپ کے اس دوسرے سوال کا بھی کوئی جواز نہیں۔

دوسری وجہ ✵ بندہ کے رقعہ نمبر ا ص ۱۲ میں صاف صاف لکھا ہوا ہونا ''رکوع والا رفع الیدین نبی کریم ﷺ کی سنتِ غیر منسوخہ ہے'' واضح ترین بات ہے کہ قاری صاحب کا میرے اس فیصلہ کو پڑھ کر سوال کرنا ''رفع الیدین فرض ہے یا واجب یا سنت یا مستحب؟'' سراسر بے معنی ہے کیونکہ یہ بندہ تو ان کے سوال سے پہلے ہی صاف صاف

لکھ چکا ہے کہ ''رکوع والا رفع الیدین نبی کریم ﷺ کی سنت غیر منسوخہ ہے'' (میرا رقعہ نمبر۱ص ۱۲) لہٰذا ان کا یہ دوسرا سوال بھی اپنے اندر کوئی جواز نہیں رکھتا۔

قاری صاحب کا تیسرا سوال اور اس کا جواب

۳۔ قاری صاحب کا تیسرا سوال ہے ''ان مذکورہ شقوں میں سے جو بھی اختیار کرو اس کی دلیل الخ'' بندہ نے اس کا جواب دیا تھا' اور تیسرے سوال کی اس لیے کوئی وجہ جواز نہیں کہ آپ منسوخیت رفع الیدین کے مدعی ہیں اور دعوائے منسوخیت کی صورت میں ثبوت شرعی مدعی اور سائل دونوں کے ہاں مسلم ہوتا ہے اس لیے ایسی صورت میں اثبات کے دلائل پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ نسخ کے دلائل پر بات چیت ہوا کرتی ہے ہاں اگر آپ منسوخیت رفع الیدین والے دعویٰ کو واپس لے لیں اور لکھ دیں کہ رفع الیدین سرے سے رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہی نہیں تو یہ بندہ ضرور بالضرور ان شاء اللہ اثبات رفع الیدین کے دلائل جناب کی خدمت اقدس میں پیش کر دے گا۔ یہ بات میرے پہلے رقعہ میں بھی موجود ہے'' (دیکھئے میرا رقعہ نمبر۱'ص ا رقعہ نمبر۳ ص۳ اور رقعہ نمبر۴ص ۳) قاری صاحب کے اس تیسرے سوال کا یہ جواب بندہ کے رقعہ نمبرا' رقعہ نمبر۲' رقعہ نمبر۳ اور رقعہ نمبر۴ میں بھی موجود ہے اور چوتھے رقعہ میں عنوان کے تحت اس جواب کی وضاحت بھی کی گئی ہے۔ چنانچہ نیچے ملاحظہ ہو۔

اس جواب کی قدرے توضیح

قاری صاحب! ''منسوخیت رفع الیدین'' آپ کا دعویٰ ہے اور منسوخ اسی شے کو کہا جاتا ہے جو شرع میں پہلے پہل ثابت شدہ ہو۔ تو آپ نے یہ دعویٰ کر کے مواضع ثلاثہ میں رفع الیدین کے پہلے پہل نبی کریم ﷺ سے ثابت ہونے کو تو تسلیم فرما لیا ہوا ہے اب دلیل آپ کس کی طلب فرماتے ہیں؟ اب تو آپ کا فرض ہے۔ الخ

(میرا رقعہ نمبر۴ص ۳)

تو اس جواب کا حاصل مطلب یہ ہے کہ رفع الیدین کی منسوخیت کا قائل اور مدعی ہوکر رفع الیدین کرنے کے دلائل طلب کرنا غیر معقول بات ہے کیونکہ منسوخیت رفع الیدین کا قائل اور مدعی ہونا اس بات کا بین ثبوت ہے کہ منسوخیت رفع الیدین کا قائل اور مدعی رفع الیدین کے نبی کریم ﷺ سے ثابت ہونے کو تو تسلیم کرتا ہے اور اس کے دلائل بھی اس کی نظر میں ہیں۔ ہاں اتنی بات ہے کہ وہ اس کے نسخ کا قائل اور مدعی ہے چنانچہ قاری صاحب بذاتِ خود اپنے اس پانچویں رُقعہ میں لکھتے ہیں ''آپ منسوخیت رفع الیدین کے مدعی ہو لہٰذا آپ کے ان تین سوالوں کا کوئی جواز نہیں الخ یہ تو مولانا صاحب اس وقت فرماتے کہ جب میں منسوخ کا قائل ہوتا'' (ص ۱) تو گزارش ہے کہ اس بندہ نے یہ بات اسی لیے اور اسی وقت کہی جبکہ آپ رفع الیدین کی منسوخیت کے قائل اور مدعی ہیں چنانچہ آپ اپنے پہلے رُقعہ ص ۱ پر لکھتے ہیں ''اور دلیل منسوخیت پہ بھی'' اور پھر آپ ہی اپنے پانچویں رقعہ کے ص ۳ پر تحریر فرماتے ہیں ''تو خیر میرا دعویٰ ہے منسوخیت رفع الیدین کا'' تو قاری صاحب اللہ کچھ تو فہم وبصیرت سے کام لیں آیا آپ کے اپنے ہی ان بیانوں کی روشنی میں آپ کے ان تین سوالات کا کوئی جواز باقی رہا؟ نہیں ہرگز نہیں۔

قاری صاحب کو ان کے ان تین سوالوں کے عدم جواز پر دلائل کا اعتراف:

اس عنوان کے تحت بندہ نے اپنے رقعہ نمبر ۴ میں لکھا ہے ''اپنے ان تین سوالات کے مذکورہ بالا جوابات پڑھ کر قاری صاحب اپنے تیسرے رقعہ میں لکھتے ہیں ''اس کے بعد آپ نے عدم جواز کی دلیلیں بیان فرمائی تھیں'' تو جب آپ نے خود اعتراف واقرار فرمالیا کہ بندہ نے آپ کے تین سوالوں کی کوئی وجہ جواز نہ ہونے کے دلائل بیان کردیے ہیں اور آپ کے رقعے شاہد ہیں کہ آج تک آپ نے ان تین سوالوں کی کوئی وجہ جواز نہ ہونے کے دلائل کا کوئی توڑ پیش نہیں فرمایا تو ان حالات میں خود سوچئے اور کسی دوسرے سے پوچھیے کہ اپنے ان تین سوالوں کی کوئی وجہ جواز نہ

ہونے پر دلائل کے بیان ہو جانے کے اعتراف واقرار کے بعد نیز ان کا کوئی توڑ پیش نہ کرنے کے باوجود آپ کا اپنے تیسرے رقعہ میں لکھنا ''یہ کوئی جواب نہیں'' اور اپنے چوتھے رقعہ میں کہنا ''آپ کے مبارک ہاتھوں سے ان تین سوالوں کا جواب نہیں آیا'' کوئی انصاف لگتی بات ہے؟۔ (میرا رقعہ نمبر ۴ ص ۳ س ۴)

نیز آپ غور فرمائیں آیا آپ کا میرے ان جوابات کو پڑھ کر اپنے پانچویں رقعہ میں لکھنا ''تین سوالوں کے متعلق جو کہ میں نے کہا تھا کہ ان کا جواب فرمائیں بجائے جواب دینے کے یہ راستہ اختیار کیا کہ آپ منسوخیت رفع الیدین کے مدعی ہو لہٰذا آپ کے ان تین سوالوں کا کوئی جواز نہیں'' الخ اللہ تعالیٰ کے ڈر پر مبنی ہے؟ پھر آپ ہی بذات خود اس عبارت کے معاً بعد لکھتے ہیں ''یہ تو مولانا صاحب اس وقت فرماتے کہ جب میں منسوخ کا قائل ہوتا'' (قاری صاحب کا رقعہ نمبر ۵ ص ۱) تو ظاہر ہو گیا کہ قاری صاحب کو بھی اعتراض واقرار ہے کہ ان کے رفع الیدین کے منسوخ ہونے کے قائل اور مدعی ہونے کی صورت میں ان کے یہ تینوں کے تین سوال بے جواز ہیں اور قاری صاحب کا رفع الیدین کے منسوخ ہونے کا قائل اور مدعی ہونا ان کے پہلے رقعہ ص ۱ میں جملہ ''اور دلیل منسوخیت پر بھی'' اور ان کے پانچویں رُقعہ ص ۳ میں جملہ ''تو خیر میرا دعویٰ ہے منسوخیت رفع الیدین کا'' سے روزِ روشن کی طرح واضح ہے لہٰذا ان کے ان تینوں سوالوں کا کوئی جواز نہیں۔

قاری صاحب کا ایک تازہ سوال اور اس کا جواب:

اس عنوان کے تحت بندہ نے اپنے چوتھے رقعہ میں لکھا تھا ''قاری صاحب نے اپنے اس چوتھے رقعہ میں ایک اور سوال پیش کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے ''کیا مواضع ثلاثہ میں رفع الیدین سنتِ مؤکدہ ہے؟ آیا نبی کریم ﷺ مواضع ثلاثہ میں رفع الیدین ہمیشہ کرتے رہے یہاں تک کہ دنیا سے تشریف لے گئے؟'' نیز انہوں نے لکھا ''پیش کر دیں تو یہ بندہ ناچیز رفع الیدین کرنا شروع کر دے گا''۔

① اوّلاً اس سوال کی بنیاد ایک قاعدہ ہے ''جو عمل نبی کریم ﷺ ہمیشہ کرتے رہے ہوں صرف وہی اپنایا جائے گا'' اگر اس سوال کی بنیاد یہ قاعدہ نہ ہو تو یہ سوال سرے سے وارد نہیں ہوتا تو قاری صاحب کی خدمت میں گزارش ہے کہ پہلے وہ یہ قاعدہ دلائل سے ثابت فرمائیں اس کے بعد اپنا مندرجہ بالا سوال پیش کریں۔

② ثانیاً پھر اس سوال کی بنیاد ایک اور قاعدہ بھی ہے ''سنت مؤکدہ پر عمل کیا جائے گا نہ کہ سنت غیر مؤکدہ پر'' ورنہ اگر ثواب حاصل کرنے کی غرض سے عمل کرنا مقصود ہو تو مذکور سوال بے فائدہ ہے لہٰذا قاری صاحب کو چاہیے کہ پہلے یہ قاعدہ ثابت فرمالیں اس کے بعد اپنا مندرجہ بالا سوال پیش فرمائیں ''ثَبِّتِ الْعَرْشَ ثُمَّ انْقُشْ''

③ ثالثاً قاری صاحب! آپ لوگ وتروں کی تیسری رکعت میں رفع الیدین کرتے ہیں تو آیا اس وتروں کی تیسری رکعت والے رفع الیدین کا سنتِ مؤکدہ ہونا آپ کے ہاں ثابت ہے؟ اگر ثابت ہے تو دلائل پیش فرمائیں ورنہ مواضع ثلاثہ میں رفع الیدین پر عمل کے لیے یہ شرط اور یہ مندرجہ بالا سوال کیوں؟ ہم تو مواضع ثلاثہ والے رفع الیدین کو سنتِ غیر منسوخہ سمجھ کر اس پر عمل پیرا ہیں۔

④ رابعاً آپ لوگ بھی وتروں کی تیسری رکعت میں رفع الیدین کرتے ہیں تو آ اس پر نبی کریم ﷺ کا تاوفات ہمیشگی کرنا ثابت ہے؟ اگر ثابت ہے تو دلیل پیش کریں ورنہ مواضع ثلاثہ میں رفع الیدین پر آپ ﷺ کے تاوفات ہمیشگی کرنے سوال کیوں؟

⑤ خامساً تو قاری صاحب! آپ کو اپنے اس تازہ مندرجہ بالا سوال کے تقاضا پورا کرتے ہوئے وتروں کی تیسری رکعت والے رفع الیدین کو چھوڑ دینا ہو مواضع ثلاثہ والے رفع الیدین کو ابھی سے اپنا لینا ہوگا ورنہ کہا جائے گا۔

تِلْكَ إِذًا قِسْمَةٌ ضِيزَى.

⑥ سادساً' اگر آپ نبی کریم ﷺ کو دُنیوی زندگی کے ساتھ زندہ سمجھتے ہیں تو بتایئے کہ آپ کا قول ''یہاں تک کہ دُنیا سے تشریف لے گئے'' کیا معنی رکھتا ہے؟۔

(دیکھئے میرا رقعہ نمبر ۴ص ۴'۵)

قاری صاحب اپنے اس سوال کا مندرجہ بالا جواب پڑھ کر اپنے پانچویں رقعہ میں لکھتے ہیں ''لیکن مولانا صاحب[1] نے کہیں تو فرماتے ہیں تم وتروں میں کیوں کرتے ہو کہیں فرماتے یہ[2] قاعدہ صحیح نہیں وغیرہ وغیرہ غرضیکہ یہ تمام کہیں وتروں کا نام کہیں کچھ یہ ڈوبتے کو تنکے کا سہارا ہے''۔ (قاری صاحب کا رقعہ نمبر ۵ص ۱)

جناب قاری صاحب ! آپ کے اس تازہ سوال کے رد میں بندہ نے کل چھ اُمور پیش کیے ہوئے ہیں ان پر دوبارہ غور فرمائیں اور بتائیں کیا آپ نے ان چھ اُمور میں سے کسی ایک امر کا بھی توڑ پیش کیا؟ نہیں ہرگز نہیں اور شاید آئندہ بھی آپ ان چھ اُمور میں سے کسی ایک امر کا بھی توڑ پیش نہ کرسکیں صرف آپ کا یہی لکھ دینا ''یہ ڈوبتے کو تنکے کا سہارا ہے'' ان چھ امور میں سے کسی ایک امر کا بھی توڑ نہیں پھر یہ تنکا بھی عجیب تنکا ہے جس کو تیرنے والے قاری صاحب آج تک اپنے راستہ سے نہیں ہٹا سکے۔

اس بات چیت میں مدعی کون؟ بندہ یا قاری صاحب

اس بات میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ ہم مواضع ثلاثہ میں بھی رفع الیدین کے مدعی' قائل اور عامل ہیں اور اپنے پاس اپنے اس موقف و مدعی کے کئی ایک دلائل رکھتے ہیں نیز کئی ایک حنفی بزرگ بھی ہمارے اس موقف و مدعی کی تائید فرما چکے ہیں مگر نسخ رفع الیدین پر بات چیت میں مدعی صرف قاری صاحب اور ان کے ہمنوا ہی ہیں جیسا کہ ان کی اپنی عبارات کے حوالہ سے بارہا بیان کیا جا چکا ہے البتہ اس سلسلہ میں ان کی

---

[1] [2] یہ عبارت قاری صاحب کے رقعہ میں اسی طرح ہے ۱۲ منہ

ایک عبارت کو ایک دفعہ پھر ملاحظہ فرما لیجیے۔ وہ لکھتے ہیں ''تو خیر میرا دعویٰ ہے منسوخیت رفع الیدین کا'' (قاری صاحب کا رقعہ نمبر ۵ ص ۳) لہٰذا آپ کے پہلے تین سوالوں کی طرح یہ سوال کہ ''کوئی حدیث دکھلاؤ'' بھی بے جواز ہے۔ نیز آپ کا لکھنا ''اور تم ہو رفع الیدین کے قائل اور مدعی اور دلیل جو ہوتی ہے اُصول کے لحاظ سے مدعی کے ذمہ ہے نہ کہ مدعی علیہ پر'' بالکل ہی بے موقع ومحل ہے کیونکہ اس بات چیت میں دعویٰ تو ہے ''منسوخیت رفع الیدین'' اور اس دعویٰ کے مدعی بھی آپ ہی ہیں نہ کہ یہ بندہ جیسا کہ باحوالہ بارہا بیان کیا جا چکا ہے اس لیے اُصول کے لحاظ سے تو منسوخیت رفع الیدین کی دلیل آپ ہی کے ذمہ ہے جو ابھی تک آپ پیش نہیں فرما سکے اور جو کچھ آپ نے پیش کیا وہ منسوخیت کے اثبات میں بالکل ہی ناکام ہے چنانچہ بندہ اس بات کو اپنے پہلے رقعہ میں قدرے تفصیل سے بیان کر چکا ہے۔

قاری صاحب مزید لکھتے ہیں ''لیکن آپ نے کوئی حدیث پیش نہیں کیں''[1]

تو محترم قاری صاحب آپ نے غور کیا کہ بندہ نے اس سلسلہ میں کوئی حدیث کیوں پیش نہیں کی' اچھا جناب کوئی بات نہیں اگر آپ کو اس سے قبل اس چیز پر غور وفکر کا موقع نہیں ملا تو اب ہی اس پر غور فرما لیجیے تو سنیے میرے رفع الیدین کے اثبات میں کوئی حدیث پیش نہ کرنے کی وجہ یہ نہیں کہ رفع الیدین کے اثبات میں کوئی حدیث کسی کتاب میں ہے ہی نہیں جس طرح کہ آپ جانتے بوجھتے تاثر دینے کی سعی نامشکور فرما رہے ہیں بلکہ میرے رفع الیدین کے اثبات میں کوئی حدیث اس بات چیت میں پیش نہ کرنے کی وجہ صرف اور صرف یہی ہے کہ آپ نسخ رفع الیدین کے مدعی ہیں اور منسوخ اسی چیز کو کہا جاتا ہے جو شرع میں ثابت ہو بعد میں اسے منسوخ کر دیا گیا ہو تو آپ کا رفع الیدین کی منسوخیت کا دعویٰ کرنا رفع الیدین کے ثابت ہونے کو تسلیم کرنا ہے

---

[1] یہ عبارت قاری صاحب کے رقعہ میں اسی طرح ہے ۱۲ منہ

تو آپ نے رفع الیدین کے ثابت ہونے بلکہ اس کے سنتِ غیر مؤکدہ ہونے کو تو تسلیم فرما لیا ہوا ہے ورنہ آپ ہم سے یہ نہ کہتے کہ رفع الیدین کا سنتِ مؤکدہ ہونا ثابت کر دو تو میں اس پر عمل شروع کر دوں گا۔ اسی طرح اگر آپ رفع الیدین کے سرے سے منکر ہوتے تو پھر ہیشگی والا سوال بھی آپ کبھی نہ کرتے تو آپ کے اپنے سوال کو ہیشگی اور مؤکدہ کے ساتھ مقید کرنے سے صاف صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ آپ رفع الیدین کے سنت غیر مؤکدہ ہونے کے قائل ہیں تو میرے اثبات کی احادیث پیش کرنے کا مقصد بھی تو یہی تھا کہ رفع الیدین نبی کریم ﷺ سے ثابت اور آپ کی سنت ہے اور اس بات کو آپ تین مقاموں پر تسلیم فرما چکے ہیں۔



پہلا مقام



آپ کا دعوائے نسخ اس بات کا شاہد صدق ہے کہ آپ رفع الیدین کو نبی کریم ﷺ سے ثابت شدہ مانتے ہیں ورنہ آپ کا اسے منسوخ کہنا کوئی معقول بات نہیں اور اس پہلے مقام کی بندہ اپنے پہلے رُقعہ جات میں کئی دفعہ تحریر کر چکا ہے۔ حوالہ جات ملاحظہ ہوں۔

① قاری صاحب رفع الیدین کے منسوخ ہونے کے مدعی ہیں اور رفع الیدین کی منسوخیت ان کا دعویٰ ہے تو واضح بات ہے کہ ان کے اس دعویٰ میں رفع الیدین کے نبی کریم ﷺ سے پہلے پہل ثابت ہونے کا اعتراف واقرار موجود ہے لہٰذا ہمیں اس مقام پر صحیح بخاریؒ۔ صحیح مسلمؒ، سنن ابی داودؒ، سنن ترمذیؒ، سنن نسائیؒ، سنن ابن ماجہؒ، مؤطا امام مالکؒ، موطا امام محمد، شرح معانی الآثار للطحاویؒ، سنن دارقطنیؒ، سنن کبریٰ للبیہقیؒ اور دیگر کتبِ حدیث سے نبی کریم ﷺ کے رکوع جاتے اور اس سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین کرنے کو ثابت کرنے والی احادیث کو نقل کرنے کی ضرورت نہیں۔ ہم آپ کو اس جگہ صرف اور صرف یہ

بتائیں گے کہ قاری صاحب کا دعویٰ ''منسوخیتِ رفع الیدین'' کسی ایک دلیل سے بھی ثابت نہیں ہوتا'' (میرا رقعہ نمبر ۱ ص ۲)

② نیز اسی بندہ نے اپنے دوسرے رقعہ میں لکھا ''اور تیسرے سوال کی اس لیے کوئی وجہ جواز نہیں کہ آپ منسوخیتِ رفع الیدین کے مدعی ہیں اور دعوائے منسوخیت کی صورت میں ثبوت شرعی مدعی اور سائل دونوں کے ہاں مسلم ہوتا ہے اس لیے ایسی صورت میں اثبات کے دلائل پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی' نسخ کے دلائل پر بات چیت ہوا کرتی ہے۔ ہاں اگر آپ منسوخیتِ رفع الیدین والے دعویٰ کو واپس لے لیں اور لکھ دیں کہ رفع الیدین سرے سے رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہی نہیں تو یہ بندہ ضرور بالضرور ان شاء اللہ العزیز اثباتِ رفع الیدین کے دلائل جناب کی خدمتِ اقدس میں پیش کر دے گا''۔ (میرا رقعہ نمبر ۲ ص ۳)

③ نیز اسی بندہ نے اپنے تیسرے رقعہ ص ۳ پر اپنے دوسرے رقعہ ص ۳ کے حوالہ سے مندرجہ بالا اپنی عبارت نقل کی اسے بھی ملاحظہ فرمالیں۔

④ پھر بندہ نے اپنے چوتھے رقعہ ص ۳ پر بھی اپنے دوسرے رقعہ ص ۳ اور تیسرے رقعہ نمبر ۳ کے حوالہ سے اپنی اسی مندرجہ بالا عبارت کو نقل کیا ہے اسے بھی آپ ایک دفعہ ضرور دیکھیں۔

⑤ پھر بندہ ہی نے اپنے چوتھے رقعہ میں ''اس جواب کی قدرے توضیح'' کے عنوان کے تحت لکھا ''قاری صاحب! منسوخیتِ رفع الیدین'' آپ کا دعویٰ ہے اور منسوخ اسی شے کو کہا جاتا ہے جو شرع میں پہلے پہل ثابت شدہ ہو تو آپ نے یہ دعویٰ کر کے مواضع ثلاثہ میں رفع الیدین کے پہلے پہل نبی کریم ﷺ سے ثابت ہونے کو تو تسلیم فرمالیا ہوا ہے اب دلیل آپ کس کی طلب فرماتے ہیں؟ اب تو آپ کا فرض ہے کہ نسخ رفع الیدین پر آپ کی طرف سے پیش کردہ دلائل کے رد میں بندہ کی طرف سے آپ کے پاس پہنچے ہوئے بارہ صفحات والے رقعہ کا

حسبِ وعدہ جواب دیں یا پھر نسخ رفع الیدین والا دعویٰ واپس لیں اور لکھ دیں کہ ''رفع الیدین سرے سے نبی کریم ﷺ سے ثابت ہی نہیں'' تو اس بندۂ فقیر سے رفع الیدین کے رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہونے کے دلائل سن لیں' آخر انصاف بھی تو کوئی شے ہے نا''۔ (دیکھئے میرا رقعہ نمبر ۴ ص ۳)

تو بندہ نے اس ایک ہی بات کو اپنی سابقہ تحریروں میں کوئی پانچ جگہ ذکر کیا' تا کہ قاری صاحب بات کو سمجھیں۔ حضرت جی مؤدبانہ گزارش ہے کہ آپ نے نسخ کا دعویٰ فرما کر رفع الیدین کے نبی کریم ﷺ سے ثابت ہونے کو تو تسلیم فرما لیا ہوا ہے اور رفع الیدین کا وہ ثبوت جسے آپ نے یہ دعویٰ کر کے تسلیم فرمایا کتبِ حدیث میں مذکور حدیثوں ہی میں تو ہے۔

ہاں تو قاری صاحب! آپ اپنے علم اور اس دعوائے نسخ کا خون کر کے لکھیں۔ ''رفع الیدین کرنے کی کوئی ایک حدیث بھی حدیث کی کسی ایک کتاب میں سرے سے ہے ہی نہیں'' تو اس بندہ سے ایک نہیں دو نہیں رفع الیدین کرنے کی کئی ایک صحیح اور مرفوع احادیث سن لیں۔ یہ عجیب ترین بات ہے کہ قاری صاحب دعوائے نسخ کے ضمن میں احادیث کو تسلیم بھی کرتے جاتے ہیں اور بندہ سے حدیث پیش کرنے کا مطالبہ بھی کرتے اور اسے حدیث پیش نہ کر سکنے کا طعنہ بھی دیتے جاتے ہیں۔ آیا آپ کو بھی اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی ضرورت ہے یا نہیں؟



دوسرا مقام



قاری صاحب کا سوال ''حضور ہمیشہ رفع یدین کرتے رہے یہاں تک کہ دُنیا سے تشریف لے گئے'' بھی اس بات پر دال ہے کہ قاری صاحب یہ تو مانتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ رفع الیدین کرتے تھے انہیں شبہ ہے تو آپ کے رفع الیدین پر ہمیشگی کرنے میں ہے ورنہ وہ سوال یوں کرتے ''دُنیا کی کسی کتاب سے کوئی ایک ہی حدیث

پیش کر دیں کہ نبی کریم ﷺ نے اپنی پوری زندگی میں صرف ایک ہی دفعہ رفع الیدین کیا ہو" تو ان کا مندرجہ بالا سوال بتا رہا ہے کہ قاری صاحب رسول اللہ ﷺ کے رفع الیدین کرنے کو مانتے اور تسلیم کرتے ہیں اور ظاہر ہے کہ آپ کا رفع الیدین کرنا کسی حدیث ہی میں مذکور ہے تو قاری صاحب نے یہ سوال فرما کر اعتراف فرما لیا کہ رفع الیدین کرنے کی حدیث موجود ہے اور ہے بھی قابل احتجاج ورنہ اسے منسوخ کہنے کی کیا ضرورت؟ نیز ہیشگی والا سوال کرنے کی کیا حاجت؟ تو جب خود قاری صاحب کو بھی رسول اللہ ﷺ کے رفع الیدین کرنے نیز اس کی حدیث کے قابل احتجاج ہونے کا علم اور اعتراف ہے تو پھر بندہ سے حدیث پیش کرنے کا مطالبہ کیوں؟ اور اسے حدیث پیش نہ کر سکنے کا طعنہ کیسا؟ اللہ تعالیٰ کا ڈر اسی کو کہتے ہیں؟



تیسرا مقام



قاری صاحب کا سوال "رکوع جاتے اور رکوع سے سر اُٹھاتے وقت رفع یدین سنت مؤکدہ ہے؟" بھی اس بات کی بین دلیل ہے کہ قاری صاحب کو ان مقاموں پر رفع الیدین کے سنتِ غیر مؤکدہ ہونے کا اعتراف واقرار ہے ورنہ وہ اپنے سوال کے اندر سنت کو مؤکدہ سے مقید نہ فرماتے اور واضح ہے کہ رفع الیدین کا ان کے ہاں سنتِ غیر مؤکدہ ہونا آخر کسی قابل احتجاج حدیث ہی سے ثابت ہے تو یہ سوال کر کے قاری صاحب نے اپنے دعوائے نسخ کی تردید فرما دی' نیز یہ سوال کر کے قاری صاحب نے بھی اعتراف واقرار فرما لیا کہ رفع الیدین کرنے کی قابل احتجاج حدیث موجود ہے تو پھر ان کا بندہ سے حدیث پیش کرنے کا مطالبہ کیوں؟ اور اسے حدیث پیش نہ کر سکنے کا طعنہ کیوں کر؟ آیا ان کی اصطلاح میں اللہ تعالیٰ کا ڈر اسی کا نام ہے؟

قاری صاحب مزید لکھتے ہیں "اور نہ ہی ان شاء اللہ العذیز[1] کوئی حدیث

---

[1] یہ الفاظ قاری صاحب کے رقعہ میں اسی طرح ہے۔ ۱۲ منہ

آپ پیش کر سکتے ہیں اور نہ ہی اور کوئی غیر مقلدین قیامت تک'' (قاری صاحب کا رقعہ نمبر ۵ ص ۳) ان شاء اللہ العزیز کہہ کر اتنی بڑی غلط بیانی قاری صاحب جیسوں ہی کا کام ہے۔ جناب آپ ٹھنڈے دل سے غور فرمائیں کہ تین مقامات (دعوائے نسخ رفع الیدین، ہمیشگی والے سوال اور سنت مؤکدہ والے سوال) میں جب آپ نے خود رفع الیدین کرنے کی حدیث کے موجود ہونے کا اعتراف واقرار فرمالیا ہوا ہے تو پھر آپ کی یہ بڑ واقع کے خلاف نہیں تو اور کیا ہے؟

اگر قاری صاحب کی طرف سے کہا جائے کہ ''ان کا مطالبہ اور طعنہ دونوں ہی سنتِ مؤکدہ اور ہیشگی والی حدیث کے ساتھ مخصوص ہیں'' تو اس کا جواب یہ ہے کہ قاری صاحب خود ہی اپنے اس پانچویں رُقعہ میں لکھتے ہیں ''اور تم ہو رفع الیدین کے قائل اور مدعی اور دلیل جو ہوتی ہے اُصول کے لحاظ سے مدعی کے ذمہ ہے نہ کہ مدعی علیہ پر اس بنا پر میں نے آپ کو چیلنج دیا تھا کہ کوئی حدیث پیش کر دیں الخ میں رفع الیدین شروع کر دوں گا لیکن آپ نے کوئی حدیث پیش نہیں کیں'' الخ[1] (قاری صاحب کا رقعہ نمبر ۵ ص ۱، ۳) دیکھئے قاری صاحب نے اپنے اس بیان میں مجھے رفع الیدین کا قائل اور مدعی کہا۔ پھر بندہ پہلے تصریح کر چکا ہے کہ رفع الیدین نبی کریم ﷺ کی سنتِ غیر منسوخہ ہے نیز تصریح کر چکا ہے کہ سنت غیر مؤکدہ پر بھی عمل کیا جاتا ہے اور اس پر عمل کرنے سے بھی انسان کو اجر و ثواب ملتا ہے لہٰذا مندرجہ بالا تخصیص ایک علمی موشگافی تو ہو سکتی ہے باقی عمل کرنے یا نہ کرنے میں اس کا کوئی دخل نہیں کیونکہ سنتِ مؤکدہ پر بھی عمل کیا جاتا ہے اور سنت غیر مؤکدہ پر بھی۔ تو اگر قاری صاحب مخلص ہوں تو انہیں آج ہی سے رفع الیدین کرنا شروع کر دینا چاہیے کیونکہ وہ اپنے سنتِ مؤکدہ والے سوال میں اس کا سنت غیر مؤکدہ ہونا تو تسلیم فرما ہی چکے ہیں۔ لہٰذا

---

[1] یہ الفاظ قاری صاحب کے رقعہ میں اسی طرح ہے۔ ۱۲ منہ

قاری صاحب کو چاہیے کہ اخلاص کے پیش نظر جس طرح وہ دوسری سنن غیر مؤکدہ پر عمل کرتے ہیں اسی طرح اپنے اعتراف واقرار کو مدنظر رکھتے ہوئے اس رفع الیدین پر بھی عمل شروع کر دیں آخر اور بھی تو کئی ایک سنن غیر مؤکدہ پر وہ عمل کرتے ہیں نا بالخصوص وتروں کی تیسری رکعت والا رفع الیدین بھی تو ان کے زیر عمل ہے جس کا سنت غیر مؤکدہ ہونا بھی پایہ ثبوت کو نہیں پہنچتا تو پھر رکوع والا رفع الیدین ان کے ہاں چونکہ سنتِ غیر مؤکدہ ہونے کی گنجائش رکھتا ہے لہٰذا انہیں اس پر تو بطریق اولیٰ عمل کرنا چاہیے۔

پھر بندہ نے اپنے پہلے ہی رُقعہ میں ان کتبِ حدیث سے جن میں رفع الیدین کرنے کی احادیث مذکور ہیں گیارہ کتابوں کے نام درج کیے تھے۔ ان گیارہ کتابوں کے نام ایک دفعہ پھر سن لیجئے "صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابی داؤد، سنن ترمذی، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ، مؤطا امام مالک، مؤطا امام محمد، شرح معانی الآثار للطحاوی، سنن دارقطنی، اور سنن کبریٰ للبیہقی رحمۃ اللہ علیہم" تو قاری صاحب! اللہ تعالیٰ سے ڈریے اور فرمایئے ان مذکورہ اور غیر مذکورہ کتبِ حدیث سے کسی کتاب میں آپ کے علم کے مطابق رفع الیدین کرنے کی کوئی ایک حدیث موجود ہے بھی یا نہیں؟ اگر آپ ہاں میں جواب دیں تو آپ کی مذکورہ بالا بڑ کا حال واضح اور اگر نہ میں جواب دیں تو آپ کا مذکورہ بالا تین مقاموں میں رفع الیدین کی حدیث کے موجود ہونے والا اعتراف واقرار غلط' تو حضرت صاحب اگر آپ نے یہ بات نادانستہ کہی تو بھی یہ آپ کی خامی ہے اور اگر آپ نے یہ بڑ دیدہ دانستہ جڑی ہے تو پھر تو آپ حد ہی سے تجاوز کر گئے شاید آپ نے یہ کام اللہ تعالیٰ سے ڈر کر ہی کیا ہو' آخر دوسروں کو بھی تو آپ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی تلقین کرتے ہیں نا۔

قاری صاحب کا دعویٰ:

قاری صاحب نے کافی کوشش فرمائی کہ کہیں اپنے دعویٰ "منسوخیت رفع

الیدین'' سے جان چھڑالی جائے مگر چونکہ وہ خود ہی اپنے پہلے رُقعہ میں جملہ ''اور دلیل منسوخیت پر بھی'' تحریر فرما کر تیر کمان سے نکال چکے تھے اس لیے انہیں آخر کار اپنے پہلے رقعہ میں لکھی ہوئی بات پر آنا پڑا' چنانچہ پہلے وہ اپنی تین عبارات ''مولنا[1] صاحب نے بذعم خود[2] مجھے منسوخیتِ رفع الیدین کا مدعی ٹھرایا[3] ہوا ہے'' الخ ''یہ تو مولنا صا[4]حب اس وقت فرماتے کہ جب میں منسوخ کا قائل ہوتا'' اور ''اگر بالفرض[5] میں منسوخیت رفع الیدین کا مدعی ہوں بقول شما الخ'' میں تو اپنے ہی پہلے رُقعہ میں تحریر شدہ منسوخیت کے دعویٰ سے انکار فرماتے ہیں اور آخر کار چار و ناچار اپنے پہلے رقعہ میں لکھے ہوئے منسوخیت والے دعویٰ کا اقرار کرتے ہوئے لکھتے ہیں ''تو خیر میرا دعویٰ ہے منسوخیت رفع الیدین کا'' (قاری صاحب کا رقعہ نمبر۵ ص۳) تو پتہ چلا کہ قاری صاحب کے لفظ ''بذعم خود'' ''بالفرض'' جب میں منسوخ کا قائل ہوتا'' اور ''بقول شما'' اللہ تعالیٰ کے ڈر پر مبنی نہیں نری غلط بیانیاں ہیں۔

تو قاری صاحب پر اب تک اپنے اس دعویٰ کے سلسلہ میں کل تین حالتیں گزریں پہلے تو وہ خود ہی اپنے رقعہ نمبر۱ میں منسوخیت رفع الیدین کے مدعی بنے پھر اپنے پانچویں رقعہ میں اپنی تین عبارتوں میں انہوں نے اپنے منسوخیتِ رفع الیدین کے مدعی ہونے سے انکار کیا پھر اس کے بعد اپنے پانچویں رُقعہ ہی میں انہوں نے اپنے منسوخیت رفع الیدین کے مدعی ہونے کو تسلیم بھی فرما لیا ہے جیسے تفصیلاً پہلے لکھا جا چکا ہے تو بہر حال اس وقت وہ منسوخیت رفع الیدین کے مدعی ہیں۔ اِنَّمَا یُؤْخَذُ بِالْآخِرِ

آپ جانتے ہیں کہ قاری صاحب نے مولوی امجد صاحب کی تحریر کے جواب میں رفع الیدین کی منسوخیت ثابت کرنے کی غرض سے پانچ روایات بیان کی

---

[1] تا [5] یہ الفاظ قاری صاحب کے رقعہ میں اسی طرح ہے۔۱۲ منہ

تھیں اور بندہ نے ان کا جواب دیتے ہوئے اپنے پہلے رقعہ میں بدلائل ثابت کیا تھا کہ قاری صاحب کی پیش کردہ پانچ روایات میں سے کوئی ایک روایت بھی رفع الیدین کی منسوخیت کو ثابت نہیں کرتی۔ چاہیے تو یہ تھا کہ قاری صاحب اپنے اس موجودہ رقعہ میں ثابت کرتے کہ ان کی پیش کردہ پانچوں روایات یا پانچوں سے کچھ منسوخیت کو ثابت کرتی ہیں یا پھر نسخ کی کوئی نئی دلیل پیش کرتے جس سے فی الواقع نسخ ثابت ہو بھی جاتا یا پھر اقرار فرماتے کہ نسخ ثابت نہیں ہو سکا اس لیے میں آئندہ کے لیے رفع الیدین کیا کروں گا مگر ان کا پانچواں رقعہ شاہد ہے کہ وہ ان مبنی بر انصاف چار کاموں سے کوئی سا کام بھی نہ کر سکے اب اس اجمال کی تفصیل سنیے:

منسوخیتِ رفع الیدین کے دلائل کا جائزہ:

اس عنوان کے تحت بندہ نے لکھا تھا ''حضرت قاری صاحب نے اپنے دعویٰ ''منسوخیتِ رفع الیدین'' پر بطورِ دلیل کل پانچ روایات پیش فرمائی ہیں جن میں سے آخری دو تو موقوف ہیں اور پہلی تین مرفوع' اہل علم کو معلوم ہے کہ موقوف روایت فعلی ہو خواہ قولی' شرعی دلائل میں سے کوئی سی دلیل بھی نہیں کیونکہ شرعی دلائل صرف چار ہیں۔ ❶ کتاب اللہ تعالیٰ ❷ سنت رسول اللہ ﷺ بشرطیکہ ثابت ہو ❸ اجماع اُمت ❹ قیاس صحیح۔ لہٰذا قاری صاحب کی آخر میں پیش فرمودہ دو موقوف روایتوں سے رفع الیدین کی منسوخیت پر استدلال دُرست نہیں''۔ (دیکھئے میرا رقعہ نمبر ا ص ۲)

اس کے جواب میں قاری صاحب لکھتے ہیں ''مولنا[1] صاحب نے اس پر کوئی دلیل نہیں دی لہٰذا دعویٰ بغیر دلیل کے خارج'' (قاری صاحب کا رقعہ نمبر ۵ ص ۳) تو گزارش ہے کہ یہ جناب کی نری غلط بیانی ہے بندہ کے جواب کو ایک دفعہ پھر پڑھیں۔ آپ کی سہولت کی خاطر اسے پورے کا پورا اوپر نقل کر دیا گیا ہے اور وہ جواب دعویٰ

---

[1] یہ الفاظ قاری صاحب کے رقعہ میں اسی طرح ہے۔ ۱۲ منہ

بادلیل پر مشتمل ہے۔ دیکھئے جناب! اس جواب کے اندر بندہ نے جو دعویٰ کیا وہ یہ ہے ''موقوف روایت فعلی ہو خواہ قولی شرعی دلائل میں سے کوئی سی دلیل بھی نہیں''۔ اور اس دعویٰ کی جو دلیل میرے جواب میں پیش کی گئی وہ یہ ہے ''کیونکہ شرعی دلائل صرف چار ہیں ❶ کتاب اللہ تعالیٰ ❷ سنت رسول اللہ ﷺ بشرطیکہ ثابت ہو ❸ اجماع اُمت ❹ قیاس صحیح'' تو بندہ نے اپنے جواب میں جو ''موقوف روایت کے شرعی دلیل نہ ہونے والا'' دعویٰ کیا جواب ہی میں اس کی دلیل بھی پیش کر دی تھی' لہٰذا قاری صاحب کا اسے ''دعویٰ بغیر دلیل'' قرار دینا سراسر غلط بیانی' محض ناانصافی اور واقع کی نری مخالفت ہے قاری صاحب! آپ بھی تو اللہ تعالیٰ سے ڈریے نا۔

ہاں اتنی بات ہے کہ بندہ نے شرعی دلائل صرف چار ہونے کو مشہور و معروف مسئلہ سمجھ کر کسی کتاب کا حوالہ نہیں دیا تھا تو لیجیے اب حوالہ بھی پیش کر دیا جاتا ہے تاکہ بزرگوں کی تسلی و تشفی ہو سکے تو شرعی دلائل کے صرف چار ہونے کئی ایک کتابوں کے حوالے دیے جا سکتے ہیں' مگر سردست حنفی مقلدین کے ہاں مسلم و مستند کتاب ''تنقیح الاصول'' کے حوالہ پر ہی اکتفا کیا جاتا ہے چنانچہ صاحبِ تنقیح لکھتے ہیں ''وَاُصُوْلُ الْفِقْهِ الْكِتَابُ وَالسُّنَّةُ وَالْاِجْمَاعُ وَالْقِيَاسُ'' اور خود ہی اس کی شرح کرتے ہوئے ''توضیح'' میں تحریر فرماتے ہیں ''لَمَّا ذَكَرَ اَنَّ اُصُوْلَ الْفِقْهِ مَايُبْتَنٰى عَلَيْهِ الْفِقْهُ اَرَادَاَنْ يُّبَيِّنَ اَنَّ مَايُبْتَنٰى عَلَيْهِ الْفِقْهُ اَىُّ شَىْءٍ هُوَ؟ فَقَالَ: هُوَ هٰذِهِ الْاَرْبَعَةُ'' پھر علامہ تفتازانی اس کی تشریح کرتے ہوئے ''تلویح'' میں لکھتے ہیں:

''مَاسَبَقَ كَانَ بَيَانَ مَفْهُوْمِ اُصُوْلِ الْفِقْهِ وَهٰذَا بَيَانُ مَاصَدَقَ عَلَيْهِ هٰذَا الْمَفْهُوْمُ مِنَ الْاَنْوَاعِ الْمُنْحَصِرَةِ بِحُكْمِ الْاِسْتِقْرَاءِ فِى الْاَرْبَعَةِ'' (التلویح مع التوضیح ج ا ص ۱۹)

ان عبارات کا حاصل مقصود یہی ہے کہ شرعی دلائل صرف چار ہیں۔ کتاب' سنت' اجماع اور قیاس۔

ایک سوال اور اس کا جواب

اگر کوئی صاحب فرمائیں کہ صحابی کا قول اور فعل بھی تو سنت ہی میں شامل ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہم ادلہ اربعہ کے اندر مذکورہ سنت کا مطلب ومفہوم ان ہی دو موصوف بزرگوں سے پوچھ لیتے ہیں تاکہ قاری صاحب کو بھی کسی قسم کی بات کہنے کا موقع نہ ملے تو سنیئے صاحب تنقیح ہی فرماتے ہیں "اَلرُّكْنُ الثَّانِيْ فِي السُّنَّةِ وَهِيَ تُطْلَقُ عَلٰى قَوْلِ الرَّسُوْلِ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَعَلٰى فِعْلِهٖ وَالْحَدِيْثُ مُخْتَصٌّ بِقَوْلِهٖ".
(تنقیح مع التوضیح برحاشیہ تلویح ج ۲ص ۲)

تو اس عبارت میں صاحب تنقیح نے وضاحت فرما دی کہ سنت کا لفظ رسول کریم ﷺ کے قول اور فعل پر بولا جاتا ہے اور حدیث کا لفظ آپ کے قول کے ساتھ مخصوص ہے۔ (فائدہ) یاد رہے کہ حدیث کے لفظ کو نبی کریم ﷺ کے قول کے ساتھ مخصوص کہنا ان کی اپنی اصطلاح ہے۔ پھر صاحب تلویح اس کی تشریح میں لکھتے ہیں۔

(قَوْلُهٗ: اَلرُّكْنُ الثَّانِيْ فِي السُّنَّةِ وَهِيَ) فِي اللُّغَةِ الطَّرِيْقَةُ وَالْعَادَةُ وَفِي الْاِصْطِلَاحِ فِي الْعِبَادَاتِ النَّافِلَةِ وَفِي الْاَدِلَّةِ وَهُوَ الْمُرَادُ هٰهُنَا مَا صَدَرَ عَنِ النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ غَيْرَ الْقُرْآنِ مِنْ قَوْلٍ وَيُسَمَّى الْحَدِيْثَ اَوْ فِعْلٍ اَوْ تَقْرِيْرٍ. (تلویح ج ۲ص ۲)

صاحب تلویح کا اس عبارت سے مقصود یہ ہے کہ سنت لغت میں تو طریقہ اور عادت کو کہتے ہیں اور اصطلاح کے اندر عبادات نافلہ اور ادلہ میں اس مقام پر یہی مراد ہے۔ سنت اس کو کہتے ہیں جو قرآن کے علاوہ رسول اللہ ﷺ سے صادر ہوا خواہ قول ہو اور اسے حدیث کا نام بھی دیا جاتا ہے خواہ فعل ہو خواہ تقریر۔

تو صاحب تنقیح کی تشریح کے مطابق ادلہ اربعہ یا اُصول اربعہ میں مذکورہ سنت سے مراد نبی کریم ﷺ کا قول اور فعل ہے اور صاحب تلویح کی وضاحت کے

مطابق رسول اللہ ﷺ کا قول، فعل اور آپ کی تقریر اور ظاہر بات ہے کہ موقوف روایت (صحابی کا قول، فعل اور اس کی تقریر) رسول اللہ ﷺ سے صادر شدہ قول، فعل اور تقریر تو ہے ہی نہیں لہٰذا وہ شرعی دلائل میں شامل نہیں۔ ہاں اگر کوئی موقوف روایت حکماً مرفوع ہو تو اسے سنتِ رسول اللہ ﷺ میں شامل سمجھا جائے گا لیکن اس کے حکماً مرفوع ہونے کے لحاظ سے نہ کہ اس کے موقوف ہونے کے لحاظ سے البتہ موقوف روایت کے حکماً مرفوع ہونے کے لیے کچھ شرائط ہیں جن کی تفصیل متعلقہ کتابوں میں موجود ہے بہرحال قاری صاحب کی پیش کردہ دو موقوف روایات نہ ہی صریحاً مرفوع ہیں اور نہ ہی حکماً مرفوع، لہٰذا وہ دونوں شرعی دلائل میں سے کوئی سی دلیل بھی نہیں اگر قاری صاحب ان کو حکماً مرفوع سمجھتے ہوں تو وہ اس دعویٰ کے دلائل پیش فرمائیں۔ کیونکہ اُصول کے لحاظ سے دلیل مدعی کے ذمہ ہے نہ [illegible]ئل اور مدعی علیہ کے ذمہ، اور اگر قاری صاحب بھی ان دونوں موقوف روایتوں کو حکماً بھی مرفوع نہ سمجھتے ہوں تو پھر مسئلہ بالکل صاف۔

پھر اس مقام پر قاری صاحب کے لیے میری مذکورہ بالا بات کا جواب دینے میں صرف دو ہی معقول راہیں تھیں۔ پہلی راہ تو یہ تھی کہ وہ فرماتے کہ شرعی دلائل تو واقعی چار ہی ہیں اور میری پیش کردہ دو موقوف روایتیں ان چار شرعی دلائل میں سے فلاں دلیل میں شامل ہیں۔ اور اس کو بادلائل بیان کرتے۔ اور دوسری راہ یہ تھی کہ وہ صاف صاف فرماتے کہ شرعی دلائل صرف چار ہی نہیں پانچ ہیں۔ چار تو وہی جو بیان ہو چکے اور پانچویں شرعی دلیل ہے موقوف روایت پھر اپنے اس موقف کو مدلل کرتے مگر ان کی تحریر شاہد ہے کہ انہوں نے ان دو معقول راہوں سے کوئی سی راہ بھی اختیار نہیں فرمائی، ان کی خدمت میں عرض ہے کہ اب ہی اس طرف توجہ فرمائیں اور دوٹوک فیصلہ دیں۔ آیا وہ شرعی دلائل کو مذکورہ بالا چار دلیلوں میں منحصر مانتے ہیں؟ اگر مانتے ہیں تو اپنی پیش کردہ دو موقوف روایتوں کا ان چار شرعی دلائل میں کسی ایک میں شامل ہونا دلائل

کے ساتھ بیان فرمائیں ورنہ آپ کا ان موقوف روایتوں سے نسخ رفع الیدین پر استدلال نادرست اور اگر وہ شرعی دلائل کو ان چار میں منحصر نہیں مانتے تو صاف صاف لکھیں کہ میں شرعی دلائل کو ان چار میں منحصر نہیں مانتا بلکہ میرے نزدیک شرعی دلائل پانچ ہیں اور میری پیش کردہ موقوف روایتیں پانچویں شرعی دلیل ہے۔ پھر اپنے اس نظریہ کے دلائل دیں تاکہ ہم بھی ان کی روشنی میں اپنا راستہ متعین کر سکیں۔

قاری صاحب مزید لکھتے ہیں ''مولنا[1] صاحب نے موقوف کے بارے میں کوئی تفصیل نہیں بیان فرمائیں۔[2] لہٰذا مری[3] طرف سے بھی کوئی تفصیل نہیں ہوگی''۔

(قاری صاحب کا رقعہ نمبر۵ص۳)

قاری صاحب بزعم خود میری بات کا یہ دوسرا جواب دے رہے ہیں۔ لیکن یہ تو سرے سے جواب ہے ہی نہیں دوسرا ہونا تو بعد کی بات ہے چنانچہ یہ بندہ اپنی بات کو بھی آپ کے سامنے رکھتا ہے اس کو بھی ملاحظہ فرمائیں تو میں نے لکھا تھا ''حضرت قاری صاحب نے اپنے دعویٰ ''منسوخیت رفع الیدین'' پر بطور دلیل کل پانچ روایات پیش فرمائی ہیں جن میں سے آخری دو تو موقوف اور پہلی تین مرفوع' اہل علم کو معلوم ہے کہ موقوف روایت فعلی ہو خواہ قولی' شرعی دلائل میں سے کوئی سی دلیل بھی نہیں کیونکہ شرعی دلائل صرف چار ہیں۔ ❶ کتاب اللہ تعالیٰ ❷ سنت رسول اللہ ﷺ بشرطیکہ ثابت ہو ❸ اجماع اُمت ❹ قیاس صحیح' لہٰذا قاری صاحب کی آخر میں پیش فرمودہ دو موقوف روایتوں سے رفع الیدین پر استدلال دُرست نہیں''۔ (میرا رقعہ نمبر۱ص۲)

تو غور فرمائیں آیا میرے موقوف کی قاری صاحب معہود فی الذہن تفصیل بیان نہ کرنے سے موقوف روایت کا مذکورہ چار شرعی دلائل میں سے کسی ایک میں شامل ہونا یا موقوف روایت کا پانچویں شرعی دلیل ہونا ثابت ہو گیا ہے؟ نہیں ہرگز نہیں تو پھر

---

[1] تا [3] یہ الفاظ قاری صاحب کے رقعہ میں اسی طرح ہے۔ ۱۲ منہ

ان کا بزعم خود یہ جواب فی الواقع جواب کیسے؟ پھر قاری صاحب کا فرمانا ''کوئی تفصیل نہیں بیان فرمائیں[1]'' واقع کے سراسر خلاف ہے کیونکہ موقوف روایت کی ایک تفصیل تو بندہ کی عبارت میں موجود اور مذکور ہے اور لطف کی بات ہے کہ قاری صاحب نے خود بھی میری اس ایک تفصیل کو اپنے اسی رقعہ میں اپنے اس جواب سے تھوڑا سا پہلے نقل بھی کیا ہے چنانچہ وہ میری عبارت نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں ''اہل علم کو معلوم ہے موقوف روایت فعلی ہو خواہ قولی شرعی دلائل میں سے کوئی سی دلیل بھی نہیں'' (قاری صاحب کا رقعہ نمبر۵ ص۳) کیوں جی قاری صاحب! ''فعلی ہو خواہ قولی'' والی تفصیل تو بندہ نے بیان کی ہوئی ہے نا لہٰذا آپ کا فرمانا ''کوئی تفصیل نہیں بیان فرمائیں'' سراسر غلط ہے' ہاں آپ یہ کہہ سکتے تھے کہ جو تفصیل میرے ذہن میں معہود ہے اس کو تو نے بیان نہیں کیا مگر یہ میرا کام نہیں آپ کا کام ہے آپ وہ تفصیل بیان فرمائیں پھر قاری صاحب کی بات ''لہٰذا مری[2] طرف سے بھی کوئی تفصیل نہیں ہو گی'' بہت ہی عجیب ہے۔ آخر اس سے قاری صاحب کو فائدہ؟

قاری صاحب مزید لکھتے ہیں ''مولنا[3] صاحب کا یہ فرمانا کہ اہل علم کو معلوم ہے کہ موقوف روایت کا[4] شرعی دلیل[5] میں سے کوئی بھی نہیں۔ یہاں قابل غور بات یہ ہے کہ اہل علم سے مراد کون سے اہل علم مراد[6] ہیں''۔ (قاری صاحب کا رقعہ نمبر۵ ص۳)

① اوّلاً حضرت قاری جی نے بندہ کی عبارت کو اسی طرح نقل کیا ہے حالانکہ میری عبارت اس طرح بالکل نہیں ہے چنانچہ اسے من وعن نیچے درج کیا جاتا ہے تاکہ آپ لوگ فرق معلوم کر لیں تو سنیں وہ یہ ہے ''اہل علم کو معلوم ہے کہ موقوف روایت فعلی ہو خواہ قولی شرعی دلائل میں سے کوئی سی دلیل بھی نہیں کیونکہ شرعی دلائل صرف چار ہیں' الخ۔ (میرا رقعہ نمبر۱ ص۲)

---

[1] تا [6] یہ تمام الفاظ قاری صاحب کے رقعہ میں اسی طرح ہے۔ ۱۲ منہ

② ثانیاً' قاری صاحب بزعم خود میرے جواب کا یہ تیسرا رد پیش فرمارہے ہیں مگر اس سے میرے جواب کا رد بالکل نہیں نکلتا کیونکہ اہل علم سے مراد کون سے اہل علم ہیں معلوم ہو جانے سے بھی میرا جواب تو جوں کا توں ہی رہے گا اس میں کسی قسم کا کوئی فرق نہیں پڑے گا بلکہ اہل علم سے کون سے اہل علم مراد ہیں معلوم ہونے سے میرا جواب اور پختہ ہو جائے گا چنانچہ سنیے اہل علم سے مراد ہیں حنفی بزرگ اور وہ تمام بزرگ جو شرعی دلائل کو ان چار مذکورہ دلائل میں منحصر سمجھتے ہیں اور حنفی بزرگوں کی ایک معتبر و مستند کتاب تنقیح الاصول کا حوالہ بھی پہلے گزر چکا ہے تو اہل علم سے مراد کو متعین کر لینے کے بعد بندہ کے جواب کی تقریر اس طرح ہو گی ''حنفی بزرگوں کو بھی معلوم ہے کہ موقوف روایت فعلی ہو خواہ قولی شرعی دلائل میں سے کوئی سی دلیل بھی نہیں کیونکہ شرعی دلائل ان کے نزدیک بھی صرف چار ہی ہیں: ❶ کتاب اللہ تعالیٰ ❷ سنت رسول اللہ ﷺ بشرطیکہ ثابت ہو ❸ اجماع اُمت ❹ قیاس صحیح ' لہٰذا قاری صاحب کی آخر میں پیش فرمودہ دو موقوف روایتوں سے رفع الیدین کی منسوخیت پر استدلال دُرست نہیں'' تو اہل علم کو متعین کر لینے سے بندہ کا جواب اور مضبوط ہو گیا ہے کیونکہ حنفی بزرگ قاری صاحب کے ہاں بھی عقیدت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں اس لیے ان کے عقیدہ اور قول کو ٹھکرانا قاری صاحب کے نزدیک بھی کوئی آسان کام نہیں۔

باقی آپ کا لکھنا ''میرا تو یہ عقیدہ ہے: **علیکم بسنتي و سنتي[1] خلفاء الراشدین**. (قاری صاحب کا رُقعہ نمبر ۵ ص ۳) اس مقام پر آپ کے لیے کوئی مفید نہیں ہاں اس صورت میں آپ کی یہ بات آپ کے لیے کچھ مفید ہو سکتی ہے کہ آپ واضح اور صاف لفظوں میں لکھ دیں کہ شرعی دلائل میرے نزدیک پانچ ہیں: ❶ کتاب اللہ

---

[1] یہ الفاظ قاری صاحب کے رُقعہ میں اسی طرح ہے۔۱۲ منہ

تعالیٰ ❷ سنت رسول اللہ ﷺ بشرطیکہ ثابت ہو ❸ سنت الخلفاء الراشدین بشرطیکہ ثابت ہو ❹ اجماعِ اُمت ❺ قیاس صحیح' اور اگر آپ بھی شرعی دلائل کو سنت الخلفاء الراشدین کے علاوہ مذکورہ بالا صرف چار ہی میں منحصر سمجھتے ہیں تو پھر آپ کے قول ''میرا تو یہ عقیدہ ہے علیکم'' الخ کا حال واضح اور معلوم ورنہ آپ دوٹوک لفظوں میں لکھیں' کہ سنت الخلفاء الراشدین میرے نزدیک پانچویں شرعی دلیل ہے اور اگر آپ دوٹوک لفظوں میں یہ بات نہ لکھ سکیں تو پھر آپ کا قول ''میرا تو یہ عقیدہ ہے الخ'' دل اور زبان میں مخالفت کی عجیب ترین مثال تصور ہوگا رہا ہر سنت الخلفاء الراشدین کے سنت رسول اللہ ﷺ میں شامل ہونے والا مسئلہ تو اس کا کوئی جواز نہیں تفصیل اپنے مقام پر دیکھیں۔

تو قاری صاحب! بات صرف اتنی ہے کہ آپ صاف اور صریح لفظوں میں لکھ دیں کہ شرعی دلائل میرے نزدیک پانچ ہیں جن کی تفصیل اوپر گزر چکی یا پھر صاف اور صریح لفظوں میں لکھ دیں کہ شرعی دلائل میرے نزدیک بھی وہی چار ہیں جنہیں حنفی بزرگ صاحبِ تنقیح الاصول نے بیان کیا ہے۔ پہلی صورت میں تو آپ کا قول ''میرا تو یہ عقیدہ ہے...الخ'' آپ کے مذہب کے مطابق درست اور دوسری صورت میں آپ کے اس قول میں اللہ تعالیٰ کے ڈر کو بالکل ملحوظ نہیں رکھا گیا صرف دوسروں کو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ تو دوبارہ گزارش ہے کہ اس سلسلہ میں گومگو کی حالت چھوڑیں اور دوٹوک الفاظ میں لکھیں آیا شرعی دلائل آپ کے نزدیک چار ہیں یا پانچ؟ تاکہ آپ کے قول ''میرا تو یہ عقیدہ ہے الخ'' کا حال صحیح معنوں میں معلوم کیا جا سکے۔

پھر دیکھئے حدیث علیکم بسنتی الخ میں رسول اللہ ﷺ کے لفظ ''بسنتی'' بھی تو موجود ہیں اور معلوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی سنت سب سنتوں پر مقدم ہے اور یہ بات اپنی جگہ ثابت شدہ ہے کہ رکوع والا رفع الیدین رسول اللہ ﷺ کی سنتِ غیر منسوخہ ہے' پھر آپ کے ہمیشگی اور سنتِ مؤکدہ والے دونوں سوال بتا رہے ہیں کہ آپ

کو بھی رکوع والے رفع الیدین کے سنت غیر مؤکدہ ہونے کا اعتراف و اقرار ہے تو کوئی بات نہیں آپ اسے سنتِ غیر مؤکدہ سمجھ کر ہی اس پر عمل پیرا ہو جائیں۔

حاصل کلام یہ ہے کہ بندہ کا جواب ''اہل علم کو معلوم ہے کہ موقوف روایت فعلی ہو خواہ قولی شرعی دلائل میں سے کوئی سی دلیل بھی نہیں کیونکہ شرعی دلائل صرف چار ہیں: ❶ کتاب اللہ تعالیٰ ❷ سنت رسول اللہ ﷺ بشرطیکہ ثابت ہو ❸ اجماع اُمت ❹ قیاس صحیح ' لہٰذا قاری صاحب کی آخر میں پیش فرمودہ موقوف روایتوں سے رفع الیدین کی منسوخیت پر استدلال دُرست نہیں'' اپنی جگہ جوں کا توں قائم ہے قاری صاحب کی پیش کردہ تین باتوں سے کوئی ایک بات بھی اس کا رد اور توڑ نہیں ہے۔

دو موقوف روایتوں سے نسخ پر استدلال کا دوسرا جواب:

دو موقوف روایتوں سے نسخ رفع الیدین پر قاری صاحب کے استدلال کا پہلا جواب تو آپ سن چکے نیز اس کے جواب میں قاری صاحب نے جو تین باتیں بنائی تھیں ان سے متعلق آپ کو بتایا جا چکا ہے کہ ان تین باتوں سے کوئی ایک بات بھی میرے اس جواب کا رد اور توڑ نہیں ہے جیسا کہ تفصیلاً پہلے عرض کیا جا چکا ہے اب قاری صاحب کے ان موقوف روایتوں سے نسخ پر استدلال کا بندہ کے پہلے ہی رُقعہ میں پیش کیا ہوا دوسرا جواب سماعت فرمایئے ''یہ جواب (پہلا جواب) ان روایتوں کی صحت کو تسلیم کر لینے کی صورت میں ہے ورنہ یہ روایات بعض محدثین کی نگاہ میں مرجوح ہیں دیکھئے درایہ' نصب الرایہ' التعلیق الممجد اور امام بخاری کا رسالہ ''جزء رفع الیدین'' (ملاحظہ ہو میرا رقعہ نمبر اص ۲) قاری صاحب نے اس دوسرے جواب کی تردید میں ایک لفظ بھی نہیں لکھا تو ان کے اپنے ہی آئندہ آنے والے طرزِ عمل کے مطابق بندہ کا یہ دوسرا جواب ان کے نزدیک بھی صحیح و درست ٹھہرا' لہٰذا ان دو موقوف روایتوں سے نسخ پر استدلال غلط ہوا۔

دو موقوف روایتوں سے نسخ پر استدلال کا تیسرا جواب:

اُصول میں تصریح کی گئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا فعل یا ترک ناسخ نہیں ہوتا

تو جب رسول اللہ ﷺ کا فعل یا ترک ناسخ نہیں تو کسی صحابی کا فعل یا ترک رسول اللہ ﷺ سے ثابت شدہ عمل کے لیے کیوں کر ناسخ ہوسکتا ہے؟ جبکہ کسی صحابی کا قول بھی رسول اللہ ﷺ سے ثابت شدہ قول یا فعل کے لیے ناسخ نہیں ہوتا لہٰذا قاری صاحب کا ان دو موقوف روایتوں سے نسخ رفع الیدین پر استدلال غلط ہے۔

دو موقوف روایتوں سے نسخ پر استدلال کا چوتھا جواب:

سنت عمل کو کسی وقت یا موقع پر چھوڑ دینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہوتا بالخصوص جب اس کے فرض و واجب نہ ہونے کو واضح کرنا مقصود ہو تو ان دو موقوف روایتوں میں اس چیز کا احتمال بھی موجود ہے لہٰذا قاری صاحب کا ان سے نسخ پر استدلال نادرست ہے ورنہ وہ ان دو موقوف روایتوں میں مذکور ترک کے نسخ میں منحصر ہونے کی دلیل پیش فرمائیں۔

دو موقوف روایتوں سے نسخ پر استدلال کا پانچواں جواب:

موقوف روایت میں کسی چیز کے نسخ کو قولاً بیان کیا گیا ہو تو بھی بسا اوقات اس چیز کے نسخ کو تسلیم نہیں کیا جاتا تو پھر موقوف فعلی کو جس چیز میں نسخ کی طرف ادنیٰ اشارہ تک بھی نہ ہو رسول کریم ﷺ سے ثابت شدہ سنت کے لیے کیونکر ناسخ قرار دیا جاسکتا ہے؟ لہٰذا قاری صاحب کا ان موقوف روایتوں کو ناسخ بنانا خطا ہے بندہ کے تیسرے' چوتھے اور پانچویں جواب میں بھی کچھ اُصولی باتیں آ گئی ہیں۔ اگر اگر قاری صاحب نے حوالہ جات طلب کیے تو ان شاء اللہ العزیز کتب اُصول کے حوالے بھی دے دیئے جائیں گے۔ انہیں اس سلسلہ میں کسی قسم کی فکر نہ ہونی چاہیے چنانچہ ایک دفعہ وہ ہمارے شرعی دلائل کی تعداد کے سلسلہ میں تنقیح الاصول کا حوالہ دینے پر ملاحظہ فرما چکے ہیں۔

دو موقوف روایتوں سے نسخ پر استدلال کا چھٹا جواب:

ان دو موقوف روایتوں میں مذکور ترک کو ان دو صحابیوں کے رفع الیدین کو

منسوخ سمجھنے پرمبنی قرار دینا صرف مدعیانِ نسخ کا اپنا فہم اورظن ہے۔ان کے پاس اس فہم اورظن کی کوئی دلیل نہیں محض ترک اس فہم اورظن کی دلیل نہیں کیونکہ ترک کی وجہ نسخ کے علاوہ کوئی اور بھی ہوسکتی ہے جیسا کہ اس سے قبل نسخ کے علاوہ بعض وجوہ کی نشاندہی بھی کی جاچکی ہے البتہ اس فہم اورظن کو ان دوصحابیوں پر بہتان قرار دینا کوئی بعید نہیں تو مدعیانِ نسخ کا ان دوموقوف روایتوں سے اپنے بے بنیاد فہم اورظن پرمبنی استدلال ان کا نرا وہم ہے۔ نیز تین مرفوع روایتوں سے قاری صاحب کا نسخ پر استدلال دُرست نہیں۔

بندہ نے تین مرفوع روایتوں سے قاری صاحب کے نسخ رفع الیدین پر استدلال کی تردید میں لکھا تھا ''رہی پہلی تین مرفوع روایات تو ان میں سے آخری دو حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم والی روایات کو احادیث رفع الیدین کے لیے ناسخ بنانا دُرست نہیں۔

① اوّلاً تو اس لیے کہ وہ دونوں روایتیں سرے سے قابل احتجاج ہی نہیں' حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی مسند حمیدی والی روایت کا قابل احتجاج نہ ہونا تو آپ حضرت مولانا ارشاد الحق صاحب اثری زید مجدہ کی تصنیف لطیف ''مسئلہ رفع الیدین پر ایک نئی کاوش کا تحقیقی جائزہ۔ میں ملاحظہ فرمائیں جس کا ایک نسخہ آپ کو دیا جارہا ہے۔ نیز اس کا ایک نسخہ آپ کی وساطت سے قاری صاحب کی خدمت میں بھیجا جارہا ہے تاکہ وہ بھی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی مسند حمیدی والی روایت کا حال اس میں پڑھ لیں۔ (دیکھئے میرا رقعہ نمبر ۱ص ۲'۳)

بندہ کے اس مندرجہ بالا پہلے جواب کو پڑھ کر قاری صاحب لکھتے ہیں ''مولنا[1] صاحب کا یہ فرمانا کہ مسند حمیدی والی روایت کا حال اس میں پڑھ لیں یعنی مولنا[2] ارشاد

---

[1] [2] یہ الفاظ قاری صاحب کے رُقعہ میں اسی طرح ہے۔۱۲ منہ

الحق صاحب اثری کے رسالہ میں تو مولنا[1] مجھے کیا ضرورت پڑی کہ جب آپ ہی نے کوئی شک وشبہات اور اعتراض نہیں کیے میں دوسروں کے رسالہ وغیرہ دیکھتا پھیرو[2] خلاصہ کلام یہ کہ نہ آپ نے کوئی اعتراض اس حدیث پر کیا نہ کچھ اور لہٰذا ثابت ہوا یہ حدیث تمہارے نزدیک بھی صحیح ہے''۔ (قاری صاحب کا رقعہ نمبر ۵ص ۴‘۵)

قاری صاحب کے اس کلام میں جس قدر معقولیت ہے وہ آپ کے سامنے ہے اس پر لکھنے کی کوئی ضرورت نہیں صرف دو باتیں عرض کیے دیتا ہوں۔

پہلی بات ❋ میرے جواب میں یہ بات واضح طور پر موجود ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی مسند حمیدی والی روایت بھی قابل احتجاج نہیں پھر اس کے قابل احتجاج نہ ہونے کو ملاحظہ فرمانے کی خاطر ایک رسالہ بھی آپ کی خدمت میں پہنچایا گیا اور اس رسالہ کے پہلے صفحہ پر بندہ نے تصریح کر دی تھی کہ یہ رسالہ بھی جواب میں شامل ہے نیز اس نے متعلقہ مسئلہ کو دیکھنے کے لیے آپ کی سہولت کی خاطر مخصوص صفحات کی نشاندہی بھی کر دی تھی۔

دوسری بات ❋ قاری صاحب کا قول ''یہ حدیث تمہارے نزدیک بھی صحیح ہے'' سُبْحَانَکَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيمٌ. کا ہی مصداق ہے کیونکہ بندہ اپنے پہلے ہی رُقعہ میں دو مرتبہ اس روایت کے قابل احتجاج نہ ہونے کی تصریح کر چکا ہے چنانچہ عبارت ''وہ دونوں روایتیں سرے سے قابل احتجاج ہی نہیں'' میرے رقعہ نمبر ۱ ص ۲ پر موجو ہے نیز عبارت ''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی مسند حمیدی والی روایت کا قابل احتجاج نہ ہونا تو آپ الخ'' میرے رقعہ نمبر ۱ ص ۲‘ ۳ پر مذکور ہے تو میری ان دونوں عبارتوں کو پڑھ کر آپ کا لکھنا ''یہ حدیث تمہارے نزدیک بھی صحیح ہے'' نری غلط بیانی اور امر واقع کی سراسر مخالفت ہے۔ بتایئے آپ کے نزدیک اللہ تعالیٰ کا ڈر اسی کا نام ہے؟

---

[1] [2] یہ الفاظ قاری صاحب کے رَقعہ میں اسی طرح ہے۔ ۱۲ منہ

تو قاری صاحب حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی مسند حمیدی والی روایت جو آپ نے پیش کی ہوئی ہے سرے سے قابل احتجاج ہی نہیں۔ اس پر مولانا ارشاد الحق صاحب اثری زید مجدہ نے اپنے رسالہ میں سات وجوہ سے کلام کیا ہے وہ رسالہ متعلقہ صفحات کی نشاندہی کے ساتھ آپ کی خدمت میں بھیجا جا چکا ہے چنانچہ وہ صفحات ہیں ص ۲۵ تا ۲۹' ان صفحات کو پڑھیں اور ان میں مذکور وجوہ کا جواب دیں۔ اگر ان صفحات کو میں اس جگہ نقل کروں پھر بھی تو آپ نے ان کو پڑھنا ہی ہے نا تو پھر آخر ان کو اصل رسالہ ہی میں پڑھ لینے میں کیا مضائقہ ہے۔ یاد رہے وہ رسالہ آپ کو پہنچ بھی چکا ہے۔ رہی آپ کی بات ''آپ ہی نے کوئی شک وشبہات اور اعتراض نہیں کیے'' تو جناب بتایئے میرا اس روایت کو ''سرے سے قابل احتجاج ہی نہیں'' کہنا بھی کوئی شک' شبہ اور اعتراض ہے یا نہیں؟

قاری صاحب مزید لکھتے ہیں ''وہی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جو حدیث رفع الیدین والی روایت بیان کرتے ہیں روایت[1] کرتے ہیں وہی ترک رفع الیدین والی بھی روایت کرتے ہیں لہٰذا ثابت ہوا مولنا[1] صاحب رفع الیدین منسوخ ہے''۔

(قاری صاحب کا رقعہ نمبر۵ ص ۵)

① اوّلاً' قاری صاحب پہلے لکھ چکے ہیں ''اور تم ہو رفع الیدین کے قائل اور مدعی' اور دلیل جو ہوتی ہے اُصول کے لحاظ سے مدعی کے ذمہ ہے نہ کہ مدعی علیہ پر' اس بنا پر میں نے آپ کو چیلنج دیا تھا کہ کوئی حدیث پیش کر دیں الخ میں رفع الیدین شروع کر دوں گا لیکن آپ نے کوئی حدیث پیش نہیں کیں[1] اور نہ ہی ان شاء اللہ العزیز کوئی حدیث آپ پیش کر سکتے ہیں اور نہ ہی کوئی اور غیر مقلدین[1] قیامت تک''۔ (ان کا رقعہ نمبر۵ ص ۳ و ص ۱)

---

[1] یہ الفاظ قاری صاحب کے رُقعہ میں اسی طرح ہے۔ ۱۲ منہ

قاری صاحب اپنے اس قول میں تاثر دے رہے ہیں کہ ہمارے دعویٰ ''رفع الیدین'' کی دلیل میں کوئی ایک حدیث بھی موجود نہیں ورنہ ان کے غیر مقلدین کی طرف سے قیامت تک کوئی حدیث پیش نہ کر سکنے والی پیشگوئی لکھنے کا کوئی معنی نہیں بنتا اور اب خود ہی اعتراف واقرار فرما رہے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما رفع الیدین والی حدیث روایت کرتے ہیں اور وہ منسوخ ہے پھر ان کی اس بات میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی رفع الیدین والی حدیث کے صحیح ہونے کا اقرار واعتراف بھی موجود ہے ورنہ قاری صاحب کے اس کو منسوخ قرار دینے کا کوئی جواز نہیں تو قاری صاحب نے مان لیا کہ ہمارے دعویٰ ''رفع الیدین'' پر بطورِ دلیل حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی مرفوع اور صحیح حدیث موجود ہے اور انہوں نے خود ہی اس کا ذکر بھی کر دیا تو بحمد اللہ تعالیٰ ہم تو اپنے دعویٰ ''رفع الیدین'' پر دلیل پیش کرنے کی ذمہ داری سے سبکدوش اور عہدہ براء ہو چکے' اب قاری صاحب کا فرض ہے کہ اپنی قیامت تک والی پیشگوئی اور اپنے موجودہ بیان ''وہی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جو حدیث رفع الیدین روایت کرتے ہیں الخ'' پر غور وفکر فرمائیں آیا ان میں بھی اللہ تعالیٰ کے ڈر کو ملحوظ رکھا گیا ہے؟

② ثانیاً' قاری صاحب کے قول ''لہٰذا ثابت ہوا مولانا صاحب رفع الیدین منسوخ ہے'' کی بنیاد اس بات پر ہے کہ ایک ہی صحابی کا ایک ہی چیز کے فعل اور ترک کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرنا اس چیز کے فعل کے منسوخ ہونے کی دلیل ہے کسی اور شرط کی کوئی ضرورت نہیں تو قاری صاحب کی خدمت میں گزارش ہے کہ پہلے اس بنیادی بات کو دلائل سے ثابت کیجیے پھر ''لہٰذا ثابت ہوا رفع الیدین منسوخ ہے'' کہیے۔

③ ثالثاً' قاری صاحب کو بھی علم ہے کہ نسخ کے لیے منسوخ کا ناسخ سے پہلے کا ہونا بھی ضروری ہے اور قاری صاحب نے رفع الیدین کے ترکِ رفع الیدین سے

پہلے ہونے کی کوئی ایک دلیل بھی پیش نہیں فرمائی فعل اور ترک کے راوی صحابی کا ایک ہونا فعل کے ترک سے پہلے ہونے کی دلیل نہیں اس لیے ان کی بات ''رفع الیدین منسوخ ہے'' صرف منہ کی ایک بات ہے جس کی پشت پر کوئی دلیل نہیں۔

④ رابعاً' اگر منہ کی بات ہی آپ لوگوں کے ہاں کافی سمجھی جاتی ہے تو پھر رفع الیدین کے قائل اور مدعی بھی کہہ دیں گے رسول اللہ ﷺ پہلے پہل رفع الیدین نہیں کیا کرتے تھے بعد میں آپ ﷺ نے رفع الیدین شروع کر دیا لہٰذا رفع الیدین کو منسوخ کہنا غلط اور نا دُرست ہے۔

⑤ خامساً' بالفرض ترک کو چند منٹ کے لیے متاخر سمجھ لیا جائے پھر بھی رفع الیدین کو منسوخ قرار دینا دُرست نہیں کیونکہ کسی چیز کا ترک اس کے سنت ہونے کے منافی نہیں چنانچہ بعض حنفی بزرگ ہی لکھتے ہیں: ''اَلسُّنَّةُ مَا وَاظَبَ عَلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَعَ التَّرْكِ اَحْيَانًا'' تو آپ ﷺ کا رفع الیدین کرنے کے ساتھ ساتھ کبھی اس کو ترک کر دینا تو رفع الیدین کے سنت ہونے کو واضح اور اُجاگر کرتا ہے نہ کہ اسے منسوخ بناتا ہے۔

⑥ سادساً' بندہ کی مذکورہ چار باتیں دوسری' تیسری' چوتھی اور پانچویں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی ترک رفع الیدین والی روایت کی صحت فرض کر لینے پر مبنی ہیں ورنہ وہ روایت حقیقت اور واقع میں سرے سے قابل احتجاج ہی نہیں جیسا کہ اس سے پہلے لکھا جا چکا ہے لہٰذا اس کو ناسخ بنانا سراسر غلط ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ والی روایت بھی قابل احتجاج نہیں:

اس عنوان کے تحت بندہ نے لکھا تھا ''حضرت قاری صاحب نے کتاب ترمذی کے جس باب سے امام ترمذی کا قول ''حَدِيْثُ ابْنِ مَسْعُوْدٍ حَدِيْثٌ حَسَنٌ'' نقل کیا ہے۔ کتاب ترمذی کے اسی باب میں حضرت الامام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد

رشید حضرت عبداللہ ابن مبارکؒ کا مندرجہ ذیل قول بھی موجود ہے۔

"قَدْ ثَبَتَ حَدِيْثُ مَنْ يَرْفَعُ، وَذَكَرَ حَدِيْثَ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَالِمٍ عَنْ اَبِيْهِ وَلَمْ يَثْبُتْ حَدِيْثُ ابْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَرْفَعْ اِلَّا فِيْ اَوَّلِ مَرَّةٍ"۔

حضرت الامام عبداللہ بن مبارکؒ فرماتے ہیں "جو لوگ رفع الیدین کرتے ہیں بلاشبہ ان کی حدیث ثابت ہے اور انہوں نے امام زہری کی سالم سے اس کے باپ (حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما) سے (رفع الیدین کرنے کی) حدیث بیان فرمائی اور کہا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف پہلی مرتبہ ہاتھ اُٹھائے ثابت نہیں"۔

اس مقام پر بعض لوگ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ والی روایت میں قولی اور فعلی والی بات بنا کر حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کے مذکور بالا فیصلہ کا جواب دینے کی کوشش کرتے ہیں مگر حضرت الحافظ عبداللہ صاحب روپڑیؒ نے ان کی اس کوشش کو اپنے رسالہ "امین بالجہر اور رفع الیدین" میں ناکام بنا دیا ہے آپ اس کا ضرور بالضرور مطالعہ فرمائیں"۔ (میرا رقعہ نمبر ۱ ص ۳)

اس جواب کو پڑھ کر قاری صاحب نے وہی بات کہی جس کے مردود ہونے کا ذکر اجمالاً تو بندہ نے پہلے ہی اپنے مذکور بالا بیان "اس مقام پر بعض الخ" میں کر دیا تھا تو خیر کوئی بات نہیں اب اس کے مردود ہونے کو ذرا تفصیل سے سن لیں تو اس سلسلہ میں قاری صاحب کا مقصود واضح ترین الفاظ میں مندرجہ ذیل ہے چنانچہ قاری صاحب کے اس پانچویں رقعہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کے پانچ الفاظ ذکر کیے گئے ہیں۔

① پہلے لفظ:

"الا اصلی بکم صلاۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فصلی فلم

یرفع یدیہ[1] الا فی اول مرۃ" قاری صاحب نے اپنے پانچویں رُقعہ ص ۵ پر ان الفاظ کا حوالہ دیا ہے "ترمذی وغیرہ" اور لکھا ہے "جس کی سند میں حضرت ابن مبارکؒ نہیں ہے اور اس حدیث کے الفاظ بھی جرح سے نہیں ملتے" (ص ۵) اور ان ہی الفاظ کو قاری صاحب نے اپنے پہلے رُقعہ میں یوں نقل کیا ہے "قال الا اصلی لکم صلاۃ رسول اللہ فصلی ولم یرفع بیدیہ[1] الا فی اول مرۃ" اور حوالہ دیا ہے "ترمذی ج ۱ص ۶۴ اور طحاوی ج ۱ص ۱۱۰ اور مسند احمد ج ۱ص ۴۴۲ اور ابوداؤد ج ۱ص ۱۰۹" نیز وہ لکھتے ہیں "اور مسند احمد کے الفاظ یہ ہیں "فرفع بیدیہ[1] فی اول مرۃ".

(قاری صاحب کا رُقعہ نمبر ۱ص ۱)

قاری صاحب کے ان الفاظ کو اپنے دونوں رقعوں میں نقل کرنے کے درمیان جو فرق و تفاوت ہے وہ آپ کے سامنے ہے نیز قاری صاحب کے اپنے پہلے رُقعہ میں ترمذی' طحاوی' مسند احمد اور ابوداؤد کا حوالہ دے کر مسند احمد کے الفاظ کا باقی تین کتابوں کے الفاظ سے فرق واضح کرنا اس بات کی طرف ایک قسم کا اشارہ ہے کہ ترمذی' طحاوی' اور ابوداؤد کے الفاظ یکساں ہیں مگر ان کے اس پانچویں رقعہ سے واضح طور پر پتہ چل رہا ہے کہ ترمذی اور طحاوی کے الفاظ میں بھی فرق و تفاوت ہے۔

❷ دوسرے لفظ:

"الا اخبر[1] بکم بصلاۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" ان الفاظ کا حوالہ دیے بغیر قاری صاحب لکھتے ہیں "اور یہ حدیث حضرت عبداللہ ابن مبارکؒ کے طریق مروی[1] ہے اس کے الفاظ بھی جرح سے نہیں ملتے"۔

(قاری صاحب کا رقعہ نمبر ۵ص ۵)

پھر قاری صاحب نے یہ الفاظ پورے بھی نقل نہیں فرمائے شاید اس میں بھی ان کا کوئی

---

[1] یہ الفاظ قاری صاحب کے رقعوں میں اسی طرح ہیں۔ ۱۲ منہ

فائدہ پنہاں ہوتو آپ اس بندہ سے مع حوالہ پورے الفاظ سنیے۔ امام نسائی اپنی کتاب سنن میں لکھتے ہیں:

"اَخْبَرَنَا سُوَيْدُ بْنُ نَصْرٍ حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ الْمُبَارَكِ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ عَاصِمِ بْنِ كُلَيْبٍ عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ الْاَسْوَدِ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ: اَلَا اُخْبِرُكُمْ بِصَلَاةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: فَقَامَ فَرَفَعَ يَدَيْهِ اَوَّلَ مَرَّةٍ ثُمَّ لَمْ يَعُدْ". (نسائی جلد اوّل ص ۱۲۳)

❸ تیسرے لفظ:

"ان النبی[1] صلی اللہ علیہ وسلم لم یرفع یدیہ الا فی اول مرۃ"

قاری صاحب نے ان الفاظ کا حوالہ دیا ہے "طحاوی" اور لکھا ہے "اس کے الفاظ جرح سے ملتے ہیں اور حضرت ابن المبارکؒ کی جرح بھی اسی حدیث کے بارے میں ہے" (قاری صاحب کا رقعہ نمبر ۵ ص ۵) اس موضوع پر چند اُمور ذہن میں رکھئے۔

پہلا امر ✵ قاری صاحب کے پہلے رقعہ سے معلوم ہو رہا ہے کہ ترمذی اور طحاوی کے الفاظ ایک ہیں پھر ان کے پہلے ہی رقعہ سے یہ بھی ظاہر ہے کہ امام ترمذی کا فیصلہ "حدیث حسن" کو قاری صاحب ترمذی اور طحاوی دونوں کے الفاظ سے متعلق سمجھتے ہیں مگر ان کے اس پانچویں رقعہ میں دیے ہوئے تازہ بیان سے واضح ہو رہا ہے کہ قاری صاحب کے نزدیک ترمذی اور طحاوی دونوں کے الفاظ میں فرق ہے نیز طحاوی والے الفاظ ان کے نزدیک بھی ثابت نہیں۔

دوسرا امر ✵ قاری صاحب نے جو الفاظ طحاوی کی طرف منسوب کیے ہیں وہ مجھے طحاوی میں ابھی تک نہیں ملے اس لیے ان کی خدمت میں گزارش ہے کہ وہ طحاوی کے اس باب کی نشاندہی فرمائیں جس باب میں ان کے اوپر بیان کردہ الفاظ موجود ہیں

---

[1] یہ الفاظ قاری صاحب کے رقعوں میں اسی طرح ہیں۔ ۱۲ منہ

تا کہ یہ بندہ بھی انہیں ملاحظہ کر سکے۔

تیسرا امر ✵ جو لفظ مجھے طحاوی میں ملے وہ مندرجہ ذیل ہیں امام طحاویؒ لکھتے ہیں:

"حَدَّثَنَا ابْنُ اَبِیْ دَاؤُدَ قَالَ ثَنَا نُعَیْمُ ابْنُ حَمَّادٍ قَالَ ثَنَا وَکِیْعٌ عَنْ سُفْیَانَ عَنْ عَاصِمِ بْنِ کُلَیْبٍ عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ الْاَسْوَدِ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ کَانَ یَرْفَعُ یَدَیْهِ فِیْ اَوَّلِ تَکْبِیْرَةٍ ثُمَّ لَایَعُوْدُ"۔

(شرح معانی الآثار للطحاوی جلد اوّل ص۱۵۴)

چوتھا امر ✵ طحاوی کے حاشیہ میں مولوی وصی احمد صاحب حنفی لکھتے ہیں "کَانَ یَرْفَعُ یَدَیْهِ اَخْرَجَهُ التِّرْمَذِیُّ وَقَالَ: حَدِیْثٌ حَسَنٌ" تو اس سے معلوم ہوا کہ دیگر حنفی حضرات بھی قاری صاحب کی طرح امام ترمذی کے فیصلے "حدیث حسن" کو طحاوی اور ترمذی دونوں میں موجود الفاظ سے متعلق سمجھتے ہیں نیز وہ طحاوی والی روایت اور ترمذی والی روایت کو الفاظ کے جدا جدا ہونے کے باوصف ایک ہی سمجھتے ہیں اس لیے تو فرماتے ہیں "اخرجه الترمذی" اور اسی لیے قاری صاحب نے بھی ترمذی والی روایت کے لفظ نقل فرما کر طحاوی کا بھی حوالہ دیا ہوا ہے دیکھئے ان کا پہلا رقعہ لہٰذا حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کے فیصلہ "وَلَمْ یَثْبُتْ حَدِیْثُ ابْنِ مَسْعُوْدٍ الخ" کو صرف طحاوی والی روایت سے متعلق قرار دینا ان کے ہاں بھی دُرست نہ رہا ورنہ لازم آئے گا کہ جس روایت کو قاری صاحب پہلے حسن کہہ چکے ہیں اب وہ خود ہی اسے غیر ثابت لکھ رہے ہیں۔

پانچواں امر ✵ قاری صاحب نے حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کے فیصلہ "ولم یثبت حدیث ابن مسعود الخ" کے ترمذی' نسائی' دارقطنی' بیہقی اور مسند اعظم کی روایتوں سے متعلق نہ ہونے کی وجہ یہی بیان کی ہے کہ عبداللہ بن مبارکؒ کے فیصلہ کے الفاظ ان روایتوں سے نہیں ملتے تو اس سلسلہ میں انہیں یاد ہونا چاہیے کہ طحاوی کے لفظ بھی

عبداللہ بن مبارکؒ کے فیصلہ کے لفظوں سے نہیں ملتے چنانچہ اس کی تفصیل آ رہی ہے تو سوچئے کہ قاری صاحب کا حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کے فیصلہ ''ولم یثبت حدیث ابن مسعود الخ'' کو صرف طحاوی کے الفاظ سے مخصوص کرنا صرف منہ کی بات نہیں تو اور کیا ہے؟

❹ چوتھے لفظ:

''عن ابن مسعود قال صلیت[1] مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و ابی بکر و عمر فلم یرفعوا ایدیھم الا عند الافتتاح'' حوالہ ''بیہقی' دارقطنی وغیرہ۔'' (قاری صاحب کا رقعہ نمبر ۵ ص ۵'۷)

اس مقام پر بھی قاری صاحب نے وہی طرزِ عمل اختیار فرمایا ہے جو انہوں نے جامع ترمذی سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ والی روایت نقل کرتے وقت اختیار فرمایا تھا کہ انہوں نے جامع ترمذی سے روایت تو نقل فرما دی تھی مگر انہوں نے اسی جامع ترمذی کے اسی باب میں موجود حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کے فیصلہ ''ولم یثبت حدیث ابن مسعود الخ'' کا نام تک نہیں لیا تھا اور اب بھی انہوں نے ایسا ہی کیا کہ مندرجہ بالا الفاظ تو انہوں نے بیہقی اور دارقطنی کے حوالہ سے نقل کر دیے ہیں اور ان دونوں بزرگوں کے ان کی کتابوں میں وہیں موجود تضعیف کے فیصلوں کا نام تک نہیں لیا تو سنیے حافظ دارقطنی ان الفاظ کو اپنی سنن میں بواسطہ محمد بن جابر ذکر فرمانے کے بعد لکھتے ہیں ''وَکَانَ ضَعِیفًا'' محمد بن جابر ضعیف تھے حافظ بیہقی بھی ان ہی الفاظ کو اسی محمد بن جابر کے واسطے سے بیان کرنے کے بعد وہی ''وَکَانَ ضَعِیفًا'' والا جملہ نقل فرماتے ہیں۔

ان الفاظ کے راوی محمد بن جابر کا حال:

محمد بن جابر کے بارہ میں جو کچھ ''الجوہر النقی'' والے نے لکھا ہے وہ تارکین

---

[1] یہ الفاظ قاری صاحب کے رقعہ میں اسی طرح ہے۔ ۱۲ منہ

رفع الیدین کے لیے کوئی مفید نہیں کیونکہ ان کے کلام کا مآل ہے "وَمَعَ مَاتَكَلَّمَ فِيهِ مَنْ تَكَلَّمَ يُكْتَبُ حَدِيثُهُ" اس میں کلام کرنے والوں کے کلام کے باوجود اس کی حدیث لکھی جاتی ہے اور اہل علم جانتے ہیں کہ کسی راوی کی حدیث کے لکھے جانے سے اس کی حدیث کا قابل احتجاج ہونا لازم نہیں آتا نیز محمد بن جابر کے متعلق حافظ ابن حجرؒ تقریب میں لکھتے ہیں۔ "صَدُوقٌ ذَهَبَتْ كُتُبُهُ فَسَاءَ حِفْظُهُ وَخَلَطَ كَثِيرًا وَعَمِيَ فَصَارَ يُلَقَّنُ وَ رَجَّحَهُ اَبُوْحَاتِمٍ عَلَى ابْنِ لَهِيعَةَ" سچا ہے اس کی کتابیں ضائع ہوگئیں تو اس کی یادداشت خراب ہوگئی اور اسے بہت زیادہ اختلاط ہوگیا اور وہ نابینا ہوگیا تو اسے تلقین کی جاتی اور ابو حاتم نے اسے ابن لہیعہ پر ترجیح دی ہے (فائدہ) یاد رہے کہ اس کے سچے اور ابن لہیعہ سے اچھے ہونے سے اس کی حدیث کا قابل احتجاج ہونا ثابت نہیں ہوتا "كما لا يخفى على من له مزاس فى فن اصول الحديث واسماء الرجال" نیچے تہذیب التہذیب سے محمد بن جابر کا حال سنیے:

۱: "عَنِ ابْنِ مَعِينٍ كَانَ اَعْمٰى وَاخْتَلَطَ عَلَيْهِ حَدِيثُهُ وَكَانَ كُوفِيًّا فَانْتَقَلَ اِلَى الْيَمَامَةِ وَهُوَ ضَعِيفٌ" امام بخاری کے استاد حضرت یحییٰ بن معینؒ جنہیں بعض مقلدین نے خواہ مخواہ حنفی کہا ہے فرماتے ہیں "محمد بن جابر نابینا تھے اور ان پر ان کی حدیث مختلط ہوگئی اور وہ کوفی تھے پس یمامہ کی طرف منتقل ہوگئے اور وہ ضعیف ہیں"۔

"وَقَالَ عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ: صَدُوقٌ كَثِيرُ الْوَهْمِ مَتْرُوكُ الْحَدِيثِ" امام بخاریؒ کے ہی اُستاد حضرت ابوحفص عمرو بن علی الفلاس فرماتے ہیں "محمد بن جابر صدوق' کثیر الوہم اور متروک الحدیث ہیں" صاحب الجوہر النقی نے حضرت فلاس کا قول "صدوق" تو نقل کیا اور ان کے قول کے آخری حصہ "كثير الوهم متروک الحديث" کو چھوڑ گئے ہیں پھر اس کی طرف اَدنیٰ اشارہ تک بھی نہیں کیا قاری صاحب تو شاید اس کو بھی اللہ تعالیٰ کے ڈر پر ہی محمول فرمائیں۔

۳: امام بخاریؒ خود فرماتے ہیں "لَیْسَ بِالْقَوِیِّ یَتَکَلَّمُوْنَ فِیْهِ رَوٰی مَنَاکِیْرَ" محمد بن جابرؒ قوی نہیں وہ (محدثین) اس میں کلام کرتے ہیں اس نے منکر احادیث روایت کی ہیں۔

۴: امام ابوداوٗدؒ کہتے ہیں "لَیْسَ بِشَیْءٍ" محمد بن جابر کوئی شے نہیں۔

۵: امام نسائی فرماتے ہیں "ضعیف" محمد بن جابر ضعیف ہے۔

۶: امام اور مشہور محدث حضرت عبدالرحمٰن بن مہدی "یُضَعِّفُهٗ" محمد بن جابر کو ضعیف کہتے ہیں "وَکَانَ ابْنُ مَهْدِیٍّ یُحَدِّثُ عَنْهُ ثُمَّ تَرَکَهٗ بَعْدُ" حضرت ابن مہدی ان سے حدیث بیان کیا کرتے تھے پھر بعد میں انہوں نے اس کو چھوڑ دیا۔

۷، ۸: حضرت یعقوب بن سفیانؒ اور علامہ عجلی دونوں فرماتے ہیں "ضعیف" محمد بن جابرؒ ضعیف ہے۔

۹: حافظ ابن حبانؒ فرماتے ہیں "کَانَ اَعْمٰی یُلْحَقُ فِیْ کُتُبِهٖ مَا لَیْسَ مِنْ حَدِیْثِهٖ وَیَسْرِقُ مَا ذُوْکِرَ بِهٖ فَیُحَدِّثُ بِهٖ" محمد بن جابرؒ نابینا تھے ان کی کتابوں میں وہ بھی ہے جو ان کی حدیث میں شامل نہیں اور وہ مذاکرہ میں بیان کی ہوئی حدیث کی چوری کرتے پھر اسے بیان کرتے تھے۔ صاحب الجوہر النقی نے "وَاَدْخَلَهُ ابْنُ حِبَّانَ فِی الثِّقَاتِ" کہنے پر ہی اکتفا کیا ہے۔ انہوں نے حافظ ابن حبان کے مندرجہ بالا بیان کو نقل کیا ہے نہ ہی اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ کیوں جی قاری صاحب اللہ تعالیٰ سے ڈرنا اسی کو کہتے ہیں؟

۱۰: حافظ ابوزرعہؒ اپنے ایک قول میں کہتے ہیں "سَاقِطُ الْحَدِیْثِ عِنْدَ اَهْلِ الْعِلْمِ" محمد بن جابرؒ اہل علم کے ہاں ساقط الحدیث ہیں۔

۱۱: ابوحاتم رازیؒ فرماتے ہیں "ذَهَبَتْ کُتُبُهٗ فِیْ آخِرِ عُمْرِهٖ وَسَاءَ حِفْظُهٗ وَکَانَ یُلَقَّنُ" آخر عمر میں اس کی کتابیں ضائع ہو گئیں۔ اس کا حفظ خراب ہو گیا اور اسے تلقین کی جاتی تھی۔

۱۲: امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں: "لَایُحَدِّثُ عَنْهُ اِلَّا شَرٌّ مِنْهُ" محمد بن جابر سے صرف وہی حدیث بیان کرتا ہے جو اس سے بھی گیا گزرا ہو۔

تو تہذیب التہذیب سے بارہ ائمہ محدثین کی محمد بن جابر پر جرح نقل کی گئی اور اس سے قبل حافظ بیہقی، حافظ دارقطنی اور حافظ ابن حجر کی اس پر جرح آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں تو اس مقام پر مذکور پندرہ ائمہ محدثین امام احمد بن حنبل، یحییٰ بن معین، ابوحفص عمرو بن علی الفلاس، عبدالرحمان بن مہدی، امام بخاری، ابو حاتم رازی، ابوزرعہ رازی، یعقوب بن سفیان، علامہ عجلی، حافظ ابن حبان، امام ابوداؤد، امام نسائی، حافظ بیہقی، حافظ دارقطنی اور حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہم اللہ نے حضرت محمد بن جابرؒ کو ضعیف قرار دیا ہے۔ صدق وسچائی کے لحاظ سے حافظ ابن حبان کا اسے ثقات میں شامل کرنا نیز حافظ ذھلی کا "لَیْسَ بِہٖ بَأْسٌ" فرمانا پھر کبار حفاظ کا اس سے روایت کرنا ان محدثین کے فیصلہ کے خلاف نہیں کیونکہ راوی کے ثقہ ہونے کے لیے اس کے سچا ہونے کے علاوہ اور صفات بھی درکار ہیں جن سے بعض محمد بن جابر میں نہیں پائی جاتیں لہٰذا محمد بن جابر صاحب خود ضعیف اور ان کی حدیث ناقابل احتجاج۔

⑤ پانچویں لفظ:

قاری صاحب لکھتے ہیں "پانچویں مسند اعظم[1] کی روایت اس طرح ہے "ان عبداللہ بن مسعود کان یرفع یدیہ[1] فی اول التکبیر[1] ثم لایعود الی شیء من ذالک ویاثر ذالک عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم".

(قاری صاحب کا رقعہ نمبر ۵ ص ۷)

حصکفی کی جمع کردہ مسند میں قاری صاحب کے بیان کردہ مندرجہ بالا الفاظ مجھے تو نہیں ملے اس لیے ان کی خدمت میں گزارش ہے کہ وہ بتائیں کہ انہوں نے حصکفی کی جمع

---

[1] یہ الفاظ قاری صاحب کے رقعہ میں اسی طرح ہے۔ ۱۲ منہ

کردہ مسند کا حوالہ دیا ہوا ہے یا کسی اور کی جمع کردہ مسند کا؟ پہلی صورت میں وہ صفحہ بامطبعہ درج کریں اور دوسری صورت میں ان دونوں چیزوں کو لکھنے کے ساتھ ساتھ اس مسند کے جامع کا نام بھی تحریر فرمائیں تاکہ بندہ بھی ان الفاظ سے واقف ہو سکے۔

جو لفظ حصکفی کی جمع کردہ مسند میں موجود ہیں وہ یہ ہیں:

”سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ...... فَقَالَ لَهُ (اَیْ لِلْاَوْزَاعِیِّ) اَبُوْحَنِيْفَةَ: وَحَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ عَلْقَمَةَ وَالْاَسْوَدِ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ لَايَرْفَعُ يَدَيْهِ اِلَّا عِنْدَ افْتِتَاحِ الصَّلَاةِ وَلَا يَعُوْدُ لِشَيْئٍ مِنْ ذَالِكَ“.

(مسند مذکور مع شرح ملا علی قاری مطبوع مطبع محمدی لاہور ص ۲۰)

قاری صاحب کے نقل کردہ الفاظ اور ان الفاظ میں جو فرق ہے وہ آپ کے سامنے ہے نیز آپ نے دیکھ لیا کہ بندہ کے پاس موجود مسند میں حصکفی اور سفیان بن عیینہ کے درمیان والی سند مذکور نہیں لہٰذا قاری صاحب کی خدمت میں گزارش ہے کہ وہ حذف شدہ سند کو بھی پیش کریں پھر اس روایت کا قابل احتجاج ہونا بھی ثابت فرمائیں ورنہ اس روایت کا کوئی اعتبار نہیں۔

پھر اس روایت کے الفاظ طحاوی کے الفاظ کے ساتھ ملتے جلتے ہیں ورنہ قاری صاحب کو کہنا پڑے گا کہ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کے فیصلہ ”ولم یثبت حدیث ابن مسعود الخ“ کے الفاظ بھی طحاوی کے الفاظ سے نہیں ملتے حالانکہ وہ خود ان کے ملنے کی تصریح فرما چکے ہیں تو حضرت عبداللہ بن مبارک کا فیصلہ ”ولم یثبت حدیث ابن مسعود الخ“ جس دلیل کی بنا پر قاری صاحب کے نزدیک طحاوی والی روایت سے متعلق ہے اسی دلیل کی بنا پر حضرت عبداللہ بن مبارک کا فیصلہ ”ولم یثبت حدیث ابن مسعود الخ“ مسند مذکور والی روایت سے متعلق بھی ہے لہٰذا مسند مذکور والی روایت سرے سے ثابت ہی نہیں۔

حضرت عبداللہ بن مبارک کا فیصلہ "ولم یثبت حدیث ابن مسعود" الخ کس روایت سے متعلق ہے۔

مندرجہ بالا پانچ الفاظ نقل کرنے کے بعد قاری صاحب لکھتے ہیں "ان روایات کے ملاحظہ کرنے بعد[1] آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ جرح کے الفاظ تیسری حدیث طحاوی والی کے الفاظ حدیث[1] سے ملتے جلتے ہیں ان باقی روایات سے اس جرح کا کوئی تعلق نہیں اس تفصیل کے بعد بھی اگر کوئی مولنا[1] صاحب اس حدیث پر ابن مبارکؒ کی جرح چسپاں کرنے کی کوشش کریں تو اس کا نرا تعصب یا کم عقلی ہے"۔

(قاری صاحب کا رقعہ نمبر ۵ ص ۷)

قاری صاحب کا نظریہ تو آپ نے ملاحظہ فرما لیا کہ حضرت عبداللہ بن مبارک کا قول "ولم یثبت حدیث ابن مسعود الخ" طحاوی میں مذکور روایت ہی سے متعلق ہے اور دیگر چار روایتوں سے اس کا کوئی تعلق نہیں اور ان کا "نرے تعصب" اور "کم عقلی" والا معقول اور غیر متعصّبانہ فتویٰ بھی آپ نے پڑھ لیا۔ اب قاری صاحب کے متذکرہ بالا عندیہ کا رد ملاحظہ ہو۔

① اولاً قاری صاحب حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ والی روایت کو ترمذی اور طحاوی کے حوالہ سے نقل فرما کر اسے اپنے پہلے رقعہ میں صحیح اور حسن قرار دے چکے ہیں تو پتہ چلا کہ قاری صاحب نے ترمذی اور طحاوی کی روایتوں کو اختلاف الفاظ کے باوجود ایک ہی سمجھا ہے تو اب اگر قاری صاحب حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کے فیصلہ "ولم یثبت حدیث ابن مسعود الخ" کو طحاوی والی روایت سے متعلق قرار دیں تو بھی وہ خود بخود ترمذی والی روایت پر چسپاں ہو جائے گا تو قاری صاحب کے ان دو فیصلوں سے ایک فیصلہ ضرور بالضرور غلط ہے۔

---

[1] یہ الفاظ قاری صاحب کے رقعہ میں اسی طرح ہیں۔ ۱۲ منہ

② ثانیاً' قاری صاحب کے اس عندیہ کی بنیاد ''الفاظ کا ملنا جلنا'' ہے مگر انہوں نے اس بنیاد کی کوئی دلیل نہیں دی لہٰذا ان کا یہ عندیہ صحیح نہیں باقی طحاوی' ترمذی' نسائی اور ابوداؤد کی روایات کے معنیٰ کا ایک ہونا مسلم ہے۔ (دیکھئے حاشیہ آثار السنن)

③ ثالثاً' چند منٹ کے لیے ہم اس بنیاد کو تسلیم کر لیتے ہیں لیکن عبداللہ بن مبارکؒ کے فیصلہ کے الفاظ طحاوی میں مذکور الفاظ سے بھی نہیں ملتے چنانچہ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کے فیصلہ کے الفاظ ہیں ''ولم یثبت حدیث ابن مسعود ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لم یرفع یدیہ الا فی اوّل مرۃ'' (ترمذی) اور طحاوی کے الفاظ ہیں ''عن عبداللہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ کان یرفع یدیہ فی اوّل تکبیرۃ ثم لایعود'' (طحاوی) ان دونوں میں جو تفاوت ہے وہ آپ کے سامنے ہے اور اس کا نتیجہ یہ کہ حضرت عبداللہ بن مبارک کا فیصلہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت پر بالکل چسپاں ہی نہیں ہوتا کیونکہ ان کے فیصلہ کے الفاظ تو حضرت عبداللہ بن مسعود سے مروی متعدد الفاظ میں سے کسی ایک لفظ سے بھی نہیں ملتے تو اب مقام غور ہے کہ حضرت عبداللہ بن مبارک تو فرمائیں ''ولم یثبت حدیث ابن مسعود الخ'' اور ان کا یہ فرمان حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی کسی روایت پر بھی چسپاں نہ ہو تو اس سے بڑھ کر اور کون سی چیز ''نرے تعصب'' اور ''کم عقلی'' کا مصداق بنے گی؟

④ رابعاً' حافظ بیہقی نے حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کے فیصلہ کے الفاظ یوں نقل کیے ہیں ''لَمْ یَثْبُتْ عِنْدِیْ حَدِیْثُ ابْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رَفَعَ یَدَیْہِ اَوَّلَ مَرَّۃٍ ثُمَّ لَمْ یَرْجِعْ'' اور حافظ دارقطنی نے یوں ''لَمْ یَثْبُتْ عِنْدِیْ حَدِیْثُ ابْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رَفَعَ یَدَیْہِ اَوَّلَ مَرَّۃٍ ثُمَّ لَمْ یَرْفَعْ'' اور ترمذی کے نقل کردہ الفاظ بھی آپ کے سامنے ہیں تو جس طرح حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کے فیصلہ کے یہ سب الفاظ

ایک ہی معنیٰ ادا کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت ثابت نہیں بالکل اسی طرح حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث کے ترمذی' ابوداوٗد' نسائی' طحاوی اور دیگر کتب میں مذکور الفاظ بھی ایک ہی معنیٰ ومفہوم دے رہے ہیں کہ صرف پہلی مرتبہ رفع الیدین کا مروع ہونا اور اسی کو حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ غیر ثابت کہہ رہے ہیں لہٰذا حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ کا فیصلہ "ولم یثبت حدیث ابن مسعود الخ" حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب بیان ''مرفوعاً رفع الیدین کا صرف پہلی مرتبہ ہونا'' پر دلالت کرنے والے تمام الفاظ سے متعلق ہے وہ قولاً ہوں خواہ فعلاً ان میں اس سے کوئی زائد چیز بیان ہوئی ہو یا نہ۔

⑤ خامساً' قاری صاحب نے اپنے رقعہ نمبر ۵ میں حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ کے فیصلہ کے ترمذی والے لفظ "لم یرفع الا فی اول مرۃ" اور طحاوی کے لفظ "کان یرفع یدیہ فی اول تکبیرۃ ثم لا یعود" دونوں کو آپس میں ملنے جلنے والے قرار دے رکھا ہے واللہ کچھ تو انصاف کیجئے پھر لفظ "الا اصلی بکم صلاۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الخ" اور لفظ "الا اخبرکم بصلاۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الخ" کیونکر حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ کے فیصلہ کے لفظوں "ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم الخ" سے ملنے جلنے والے نہیں؟ بھلا یہ بھی کوئی انصاف ہے کہ کچھ لفظ تو ہم معنیٰ ہونے کی بنا پر ملنے جلنے والے قرار پائیں اور کچھ لفظ ہم معنیٰ ہونے کے باوجود نہ ملنے جلنے والے بنا دیے جائیں' اللہ تعالیٰ سے ڈرنا اسی کو کہا جاتا ہے پھر نرا انصاف اور بیش عقلی آپ کے ہاں اسی کا نام نامی اور اسم گرامی ہے؟

⑥ سادساً' حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ کے فیصلہ "ولم یثبت حدیث ابن مسعود الخ" کے طحاوی والے لفظوں سے متعلق ہونا طحاوی والے لفظوں کے حضرت

عبداللہ بن مبارک کو معلوم ہونے پر موقوف ہے کیونکہ جو الفاظ انسان کو نامعلوم ہوں وہ ان سے متعلق کسی قسم کا کوئی فیصلہ صادر نہیں کر سکتا اور قاری صاحب نے طحاوی والے لفظوں کے حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کے علم میں ہونے کی کوئی دلیل نہیں دی اس لیے ان کا فرض ہے کہ پہلے طحاوی والے لفظوں کے حضرت عبداللہ بن مبارک کو معلوم ہونے کی دلیل پیش کریں پھر اپنا مندرجہ بالا عندیہ سنائیں جبکہ طحاوی والے لفظ حضرت عبداللہ بن مبارک کو معلوم ہونے کی صورت میں بھی ان کے فیصلہ "ولم یثبت حدیث ابن مسعود الخ" کے دیگر الفاظ سے متعلق ہونے کی نفی نہیں ہوتی۔

⑦ سابعاً' سنن نسائی والی روایت "الا اخبرکم بصلاۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الخ" کی سند میں حضرت عبداللہ بن مبارکؒ موجود ہیں جیسا کہ قاری صاحب کو بھی اس کا اعتراف واقرار ہے تو پتہ چلا کہ یہ الفاظ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کے علم میں ہیں اس لیے ان کا فیصلہ "ولم یثبت حدیث ابن مسعود الخ" ان الفاظ اور ان سے ملتے جلتے الفاظ سے متعلق ہے اور ان الفاظ سے ملتے جلتے الفاظ میں وہ الفاظ بھی شامل ہیں جو ترمذی اور ابوداوٗد میں منقول ہیں۔ اسی لیے اہل علم ان تین کتابوں میں سے ایک کتاب کے لفظ نقل کرنے کے بعد حوالہ تینوں کتابوں کا دیتے ہیں چنانچہ حنفی بزرگ صاحب آثار السنن نے بھی اس حدیث کو ترمذی کے الفاظ میں بیان کرنے کے بعد لکھا ہے "رَوَاہُ الثَّلَاثَۃُ" اسی طرح مشکوٰۃ والے بھی اس کو نقل کرنے کے بعد ابوداوٗد' ترمذی اور نسائی تینوں کا حوالہ دیا ہے تو ثابت ہوا کہ حضرت عبداللہ بن مبارک کا فیصلہ "ولم یثبت حدیث ابن مسعود الخ" حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ابوداوٗد' ترمذی اور نسائی میں مذکور روایت سے متعلق ہے کیونکہ ان کی طحاوی میں مذکور روایت کا تو حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کے علم میں ہونا سرے سے

ثابت ہی نہیں۔ یاد رہے یہ بات قاری صاحب کے الفاظ میں فرق والے اُصول پر مبنی ہے ورنہ طحاوی والے الفاظ بھی ہمارے نزدیک حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کے مندرجہ بالا فیصلہ کی زد سے نہیں بچتے۔

⑧ ثامناً' حضرت عبداللہ بن مبارک کا اپنے فیصلہ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی رفع الیدین والی حدیث کو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ والی روایت کے مقابلہ میں ذکر کرنا پھر ان دونوں میں سے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی رفع الیدین والی حدیث کو ثابت اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ترکِ رفع الیدین والی روایت کو غیر ثابت قرار دینا اس بات کی بین دلیل ہے کہ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کے پیشِ نظر عموم معنی ہے نہ کہ خصوص لفظ لہٰذا قاری صاحب کے خصوص لفظ والے عندیہ کو تو حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کے اپنے ہی اندازِ بیان نے رد کر دیا ہوا ہے۔

⑨ تاسعاً' قاری صاحب کے اس عندیہ کا حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کے فیصلہ میں مذکور جملہ "ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم الخ" کے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہونے پر مدار ہے جس کی انہوں نے کوئی دلیل پیش نہیں کی باقی طحاوی والی روایت اس امر کی دلیل نہیں بن سکتی "کما لایخفی علی اھل العلم".

⑩ عاشراً، ہماری تائید اور قاری صاحب کے مذکورہ بالا عندیہ کی تردید میں علماء کرام اور محدثین عظام کی شہادات ملاحظہ ہوں۔

پہلی شہادت:

امام ترمذی نے اپنی کتاب جامع ترمذی میں حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کے فیصلہ "ولم یثبت حدیث ابن مسعود الخ" اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت "الا اصلی بکم الخ" دونوں کو ایک ہی باب کے اندر ذکر فرمایا ہے جس سے

صاف ظاہر ہے کہ امام ترمذی حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کے فیصلہ کو اپنے نقل کردہ الفاظ سے بھی متعلق سمجھتے ہیں۔ رہا امام ترمذی کا قول ''حدیث حسن'' تو وہ اس کے منافی نہیں کیونکہ مؤلف بسا اوقات کسی کا فیصلہ نقل کرنے کے بعد اس سے اختلاف کا اظہار بھی کر دیتا ہے نیز امام ترمذی کا کسی حدیث کو صرف ''حسن'' کہہ دینا اس حدیث کے ان کے اپنے نزدیک بھی ثابت اور قابل احتجاج ہونے کی دلیل نہیں جیسا کہ ان کی اپنی ہی کتاب علل صغیر میں پیش کردہ حسن کی تعریف پھر ان کے اپنے ہی کتاب جامع میں کئی ایک احادیث سے متعلق ''حسن'' والے فیصلہ جات سے واضح ہے' ضرورت پڑی تو اس تعریف اور ان فیصلہ جات کو بھی منظر عام پر لایا جائے گا' ان شاء اللہ تعالیٰ' تاکہ پتہ چل سکے کہ جس حدیث کو امام ترمذی حسن قرار دیں ضروری نہیں کہ وہ حدیث واقع میں بلکہ خود امام ترمذی کے ہاں بھی قابل احتجاج ہو۔

دوسری شہادت:

حافظ بیہقی نے ترمذی والی سند (وکیع عن سفیان عن عاصم بن کلیب عن عبدالرحمٰن بن الاسود عن علقمة قال قال عبداللہ) کے ساتھ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ والی روایت کو بلفظ ''لاصلین بکم صلاۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم'' نقل کرنے کے بعد حضرت عبداللہ بن مبارک کا مذکور بالا فیصلہ درج کیا ہے جس کا صاف اور صریح مطلب یہی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مبارک کا فیصلہ حافظ بیہقی کے نزدیک ترمذی والی روایت سے بھی متعلق ہے۔

تیسری شہادت:

علامہ ابن دقیق العید کا قول ''وَعَدَمُ ثُبُوتِ الْخَبَرِ عِنْدَ ابْنِ الْمُبَارَکِ لَایَمْنَعُ مِنْ ثُبُوتِهِ عِنْدَ غَیْرِهِ الخ'' (معارف السنن بحوالہ نصب الرایہ) بتا رہا ہے کہ وہ بھی حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کے فیصلہ کو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کے الفاظ سے کسی خاص لفظ کے ساتھ مخصوص نہیں سمجھتے بلکہ اس کے تمام الفاظ کو شامل

ہونے کے قائل ہیں ورنہ انہیں مندرجہ بالا بات کہنے کی کوئی ضرورت نہ تھی صرف اتنا ہی کہہ دیتے کہ یہ فیصلہ فلاں لفظ سے متعلق ہے۔

چوتھی شہادت:

حافظ ابن حجر کا کلام آپ اس سے پہلے میرے رقعہ نمبر۱ میں ملاحظہ فرما چکے ہیں جو اس بات میں صریح ہے کہ جس کو امام ترمذی نے حسن اور ابن حزم نے صحیح کہا اسی کو حضرت عبداللہ بن مبارکؒ نے غیر ثابت قرار دیا ہے تو حافظ صاحب بھی حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کے فیصلہ "ولم یثبت حدیث ابن مسعود الخ" کو ترمذی' نسائی اور ابوداؤد والے الفاظ سے بھی متعلق سمجھتے ہیں۔

پانچویں شہادت:

حافظ زیلعی حنفیؒ نے اپنی کتاب نصب الرایہ میں ترمذی' نسائی اور ابوداؤد کے حوالہ سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کو نقل کیا پھر انہوں نے حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کے فیصلہ "ولم یثبت حدیث ابن مسعود الخ" کا جواب ان الفاظ میں دیا "وَعَدَمُ ثُبُوْتِ الْخَبَرِ عِنْدَ ابْنِ الْمُبَارَكِ لَا يَمْنَعُ مِنْ ثُبُوْتِهٖ عِنْدَ غَيْرِهٖ وَكَيْفَ وَهُوَ يَدُوْرُ عَلٰى عَاصِمِ بْنِ كُلَيْبٍ وَهُوَ ثِقَةٌ مِنْ رُوَاةِ مُسْلِمٍ وَ صَحَّحَهُ ابْنُ الْقَطَّانِ الْمَغْرِبِيُّ فِيْ كِتَابِ الْوَهْمِ وَالْاِيْهَامِ وَصَحَّحَهُ ابْنُ حَزْمٍ الاندلسي" ۱۰ھ (معارف السنن بحوالہ نصب الرایہ) اس عبارت سے صاف صاف پتہ چل رہا ہے کہ حافظ زیلعی حنفی کے نزدیک بھی حضرت عبداللہ بن مبارکؒ نے اسی روایت کو غیر ثابت قرار دیا جس روایت کو ابن حزم وغیرہ نے صحیح کہا اور وہ ترمذی' نسائی اور ابوداؤد وغیرھم والی روایت ہی ہے یاد رہے مندرجہ بالا عبارت "وعدم ثبوت الخبر الخ" کو صاحب نصب الرایہ نے ابن دقیق العید سے نقل فرمایا ہے اور اس پر کسی قسم کی کوئی حرف گیری نہیں کی۔

چھٹی شہادت:

صاحب الجوہر النقی علامہ علاؤ الدین ماردینی صاحب حنفی بیہقی کے حوالہ[1] سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"اِعْتَرَضُوْا عَلَيْهِ مِنْ ثَلَاثَةِ اَوْجُهٍ اَحَدُهَا اَنَّ ابْنَ الْمُبَارَكِ قَالَ: لَمْ يَثْبُتْ عِنْدِيْ اَلثَّانِيْ اَنَّ الْمُنْذِرِيَّ ذَكَرَ قَوْلَ ابْنِ الْمُبَارَكِ ثُمَّ قَالَ: وَقَالَ غَيْرُهُ: لَمْ يَسْمَعْ عَبْدُالرَّحْمَانِ مِنْ عَلْقَمَةَ اَلثَّالِثُ قَالَ الْحَاكِمُ: عَاصِمٌ لَمْ يُخْرَجْ حَدِيْثُهُ فِي الصَّحِيْحِ. وَالْجَوَابُ عَنِ الثَّلَاثَةِ اَنَّ عَدَمَ ثُبُوْتِهِ عِنْدَ ابْنِ الْمُبَارَكِ مُعَارِضٌ ثبوته[2] عِنْدَ غَيْرِهِ فَاِنَّ ابْنَ حَزْمٍ صَحَّحَهُ فِي الْمُحَلّٰي وَحَسَّنَهُ التِّرْمَذِيُّ الخ."

علامہ ماردینی حنفی کا یہ کلام صریح ہے کہ جس روایت اور جن الفاظ کو ابن حزم نے صحیح اور ترمذی نے حسن کہا اسی روایت اور انہی الفاظ سے متعلق حضرت عبداللہ بن مبارکؒ نے "ولم یثبت حدیث ابن مسعود الخ" فرمایا تو علامہ ماردینی حنفی کا نظریہ بھی یہی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مبارک کا فیصلہ "ولم یثبت حدیث ابن مسعود الخ" ترمذی' ابوداؤد اور نسائی والی روایت سے بھی متعلق ہے۔

دو باتیں:

① نصب الرایہ کے حوالہ سے معارف السنن میں حافظ ابن دقیق العید کے قول کے الفاظ "وعدم ثبوت الخبر عند ابن المبارک لایمنع من ثبوته عند غیره" آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں ان کو سامنے رکھیں اور حافظ ابن دقیق العید ہی

---

[1] یہ آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ بیہقی کی سند ترمذی والی سند ہی ہے وکیع عن سفیان الخ ۱۲ منہ

[2] جوہر نقی میں لفظ ایسے ہی ہے ۱۲۔

کے اسی قول کا جوخلاصہ "**عدم ثبوته عند ابن المبارك لايمنع من اعتبار رجاله**" علامہ ماردینی نے جوہرنقی میں پیش فرمایا اس پر بھی غور وفکر فرمائیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ دونوں میں فرق ہے۔

② آپ نے دیکھ لیا کہ دو بڑے حنفی بزرگ حافظ زیلعی حنفیؒ اور علامہ ماردینی حنفیؒ بھی حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کے فیصلہ "**ولم يثبت حديث ابن مسعود الخ**" کو ترمذی' ابوداؤداورنسائی والی روایت پر بھی چسپاں کرتے ہیں۔اب ذرا قاری صاحب کا کلام بھی ملاحظہ فرمائیں وہ لکھتے ہیں "اس تفصیل کے بعد بھی اگر کوئی مولنا[1] صاحب اس حدیث پر ابن مبارک کی جرح چسپاں کرنے کی کوشش کریں تو اس کا نرا تعصب یا کم عقلی ہے" قاری صاحب کا یہ فتویٰ یا تقویٰ صرف چسپاں کرنے کی کوشش کرنے والے سے متعلق ہے اور حافظ زیلعی حنفی' علامہ ماردینی حنفی اور دیگر بہت سے اہل علم نے تو کوشش سے بڑھ کر حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کے فیصلہ "**ولم يثبت حديث ابن مسعود الخ**" کو اس روایت پر چسپاں کر بھی دیا ہوا ہے لہٰذا حافظ زیلعی حنفی اور علامہ ماردینی حنفی سمیت وہ تمام بزرگ از روئے انصاف قاری صاحب کے نزدیک تو بہت ہی زیادہ "نرے تعصب" والے اور بہت ہی زیادہ "کم عقل" ٹھہرے قاری صاحب! کاش کہ آپ نے یہ فتویٰ صادر فرماتے وقت اپنے ان بڑوں حافظ زیلعی حنفی اور علامہ ماردینی حنفی کو ہی نظر میں رکھا ہوتا اور کچھ تو سوچا ہوتا۔کسی نے سچ کہا پہلے سوچو پھر بولو' یہ میرا مشورہ ہے گر قبول افتد زہے عزوشرف۔ باقی قاری صاحب کی "اس تفصیل" والی قید ان کے اس فتویٰ کے ان مندرجہ بالا بزرگوں پر چسپاں ہونے سے مانع نہیں ہوسکتی کیونکہ یہ تفصیل بلکہ اس سے کہیں زیادہ تفصیل آخر

---

[1] یہ لفظ قاری صاحب کے رقعہ میں اسی طرح ہے۔

ان بزرگوں کو بھی تو معلوم ہی تھی نا آخر طحاوی' بیہقی' دارقطنی' مسند الامام ابی حنیفہ' ترمذی' نسائی' ابوداؤد اور دیگر کتب حدیث ان بزرگوں کے مطالعہ میں بھی تو رہا کرتی تھیں۔

ساتویں شہادت:

حافظ منذری بھی حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کے فیصلہ "ولم یثبت حدیث ابن مسعود الخ" کو ترمذی اور دیگر کتب والی روایت سے بھی متعلق سمجھتے ہیں جیسا کہ علامہ ماردینی حنفی کے منقول بالا کلام سے واضح ہے اس سلسلہ میں اور بھی بہت سے محدثین اور اہل علم کے نام گنوائے جا سکتے ہیں مگر سردست ان سات بزرگوں کے اسماء گرامی پر ہی اکتفا کرتا ہوں تو سات شہادات والے جواب سمیت یہ کل دس جوابات ہیں جن سے قاری صاحب اور ان کے ہمنوا حضرات کے حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کے فیصلہ "ولم یثبت حدیث ابن مسعود الخ" کو ترمذی' ابوداؤد اور نسائی میں مذکور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سے ٹالنے والی سعی و کوشش کا خوب خوب رد ہو گیا۔

اس سلسلہ میں قاری صاحب کی ایک اور بات کا رد:

قاری صاحب لکھتے ہیں "اور دوسری بات یہ کہ ہے بھی غیر مفسر[1] الخ" (قاری صاحب کا رقعہ نمبر۵ ص ۷) تو ان کی یہ بات بھی کئی وجوہ سے نادرست ہے۔

① حضرت عبداللہ بن مبارکؒ نے اپنے اس فیصلہ میں کسی راوی پر جرح نہیں کی صرف حدیث کے متعلق اپنا حکم اور فیصلہ سنایا ہے کہ وہ ثابت نہیں زیادہ سے زیادہ آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ انہوں نے ثابت نہ ہونے کی کوئی دلیل ذکر نہیں کی مگر یہ کوئی اعتراض نہیں اور نہ ہی حضرت عبداللہ بن مبارک کے فیصلہ کے ان

---

[1] قاری صاحب کے رقعہ میں یہ علامت موجود ہے ۱۲ منہ

کے اپنے ہاں دُرست ہونے کا رد ہے اور نہ ہی واقع میں کیونکہ اہل علم جانتے ہیں کہ محدثین احادیث سے متعلق اپنے فیصلہ جات میں بسا اوقات دلیل ذکر نہیں کرتے پھر ان کے دلیل ذکر نہ کرنے سے دلیل کے وجود کی نفی نہیں ہوتی نیز حضرت عبداللہ بن مبارک نافی ہیں نہ کہ مدعی اور دلیل مدعی کے ذمہ ہوا کرتی ہے جیسا کہ اس اُصول کا قاری صاحب کو بھی علم ہے لہٰذا قاری صاحب کے قول ''ہے بھی غیر مفسر'' میں حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کے فیصلہ ''ولم یثبت حدیث ابن مسعود الخ'' کے مقابلہ میں رتی وزن نہیں۔

② قاری صاحب نے ترمذی' ابن حزم اور دیگر اہل علم سے جو تحسین وتصحیح والے فیصلے نقل کیے ہیں وہ بھی تو غیر مفسر ہی ہیں حالانکہ دلیل پیش کرنا قاری صاحب کے نزدیک بھی مثبت ومدعی کی ذمہ داری ہے اور نافی کے لیے تو صرف نفی کر دینا ہی کافی ہوا کرتا ہے تو اگر قاری صاحب نے حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کے فیصلہ ''ولم یثبت حدیث ابن مسعود الخ'' کو محض غیر مفسر ہونے کی بنیاد پر رد کرنا ہے تو پھر از روئے انصاف وہ ترمذی کے تحسین اور ابن حزم کے تصحیح والے فیصلوں کو بھی تو رد کریں کیونکہ یہ فیصلے بھی تو آخر غیر مفسر ہی ہیں۔

③ حافظ بیہقی نے سنن کبریٰ میں حضرت عبداللہ بن مبارک کا ''لم یثبت'' والا فیصلہ نقل کرنے کے بعد حضرت عبداللہ بن مبارک ہی کے یہ الفاظ بھی نقل فرمائے ہیں:

''وَقَدْ ثَبَتَ عِنْدِیْ حَدِیْثُ رَفْعِ الْیَدَیْنِ ذَکَرَہٗ عُبَیْدُاللّٰہِ وَمَالِکٌ وَ مَعْمَرٌ وَابْنُ اَبِیْ حَفْصَۃَ عَنِ الزُّھْرِیِّ عَنْ سَالِمٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ: وَاَرَاہُ وَاسِعًا ثُمَّ قَالَ عَبْدُاللّٰہِ: کَاَنِّیْ اَنْظُرُ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَھُوَ یَرْفَعُ یَدَیْہِ فِی الصَّلَاۃِ لِکَثْرَۃِ الْاَحَادِیْثِ وَجَوْدَۃِ الْاَسَانِیْدِ''. (ج۲)

تو اس عبارت میں حضرت عبداللہ بن مبارکؒ نے اپنے فیصلہ "لم یثبت" کی وجہ کی طرف بھی اشارہ فرما دیا ہے کہ ترکِ رفع الیدین کی روایات میں قلت ہے اور ان کی سندوں میں جودت اور عمدگی بھی نہیں لہٰذا ان کا فیصلہ "ولم یثبت حدیث ابن مسعود الخ" غیر مفسر نہ رہا تو قاری صاحب کی یہ دوسری بات "ہے بھی غیر مفسر" بالکل بے کار اور بے بنیاد ہے۔

مشہور محدث حضرت ابو حاتم رازیؒ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت:

بندہ نے اپنے پہلے رقعہ میں بحوالہ تلخیص لکھا تھا "وقال ابن ابی حاتم عن ابیہ: ھذا حدیث خطاء" ابو حاتم کہتے ہیں یہ روایت خطا ہے" (میرا رقعہ نمبر ا ص ۴) اس کو پڑھ کر قاری صاحب لکھتے ہیں" جس حدیث پر امام ابو حاتم نے جرح کی ہے اس کے الفاظ اس طرح ہیں:

"وَقَالَ ابْنُ اَبِیْ حَاتِمٍ فِیْ کِتَابِ الْعِلَلِ ج ا ص ۹۶ سَأَلْتُ اَبِیْ عَنْ حَدِیْثٍ رَوَاہُ سُفْیَانُ الثَّوْرِیُّ عَنْ عَاصِمِ بْنِ کُلَیْبٍ عَنْ عَبْدِالرَّحْمَانِ بْنِ الْاَسْوَدِ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَامَ فَکَبَّرَ فَرَفَعَ یَدَیْهِ[1] ثُمَّ لَمْ یَعُدْ فَقَالَ اَبِیْ: هٰذَا خَطَاءٌ یُقَالُ: وَهُمْ فِیْهِ الثَّوْرِیُّ الخ" (قاری صاحب کا رقعہ نمبر ۵ ص ۷)

قاری صاحب نے حافظ ابو حاتم رازیؒ کے فیصلہ "ھذا حدیث خطاء" کو ٹالنے کے لیے وہی بات کہی جو وہ اس سے قبل حضرت عبداللہ بن مبارک کے فیصلہ "ولم یثبت حدیث ابن مسعود الخ" کو ٹالنے کے سلسلہ میں کہہ چکے ہیں تو جس طرح ان کی پہلی کوشش ناکام تھی اسی طرح ان کی یہ کوشش بھی ناکام ہی ہے تو سنیے:

① اولاً' کتاب العلل کی نصب الرایہ میں منقول عبارت میں واضح طور پر موجود

---

[1] یہ لفظ قاری صاحب کے رقعہ میں اسی طرح لکھا ہے۔ ۱۲ منہ

ہے کہ حافظ ابوحاتم رازی کا فیصلہ "ھذا حدیث خطاء" اس روایت سے متعلق ہے جس روایت کی سند میں سفیان ثوری ہیں اور حضرت سفیان ثوری ترمذی، ابوداؤد، نسائی، بیہقی اور طحاوی تمام کی سندوں میں موجود ہیں گو ان کے الفاظ میں تھوڑا بہت اختلاف ہے تاہم ان کی بیان کردہ روایت حقیقت میں ایک ہی روایت ہے اور حافظ ابوحاتم رازی کا فیصلہ "ھذا حدیث خطاء" بھی اسی سے متعلق ہے تو ان تمام محدثین کی روایات مع سندات ملاحظہ ہوں تاکہ صحیح صورتِ حال روشن ہو جائے۔

❶ ترمذی کی روایت:

امام ترمذیؒ اپنی مایہ ناز کتاب جامع ترمذی میں لکھتے ہیں "حَدَّثَنَا هَنَّادٌنَا وَكِيعٌ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ عَاصِمِ بْنِ كُلَيْبٍ عَنْ عَبْدِالرَّحْمَانِ بْنِ الْاَسْوَدِ عَنْ عَلْقَمَةَ قَالَ قَالَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ مَسْعُوْدٍ اَلَا اُصَلِّيْ بِكُمْ صَلَاةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلّٰى فَلَمْ يَرْفَعْ يَدَيْهِ اِلَّا فِيْ اَوَّلِ مَرَّةٍ".

(جامع ترمذی مع التحفہ ج۱ ص۲۲۰)

❷ ابوداؤد کی روایت:

امام ابوداؤد اپنی سنن میں فرماتے ہیں "حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ نَا وَكِيعٌ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ عَاصِمٍ يَعْنِي ابْنَ كُلَيْبٍ عَنْ عَبْدِالرَّحْمَانِ بْنِ الْاَسْوَدِ عَنْ عَلْقَمَةَ قَالَ قَالَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ مَسْعُوْدٍ: اَلَا اُصَلِّيْ بِكُمْ صَلَاةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: فَصَلّٰى فَلَمْ يَرْفَعْ يَدَيْهِ اِلَّا مَرَّةً. قَالَ اَبُوْدَاؤُدَ: هٰذَا حَدِيْثٌ مُخْتَصَرٌ مِنْ حَدِيْثٍ طَوِيْلٍ، وَلَيْسَ هُوَ بِصَحِيْحٍ عَلٰى هٰذَا اللَّفْظِ"

(سنن ابی داؤد مع العون ج۱ ص۲۷۲)

❸ نسائی کی روایت:

امام نسائی اپنی سنن میں لکھتے ہیں: "اَخْبَرَنَا سُوَيْدُ بْنُ نَصْرٍ حَدَّثَنَا

عَبْدُاللّٰهِ بْنُ الْمُبَارَكِ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ عَاصِمِ بْنِ كُلَيْبٍ عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ الْاَسْوَدِ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ: اَلَا اُخْبِرُكُمْ بِصَلَاةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: فَقَامَ فَرَفَعَ يَدَيْهِ اَوَّلَ مَرَّةٍ ثُمَّ لَمْ يَعُدْ".

(سنن نسائی ج ۱ ص ۱۲۳)

❹ بیہقی کی روایت:

امام بیہقی اپنی سنن کبریٰ میں فرماتے ہیں "اَخْبَرَنَا اَبُوْطَاهِرٍ الْفَقِيْهُ اَنْبَانَا اَبُوْ حَامِدِ بْنِ بِلَالٍ اَنْبَا مُحَمَّدُ بْنُ اِسْمَاعِيْلَ الْاَحْمَسِيُّ ثَنَا وَكِيْعٌ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ عَاصِمٍ يَعْنِي ابْنَ كُلَيْبٍ عَنْ عَبْدِالرَّحْمَانِ بْنِ الْاَسْوَدِ عَنْ عَلْقَمَةَ قَالَ: قَالَ عَبْدُاللّٰهِ يَعْنِي ابْنَ مَسْعُوْدٍ: لَاُصَلِّيَنَّ بِكُمْ صَلَاةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: فَصَلّٰى فَلَمْ يَرْفَعْ يَدَيْهِ اِلَّا مَرَّةً وَّاحِدَةً". (سنن کبریٰ ج ۲ ص ۷۸)

❺ طحاوی کی روایت:

امام طحاوی شرح معانی الآثار میں لکھتے ہیں "حَدَّثَنَا ابْنُ اَبِيْ دَاؤُدَ قَالَ ثَنَا نُعَيْمُ بْنُ حَمَّادٍ قَالَ ثَنَا وَكِيْعٌ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ عَاصِمِ بْنِ كُلَيْبٍ عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ الْاَسْوَدِ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِيْ اَوَّلِ تَكْبِيْرَةٍ ثُمَّ لَا يَعُوْدُ. حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ النُّعْمَانِ قَالَ ثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيٰى قَالَ ثَنَا وَكِيْعٌ عَنْ سُفْيَانَ فَذَكَرَ مِثْلَهُ بِاِسْنَادِهِ". (شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۱۵۴)

تو جناب آپ نے دیکھ لیا کہ ان مذکورہ بالا تمام سندوں میں حضرت سفیان ثوری موجود ہیں تو یہ پانچوں کی پانچوں روایات حضرت سفیان ثوریؒ ہی کی روایت ہے اور حافظ ابو حاتم رازیؒ کا فیصلہ "ھذا حدیث خطاء" بھی حضرت سفیان ثوری ہی کی روایت سے متعلق ہے لہٰذا قاری صاحب کا حافظ ابو حاتم رازی کے فیصلہ "ھذا حدیث خطاء" کو ان مذکورہ پانچ روایات سے بعض کے متعلق کہنا درست نہیں رہا

الفاظ کا اختلاف تو وہ کوئی مضر نہیں چنانچہ قاری صاحب کے ہی بڑے اور بزرگ علامہ شوق صاحب نیموی حنفی آثار السنن کی تعلیق میں حضرت سفیان ثوری کی سند سے کئی ایک روایات درج کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

”وَاَمَّا مَا زَعَمَ الدَّارَقُطْنِيُّ مِنْ اَنَّ جَمَاعَةً مِنْ اَصْحَابِ وَكِيْعٍ لَمْ يَقُوْلُوْا هٰكَذَا فَبَاطِلٌ اَيْضًا لِاَنَّهُ مَرَّ آنِفًا اَنَّ اَحْمَدَ وَاَبَابَكْرِ بْنَ اَبِيْ شَيْبَةَ رَوَيَاهُ عَنْ وَكِيْعٍ وَقَالَا فِيْهِ: فَلَمْ يَرْفَعْ يَدَيْهِ اِلَّا مَرَّةً وَهٰذِهِ الْكَلِمَةُ فِيْ مَعْنٰى قَوْلِهٖ: فَرَفَعَ يَدَيْهِ ثُمَّ لَمْ يَعُدْ. وَقَدْ تَابَعَهُمَا جَمَاعَةٌ عَنْ وَكِيْعٍ مِنْهُمْ عُثْمَانُ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ عِنْدَ اَبِيْ دَاوٗدَ وَهَنَّادٌ عِنْدَ التِّرْمَذِيِّ وَ مَحْمُوْدُ بْنُ غَيْلَانَ عِنْدَ النِّسَائِيِّ وَ نُعَيْمُ بْنُ حَمَّادٍ وَيَحْيَى بْنُ يَحْيٰى عِنْدَ الطَّحَاوِيِّ كُلُّهُمْ عَنْ وَكِيْعٍ وَ قَالُوْا فِيْهِ: فَلَمْ يَرْفَعْ يَدَيْهِ اِلَّا مَرَّةً اَوْ مَافِيْ مَعْنَاهُ وَاَمَّا مَا زَعَمَ الْبُخَارِيُّ وَ اَبُوْحَاتِمٍ مِنْ اَنَّ الْوَهَمَ فِيْهِ مِنْ سُفْيَانَ فَيُجَابُ عَنْهُ بِوُجُوْهٍ الخ“ (ص۱۰۵)

نیموی صاحب حنفی کی یہ عبارت صاف صاف بتلا رہی ہے کہ امام بخاری اور امام ابوحاتم رازی کا سفیان ثوری کے وہم والا قول سفیان ثوری کی ان تمام روایات سے متعلق ہے جن میں ”لم یعد“ یا اس کا ہم معنی کوئی لفظ موجود ہے اور ان روایات میں نیموی صاحب حنفی نے بذاتِ خود ابوداوٗد‘ ترمذی‘ نسائی اور طحاوی کی روایات کو بھی شمار کیا ہے لہٰذا قاری صاحب کی مندرجہ بالا بات مردود ہے۔

② ثانیاً‘ قاری صاحب کے اس قول کی بنیاد ان کی اپنی ہی دو قوسوں کے درمیان ذکر کی ہوئی قید (اس طریقہ سے) پر ہے اس لیے ان کے ذمہ ہے کہ پہلے اس قید کا ابوحاتم رازی کے کلام میں ہونا ثابت فرمائیں اور اس کے بعد اپنی مندرجہ بالا بات بنائیں تو جب بنیاد ہی ثابت نہیں تو اس پر استوار کی ہوئی بات کیونکر درست ہو سکتی ہے۔

③ ثالثاً' قاری صاحب کی یہ بات ابن ابی حاتم کے سوال میں مذکور عبارت ''ان النبی صلی الله علیه وسلم الخ'' کے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہونے پر موقوف ہے لہٰذا قاری صاحب پہلے اسے تو ثابت فرمالیں بعد میں یہ بات بھی بنالینا تو جب مدار ہی ثابت نہیں تو اس پر دائر بات کیونکر دُرست ہوسکتی ہے؟

④ رابعاً' قاری صاحب نے اس مقام پر بھی اپنی اس بات کی بنیاد ''الفاظ ملنے جلنے'' والے قاعدہ پر رکھی ہے اور پہلے آپ سن چکے ہیں کہ انہوں نے اس کی کوئی دلیل پیش نہیں فرمائی تو ان کا فرض ہے کہ پہلے اپنے اس قاعدہ کو ثابت فرمائیں پھر اس کے بعد اس قسم کی باتیں بنائیں۔

⑤ خامساً' کئی ایک حنفی بزرگوں نے بھی حافظ ابوحاتم رازی کے فیصلہ ''هـــذا حـدیـث خطـاء'' کو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ترمذی' ابوداؤد اور نسائی میں مذکور روایت سے بھی متعلق قرار دیا ہے جن سے صرف دو حنفی بزرگوں کے اسماءِ گرامی اس مقام پر ذکر کیے جاتے ہیں ❶ شوق صاحب نیموی حنفی جیسا کہ ان کے مندرجہ بالا کلام سے واضح ہے ❷ صاحب نصب الرایہ حافظ زیلعی حنفی چنانچہ انہوں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ترمذی' ابوداؤد اور نسائی کے حوالہ سے نقل کرنے کے بعد لکھا ہے:

''اِنَّ الْبُخَارِیَّ وَاَبَا حَاتِمٍ جَعَلَا الْوَهْمَ فِیْهِ مِنْ سُفْیَانَ وَابْنُ الْقَطَّانِ وَغَیْرُهٗ یَجْعَلُوْنَ الْوَهْمَ فِیْهِ مِنْ وَکِیْعٍ وَهٰذَا اخْتِلَافٌ یُؤَدِّیْ اِلٰی طَرْحِ الْقَوْلَیْنِ الخ''.

اس عبارت سے واضح ہے کہ ابوحاتم رازی کا فیصلہ ''هـذا حدیث خطاء'' سی روایت سے متعلق ہے جس روایت سے ابن القطان کا فیصلہ متعلق ہے اور قاری صاحب ہی کے رقعوں سے واضح ہو رہا ہے کہ ابن القطان کا فیصلہ حضرت عبداللہ بن

مسعود رضی اللہ عنہ کی ترمذی' ابوداؤد اور نسائی میں مذکور روایت سے بھی متعلق ہے لہٰذا ابو حاتم رازی کا فیصلہ بھی حافظ زیلعی حنفی کی مندرجہ بالا عبارت کی روشنی میں ترمذی' ابوداؤد اور نسائی والی روایت سے بھی متعلق ہو گا تو اب قاری صاحب کو چاہیے کہ وہ اپنا قول ''دیکھ لیا مولانا صاحب حال اپنا کہ بغیر تحقیق کے فرما دینا کہ فلاں یوں کہتا ہے فلاں یوں فیا للعجب'' شوق صاحب نیموی حنفی اور حافظ زیلعی حنفی پر بھی چسپاں کریں کیونکہ انہوں نے بھی حافظ ابو حاتم رازی کے فیصلہ ''هذا حديث خطاء الخ'' کو اسی روایت سے متعلق قرار دیا ہے جس روایت سے متعلق اس بندہ نے اسے قرار دیا ہے۔

⑥ سادساً' بندہ نے حافظ ابو حاتم رازی کے فیصلہ سے متعلق جو کچھ کہا وہ کوئی اپنی طرف سے نہیں کہا تھا بلکہ تلخیص کے حوالہ سے حافظ ابن حجر کی تحقیق نقل کی تھی لہٰذا یہ سب حال حافظ ابن حجر کی تحقیق کا حال ہوا اس لیے قاری صاحب اگر آپ نے تعجب کرنا ہے تو حافظ ابن حجر کی تحقیق پر تعجب کیجیے یا یوں کہیے کہ حافظ ابن حجر نے ابو حاتم رازی کے فیصلہ ''هذا حديث خطاء'' کو ترمذی' ابوداؤد اور نسائی والی روایت سے متعلق قرار نہیں دیا بات تو بابط کیجیے۔

⑦ سابعاً' قاری صاحب پہلے لکھ چکے ہیں ''تیسری روایت طحاوی میں ہے ''ان النبی صلی اللہ علیه وسلم الخ'' اس کے الفاظ جرح سے ملتے ہیں اور حضرت ابن المبارک کی جرح بھی اسی حدیث کے بارے میں ہے''۔

(قاری صاحب کا رقعہ نمبر۵ ص ۵)

نیز قاری صاحب کتاب العلل سے طحاوی والے الفاظ سے ملتے جلتے الفاظ سے روایت نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں ''تو ابو حاتم نے فرمایا (اس طریقہ سے) یہ حدیث خطا ہے'' (قاری صاحب کا رقعہ نمبر ۵ ص ۷) تو قاری صاحب کے ان دونوں بیانوں سے پتہ چل رہا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مبارک کا قول ''ولم يثبت حديث ابن مسعود الخ'' اور ابو حاتم کا قول ''هذا حديث خطاء'' دونوں ہی ان کے

نزدیک (قاری صاحب کے نزدیک) طحاوی والی روایت سے متعلق ہیں اور طحاوی والی روایت قاری صاحب کے نزدیک بھی خطاء اور غیر ثابت ہے ورنہ ان دو بزرگوں کے فیصلوں کو طحاوی والی روایت سے متعلق قرار دینے کا انہیں فائدہ؟ کیونکہ ان کے فیصلوں کو نہ ماننے والی بات تو وہ ان کے دوسری روایات سے متعلق ہونے کی صورت میں بھی کہہ سکتے ہیں۔ یہ سب کچھ کہنے اور تسلیم کرنے کے بعد قاری صاحب ہی لکھتے ہیں ''لیکن امام ابو حاتم کا نرا وہم ہے اور یہ حدیث بھی اپنے[1] مقام صحیح ہے'' (قاری صاحب کا رقعہ نمبر ۵ ص ۹) تو قاری صاحب ہی اپنے اس بیان میں طحاوی والی روایت کو صحیح کہہ رہے ہیں جبکہ پہلے وہ خود ہی حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کے فیصلہ ''ولم یثبت حدیث ابن مسعود الخ'' کو طحاوی والی روایت سے متعلق کہہ کر اس طحاوی والی روایت کے غیر ثابت ہونے کو تسلیم فرما چکے ہیں تو دیکھ لیا قاری صاحب حال اپنا فیاللعجب۔

⑧ ثامناً' قاری صاحب لکھتے ہیں ''تو مولانا صاحب میں نے وہ حدیث پیش کی تھی جس میں عبداللہ بن مسعودؓ نے حضورؐ کی نماز کا نقشہ پڑھ کر دکھایا تھا'' (ان کا رقعہ نمبر ۵ ص ۹) بندہ وہ روایت آپ کے سامنے رکھ دیتا ہے جس کو قاری صاحب نے اپنے پہلے رقعہ میں پیش کیا تھا چنانچہ ملاحظہ ہو وہ خود ہی لکھتے ہیں ''عن عبداللہ بن مسعود قال الا اصلی لکم[1] صلاۃ رسول اللہؐ فصلی ولم یرفع یدیہ[2] الا فی اول مرۃ'' یہ روایت ترمذی ج ۱ ص ۶۴ اور طحاوی ج ۱ ص ۱۱۰ اور مسند احمد ج ۱ ص ۴۴۲۰ میں مذکور ہے الخ'' (قاری صاحب کا رقعہ نمبر ۱ ص ۱) تو قاری صاحب کا اپنے پہلے رقعہ میں طحاوی کا حوالہ بھی پیش کرنا اس بات کا بین ثبوت ہے کہ انہوں نے طحاوی والی روایت بھی پیش کی تھی تو اب

---

[1] یہ لفظ قاری صاحب کے رقعہ میں اسی طرح ہیں۔۱۲ منہ

قاری صاحب کا ''میں نے وہ حدیث پیش کی تھی الخ'' کہہ کر طحاوی والی روایت کے پیش کرنے سے انکار و فرار کیسا اور کیوں؟ اللہ تعالیٰ سے خود بھی تو ڈرونا۔

⑨ تاسعاً' قاری صاحب کا اپنے پہلے رُقعہ میں ترمذی والی روایت نقل کر کے طحاوی کا حوالہ بھی ذکر فرمانا اس بات کی بین دلیل ہے کہ انہوں نے اپنے پہلے رُقعہ میں ترمذی اور طحاوی والی روایتوں کو ایک ہی روایت اور حدیث قرار دیا ہے لہٰذا جو تضعیف روایت کے فیصلے طحاوی والی روایت سے متعلق ہوں گے وہ تمام کے تمام فیصلے ترمذی والی روایت سے متعلق بھی ہوں گے کیونکہ وہ دونوں روائتیں قاری صاحب کے پہلے رقعہ کے مطابق دراصل ایک ہی روایت ہیں لہٰذا حضرت عبداللہ بن مبارک کا فیصلہ ''ولم یثبت حدیث ابن مسعود الخ'' اور حافظ ابو حاتم رازی کا فیصلہ ''هذا حديث خطاء'' دونوں ہی ترمذی' ابوداؤد اور نسائی والی روایت سے بھی متعلق ہیں۔

⑩ عاشراً' آپ لوگوں نے دیکھ لیا کہ قاری صاحب جب حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث کی تصحیح و تحسین پر گفتگو فرماتے ہیں تو پھر وہ ترمذی' ابوداؤد اور طحاوی والی روایتوں کو ایک ہی روایت قرار دیتے ہیں اور امام ترمذی رحمہ اللہ کے حسن اور ابن حزم کے صحیح کہنے کو ان سب پر چسپاں کرتے ہیں اور جوں ہی وہ حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ کے فیصلہ ''ولم یثبت حدیث ابن مسعود الخ'' نیز حافظ ابو حاتم رازی رحمہ اللہ کے فیصلہ ''هذا حديث خطاء'' پر پہنچتے ہیں تو پھر طحاوی والی روایت کو جدا اور ترمذی' ابوداؤد اور نسائی والی روایت کو جدا بنا دیتے ہیں آیا انصاف اور اللہ تعالیٰ کا ڈر اسی کا نام ہے؟ کہیں بات یہی تو نہیں کہ پہلی صورت ان کے مذہب کے موافق اور دوسری ان کے مذہب کے مخالف ہے؟

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سے متعلق امام بخاری، امام احمد بن حنبل اور امام یحییٰ بن آدم رحمۃ اللہ علیہم کا فیصلہ

بندہ نے اپنے پہلے رقعہ میں حافظ ابن حجر کی مشہور و معروف کتاب تلخیص کے حوالہ سے لکھا تھا ''وَقَالَ اَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ وَشَيْخُهُ يَحْيَى بْنُ آدَمَ: هُوَ ضَعِيْفٌ نَقَلَهُ الْبُخَارِيُّ عَنْهُمَا وَتَابَعَهُمَا عَلٰى ذَالِكَ'' امام احمد بن حنبل اور ان کے استاذ حضرت یحییٰ بن آدم دونوں فرماتے ہیں ''وہ روایت ضعیف ہے'' امام بخاریؒ نے ان دونوں بزرگوں کا یہ فیصلہ ان دونوں سے نقل فرمایا اور اس فیصلہ پر ان دونوں کی متابعت و موافقت کی''۔ (میرا رقعہ نمبر ۱ ص ۴)

اس کو پڑھ کر قاری صاحب بڑے جوش و غضب سے لکھتے ہیں ''امام احمد بن حنبلؒ اور ان کے استاد یحییٰ بن آدم اس[1] حدیث پر جرح نہیں کی اگر ہمت کر کے مولنا[1] حافظ عبدالمنان مجھے یہ دکھلا دے صحیح حوالہ سے کہ امام احمد بن حنبل اور یحییٰ بن آدم نے اس کو ضعیف کہا ہے تو میں جھوٹا اور آپ سچے''۔ الخ (قاری صاحب کا رقعہ نمبر ۵ ص ۹)

قاری صاحب آپ کو معلوم ہے کہ بندہ نے جو کچھ امام بخاری' امام احمد بن حنبل اور امام یحییٰ بن آدم سے نقل کیا وہ تلخیص کے حوالہ سے نقل کیا تو بندہ نے حوالہ صحیح دیا ہوا ہے ورنہ آپ لکھیں کہ تیری مندرجہ بالا عبارت حافظ ابن حجر کی کتاب تلخیص میں نہیں مگر یہ بات آپ نے کہی نہ آپ آئندہ کہیں گے ان شاء اللہ تعالیٰ' کیونکہ تلخیص میں وہ عبارت موجود ہے تو جب تلخیص کے حوالہ سے بندہ کی نقل کردہ عبارت تلخیص میں موجود ہے تو پھر آپ کا فرمانا ''ان کی طرف غلط باتیں منسوب کیں'' مجھ پر نرا بہتان ہے تو آپ برائے مہربانی اپنے لفظ ''فوا اسفاً'' ''اگر ہمیں مکتب و ہمیں ملاں است' کار طفلاں تمام خواہد شد'' اور ''کون سی کون سی[1] غلطی پکڑوں خدا واسطہ دے کر کہتا ہوں

---

[1] یہ عبارت قاری صاحب کے رقعہ میں اسی طرح ہے ۱۲ منہ

کہ اللہ سے ڈرو فالی اللہ المشتکی'' اپنے اوپر ہی چسپاں کر لیجیے تو بندہ نے صحیح حوالہ اپنے پہلے رقعہ ہی میں پیش کر دیا ہوا ہے لہٰذا اپنے مندرجہ بالا بیان کی روشنی میں خود ہی سمجھ لیں آپ سچے ہیں یا......؟

ہاں تو اگر قاری صاحب فرمائیں کہ تلخیص میں تو وہ عبارت موجود ہے مگر وہ اصل کتاب نہیں حوالہ اصل کتاب کا درکار ہے تو گزارش ہے یہ کوئی قابل اعتراض بات نہیں' دیکھئے جناب نے بھی نصب الرایہ' عرف شذی اور راہِ سنت کے حوالے دیے ہوئے ہیں حالانکہ یہ تینوں کتابیں اصل نہیں ہیں البتہ یہ بات آپ کی معقول ہو سکتی تھی کہ حافظ ابن حجر نے یوں ہی تلخیص میں یہ بات لکھ دی ویسے وہ امام احمد بن حنبل اور یحییٰ بن آدم سے ثابت نہیں مگر یہ بات آپ نے ابھی تک نہیں کہی تو اگر آپ صاحب مشکوٰۃ پر ابوداوٗد کا فیصلہ نقل کرنے میں وہم کا الزام لگانے کی طرح صاحبِ تلخیص پر بھی امام احمد اور یحییٰ بن آدم کے فیصلہ تضعیف کے نقل کرنے میں وہم کا الزام لگا دیں اور صاف صاف لفظوں میں لکھ دیں کہ امام احمد اور یحییٰ بن آدم سے تلخیص میں حافظ ابن حجر کا فیصلہ تضعیف کو نقل کرنا حافظ ابن حجر کا نرا وہم ہے تو یہ بندہ ان شاء اللہ العزیز معتبر اور مستند اصل کتاب سے فیصلہ تضعیف کا امام احمد اور یحییٰ بن آدم سے ثابت ہونا پیش کر دے گا نیز وہ اصل کتاب بھی آپ کو دکھا دے گا۔ ذرا جرأت تو فرمائیں بندہ کو یقین ہے کہ اس مقام پر بھی آپ کا حال صاحبِ مشکوٰۃ پر ابوداوٗد کا فیصلہ نقل کرنے میں وہم کا بے بنیاد الزام لگانے والے حال سے مختلف نہیں ہوگا بلکہ اس مقام پر اس سے بھی کہیں زیادہ ندامت کا سامنا کرنا پڑے گا۔

بندہ نے تلخیص کے حوالہ سے امام احمد بن حنبلؒ اور امام یحییٰ بن آدمؒ کا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سے متعلق فیصلہ تضعیف نقل کرنے کے ساتھ ساتھ امام بخاری کے اسی روایت سے متعلق فیصلہ تضعیف کو بھی نقل کیا تھا لیکن قاری صاحب نے حضرت الامام بخاریؒ کے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ والی روایت سے

متعلق فیصلہ تضعیف پر ادنیٰ کلام بھی نہیں کیا تو ان کے اپنے ہی اُصول ''جب آپ ہی نے کوئی شک وشبہات اور اعتراض نہیں کیے..... لہٰذا ثابت ہوا یہ تمہارے نزدیک بھی صحیح ہے'' کے مطابق امام بخاری کا فیصلہ تضعیف تو آپ کے نزدیک بھی صحیح ٹھہرا لہٰذا ثابت ہوا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت آپ کے اس اُصول کے مطابق تمہارے نزدیک بھی ضعیف ہے۔

قاری صاحب لکھتے ہیں ''اصل بات یہ ہے مولانا صاحب یہ دلائل شوافع وغیرہ سے مانگ مانگ تم اپنا مسلک ان دلائل الخ'' (قاری صاحب کا رقعہ نمبر۵ ص ۹) اور یہی بات وہ ایک دفعہ اس سے پہلے بھی لکھ چکے ہیں چنانچہ وہ فرماتے ہیں ''مولانا صاحب یہ دلائل آپ شوافع وغیرہ کے پیش کر رہے ہیں الخ'' (ان کا رقعہ نمبر۵ ص ۷) تو قاری صاحب! یہ بات دُرست ہے کہ میں نے جتنا مواد اپنے رقعہ جات میں پیش کیا وہ شوافع وغیرہ ہی سے منقول ہے مگر آپ بتائیں آخر اس میں عیب کیا ہے؟ آپ نے بھی تو جتنا مواد اپنے رقعہ جات میں ذکر کیا وہ سارے کا سارا شوافع وغیرہ سے ہی تو منقول ہے کیونکہ آپ کے لفظ ''شوافع'' میں تو شوافع شامل ہو گئے اور آپ کے لفظ ''وغیرہ'' میں باقی سب اہل علم شامل ہو گئے وہ مالکی ہوں خواہ حنبلی، حنفی ہوں خواہ غیر حنفی اور اہل حدیث ہوں خواہ اہل الرائے تو اس سلسلہ میں جو بھی نکتہ چینی آپ مجھ پر کریں گے وہ تمام کی تمام نکتہ چینی خود بخود آپ پر بھی چسپاں ہوتی جائے گی کیونکہ آپ نے بھی جو کچھ اپنے رقعوں میں لکھا شوافع وغیرہ سے ہی مانگ مانگ کر لکھا اس لیے مجھے تو کوئی افسوس نہیں آخر افسوس کروں بھی تو کیوں؟ کہ قاری صاحب جو طعنہ مجھے دیتے ہیں وہ خود بھی اس کی لپیٹ اور زد میں آچکے ہوتے ہیں جیسا کہ آپ پہلے کئی مقامات پر ملاحظہ فرما چکے ہیں اور آئندہ بھی ملاحظہ فرمائیں گے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سے متعلق امام ابوداوٗد کا فیصلہ:

بندہ نے بحوالہ تلخیص ہی لکھا تھا ''وقال ابو داوٗد: لیس هو بصحیح'' اور

امام ابوداؤد فرماتے ہیں ''وہ روایت صحیح نہیں'' (میرا رقعہ نمبر ا ص ۴) اس کو پڑھ کر قاری صاحب فرماتے ہیں ''حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی یہ روایت ابوداؤد ص ۱۰۹ میں مذکور ہے اور اس میں لیس بصحیح کے الفاظ مذکور نہیں یہ الفاظ حضرت براء ابن عازب کی روایت کے آخر میں ہیں جو ابوداؤد ج ا ص ۱۱۰ میں مذکور ہے''۔

(قاری صاحب کا رقعہ نمبر ۵ ص ۱۱)

اہل علم کو معلوم ہے کہ ''لیس ھو بصحیح'' کے امام ابوداؤد کا فیصلہ ہونے کے لیے ان الفاظ کا سنن ابی داؤد کے کسی ایک نسخہ میں موجود ہونا بھی کافی ہے۔ اس مطلوب کی خاطر ان الفاظ کا سنن ابی داؤد کے تمام نسخوں میں مذکور ہونا کوئی ضروری نہیں البتہ قاری صاحب کو یہ حق تو حاصل ہے کہ وہ فرمائیں ''سنن ابی داؤد کے ان کے پاس موجود نسخہ میں یہ الفاظ مذکور نہیں'' مگر انہیں سنن ابی داؤد میں ہونے کی علی الاطلاق نفی کرنے نیز اس کے امام ابوداؤد کا فیصلہ ہونے کی نفی کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں کیونکہ سنن ابی داؤد کے بعض نسخوں میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کے بعد بھی مندرجہ بالا عبارت موجود ہے جیسا کہ بندہ اپنے پہلے رقعہ میں اس کی تصریح کر چکا ہے سردست سنن ابی داؤد کا ایک نسخہ ملاحظہ فرمالیں جس میں حضرت الامام ابوداؤد کا مندرجہ بالا فیصلہ ''لیس ھو بصحیح'' مذکور و مکتوب ہے چنانچہ حدیث سمیت وہ فیصلہ نیچے درج ہے۔ حضرت الامام ابوداؤد اپنی مایہ ناز کتاب سنن ابی داؤد میں لکھتے ہیں:

بَابُ مَنْ لَّمْ يَذْكُرِ الرَّفْعَ عِنْدَ الرُّكُوْعِ

۷۴۸: حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ اَبِیْ شَيْبَةَ، ثنا وَكِيْعٌ عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ عَاصِمٍ (يَعْنِي) ابْنَ كُلَيْبٍ، عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ الْاَسْوَدِ، عَنْ عَلْقَمَةَ قَالَ: قَالَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ مَسْعُوْدٍ: اَلَا اُصَلِّيْ بِكُمْ صَلَاةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ قَالَ: فَصَلّٰى فَلَمْ يَرْفَعْ يَدَيْهِ اِلَّا مَرَّةً (قَالَ

اَبُوْدَاؤُدَ هٰذَا مُخْتَصَرٌ مِنْ حَدِيْثٍ طَوِيْلٍ' وَلَيْسَ هُوَ بِصَحِيْحٍ عَلٰى هٰذَا اللَّفْظِ]. (سنن ابی داؤد ج ا ص ۱۹۹۔ مطبوع مصر)

علامت [ ] اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ان دو خطوں کے درمیان مذکور عبارت سنن ابی داؤد کے بعض نسخوں میں موجود ہے اور بعض نسخوں میں موجود نہیں بہر حال اس فیصلہ "لیس هو بصحیح" کی حضرت الامام ابوداؤد کی طرف نسبت بالکل صحیح اور درست ہے جس سے کوئی مجالِ انکار نہیں۔ یہ بندہ سنن ابی داؤد کا محولہ بالا نسخہ رقعہ رساں کے ہاتھ آپ کی خدمت میں بھیج رہا ہے تاکہ آپ بذاتِ خود حضرت الامام ابوداؤد کے فیصلہ کے سنن ابی داؤد میں موجود و مذکور ہونے کو اپنی آنکھوں سے بھی دیکھ لیں تو برائے مہربانی کتاب پہنچتے ہی مطلوبہ صفحہ نکال کر مندرجہ بالا عبارت آپ دیکھ لیں اور کتاب اسی وقت رقعہ رساں کو واپس کر دیں۔

پھر حضرت الامام ابوداؤد اور ترجمۃ الباب میں بھی اپنی اس عبارت "لیس هو بصحیح" میں مذکور فیصلہ کی طرف اشارہ فرمارہے ہیں کیونکہ ان کے ترجمۃ الباب کے لفظ ہیں "من لم یذکر الرفع عند الرکوع" جس نے رکوع والے رفع الیدین کو ذکر نہیں کیا اور واضح ہے کہ کسی شے کے ذکر کی نفی سے اس شے کی نفی نہیں ہوتی تو حضرت الامام ابوداؤد کا یہ ترجمۃ الباب اس بات کی طرف رمز ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی جو روایت صحیح ہے اس میں تو رکوع والے رفع الیدین کی نفی نہیں صرف اس میں رکوع والے رفع الیدین کا ذکر نہیں اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی جس روایت میں رکوع والے رفع الیدین کی نفی ہے ان کی وہ روایت صحیح ہی نہیں اور یہ ترجمۃ الباب سنن ابی داؤد کے تمام نسخوں میں موجود ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سے متعلق حافظ دارقطنی کا فیصلہ:

بندہ نے تلخیص کے حوالہ ہی سے لکھا تھا "وقال الدارقطنی: لم یثبت" اور دارقطنی فرماتے ہیں وہ ثابت نہیں" (میرا رقعہ نمبرا ص ۴) اس کو پڑھ کر قاری صاحب

لکھتے ہیں ''اس کا جواب مولانا صاحب اولاً تو یہ ہے کہ غیر مفسر ہے''۔

(قاری صاحب کا رقعہ نمبر ۵ ص ۱۱)

① اولاً قاری صاحب! آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ حافظ دارقطنی یہ کوئی کسی راوی پر جرح نہیں کر رہے کہ آپ اسے غیر مفسر کہہ کر ٹال دیں یہ تو انہوں نے اس روایت سے متعلق اپنے فیصلہ کا اظہار فرمایا ہے کہ وہ روایت ثابت نہیں۔

② ثانیاً' قاری صاحب! آپ نے تحسین وتصحیح کے سلسلہ میں جتنے بھی فیصلے نقل کیے وہ بھی تو تمام کے تمام غیر مفسر ہی ہیں لہٰذا آپ کے ہی غیر مفسر والے اُصول کے مطابق ان کا بھی کوئی اعتبار نہیں۔

③ ثالثاً' بات تو ہو رہی ہے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سے متعلق ''لم یثبت'' کے حافظ دارقطنی کا فیصلہ ہونے پر تو اس کے غیر مفسر ہونے سے اس ''لم یثبت'' کے حافظ دارقطنی کا فیصلہ ہونے کی نفی نہیں ہوتی البتہ اس سے ''لم یثبت'' کے حافظ دارقطنی کا فیصلہ ہونا سمجھا جاتا ہے ورنہ اسے غیر مفسر کہنے کے کیا معنیٰ؟

④ رابعاً' حافظ دارقطنی تو اپنے اس فیصلہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کے ثبوت کی نفی فرما رہے ہیں اور دلیل پیش کرنا اُصول کے لحاظ سے مدعی کے ذمہ ہوتا ہے لہٰذا آپ اور آپ کے ہمنوا حافظ دارقطنی کے فیصلہ کو غیر مفسر کہنے کی بجائے اس روایت کے ثابت ہونے کی دلیل پیش کریں۔

⑤ خامساً' صاحب آثار السنن کی اس سے قبل گزری ہوئی عبارت ''**واما مازعم الدارقطني من ان جماعة من اصحاب وكيع لم يقولوا هكذا فباطل ايضًا الخ**'' سے واضح ہے کہ حافظ دارقطنی کا فیصلہ ''**لم يثبت**'' غیر مفسر نہیں بلکہ مفسر ہے کہ انہوں نے اپنے فیصلہ ''**لم يثبت**'' کی وجہ کی تفسیر کر دی ہے رہا اس وجہ کا نادُرست ہونا تو وہ اور بات ہے اصل وجہ وہ ہے جو امام بخاری اور ابو حاتم

نے بیان فرمائی ہے۔

قاری صاحب مزید لکھتے ہیں ''تم نے ان حوالوں کی دلیلیں نہیں[1] جن میں سے ایک یہ بھی ہے لہٰذا دعویٰ بغیر دلیل کے خارج'' قاری صاحب کا رقعہ نمبر۵ ص ۱۱ قاری صاحب کی یہ بات غلط ہے دیکھئے بندہ کا رقعہ نمبر۱ میں بھی تلخیص کا حوالہ موجود ہے پھر قاری صاحب خود ہی اس کے بعد لکھتے ہیں ''مولانا صاحب یاد رہے امام دارقطنی صحیح کہتے ہیں تو جناب قاری صاحب آپ نے اس بات کا کوئی حوالہ دیا نیز اس کی کوئی دلیل پیش فرمائی ؟ نہیں ہرگز نہیں لہٰذا دعویٰ بلا دلیل خارج' پھر یہ ہے بھی غیر مفسر جبکہ ''لم یثبت'' والا فیصلہ مفسر ہے جیسا کہ تفصیل گزر چکی ہے تو قاری صاحب فرمائیں انصاف اور اللہ تعالیٰ کا ڈر اسی کو کہتے ہیں؟ تو قاری صاحب کے ذمہ ہے کہ وہ اپنے بیان ''امام دارقطنی صحیح کہتے ہیں'' کا حوالہ دیں اور اس کو امام دارقطنی سے ثابت فرمائیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سے متعلق حافظ ابن حبان کا فیصلہ:

بندہ نے اپنے پہلے رقعہ میں تلخیص ہی کے حوالہ سے لکھا تھا ''وَقَالَ ابْنُ حِبَّانَ فِي الصَّلَاةِ: هٰذَا اَحْسَنُ خَبَرٍ رُوِیَ لِاَهْلِ الْكُوفَةِ فِيْ نَفْيِ رَفْعِ الْيَدَيْنِ فِي الصَّلَاةِ عِنْدَ الرُّكُوعِ وَعِنْدَ الرَّفْعِ مِنْهُ' وَهُوَ فِي الْحَقِيقَةِ اَضْعَفُ شَيْءٍ يُعَوَّلُ عَلَيْهِ لِاَنَّ لَهُ عِلَلاً تُبْطِلُهُ'' اھ اور ابن حبان کہتے ہیں کوفیوں کے لیے نماز میں رکوع جاتے اور اس سے سر اُٹھاتے وقت رفع الیدین کی نفی میں جتنی روایات ہیں ان میں یہ روایت سب سے اچھی ہے اور درحقیقت وہ ضعیف ترین شے ہے کیونکہ اس کی کئی علتیں ہیں جو اس کے قابل احتجاج ہونے میں مانع ہیں'' (میرا رقعہ نمبر۱ ص۴) اس کو پڑھ کر قاری صاحب لکھتے ہیں ''ابن حبان کی جرح کئی وجوہ سے مردود ہے اولاً اس

---

[1] قاری صاحب کے رقعہ میں یہ عبارت اسی طرح ہے ۱۲ منہ

لیے کہ حضرت ابن مسعودؓ سے کئی سندوں سے یہ روایت مروی ہے پتہ نہیں ان کا کس سند پر اعتراض ہے"۔ (قاری صاحب کا رقعہ نمبر ۵ ص ۱۱) قاری صاحب کی یہ بات کئی ایک وجوہ کی بنا پر نا قابل قبول ہے۔

① اولاً' تو اس لیے کہ حافظ ابن حبان نے اپنے فیصلہ "وهو في الحقيقة اضعف شيء الخ" میں کسی خاص سند کی طرف کوئی ادنیٰ سا اشارہ بھی نہیں فرمایا صرف حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ والی حدیث کو ضعیف ترین شے قرار دیا ہے خواہ وہ کسی سند سے مروی ہے کیونکہ قاعدہ ہے نا "اَلْعِبْرَةُ بِعُمُوْمِ اللَّفْظِ" لہٰذا قاری صاحب کی "کس سند" والی بات بے بنیاد ہے۔

② ثانیاً' اس لیے کہ پتہ نہ ہونا قاری صاحب کا قصور ہے نہ کہ حافظ ابن حبان کا "قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَايَعْلَمُوْنَ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ" پہلے اشارہ کیا جا چکا ہے کہ حافظ ابن حبان کا فیصلہ "وهو في الحقيقة اضعف شيئ الخ" حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کی ہر سند سے متعلق ہے۔

③ ثالثاً' اس لیے کہ کسی محدث کا کسی روایت سے متعلق ضعیف یا اضعف ہونے کا فیصلہ ضروری نہیں کہ ضعفِ سند پر ہی مبنی ہو کیونکہ ضعفِ سند کے علاوہ کئی اور اُمو بھی ضعف کے اسباب ہوتے ہیں "كَمَا لَا يَخْفٰى عَلٰى مَنْ لَهٗ بَصِيْرَةٌ"۔

④ رابعاً' اس روایت کی سند "علقمة عن عبدالله بن مسعود" تو پہلے کئی دفعہ گزر چکی ہے تو علقمہ کے علاوہ دوسرے راویوں کے اس روایت کو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بیان کرنے والی سندوں کو قاری صاحب پیش فرمائیں کیونکہ وہ فرما رہے ہیں "حضرت ابن مسعودؓ سے کئی سندوں سے یہ روایت مروی ہے" نیز ان سندوں سے اس روایت کا قابل احتجاج ہونا ثابت فرمائیں ان امور کو سرانجام دیے بغیر آپ کا فرمانا پتہ نہیں ان کا کس سند الخ"

بے کار ہے۔

قاری صاحب مزید لکھتے ہیں: ''پھر یہ جرح بھی غیر مفسر ہے'' (ان کا رقعہ نمبر۵ص ۱۱) اس کے وہی چار جواب ہیں جو پہلے قاری صاحب کے حافظ دارقطنی کے فیصلے ''لم یثبت'' کو غیر مفسر کہنے پر لکھے جا چکے ہیں انہیں ایک دفعہ پھر سن لیں۔

① اوّلاً' حافظ ابن حبان نے یہ کوئی کسی راوی پر جرح نہیں کی کہ آپ اسے غیر مفسر کہہ کر ٹال دیں یہ تو انہوں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سے متعلق اپنا فیصلہ ''وھو فی الحقیقة اضعف شیئ الخ'' سنایا ہے۔

② ثانیاً' قاری صاحب! آپ نے بھی جتنے فیصلے اس روایت کی تحسین وتصحیح میں نقل فرمائے وہ سب کے سب غیر مفسر ہی تو ہیں لہٰذا وہ بھی مردود ورنہ اس مقام پر حافظ ابن حبان کے فیصلہ پر غیر مفسر والا اعتراض کیوں؟

③ ثالثاً' بات تو ہو رہی ہے ''وھو فی الحقیقة اضعف شیئ الخ'' کے حافظ ابن حبان کا فیصلہ ہونے پر اور اس کے غیر مفسر ہونے یا اسے غیر مفسر کہنے سے اس فیصلہ کے حافظ ابن حبان کا فیصلہ ہونے کی نفی نہیں ہوتی بلکہ اس بات میں اس کے حافظ ابن حبان کا فیصلہ ہونے کا اقرار واعتراف ہے۔

④ رابعاً' حافظ ابن حبان کا فیصلہ ''وھو فی الحقیقة اضعف شیئ الخ'' کے بعد اس فیصلہ کی وجہ ''لان لہ عللا تبطلہ'' بھی موجود و مذکور ہے تو ان کا یہ فیصلہ غیر مفسر نہ رہا بلکہ مفسر ہو گیا ہاں آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ حافظ ابن حبان نے ان علتوں کو اس مقام پر ذکر نہیں کیا مگر یہ کوئی قابل التفات بات نہیں کیونکہ اس روایت کی علتیں محدثین کے ہاں مشہور معروف ہیں اور ان علتوں میں وہ علت بھی شامل ہے جس کو امام بخاری اور امام ابوحاتم رازی نے بیان کیا ہے۔ نیز وہ علت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے شیخ اور اُستاذ حضرت یحییٰ بن آدم سے بھی مروی ہے۔

نیز قاری صاحب حافظ ابن حبان کے اس فیصلہ ”وھو فی الحقیقة اضعف شییء الخ“ کے مردود ہونے کی بزعم خود دوسری وجہ بیان کرتے ہیں ”علامہ احمد محمد شاکر غیر مقلد شرح ترمذی ج ۲ ص ۴۱ اور علامہ شعیب الارناء وط غیر مقلد اور علامہ محمد زہیر الشاویش دونوں تعلیقات شرح السنہ ج ۲ ص ۲۲ میں فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے“ الخ (قاری صاحب کا رقعہ نمبر ۵ ص ۱۱)

① ظاہر ہے کہ ان تین بزرگوں کے اس روایت کو صحیح کہنے سے حافظ ابن حبان کے مندرجہ بالا فیصلہ کا ان کا فیصلہ نہ ہونا ثابت نہیں ہوتا زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان تین بزرگوں نے پہلے مذکورہ بارہ ائمہ محدثین اور اس حدیث کو ناقابل احتجاج قرار دینے والے دیگر اہل علم سے اختلاف کیا ہے اور یہ معلوم ہے کہ فن حدیث و رجال میں جو مقام و مرتبہ اس روایت کو ناقابل احتجاج قرار دینے والے میرے پہلے رقعہ میں مذکور بارہ ائمہ محدثین کو حاصل ہے وہ مقام و مرتبہ ان تین بزرگوں میں سے کسی ایک کو بھی حاصل نہیں' لہٰذا ان کے مقابلہ میں ان کی تصحیح پیش کرنا سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے۔

② پھر ان تین بزرگوں کے اس روایت کو صحیح کہنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ رکوع والے رفع الیدین کو سنت نہیں سمجھتے چنانچہ جس صفحہ سے قاری صاحب نے احمد شاکر کی مندرجہ بالا عبارت نقل فرمائی اسی صفحہ پر اس عبارت کے بعد مندرجہ ذیل عبارت بھی موجود و مذکور ہے تو سنیے حضرت العلامہ احمد شاکر لکھتے ہیں ”وَلٰكِنَّهُ لَايَدُلُّ عَلٰى تَرْكِ الرَّفْعِ فِي الْمَوَاضِعِ الْاُخْرٰى لِاَنَّهُ نَفْيٌ وَالْاَحَادِيْثُ الدَّالَّةُ عَلَى الرَّفْعِ اِثْبَاتٌ وَالْاِثْبَاتُ مُقَدَّمٌ وَلِاَنَّ الرَّفْعَ سُنَّةٌ وَقَدْ يُتْرَكُهَا مَرَّةً اَوْ مِرَارًا وَلٰكِنَّ الْفِعْلَ الْاَغْلَبَ وَالْاَكْثَرَ هُوَ السُّنَّةُ وَهُوَ الرَّفْعُ عِنْدَ الرُّكُوْعِ وَعِنْدَ الرَّفْعِ مِنْهُ الخ“۔

(ترمذی مع تحقیق احمد شاکر ج ۲ ص ۴۱)

حضرت شاکر صاحب فرماتے ہیں ''لیکن یہ روایت (حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت) دوسرے مقاموں میں رفع الیدین کے ترک پر دلالت نہیں کرتی کیونکہ یہ نفی ہے۔ اور رفع الیدین کرنے پر دلالت کرنے والی احادیث اثبات ہیں اور اثبات مقدم ہوتا ہے اور اس لیے بھی کہ رفع الیدین سنت ہے اور وہ اس کو ایک دفعہ یا کئی دفعہ ترک بھی کرتے ہیں لیکن اغلب اور اکثر عمل ہی سنت ہے اور وہ ہے رکوع کرتے اور اس سے سر اُٹھاتے وقت رفع الیدین کرنا'' تو جناب دیکھا آپ نے کہ ان بزرگوں نے کتنے واضح اور واشگاف الفاظ میں رکوع والے رفع الیدین کو سنت قرار دیا ہے تو مقام غور ہے کہ قاری صاحب کو ان کے اس روایت کو صحیح کہنے والے فیصلہ کو نقل کرنے سے آخر فائدہ؟

③ رہا حضرت العلامہ احمد شاکر رحمہ اللہ صاحب کا قول ''وَمَا قَالُوْهُ فِیْ تَعْلِیْلِهٖ لَیْسَ بِعِلَّةٍ'' تو وہ ان کی اپنی رائے ہے اور ادھر دوسرے محدثین اپنی بیان کردہ علتوں کو علتیں قرار دیتے ہیں۔ چاہیے تو یہ تھا کہ وہ ان علتوں کو ذکر کرتے اور بادلائل ثابت کرتے کہ ان میں کوئی ایک علت بھی واقع میں علت بننے کے قابل نہیں مگر اس مقام پر انہوں نے ایسا نہیں کیا ہم قاری صاحب سے پوچھتے ہیں کہیں ان کا ''غیر مفسر'' والا اعتراض اس مقام پر بھی تو وارد نہیں ہو رہا؟

قاری صاحب کا ایک مشورہ اور اس کا حال:

مندرجہ بالا تین بزرگوں کا مندرجہ بالا فیصلہ نقل کرنے کے بعد قاری صاحب لکھتے ہیں ''مولانا صاحب اگر کوئی حوالہ پیش کرنا ہو تو پہلے اپنے بڑوں کی طرف بھی نظر کر لیا کرو میرا یہ مشورہ ہے گر قبول افتد زہے عز و شرف''۔ (قاری صاحب کا رقعہ نمبر ۵ ص ۱۱)

① اولاً' قاری صاحب! بندہ کا کوئی ایک ہی حوالہ پیش فرما دیں جس کی ان تین بزرگوں میں سے کسی ایک ہی نے تغلیط اور تردید کی ہو باقی ان تین بزرگوں کا پہلے مذکور بارہ ائمہ محدثین کے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ والی روایت کو ناقابل

احتجاج قرار دینے سے اتفاق نہ کرنا میرے کسی ایک حوالہ کی بھی تغلیط وتردید نہیں ہے۔

② ثانیاً' بندہ نے آپ کے اس مشورہ کو پہلے ہی سے مدنظر رکھا ہوا ہے اسی لیے تو میں نے اپنے پہلے رقعہ میں لکھا ''تو محترم امجد صاحب! قاری صاحب نے جن ائمہ محدثین سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ والی روایت کا قابل احتجاج ہونا نقل فرمایا ان کے نام اور ان کی تعداد آپ کے سامنے ہے جن سے ابن القطان کی تصحیح کا حال بھی آپ کو معلوم ہو چکا ہے اب یہ بھی یاد رکھئے کہ اس روایت کو ضعیف اور نا قابل احتجاج قرار دینے والے ائمہ محدثین بہت ہی زیادہ ہیں جن سے بارہ کے اسماءِ گرامی مع حوالہ اوپر گزر چکے ہیں'' (میرا رقعہ نمبرا ص ۵) میری اس عبارت کو غور سے پڑھیں آپ پر واضح ہو جائے گا کہ میں نے تو شروع ہی سے اپنے بڑوں کو مدنظر رکھا ہے لہٰذا قاری صاحب کا میری اس قسم کی عبارات کو پڑھ کر یہ مشورہ دینا غمازی کرتا ہے کہ وہ بندہ کی اس قسم کی عبارات کو سمجھے ہی نہیں یا پھر تجاہل عارفانہ سے کام لے رہے ہیں۔ اس سلسلہ میں بندہ کی ایک اور عبارت ملاحظہ فرمالیں۔ چنانچہ میرے پہلے رقعہ ہی میں لکھا ہے ''یہ تو قاری صاحب کے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سے استدلال کا پہلا جواب تھا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی یہ روایت بہت سارے ائمہ محدثین کے ہاں سرے سے قابل احتجاج ہی نہیں'' (میرا رقعہ نمبرا ص ۷) کیوں جی قاری صاحب! آپ نے دیکھ لیا کہ بندہ نے اس روایت پر کلام کرتے ہوئے اپنے بڑوں کو ملحوظ رکھا ہوا ہے اور بات چیت کے آغاز سے لے کر اب تک ان کو مدنظر رکھا ہوا ہے مشورہ دیتے وقت بھی اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی ضرورت ہے تو صرف دوسروں کو ہی اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی تلقین نہ کرو خود بھی تو اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔

③ ثالثاً قاری صاحب! آپ تو مقلد ہیں اس لیے آپ پر تو اپنے بڑوں کی طرف نظر کر لینا بہت ہی ضروری ٹھہرانا لیکن آپ نے مجھے تو یہ مشورہ دے دیا مگر خود اپنے اس مشورہ پر عمل نہ کیا۔ دیکھئے آپ کے بڑے حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ، حضرت مولانا عبدالحی صاحب حنفی لکھنوی' حضرت مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی' علامہ سندھی حنفی اور ان کے علاوہ آپ کے کئی اور بڑے رکوع والے رفع الیدین کو غیر منسوخ قرار دے چکے ہیں تو بتائیں آپ نے رفع الیدین کے نسخ کا دعویٰ کرتے وقت یا اس کے بعد اپنے ان بڑوں کی طرف نظر کی؟ پھر پہلے گزر چکا ہے کہ آپ کے ہی بڑے علامہ ماردینی حنفی اور حافظ زیلعی حنفی نے حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کے فیصلہ "ولم یثبت حدیث ابن مسعود الخ" کو ترمذی والی روایت سے بھی متعلق قرار دیا نیز آپ کے بڑے حافظ زیلعی حنفی اور علامہ شوق صاحب نیموی حنفی نے حضرت الامام ابو حاتم رازی کے فیصلہ "ھذا حدیث خطاء الخ" کو بھی ترمذی والی روایت سے بھی متعلق ٹھہرایا تو پھر کیا آپ نے حضرت عبداللہ بن مبارک اور حضرت ابوحاتم رازی کے مندرجہ بالا فیصلوں کو صرف طحاوی والی روایت سے متعلق کہنے میں اپنے ان بڑوں کی طرف نظر فرمائی؟ پھر آپ بندہ کے پہلے رقعہ میں پڑھ چکے ہیں کہ آپ کے ہی بڑے ملا علی قاری حنفی اور میرک شاہ حنفی نے "لیس ھو بصحیح" کو حضرت الامام ابوداؤد کا فیصلہ قرار دینے میں صاحب مشکوٰۃ کی تصدیق وتائید کی ہے تو پھر کیا آپ نے اس کو صاحب مشکوٰۃ کا وہم کہنے میں اپنے ان بڑوں کی طرف نظر کی؟ تو الغرض آپ اپنے ہی بڑے حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری' حضرت مولانا عبدالحی لکھنوی حنفی' حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی' علامہ سندھی حنفی' علامہ ماردینی حنفی' حافظ زیلعی حنفی' علامہ شوق صاحب نیموی حنفی' ملا علی قاری حنفی' علامہ میرک شاہ حنفی اور دیگر ان کے

ہمنوا حنفی بزرگوں اور بڑوں کی آراء اور ان کے فیصلہ جات کو نظر انداز فرما کر کس منہ سے دوسروں کو مشورہ دیتے ہیں ''اپنے بڑوں کی طرف نظر کر لیا کرو'' اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَ تَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ الخ.

④ رابعاً' اگر قاری صاحب فرمائیں کہ ''میں واقعی ہوں تو مقلد ہی مگر میں ان بڑوں کا تو مقلد نہیں بلکہ میں تو صرف ایک ہی بہت بڑے حضرت الامام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مقلد ہوں'' تو پھر ان سے کہا جائے گا ہم بھی تو بڑوں کے مقلد نہیں۔ آپ تو ہمیں کہتے اور لکھتے ہی غیر مقلد ہو اس کے باوجود آپ نے ہمیں اپنے بڑوں کی طرف نظر کرنے کا مشورہ دیا ہے تو کیا پھر ہم آپ کو تمہارے اپنے بڑوں کی طرف نظر کرنے کا مشورہ نہیں دے سکتے؟ خواہ آپ ان کے مقلد نہ ہی ہوں۔ پھر آپ اپنے آپ کو اپنے ایک بہت بڑے حضرت الامام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مقلد تو سمجھتے اور کہتے ہی ہیں اس لیے آپ کو آپ کے اپنے ہی ایک بہت بڑے حضرت الامام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرف نظر کرنے کا مشورہ دینے میں تو ہم پر کسی قسم کا کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا تو سنیئے قاری صاحب! کیا نسخ رفع الیدین کا دعویٰ کرتے وقت یا اس کے بعد آپ نے اپنے ہی بہت بڑے حضرت الامام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرف نظر کی؟ آپ کے رقعہ جات شاہد ہیں کہ آپ نے آج تک نسخ رفع الیدین کے سلسلہ میں اپنے بہت بڑے حضرت الامام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرف بالکل کوئی نظر نہیں کی ورنہ آپ کم از کم کسی ایک جگہ ہی لکھ دیتے کہ ''میرے والا دعویٰ ''منسوخیت رفع الیدین'' ہمارے بہت بڑے حضرت الامام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول بھی ہے'' بالخصوص جبکہ مقلد کے لیے قول امام کے سوا اور کوئی چیز مستند ہی نہیں مگر آج تک ''منسوخیتِ رفع الیدین'' کے بہت بڑے حضرت الامام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہونے کو دلائل سے ثابت کرنا تو درکنار آپ تو ''منسوخیتِ رفع الیدین'' کو بہت بڑے حضرت الامام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہونا

تک بھی کہہ سکے نہ لکھ سکے خیر کوئی بات نہیں معنی با معنی اب ہی ہمت فرما کر اس مسئلہ میں نیز اپنے دیگر مسائل مثلاً نماز کی امامت اور قرآن مجید کی تعلیم پر مال وصول کرنے میں اپنے بہت بڑے حضرت الامام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرف بھی نظر فرمالیں یہ میرا مشورہ ہے گر قبول افتدز ہے عز و شرف۔

قاری صاحب فرماتے ہیں ''علامہ شبیر احمد عثمانی فتح الملہم ج ۲ ص ۱۳ میں لکھتے ہیں کہ ہمیں تو ان علتوں کے بارے میں کوئی علم نہیں ہو سکا شاید یہ علت ہو کہ یہ حدیث ان کے مذہب کے خلاف ہے''۔ (قاری صاحب کا رقعہ نمبر ۵ ص ۱۱)

① اولاً' اگر واقعی علامہ شبیر احمد عثمانی کو ان علتوں کے بارے میں کوئی علم نہیں ہو سکا تو بھلا اس میں ان محدثین کا کیا قصور جن کو ان علتوں کے بارے میں علم ہو گیا؟ قصور تو صرف اسی کا ہے جس کو علم نہیں ہو سکا۔

وَمَنْ عَلِمَ حُجَّةٌ عَلٰی مَنْ لَّمْ یَعْلَمْ وَمَنْ حَفِظَ حُجَّةٌ عَلٰی مَنْ لَّمْ یَحْفَظْ

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: قُلْ ھَلْ یَسْتَوِی الَّذِیْنَ یَعْلَمُوْنَ وَالَّذِیْنَ لَایَعْلَمُوْنَ.

② ثانیاً' پھر حضرت العلامہ شبیر احمد عثمانی کا قول: ''شاید یہ علت ہو الخ'' ان کی طرف سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کو ضعیف' معلول اور غیر ثابت قرار دینے والے حضرت عبداللہ بن مبارک' حضرت الامام احمد بن حنبل' حضرت الامام یحیٰی بن آدم' حضرت الامام بخاری' حضرت الامام ابوداؤد' حضرت الامام ابوحاتم رازی' حضرت الامام دارقطنی' حضرت الامام ابن حبان' حضرت الامام دارمی' حضرت الامام بیہقی رحمۃ اللہ علیہم اور دیگر کئی ایک محدثین کی نیت اور دیانت پر بڑا گھناؤنا حملہ ہے جس کی ان بے چاروں کے پاس کوئی ایک دلیل بھی نہیں جیسا کہ ان کا اپنا ہی لفظ ''شاید'' بتا رہا ہے۔ اگر اس بات کی کوئی دلیل ان کے پاس ہوتی تو وہ ہرگز ''شاید'' کا لفظ استعمال نہ فرماتے۔

﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا کَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ﴾ الخ

③ ثالثاً' اہل علم کو معلوم ہے کہ اہل رائے اپنے مسلک کے دلائل ان مذکور اور غیر مذکور اہل حدیث ہی کی کتب سے پیش کرتے ہیں۔ نیز محدثین اپنے مذہب کے بظاہر خلاف احادیث کی تحسین و تصحیح بھی فرماتے ہیں جیسا کہ اس پوری بات چیت سے بھی یہ بات عیاں اور واضح ہے اور اگر معاملہ ویسا ہی ہوتا جیسا کہ علامہ عثمانی تاثر دے رہے ہیں تو پھر صورتِ حال اس کے برعکس ہوتی تو حضرت العلامہ شبیر احمد عثمانی کا یہ قول ''شاید یہ علت ہو کہ یہ حدیث ان کے مذہب کے خلاف ہے'' ان محدثین پر نرا بہتان ہے۔

④ رابعاً' اگر جواب ایسی ہی بے سروپا باتوں کا نام ہو تو پھر دوسرے بھی کہہ دیں گے ''شاید شبیر احمد عثمانی اور ان کے ہمنوا دیگر حنفی بزرگ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کو صرف اور صرف اس لیے صحیح یا حسن کہتے ہیں کہ یہ روایت ان کے مذہب کے موافق ہے'' تو جس طرح حنفی لوگ اس بات کو بڑی شدومد سے بے بنیاد قرار دیں گے بعینہٖ اسی طرح بلکہ اس سے بھی بڑھ کر علامہ شبیر احمد عثمانی کی مذکورہ بات سراسر واقع کے خلاف' محض بے بنیاد اور نری غلطی ہے۔

⑤ خامساً' اگر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کو صحیح یا حسن تسلیم کر بھی لیا جائے تو بھی وہ روایت مذکور بارہ محدثین اور ان کے ہمنوا دیگر اہل حدیث کے مذہب کے خلاف نہیں ہے کیونکہ وہ تمام کے تمام رفع الیدین کو سنت سمجھ کر اس پر عمل کرتے ہیں اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت رکوع والے رفع الیدین کے سنت ہونے کے خلاف ہے نہ منافی جیسا کہ پہلے منقول احمد شاکر کے بیان سے واضح ہے اور آئندہ بھی اس پر روشنی ڈالی جائے گی لہٰذا حضرت عثمانی صاحب کی بات سراسر غلط اور ان مذکورِ محدثین کے مذہب نیز اس روایت میں تدبر نہ کرنے کا نتیجہ ہے تو قاری صاحب ان پانچ اُمور کو ذہن نشین فرما کر غور کریں کیا علامہ شبیر احمد عثمانی نے یہ بات کہی اور آپ نے ان سے نقل کی تو اللہ تعالیٰ سے ڈر کر؟

ملحوظ

اس عنوان کے تحت بندہ نے لکھا تھا ''قاری صاحب نے عرف شذی کے حوالہ سے لکھا ہے ''وصححه ابن القطان الخ''مگر درایہ برحاشیہ ہدایہ (ج ا ص ۱۱۲) میں لکھا ہے:

''وَقَالَ ابْنُ الْقَطَّانِ: هُوَ عِنْدِيْ صَحِيْحٌ اِلَّاقَوْلِهٖ: ثُمَّ لَايَعُوْدُ فَقَدْ قَالُوْا: اِنَّ وَكِيْعًا كَانَ يَقُوْلُهَا مِنْ قَبْلِ نَفْسِهٖ'' اھ

جس سے صاف ظاہر ہے کہ ابن القطان جملہ ''ثم لایعود''کو صحیح نہیں سمجھتے اس لیے صاحب عرف شذی کا بلا استثناء''صححه ابن القطان''لکھنا درست نہیں چنانچہ معارف السنن میں نیل الفرقدین سے التقاطاً اور اختصاراً نقل کرتے ہوئے حضرت بنوری لکھتے ہیں۔''فَابْنُ الْقَطَّانِ فِيْ كِتَابِ الْوَهْمِ وَالْإِيْهَامِ صَحَّحَ الْحَدِيْثَ بِاللَّفْظِ الْاَوَّلِ وَاَعَلَّ بِلَفْظِ ثُمَّ لَايَعُوْدُ الخ'' (ج ۲ ص ۸۳ ع) (مبارا رقعہ نمبرا ص ۴٬۵)

اس کو پڑھ کر قاری صاحب لکھتے ہیں''امام وکیع جب ثقہ ہیں تو ثقہ کی زیادت قابل اعتبار ہے نیز انہوں نے اس روایت کو صحیح سمجھ کر عمل کر کے چار چاند لگا دیے ہیں نیز امام وکیع اس زیادت کے نقل کرنے میں متفرد نہیں بلکہ حضرت ابن المبارک ''ثم لایعود''نقل کرتے ہیں''۔ (قاری صاحب کا رقعہ نمبر۵ ص ۱۳)

① اولاً' بندہ کی مندرہ بالا عبارت کا حاصل یہ ہے کہ صاحب عرف شذی کا بلا استثناء صححه ابن القطان لکھنا درست نہیں کیونکہ صاحب عرف شذی کو بذاتِ خود اعتراف ہے کہ جملہ ''ثم لایعود''کو ابن القطان صحیح نہیں سمجھتے (معارف السنن' نیل الفرقدین) تو اب قاری صاحب کا فرض تھا کہ بلا استثناء صححه ابن القطان کا دُرست ہونا ثابت فرماتے مگر ان کی مندرجہ بالا عبارت گواہ ہے کہ وہ اس سلسلہ میں ایک حرف بھی نہیں لکھ سکے۔ حتیٰ کہ انہوں نے بلا استثناء

صححه ابن القطان کو دہرانے کی جرأت تک بھی نہیں کی اور جو کچھ انہوں نے لکھا ہے اس سے ایک حرف بھی بلا استثناء صححه ابن القطان کے درست ہونے پر دلالت نہیں کرتا تو بلا شبہ صاحب عرف شذی کا بلا استثناء صححه ابن القطان لکھنا ابن القطان پر بہتان ہے۔ تو قاری صاحب ذرا توجہ فرمائیں کہ دوسروں کی طرف غلط باتیں کون منسوب کر رہا ہے؟ پھر کسی کی طرف منسوب کی ہوئی غلط بات کو بلا تحقیق کون نقل کر رہا ہے؟

② ثانیاً' قاری صاحب کا قول ''امام وکیع جب ثقہ ہیں تو ثقہ کی زیادت قابل اعتبار ہے'' محل نظر ہے کیونکہ جملہ ''ثم لایعود'' حضرت وکیع بن جراح کی زیادت کے باب سے نہیں بلکہ ان کے ادراج کے باب سے ہے جیسا کہ ابن القطان کی درایہ میں نقل کردہ عبارت ''فقد قالوا: ان وکیعا کان یقولها من قبل نفسه'' سے واضح ہے رہا حضرت سفیان کے کچھ دوسرے شاگردوں کا بھی اس جملہ کو ذکر کرنا تو وہ وکیع کے ادراج کی نفی کرتا ہے نہ ہی وہ اس کے منافی ہے۔

③ ثالثاً' چند منٹ کے لیے ہم تسلیم کر لیتے ہیں کہ جملہ ''ثم لایعود'' حضرت وکیع کی زیادت کے باب سے ہی ہے لیکن ثقہ کی زیادت کا مقبول ہونا کوئی قاعدہ کلیہ نہیں چنانچہ اُصول حدیث میں اس کی تفصیل موجود ہے تو قاری صاحب کا فرمانا ''ثقہ کی زیادت قابل اعتبار ہے'' علی الاطلاق دُرست نہیں۔

④ رابعاً' قاری صاحب کا قول ''نیز انہوں نے الخ'' بھی نادرست ہے کیونکہ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ جملہ ''ثم لایعود'' وکیع صاحب کا ادراج ہے لہٰذا ان کا عمل اس روایت پر عمل نہ رہا۔

⑤ خامساً' قاری صاحب نے حضرت وکیع کے اس روایت کو صحیح سمجھنے کی کوئی دلیل پیش نہیں کی لہٰذا دعویٰ بلا دلیل خارج۔

⑥ سادساً' اگر قاری صاحب فرمائیں کہ حضرت وکیع کا اس روایت کے موافق عمل

کرنا ان کے اس روایت کو صحیح سمجھنے کی دلیل ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ حضرت وکیع کا عمل اس روایت پر عمل نہیں تھوڑی دیر کے لیے ہم مان لیتے ہیں کہ ان کا عمل اس روایت پر ہی عمل ہے لیکن کسی امام یا راوی کے عمل یا قول کا کسی روایت کے موافق ہونا اس روایت کے اس امام یا راوی کے نزدیک صحیح یا حسن ہونے کی دلیل نہیں جیسا کہ علوم الحدیث لابن الصلاح' تدریب الراوی اور دیگر کتبِ اصول حدیث میں لکھا ہے تو چار چاند والی بات کا حال بھی آپ نے ملاحظہ فرمالیا۔

⑦ سابعاً' قاری صاحب کا قول ''امام وکیع اس زیادت کے نقل کرنے میں متفرد نہیں الخ'' بھی محل نظر ہے کیونکہ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ یہ وکیع کا ادارج ہے نہ کہ ان کی زیادت اور قاری صاحب کا قول زیادتِ وکیع پر مبنی ہے تو جب بنیاد ہی ثابت نہیں تو اس پر دیوار کیسے تعمیر ہو باقی ابن مبارک وغیرہ کا اس جملہ کو ذکر کرنا ادراجِ وکیع کے منافی نہیں جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے۔

⑧ ثامناً' جو ابن مبارکؒ جملہ ''ثم لا یعود'' نقل کرتے ہیں وہی ابن مبارکؒ ''لم یثبت حدیث ابن مسعود الخ'' بھی تو فرماتے ہیں تو ابن مبارک کا ''ثم لا یعود'' کو نقل کرنا تو اس کے ان کے اپنے ہاں ثابت ہونے کی بھی دلیل نہیں چہ جائے کہ ان کا یہ نقل کرنا کسی دوسرے کے ہاں اس کے ثابت ہونے کی دلیل ہو جبکہ ان کا ''لم یثبت حدیث ابن مسعود الخ'' فرمانا اس روایت کے ان کے ہاں ثابت نہ ہونے کی دلیل ہے۔

⑨ تاسعاً' ہم تسلیم کر لیتے ہیں کہ جملہ ''ثم لا یعود'' وکیع کی زیادت ہے اور وہ اسے بیان کرنے میں متفرد بھی نہیں لیکن ان سے اوپر والے راوی حضرت سفیان ثوری تو اس کو بیان کرنے میں متفرد ہیں۔ پھر امام بخاری' امام ابوحاتم اور دیگر اہل علم اس کو حضرت سفیان ثوری کا وہم بھی قرار دے چکے ہیں۔

شوق صاحب نیموی حنفی اور حافظ زیلعی حنفی کے جواب کا رد:

شوق صاحب نیموی حنفی آثار السنن کی تعلیق میں لکھتے ہیں:

وَاَمَّا مَا زَعَمَ الْبُخَارِیُّ وَ اَبُوْحَاتِمٍ مِنْ اَنَّ الْوَهَمَ فِيْهِ مِنْ سُفْيَانَ فَيُجَابُ عَنْهُ بِوُجُوْهٍ اَحَدُهَا اِنَّ مَا رَوَاهُ ابْنُ اِدْرِيْسَ فَهُوَ حَدِيْثٌ آخَرُ يَدُلُّ عَلَيْهِ اخْتِلَافُ سِيَاقِهِمَا وَثَانِيْهَا اِنَّ سُفْيَانَ اَحْفَظُ مِنِ ابْنِ اِدْرِيْسَ وَقَدْ قَالَ الْحَافِظُ فِی التَّقْرِيْبِ فِیْ تَرْجَمَةِ سُفْيَانَ: ثِقَةٌ حَافِظٌ اِمَامٌ حُجَّةٌ. اِنْتَهٰی فَمَعَ وُثُوْقِهٖ وَحِفْظِهٖ وَ اِمَامَتِهٖ لَايَضُرُّ مُخَالَفَةُ ابْنِ اِدْرِيْسَ لَهٗ وَ ثَالِثُهَا اِنَّ هٰذِهٖ زِيَادَةٌ وَالزِّيَادَةُ مِنَ الثِّقَةِ الْحَافِظِ الْمُتْقِنِ مَقْبُوْلَةٌ وَاَجَابَ عَنْهُ الْعَلَّامَةُ الزَّيْلَعِیُّ فِیْ نَصْبِ الرَّايَةِ بِاَنَّ الْبُخَارِیَّ وَاَبَاحَاتِمٍ جَعَلَا الْوَهَمَ فِيْهِ مِنْ سُفْيَانَ وَابْنُ الْقَطَّانِ وَغَيْرُهٗ يَجْعَلُوْنَ الْوَهَمَ فِيْهِ مِنْ وَكِيْعٍ وَهٰذَا اخْتِلَافٌ يُؤَدِّیْ اِلٰی طَرْحِ الْقَوْلَيْنِ وَالرُّجُوْعِ اِلٰی صِحَّةِ الْحَدِيْثِ لِوُرُوْدِهٖ عَنِ الثِّقَاتِ" اھ (ص ۱۰۵، ۱۰۶)

وَالْجَوَابُ عَنِ الْاَوَّلِ اَنَّ كَلَامَ النِّيْمَوِیِّ نَفْسَهٗ قُبَيْلَ هٰذَا يَدُلُّ عَلٰی اَنَّ حَدِيْثَ هَنَّادٍ عِنْدَ التِّرْمِذِیِّ وَحَدِيْثَ نُعَيْمِ ابْنِ حَمَّادٍ وَ يَحْيَی بْنِ يَحْيٰی عِنْدَ الطَّحَاوِیِّ حَدِيْثٌ وَاحِدٌ مَعَ اَنَّ فِیْ سِيَاقِهِمَا اَيْضًا اِخْتِلَافًا فَظَهَرَ اَنَّ كُلَّ اخْتِلَافٍ فِی السِّيَاقِ لَايَدُلُّ عَلٰی تَعَدُّدِ الْحَدِيْثِ. ثُمَّ اِنَّ الْبُخَارِیَّ وَاَبَاحَاتِمٍ وَغَيْرَهُمَا كَيَحْيَی ابْنِ آدَمَ يَجْعَلُوْنَ حَدِيْثَ ابْنِ اِدْرِيْسَ وَحَدِيْثَ سُفْيَانَ وَاحِدًا مَعَ عِلْمِهِمْ بِاخْتِلَافِ السِّيَاقِ الَّذِیْ اَشَارَ اِلَيْهِ النِّيْمَوِیُّ وَكُلُّ وَاحِدٍ مِنْ هٰؤُلَاءِ اَعْرَفُ بِالْفَنِّ وَخَبَايَاهُ مِنْ اَمْثَالِ النِّيْمَوِیِّ وَعَنِ الثَّانِیْ اَنَّهٗ لَمْ يَاْتِ بِمَا يَدُلُّ عَلٰی اَنَّ سُفْيَانَ كَانَ اَحْفَظَ مِنِ ابْنِ اِدْرِيْسَ سَلَّمْنَا اَنَّ سُفْيَانَ

اَحْفَظُ مِنِ ابْنِ اِدْرِیْسَ لٰکِنْ نَقُوْلُ: اِنَّ الْبُخَارِیَّ هُنَا لَمْ یَجْعَلِ ابْنَ
اِدْرِیْسَ اَحْفَظَ مِنْ سُفْیَانَ بَلْ اِنَّمَا جَعَلَ کِتَابَ ابْنِ اِدْرِیْسَ عَنْ
عَاصِمِ بْنِ کُلَیْبٍ اَحْفَظَ مِنْ سُفْیَانَ فَقَدْ نَقَلَ النِّیْمَوِیُّ عَیْنَهٗ کَلَامُ
الْبُخَارِیِّ وَفِیْهِ: لِاَنَّ الْکِتَابَ اَحْفَظُ عِنْدَ اَهْلِ الْعِلْمِ فَاِنَّ الرَّجُلَ
یُحَدِّثُ بِشَیْءٍ ثُمَّ یَرْجِعُ اِلَی الْکِتَابِ الخ وَمَا نَقَلَ مِنْ تَقْرِیْبِ
الْحَافِظِ لَایَثْبُتُ بِهٖ اِنَّ سُفْیَانَ اَحْفَظُ مِنَ الْکِتَابِ بَلْ لَایَثْبُتُ بِهٖ اِنَّ
سُفْیَانَ اَحْفَظُ مِنِ ابْنِ اِدْرِیْسَ' فَمَعَ وُثُوْقِ سُفْیَانَ وَحِفْظِهٖ وَاِمَامَتِهٖ
یَضُرُّ مُخَالَفَةُ کِتَابِ ابْنِ اِدْرِیْسَ لَهٗ وَعَنِ الثَّالِثِ اِنَّ کُلَّ زِیَادَةٍ زَادَهَا
الثِّقَةُ الْحَافِظُ الْمُتْقِنُ لَاتَکُوْنُ مَقْبُوْلَةً کَمَا تَحَقَّقَ فِیْ مَوْضِعِهٖ.
وَیُجَابُ عَنْ کَلَامِ الزَّیْلَعِیِّ اَوَّلًا بِاَنَّ طَرْحَ الْقَوْلَیْنِ اَوِ الْاَقْوَالِ اِنَّمَا
یَکُوْنُ حَیْثُ تَسَاوِی الْقَوْلَیْنِ اَوِ الْاَقْوَالِ فِی الْقُوَّةِ' وَالتَّسَاوِیُ
لَایُوْجَدُ هٰهُنَا فَاِنَّ مَاذَهَبَ اِلَیْهِ الْبُخَارِیُّ وَاَبُوْحَاتِمٍ وَغَیْرُهُمَا هُوَ
الْاَقْوٰی وَالْاَرْجَعُ' فَلَیْسَ هٰذَا الْاِخْتِلَافُ مِمَّا یُؤَدِّیْ اِلٰی طَرْحِ
الْقَوْلَیْنِ الخ وَثَانِیًا بِاَنْ لَایُجَابُ الْاِخْتِلَافُ الطَّرْحَ شَرْطًا آخَرَ وَهُوَ
عَدَمُ اِمْکَانِ الْجَمْعِ وَلَایُوْجَدُ هٰهُنَا لِاَنَّ الْجَمْعَ هٰهُنَا مُمْکِنٌ بِاَنْ
یُقَالُ اِنَّ وَکِیْعًا وَسُفْیَانَ کِلَیْهِمَا قَدُوْهِمَا وَاَصْلُهٗ مِنْ سُفْیَانَ وَثَالِثًا
بِاَنَّ مَقْصُوْدَ ابْنِ الْقَطَّانِ وَغَیْرِهٖ اَنَّ وَکِیْعًا قَالَ ثُمَّ لَایَعُوْدُ بَعْدَ بَیَانِ
الْحَدِیْثِ بِدُوْنِهٖ فَهُوَ مِنْ بَابِ الْاِدْرَاجِ وَیَدُلُّ عَلٰی ذَالِکَ کَلَامُ ابْنِ
الْقَطَّانِ الَّذِیْ ذَکَرْنَاهُ قَبْلُ فَلَا اخْتِلَافَ بَیْنَ ابْنِ الْقَطَّانِ وَغَیْرِهٖ وَ
بَیْنَ الْبُخَارِیِّ وَاَبِیْ حَاتِمٍ وَغَیْرِهِمَا فِیْ جَعْلِ الْوَهْمِ مِنْ وَکِیْعٍ اَوْمِنْ
سُفْیَانَ فَلَا اخْتِلَافَ فَلَا طَرْحَ وَرَابِعًا بِاَنَّ اخْتِلَافَ الرُّوَاةِ فِیْ ذِکْرِ
ثُمَّ لَایَعُوْدُ اَوْ مَا فِیْ مَعْنَاهُ وَ عَدَمِ ذِکْرِهٖ اِخْتِلَافٌ یُؤَدِّیْ اِلٰی طَرْحِ

ثُبُوتِ ثُمَّ لَایَعُوْدُ اَوْمَا فِیْ مَعْنَاهُ فِی الْحَدِیْثِ وَخَامِسًا بِاَنَّ مُجَرَّدَ وُرُوْدِ الْحَدِیْثِ عَنِ الثِّقَاتِ لَایَسْتَدْعِیْ صِحَّتَهٗ وَلَاحُسْنَهٗ.

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سے متعلق حفاظ دارمی بیہقی' بزار اور ابن عبدالبر کے فیصلے

بندہ نے اپنے پہلے رقعہ میں لکھا تھا: ''حافظ ابن القیم تہذیب السنن میں لکھتے ہیں: ''وَضَعَّفَهُ الدَّارِمِیُّ وَالدَّارَقُطْنِیُّ وَالْبَیْهَقِیُّ'' اوراس روایت کوامام دارمی' امام دارقطنی' اورامام بیہقی نے ضعیف کہا۔ نیز مرعاۃ المفاتیح میں ہے ''وَقَالَ الْبَزَّارُ لَایَثْبُتُ وَلَا یُحْتَجُّ بِمِثْلِهٖ. وَقَالَ ابْنُ عَبْدِالْبَرِّ: هُوَ مِنْ آثَارٍ مَّعْلُوْلَةٍ ضَعِیْفَةٍ عِنْدَ اَهْلِ الْعِلْمِ'' ۱۰ھ (ج ۲ص ۳۲۳) حافظ بزار فرماتے ہیں وہ ثابت نہیں اور نہ ہی اس جیسی روایت سے احتجاج کیا جاتا ہے اور حافظ ابن عبدالبر فرماتے ہیں وہ اہل علم کے نزدیک معلول اور ضعیف روایات سے ہے'' (میرارقعہ نمبر ۱ص ۵)

قاری صاحب نے پہلے فرمایا تو تھا ''اب ترتیب واران کے جوابات سنیئے'' (ان کا رقعہ نمبر ۵ص ۷) مگراس مندرجہ بالا عبارت کے جواب میں انہوں نے ایک لفظ بھی نہیں لکھا شاید وہ اپنے ''غیر مفسر'' والے جواب کو ہی اس کا بھی جواب سمجھتے ہوں تو آپ کو یاد ہونا چاہیے کہ ان کے ''غیر مفسر'' والے جواب کا ردِ کئی مرتبہ پوری وضاحت سے لکھا جاچکا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کو نا قابل احتجاج قرار دینے والے ائمہ محدثین کے اسماءِ گرامی

اس بندہ نے اپنے پہلے رقعہ میں لکھا تھا ''تو محترم امجد صاحب! قاری صاحب نے جن ائمہ محدثین سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ والی روایت کا قابل احتجاج ہونا نقل فرمایا ان کے نام اور ان کی تعداد آپ کے سامنے ہے جن سے ابن القطان کی تصحیح کا حال بھی آپ کو معلوم ہو چکا ہے۔ اب یہ بھی یاد رکھئے کہ اس روایت کو

ضعیف اور نا قابل احتجاج قرار دینے والے ائمہ محدثین بہت ہی زیادہ ہیں جن میں سے بارہ کے اسماءِ گرامی سے حوالہ اوپر گزر چکے ہیں آپ ایک مرتبہ پھر ان کے ناموں پر نگاہ ڈال لیجیے۔ تو سنیے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ والی روایت کو نا قابل احتجاج قرار دینے والے ائمہ محدثین میں حضرت الامام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد رشید حضرت عبداللہ بن مبارکؒ، حضرت الامام احمد بن حنبلؒ، حضرت الامام احمدؒ کے شیخ اور اُستاد حضرت یحییٰ بن آدمؒ، امام بخاریؒ، امام ابوداوٗدؒ، امام ابوحاتمؒ، حافظ دار قطنیؒ، حافظ ابن حبانؒ، امام دارمیؒ، امام بیہقیؒ، حافظ بزارؒ، اور حافظ ابن عبدالبرؒ کے اسماءِ گرامی سرفہرست ہیں''۔ (میرا رقعہ نمبر ۱ ص ۵)

ان ائمہ محدثین کے فیصلہ جات پر قاری صاحب کی طرف سے وارد کردہ اعتراضات سے ہر ایک اعتراض کا رد پہلے تفصیل سے لکھا جا چکا ہے تو خلاصہ کلام یہ ہے کہ یہ مذکور بالا بارہ محدثین اور دیگر بہت سے اہل علم حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ والی روایت کو نا قابل احتجاج قرار دے چکے ہیں لہٰذا اس روایت سے قاری صاحب کا اپنے مدعیٰ پر استدلال نادرست ہے۔

صاحب مشکوٰۃ پر ایک وہم کے الزام کی حقیقت:

اس عنوان کے تحت بندہ نے اپنے پہلے رقعہ میں لکھا تھا ''صاحبِ مشکوٰۃ اپنی شہرۂ آفاق کتاب مشکوٰۃ المصابیح میں حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ والی زیرِ بحث روایت کو ترمذی' ابوداوٗد اور نسائی کے حوالہ سے نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں ''وقال ابوداؤد: لیس هو بصحيح على هذا المعنى'' یعنی امام ابوداوٗد فرماتے ہیں کہ ''وہ روایت اس معنی پر صحیح نہیں'' اس پر مشکوٰۃ کے ایک محشی فرماتے ہیں ''یہ صاحبِ مشکوٰۃ کا وہم ہے کیونکہ ابوداوٗد کی سنن میں یہ لفظ نہیں ہے'' ہمارے قاری صاحب نے بھی اسی خیال کا اظہار فرمایا ہے مگر معلوم ہونا چاہیے کہ اس مقام پر صاحب مشکوٰۃ کی طرف وہم کی نسبت بجائے خود ایک وہم ہے کیونکہ صاحبِ مشکوٰۃ اس فیصلہ کو امام

ابوداؤد کا فیصلہ قرار دینے میں متفرد اور اکیلے نہیں چنانچہ آپ اوپر پڑھ چکے ہیں کہ حافظ ابن حجر بھی "لیس ھو بصحیح" کو ابوداؤد کا فیصلہ قرار دے چکے ہیں۔ پھر امام شوکانی نیل الاوطار میں لکھتے ہیں "وتصریح ابی داؤد بانہ لیس بصحیح" نیز صاحب عون المعبود کا بیان ہے کہ "میرے پاس ابوداؤد کے دو پرانے نسخے ہیں جن میں یہ لفظ بھی موجود ہیں"۔ (میرا رقعہ نمبر ا ص ۶،۵)

اس کو پڑھ کر قاری صاحب لکھتے ہیں "اصل بات یہ ہے کہ مولانا صاحب پریشانی میں پڑ گئے ہوں گے کہ صاحبِ مشکوٰۃ کا وہم ہاں مولانا صاحب تحقیق کے میدان میں ایسا ہی ہوتا ہے آپ تو ایک پڑھ کر پریشان ہو رہے ہیں جبکہ صاحبِ مشکوٰۃ کے اوہام کثیرہ ہے[1] تفصیل کی اب گنجائش نہیں ویسے چلتے چلتے ایک دو ملاحظہ فرمالیجیے' اس کے بعد انہوں نے صاحبِ مشکوٰۃ کے دو وہم: ❶ بصوتہ الاعلی؛ ❷ امرأتہ بیان کیے ہیں۔ (قاری صاحب کا رقعہ نمبر ۵ ص ۱۳)

① اوّلاً پریشانی والی بات قاری صاحب کا بندہ پر صریح بہتان ہے۔ میری عبارت ملاحظہ فرمالیں اس میں کوئی ایک لفظ بھی آپ کو نہیں ملے گا جو میری پریشانی پر دلالت کرے ہاں میری عبارت میں آپ کو یہ ضرور پتہ چلے گا کہ قاری صاحب کا صاحبِ مشکوٰۃ پر وہم والا الزام ان کے رقعہ کو پڑھنے سے پہلے ہی بندہ کو معلوم تھا تو پھر پریشانی کیوں اور کیسی؟ نیز میری عبارت صاحبِ مشکوٰۃ کے "لیس ھو بصحیح" کو ابوداؤد کا فیصلہ قرار دینے کے وہم نہ ہونے پر دلائل سے بھری پڑی ہے اور ان دلائل سے کسی ایک دلیل کا بھی قاری صاحب نے جواب نہیں دیا اور نہ ہی دیں گے ان شاء اللہ تعالیٰ' تو آپ خود غور فرمائیں کہ یہ صورتِ حال قاری صاحب کے لیے پریشانی کا باعث ہے یا میرے لیے؟ کسی

---

[1] یہ لفظ قاری صاحب کے رقعہ میں اسی طرح ہے ۱۲ منہ

نے سچ کہا "اَلْمَرْءُ یَقِیْسُ عَلٰی نَفْسِہٖ" پھر آپ ذرا قاری صاحب کے لفظ "پڑ گئے ہوں گے" پر تھوڑا سا ہی تدبر کر لیں تو واضح ہو جائے گا کہ وہ خود پریشانی میں مبتلا خواہ مخواہ ہی یہ بات بنا رہے ہیں جس کی کوئی دلیل اور شہادت ان کے پاس موجود نہیں قاری صاحب! خود بھی تو اللہ تعالیٰ سے ڈرو صرف دوسروں کو ہی وعظ نہ کرو۔

② ثانیاً' میری عبارت پر غور کرنے سے واضح ہو رہا ہے کہ اس میں صاحبِ مشکوٰۃ سے مطلقاً اور اصلاً وہم سرزد ہونے کی نفی نہیں صرف ان کے "لیس هو بصحیح" کو ابوداؤد کا فیصلہ قرار دینے میں ان سے وہم سرزد ہونے کی نفی ہے چنانچہ آپ بندہ کے پہلے رقعہ میں مذکور عنوان پر ہی نظر فرما لیں اس میں بھی "ایک وہم" کا لفظ موجود ہے۔ پھر نیچے عبارت میں بھی "اس مقام" کا لفظ مذکور ہے اس لیے قاری صاحب کا قول "آپ تو ایک پڑھ کر پریشان ہو رہے ہیں جبکہ صاحبِ مشکوٰۃ کے اوہام کثیرہ الخ" بندہ پر بہتان ہونے کے ساتھ ساتھ اصل بات سے بے ربط اور بے جوڑ بھی ہے۔

③ ثالثاً' صاحبِ مشکوٰۃ کے اوہام کثیرہ والی بات کو چند منٹ کے لیے ہم تسلیم کر لیتے ہیں مگر اس سے یہ کیسے ثابت ہو گیا کہ صاحبِ مشکوٰۃ کا "لیس هو بصحیح" کو ابوداؤد کا فیصلہ قرار دینا ان کا وہم ہے اور ایسے ہی "بصوته الا علی" اور "امرأته" کو صاحبِ مشکوٰۃ کے وہم تسلیم کر لینے کی صورت میں بھی "قال ابوداؤد: لیس هو بصحیح" الخ کا صاحبِ مشکوٰۃ کا وہم ہونا ہرگز ہرگز ثابت نہیں ہوتا تو صاحبِ مشکوٰۃ کے اوہام کثیرہ کو "قال ابوداؤد: لیس هو بصحیح الخ" کے صاحبِ مشکوٰۃ کا وہم ہونے کی دلیل بنانا قاری صاحب کا نرا وہم ہے۔

④ رابعاً' قاری صاحب کی اسی اوہام کثیرہ اور چلتے چلتے ایک دو ملاحظہ کرنے والی

دلیل کو سامنے رکھ کر اگر کوئی صاحب اسی مقام پر صاحبِ مشکوٰۃ کے قول ”رواہ الترمذی وابوداؤد والنسائی“ کو ان کا وہم کہنا شروع کر دیں تو قاری صاحب کو تو بتقاضائے انصاف ان صاحب کی یہ بات قبول کرنا ہو گی مگر وہ اسے ہرگز قبول نہیں کریں گے کیونکہ یہ روایت ان تین کتابوں میں موجود ہے تو اسی طرح ”لیس ھو بصحیح“ بھی ابوداؤد میں موجود ہے گو اس کے تمام نسخوں میں موجود نہیں پھر صاحبِ مشکوٰۃ نے اس کو امام ابوداؤد کا فیصلہ قرار دیا ہے۔ یہ دعویٰ نہیں کیا کہ امام ابوداؤد کی یہ عبارت ان کی سنن کے تمام نسخوں میں موجود ہے اور کسی فیصلہ کے امام ابوداؤد کا فیصلہ ہونے کے لیے اس فیصلہ کا سنن ابی داؤد کے تمام نسخوں میں موجود ہونا کوئی ضروری نہیں اگر وہ کسی ایک نسخہ میں بھی مل جائے تو وہ امام ابوداؤد کا فیصلہ قرار دیا جائے گا۔

⑤ خامساً' قاری صاحب! آپ نے ”بصوته الا علىٰ“ اور ”امرأته“ کے صاحب مشکوٰۃ کے وہم ہونے پر بہت سے حوالے نقل کیے ہیں خواہ وہ تمام کے تمام آپ نے ”راہِ سنت“ ہی سے لیے ذرا سوچ سمجھ کر بتائیں ”قال ابوداؤد: لیس ھو بصحیح“ الخ کے صاحبِ مشکوٰۃ کا وہم ہونے پر آپ نے کسی ایک ہی عالم اور بزرگ کا (خواہ وہ حنفی ہی ہو) کوئی ایک ہی حوالہ بھی دیا؟ خواہ وہ ”راہِ سنت“ ایسی کتاب ہی سے ہو نہیں ہرگز نہیں۔ چلو اب ہی کسی مستند و معتمد علیہ محدث خواہ وہ حنفی ہی کیوں نہ ہو کا کوئی ایک ہی حوالہ پیش فرما دیں کہ ”لیس ھو بصحیح“ حضرت الامام ابوداؤد کا فیصلہ نہیں' تاکہ بات تو بار بط ہو جائے اگر آپ کو یہ منظور نہ ہو تو کم از کم کسی قابل اعتماد عالم خواہ وہ حنفی ہی ہو سے اتنی بات ہی نقل کر دیں کہ عبارت ”لیس ھو بصحیح“ سنن ابی داؤد کے کسی ایک نسخہ میں بھی موجود نہیں تاکہ آپ کے کلام کا موضوع گفتگو سے تو کچھ تعلق قائم ہو جائے۔

صاحب مشکوٰۃ کے حق میں حافظ ابن عبدالبر کی شہادت:

حافظ ابن حجر' قاضی شوکانی' اور صاحب عون المعبود کے صاحب مشکوٰۃ کی "لیس ھو بصحیح" کو امام ابوداؤد کا فیصلہ قرار دینے میں تائید کرنے والے بیانات تو آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں اب حافظ ابن عبدالبر کا صاحبِ مشکوٰۃ کی اس امر میں تائید کرنے والا بیان بھی پڑھ لیں چنانچہ تحفۃ الاحوذی میں ہے "قَالَ الْحَافِظُ ابْنُ عَبْدِالْبَرِّ فِي التَّمْهِيْدِ: وَاَمَّا حَدِيْثُ ابْنِ مَسْعُوْدٍ اَلَا اُصَلِّيْ بِكُمْ صَلَاةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَصَلّٰى فَلَمْ يَرْفَعْ يَدَيْهِ اِلَّا مَرَّةً. فَاِنَّ اَبَادَاؤُدَ قَالَ: هٰذَا حَدِيْثٌ مُخْتَصَرٌ مِنْ حَدِيْثٍ طَوِيْلٍ وَلَيْسَ بِصَحِيْحٍ عَلٰى هٰذَا الْمَعْنٰى" (تحفۃ الاحوذی ج۱ص۲۲۰) یہ سمجھ کہ قاری صاحب کہہ سکتے ہیں کہ "لیس ھو بصحیح" کو امام ابوداؤد کا فیصلہ قرار دینے والے مذکور بالا ائمہ محدثین میں سے کوئی ایک بھی حنفی نہیں کوئی حنفی بزرگ اس کو ابوداؤد کا فیصلہ قرار دے تو پھر میں مانوں۔ ویسے قاری صاحب اور دیگر مقلدین حنفی ایسے موقعوں پر اپنے بڑوں کی بھی چھوڑ دیا کرتے ہیں جیسا کہ آپ اس سے پہلے قاری صاحب کے ہی ایک مشورہ پر کلام میں ملاحظہ فرما چکے ہیں اور آئندہ بھی ملاحظہ فرمائیں گے۔ بندہ نے اپنے پہلے رقعہ ہی میں دو حنفی بزرگوں کی صاحبِ مشکوٰۃ کے حق میں شہادتیں بھی نقل کر دی تھیں تو میری وہ عبارت مع عنوان ملاحظہ ہو۔

ملا علی قاری حنفی اور علامہ میرک حنفی کی صاحبِ مشکوٰۃ کے حق میں شہادت:

ملا علی قاری حنفی شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں "(وَقَالَ اَبُوْدَاؤُدَ: لَيْسَ هُوَ بِصَحِيْحٍ عَلٰى هٰذَا الْمَعْنٰى) يَعْنِيْ وَاِنْ كَانَ سَنَدُهٗ صَحِيْحًا لِاَنَّ غَيْرَ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَوٰى عَنْهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ الرَّفْعَ عِنْدَ الرُّكُوْعِ وَالْاِعْتِدَالِ وَالْقِيَامِ مِنَ التَّشَهُّدِ الْاَوَّلِ" ١٠ھ (ج ٢ص ٢٦٩) ملا علی قاری حنفی فرماتے ہیں کہ ابوداؤد کے اس فیصلہ کا مقصود یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت گو سنداً صحیح ہے معنیٰ صحیح

نہیں کیونکہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے غیر نے رکوع جاتے اور اس سے سیدھا کھڑا ہوتے وقت اور پہلے تشہد سے اُٹھ کر رفع الیدین کرنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے۔

تو ملا علی قاری حنفی کا صاحب مشکوٰۃ کے ابوداؤد سے نقل کردہ فیصلہ کی مندرجہ بالا توجیہ اور تشریح کرنا صاف صاف بتا رہا ہے کہ ملا علی قاری حنفی اس فیصلہ کو ابوداؤد کا فیصلہ تسلیم کرتے ہیں ورنہ وہ بھی ہمارے قاری صاحب زید مجدہ کی طرح فرما دیتے ''یہ صاحبِ مشکوٰۃ کا وہم ہے'' پھر ملا علی قاری حنفی ہی اس کے بعد لکھتے ہیں ''قَالَ مِیْرَکُ: فِیْهِ نَظَرٌ لِاَنَّهٗ لَیْسَ فِیْ سُنَنِ اَبِیْ دَاؤُدَ عَلٰی هٰذَا الْمَعْنٰی' وَاِنَّمَا فِیْهِ لَیْسَ بِصَحِیْحٍ فَقَطْ'' اھ (حوالہ مذکور) علامہ میرک حنفی فرماتے ہیں ''اس میں نظر ہے کیونکہ لفظ ''علی ھذا المعنی'' سنن ابی داؤد میں نہیں ہیں۔ سنن ابی داؤد میں تو صرف ''لیس بصحیح'' کے لفظ ہیں'' تو علامہ میرک حنفی نے شہادت دے دی کہ لفظ ''لیس بصحیح'' (حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت صحیح نہیں) امام ابوداؤد کی کتاب سنن میں موجود ہیں (فائدہ) علامہ میرک حنفی کے ریمارک سے پتہ چلا کہ ملا علی قاری حنفی کی تشریح ''وان کان سندہ صحیحا لان عبد الخ'' واقع کے مطابق ہے نہ ہی وہ ابوداؤد کی مراد میں شامل ہے کیونکہ اس کی بنیاد لفظ ''علی ھذا المعنی'' ہی تو ہے۔

تو دونوں حنفی بزرگ ملا علی قاری اور علامہ میرک بھی دیگر اہل علم کی طرح ''لیس بصحیح'' کے ابوداؤد کا فیصلہ ہونے میں صاحب مشکوٰۃ کے ساتھ ہیں تو ثابت ہوا کہ اس مقام پر ''لیس بصحیح'' کو امام ابوداؤد کا فیصلہ قرار دینے میں صاحب مشکوٰۃ سے تو کوئی وہم سرزد نہیں ہوا البتہ ان پر اس جگہ وہم کا الزام لگانے والے خود ضرور بالضرور وہم یا ایہام میں مبتلا ہیں۔ یاد رہے کسی لفظ کے ابوداؤد کا لفظ ہونے کے لیے ضروری نہیں کہ وہ ابوداؤد کی کتاب کے تمام نسخوں میں موجود ہو بلکہ اس کا کسی

ایک نسخہ میں موجود ہونا بھی کافی ہے جیسا کہ اہل علم اس کو خوب جانتے ہیں''۔

(میرا رُقعہ نمبر ا ص ۶' ۷)

قاری صاحب اس مندرجہ بالا عبارت کو پڑھ کر لکھتے ہیں ''مولانا صاحب یہ جوابوداؤد کا فیصلہ ملا علی قاری حنفی یا علامہ میرک حنفی کا فیصلہ ہے بقول شما' یعنی صحیح نہیں اس معنی پر' تو مولانا صاحب احتمال رکھتا ہے کہ مراد نہ صحیح ہونا ساتھ اس طریق خاص کے ہوئے پس ضرر نہیں کرتا بیچ صحت حدیث کے''۔ (قاری صاحب کا رقعہ نمبر ۵ ص ۱۵)

① اوّلاً' قاری صاحب! آپ نے دعویٰ کیا تھا کہ **''قال ابوداؤد: لیس هو بصحیح الخ''** صاحبِ مشکوٰۃ کا وہم ہے اور آپ نے اپنے اس دعویٰ کی دلیل بزعم خود یہ دی کہ یہ عبارت ابوداؤد میں نہیں تو اس پر بندہ نے متعدد دلائل وشواہد سے ثابت کیا کہ یہ عبارت ابوداؤد میں ہے گو اس کے بعض نسخوں میں نہیں چنانچہ اس سلسلہ میں آپ حافظ ابن حجر' حافظ ابن عبدالبر' ملا علی قاری حنفی' علامہ میرک حنفی اور دیگر اہل علم کی شہادتیں اور ان کے بیانات سن چکے ہیں۔ پھر قاری صاحب بندہ کی طرف سے صاحبِ مشکوٰۃ کے حق میں پیش کردہ شہادتوں میں سے کسی ایک شہادت کی بھی تردید نہیں کر سکے تو ان حالات میں انصاف اور اللہ تعالیٰ سے ڈر کا تو تقاضا تھا کہ قاری صاحب **''قال ابوداؤد: لیس هو بصحیح الخ''** کو صاحبِ مشکوٰۃ کا وہم بنانے والا دعویٰ واپس لیتے اور اپنی اس غلطی سے توبہ کرتے مگر اس مبنی بر انصاف چیز کو بالائے طاق رکھتے ہوئے قاری صاحب ''بقول شما'' کہہ کر اپنے اس بے بنیاد اور غلط دعویٰ پر اڑنے کی طرف اشارہ فرما رہے ہیں جبکہ وہ خود ہی اس سے قبل اپنے اس واقع کے خلاف بات پر اڑنے کو واضح لفظوں میں بھی لکھ چکے ہیں چنانچہ وہ فرماتے ہیں ''حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی یہ روایت ابوداؤد ج ا ص ۱۰۹ میں مذکور ہے اور اس میں **''لیس بصحیح''** کے الفاظ مذکور نہیں'' الخ (ان کا رقعہ نمبر ۵ ص ۱۱) تو قاری

صاحب! آپ کے پاس موجود ایک نسخہ میں یہ لفظ نہ ہونے سے ان لفظوں کے تمام نسخوں میں ہونے کی نفی نہیں ہوتی تو قصہ مختصر آپ اپنا دوٹوک فیصلہ لکھیں کہ ''لیس بصحیح الخ'' کو امام ابوداوٗد کا فیصلہ قرار دینے میں صاحب مشکوٰۃ' حافظ ابن حجر' حافظ ابن عبدالبر' ملا علی قاری حنفی' اور علامہ میرک حنفی سچے ہیں یا نہیں؟ جواب ہاں یا نہ میں دیں۔ اِدھر اُدھر کی باتیں نہ بنائیں۔ نیز فرمائیں کہ اتنی شہادتوں کو ملاحظہ کرنے کے بعد آپ نے لفظ ''بقول شما'' اللہ تعالیٰ سے ڈر کر استعمال فرمایا ہے؟

② ثانیاً' اگر اب بھی تسلی نہیں ہوئی تو پھر جامع ازہر کے مدرس محمد محی الدین عبدالحمید کی تعلیق کے ساتھ مصر میں چھپے ہوئے ابوداوٗد کے نسخہ کو ملاحظہ فرمالیں۔ اس میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کے بعد لفظ ''وقال ابوداؤد: هذا مختصر من حديث طويل وليس هو بصحيح على هذا اللفظ'' بھی مذکور ہیں۔ اس حوالہ کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے اسی کو ملاحظہ فرمائیں' سردست اتنی بات یاد رکھیں کہ یہ عبارت اس محولہ بالا نسخہ کے باب ''من لم يذكر الرفع عند الركوع'' حدیث نمبر ۷۴۸' جلد اوّل ص ۱۹۹ میں مذکور ہے۔

③ ثالثاً' قاری صاحب کا قول ''احتمال رکھتا ہے مراد نہ صحیح ہونا الخ'' پر غور کریں اور حضرت الامام ابوداوٗد کے مندرجہ بالا فیصلہ ''لیس بصحیح الخ'' کو بھی سامنے رکھیں' اور سوچیں آیا قاری صاحب کے اس قول میں کوئی جان ہے کیونکہ حضرت الامام ابوداوٗد کے اس فیصلہ میں طریق خاص کی طرف کوئی ادنیٰ اشارہ بھی نہیں۔ ہاں ''هذا اللفظ'' اس میں موجود ہیں اور ''هذا اللفظ'' سے ''هذا الطريق'' مراد لینا بالکل غلط ہے۔ پھر قاری صاحب کا اپنا ہی لفظ ''احتمال'' بتا رہا ہے کہ قاری صاحب نے یہ بات محض اٹکل پچو سے کہی ہے۔ اس احتمال کی کوئی اک بلکہ آدھی دلیل بھی ان کے پاس موجود نہیں۔ قاری صاحب خود بھی تو اللہ

تعالیٰ سے ڈرونا۔ پہلے تو آپ "لیس ھو بصحیح" کو ابوداؤد کا فیصلہ تسلیم ہی نہیں کرتے تھے۔ اب اس کی تاویل بلکہ تحریف کر رہے ہیں۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ اب آپ نے "لیس بصحیح" کے ابوداؤد کا فیصلہ ہونے کو تسلیم فرما لیا ہے ورنہ آپ کو یہ تاویل بلکہ تحریف کرنے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔

④ رابعاً' تھوڑی دیر کے لیے ہم اگر ان کی یہ طریق خاص والی بات تسلیم کر لیں تو پھر یہ روایت ابوداؤد کے اس طریق خاص سے تو قاری صاحب کے نزدیک بھی غیر صحیح ٹھہرے گی حالانکہ قاری صاحب خود ہی اپنے پہلے رقعہ میں اس روایت کو ترمذی' ابوداؤد' طحاوی اور مسند احمد کے حوالہ سے نقل کر کے اسے حسن اور صحیح قرار دے چکے ہیں تو قاری صاحب نے ابوداؤد والے طریق سے اس روایت کو اپنے پہلے رُقعہ میں تو حسن اور صحیح سمجھا اور اب وہ خود ہی اپنے پانچویں رقعہ میں اسی روایت کو ابوداؤد والے طریق ہی سے غیر صحیح بنا رہے ہیں۔ وانما یوخذ بالآخر فالآخر.

⑤ خامساً' ابوداؤد والا طریق یہ ہے "وکیع عن سفیان عن عاصم بن کلیب عن عبدالرحمن ابن الاسود عن علقمة" پھر ترمذی' طحاوی اور مسند احمد والی روائتیں بھی اسی طریق سے ہی مروی ہیں تو ابوداؤد کے اس فیصلہ کو اس طریق کے ساتھ خاص کرنے سے ترمذی' طحاوی اور مسند احمد والی روایتوں کا صحیح نہ ہونا بھی ثابت ہو گیا۔ تو فرمائیے صاحب! آپ کی یہ تاویل بلکہ تحریف صحتِ حدیث میں مضر ٹھہری یا نہ؟ اُدھر قاری صاحب نے اپنے پہلے رُقعہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کرنے کے بعد ترمذی' طحاوی' ابوداؤد اور مسند احمد کا ہی حوالہ دیا ہوا ہے اور ان چاروں کی روایت ان کے اس "احتمال" کی رو سے بھی صحیح نہ رہی تو واضح ہو گیا کہ قاری صاحب کی طرف سے اپنے پہلے رُقعہ میں پیش کردہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت صحیح نہیں۔

قاری صاحب لکھتے ہیں ''دوسری بات یہ کہ غیر مفسر ہے الخ'' (قاری صاحب کا رقعہ نمبر۵ ص ۱۵) بات تو ہو رہی ہے کہ ''لیس ھو بصحیح'' امام ابوداؤد کا فیصلہ ہے یا نہیں؟ صاحبِ مشکوٰۃ' حافظ ابن حجر' حافظ ابن عبدالبر' ملاعلی قاری حنفی' علامہ میرک حنفی اور دیگر اہل علم کہتے ہیں کہ وہ امام ابوداؤد کا فیصلہ ہے قاری صاحب کا خیال ہے کہ نہیں تو ذرا سوچ سمجھ کر بتائیے کہ حضرت الامام ابوداؤد کے فیصلہ ''لیس ھو بصحیح'' کو قاری صاحب کے ''غیر مفسر'' کہنے سے ان کا مدعیٰ ''وہ ابوداؤد کا فیصلہ نہیں'' ثابت ہو جائے گا؟ نہیں ہرگز نہیں بلکہ ان کے اسے ''غیر مفسر'' قرار دینے میں تو اس کے ابوداؤد کا فیصلہ ہونے کو تسلیم کر لینا پایا جاتا ہے جو قاری صاحب کے صاحبِ مشکوٰۃ پر وہم والے فتویٰ کے سراسر منافی ہے۔ اگر قاری صاحب اپنی خاص طریق والی اور غیر مفسر والی باتوں کو دُرست قرار دیں تو پھر ان کا صاحبِ مشکوٰۃ پر وہم والا فتویٰ غلط' اور اگر وہ اپنے صاحبِ مشکوٰۃ پر وہم والے فتویٰ کو دُرست فرمائیں تو پھر ان کی طریق خاص اور غیر مفسر والی دونوں باتیں غلط' تو قاری صاحب کی طریق خاص اور غیر مفسر والی اور ان کے صاحبِ مشکوٰۃ پر وہم کے فتویٰ والی دونوں باتوں سے ایک بات تو لامحالہ غلط اور نا دُرست ہے یہ بات تو ہم نے قاری صاحب کے بیانات کی روشنی میں کی ہے ورنہ ہمارے نزدیک تو قاری صاحب کی یہ دونوں باتیں بے بنیاد' غلط' واقع کے خلاف اور ان سے ایک تو سراسر بہتان ہے جیسے کہ تفصیل آپ پہلے سن چکے ہیں۔ نیز قاری صاحب کی غیر مفسر والی بات کو پہلے کئی دفعہ کئی وجوہ سے رد کیا جا چکا ہے۔ ان وجوہ کو سابقہ صفحات میں ایک مرتبہ پھر سے پڑھ لیں کیونکہ ان سے کئی وجوہ آپ یہاں بھی جاری کر سکتے ہیں۔ مثلاً حضرت الامام ابوداؤد کا فیصلہ ''لیس ھو بصحیح'' الخ کسی راوی پر کوئی جرح نہیں الخ' قاری صاحب کے اس روایت کی تحسین وتصحیح میں نقل کردہ جملہ فیصلے بھی تو غیر مفسر ہی ہیں' پھر امام ابوداؤد نافی ہیں کہ یہ روایت صحیح نہیں اور قاری صاحب مثبت ومدعی ہیں کہ یہ روایت صحیح ہے اور اُصول کے

لحاظ سے دلیل مدعی اور مثبت کے ذمہ ہے نہ کہ نافی۔ سائل اور مدعی علیہ کے ذمہ اس لیے قاری صاحب کی غیر مفسر والی بات بے کار ہے اور حضرت الامام ابوداؤد کا یہ فیصلہ غیر مفسر نہیں بلکہ مفسر ہے کیونکہ انہوں نے فیصلہ یہ دیا ہے کہ یہ حدیث ایک لمبی حدیث سے مختصر بنائی گئی ہے اور وہ ان لفظوں میں صحیح نہیں ہے اور واضح ہے کہ حضرت الامام ابوداؤد کے فیصلہ کے یہ الفاظ صاف صاف بتا رہے ہیں کہ یہ روایت غلط اختصار کی وجہ سے ان لفظوں میں صحیح نہیں تو حضرت الامام ابوداؤد کے اپنے فیصلہ کی معقول وجہ بیان کر دینے کے بعد بھی اسے ''غیر مفسر'' کہتے رہنا کہاں کا انصاف ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سے نسخ پر استدلال کا دوسرا جواب:

اس سے پہلے آپ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت پر جو کچھ سنا وہ قاری صاحب کے اس سے نسخ رفع الیدین پر استدلال کا پہلا جواب تھا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی یہ روایت بہت سارے ائمہ محدثین کے ہاں سرے سے قابل احتجاج ہی نہیں جن سے بارہ ائمہ محدثین کے اسماءِ گرامی گنوائے بھی جا چکے ہیں لہٰذا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے رفع الیدین کی منسوخیت پر استدلال کرنا غلط ہے اب قاری صاحب کے اس استدلال کا دوسرا جواب سنیے جو بندہ نے اس سے قبل اپنے پہلے رقعہ میں درج کیا تھا چنانچہ ملاحظہ ہو۔

② ثانیاً' تھوڑی دیر کے لیے ہم تسلیم کر لیتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ والی روایت قابل احتجاج ہے لیکن اس کو احادیث رفع الیدین کا ناسخ قرار دینا دُرست نہیں کیونکہ اسے ناسخ تب قرار دیا جا سکتا ہے جبکہ اس کا احادیث رفع الیدین سے متاخر ہونا ثابت ہو مگر قاری صاحب نے ابھی تک اس کے متاخر ہونے کی کوئی ایک دلیل بھی پیش نہیں فرمائی لہٰذا ان کی خدمت میں گزارش ہے:

کہ وہ پہلے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ والی روایت کا احادیثِ رفع الیدین سے متاخر ہونا ثابت کریں''۔ (میرا رقعہ نمبر ۱ ص ۸،۷)

بندہ کے اس دوسرے جواب کو پڑھ کر اور اس کا کچھ حصہ نقل فرما کر قاری صاحب لکھتے ہیں ''مولانا صاحب اور کوئی دلیل پیش کروں[1] تو شائد[1] آپ چوں[1] و چراں کریں اس لیے میں ان ہی سے یعنی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہی سے دلیل پیش کرتا ہوں۔ مظاہر حق ج ۱ ص ۲۵۸ میں ہے اور کہا ابن مسعودؓ نے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ اُٹھائے ہم نے بھی ہاتھ اُٹھائے اور حضرت نے ترک کیے ہم نے بھی ترک کیے''۔ (قاری صاحب کا رقعہ نمبر ۵ ص ۱۵)

① اوّلاً' قاری صاحب نے اپنے پہلے رقعہ میں ترمذی' ابوداوٗد' طحاوی اور مسند الامام احمد کے حوالہ سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ''الا اصلی بکم الخ'' پیش فرمائی اور اس سے نسخ رفع الیدین پر استدلال کیا تو بندہ نے ان کے اس استدلال کے دوسرے جواب میں ان سے مطالبہ کیا کہ اس ترمذی' ابوداوٗد' طحاوی اور مسند الامام احمد والی روایت کا احادیث رفع الیدین سے متاخر ہونا ثابت کریں ورنہ آپ کا اس روایت سے نسخ رفع الیدین پر استدلال نادرست مگر وہ اب بھی اس روایت کے احادیثِ رفع الیدین سے متاخر ہونے کی کوئی دلیل بھی پیش نہیں فرما سکے اور جو کچھ انہوں نے پیش فرمایا وہ اس کے متاخر ہونے کی دلیل نہیں ہرگز نہیں۔

② ثانیاً' قاری صاحب! آپ کا فرض ہے کہ آپ اپنی اس مرتبہ پیش کردہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ اُٹھائے ہم نے بھی ہاتھ اُٹھائے الخ'' کے عربی الفاظ مع السند نقل فرمائیں یا پھر اس کتاب کا حوالہ

---

[1] یہ الفاظ قاری صاحب کے رقعہ میں اسی طرح ہیں ۱۲ منہ

دیں جس میں یہ روایت باسند مذکور ہو' پھر اس روایت کا صحیح ہونا ثابت کرنا بھی آپ کے ذمہ ہے۔ ان اُمور کو سرانجام دینے سے قبل آپ کا اس سے استدلال ناقابل التفات ہے۔

③ ثالثاً' مندرجہ بالا بات کو نظر انداز کر دیا جائے تو بھی آپ کا اس روایت ''رسول اللہ ﷺ نے ہاتھ اُٹھائے الخ'' سے نماز میں ترک رفع الیدین پر استدلال دُرست نہیں کیونکہ آپ کے ہی نقل کردہ الفاظ میں تو نماز کا ذکر تک نہیں پھر اس روایت سے نماز میں ترکِ رفع الیدین کے متاخر ہونے پر استدلال کیونکر دُرست ہوسکتا ہے؟

④ رابعاً' اس بات کو بھی اگر جانے دیا جائے تب بھی اس روایت سے رکوع والے رفع الیدین کے ترک پر استدلال غلط ہے کیونکہ رکوع کا تو اس روایت میں نام ونشان تک نہیں ملتا اس لیے اس سے ترکِ رفع الیدین کے متاخر ہونے پر استدلال تو بالکل ہی غلط ہے۔

⑤ خامساً' اس چیز کو بھی نظر انداز کر دیا جائے تو بھی اس روایت سے رکوع والے رفع الیدین کے ترک پر ان کا استدلال صحیح نہیں کیونکہ نماز میں رکوع جاتے' اس سے سر اُٹھاتے وقت اور دوسری رکعت سے اُٹھ کر تو رفع الیدین نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے اور ان مقاموں پر آپؐ رفع الیدین کرتے تھے اور سلام کے وقت نیز طاق رکعت سے اُٹھ کر رسول کریم ﷺ رفع الیدین نہیں کرتے تھے اور اس روایت سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا مقصود بھی یہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے رفع الیدین کیا ہم نے بھی کیا اور رسول اللہ ﷺ نے رفع الیدین نہ کیا ہم نے بھی نہ کیا۔ الغرض حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس روایت میں بتانا چاہتے ہیں کہ ہم رفع اور ترک دونوں میں رسول اللہ ﷺ کا اتباع کرتے تھے لہٰذا قاری صاحب کے اس روایت سے رکوع والے رفع الیدین کے منسوخ

ہونے پر استدلال میں رتی بھر بھی جان نہیں ہے۔

⑥ سادساً' اس کو بھی ملحوظِ خاطر نہ رکھیں تو بھی اس روایت سے ترکِ رفع الیدین کے متاخر ہونے پر استدلال کسی کام کا نہیں کیونکہ اس روایت کے سیاق میں لفظ ''اور'' ہے جو واو عاطفہ کا ترجمہ ہے اور اہل علم کو معلوم ہے کہ واو عاطفہ ''اور'' کی تقدم و تاخر پر کوئی سی دلالت بھی نہیں ہوتی لہٰذا قاری صاحب کا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے بھی ترکِ رفع الیدین کے متاخر ہونے پر استدلال کرنا بالکل ہی غلط ہے۔

⑦ سابعاً' اس بات کو بھی جانے دیجیے پھر بھی اس روایت سے رفع الیدین کی منسوخیت پر استدلال غلط ہے کیونکہ اس روایت میں آپ کے ایک فعل اور اسی فعل کے ترک کا ذکر ہے اور ترک کا فعل کی منسوخیت ہی پر مبنی ہونا کسی ایک دلیل سے بھی ثابت نہیں ہاں منسوخیت کے علاوہ ترک کے کئی اور اسباب دلائل سے ثابت ہیں خواہ ترک متاخر ہی ہو تو قاری صاحب کے اس روایت میں مذکور ترک رفع الیدین کے ناسخ ہونے کے لیے ضروری ہے کہ وہ پہلے ثابت کریں کہ ترک کے فعل سے متاخر ہونے کی صورت میں منسوخیت فعل کے سوا ترک کا اور کوئی سبب نہیں ہوا کرتا پھر اس روایت سے استدلال کریں۔

⑧ ثامناً' اس روایت میں رفع الیدین ترک کرنے کا ذکر ہے جس میں شروع نماز والے رفع الیدین کا ترک بھی شامل ہے۔ تو جس طرح دوسرے دلائل کی بنا پر اس شروع نماز والے رفع الیدین کو اس روایت سے منسوخ نہیں سمجھا گیا اسی طرح رکوع جاتے' اس سے سر اُٹھاتے وقت اور دوسری رکعت سے اٹھ کر رفع الیدین کو بھی دوسرے دلائل کی بنا پر اس روایت سے منسوخ نہیں سمجھا جائے گا شروع نماز والے رفع الیدین میں دوسرے دلائل کا اعتبار کرنا اور رکوع والے رفع الیدین میں دوسرے دلائل کا اعتبار نہ کرنا سراسر ناانصافی ہے۔

⑨ تاسعاً' اگر اس روایت سے رکوع والے رفع الیدین کو منسوخ بنانا ہے تو پھر وتروں کی تیسری رکعت والے رفع الیدین کو بھی اسی روایت سے منسوخ بنانا پڑے گا جبکہ رکوع والا رفع الیدین نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے اور وتروں کی تیسری رکعت والا رفع الیدین رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہی نہیں تو قاری صاحب اللہ تعالیٰ سے ڈر کر بتائیں کہ اس روایت کے ذریعہ نبی کریم ﷺ سے ثابت شدہ رفع الیدین (رکوع والے) کو تو منسوخ بنانا اور نبی کریم ﷺ سے غیر ثابت شدہ رفع الیدین (وتروں کی تیسری رکعت والے) کو منسوخ نہ بنانا کہاں کا انصاف ہے؟

قاری صاحب کی ایک اور بات کا جواب:

قاری صاحب مزید لکھتے ہیں "نیز جن حضرات صحابہ کرامؓ سے رفع الیدین کی روایات آتی ہیں انہیں سے پھر ترک رفع الیدین کی روایات آتی ہیں اور عمل بھی ترکِ رفع الیدین کا ہے مثلاً حضرت عبداللہ بن عمر و حضرت علی و حضرت ابوہریرہ و حضرت ابن عباس وغیرھم رضی اللہ عنہم"۔ (قاری صاحب کا رقعہ نمبر ۵ ص ۱۵)

① اوّلاً' ترک رفع الیدین کی مرفوع روایات ان مذکور بالا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ترک والی مرفوع روایات سمیت تمام کی تمام ضعیف ہیں' ان سے کوئی ایک بھی قابل احتجاج نہیں کیونکہ ان سب سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ والی روایت قدرے اچھی ہے۔ اور اس کا حال پہلے لکھا جا چکا ہے کہ بارہ بڑے بڑے ائمہ محدثین نے اسے ناقابل احتجاج قرار دیا ہے ان سے حافظ ابن حبان کا بیان اس مقام پر بہت ہی مناسب ہے اسے ایک دفعہ پھر سن لیجیے وہ لکھتے ہیں "هذا احسن خبر روی لاهل الكوفة فی نفی رفع الیدین فی الصلاة عند الركوع وعند الرفع منه وهو فی الحقیقة اضعف شیء یعول علیه لان له عللا تبطله" اھ (حوالہ پہلے لکھا جا چکا ہے)

حافظ ابن حبان کہتے ہیں ''کوفیوں کے لیے نماز میں رکوع جاتے اور اس سے سر اُٹھاتے وقت رفع الیدین کی نفی میں جتنی روایات ہیں ان میں سے یہ روایت (حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت) سب سے اچھی ہے اور درحقیقت وہ ضعیف ترین شے ہے کیونکہ اس کی کئی علتیں ہیں جو اس کے قابل احتجاج ہونے میں مانع ہیں'' تو جب سب سے اچھی روایت کا یہ حال ہے کہ وہ ضعیف ترین ہے تو پھر باقی اضعف ترین کیوں نہ ہوں گی؟ قاری صاحب نے ترک رفع الیدین کی ان مرفوع روایات کی طرف صرف اشارہ ہی فرمایا اس لیے ہم نے بھی ان تمام کے ضعف کی طرف اشارہ کرنے پر ہی اکتفا کیا اور اگر وہ آئندہ انہیں تفصیل سے بیان فرمائیں گے تو ہم بھی ان کے ضعف کو پوری تفصیل سے عرض کریں گے ان شاء اللہ العزیز۔

② ثانیاً' ترک رفع الیدین کی مرفوع روایات کی صحت کو فرض کر لیا جائے تو بھی ان کا رفع الیدین کی احادیث سے متاخر ہونا ثابت نہیں ہوتا رہا ایک ہی صحابی سے کسی فعل اور اس کے ترک کی مرفوع روایتوں کا مروی ہونا تو اس سے ترک والی روایت کا متاخر ہونا لازم نہیں آتا لہٰذا قاری صاحب کی یہ بات بھی ان کی دوسری باتوں کی طرح ان کے مدعیٰ کو ثابت نہیں کرتی۔

③ ثالثاً' ترک کے منسوخیتِ فعل کے علاوہ اور بھی کئی اسباب ہوتے ہیں لہٰذا پہلے قاری صاحب ترک کا منسوخیتِ فعل میں مقصور و محصور ہونا ثابت کر لیں۔ پھر اس کے بعد اپنی مندرجہ بالا بات بنائیں۔

④ رابعاً' ترک رفع الیدین کے مذکور بالا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل ہونے کے ثبوت میں نظر ہے جیسا کہ اہل علم پر مخفی نہیں۔

⑤ خامساً' پہلے لکھا جا چکا ہے کہ موقوف روایت فعلی ہو خواہ قولی' شرعی دلائل میں سے کوئی سی دلیل بھی نہیں کیونکہ شرعی دلائل صرف چار ہیں جن میں موقوف روایت شامل نہیں تفصیل گزر چکی ہے۔

⑥ سادساً' راوی کے عمل کے اس کی روایت کے خلاف ہونے سے اس کی روایت کا نسخ ثابت نہیں ہوتا کَمَا تَقَرَّرَ فِیْ مَوْضِعِهٖ.

⑦ سابعاً' جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے رفع الیدین کے ترک کی روایات آتی ہیں انہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے رفع الیدین کی روایات بھی آتی ہیں اور ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے بہت سے صحابہؓ سے رفع الیدین کرنے والا عمل بھی ثابت ہے تو جب صورتِ حال یہ ہے تو کوئی صاحب رفع الیدین کرنے کو بھی متاخر کہہ سکتے ہیں لہٰذا ترک رفع الیدین کو اس بات کی بنا پر متاخر کہنا نرا تحکم ہے۔

قاری صاحب کی ایک اور بات کا جواب:

قاری صاحب لکھتے ہیں ''نیز بعض حدیثوں کو غیر مقلدین حضرات خود منسوخ جانتے ہیں جیسے رفع الیدین بین السجدتین تو جو دلائل وہ اس رفع الیدین بین السجدتین کی منسوخیت کے قائم کرتے ہیں وہی دلائل رفع الیدین عند الرکوع وغیرہ کی منسوخیت کے احناف حضرات کی طرف سے سمجھ لیں''۔ (قاری صاحب کا رقعہ نمبر۵ ص ۱۵)

① اوّلاً' اہل حدیث حضرات کے بعض احادیث کو منسوخ جاننے' سمجھنے اور کہنے سے ترک رفع الیدین والی حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کا رفع الیدین کی احادیث کے لیے ناسخ ہونا ثابت نہیں ہوتا قاری صاحب! آپ تو اہل حدیث کے بعض احادیث کو منسوخ جاننے' سمجھنے اور کہنے کی بات کر رہے ہیں۔ آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ اہل حدیث حضرات تو بعض آیات کو بھی منسوخ جانتے' سمجھتے اور کہتے ہیں مگر یاد رہے کہ ان کے بعض احادیث اور بعض آیات کو منسوخ جاننے' سمجھنے اور کہنے سے آپ کا مدعا (حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کا رفع الیدین کی احادیث سے متاخر اور ان کا ناسخ ہونا) تو ہرگز ثابت نہیں ہوگا قاری صاحب اللہ تعالیٰ سے ڈریں اور بات تو باربط کریں۔

② ثانیاً' رفع الیدین' بین السجدتین کی منسوخیت والا الزام آپ ان لوگوں کو تو دے

سکتے ہیں جو اس کے قائل ہوں' ہمارا تو یہ عقیدہ اور نظریہ نہیں ہے لہٰذا آپ کا یہ الزام ہم پر تو سرے سے وارد نہیں ہوتا۔ ذرا سوچ سمجھ کر بات کریں۔ آخر آپ میدانِ تحقیق میں ہیں۔

③ ثالثاً' ہم تو رفع الیدین بین السجدتین کی منسوخیت کے قائل ہی نہیں اور جو لوگ قائل ہیں ان کی دلیل ہے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث "رَأَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا قَامَ فِی الصَّلَاۃِ رَفَعَ یَدَیْہِ حَتّٰی تَکُوْنَا حَذْوَ مَنْکِبَیْہِ وَکَانَ یَفْعَلُ ذَالِکَ حِیْنَ یُکَبِّرُ لِلرُّکُوْعِ وَیَفْعَلُ ذَالِکَ اِذَا رَفَعَ رَأْسَہٗ مِنَ الرُّکُوْعِ وَیَقُوْلُ سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ وَلَا یَفْعَلُ ذَالِکَ فِی السُّجُوْدِ"۔ (صحیح بخاری جلد اول ص ۱۰۲)

اور واضح بات ہے کہ اس حدیث سے رفع الیدین بین السجدتین کی منسوخیت پر استدلال کی کسی حد تک کوئی نہ کوئی وجہ تو ہو سکتی ہے خواہ وہ قاری صاحب کے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سے نسخ رفع الیدین پر استدلال کی طرح ہی کیوں نہ ہو مگر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی اس مذکورہ بالا روایت سے رکوع والے رفع الیدین کی منسوخیت پر استدلال کی تو کوئی وجہ جواز ہی نہیں ہاں کوئی دیوانہ اس حدیث سے اس مدعا پر استدلال کرے تو کرے کہ دیوانوں کے تو کام ہی نرالے ہوتے ہیں اتنی بات ذہن نشین فرما لینے کے بعد قاری صاحب کے قول "جو دلائل وہ اس رفع الیدین بین السجدتین کی منسوخیت کے قائم کرتے ہیں وہی دلائل رفع الیدین عند الرکوع وغیرہ کی منسوخیت کے احناف حضرات کی طرف سے الخ" کو ملاحظہ فرمائیں اور بعد از غور فرمائیں کہ اس میں کوئی ادنیٰ معقولیت بھی ہے؟ آخر "ولا یفعل ذالک فی السجود" سے رکوع والا رفع الیدین کیونکر منسوخ ہو سکتا ہے؟ جبکہ اسی حدیث میں رکوع والے رفع الیدین کا بھی ثبوت ہے۔

④ رابعاً' قاری صاحب اور ان کے ہمنوا وتروں کی تیسری رکعت والے رفع

الیدین کو منسوخ نہیں جانتے جبکہ یہ رفع الیدین رسول کریم ﷺ سے ثابت ہی نہیں تو پھر صحیح احادیث سے ثابت مواضع ثلاثہ والا رفع الیدین بھلا کیسے منسوخ ہوسکتا ہے اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور کچھ تو انصاف کرو۔

⑤ خامساً' بالفرض حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کو ناسخ مان لیا جائے تو پھر وتروں کی تیسری رکعت والا رفع الیدین بھی منسوخ ٹھہرے گا کیونکہ "الا فی اول مرة" اور "ثم لا یعود" یا "ثم لم یعد" سے تو اس کی بھی نفی ہو رہی ہے نا تو قاری صاحب اس کا جو جواب ارشاد فرمائیں گے اس سے کہیں بڑھ کر اعلیٰ اور اقویٰ جواب ہماری طرف سے قاری صاحب کی خدمتِ عالیہ میں پیش کر دیا جائے گا کہ مواضع ثلاثہ والا رفع الیدین بھی منسوخ نہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے مناقب کا سہارا:

بہت سے حنفی بزرگ جب رفع الیدین کے مسئلہ میں اپنے موقف ومسلک کے دلائل میں کمزوری محسوس کرتے ہیں تو پھر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے مناقب بیان کر کے دلائل کی کمزوری پر پردہ ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں اور اپنی جگہ اپنے آپ کو ایک گنا تسلی یافتہ باور کر لیتے ہیں ہمارے قاری صاحب نے بھی یہی کچھ کیا ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں "مستدرک حاکم ج ۳ ص ۳۱۹ میں بسند صحیح آتا ہے کہ حضورؐ نے فرمایا ہے کہ جو چیز ابن مسعود رضی اللہ عنہ تمہارے[1] پسند کریں اسے میں بھی پسند کرتا ہوں اور راضی ہوں" الخ (قاری صاحب کا رقعہ نمبر ۵ ص ۱۵)

① اوّلاً' مسئلہ چل رہا ہے منسوخیتِ رفع الیدین کا جس کے قاری صاحب مدعی ہیں اور انہیں اس مقام پر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کا احادیث رفع الیدین سے متاخر ہونا ثابت کرنا ہے تاکہ اسے ناسخ بنایا جا سکے۔ اور ظاہر ہے

---

[1] یہ عبارت قاری صاحب کے رقعہ میں اسی طرح ہے ۱۲ منہ

کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی مندرجہ بالا منقبت سے یہ چیز بالکل ثابت نہیں۔ **کما لا یخفی علی اھل العلم.**

② ثانیاً' اس منقبت کے سہارے سے قاری صاحب کو فائدہ تب پہنچ سکتا ہے جبکہ انہوں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ترکِ رفع الیدین کو پسند کرنا پہلے ثابت فرما لیا ہو مگر وہ ابھی تک اس چیز کو ثابت نہیں فرما سکے کیونکہ یہ چیز حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی زیر بحث روایت ہی سے ثابت ہونا تھی کہ انہوں نے یہی روایت پیش فرمائی ہوئی ہے اور پہلے پڑھ چکے ہیں کہ بارہ بڑے بڑے ائمہ محدثین نے اس روایت کو ناقابل احتجاج قرار دیا ہے تو اس روایت سے تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ترکِ رفع الیدین پسند کرنا ثابت نہ ہوا تو پھر مندرجہ بالا منقبت اس مقام پر کیسے چسپاں ہوسکتی ہے؟

③ ثالثاً' حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ امام مسلم کی روایت کے مطابق رکوع میں تطبیق اور تین نمازیوں کی جماعت کی صورت میں دونوں مقتدیوں کے امام کے پیچھے نہیں بلکہ ان دو مقتدیوں سے ایک امام کے دائیں اور دوسرے کے امام کے بائیں کھڑے ہونے کو پسند فرماتے ہیں اور قاری صاحب سمیت تمام حنفی مقلدین نے بھی ان دونوں مسئلوں میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے مذہب اور ان کی پسند کو چھوڑ رکھا ہے تو جو جواب قاری صاحب ان دو مسئلوں میں پیش فرمائیں گے وہی جواب ہماری طرف سے مسئلہ رفع الیدین میں سمجھ لیں کیونکہ حدیث "**رضیت لکم الخ**" تو دونوں مقام پر چسپاں ہو رہی ہے تو اس حدیث کو مسئلہ رفع الیدین پر تو چسپاں کرنا اور تطبیق فی الرکوع اور تین نمازیوں کی جماعت والے دونوں مسئلوں پر چسپاں نہ کرنا سراسر ناانصافی ہے ان دو کے علاوہ اور بھی بہت سے مسائل ہیں جن میں قاری صاحب اور ان کے ہمنوا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے قول یا عمل کو چھوڑ دیتے ہیں تو کیا ان

سب مقاموں پر انہیں حدیث "رضیت لکم الخ" بھول جاتی ہے؟

④ رابعاً' قاری صاحب آپ کا دعویٰ ہے "منسوخیت رفع الیدین" اور جو روایتیں آپ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل فرمائی ہیں' ان میں سے کسی ایک روایت میں بھی یہ بات نہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے رفع الیدین کی منسوخیت کو اختیار اور پسند فرمایا ہے اس لیے آپ کا فرض ہے کہ پہلے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا رفع الیدین کی منسوخیت کو اختیار اور پسند فرمانا ثابت کریں پھر حدیث "رضیت لکم الخ" پیش فرمائیں۔

⑤ خامساً' قاری صاحب کے اس مقام پر حدیث "رضیت لکم الخ" پیش کرنے سے معلوم ہوا کہ مرفوع روایات ان کے موقف و مدعا کے لیے مثبت نہیں اسی لیے تو وہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی پسند کے دُرست ہونے کی دلیل پیش کر رہے ہیں تو تسلیم کی صورت میں ان کا یہ موقف و مدعا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے تجاوز کر کے براہِ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک نہیں پہنچتا' ورنہ وہ اپنے اس موقف و مدعا کے اثبات کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مرفوع حدیث پیش فرما دیتے انہیں حدیث "رضیت لکم الخ" پیش فرمانے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ جس سے بالواسطہ مسئلہ نکلتا ہے وہ بھی قاری صاحب کے زعم میں نہ کہ نفس الامر میں۔

⑥ سادساً' حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابی بھی ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کے حق میں فرمان "رَضِیتُ لَکُمْ مَا رَضِیَ لَکُمُ ابْنُ أُمِّ عَبْدٍ" بھی موجود ہے اور حضرت الامام ابوحنیفہ رحمہ اللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی بھی نہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مندرجہ بالا فرمان بھی ان کے حق میں نہیں تو پھر کیا وجہ ہے کہ قاری صاحب اور ان کے ہمنوا حضرت الامام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مقلد تو بنتے ہیں اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے مقلد نہیں بنتے اور نہ ہی

اپنے آپ کو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے مقلد کہلواتے ہیں آیا یہ "رضیت لکم الخ" پر عمل ہے؟ قاری صاحب! آپ کو معلوم ہونا چاہیے مسئلہ رفع الیدین ہی نہیں مسائل اور بھی ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے مناقب کا سہارا لیتے ہوئے قاری صاحب مزید لکھتے ہیں ''نیز ترمذی ج ۲ ص ۲۲۱ و مستدرک حاکم ج ۲ ص ۳۱۹ میں آتا ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں وَمَا حَدَّثَكُمُ ابْنُ مَسْعُوْدٍ فَصَدِّقُوْهُ. حضرت ابن مسعود تمہیں جو حدیث سنائیں اس کی تصدیق کرو''۔

(قاری صاحب کا رقعہ نمبر ۵ ص ۱۷)

① اوّلاً' قاری صاحب کی بیان کردہ اس حدیث کو دیکھنے کے لیے بندہ نے ان کے دیے ہوئے حوالوں کی طرف مراجعت کی تو مجھے یہ حدیث ترمذی اور مستدرک حاکم کے ان مقاموں پر نہیں ملی اس لیے قاری صاحب کی خدمت میں گزارش ہے کہ وہ ترمذی اور مستدرک کی جلد بیان کرنے کے ساتھ ان ابواب کی بھی نشاندہی فرمائیں جن میں یہ حدیث موجود ہو۔ ہاں ترمذی میں قاری صاحب کے ہی بیان کردہ مقام پر مندرجہ ذیل حدیث موجود ہے چنانچہ امام ترمذی لکھتے ہیں:

"حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ عَبْدِالرَّحْمٰنِ اَنَا اِسْحَاقُ بْنُ عِيْسٰى عَنْ شَرِيْكٍ عَنْ اَبِى الْيَقْظَانِ عَنْ زَاذَانَ عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ: قَالُوْا: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَوِ اسْتَخْلَفْتَ. قَالَ: اِنِ اسْتَخْلَفْتُ عَلَيْكُمْ فَعَصَيْتُمُوْهُ عُذِّبْتُمْ وَلٰكِنْ مَاحَدَّثَكُمْ حُذَيْفَةُ فَصَدِّقُوْهُ وَمَا اَقْرَأَكُمْ عَبْدُاللّٰهِ فَاقْرَءُوْهُ. قَالَ عَبْدُاللّٰهِ: فَقُلْتُ لِاِسْحَاقَ بْنِ عِيْسٰى يَقُوْلُوْنَ هٰذَا عَنْ اَبِىْ وَائِلٍ قَالَ لَا. عَنْ زَاذَانَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ تَعَالٰى. هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ وَهُوَ حَدِيْثُ شَرِيْكٍ. اھ (ترمذی ج ۲ ص ۲۲۱)

دیکھا صاحب! حدیث کے لفظ تو تھے ''جو تم سے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کریں تم اس کی تصدیق کرو'' مگر آپ نے حذیفہ کو ابن مسعودؓ سے تبدیل کر دیا تو صاحبِ مشکوٰۃ پر وہم کا فتویٰ لگانے والے اور دوسروں کو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی تلقین کرنے والے قاری صاحب بتلائیں کہ یہ حذیفہ کو ابن مسعودؓ میں تبدیل کرنے والا کارنامہ بھی انہوں نے وہم سے محفوظ رہ کر اور اللہ تعالیٰ سے ڈر کر ہی سرانجام دیا ہے؟

(فائدہ) حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ والی مذکورہ بالا روایت کو امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے تو حسن کہا ہے مگر وہ حسن ہے نہیں کیونکہ اس کی سند میں شریک ابن عبداللہ نخعی ہیں جن کے متعلق تقریب میں لکھا ہے ''صُدُوْقٌ یُخْطِئُ کَثِیْرًا تَغَیَّرَ حِفْظُهٗ مُنْذُ وَلِیَ الْقَضَاءَ بِالْكُوْفَةِ وَكَانَ عَادِلًا فَاضِلًا عَابِدًا شَدِیْدًا عَلٰی اَهْلِ الْبِدَعِ'' نیز اس کی سند میں ابوالیقظان بھی ہیں جن کے متعلق تقریب ہی میں لکھا ہے ''اَبُوالْیَقْظَانِ الْكُوْفِیُّ الْاَعْمٰی ضَعِیْفٌ وَاخْتَلَطَ وَكَانَ یُدَلِّسُ وَیَغْلُوْ فِی التَّشَیُّعِ'' تو حدیث ''وما حدثکم ابن مسعود فصدقوہ'' کو ثابت کرنا ابھی تک قاری صاحب کے ذمہ ہے۔

② ثانیاً' صحابی کوئی بھی ہو اس کی بیان کردہ حدیث کی تصدیق ہی کی جائے گی بشرطیکہ صحابی کا اس حدیث کو بیان کرنا ثابت ہو جائے اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ترکِ رفع الیدین والی روایت کو تو بہت سارے محدثین نا قابل احتجاج قرار دے چکے ہیں جن میں سے بارہ ائمہ محدثین کے اسماء گرامی پہلے لکھے جا چکے ہیں تو قاری صاحب پہلے آپ اس روایت (ترک رفع الیدین والی روایت) کا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بیان ہونا تو ثابت فرمالیں پھر اس کے بعد ''فصدقوہ'' والی روایت پیش فرمائیں۔

③ ثالثاً' قاری صاحب کا مدعا ہے ''منسوخیتِ رفع الیدین'' چنانچہ وہ خود فرماتے ہیں ''میرا دعویٰ ہے منسوخیتِ رفع الیدین کا'' اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ

کی ترک رفع الیدین والی روایت میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان نہیں کیا کہ رفع الیدین منسوخ ہے تو جو قاری صاحب کا مدعا ہے وہ تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے بیان نہیں کیا اور جو کچھ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے بیان کیا وہ قاری صاحب کا مدعا نہیں لہٰذا قاری صاحب کا ''**فصدقوہ**'' کو اس مقام پر چسپاں کرنا بے محل ہے۔

④ رابعاً' حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ترکِ رفع الیدین والی روایت کو قابل احتجاج سمجھ کر چند منٹ کے لیے ہم اس کی تصدیق کر دیتے ہیں۔ مگر اس سے بھی قاری صاحب کا مدعا ''ترکِ رفع الیدین کا رفع الیدین سے متاخر اور اس کا ناسخ ہونا'' تو ہرگز ثابت نہ ہوگا تو پھر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی یہ منقبت اس مقام پر بیان کرنے سے کیا نہیں فائدہ؟

⑤ خامساً' اگر قاری صاحب اس ''**فصدقوہ**'' کے پیش نظر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ترک رفع الیدین والی روایت کو متاخر اور ناسخ مانتے ہیں تو پھر ان کو لازم ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہی کی صحیح مسلم میں موجود تطبیق فی الرکوع اور تین نمازیوں کی جماعت کی کیفیت والی حدیث کو بھی متاخر اور ناسخ مانیں کیونکہ ''**فصدقوہ**''تو دونوں مقام پر چسپاں ہو رہا ہے دیکھئے قاری صاحب کوئی انصاف لگتی کہتے ہیں یا نہیں؟

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سے نسخ پر استدلال کا تیسرا جواب:

بندہ نے اپنے پہلے رقعہ میں لکھا تھا ''③ ثالثاً' چند منٹ کے لیے اگر تسلیم کر لیا جائے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ والی روایت احادیثِ رفع الیدین سے متاخر ہے تو بھی اس کو ناسخ رفع الیدین قرار دینا دُرست نہیں کیونکہ اُصول کا قاعدہ ہے کہ فعل ناسخ نہیں ہوا کرتا''۔ (میرا رقعہ نمبرا ص ۸) اس کو پڑھ کر قاری صاحب لکھتے ہیں ''آپ ماشاء اللہ عالم دین ہیں لیکن مجھے آپ پر افسوس بہت آتا ہے کہ آپ فرما رہے

ہیں کہ فعل ناسخ نہیں ہوا کرتا خدا جانے مولانا صاحب کون سے اُصول کے تحت فرما رہے ہیں کہ فعل ناسخ نہیں ہوا کرتا مولانا صاحب تفصیل کی اب گنجائش نہیں اختصاراً سنیئے نووی ج ۱ ص ۱۵۶ میں ہے "اَلْوُضُوْءُ مِمَّا مَسَّتِ النَّارُ الخ".

(قاری صاحب کا رقعہ نمبر ۵ ص ۱۷)

① اوّلاً' قاری صاحب نے بزعم خود فعل کے ناسخ ہونے کے اثبات کے لیے نووی ج ۱ ص ۱۵۶ کا حوالہ دیا ہے بندہ نے یہ مقام دیکھا اسے بغور پڑھا مگر مجھے اس مقام پر نووی کا کوئی ایک جملہ بھی ایسا نہیں ملا جس کا مطلب ہو کہ فعل ناسخ ہوا کرتا ہے باقی امام نووی کا اس مقام پر "الوضوء مما مستِ النار" کے منسوخ ہونے کو اکثر اہل علم سے نقل کرنا اس بات کی دلیل نہیں کہ فعل ناسخ ہوا کرتا ہے۔

② ثانیاً 'اگر کوئی صاحب فرمائیں کہ نووی صاحب جمہور کی طرف سے لکھتے ہیں "وَاَجَابُوْا عَنْ حَدِيْثِ الْوُضُوْءِ مِمَّا مَسَّتِ النَّارُ بِجَوَابَيْنِ اَحَدُهُمَا اِنَّهُ مَنْسُوْخٌ بِحَدِيْثِ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: كَانَ آخِرُ الْاَمْرَيْنِ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَرْكَ الْوُضُوْءِ مِمَّا مَسَّتِ النَّارُ الخ" (ج ۱ ص ۱۵۶) اس سے معلوم ہوا کہ فعل ناسخ ہوتا ہے تو عرض ہے کہ جو لوگ حدیثِ جابر "کان آخر الامرین الخ" کو ناسخ مانتے ہیں وہ اس میں مذکور امر سے مراد وہ امر لیتے ہیں جو نہی کا مقابل ہے کہ نہی کا مقابل امر قول ہے نہ کہ فعل لہٰذا اس سے فعل کے ناسخ ہونے پر استدلال نادرست ہے اور اگر درست مان بھی لیا جائے تو یہ جمہور کا مذہب ہی ہوگا اور ضروری نہیں کہ جمہور کا مذہب ہر موقع پر درست ہی ہو دیکھئے جمہور کا قول یا مذہب شرعی دلائل میں سے کوئی سی دلیل بھی نہیں۔

(فائدہ) یاد رہے کہ اکثر اہل علم کا حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث "کان آخر الامرین الخ" میں امر سے نہی کا مقابل امر مراد لینا محل نظر ہے۔ حافظ ابن حجر فتح

الباری میں لکھتے ہیں ''قَالَ اَبُوْدَاؤُدَ وَغَیْرُہٗ: اِنَّ الْمُرَادَ بِالْاَمْرِ ھُنَا الشَّانُ وَالْقِصَّۃُ لَامُقَابِلُ النَّھْیِ وَاِنَّ ھٰذَا اللَّفْظَ مُخْتَصَرٌ مِنْ حَدِیْثِ جَابِرٍ الْمَشْھُوْرِ فِیْ قِصَّۃِ الْمَرْأَۃِ الَّتِیْ صَنَعَتْ لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ شَاۃً فَاَکَلَ مِنْھَا ثُمَّ تَوَضَّأَ وَصَلَّی الظُّھْرَ ثُمَّ اَکَلَ مِنْھَا وَصَلَّی الْعَصْرَ وَلَمْ یَتَوَضَّأْ'' (ج ا باب من لم یتوضاء من لحم الشاۃ والسویق. ص ۳۱۱)

③ ثالثاً' علامہ خطابی ترک الوضوء مما مست النار کی ایک روایت کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں ''وَفِی الْخَبَرِ دَلِیْلٌ عَلٰی اَنَّ الْاَمْرَ بِالْوُضُوْءِ مِمَّا غَیَّرَتِ النَّارُ اِسْتِحْبَابٌ لَااَمْرُ اِیْجَابٍ''. (معالم السنن برحاشیہ مختصر السنن للمنذری ج ا ص ۱۴۰)

تو اس سے معلوم ہوا کہ علامہ خطابی ایسے مشہور ومعروف محدث بھی ترک الوضوء مما مست النار والی احادیث کو الوضوء مما مست النار والی احادیث کے لیے ناسخ نہیں سمجھتے بلکہ وہ تو صرف ان کو تَوَضَّؤُوْا مِمَّامَسَّتِ النَّارُ میں امر کے ندب واستحباب پر محمول ہونے کی دلیل سمجھتے ہیں اور ہمارے نزدیک یہی بات راجح ہے لہٰذا اس مسئلہ میں ترک وضو کو ناسخ بنانا درست نہ رہا جبکہ ترک وضوء کا الوضوء مما مست النار والی احادیث سے متاخر ہونا بھی نظر سے خالی نہیں پھر امام زہری ایسے محدث وفقیہ تو الوضوء مما مست النار والی احادیث کو ترک وضوء والی احادیث کا ناسخ قرار دیتے ہیں تو واضح ہوگیا کہ قاری صاحب کا الوضوء مما مست النار والے مسئلہ کو اس مقام پر پیش کرنا ان کے لیے کوئی مفید نہیں۔

④ رابعاً' قاری صاحب اگر ترک الوضوء کا مما مست النار والے نبی کریم ﷺ کے فعل کو آپ کے فرمان ''تَوَضَّؤُوْا مِمَّامَسَّتِ النَّارُ'' کے لیے ناسخ بنانے پر مصر ہوں تو پھر انصاف کا تقاضا ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ کے بوقت بول استقبال قبلہ والے فعل کو بھی آپ کے فرمان ''لَا تَسْتَقْبِلُوا الْقِبْلَۃَ بِغَائِطٍ اَوْبَوْلٍ الخ'' کے لیے ناسخ بنائیں جبکہ دوسری صورت میں فعل کا متاخر ہونا یقینی طور پر معلوم ہے

اور پہلی صورت میں فعل کا متاخر ہونا محل نظر ہے تو انصاف کا تقاضا ہے کہ فعل کو دونوں صورتوں میں ناسخ بنایا جائے یا دونوں صورتوں میں ناسخ نہ بنایا جائے اور یہ تقریر قاری صاحب کے خیال کے پیش نظر ہے اور ہم اپنے نظریہ کی پہلے وضاحت کر چکے ہیں چونکہ قاری صاحب دوسری صورت میں فعل کو اس کے متاخر ہونے کے باوجود ناسخ نہیں سمجھتے اس لیے پتہ چلا کہ قاری صاحب بھی فعل کے ناسخ نہ ہونے کے اندر سے قائل ہیں تو اب بندہ یہ بات کہنے میں حق بجانب ہے کہ قاری صاحب آپ ماشاء اللہ عالم دین ہیں لیکن مجھے آپ پر افسوس بہت آتا ہے کہ آپ دوسروں کو تو اس فعل کے ناسخ بنانے کی تلقین کر رہے ہیں جس کا تاخر سرے سے ثابت ہی نہیں اور خود اس فعل کو بھی ناسخ کہنے کے لیے تیار نہیں جس کا تاخر دلیل سے ثابت ہے۔ اللہ جانے آپ یہ کام کس اُصول کے تحت کر رہے ہیں۔ ہمیں تو آپ کی اس پالیسی میں انصاف اور اللہ تعالیٰ کے ڈر کی کوئی معمولی سی رمق بھی نظر نہیں آتی۔

⑤ خامساً' اس مقام پر ہمارے کلام ''فعل ناسخ نہیں ہوا کرتا'' میں ترک بھی شامل ہے کیونکہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ والی روایت میں قاری صاحب کے نزدیک ترکِ رفع الیدین ہی کا ذکر ہے اور اسی ترک کو انھوں نے ناسخ قرار دیا ہوا ہے اور ان کی اسی بات کے جواب میں بندہ نے لکھا تھا ''فعل ناسخ نہیں ہوا کرتا'' پھر عمل اور ترک عمل دونوں پر فعل کے اطلاق میں کوئی مضائقہ بھی نہیں اور یہ بات واضح ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کسی عمل کو بسا اوقات صرف اس لیے ترک فرما دیا کرتے تھے کہ کہیں وہ فرض اور واجب نہ ہو جائے چنانچہ صحیح بخاری میں حدیث ہے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں ''اِنْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيَدَعُ الْعَمَلَ وَهُوَ يُحِبُّ اَنْ يَعْمَلَ بِهٖ خَشْيَةَ اَنْ يَعْمَلَ بِهِ النَّاسُ فَيُفْرَضُ عَلَيْهِمْ''.

(جلد اوّل' کتاب التهجد' باب تحريض النبی صلی اللہ علیہ وسلم علیٰ قیام اللیل ص ۱۵۲)

تو اس حدیث سے واضح ہو گیا کہ رسول اللہ ﷺ کے کسی عمل کے ترک کر دینے کو اس عمل کے منسوخ ہونے میں منحصر سمجھنا دُرست نہیں کیونکہ ترک کی نسخ کے علاوہ اور بھی وجہ موجود ہے بلکہ وجوہ موجود ہیں چنانچہ ایک وجہ تو اس حدیث میں مذکور ہے اور ایک وجہ اس سے قبل علامہ خطابی کے کلام میں گزر چکی ہے اور بسا اوقات کسی عمل کو کسی دائمی یا غیر دائمی مانع اور عذر کی بنا پر بھی چھوڑ دیا جاتا ہے تو دلائل سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ گئی کہ رسول اللہ ﷺ کے کسی عمل کے ترک کر دینے کو اس عمل کے منسوخ ہونے میں مقصور و محصور سمجھنا بالکل ہی غلط اور نادُرست ہے تو ثابت ہوا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ والی روایت میں مذکور ترکِ رفع الیدین کو رفع الیدین سے متاخر فرض کر لینے کی صورت میں بھی ترکِ رفع الیدین کو ناسخ قرار دینا درست نہیں کیونکہ اس ترک کے ترک بوجہ منسوخیت رفع الیدین ہونے کی کوئی دلیل نہیں۔ نیز بندہ کا پیش کردہ اُصول ''فعل ناسخ نہیں ہوا کرتا'' مذکورہ دلائل سے مدلل ہو گیا۔

⑥ سادساً' قاری صاحب آپ نے مجھے شوافع وغیرہ سے نقل کرنے کا بزعم خود طعنہ دیا چنانچہ آپ ایک مقام پر لکھتے ہیں ''یہ دلائل آپ شوافع وغیرہ کے پیش کر رہے ہو آپ جیسے عالم کے لیے مناسب نہیں'' (قاری صاحب کا رقعہ نمبر ۵ ص ۷)

اور آپ ہی ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں ''اصل بات یہ ہے مولانا صاحب یہ دلائل شوافع وغیرہ سے مانگ مانگ تم اپنا مسلک ان دلائل سے ثابت کرنا چاہتے ہو الخ'' (قاری صاحب کا رقعہ نمبر ۵ ص ۹)

چاہیے تو یہ تھا کہ آپ کی تحریروں میں شوافع وغیرہ کا کوئی حوالہ نہ آتا مگر آپ کے رقعہ جات میں جتنے حوالے دیے گئے ان سے کوئی ایک حوالہ بھی شوافع وغیرہ سے باہر نہیں۔ دیکھئے اس مقام پر ہی آپ نے نووی کا حوالہ پیش کیا ہوا ہے پھر آپ نے بیہقی' دارقطنی اور دیگر اہل علم سے کئی ایک باتیں نقل فرمائیں اور یہ سب اہل علم شوافع وغیرہ ہی میں شامل ہیں۔ آپ کے رقعہ جات میں مذکور رجال سے کوئی ایک بھی شوافع

وغیرہ سے باہر نہیں اگر شوافع وغیرہ سے نقل کرنا آپ کی نگاہ میں اتنا ہی بڑا طعنہ تھا تو پھر آپ نے خود اپنا مواد شوافع وغیرہ سے کیوں نقل فرمایا۔ للہ کچھ تو انصاف کیجیے اور اللہ تعالیٰ سے ڈریے ”اتامرون الناس بالبر وتنسون الخ“ تو ثابت ہو گیا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ والی روایت کو رفع الیدین کی احادیث سے متاخر ہونے کو تسلیم کر لینے کی صورت میں بھی اس کو احادیثِ رفع الیدین کے لیے ناسخ قرار دینا دُرست نہیں کیونکہ فعل ناسخ نہیں ہوتا۔ لِمَا وَكَمَا تَقَدَّمَ

ایک شبہ اور اس کا ازالہ

اس عنوان کے تحت بندہ نے اپنے پہلے رُقعہ میں اس مقام پر لکھا تھا ”اگر کوئی صاحب فرمائیں کہ قاری صاحب نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ والی روایت یا بعض دیگر روایات سے نسخ رفع الیدین پر استدلال نہیں کیا بلکہ ”رفع الیدین نہیں کرنا چاہیے“ پر استدلال فرمایا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہم پہلے تفصیل سے مدلل طور پر وضاحت کر چکے ہیں کہ قاری صاحب ”منسوخیت رفع الیدین“ کے مدعی ہیں‘ لہٰذا ان کے جملہ ”رفع الیدین نہیں کرنا چاہیے“ کا مطلب بھی یہی ہے کہ نسخ کی وجہ سے رفع الیدین نہیں کرنا چاہیے جیسا کہ اس کے بعد والا ان کا اپنا ہی جملہ ”اور دلیل منسوخیت پر بھی“ ہماری اس تفصیل پر دلالت کر رہا ہے۔ ہاں اگر قاری صاحب کا نظریہ ہو کہ رکوع جاتے اور اس سے سر اُٹھاتے وقت رفع الیدین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سرے سے ثابت ہی نہیں تو ان کا فرض ہے کہ وہ اپنا یہ نظریہ صاف اور واضح لفظوں میں لکھیں۔ اور یہ بات یاد رکھیں کہ اس نظریہ سے ان کا ”منسوخیتِ رفع الیدین“ والا دعویٰ لامحالہ غلط ٹھہرے گا تو اس صورت میں انہیں منسوخیت والا دعویٰ واپس لینا ہو گا۔ اگر قاری صاحب نے اپنا دعویٰ ”منسوخیتِ رفع الیدین“ واپس لے لیا اور دوسرا موقف ونظریہ ”رکوع جاتے اور اس سے سر اُٹھاتے وقت رفع الیدین کرنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اصلاً

ثابت ہی نہیں'' لکھ دیا تو ان شاء اللہ العزیز بتایا جائے گا کہ ان کا یہ دوسرا نظریہ دعوائے نسخ کی طرح ان کی پیش کردہ پانچ اور غیر پیش کردہ روایات میں سے کسی ایک روایت سے بھی ثابت نہیں ہوتا''۔ (میرا رقعہ نمبر۵ ص ۸)

تو دیکھئے جناب قاری صاحب! آپ کی بات ''مولنا[1] صاحب نے بذم[1] خود مجھے منسوخیت رفع الیدین کا مدعی ٹھرایا[1] ہوا ہے حالانکہ مرے[1] رقعہ کے آخری سطور[1] یہ ہے اور بطورِ سرخی دے کر لکھا ہو[1] ہے یعنی اس طرح تنبیہ بھائی امجد صاحب یہ دلائل پیشن[1] کیے ہیں ترک رفع الیدین پر الخ'' (قاری صاحب کا رقعہ نمبر۵ ص ۱) اور اس مضمون پر دلالت کرنے والی آپ کی دیگر باتوں کا رد تو بندہ نے اس وقت ہی کر دیا تھا جس وقت کہ یہ باتیں آپ نے لکھی تھیں نہ آپ کی توجہ ان کی طرف تھی ورنہ آپ اپنے پہلے رقعہ میں ''اور دلیل منسوخیت پر بھی'' کبھی نہ لکھتے۔

باقی رہا آپ کا اپنے پہلے رقعہ کے آغاز میں بولے ہوئے لفظوں ''رفع الیدین نہیں کرنا چاہیے'' کی جگہ اسی پہلے رقعہ کے آخر میں تنبیہ کی سرخی دے کر لفظ ''ترک رفع الیدین'' بول اور لکھ لینا تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ لفظ ''ترک رفع الیدین'' میں بھی لفظ ''رفع الیدین نہیں کرنا چاہیے'' کی طرح منسوخیت رفع الیدین کی نفی پر کوئی سی دلالت بھی نہیں ہے جبکہ آپ کے ہی لفظ ''اور دلیل منسوخیت پر بھی منسوخیت رفع الیدین'' کے آپ کا دعویٰ ہونے میں نص صریح ہیں۔

اگر آپ انصاف کرتے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے تو آپ اپنے اس پانچویں رقعہ میں ''منسوخیت رفع الیدین'' سے انکار پر دلالت کرنے والی باتیں کبھی نہ لکھتے کیونکہ ان کا رد تو بندہ نے اپنے پہلے رقعہ ہی میں لکھ دیا تھا جیسا کہ عنوان ''ایک شبہ اور اس کا ازالہ'' کے تحت درج شدہ میری عبارت سے واضح ہے اگر آپ نے منسوخیت

---

[1] یہ سب الفاظ قاری صاحب نے اپنے رقعہ میں اسی طرح لکھے ہیں۔۱۲ منہ

رفع الیدین سے انکار پر دلالت کرنے والی باتیں ضرور بنانا ہی تھیں تو از روئے انصاف آپ کا فرض تھا کہ پہلے آپ میرے مندرجہ بالا رد کا جواب دیتے جو صرف اور صرف یہی بن سکتا تھا کہ جملہ ''اور دلیل منسوخیت پر بھی'' میں نے کہا نہ لکھا یا اس جملہ کی منسوخیت رفع الیدین کے میرا دعویٰ ہونے پر دلالت نہیں اور یہ جواب قاری صاحب ابدا لآباد تک نہیں دے سکتے کیونکہ جملہ ''اور دلیل منسوخیت پر بھی'' وہ کہہ اور اپنے پہلے رقعہ میں لکھ چکے ہیں نیز اس جملہ کی منسوخیت رفع الیدین کے ان کا دعویٰ ہونے پر دلالت بھی واضح ترین ہے۔

نیز آپ نے اپنے ہی دعویٰ ''منسوخیت رفع الیدین'' سے انکار پر دلالت کرنے والی باتیں بنانے کے بعد چارو ناچار لکھا ''تو خیر میرا دعویٰ ہے منسوخیتِ رفع الیدین کا'' (قاری صاحب کا رقعہ نمبر ۵ ص ۳) تو آپ کے ہی اس صریح بیان سے ثابت ہو گیا کہ آپ کی اس سے قبل بنائی ہوئی آپ کے دعوائے منسوخیت سے انکار پر دلالت کرنے والی باتوں میں انصاف ملحوظ رکھا گیا ہے نہ اللہ تعالیٰ کا ڈر۔

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ والی روایت سے نسخ رفع الیدین پر استدلال کی حالت:

اس عنوان کے تحت بندہ نے اپنے پہلے رقعہ میں چھ جوابات سے ثابت کیا تھا کہ قاری صاحب کا حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ والی روایت سے نسخ رفع الیدین پر استدلال غلط ہے اب کہ قاری صاحب نے ان چھ جوابات سے کچھ پر کلام کیا ہے۔ نیچے وہ جوابات پیش کیے جاتے ہیں۔ نیز ان پر قاری صاحب کے کلام کی خامی اور کمزوری واضح کی جاتی ہے تو آپ بغور سماعت فرمائیں۔

پہلا جواب:

بندہ نے اپنے پہلے رقعہ میں لکھا تھا ''رہا حضرت قاری صاحب کا حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے نسخ رفع الیدین پر استدلال تو وہ بھی نادرست ہے۔

① ''اوّلاً'' تو اس لیے کہ اس روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لفظ ''مَالِيْ اَرَاكُمْ

رَافِعِیْ اَیْدِیْکُمْ" بھی موجود ہیں جن کا معنی ہے "کیا ہے مجھے یا میرے لیے دیکھتا ہوں۔ میں تمہیں اپنے ہاتھ اُٹھانے والے؟" اور واضح ہے کہ رسول اللہ ﷺ جو رفع الیدین خود کیا کرتے تھے اور جو رفع الیدین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کے اتباع میں کیا کرتے تھے وہ رفع الیدین تو آپ ﷺ کو معلوم ہی تھا پھر اس رفع الیدین سے متعلق آپ "مَالِیْ اَرَاکُمُ الخ" کیونکر فرما سکتے ہیں لہٰذا اس روایت سے نبی کریم ﷺ کے رکوع جاتے اور اس سے سر اُٹھاتے وقت رفع الیدین کے نسخ پر استدلال غلط ہے"۔ (میرا رقعہ نمبر ۱ ص ۹)

میرے اس پہلے جواب کی تردید میں قاری صاحب نے ایک حرف بھی نہیں لکھا آپ پہلے پڑھ چکے ہیں کہ قاری صاحب نے خواہ مخواہ میرے ذمہ یہ بات لگائی کہ تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی مسند حمیدی والی روایت کو صحیح سمجھتا ہے حالانکہ میں نے اپنے پہلے ہی رقعہ میں اس کے قابل احتجاج نہ ہونے کی تصریح کر دی تھی تو مجھے بھی اس مقام پر ان کے اس طرزِ عمل کے پیش نظر یہ کہنے کا حق ہے کہ قاری صاحب نے میرے اس پہلے جواب کے صحیح ہونے کو تسلیم فرما لیا ہے ورنہ وہ اس کی تردید و تغلیط میں کوئی نہ کوئی لفظ تو ضرور بولتے صرف ان کا فرما دینا "اس تفصیل میں دو تین باتیں خاص ہیں جو کہ قابل جواب ہیں" اس پہلے جواب کا رد ہے نہ کسی دوسرے جواب کا یہ تو صرف قاری صاحب کے منہ کی بات ہے بندہ کے چھ کے چھ جواب ٹھوس، مضبوط اور محکم ہیں جن میں سے کسی ایک کا رد بھی قاری صاحب کے پاس موجود نہیں صرف ان کے منہ کی باتیں ہیں چنانچہ آپ پہلے ملاحظہ فرما چکے ہیں اور آئندہ بھی ملاحظہ فرمالیں گے دیکھئے۔ اگر میں بھی صرف منہ ہی سے کہہ دوں کہ "قاری صاحب کی کوئی بات بھی قابل جواب نہیں" اور اس پر کوئی دلیل قائم نہ کروں تو کیا یہ ان کی باتوں کا جواب یا رد ہو جائے گا؟ نہیں ہرگز نہیں تو پھر قاری صاحب کا میری کسی بات سے متعلق صرف منہ سے ہی اشارہ فرما دینا کہ وہ قابل جواب نہیں پھر اس پر کوئی

دلیل قائم نہ کرنا میری اس بات کا جواب یا رد کیسے تصور کیا جا سکتا ہے؟

دوسرا جواب:

بندہ نے اپنے پہلے رقعہ میں لکھا تھا:

② ''ثانیاً'' اس لیے کہ اس روایت میں نبی کریم ﷺ کے لفظ ''کانها اذناب خيل شمس'' بھی مذکور ہیں جن کا ترجمہ ہے ''گویا وہ ہاتھ سرکش گھوڑوں کی دُمیں ہیں'' اور واضح ہے کہ جو رفع الیدین نبی کریم ﷺ کا اپنا معمول ہے اور جو رفع الیدین آپ کے اتباع میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا معمول ہے اس رفع الیدین کے متعلق آپ ﷺ کا یہ الفاظ استعمال فرمانا محال ہے لہٰذا اس روایت سے نبی کریم ﷺ کے اتباع میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے معمول رفع الیدین کے نسخ پر استدلال نا قابل التفات ہے''۔ (میرا رقعہ نمبر ۱ ص ۹) میرے اس دوسرے جواب کو پڑھ کر قاری صاحب لکھتے ہیں ''مولانا صاحب اس کے جواب میں صرف میں آپ کو یہ مشورہ دیتا ہوں کہ آپ تلخیص یا مختصر المعانی کا ضرور مطالعہ فرمائیں۔ یعنی بحث مشبہ اور مشبہ بہ کی'' (قاری صاحب کا رقعہ نمبر ۵ ص ۷)

بندہ نے البلاغۃ الواضحۃ' تلخیص المفتاح' مختصر المعانی اور فن بلاغت کی دیگر کتابوں میں مشبہ اور مشبہ بہ کی بحث کا کئی دفعہ بفضل اللہ تعالیٰ مطالعہ کیا ہوا ہے تو قاری صاحب کے مذکورہ بالا مشورہ پر تو یہ بندہ ان کے یہ مشورہ دینے سے پہلے ہی عمل کر چکا ہے اور مجھے تو مشبہ اور مشبہ بہ کی پوری بحث میں کسی ایک کتاب میں کوئی ایک لفظ بھی ایسا نہیں ملا جو بندہ کے مذکور بالا دوسرے جواب کے خلاف ہو اس لیے قاری صاحب کی خدمتِ عالیہ میں گزارش ہے کہ وہ خیر خواہی کے جذبہ سے اس بندہ کی اصلاح کے لیے صرف اس مشورہ پر ہی اکتفا نہ فرمائیں بلکہ تلخیص یا مختصر المعانی سے وہ عبارت پیش فرمائیں جو بندہ کے اس دوسرے جواب کے خلاف ہو۔ ان کی بڑی مہربانی ہوگی۔ تو قاری صاحب بندہ کے اس دوسرے جواب کے رد میں بھی کوئی ایک لفظ نہیں بول سکے

اور جو کچھ انہوں نے اوپر فرمایا وہ صرف اِن کا مشورہ ہے تو ان کے اپنے ہی طرزِ عمل کے پیش نظر یہ دوسرا جواب بھی ان کے ہاں صحیح ہے۔

تیسرا جواب:

بندہ نے اپنے پہلے رقعہ میں لکھا تھا:

③ ''ثالثاً اس لیے کہ نماز وتر کی تیسری رکعت میں رفع الیدین بھی ''کانها اذناب خیل شمس'' کا مصداق ہے کیونکہ قاعدہ ہے۔ ''العبرة بعموم اللفظ الخ'' تو جیسے اس وتروں والے رفع الیدین کو اس روایت سے منسوخ نہیں کیا گیا ویسے ہی رکوع جاتے اور اس سے سر اُٹھاتے وقت رفع الیدین کو بھی اس کی مثبت احادیث کی بنا پر منسوخ قرار نہیں دیا جا سکتا''۔ (میرا رقعہ نمبرا ص ۹)

قاری صاحب نے میرے اس تیسرے جواب پر کسی قسم کا کوئی کلام نہیں کیا۔ معلوم ہوا وہ اس تیسرے جواب کو بھی صحیح تسلیم کرتے ہیں۔ یہ بات ان کے اپنے ہی طریقہ کے پیش نظر کہی جا رہی ہے چنانچہ پہلے جواب کے بعد ان کے اس طریقہ کی تفصیل بھی لکھی جا چکی ہے اسے ہی ملاحظہ فرمالیں۔

چوتھا جواب:

بندہ نے اپنے پہلے رقعہ میں لکھا تھا:

④ ''رابعاً' اس لیے کہ قاری صاحب کے اس روایت سے رفع الیدین کے نسخ پر استدلال کی بنیاد ''رافعی ایدیکم الخ'' میں رکوع جاتے اور اس سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین مراد ہونے پر ہے مگر ابھی تک انہوں نے اس کی کوئی دلیل بیان نہیں فرمائی لہٰذا ان کا اس روایت سے اس رفع الیدین کے نسخ پر استدلال صحیح نہیں۔ باقی ''کنا اذا صلینا مع رسول الله صلی الله علیه وسلم الخ'' اور ''خرج علینا رسول الله صلی الله علیه وسلم الخ'' کے اس واقعہ کے دو دفعہ رونما ہونے پر دلالت سے یہ لازم نہیں آتا کہ دونوں

موقعوں پر رفع الیدین جدا جدا ہو ''وَمَنِ ادَّعٰی فَعَلَیْهِ الْبَیَانُ'' بصورت تسلیم اتنی چیز سامنے آئے گی کہ ''خرج علینا'' والے واقعہ میں رفع الیدین عند السلام مراد نہیں مگر اس سے یہ کیونکر ثابت ہو گا کہ اس سے رکوع والا رفع الیدین مراد ہے؟ ''وَمَنِ ادَّعٰی فَعَلَیْهِ الْبُرْهَانُ'' (میرا رقعہ نمبرا ص ۹، ۱۰)

اس چوتھے جواب کا بھی قاری صاحب سے کوئی جواب نہ بنا۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ قاری صاحب نے حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ والی روایت کو نقل کرنے کے بعد ملا علی قاری حنفی کا قول ''یہ نسخ رفع الیدین میں مفید ہے'' ذکر کیا ہے اور واضح ہے کہ یہ میری مندرجہ بالا بات کا جواب نہیں ہے کیونکہ ملا علی قاری حنفی کی یہ بات اس مقام پر ہمارے قاری جمیل احمد صاحب کے دعوائے نسخ سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتی تو قاری صاحب کا ملا علی قاری کی بات ''وَیُفِیْدُ النَّسْخَ'' کو پیش فرمانا ان کے حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو اپنے پانچویں رقعہ میں پہلے رقعہ کے بعد ایک دفعہ پھر ذکر کر دینے کے مترادف ہے۔

باقی حضرت نواب صدیق الحسن خاں صاحب کا ملا علی قاری کو الشیخ اور العلامہ کے الفاظ سے یاد کرنا ملا علی قاری کی ہر بات دُرست ہونے کی سند نہیں' دیکھئے نواب صاحب نے اپنی کتابوں میں کئی جگہ ملا علی قاری کی کئی باتوں کی پر زور تردید فرمائی ہے اور یہ بات تمام اہل علم کے ہاں مسلم ہے کہ ہر شیخ اور ہر علامہ کی ہر بات دُرست نہیں ہوتی بھلا حضرت الامام ابوحنیفہ رحمہ اللہ جن کی آپ لوگ تقلید بھی کرتے ہیں سے بڑھ کر ان سے بعد میں آنے والوں میں آپ کے ہاں کون الشیخ اور العلامہ ہوسکتا ہے؟ اس کے باوجود آپ کے ہاں بھی حضرت الامام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی ہر بات دُرست نہیں تو پھر ملا علی قاری ایسے الشیخ اور العلامہ کی ہر بات کیونکر درست ہوسکتی ہے؟ قاری صاحب! اب تو آپ کو حضرت ملا علی قاری کی صفت ''الشیخ اور العلامہ'' یاد آ رہی ہے مگر صاحبِ مشکوٰۃ پر ''قال ابوداؤد: لیس هو بصحیح الخ'' والے وہم کا الزام

لگاتے وقت ملا علی قاری کی صفت ''الشیخ العلامہ'' کو آپ بالکل ہی بھول گئے وہاں بھی تو ملا علی قاری ایسے الشیخ العلامہ کی طرف سے صاحبِ مشکوٰۃ کی تائید کو تسلیم فرمائیں نا اور صاحبِ مشکوٰۃ پر اس مقام پر وہم والا الزام واپس لیں نا تو قصہ مختصر ہر الشیخ العلامہ کی ہر بات دُرست نہیں ہوا کرتی۔ آپ نے خود لکھا ۔

ہر ہاتھ کو عاقل ید بیضاء نہیں کہتے

ہر صاحب عصا کو موسیٰ نہیں کہتے

اور ایسے ہی عاقل ہر الشیخ العلامہ کی ہر بات کو بے خطا نہیں کہتے تو ملا علی قاری کا قول ''ویفید النسخ'' خطا ہے۔ چنانچہ کئی ایک حنفی بزرگ مقلد مولانا محمد انور شاہ صاحب کشمیری حنفی' مولانا عبدالحی لکھنوی حنفی اور علامہ سندھی حنفی رفع الیدین کو غیر منسوخ قرار دے چکے ہیں۔

تو بندہ کے اس چوتھے جواب میں مرکزی بات تو یہ تھی کہ ''رافعي ايديكم'' میں رکوع والا رفع الیدین مراد ہونے کی قاری صاحب نے ابھی تک کوئی دلیل بیان نہیں فرمائی اور ظاہر ہے کہ ملا علی قاری کا قول ''ویفید النسخ'' اس مرکزی بات کا جواب نہیں اور نہ ہی ''رافعي ايديكم'' میں رکوع والا رفع الیدین مراد ہونے کی دلیل ہے صرف ملا علی قاری کا اپنا ایک دعویٰ ہے جس کی کوئی دلیل نہیں اور قاری صاحب خود ہی لکھا کرتے ہیں ''دعویٰ بغیر دلیل کے خارج'' لہٰذا ملا علی قاری کا قول ''ویفید النسخ'' خارج۔

قاری صاحب نے تقریباً ایک صفحہ صرف اس بات پر صرف کیا ہے کہ حدیثیں دو ہیں اور واقعہ بھی دو ہیں ایک سلام والا اور دوسرا غیر سلام والا مگر ان کی یہ ساری محنت اس مقام پر بے سود ہے کیونکہ بندہ نے تو پہلے ہی لکھ دیا تھا ''لازم نہیں آتا کہ دونوں موقعوں پر رفع الیدین جدا جدا ہو ومن ادعى فعليه البيان.''

پھر قاری صاحب بزعم خود حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے دو

ہونے کے دلائل دینے کے بعد بطور نتیجہ لکھتے ہیں ’’ان دلائل سے معلوم ہوا کہ دو حدیثوں کو ایک بنا کر اشارہ کے منع پر چسپاں کرنا حقیقت کے بالکل خلاف ہے‘‘۔

(قاری صاحب کا رقعہ نمبر ۵ ص ۲۱)

ہم قاری صاحب کی یہ بات تسلیم کر لیتے ہیں کہ حدیثیں دو ہیں اور واقعہ بھی دو ہیں ایک واقعہ میں سلام کے وقت اشارہ اور رفع الیدین سے منع کیا گیا ہے مگر دوسری حدیث اور دوسرے واقعہ میں ’’رافعی ایدیکم‘‘ میں رکوع والا رفع الیدین مراد ہونے کی کیا دلیل ہے؟ صرف ایک واقعہ اور ایک حدیث کے سلام والے اشارہ اور رفع الیدین سے متعلق ہونا تو اس کی دلیل ہے نہیں چنانچہ بندہ نے پہلے ہی لکھ دیا تھا ’’بصورت تسلیم اتنی چیز سامنے آئے گی کہ ’’خرج علینا‘‘ والے واقعہ میں رفع الیدین عندالسلام مراد نہیں مگر اس سے یہ کیونکر ثابت ہوگا کہ اس سے رکوع والا رفع الیدین مراد ہے ومن ادعی فعلیه البرهان۔

نیز قاری صاحب لکھتے ہیں ’’علامہ زیلعی نصب الرایہ میں لکھتے ہیں کہ ان دونوں سیاق جدا جدا ہے[1] لہٰذا ایک روایت کو دوسری کی تفسیر نہیں بنایا جا سکتا‘‘۔

(قاری صاحب کا رقعہ نمبر ۵ ص ۲۱)

قاری صاحب! آپ شاید سمجھے یا نہ سمجھے بندہ نے اپنے اس چوتھے جواب میں ’’باقی ’’کنا اذا صلینا‘‘ سے لے کر آخر تک مذکور کلام میں نصب الرایہ والے کی اس مذکورہ بالا بات ہی کا رد کیا تھا کیونکہ نصب الرایہ کی اس بات کو آپ نے اپنے پہلے رقعہ میں بھی نقل کیا تھا تو اب دوبارہ اسی کو نقل کرنے سے آپ کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا۔ آپ کا فرض تھا کہ میری طرف سے نصب الرایہ کی اس بات کی تردید کا آپ جواب دیتے مگر وہ جواب تو آپ سے بن نہ پڑا اس لیے آپ نے اسی بات کو دوبارہ نقل کر دیا۔

---

[1] یہ عبارت قاری صاحب کے رقعہ میں اسی طرح ہے ۱۲ منہ

نصب الرایہ والے کی بات کو ہم تسلیم کر لیتے ہیں کہ دونوں سیاق جدا جدا ہیں اور ایک سیاق (سلام کے وقت اشارہ ورفع الیدین والا) دوسرے سیاق (خرج علینا والے) کی تفسیر نہیں مگر اس کا یہ مطلب کہاں سے اور کیسے نکل آیا کہ "خرج علینا" والے میں وارد "رافعی ایدیکم" میں رکوع والا رفع الیدین مراد ہے؟ اور اس کی کیا دلیل ہے؟ میرے چوتھے جواب میں مذکورہ عبارت "بصورت تسلیم اتنی چیز سامنے آئے گی کہ "خرج علینا" والے واقعہ میں رفع الیدین عندالسلام مراد نہیں مگر اس سے یہ کیونکر ثابت ہوگا کہ اس سے رکوع والا رفع الیدین مراد ہے "ومن ادعی فعلیه البرهان" پر غور فرمائیں وہ نصب الرایہ والی اس بات کا ہی رد ہے اس کا جواب دیں تو اس ساری گفتگو کا نتیجہ یہی ہے کہ "رافعی ایدیکم الخ" میں رکوع والا رفع الیدین مراد ہونے کی قاری صاحب ابھی تک کوئی ایک بلکہ کوئی حصہ دلیل بھی پیش نہیں فرما سکے اور جو کچھ انہوں نے پیش فرمایا وہ مطلوب دلیل کا کروڑواں حصہ بھی نہیں اس لیے "رافعی ایدیکم الخ" میں رکوع والا رفع الیدین مراد ہونے کی دلیل پیش کرنے والا فریضہ ابھی تک ہمارے قاری صاحب کے ذمہ ہے جس سے انہیں اوّلین فرصت میں سبکدوش ہونا چاہیے۔

میرے اس چوتھے جواب میں جس چیز کا قاری صاحب سے مطالبہ کیا گیا وہ صرف اور صرف یہی ہے کہ وہ "رافعی ایدیکم الخ" میں رکوع والا رفع الیدین مراد ہونے کی دلیل پیش کریں مگر وہ مطلوب دلیل پیش کرنے کی بجائے فرماتے ہیں "اس سے یہ ثابت ہوا کہ جناب نبی کریم ﷺ رفع الیدین کرنے والوں پر ناراض ہوئے اور انہیں سکون کا حکم دیا کہ معلوم ہوا رفع الیدین سکون کے خلاف ہے اور حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اپنی تفسیر کے مطابق رفع الیدین خشوع نماز کے مخالف ہے مولانا صاحب یہ تفسیری فتویٰ ان کی مرفوع روایت کے عین موافق ہے جس میں رفع الیدین سے منع کیا گیا ہے"۔ (قاری صاحب کا رقعہ نمبر۵ ص۱۹)

① اوّلاً' جس چیز کا قاری صاحب سے مطالبہ تھا ان کی یہ عبارت اس کا جواب نہیں کیونکہ انہوں نے ہمارے اس چوتھے جواب والے مطالبہ کے پیش نظر ''رافعی ایدیکم الخ'' میں رکوع والا رفع الیدین مراد ہونے کی دلیل بیان کرنا تھی اور ان کی پیش کردہ عبارت میں یہ چیز ڈھونڈے سے بھی نہیں ملتی صرف رفع الیدین کے لفظ سے رکوع والے رفع الیدین کو مراد لے لینا دُرست نہیں اور اگر قاری صاحب نے قاعدہ ''العبرة بعموم اللفظ الخ'' کو اس مقام پر خواہ مخواہ چسپاں کرنا ہی ہے تو پھر وتروں کی تیسری رکعت والے رفع الیدین کو بھی سکون کے خلاف خشوع نماز کے مخالف اور آپ ﷺ کی ناراضگی کا باعث و مصداق بنانا ہوگا۔ آخر لفظ ''رفع الیدین'' قاعدہ ''العبرة بعموم اللفظ الخ'' کی رُو سے تو اس وتروں والے رفع الیدین کو بھی اپنی لپیٹ میں لے رہا ہے نا۔

② ثانیاً' حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی رفع الیدین سے منع والی مرفوع روایت اور ان کے تفسیری فتویٰ کے حوالے پیش کریں نیز ان دونوں کا قابل احتجاج ہونا ثابت فرمائیں جبکہ آپ نے اپنے اس رقعہ میں ان دونوں کاموں سے کوئی سا کام بھی نہیں کیا تو ان کی خدمت میں گزارش ہے کہ صرف دوسروں کو ہی تحقیق کا میدان یاد نہ دلائیں خود بھی اسے یاد رکھیں۔

اس مقام پر خلاصہ کلام یہ ہے کہ جو بات بندہ کے اس چوتھے جواب میں کہی گئی تھی۔ قاری صاحب اس کا جواب دینے میں بالکل ہی ناکام رہے کیونکہ ''رافعی ایدیکم الخ'' میں رکوع والا رفع الیدین مراد ہونے کی دلیل کا کوئی معمولی سا حصہ بھی وہ ابھی تک پیش نہیں فرما سکے تو ''رافعی ایدیکم الخ'' میں رکوع والا رفع الیدین مراد ہونے کی دلیل پیش کرنا ابھی تک قاری صاحب کے ذمہ ہے۔

پانچواں جواب:

بندہ نے اپنے پہلے رقعہ میں لکھا تھا:

⑤ ''خامساً' اس لیے کہ قیام سے رکوع میں جانا' رکوع سے سر اُٹھانا' قومہ سے سجدہ میں جانا' سجدہ سے سر اٹھانا اور جلسہ سے دوسرے سجدہ میں جانا یہ سب حرکات ہیں جو سکون فی الصلوٰۃ کے منافی ہیں تو ''اُسْكُنُوا فِي الصَّلٰوةِ'' کا تقاضا ہے کہ یہ مذکورہ بالا حرکات بھی ممنوع یا منسوخ ہوں کیونکہ قاعدہ ہے: ''اَلْعِبْرَةُ بِعُمُوْمِ اللَّفْظِ لَا بِخُصُوْصِ السَّبَبِ'' تو جس طرح نماز کے اندر یہ سب حرکات دوسرے دلائل کی بنا پر درست ہیں اسی طرح رکوع والا رفع الیدین بھی دوسرے دلائل کی وجہ سے درست' نبی کریم ﷺ کی سنت اور قابل اجر و ثواب ہے لہٰذا قاری صاحب کا حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ والی روایت سے رفع الیدین کے نسخ پر استدلال بے بنیاد ہے''۔ (میرا رقعہ نمبر ا ص ۱۰)

میرے اس جواب نمبر ۵ کو پڑھ کر قاری صاحب لکھتے ہیں ''مولانا صاحب قیام سے رکوع میں جانا رکوع سے سر اٹھانا قومہ سے سجدہ میں جانا سجدہ[1] سر اُٹھانا وغیرہ وغیرہ یہ دلائل سے ثابت ہیں لہٰذا قیام سے رکوع میں جانا رکوع سے سر اٹھانا وغیرہ یہ سکون فی الصلوٰۃ کے منافی نہیں'' (قاری صاحب کا رقعہ نمبر ۵ ص ۱۹) قاری صاحب! کچھ تو اللہ تعالیٰ سے ڈریے اور انصاف لگتی کہیے ہم نے بھی تو یہی کہا کہ یہ چیزیں دلائل سے ثابت ہیں اس لیے ان کو سکون فی الصلوٰۃ والی روایت سے ممنوع یا منسوخ قرار نہیں دیا جاسکتا اور اسی طرح رکوع والا رفع الیدین بھی دلائل سے ثابت ہے لہٰذا اس کو بھی حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی سکون فی الصلوٰۃ والی روایت کے ذریعہ ممنوع یا منسوخ نہیں کیا جاسکتا تو اس مقام پر انصاف اور اللہ تعالیٰ سے ڈر کا تقاضا تھا کہ قاری صاحب فرماتے ''رکوع والا رفع الیدین دلائل سے ثابت نہیں لہٰذا اس کو مندرجہ بالا حرکات کے ساتھ ملانا درست نہیں'' یا پھر جو بات انہوں نے مندرجہ بالا حرکات سے

[1] یہ عبارت قاری صاحب کے رقعہ میں اسی طرح ہے ۱۲ منہ

متعلق لکھی کہ وہ دلائل سے ثابت ہیں لہٰذا سکون فی الصلوٰۃ کے منافی نہیں' وہی بات رکوع والے رفع الیدین سے متعلق بھی لکھتے کہ ''رکوع والا رفع الیدین بھی دلائل سے ثابت ہے لہٰذا وہ بھی سکون فی الصلوٰۃ کے منافی نہیں'' مگر ان کا مندرجہ بالا بیان شاہد صدق ہے کہ انہوں نے ان مبنی بر انصاف دو باتوں سے کوئی سی بات بھی نہیں کہی ہرگز نہیں کہی تو قاری صاحب! بندہ کے مندرجہ بالا پانچویں جواب اور اپنی اس مندرجہ بالا بات کو بار بار پڑھیں اور غور وفکر کرنے کے بعد بتائیں کیا آپ نے مندرجہ بالا بات انصاف اور اللہ تعالیٰ کے ڈر کو ملحوظ رکھتے ہوئے کہی ہے یا کسی اور سے ڈر کر؟ تو قاری صاحب بندہ کے اس پانچویں جواب کا بھی در پیش نہیں کر سکے۔

چھٹا جواب:

بندہ نے اپنے پہلے رقعہ میں لکھا تھا:

⑥ ''سادساً اس لیے کہ رکوع جاتے اور اس سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین اگر سکون فی الصلوٰۃ کے منافی ہے تو لامحالہ نماز وتر کی تیسری رکعت میں رفع الیدین بھی سکون فی الصلوٰۃ کے منافی ہے اور ''**العبرة بعموم اللفظ الخ**'' والا قاعدہ اس کو بھی اپنی لپیٹ میں لے رہا ہے لہٰذا حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے رکوع والے رفع الیدین کے نسخ پر استدلال غلط ہے ورنہ نماز وتر کی تیسری رکعت والے رفع الیدین کا نسخ لازم آئے گا ''**وهو كما ترى**''.

(میرا رقعہ نمبر ۱ ص ۱۰)

میرے اس چھٹے جواب کو پڑھ کر قاری صاحب لکھتے ہیں ''مولانا صاحب تیسری رکعت کے اندر وتروں میں رفع الیدین نہ کرنے کی کوئی صریح روایت موجود نہیں اس لیے یہ نہ سکون فی الصلوٰۃ کے منافی ہے اور نہ ہی ممنوع اور منسوخ''۔

(قاری صاحب کا رقعہ نمبر ۵ ص ۲۵)

① اوّلاً' میرے چھٹے جواب کو ایک دفعہ پھر پڑھیں اور قاری صاحب کی مندرجہ بالا

بات پر غور کریں آپ کو پتہ چلے گا کہ قاری صاحب نے یہ کان کو اُلٹی جانب سے پکڑنے والا کام کیا ہے یہاں تو بے چارے قاری صاحب قیام سے رکوع اور رکوع سے سجدہ کے موقع پر اپنی کہی ہوئی بات بھی نہ کہہ سکے۔

② ثانیاً' قاری صاحب اللہ تعالیٰ سے ڈریے اور انصاف کیجیے اگر آپ کی مندرجہ بالا بات کے پیش نظر کوئی صاحب فرمائیں کہ ''پہلی رکعت کے دوسرے سجدہ' تیسری رکعت کے دوسرے سجدہ سے اُٹھ کر اور قیام کے اندر سورۃ فاتحہ پڑھ لینے کے بعد کوئی دوسری سورت پڑھنے سے پہلے رفع الیدین نہ کرنے کی کوئی صریح روایت موجود نہیں اس لیے ان تینوں مقاموں پر رفع الیدین نہ سکون فی الصلوٰۃ کے منافی ہے اور نہ ہی ممنوع اور منسوخ'' تو کیا آپ ان صاحب کی اس بات کو بھی اپنی مندرجہ بالا بات کی طرح دُرست سمجھیں گے جبکہ انصاف اور اللہ تعالیٰ سے ڈر کا تقاضا ہے کہ آپ اپنی اوپر والی بات کو ملحوظ رکھتے ہوئے ان صاحب کی اس مندرجہ بالا بات کو بھی دُرست قرار دیں لیکن آپ یہ سب کچھ کہنے اور لکھنے کے باوجود ان صاحب کی بات کو مردود ہی قرار دیں گے لہٰذا اسی طرح آپ کی اوپر والی بات بھی غلط' بے بنیاد اور مردود ہے۔

③ ثالثاً' قاری صاحب کی مندرجہ بالا عبارت سے پتہ چل رہا ہے کہ ان کے نزدیک وتروں کی تیسری رکعت میں رفع الیدین نہ کرنے کی غیر صریح روایت موجود ہے کیونکہ انہوں نے صریح کے موجود ہونے کی نفی کی ہے۔ اور اگر قاری صاحب کا مقصود صریح اور غیر صریح دونوں کے موجود ہونے کی نفی ہوتا تو وہ روایت کو صریح سے کبھی مقید نہ فرماتے اور اہل علم جانتے ہیں کہ غیر صریح روایت سے بھی مسئلہ ثابت ہو جایا کرتا ہے گو غیر صریح کے صریح کے مخالف ہونے کی صورت میں صریح کو ترجیح دی جاتی ہے اور زیر بحث مسئلہ میں قاری صاحب کے نزدیک غیر صریح روایت کسی صریح روایت کے مخالف نہیں ہے تو قاری صاحب

کے اس مندرجہ بالا بیان کے لحاظ سے وتروں کی تیسری رکعت میں رفع الیدین نہ کرنے کی غیر صریح روایت موجود ہے لہٰذا وہ بھی سکون فی الصلوٰۃ کے منافی ہے تو اسے بھی حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی زد میں لانا چاہیے نیز قاری صاحب کی اس عبارت کا مفہوم ''کسی کام کا نہ کرنا صریح روایت سے ثابت ہوتا ہے'' اُصول وقواعد کے خلاف ہے۔

④ رابعاً' قاری صاحب کی ہی زبان میں ہم بھی کہتے ہیں ''رکوع جاتے' اس سے سر اُٹھاتے وقت اور دو رکعتوں سے اُٹھ کر رفع الیدین نہ کرنے کی کوئی صریح روایت موجود نہیں اس لیے ان تینوں مقام پر رفع الیدین نہ سکون فی الصلوٰۃ کے منافی ہے اور نہ ہی ممنوع اور منسوخ'' لیجیے قاری صاحب اب تو آپ کی ہی زبان ہے اسے تو تسلیم کیجیے۔

⑤ خامساً' وتروں کی تیسری رکعت میں رفع الیدین کی قاری صاحب نے ابھی تک کوئی ایک دلیل بھی پیش نہیں فرمائی نہ صریح اور نہ ہی غیر صریح جبکہ رکوع والے رفع الیدین کو ثابت کرنے والی بخاری' مسلم اور دیگر کتبِ حدیث میں کئی ایک صحیح اور صریح احادیث موجود ہیں تو وتروں کی تیسری رکعت والا وہ رفع الیدین جس کی قاری صاحب نے ابھی تک کوئی ایک صریح یا غیر صریح دلیل بھی نہیں دی تو قاری صاحب کے نزدیک سکون فی الصلوٰۃ کے منافی نہ ہو اور نہ ہی وہ ممنوع اور منسوخ قرار پائے اور رکوع والا وہ رفع الیدین جس کے اثبات میں کئی ایک صحیح اور صریح احادیث موجود ہیں قاری صاحب کے نزدیک سکون فی الصلوٰۃ کے منافی ہو۔ نیز وہ ان کے نزدیک ممنوع اور منسوخ بھی قرار پائے اس سے بڑھ کر نا انصافی کی اور کیا مثال پیش کی جا سکتی ہے؟ تو قاری صاحب اللہ تعالیٰ کا واسطہ دے کر عرض کرتا ہوں کہ صرف دوسروں کو ہی اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی تلقین نہ کرو خود بھی تو اللہ تعالیٰ سے ڈرونا۔

منسوخیتِ رفع الیدین کی تردید از بزرگانِ حنفیہ:

آپ پہلے صفحات میں ملاحظہ فرما چکے کہ قاری صاحب نے ''منسوخیتِ رفع الیدین'' کے اثبات میں بزعم خود بطور دلیل جو پانچ روایات پیش کی تھیں ان سے کچھ تو پایہ ثبوت کو ہی نہیں پہنچتیں اور جو ان سے پایہ ثبوت کو پہنچتی ہیں ان سے رفع الیدین کی منسوخیت ثابت نہیں ہوتی۔ اس اجمال کی تفصیل آپ پہلے اوراق میں پڑھ چکے ہیں اس مقام پر آپ کو یہ بتانا مقصود ہے قاری صاحب کے منسوخیتِ رفع الیدین والے دعویٰ کی تو کئی ایک حنفی بزرگ بھی تردید و تغلیط فرما چکے ہیں۔ شاید قاری اپنے ان اکابر بزرگوں کی ہی تسلیم فرمالیں چنانچہ اسی غرض کی خاطر بندہ نے اپنے پہلے رقعہ میں مندرجہ بالا عنوان کے تحت لکھا تھا ''کئی ایک حنفی بزرگوں نے بھی دعویٰ ''منسوخیتِ رفع الیدین'' کی تردید و تغلیط فرمائی ہے جن میں سے صرف تین بزرگوں کے اقوال نیچے درج کیے جاتے ہیں۔

① حضرت مولانا عبدالحی لکھنوی حنفی لکھتے ہیں:

''وَاَمَّا دَعْوٰی نَسْخِہٖ کَمَا صَدَرَ عَنِ الطَّحَاوِیِّ مُغْتَرًّا بِحُسْنِ الظَّنِّ بِالصَّحَابَةِ التَّارِکِیْنَ وَابْنِ الْهَمَّامِ وَالْعَیْنِیِّ وَغَیْرِهِمْ مِنْ اَصْحَابِنَا فَلَیْسَتْ بِمُبَرْهَنٍ عَلَیْهَا بِمَا یَشْفِی الْعَلِیْلَ وَیَرْوِی الْغَلِیْلَ''.

(التعلیق الممجد علی مؤطا محمد ص ۸۹ حاشیہ ۹)

نیز وہی لکھتے ہیں:

''وَذَکَرَ الطَّحَاوِیُّ بَعْدَ رِوَایَتِہٖ عَنْ عَلِیٍّ: لَمْ یَکُنْ عَلِیٌّ لِیَرَی النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَرْفَعُ ثُمَّ یَتْرُکُہٗ اِلَّا وَقَدْ ثَبَتَ عِنْدَہٗ نَسْخُہٗ. اِنْتَهٰی وَفِیْہِ نَظَرٌ فَقَدْ یَجُوْزُ اَنْ یَکُوْنَ تَرْکُ عَلِیٍّ وَکَذَا تَرْکُ ابْنِ مَسْعُوْدٍ وَتَرْکُ غَیْرِهِمَا مِنَ الصَّحَابَةِ اِنْ ثَبَتَ عَنْهُمْ لِاَنَّهُمْ لَمْ یَرَوُا الرَّفْعَ سُنَّةً مُؤَکَّدَةً یَلْزَمُ الْاَخْذُ بِهَا وَلَا یَنْحَصِرُ ذَالِکَ فِی النَّسْخِ

بَلْ لَا یُجْتَرَأُ بِنَسْخِ اَمْرٍ ثَابِتٍ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمُجَرَّدِ حُسْنِ الظَّنِّ بِالصَّحَابِيِّ مَعَ اِمْكَانِ الْجَمْعِ بَيْنَ فِعْلِ الرَّسُوْلِ وَفِعْلِهٖ". ١٠ھ (ص ٨٩ حاشیہ نمبر ١١)

نیز لکھنوی صاحب ہی تحریر فرماتے ہیں:

"وَلَا اِلٰى دَعْوٰى نَسْخِ الرَّفْعِ مَالَمْ يَثْبُتْ ذَالِكَ بِنَصٍّ عَنِ الشَّارِعِ".

(ص ٩١ حاشیہ نمبر ٥)

تو ان مندرجہ بالا عبارات میں حضرت مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی حنفی رحمۃ اللہ علیہ نے تصریح فرمادی ہے کہ منسوخیت رفع الیدین والا دعویٰ درست نہیں۔

② حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحب کشمیریؒ اپنی کتاب "نیل الفرقدین" میں تحریر فرماتے ہیں "اِنَّ الرَّفْعَ مُتَوَاتِرٌ اِسْنَادًا وَعَمَلًا وَلَا يُشَكُّ فِيْهِ، وَلَمْ يُنْسَخْ وَلَا حَرْفٌ مِنْهُ" (ص ٢٢) رفع الیدین سند اور عمل کے لحاظ سے متواتر ہے' اس میں شک نہیں کیا جاتا' وہ منسوخ بھی نہیں اور نہ ہی اس کا کوئی حرف منسوخ ہے۔

③ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری حنفیؒ ترمذی کی شرح معارف السنن میں اپنے استاذ گرامی کی مندرجہ بالا عبارت نقل فرما کر کوئی ایک لفظ بھی اس کی تردید میں نہیں بولتے اور ان کے اسلوبِ بیان سے صاف ظاہر ہے کہ وہ اپنے استاذ گرامی کی اس مسئلہ میں حرف بحرف تائید فرما رہے ہیں"۔ (میرا رقعہ نمبر ١ص ١١' ١٢)

بندہ کی اس عبارت پر قاری صاحب نے کوئی ایک حرف بھی نہیں لکھا جس سے معلوم ہوا کہ انہیں میری ان باتوں سے پورا اتفاق ہے۔ تو یہ ہیں ان کے اپنے ہی بزرگ جو نسخ رفع الیدین والے دعویٰ کی تردید و تغلیط فرما رہے ہیں پھر قاری صاحب نے مجھے تو مشورہ دیا کہ "مولانا صاحب اگر کوئی حوالہ پیش کرنا ہو تو پہلے اپنے بڑوں کی طرف بھی نظر کر لیا کرو الخ" تو ان کے ہی انداز میں یہ بندہ بھی کہتا ہے "قاری صاحب! اگر آپ نے کوئی دعویٰ کرنا ہو تو پہلے اپنے بڑوں کی طرف بھی نظر کر لیا کرو

خصوصاً اپنے ایک بہت ہی بڑے حضرت الامام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی طرف کیونکہ آپ ان کے تو مقلد بھی ہیں اس لیے آپ پر از روئے تقلید واجب ہے کہ ''منسوخیتِ رفع الیدین'' کو حضرت الامام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہونا ثابت کریں یا اپنے دعویٰ ''منسوخیتِ رفع الیدین'' سے رجوع فرمالیں یہ میرا مشورہ ہے گر قبول افتذ ہے عز و شرف۔

آخری بات

اس عنوان کے تحت بندہ نے اپنے پہلے رقعہ میں لکھا تھا ''قاری صاحب حضرت الامام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مقلد ہیں اور مقلد کا مستند اس کے امام کا قول ہی ہوا کرتا ہے چنانچہ مسلم الثبوت کے صفحہ نمبر ۵ پر لکھا ہے: ''وَاَمَّا الْمُقَلِّدُ فَمُسْتَنَدُهٗ قَوْلُ مُجْتَهِدِهٖ لَاظَنُّهٗ وَلَاظَنُّهٗ'' اس لیے مقلد ہونے کی حیثیت سے قاری صاحب کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے دعویٰ ''منسوخیتِ رفع الیدین'' کو حضرت الامام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے ثابت فرمائیں ورنہ وہ کم از کم اس موقف میں تو ان کے مقلد نہیں رہیں گے'' (میرا رقعہ نمبر ۱ ص ۱۲) اس کو پڑھ کر قاری صاحب لکھتے ہیں ''یہ جو بحث چل رہی ہے اس سے یہ بات خارج ہے لٰہذا خروج عن البحث لازم آتا ہے الخ''۔

(قاری صاحب کا رقعہ نمبر ۵ ص ۲۵)

① اوّلاً' ہماری اس بات چیت کا موضوع ہے ''منسوخیتِ رفع الیدین'' قاری صاحب مدعی ہیں اور بندہ سائل اور اگر قاری صاحب سے ان کے مقلد ہونے کی حیثیت سے اپنے اس دعویٰ وقول کو اپنے ہی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے ثابت کرنے کا سوال کرلیا جائے تو یہ موضوع بحث سے خارج کیوں اور خروج عن البحث لازم کیسے؟ خصوصاً جبکہ مقلد کے لیے مستند صرف اور صرف اس کے امام کا قول ہی ہے۔ امام کا ظن مقلد کے لیے مستند ہے نہ اس کا اپنا ظن۔ اگر قاری صاحب منسوخیتِ رفع الیدین والا قول حضرت الامام ابوحنیفہؒ سے ثابت نہیں

کرتے تو پھر یہ ان کا اپنا ظن ٹھہرا اور مقلد کا ظن تو اس کی اپنی ذات کے لیے مستند نہیں چہ جائیکہ وہ اپنے اس ظن کو دوسروں پر ٹھونسنا شروع کر دے۔ پھر ان کا یہ ظن بھی وہ ظن ہے جس کی پشت پر کوئی دلیل بھی نہیں۔

② ثانیاً' تھوڑی دیر کے لیے ہم تسلیم کر لیتے ہیں کہ قاری صاحب سے ہمارا یہ مطالبہ کہ ''مقلد ہونے کی حیثیت سے قاری صاحب کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے اس دعویٰ ۔ منسوخیت رفع الیدین'' کو حضرت الامام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے ثابت فرمائیں'' خارج عن البحث ہے اور اس سے خروج عن البحث لازم آتا ہے لیکن یہ خروج عن البحث والا لازم حرام ہے نہ مکروہ کیونکہ قرآن مجید میں کئی ایک مقامات پر ایسا ہوا ہے کہ ایک موضوع پر بات چیت کے دوران اس موضوع سے خارج کوئی بات بیان ہوئی ہے اور اگر آپ ''منسوخیت رفع الیدین'' والا قول حضرت الامام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے ثابت نہ کریں تو خروج عن التقلید لازم آئے گا اور خروج عن التقلید تقلید کے آپ کے نزدیک فرض ہونے کی صورت میں تو حرام اور تقلید کے آپ کے نزدیک واجب ہونے کی صورت میں مکروہ تحریمی تو قصہ مختصر' جو چیز آپ کے خیال کے مطابق بندہ پر لازم آئی یعنی خروج عن البحث وہ حرام ہے نہ مکروہ بلکہ وہ جائز اور درست ہے اور جو چیز آپ پر لازم آئی یعنی خروج عن التقلید وہ حرام ہے یا مکروہ تحریمی تو آپ کے اس حرام یا مکروہ تحریمی سے بچنے کے لیے صرف دو ہی راہیں ہیں یا تو آپ ''منسوخیت رفع الیدین'' والا قول حضرت الامام ابوحنیفہؒ سے ثابت فرمائیں یا پھر کم از کم اس مسئلہ میں ان کی تقلید سے رجوع کریں اور صاف صریح اور دوٹوک لفظوں میں لکھیں کہ میں منسوخیت کے مسئلہ میں حضرت الامام ابوحنیفہ کا مقلد نہیں ہوں اور یہ گومگو والی حالت چھوڑیں۔

③ ثالثاً' پہلے صفحات اور رقعہ جات اس بات پر شاہد ہیں کہ قاری صاحب اپنے

دعویٰ ''منسوخیت رفع الیدین'' کو کسی ایک دلیل سے بھی ثابت نہیں فرما سکے اور اپنے اس دعویٰ کے اثبات میں انہوں نے جو مواد پیش کیا اس کا کچھ حصہ تو سرے سے ثابت ہی نہیں اور اس کا جو حصہ ثابت ہے اس سے رفع الیدین کی منسوخیت ثابت نہیں ہوتی اور اب میرے مندرجہ بالا مطالبہ پر قاری صاحب کا منسوخیت رفع الیدین والے قول کو حضرت الامام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے ثابت نہ فرمانا اس بات کی دلیل ہے کہ قاری صاحب کے نزدیک بھی ''منسوخیت رفع الیدین'' والا قول حضرت الامام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے بھی ثابت نہیں۔

قاری صاحب مزید لکھتے ہیں ''اس کے جواب میں صرف یہی کہتا ہوں کہ مولانا صاحب اس عبارت کو پوری پڑھیں آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ میں امام الاعظم[1] امام ابوحنیفہ کے[1] کس بات میں مقلد ہوں''۔ (قاری صاحب کا رقعہ نمبر ۵ ص ۲۵)

① اوّلاً' قاری صاحب! میں نے آپ کے پانچوں کے پانچ رقعے پورے کے پورے بڑی توجہ سے کئی بار پڑھے مگر آپ کے ان پانچوں رقعوں میں مجھے تو کوئی ایک لفظ بھی ایسا نہیں ملا جس سے یہ پتہ چلتا ہو کہ آپ کس بات میں حضرت الامام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مقلد ہیں۔ ہاں آپ کے رقعوں میں ''رفع الیدین نہیں کرنا چاہیے'' یہ دلائل پیش کیے ہیں ''ترک رفع الیدین پر'' اور ''دلیل منسوخیت پر بھی'' اور ''تو خیر میرا دعویٰ ہے منسوخیت رفع الیدین کا'' ایسے جملے ضرور موجود ہیں جن سے صاف ظاہر اور واضح ہے کہ آپ منسوخیت کی وجہ سے ترکِ رفع الیدین کے قائل ہیں تو بتائیے صاحب حضرت الامام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول اور فتویٰ بھی یہی ہے کہ ''منسوخیت کی وجہ سے ترکِ رفع الیدین'' اگر ہے تو حوالہ پیش کریں اگر نہیں تو پھر آپ ''منسوخیت کی وجہ سے ترکِ رفع الیدین'' میں

---

[1] یہ عبارت قاری صاحب کے رقعہ میں اسی طرح ہے ۱۲ منہ

حضرت الامام ابوحنیفہؒ کے مقلد نہ رہے تو حضرت صاحب! آپ کا یہ رقعہ بتا رہا ہے کہ جس طرح آپ ''منسوخیت رفع الیدین'' کو دلائل سے ثابت کرنے میں ناکام رہے اسی طرح آپ اس ''منسوخیت رفع الیدین'' کے حضرت الامام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہونے کو ثابت کرنے سے بھی عاجز ہی رہے۔

② ثانیاً' آپ کا قول ''کس بات میں مقلد ہوں'' بتا رہا ہے کہ آپ کسی بات میں تو حضرت الامام ابوحنیفہؒ کے مقلد ہیں اور کسی بات میں آپ ان کے مقلد نہیں آخر ایسا کیوں؟ آپ لوگ اپنی تقریروں اور تحریروں میں وجوبِ تقلید کے جو دلائل بزعم خود پیش کیا کرتے ہیں آیا ان میں بھی اس قسم کی دوغلی پالیسی پائی جاتی ہے؟ کہ کسی بات میں تقلید ہے اور کسی میں نہیں؟ نیز جن باتوں میں آپ حضرت الامام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مقلد نہیں ان باتوں میں تو آپ بھی حضرت الامام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے قول کو رد کرنے اور چھوڑنے والے ٹھہرے تو پھر اگر اہل حدیث حضرات محض قرآن وحدیث کے پیش نظر حضرت الامام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے کچھ اقوال رد کریں اور چھوڑ دیں تو پھر وہ قابل ملامت کیوں؟ اور آپ کے بعض بھائیوں کے نزدیک وہ اعداد رمل والے شعر کے مصداق کیسے؟ جبکہ آپ بھی اپنے مندرجہ بالا قول ''کس بات میں مقلد ہوں'' کی رو سے حضرت الامام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے کچھ اقوال رد کر اور چھوڑ دیتے ہیں تو آیا آپ بھی قابل ملامت اور اعداد رمل والے شعر کا مصداق بنے یا نہ۔

③ ثالثاً' آپ کی اس عبارت سے واضح ہو رہا ہے کہ آپ ''منسوخیت رفع الیدین'' میں حضرت الامام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے تو مقلد نہیں تو پھر ہم آپ سے پوچھتے ہیں آیا آپ اس ''منسوخیت رفع الیدین'' میں اپنی ذات کے مقلد ہیں یا امام ابوحنیفہؒ کے علاوہ کسی اور شخصیت کے یا نہ اپنی ذات کے اور نہ ہی کسی اور شخصیت کے تو ان تین صورتوں سے جو صورت بھی آپ اختیار فرمائیں ہر صورت میں حضرت

الامام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی تقلید کے ترک کے ساتھ ساتھ اور بھی کئی خرابیاں لازم آئیں گی جبکہ صرف ترک تقلید ہی آپ کے ہاں حرام یا مکروہ تحریمی ہے ہاں اگر آپ تقلید کو فرض اور واجب نہ سمجھتے ہوں تو پھر دوسری بات ہے۔

مختلف اقوال رکھنے والے حنفی سب کے سب کم از کم اس مسئلہ میں تو امام ابوحنیفہؒ کے مقلد نہیں ہو سکتے

بندہ نے اپنے پہلے رقعہ میں لکھا تھا ''نیز حنفی حضرات کے رفع الیدین کے سلسلہ میں متعدد و مختلف قول ہیں۔ کوئی صاحب فرماتے ہیں ''رفع الیدین قبیح ہے'' (بدائع الصنائع) کوئی بزرگ یوں گویا ہوتے ہیں ''رفع الیدین سے نماز فاسد ہو جاتی ہے'' (علامہ اتقانی) کوئی صاحب لکھتے ہیں ''ترک رفع الیدین اولیٰ ہے'' (الکوکب الدری) کوئی صاحب فرماتے ہیں ''رفع الیدین کرنا اقوی اور ارجح ہے'' (حجۃ اللہ' علامہ سندھی' علامہ عبدالحی لکھنوی) کوئی بزرگ فرماتے ہیں ''رفع الیدین کرنا نہ کرنا دونوں سنت ہیں'' (نیل الفرقدین' معارف السنن) تو مقلدین حضرات کے پانچ مختلف قول ہیں۔ ظاہر بات ہے کہ حضرت الامام ابوحنیفہ سے تو یہ پانچوں کے پانچ قول ثابت نہیں تو پھر پانچوں قسم کے یہ مقلدین مسئلہ رفع الیدین میں حضرت الامام ابوحنیفہؒ کے مقلد کیوں کر رہ سکتے ہیں تو مقلد ہونے کی حیثیت سے منسوخیتِ رفع الیدین کے قول کا حضرت الامام ابوحنیفہؒ سے ثابت کرنا قاری صاحب کی ذمہ داری ہے''۔ (میرا رقعہ نمبر۱ ص۱۲)

اس کو پڑھ کر قاری صاحب لکھتے ہیں ''تفصیل کا موقعہ نہیں[1] خلاصہ کلام یہ کہ غیر مقلدین کے بھی مختلف قول ہیں رفع الیدین کے بارے میں' لہٰذا پہلے آپ ایک قول پر یعنی سب کے سب متفق ہوں پھر احناف پر اعتراض کرنا الخ''۔

(قاری صاحب کا رقعہ نمبر۵ ص۲۵)

---

[1] یہ عبارت قاری صاحب کے رقعہ میں اسی طرح ہے ۱۲ منہ

① اوّلاً' تفصیل کے موقع نہ ہونے والی بات قاری صاحب خواہ مخواہ بنا رہے ہیں کیونکہ وہ خود اس سے قبل کئی ایک باتیں بلا موقع کہہ چکے ہیں مثلاً صاحبِ مشکوٰۃ کے دو وہم ''بصوتہ الاعلی'' اور ''امرأتہ'' والی بات اور حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی دو روایات کے سیاق جدا جدا ہونے پر ان کا کلام۔

② ثانیاً' تمام اہلحدیث اس بات پر متفق ہیں کہ رکوع والا رفع الیدین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے منسوخ نہیں ہاں اکثر اہل حدیث اس کو سنت اور بعض اس کو واجب سمجھتے ہیں پھر اس میں ان پر کوئی اعتراض بھی نہیں کیونکہ ان سے کوئی بھی کسی کا مقلد نہیں۔

③ ثالثاً' قاری صاحب آپ غلط سمجھے بندہ نے حنفی بزرگوں کے آپس کے اندر اس مسئلہ میں ایک دوسرے سے باہمی اختلاف پر کوئی اعتراض نہیں کیا تھا میری غرض تو صرف اور صرف وہی تھی اور ہے جو میرے قول ''ظاہر بات ہے کہ حضرت الامام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے تو یہ پانچوں کے پانچ قول ثابت نہیں تو پھر پانچوں قسم کے یہ مقلدین مسئلہ رفع الیدین میں حضرت الامام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مقلد کیونکر رہ سکتے ہیں'' سے واضح ہے اس کا جواب اگر آپ کے پاس ہو تو پیش کریں۔ سوال کو اِدھر اُدھر کی باتوں میں اُلجھانے کی کوشش نہ کریں' نیز مقلدین کے صرف ایک ہی مسئلہ میں پانچ اقوال میں مختلف ہونا اس بات کی بین دلیل ہے کہ تقلید اتفاق کا مدار نہیں ہے جیسا کہ بعض حضرات اس کو ثابت کرنے کے لیے دن رات ایڑی چوٹی کا زور لگاتے رہتے ہیں۔ اگر تقلید اتفاق کا مدار ہوتی تو مقلدین متعدد فرقوں میں نہ بٹتے اور نہ ہی ایک امام کے مقلدین میں کسی قسم کا کوئی اختلاف ہوتا۔

قاری صاحب کا ایک خطرناک سوال اور اس کا جواب:

قاری صاحب لکھتے ہیں: ''اسی سلسلہ میں غیر مقلدین سے ایک سوال کہ

بعض غیر مقلدین سجدہ کی رفع الیدین کو سنت کہتے ہیں...... ابوحفص وغیرہ۔ اور عام غیر مقلدین اس کے سنت ہونے کے منکر ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ سنت کا منکر بھی لعنتی ہوتا ہے اور غیر سنت کو سنت کہنے والا بھی لعنتی ہوتا ہے اس لیے بتایا جائے الخ''۔

(قاری صاحب کا رقعہ نمبر ۵ ص ۲۵، ۲۷)

① اولاً' اگر بندہ کی ''آخری بات'' کے تحت لکھی ہوئی عبارت سے خروج عن البحث لازم آتا ہے تو قاری صاحب کا اپنا یہ سوال تو ہے ہی خروج عن البحث اتامرون الناس بالبر وتنسون انفسکم.

② ثانیاً' عنوان ''آخری بات'' کے تحت بندہ نے جو کچھ لکھا اس سے مقصود صرف دو چیزیں تھیں ❶ ''مقلد ہونے کی حیثیت سے قاری صاحب کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے دعویٰ ''منسوخیت رفع الیدین'' کو حضرت الامام ابوحنیفہؒ سے ثابت فرمائیں ورنہ وہ الخ'' ❷ ''ظاہر بات ہے کہ حضرت الامام ابوحنیفہؒ سے تو یہ پانچویں کے پانچ قول ثابت نہیں تو پھر پانچوں قسم کے یہ مقلدین مسئلہ رفع الیدین میں حضرت الامام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مقلد کیوں کر رہ سکتے ہیں'' ان دو باتوں کا تو قاری صاحب سے کوئی معقول جواب نہ بنا البتہ غیر مقلدین کو لعنتی بنانے کے شوق سے ایک سوال پیش کر دیا اور خود اس سوال کے نتائج سے غافل ہو گئے چنانچہ عنقریب ان کی آنکھیں کھل جائیں گی اور انہیں پتہ چل جائے گا کہ ان کے اس سوال کی زد سے نہ تو وہ خود ہی بچ سکے اور نہ ہی اپنے امام حضرت الامام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہی کو بچا سکے۔

③ ثالثاً' قاری صاحب کا مندرجہ بالا سوال غیر مقلدین کی طرح تمام مقلدین' ائمہ مجتہدین اور تمام صحابہ وتابعین کو اپنی لپیٹ میں لے رہا ہے اسی لیے بندہ نے اس سوال کو عنوان میں خطرناک کے لقب سے یاد کیا ہے۔ اب ذرا اس اجمال کی تفصیل سنیے تو قاری صاحب کی زبان میں ''بعض مقلدین حنفیہ رکوع والے

رفع الیدین کو سنت کہتے ہیں اور بعض مقلدین حنفیہ اس کے سنت ہونے کے منکر ہیں (جیسا کہ حنفی بزرگوں کے مذکورہ پانچ اقوال سے واضح ہے) اب سوال یہ ہے کہ سنت کا منکر بھی لعنتی ہوتا ہے اور غیر سنت کو سنت کہنے والا بھی لعنتی ہوتا ہے اس لیے بتایا جائے الخ' نیز ائمہ مجتہدین سے کئی ایک ائمہ رکوع والے رفع الیدین کو سنت کہتے ہیں اور حضرت الامام ابوحنیفہ اور ان کے ہمنوا اس کے سنت ہونے کے منکر ہیں تو اب سوال یہ ہے کہ سنت کا منکر بھی لعنتی ہوتا ہے اور غیر سنت کو سنت کہنے والا بھی لعنتی ہوتا ہے اس لیے بتایا جائے الخ۔ یہ دونوں باتیں ہم نے لفظ بلفظ قاری صاحب کی ہی زبان میں دُہرائی ہیں صرف غیر مقلدین کی جگہ مقلدین اور ائمہ مجتہدین اور سجدے والے رفع الیدین کی جگہ رکوع والے رفع الیدین کو استعمال کیا ہے۔ اس سے آپ بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ قاری صاحب کا یہ لعنتی گر سوال صرف غیر مقلدین کے ساتھ مخصوص ہے نہ ہی سجدہ والے رفع الیدین کے ساتھ بلکہ یہ تو تمام مقلدین سمیت پوری اُمتِ مسلمہ کو ہر سنت و غیر سنت والے اختلاف کے مقام پر اپنی لپیٹ میں لے رہا ہے اور اُمت کے ہر فرد کو لعنتی بنا رہا ہے۔ پھر مقلدین اور ائمہ مجتہدین کے فرض اور غیر فرض والے اختلافات میں تو صورتِ حال اور بھی سنگین ہو جائے گی۔ دوسروں کو نرے تعصب اور کم عقلی سے مطعون کرنے والو غور کرو کہیں آپ کے اس لعنتی گر سوال میں بھی نرا تعصب اور کم عقلی ہی کار فرما نہ ہو؟ اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔

قاری صاحب کی ذمہ داری اور خلاصہ کلام:

آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ قاری صاحب نے اپنے دعویٰ ''منسوخیتِ رفع الیدین'' پر بزعم خود جو دلائل پیش کیے' ان میں سے کسی ایک دلیل سے بھی منسوخیتِ رفع الیدین ثابت نہیں ہوتی نیز آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ منسوخیتِ رفع الیدین کے حضرت الامام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول و مذہب ہونے کو بھی قاری صاحب ثابت نہیں فرما

سکے لہٰذا ان دونوں چیزوں منسوخیت رفع الیدین اور اس کے حضرت الامام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول و مذہب ہونے کو ثابت کرنا ابھی تک قاری صاحب کے ذمہ ہے دیکھیں وہ اپنی اس ذمہ داری سے کب سبکدوش ہوتے ہیں تو خلاصہ کلام یہ ہے کہ رکوع جاتے' اس سے سر اُٹھاتے وقت اور دو رکعت سے اُٹھ کر رفع الیدین کرنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتِ غیر منسوخہ ہے نسخ رفع الیدین کی کوئی ایک دلیل بھی نہیں۔ کئی ایک حنفی بزرگ اس بات کا اعتراف' اقرار' اذعان اور اعلان فرما چکے ہیں ان سب امور کی تفصیل پہلے لکھی جا چکی ہے' اسے ضرور ملاحظہ فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو کتاب و سنت سمجھنے اور ان پر عمل کی توفیق عطا فرمائے آمین یارب العالمین۔

ابن عبدالحق بقلمہ

۱۶/ ذوالقعدہ ۱۴۰۲ھ

سرفراز کالونی' جی' ٹی روڈ' گوجرانوالہ



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

بخدمتِ اقدس جناب مولانا حافظ عبدالمنان صاحب!

زَادَنِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی وَاِیَّاکَ عِلْمًا نَّافِعًا وَّ عَمَلًا مُّتَقَبَّلاً.

اسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

بعد تسلیم عرض ہے کہ آپ کا رقعہ ۴ر ستمبر بعد نماز مغرب میرے پاس پہنچا' پڑھنے کے بعد معلوم ہوا کہ آپ نے اس حوالہ جواب نہیں دیا جو میں نے اپنے رقعہ نمبر ۵ ص ۹ پر لکھا تھا کہ اگر یہ حوالہ صحیح ثابت کر دے تو آگے بات کرنا ورنہ ختم (یعنی اصل کتاب سے) تو جب مولانا صاحب میں نے اس شرط کے ساتھ لکھا تھا کہ پہلے اس کو صحیح ثابت کریں پھر آگے چلنا لیکن آپ نے اس شرط کو مدنظر نہیں رکھا اس لیے آپ کے رُقعہ کا جواب میں اس وقت دوں گا جب آپ یہ حوالہ صحیح ثابت کر دیں اس کے پہلے نہیں کیونکہ قانون ہے۔ اِذَا فَاتَ الشَّرْطُ فَاتَ الْمَشْرُوْطُ.

باقی رہا مولانا صاحب کا یہ لکھنا جیسا کہ انہوں نے اپنے رقعہ نمبر ۵ ص ۴۶ پر لکھا ہے کہ اگر صاحب مشکوٰۃ ابوداوٗد کا فیصلہ نقل کرنے میں وہم کا الزام لگانے کی طرح صاحب تلخیص پر بھی امام احمدؒ اور یحییٰ بن آدمؒ کے فیصلہ تصنیف کے نقل کرنے میں وہم کا الزام لگا دے اور صاف صاف لفظوں میں لکھ دیں کہ امام احمدؒ اور یحییٰ بن آدمؒ سے تلخیص میں حافظ ابن حجر کا فیصلہ تضعیف کو نقل کرنا حافظ ابن حجر کا نرا وہم ہے تو یہ بندہ ان شاء اللہ العزیز معتبر اور مستند اصل کتاب سے فیصلہ تضعیف کا امام احمدؒ اور یحییٰ بن آدمؒ سے ثابت ہونا پیش کر دے نیز وہ اصل کتاب بھی آپ کو دکھا دے گا الخ۔[1]

لو سنیے مولانا صاحب صاف صاف لفظوں میں:

---

[1] ساری عبارت اصل مسودہ میں ایسے ہی ہے۔

مولانا صاحب امام احمدؒ اور یحییٰ ابن آدم نے اس حدیث پر جرح نہیں کی اور نہ ہی دنیا کی کسی کتاب میں اس کا نام ونشان ملتا ہے البتہ حافظ ابن حجر تلخیص الجیر[1] امام بخاریؒ کے رسالہ جزء رفع الیدین کے حوالہ سے لکھتے ہیں قال احمد و شیخه یحییٰ بن آدم هو ضعیف. کہ امام احمد اور یحییٰ بن آدمؒ جو امام احمد کے اُستاد ہیں دونوں فرماتے ہیں کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔

لیکن حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی یہ سخت غلطی ہے کیونکہ جزء رفع الیدین میں کوئی تضعیف نہیں کی گئی۔

جمیل احمد گلوٹیاں کلاں

۴ر ستمبر بروز اتوار

مقیم مدرسہ دارالعلوم تعلیم القرآن ملحقہ مسجد گنبد والی

سرفراز کالونی جی ٹی روڈ گوجرانوالہ



نوٹ: یہ تمام عبارت بعینہٖ کتابت کی گئی لہٰذا قارئین اگر کہیں سقم محسوس کریں تو اسے کاتب کی غلطی نہ تصور کریں۔ (کاتب)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

بخدمت جناب قاری جمیل احمد صاحب!

زَادَنِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَاِیَّاکَ عِلْمًا نَّافِعًا وَّ عَمَلًا مُّتَقَبَّلًا.

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

آپ کا چھٹا رقعہ موصول ہوا جس میں آپ لکھتے ہیں ’’آپ نے اس حوالہ کا جواب نہیں دیا جو میں نے اپنے رقعہ نمبر۵ ص ۹ پر لکھا تھا کہ اگر یہ حوالہ صحیح ثابت کر دے تو آگے بات کرنا ورنہ ختم (یعنی اصل کتاب سے) تو جب مولانا صاحب میں نے اس شرط کے ساتھ لکھا تھا کہ پہلے اس کو صحیح ثابت کریں پھر آگے چلنا لیکن آپ نے اس شرط کو مدنظر نہیں رکھا اس لیے آپ کے رُقعہ کا جواب میں اس وقت دوں گا جب آپ یہ حوالہ صحیح ثابت کریں اس کے پہلے نہیں کیونکہ[1] قانون ہے اذا فات الشرط فات المشروط. (قاری صاحب کا رقعہ نمبر۶ ص۱)

① اوّلاً بندہ نے اپنے ۹۶ صفحات پر مشتمل پانچویں رقعہ میں قاری صاحب کے پانچویں رقعہ میں درج تمام باتوں کا مدلل جواب تحریر کیا چنانچہ قاری صاحب کی مندرجہ بالا عبارت میں بھی اس بات کا ایک گنا اعتراف واقرار پایا جاتا ہے‘ انہیں شکوہ ہے تو صرف ایک حوالہ کے متعلق کہ اس کا انہیں جواب نہیں دیا گیا حالانکہ بندہ نے اس کا جواب بھی دے دیا تھا چنانچہ آپ قاری صاحب کے رقعہ نمبر۵ ص ۹ اور بندہ کے رقعہ نمبر۵ ص ۴۵ وص ۴۶ کو پڑھ کر خود معلوم کر سکتے ہیں۔ سردست اتنی بات یاد رکھیں کہ قاری صاحب نے حضرت الامام احمد بن حنبلؒ اور یحییٰ بن آدمؒ کے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سے متعلق

---

[1] یہ عبارات والفاظ قاری صاحب کے رقعہ میں اسی طرح ہیں۔

فیصلہ تضعیف کے سلسلہ میں بندہ سے صحیح حوالہ کا مطالبہ کیا جس کے جواب میں بندہ نے کہا کہ میں نے صحیح حوالہ تو پہلے ہی پیش کیا ہوا ہے کہ ان دونوں بزرگوں کا وہ فیصلہ حافظ ابن حجر کی کتاب تلخیص میں موجود ہے چنانچہ ان کے اس فیصلہ کے تلخیص میں موجود ہونے کا قاری صاحب نے خود بھی اعتراف فرمایا ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں ''البتہ حافظ ابن حجر تلخیص الجیر امام بخاری کے رسالہ جزء رفع الیدین کے حوالہ سے لکھتے ہیں **قال احمد و شیخہ یحیی بن آدم ھو ضعیف.**'' الخ (قاری صاحب کا رقعہ نمبر ۶ ص ۱) کیوں جی قاری صاحب بندہ نے صحیح حوالہ پیش کر دیا تھا نا جس کا آپ نے خود بھی اعتراف فرما لیا لہٰذا آپ کی مندرجہ بالا عبارت بے بنیاد اور واقع کے سراسر خلاف ہے کیونکہ بندہ نے آپ کے اس حوالہ کا بھی جواب دیا نیز آپ کی اس شرط کو بھی مدنظر رکھا تھا۔ رہی آپ کی ''اصل کتاب'' والی بات تو وہ آپ کے پانچویں رقعہ میں بالکل نہیں ہے چنانچہ آپ کے اسے دو قوسوں کے درمیان ذکر کرنے سے بھی ظاہر ہو رہا ہے تو قاری صاحب! اللہ تعالیٰ کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ صرف دوسروں کو ہی اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا وعظ نہ کریں خود بھی تو اللہ تعالیٰ سے ڈریں نا۔

② ثانیاً اس مسئلہ پر میری اور آپ کی بات چیت جاری رہنے اور ختم ہو جانے والا معاملہ آپ کی مرضی پر موقوف ہے آپ چاہیں تو میرے پانچویں رقعہ کا جواب دیں چاہیں تو نہ دیں۔ آپ پر کسی قسم کا کوئی جبر نہیں ہے اور نہ ہی آپ کا جواب نہ دینا اور بات چیت کو ختم کرنا عقلی اور نقلی طور پر کسی شرط کے ساتھ مشروط ہے لہٰذا اس مقام پر آپ کی شرط مشروط والی بات سراسر بے موقع و محل ہے کیونکہ اس کے بغیر بھی آپ بات چیت کو ختم کر سکتے ہیں ہاں اتنی بات ضرور یاد رکھیں

---

[1] یہ لفظ قاری صاحب کے رقعہ میں اسی طرح ہے۔

جب تک آپ بندہ کی تحریر کا جواب دیتے جائیں گے اس وقت تک یہ بندہ بھی آپ کو صحیح بات سمجھانے کی غرض سے آپ کی تحریر کا جواب دیتا جائے گا۔

ان شاء اللہ العزیز الحکیم۔

③ ثالثاً' آپ نے اپنے پانچویں رقعہ میں صاف اور صریح لفظوں میں لکھا ہے ''میرا دعویٰ ہے منسوخیتِ رفع الیدین'' اور میری اور آپ کی سابقہ تحریرات شاہد ہیں کہ ابھی تک آپ اپنے اس دعویٰ کو ثابت کرنے کے سلسلہ میں ناکام ہی چلے آرہے ہیں اس لیے آپ خود غور فرمائیں' کسی اپنے بزرگ سے پوچھیں کہ اس قسم کی شرط و مشروط والی بات بنا کر آپ کے جواب نہ دینے اور بات چیت کو یہیں ختم کردینے سے آپ کا دعویٰ ''منسوخیتِ رفع الیدین'' ثابت ہو جائے گا؟ نہیں ہرگز نہیں۔

④ رابعاً' آپ کی بات ''اگر یہ حوالہ صحیح ثابت کردے تو آگے بات کرنا ورنہ ختم'' میں کوئی لزوم اور ربط بھی نہیں ہے جیسا کہ کسی کے اس قول ''اگر سورج نکلا ہوا ہو تو رات ہوگی ورنہ دن'' میں کوئی لزوم اور ربط نہیں ہے' ہاں اگر آپ یہ فرماتے ''اگر یہ حوالہ صحیح ثابت کردے تو فبہا ورنہ اپنی غلطی کا اعتراف کرے'' تو یقیناً آپ کی بات معقول ہوتی۔

⑤ خامساً' یہ تو پہلے بتایا جاچکا ہے کہ قاری صاحب کی مندرجہ بالا شرط والی بات میں کوئی لزوم اور ربط نہیں ہے لہٰذا اس مقام پر ان کا قانون اذا فات الشرط فات المشروط. کو چسپاں کرنا سراسر نادرست ہے۔

⑥ سادساً' دیکھئے حدیث بریرۃؓ میں رسول کریم ﷺ نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھا ''اس کو آزاد کردے اور ولاء کی ان کے لیے شرط کرے'' اس کے باوجود ولاء حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ہی حق

ہے تو معلوم ہوا کہ اذا فات الشرط فات المشروط. کوئی قاعدہ کلیہ نہیں ہے بلکہ صرف وہاں جاری ہوتا ہے جہاں شرط حق اور درست ہو نیز دیکھئے یہ قانون کسی کے قول ''اگر سورج نکلا ہوا ہو تو رات ہو گی ورنہ دن'' میں جاری نہیں ہو رہا۔

⑦ سابعاً' اس بندہ کی طرف سے اگر کہا جائے ''قاری صاحب! اگر آپ قال ابو داؤد لیس ھو بصحیح الخ'' کے صاحب مشکوٰۃ کا وہم ہونا' ابن القطان کا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کو بلا استثناء صحیح کہنا اور ''وما حدثکم ابن مسعود فصدقوہ'' کا ترمذی اور مستدرک حاکم میں موجود ہونا ثابت فرما دیں تو آگے بات کرنا ورنہ بات چیت ختم'' تو کیا اس میں از روئے انصاف کوئی معقولیت ہے؟ یا اس سے زیر بحث مسئلہ حل ہو جائے گا؟ نہیں ہرگز نہیں لہٰذا آپ کی مندرجہ بالا شرط مشروط والی بات بھی اسی قسم میں شامل و داخل ہے جبکہ یہ تینوں آپ کی غلطیاں ہیں جیسا کہ میری سابقہ تحریروں میں تفصیلاً لکھا ہے اور امام احمد اور یحییٰ بن آدم کی طرف فیصلہ تضعیف کی نسبت بندہ کی غلطی نہیں ہے چنانچہ آپ ابھی ملاحظہ فرمائیں گے۔

⑧ ثامناً' آپ کا لکھنا ''حافظ ابن حجر تلخیص الحبیر[1] امام بخاری کے رسالہ جزء رفع الیدین کے حوالہ سے لکھتے ہیں الخ'' سراسر غلط ہے کیونکہ تلخیص الحبیر میں ''رسالہ جزء رفع الیدین'' کا حوالہ نہیں ہے آپ تلخیص کے اس مقام کو ذرا غور سے پڑھیں باقی مجھے' آپ کو' بنوری صاحب کو یا کسی اور بزرگ کو حافظ ابن حجر کے مآخذ کا پتہ نہ چل سکنا کوئی ناممکن چیز نہیں ہاں تلخیص میں ''امام بخاری کا ذکر ضرور موجود ہے لیکن امام بخاری کے ذکر سے ان کے رسالہ جزء رفع الیدین کو مراد لے لینا کوئی لازم نہیں لہٰذا آپ کی بات ''لیکن حافظ ابن حجر کی یہ سخت غلطی

ہے'' بھی بے بنیاد اور غلط ہے اور آپ زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ تلخیص میں منقول عبارت ''قَالَ اَحْمَدُ وَ شَیْخُہٗ یَحْیَی بْنُ آدَمَ: ھُوَ ضَعِیْفٌ'' ہمیں کہیں نہیں ملی ''وَمَنْ عَلِمَہٗ حُجَّۃٌ عَلٰی مَنْ لَّمْ یَعْلَمْ''۔

⑨ تاسعاً' آپ کی بات ''جزء رفع الیدین میں کوئی تضعیف ان سے ذکر نہیں کی گئی'' سراسر غلط ہے کیونکہ جزء رفع الیدین میں حضرت الامام احمد اور ان کے شیخ حضرت یحییٰ بن آدم سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ والی روایت کی تضعیف مذکور و موجود ہے چنانچہ سنیئے علامہ شوق صاحب نیموی حنفی' آثار السنن کی تعلیق میں لکھتے ہیں:

وَقَالَ الْبُخَارِیُّ فِیْ جُزْءِ رَفْعِ الْیَدَیْنِ: وَیُرْوٰی عَنْ سُفْیَانَ عَنْ عَاصِمِ ابْنِ کُلَیْبٍ عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ الْاَسْوَدِ عَنْ عَلْقَمَۃَ قَالَ قَالَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ: اَلَا اُصَلِّیْ بِکُمْ صَلَاۃَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ' فَصَلّٰی وَلَمْ یَرْفَعْ یَدَیْہِ اِلَّا مَرَّۃً، وَقَالَ اَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ عَنْ یَحْیَی بْنِ آدَمَ قَالَ نَظَرْتُ فِیْ کِتَابِ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ اِدْرِیْسَ عَنْ عَاصِمِ بْنِ کُلَیْبٍ لَیْسَ فِیْہِ ثُمَّ لَمْ یَعُدْ'' الخ (ص ۱۰۵)

علامہ شوق صاحب نیموی حنفی کی یہ عبارت صریح ہے کہ ''امام احمد بن حنبل کا اپنے استاذ یحییٰ بن آدم کے حوالہ سے فرمانا کہ عبداللہ بن ادریس کی عاصم بن کلیب سے روایت کردہ کتاب میں ''ثم لم یعد'' کے لفظ نہیں امام بخاری کے رسالہ جزء رفع الیدین میں موجود و مذکور ہے۔ نیز حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری حنفی معارف السنن میں تحریر فرماتے ہیں:

وَکَذَا مَا ذَکَرَہُ الْحَافِظُ فِی التَّلْخِیْصِ: اِنَّ اَحْمَدَ بْنَ حَنْبَلٍ وَ شَیْخَہٗ یَحْیَی بْنَ آدَمَ قَالَا: ھُوَ ضَعِیْفٌ. نَقَلَہُ الْبُخَارِیُّ عَنْھُمَا ۱۰ھ فَھُوَ مِنَ

الْـحَافِظِ عَجَلَةٌ تَاْخُذُ الْمَرْأَ عِنْدَ الظَّفْرِ بِالْمَقْصُوْدِ مِنْ غَيْرِ اَنْ يُمْعِنَ نَـظَـرَهُ فِـي الْـكَلامِ وَاَيْـنَ ذَالِکَ فِـيْ کَلامِهِـمَا وَاِنَّمَا الَّذِيْ حَکَاهُ الْبُـخَارِيُّ فِي الْجُزْءِ هٰکَذَا: قَالَ اَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ آدَمَ نَـظَـرْتُ فِـيْ کِتَـابِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ اِدْرِيْسَ عَنْ عَاصِمِ بْنِ کُلَيْبٍ لَيْسَ فِيْـهِ ثُمَّ لَمْ يَعُدْ ١٠ھ ثُـمَّ تَـکَـلَّمَ الْبُخَارِيُّ مِنْ قِبَلِ نَفْسِهٖ فَلَا دَخْلَ لِاَحْـمَـدَ وَ شَيْخِهٖ بِالتَّضْعِيْفِ کَمَا يُرِيْدُهُ الْحَافِظُ نَعَمْ وَالْعَجَلَةُ تَعْمَلُ الْعَجَائِبَ . ١٠ھ (ج ٢ ص ٤٨٤)

تو حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری حنفی نے بھی تصریح فرما دی کہ ''امام احمد بن حنبل کا اپنے استاذ یحییٰ بن آدم کے حوالہ سے فرمانا کہ لفظ ''ثم لم یعد'' عبداللہ بن ادریس کی عاصم بن کلیب سے روایت کردہ کتاب میں نہیں'' امام بخاری کے رسالہ جزء رفع الیدین میں موجود و مذکور ہے۔ اگر ان دو حنفی بزرگوں کی تصریح پر بھی آپ مطمئن نہ ہوں تو لیجیے اصل کتاب ''جزء رفع الیدین'' ملاحظہ فرمالیں۔ اس کے ص ١٣ اور ص ١٤ پر عبارت:

وَقَـالَ اَحْـمَـدُ بْـنُ حَـنْبَلٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ آدَمَ قَالَ: نَظَرْتُ فِيْ کِتَابِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ اِدْرِيْسَ عَنْ عَاصِمِ بْنِ کُلَيْبٍ لَيْسَ فِيْهِ ثُمَّ لَمْ يَعُدْ.

مذکور و موجود ہے۔ امام بخاری کا یہ رسالہ رقعہ رساں کے ہاتھ آپ کی خدمت میں بھیجا جا رہا ہے مطلوبہ صفحہ دیکھ کر اسی وقت واپس فرما دیں نوازش ہوگی۔

ایک سوال اور اس کا جواب:

اگر قاری صاحب فرمائیں کہ مجھے مندرجہ بالا عبارت کا جزء رفع الیدین میں ہونا تو تسلیم ہے مگر یہ امام احمد اور یحییٰ بن آدم کی طرف سے حدیث کی کوئی تضعیف نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ جب امام احمد نے یحییٰ بن آدم کے حوالہ سے حضرت

سفیان ثوری کے عاصم بن کلیب سے روایت کردہ الفاظ "ثم لم یعد" سے متعلق تصریح فرما دی کہ یہ الفاظ عاصم بن کلیب سے مروی کتاب میں موجود نہیں تو یہ اس روایت کی تضعیف ہی ہے سمجھنے کی خاطر آپ اپنے صاحب مشکوٰۃ اور دیگر بزرگوں کے قول "قال ابو داؤد لیس ھو بصحیح الخ" سے متعلق فیصلہ "یہ الفاظ ابو داؤد میں نہیں ہیں" کو ملحوظ رکھیں اور غور فرمائیں آیا آپ نے یہ صاحب مشکوٰۃ اور دیگر بزرگوں کے مذکورہ بالا قول کی تضعیف کی تھی یا تصحیح یا نہ تضعیف اور نہ ہی تصحیح؟ نیز غور فرمائیں آپ نے حدیث لکھی "وما حدثکم ابن مسعود فصدقوہ" اور ترمذی اور مستدرک حاکم کا حوالہ دیا اس پر بندہ نے لکھا کہ یہ حدیث ان دونوں کتابوں میں نہیں تو یہ میری طرف سے آپ کے بیان کی تضعیف تھی یا تصحیح یا نہ تضعیف اور نہ ہی تصحیح؟ تو قاری صاحب آپ ذرا انصاف سے کام لیں زیادہ سے زیادہ آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ جزء رفع الیدین میں مذکور امام احمد کے یحییٰ بن آدم کے حوالہ سے منقول فیصلہ میں "ضعیف" کا لفظ موجود نہیں لیکن یہ کوئی اعتراض نہیں کیونکہ تضعیف روایت کے فیصلہ میں ضعیف کا لفظ بولنا کوئی ضروری نہیں' مشہور ہے "وَالْمُنَاقَشَةُ فِي اللَّفْظِ لَيْسَتْ مِنْ دَأْبِ الْمُحَصِّلِيْنَ" پھر قاری صاحب اور بنوری صاحب دونوں کو اعتراف ہے کہ امام بخاری نے اس حدیث پر کلام کیا اور اس کے ضعیف ہونے کا فیصلہ بھی دیا ہے اور امام بخاری کا فیصلہ تضعیف بھی یہی ہے کہ لفظ "ثم لم یعد" عاصم بن کلیب سے مروی کتاب میں موجود نہیں تو پھر یحییٰ بن آدم کے حوالہ سے امام احمد کا یہی بات کہنا کیوں فیصلہ تضعیف نہیں؟ آخر انصاف بھی کوئی شے ہے تو اس سوال و جواب سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ مولانا بنوری صاحب کی اس مقام پر حافظ ابن حجر پر مندرجہ بالا نکتہ چینی خواہ مخواہ ہے اس کا کوئی جواز نہیں۔

ایک اور سوال اور اس کا جواب:

اگر کوئی صاحب معارف السنن کو سامنے رکھ کر فرمائیں کہ محدثین کی تضعیف صرف لفظ "ثم لم یعد" سے متعلق ہے تو جب حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں لفظ "لم یرفع یدیہ الامرۃ او الا فی اوّل مرۃ" ثابت ہو چکے ہیں تو لفظ "ثم لم یعد او ثم لایعود" ثابت نہ ہونے سے اس حدیث کے ہمارے مدعا کے موافق صحیح یا حسن ہونے میں کوئی فرق نہیں پڑتا تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بات سرے سے ہے ہی بے بنیاد کیونکہ محدثین نے ان سب لفظوں کو ضعیف اور غیر ثابت قرار دیا ہے۔ چنانچہ آپ علامہ شوق صاحب نیموی حنفی کی جزء رفع الیدین سے نقل کردہ امام بخاری کی عبارت ملاحظہ فرمائیں کہ انہوں نے پہلے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت "الامرۃ" والے لفظ کے ساتھ نقل کی پھر اس کی تضعیف کے وقت لفظ "ثم لم یعد" کو غیر محفوظ قرار دیا جس کا صاف صاف مطلب یہی ہے کہ وہ دونوں کو ضعیف سمجھتے ہیں نیز امام احمد بن حنبل، یحییٰ بن آدم اور امام بخاری نے تصریح فرما دی کہ عاصم بن کلیب سے مروی کتاب میں لفظ "ثم لم یعد" نہیں نیز حضرت سفیان ثوری اس لفظ کو یا اس کے ہم معنی دوسرے لفظ کو عاصم بن کلیب سے روایت کرتے ہیں اور عبداللہ بن ادریس اس لفظ کو حضرت عاصم بن کلیب سے روایت کرتے ہیں نہ اس کے ہم معنی کسی دیگر لفظ کو اس بات کی تحقیق کے لیے آپ عبداللہ بن ادریس عن عاصم بن کلیب الخ حدیث کو دیکھیں وہ ابوداؤد میں بھی ہے اور جزء رفع الیدین میں بھی مگر اس میں "ثم لم یعد" کی طرح "ثم لایعود' الامرۃ' الافی اول مرۃ" اور ان کا ہم معنی کوئی دیگر لفظ بھی موجود نہیں' اس میں تو صرف اور صرف یہ لفظ ہیں "فکبر و رفع یدیہ ثم رکع" الخ تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ والی روایت کو ناقابل احتجاج قرار دینے والے محدثین نے اسے "ثم لم یعد' ثم لایعود' الامرۃ' الافی اوّل مرۃ" اور ان کے ہم معنی الفاظ سے ناقابل احتجاج قرار دیا ہے تفصیل کے لیے بندہ کا پانچواں رقعہ

پڑھیں۔

⑩ عاشراً ' ہم نے اپنے پہلے اور پانچویں رقعہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ والی روایت کو ناقابل احتجاج قرار دینے والے بارہ ائمہ محدثین کے اسماء گرامی گنوائے تھے جن میں سے صرف دو امام احمد بن حنبل اور یحییٰ بن آدم سے متعلق حضرت قاری صاحب نے فرمایا کہ ان دو بزرگوں نے حدیث پر جرح نہیں کی حالانکہ ہم پہلے ثابت کر چکے ہیں کہ ان دو بزرگوں نے بھی فرمایا ہے کہ لفظ "ثم لم یعد" عاصم بن کلیب سے مروی کتاب میں موجود نہیں اور ان کا یہ فرمانا حدیث پر جرح ہی تو ہے تاہم تھوڑی دیر کے لیے ہم تسلیم کر لیتے ہیں کہ ان دو بزرگوں نے حدیث پر جرح نہیں کی لیکن ان دو بزرگوں کے علاوہ دس ائمہ محدثین حضرت الامام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے شاگرد رشید حضرت عبداللہ بن مبارک ' حضرت الامام بخاری ' حضرت الامام ابوداؤد ' حضرت الامام ابوحاتم رازی ' حضرت الامام دارقطنی ' حضرت الامام ابن حبان ' حضرت الامام دارمی ' حضرت الامام بیہقی ' حضرت الامام بزار اور حضرت الامام ابن عبدالبر تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ والی روایت کو ناقابل احتجاج قرار دے ہی رہے ہیں ناتفصیل کے لیے میرا پانچواں رقعہ پڑھیں تو فرمائیں قاری صاحب! آپ کے ان دو بزرگوں کے اس روایت پر جرح نہ کرنے پر زور دینے سے آپ کو فائدہ؟ کیا اس سے آپ کا دعویٰ ''منسوخیتِ رفع الیدین'' ثابت ہوگیا؟ نہیں ہرگز نہیں جبکہ اس روایت کے صحیح یا حسن ہونے کو تسلیم کر لینے کی صورت میں بھی اس سے رفع الیدین کی منسوخیت ثابت نہیں ہوتی ' تفصیل کے لیے بندہ کا پانچواں رقعہ ضرور پڑھیں۔

تو قاری صاحب! بندہ نے آپ کے شرط کو مدنظر نہ رکھنے والے شکوہ کو بھی دُور کر دیا نیز امام احمد اور یحییٰ بن آدم کا فیصلہ تضعیف اصل کتاب سے پیش کر دیا پھر وہ

اصل کتاب آپ کو دکھا بھی دی' اس کے بعد بھی جواب دینے اور نہ دینے کے سلسلہ میں آپ پر کسی قسم کا جبر نہیں آپ چاہیں جواب دیں چاہیں نہ دیں ہاں اتنی بات ضرور یاد رکھیں اگر آپ نے جواب دیا تو یہ بندہ بھی آپ کو صحیح بات سمجھانے کی نیت وغرض سے جواب دے گا۔ان شاء اللہ العزیز الحکیم۔

ابن عبدالحق بقلمہ

۲۶/ذوالقعدہ ۱۴۰۲ھ

سرفراز کالونی جی ٹی روڈ گوجرانوالہ



﴿إِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ﴾

ایک دین اور چار مذہب

تحریری مناظرہ

مابین

مولانا حافظ عبدالسلام بھٹوی خطیب مسجد طیبہ وحدت کالونی
ومدرس جامعہ محمدیہ جی ٹی روڈ گوجرانوالہ

اور

مولانا قاضی حمیداللہ صاحب خطیب مدینہ مسجد وحدت کالونی
ومہتمم مدرسہ انوارالعلوم شیرانوالہ باغ گوجرانوالہ

فہرست مضامین



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

ماہ اگست ۸۴ء کی بات ہے میں نے جناب بشیر احمد مسلم صاحب کی کتاب ''الاسلام اور مذہبی فرقے'' جامع مسجد مدینہ سیٹلائیٹ ٹاؤن گوجرانوالہ کے خطیب جناب قاضی حمید اللہ صاحب کے مطالعہ کے لیے دی اور گزارش کی کہ اس کتاب کا مطالعہ کرنے کے بعد اس کتاب میں اُٹھائے گئے سوالات کا قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دیجیے تاکہ افہام وتفہیم سے اختلافی مسائل جو اہل حدیث علماء اور دیوبندی علماء میں پائے جاتے ہیں کا حل تلاش کیا جائے جس کے جواب میں انہوں نے مجھے اوٹ پٹانگ قسم کا تحریری جواب دیا جس کا جواب جامع مسجد طیبہ کے خطیب جناب حافظ عبدالسلام صاحب نے تفصیلی طور پر دیا جو میں نے دستی طور پر قاضی حمید اللہ صاحب کو دینا چاہا جو انہوں نے لینے سے انکار کر دیا۔ مجبوراً بذریعہ ڈاک اسے رجسٹری بنام قاضی حمید اللہ صاحب کیا گیا جس کے جواب میں انہوں نے ایک مختصر رقعہ بھیجا۔ اس کا جواب ڈاک کے ذریعے بھیج دیا گیا۔ مگر اس کے بعد قاضی صاحب نے خاموشی اختیار کر لی۔ اب قاضی صاحب کی تحریر اور اس کا جواب اور قاضی صاحب کی دوسری تحریر اور اس کا جواب شائع کیا جا رہا ہے۔ قاضی صاحب اگر جواب دے سکتے ہوں تو بڑے شوق سے اب بھی تحریر کر سکتے ہیں۔

خالد ابراہیم طالب علم ایم اے اسلامیات

وحدت کالونی، گوجرانوالہ



قاضی حمید اللہ صاحب کی تحریر نمبرا

اختلاف کے چند قسم ہیں:[1]

ایک اختلاف اُصولِ دین میں ہے جیسا کے ایک آدمی قبر کو سجدہ جائز مانتا ہے۔ ان کے نام منت مانتے ہیں' چادر چڑھاتے ہیں۔ بزرگوں کو اور نبیوں کو عالم الغیب مانتے ہیں۔ اپنی حاجتوں میں غیروں کو پکارتے ہیں اور ان سے نفع کی اُمید رکھتے ہیں اور ان کے ضرر سے ڈرتے ہیں جیسے کہ ہمارے ملک خصوصاً اہل پنجاب کا بڑا حصہ ان شرکیہ عقائد میں مبتلا ہے۔ اور ایک شخص ہے کہ وہ ان تمام عقائد کو شرک اور کفر سمجھتے ہیں جیسا کہ اہل حق کا یہی مسلک ہے۔ مذکورہ بالا اختلاف اسلام اور کفر کا اختلاف ہے۔ اسی کے بارے میں قرآن کریم کا ارشاد ہے "وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا" یعنی کچھ مومن اور کچھ کافر نہ بنو بلکہ سب مسلمان بنو۔ اسی طرح "يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا" اس کے علاوہ بھی بہت سی آیتیں ہیں ان آیات سے یہ اختلاف یعنی کفر اسلام کا اختلاف مراد ہے۔

دوم اختلاف فروعِ دین میں ہے۔ جیسا کہ رفع الدین کرو یا نہ کرو آمین زور سے کہو یا نہ کہو' قرأت خلف الامام کرو یا نہ کرو۔ نبیؐ نے معراج کی رات خدا پاک کا دیدار کیا ہے یا نہیں کیا ہے' مردے سنتے ہیں یا نہیں سنتے' اس قسم کا اختلاف اسلام اور کفر کا اختلاف نہیں' بلکہ دونوں گروہ مسلمان ہیں۔ اس سے آیت ولا تفرقوا کا کوئی تعلق نہیں۔ کیونکہ یہ اختلافات حضراتِ صحابہ میں بھی موجود تھے۔ جیسا کہ روایات میں آتا ہے کہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کہا کرتی تھیں کہ آپؐ نے معراج کی رات خدا کو نہیں اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کی رائے ہے کہ آپؐ نے خدا کو دیکھا تھا۔ یا حضرات صحابہ کا ایک گروہ مانتے تھے کہ مردے سنتے ہیں اور ایک گروہ نہیں مانتا تھا۔ اب ہم یہ جرأت نہیں

---

[1] مولانا کی تمام عبارت بعینہٖ نقل کی گئی ہے کسی لفظ کو کاتب کی غلطی خیال نہ کیا جائے۔

کر سکتے کہ ان میں ایک گروہ کافر تھا۔ بلکہ ہمارا ایمان ہے کہ صحابہ کا اختلاف خلوص اور تحقیق پر مبنی تھا۔ اسی طرح چار اماموں میں کئی فروعی مسائل میں اختلاف تھا۔ بتایئے آپ کس کو کافر کہیں گے یا یہ فرمایئے کہ آیت ولاتفرقوا اس وقت نہیں تھی۔

تیسری قسم اختلاف دنیاوی امور میں ہے۔ مثلاً حکومت کا نظام کیسے چلایا جائے۔ صدارتی ہو یا پارلیمانی' فوجی ہو سول ہو۔ اس میں بھی لوگوں کے کئی گروہ ہیں۔ مسلم لیگ' جمعتہ علماء اسلام' جمعیۃ علماء پاکستان' نیشنل' اہلحدیث مولانا عبداللہ گروپ' اہلحدیث فضل حق گروپ' اس سے بھی آیت ولاتفرقوا کا کوئی تعلق نہیں ورنہ یا پھر مولوی عبداللہ یا فضل حق کو کافر کہنا پڑے گا۔ میرے عزیز اخیر میں آپ سے عرض ہے کہ جاہل آدمی کو قطعاً یہ حق نہیں کہ قرآنی آیات کی تفسیر کرتے پھریں یا آیات کا مطلب دوسروں کو سمجھائیں' جس کو قرآن کا ترجمہ نہ آتا ہو وہ خاک تفسیر کرے گا۔ آپ اپنے استاد سے کھڑے کھڑے دریافت کریں کہ قرآن میں کبد کا لفظ آیا ہے اس کا معنی کیا ہے وہ کسی ترجمہ کے دیکھے بغیر آپ کو نہیں بتا سکے گا۔

مذکور تحریر سے اگر آپ مطمئن نہیں ہوئے تو پھر اپنے محترم اُستاد کو میرے سامنے بٹھاؤ۔ آپ کے سامنے باتیں ہوں گی۔ آپ کو حق ظاہر ہو گا۔ مجھے یقین ہے آپ حق کے طلب گار ہیں اللہ آپ کو اور مجھے حق پر جینے اور مرنے کی توفیق دے دیں۔ آمین' حمید اللہ عفی عنہ'

رفع یدین چھوڑنے کی بہت سی روایات ہیں۔ ایک عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے:

اَلَا اُصَلِّیْ بِکُمْ صَلٰوۃَ رَسُوْلِ اللّٰہِ فَصَلّٰی فَلَمْ یَرْفَعْ یَدَیْہِ اِلَّا فِیْ اَوَّلِ مَرَّۃٍ. صَحَّحَہُ ابْنُ حَزْمٍ وَ قَالَ التِّرْمَذِیُّ حَدِیْثُ ابْنِ مَسْعُوْدٍ حَدِیْثٌ حَسَنٌ.

مطلب یہ ہے کہ ابن مسعودؓ نے صحابہ کی مجمع میں یہ بات کہی کہ آپ ﷺ سوائے تحریمہ کے

اپنے ہاتھ نہیں اُٹھاتے تھے اور کسی نے اس کی تردید نہیں کی۔ اس کے نقل کرنے والے ترمذی ہے اور ابن حزم ہے۔ دوسری اسودؓ کی روایت ہے رَاَیْتُ عُمَرَ اِلٰی اٰخِرِہٖ مطلب یہ کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ تحریمہ میں ہاتھ اُٹھاتے تھے پھر نہیں اٹھاتے تھے۔ نقل کرنے والے ابن ابی شیبہ ہے جوہر النقی نے لکھا ہے۔ اس کی سند صحیح ہے اور ابن حجر نے درایہ میں لکھا رجالہ ثقات تیسری روایت بیہقی اور ابن ابی شیبہ کی ہے کہ عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سوائے تحریمہ کے ہاتھ نہیں اُٹھاتے تھے جن روایات میں رفع یدین کا حکم آیا ہے ان میں سے بعض کے اندر یہ بھی حکم ہے کہ سجدہ کرتے وقت بھی ہاتھ اُٹھاؤ۔ جیسا کہ نسائی کی روایت میں صاف موجود ہے اور طبرانی میں بھی ہے' ابن ماجہ میں بھی ہے۔ اور امام بخاری نے اپنی کتاب جزء رفع الیدین میں بھی نقل کرتے ہیں کہ آپ سجدہ کرتے وقت ہاتھ اُٹھاتے تھے اور آپ لوگ سجدہ کے وقت ہاتھ نہیں اٹھاتے اب آپ جو جواب دیں گے وہی ہمارا جواب ہوگا۔

اٰمین بالجہر

مسلم کی روایت میں ہے جب امام اللہ اکبر کہے تم بھی اللہ اکبر کہو جب امام ولا الضالین کہے تم آمین کہو۔ اس روایت سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ جس طرح تکبیر کا حکم ہے اور وہ خفی ہے تو امین کا حکم بھی خفی پڑھنے کا ہے ورنہ پھر اللہ اکبر بھی مقتدی زور سے پڑھے۔ دوسری بات یہ ہے کہ مقتدی الحمد نہیں پڑے گا۔ کیونکہ آپ نے فرمایا امام ولا الضالین کہے گا اور مقتدی آمین کہے گا۔

ابوداؤد نے روایت نقل فرمائی کہ آپؐ ولا الضالین کے بعد سکتہ فرماتے تھے اسی طرح احمد' دارقطنی نے بھی نقل کیا ہے۔ ترمذی طیالسی اور حاکم مستدرک نے بھی ان الفاظ سے نقل کیا ہے:

واخفی بھا صوتہ یعنی آمین کو زور سے نہیں پڑھتے تھے۔

آخر میں آپ سے سوال ہے کہ آپ سب احادیث پر عمل کرتے ہیں یا بعض پر۔ سب

پر آپ عمل کر ہی نہیں سکتے کیونکہ بعض احادیث متعارض ہیں اور اگر بعض پر عمل کرتے ہیں تو پھر بعض پر دوسرے لوگ بھی عمل کرتے ہیں تو آپ کی خصوصیت کیا ہے کہ آپ تو اہلحدیث بن گئے اور دوسرے اہل کفر بن گئے۔

بایں عقل و دانش بباید گریست

اور جن روایات میں زور سے آمین کہنا آیا ہے تو یہ جہر کبھی کبھی تعلیم کے لیے آپ فرماتے تھے۔ جیسے حافظ ابن القیم نے زاد المعاد میں تصریح فرمائی ہے کہ آمین پوشیدہ ہے البتہ تعلیم کے لیے جہر جائز ہے۔ اب ابن القیم بھی کافر ہو گئے۔ العیاذ باللہ

سجدہ میں جاتے وقت ہاتھ پہلے زمین پر نہ لگائیں بلکہ پہلے گھٹنے لگائیں اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں جو آیا ہے کہ ہاتھ پہلے لگاؤ تو امام ترمذی نے اس کو ضعیف کہا ہے۔ امام بخاری نے لکھا ہے اس کی سند متصل نہیں۔ ابن قیم نے لکھا ہے کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں قلب ہے۔ اسی طرح ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ ہاتھ پہلے لگاؤ۔ اس کو بھی دارقطنی، بیہقی، اور امام احمد بن حنبل نے ضعیف ٹھہرایا ہے۔ امام نسائی نے لکھا ہے حدیث منکر! ابوزرعہ نے لکھا ہے:

اس کی سند میں ابو حاتم ہے اور اس کا حافظہ خراب تھا۔

اور ابن حجر نے میزان میں یہی بات لکھی ہے۔ امام ابوداؤد نے وائل بن حجر کی روایت نقل کی ہے جس میں ہے کہ گھٹنے پہلے لگاؤ۔

آپ سے درخواست ہے کہ ہر روز آدھ گھنٹہ میرے پاس مدرسہ میں بیٹھا کریں میں ان شاء اللہ خلوص سے احادیثِ رسول کی روشنی میں سمجھا دوں گا۔ اللہ آپ کو مجھ کو حق پر جینے اور مرنے کی توفیق عطا فرمادیں۔ آمین

حمید اللہ عفی اللہ



عبدالسلام کی تحریر نمبرا

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

محترم بشیر احمد صاحب مسلم سابق معلم عطا محمد اسلامیہ ہائی سکول گوجرانوالہ نے چند سال پیشتر ایک کتاب ''الاسلام اور مذہبی فرقے'' کے نام سے لکھی تھی۔ اس میں کتاب وسنت پر ایک ہو جانے کی دعوت' فرقہ سازی کی مذمت اور صحیح احادیث سے رسول اللہ ﷺ کی نماز ذکر کی تھی۔ وحدت کالونی گوجرانوالہ کے بھائی خالد ابراہیم صاحب نے وہ کتاب اپنے محلّہ کی مدینہ مسجد کے دیوبندی خطیب مولانا قاضی حمید اللہ صاحب کی خدمت میں پیش کی۔ انہوں نے اس پر تبصرہ لکھا اور خالد ابراہیم صاحب نے ان کے کہنے کے مطابق وہ تبصرہ مجھے لا کر دیا کہ میں اس کی حقیقتِ حال واضح کروں تاکہ دونوں طرف کی گفتگو سے حق آشکار ہو جائے۔

میرے مخاطب آئندہ گفتگو میں مولانا قاضی حمید اللہ صاحب خطیب مدینہ مسجد ہیں کیونکہ تبصرہ انہوں نے لکھ کر جواب مانگا ہے میری نیت اللہ کے فضل سے احقاقِ حق اور ابطال باطل ہے۔

اِنۡ اُرِیۡدُ اِلَّا الۡاِصۡلَاحَ مَا اسۡتَطَعۡتُ وَمَا تَوۡفِیۡقِیۡۤ اِلَّا بِاللّٰہِ عَلَیۡهِ تَوَکَّلۡتُ وَاِلَیۡهِ اُنِیۡبُ.

راقم: عبدالسلام بھٹوی
خطیب مسجد طیبہ اہلحدیث وحدت کالونی
ومدرس جامعہ محمدیہ جی ٹی روڈ گوجرانوالہ
۱۷/ذوالحجہ ۱۴۰۴ھ



آپ فرماتے ہیں' اختلاف کے چند قسم ہیں: [1]

ایک اختلاف اصولِ دین میں ہے جیسا کے ایک آدمی قبر کو سجدہ جائز مانتا ہے۔ ان کے نام منت مانتے ہیں چادر چڑھاتے ہیں۔ بزرگوں کو اور نبیوں کو عالم الغیب مانتے ہیں۔ اپنی حاجتوں میں غیروں کو پکارتے ہیں اور ان سے نفع کی اُمید رکھتے ہیں اور ان کے ضرر سے ڈرتے ہیں جیسے کہ ہمارے ملک خصوصاً اہل پنجاب کا بڑا حصہ ان شرکیہ عقائد میں مبتلا ہے اور ایک شخص ہے کہ وہ ان تمام عقائد کو شرک اور کفر سمجھتے ہیں جیسا کے اہل حق کا یہی مسلک ہے۔ مذکورہ بالا اختلاف اسلام اور کفر کا اختلاف ہے۔ الخ

دوم اختلاف فروعِ دین میں ہے جیسا کہ رفع یدین کرو یا نہ کرو۔ آمین زور سے کہو یا نہ کہو' قرأتِ خلف الامام کرو یا نہ کرو۔ نبی ﷺ نے معراج کی رات خدا پاک کا دیدار کیا ہے یا نہیں کیا ہے۔ مردے سنتے ہیں یا نہیں سنتے۔ اس قسم کا اختلاف اسلام اور کفر کا اختلاف نہیں بلکہ دونوں گروہ مسلمان ہیں۔ اس سے آیت ولاتفرقوا کا کوئی تعلق نہیں۔ کیونکہ یہ اختلاف حضرات صحابہ ؓ میں بھی موجود تھے۔

اُصولِ دین اور فروعِ دین کی خودساختہ تقسیم

حقیقتِ حال اس کلام میں چند چیزیں قابل توجہ ہیں:

① آپ نے اصول دین اور فروع دین کی کوئی جامع مانع تعریف نہیں کی صرف اپنے خیال کے مطابق بعض چیزوں کو اُصولِ دین میں داخل کر دیا ہے اور بعض کو فروعِ دین میں' دلیل نہ اُصولِ دین ہونے کی دی ہے نہ فروعِ دین ہونے کی۔ بظاہر آپ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ جن چیزوں میں صحابہ کرام ؓ میں اختلاف موجود تھا وہ فروعِ دین میں شامل ہیں تو اس کا مطلب تو یہی ہے کہ جن

---

[1] مولانا کی تمام عبارت بعینہٖ نقل کی گئی ہے کسی لفظ کو کاتب کی غلطی خیال نہ کیا جائے۔

چیزوں میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان اختلاف نہیں تھا وہ سب اُصولِ دین ہیں بہرحال آپ سے گزارش ہے کہ اُصولِ دین اور فروعِ دین کی جامع مانع تعریف ضرور بتائیں اور یہ بھی بتائیں کہ آپ نے وہ تعریف کس آیت یا حدیث سے اخذ کی ہے۔

② فروعِ دین میں اختلاف کی جو مثالیں آپ نے دی ہیں ان پر بھی توجہ فرمائیں آپ کو ان کے ڈانڈے اُصول دین سے ملے ہوئے نظر آئیں گے۔

فروع قرار دادہ مسائل کا اصول قرار دادہ مسائل سے تعلق:

ا۔ رفع یدین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتِ متواترہ ہے جیسا کہ مولانا یوسف نوری' معارف السنن ج ۲ ص ۴۵۹ میں فرماتے ہیں:

وَقَالَ فِیْ نَیْلِ الْفَرْقَدَیْنِ ص: ۲۲' اِنَّ الرَّفْعَ مُتَوَاتِرٌ اِسْنَادًا وَ عَمَلًا وَلَا یُشَکُّ فِیْهِ.

یعنی مولانا انور شاہ کشمیری نے نیل الفرقدین میں فرمایا ہے کہ یقیناً رفع یدین اسناد اور عمل کے لحاظ سے متواتر ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کیا جا سکتا۔

کیا متواترہ سنت سے انکار فروعی مسئلہ ہے:

اب ایک چیز ہے رفع یدین کرنا یا نہ کرنا' اور ایک ہے اس متواترہ سنت کا انکار کر دینا۔ کیا متواترہ سنت کا انکار کر دینا بھی فروعِ دین میں شامل ہے۔ میں وضاحت کے لیے ایک مثال پیش کرتا ہوں۔

مولانا انور شاہ کشمیری فرماتے ہیں:

وَالسِّوَاکُ سُنَّةٌ وَاعْتِقَادُ سُنِّيَّتِهٖ فَرْضٌ (لِاَنَّهٗ ثَبَتَ مُتَوَاتِرًا بِاَنْحَاءِ التَّوَاتُرِ) وَتَحْصِیْلُ عِلْمِهَا سُنَّةٌ وَجُحُوْدُهَا کُفْرٌ. (فیض الباری ج ۱ ص ۱۷)

یعنی مسواک سنت ہے اور اس کے سنت ہونے کا عقیدہ رکھنا فرض ہے (کیونکہ یہ کئی طرح کے تواتر کے ساتھ متواتر ہے) اور اس کا علم حاصل کرنا سنت ہے

اور اس کا انکار کفر ہے۔

مسواک کے سنت ہونے سے انکار کو علامہ کشمیری اس لیے کفر کہہ رہے ہیں کہ وہ سنتِ متواترہ کا انکار ہے۔ تو جو لوگ رفع الیدین کے سنت ہونے کے منکر ہیں سنتِ متواترہ کے منکر ہونے کی حیثیت سے ہمارا اور ان کا اختلاف فروعِ دین میں اختلاف ہوا یا اُصولِ دین میں؟

قرأت فاتحہ:

ب۔ ''قرأتِ خلف الامام کرو یا نہ کرو''۔ اگر بات صرف اتنی ہوتی تو شاید آپ کی مثال آپ کے موقف کے مطابق درست ہوتی۔ مگر جب اختلاف یہاں تک پہنچ جائے کہ ایک فریق یہ کہنے لگے کہ سورۃ فاتحہ نہ امام پر فرض ہے نہ مقتدی پر' نہ منفرد پر۔ قرآن کی کوئی آیت پڑھ لو نماز ہو جائے گی اور دوسرے فریق کو یہ اصرار ہو کہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث کے مطابق سورۃ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔ بتائیے کیا صحابہؓ میں یہ اختلاف تھا کہ کچھ صحابہؓ امام' منفرد' مقتدی کسی پر بھی فاتحہ فرض نہیں سمجھتے تھے اور کچھ اس کے بغیر نماز نہ ہونے کے قائل تھے' تو پھر یہ اختلاف آپ کے مطابق کفر و اسلام کا اختلاف ہوا۔

کیا صحابہؓ میں مردوں کے سننے پر اختلاف تھا:

ج۔ مردوں کے سننے نہ سننے کے متعلق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں کسی خاص موقعہ کے متعلق ہو سکتا ہے اختلاف ہو مگر یہ بات کہ مردہ ہر آنے والے کی ہر بات سنتا ہے اس میں بھی صحابہ رضی اللہ عنہم کا اختلاف تھا' یہ غلط اور بے دلیل ہے تو جو لوگ مردوں کے ہر بات کو سننے کے قائل ہیں ان سے ہمارا اختلاف تو فروعِ دین میں اختلاف نہ رہا۔

معراج میں اللہ تعالیٰ کو دیکھنے پر اختلاف:

د۔ معراج کی رات رسول اللہ ﷺ کے اللہ تعالیٰ کو نہ دیکھنے یا دل کے ساتھ دیکھنے کے متعلق تو صحابہؓ میں اختلاف ہو سکتا ہے مگر کیا صحابہ رضی اللہ عنہم میں یہ بھی اختلاف تھا

کہ کچھ کہتے تھے کہ نہیں دیکھا اور کچھ کہتے تھے کہ آنکھوں کے ساتھ دیکھا ہے۔ ہمیں معلوم نہیں ہو سکا۔ تو پھر جو لوگ آنکھوں کے ساتھ دیکھنا بیان کرتے ہیں بلکہ عرش پر جا بٹھاتے ہیں۔ یہ اختلاف فروعی ہو گا یا اُصولی؟

کفر و شرک قرار دادہ مسائل کا اکابر دیوبند میں وجود:

③ جن چیزوں کو آپ نے خود اُصول دین تسلیم کیا ہے۔ مثلاً آپ نے مندرجہ ذیل عقائد کو کفر و شرک قرار دیا ہے۔

ا: نبیوں، ولیوں (بزرگوں) کو عالم الغیب ماننا۔

ب: اپنی حاجتوں میں غیروں کو پکارنا۔

ج: ان سے نفع کی اُمید رکھنا اور ان کے ضرر سے ڈرنا۔

اور ان عقائد کے رکھنے والوں کو کافر و مشرک سمجھنے والوں کو اہل حق قرار دیا ہے۔

اب آپ دیانتداری سے فرمایئے کہ مندرجہ ذیل واقعات وعبارات کا عقیدہ رکھنے والے مسلمان اور مؤحد ہیں یا کافر و مشرک؟

پہلی حکایت:

① اکابر دیوبند مولانا قاسم نانوتوی، مولانا رشید احمد گنگوہی اور مولانا اشرف علی تھانوی کے شیخ شاہ امداد اللہ مکی کا واقعہ "کراماتِ امدادیہ" میں مذکور ہے کہ ان کے ایک مرید کسی بحری جہاز میں سفر کر رہے تھے کہ جہاز طوفان سے ٹکرا گیا۔ قریب تھا کہ موجوں کے ہولناک تصادم سے اس کے تختے پاش پاش ہو جائیں۔

اب اس کے بعد کا واقعہ خود راوی کی زبانی یہ ہے:

"انہوں نے جب دیکھا کہ اب مرنے کے سوا چارہ نہیں، اسی مایوسانہ حالت میں گھبرا کر اپنے پیر روشن ضمیر کی طرف خیال کیا اس وقت سے زیادہ

اور کون سا وقت امداد کا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ سمیع و بصیر اور کارسازِ مطلق ہے' اسی وقت آ گبوٹ غرق سے نکل گیا اور تمام لوگوں کو نجات ملی۔

اِدھر تو یہ قصہ پیش آیا۔ اُدھر اگلے روز مخدوم جہاں اپنے خادم سے بولے ذرا میری کمر دباؤ' نہایت درد کرتی ہے۔ خادم نے دباتے دباتے پیراہن مبارک جو اُٹھایا تو دیکھا کہ کمر چھلی ہوئی ہے اور اکثر جگہ سے کھال اُتر گئی ہے۔ پوچھا حضرت یہ کیا بات ہے؟ کمر کیوں کر چھلی؟ فرمایا کچھ نہیں۔ پھر پوچھا۔ آپ خاموش رہے۔ تیسری مرتبہ دریافت کیا حضرت یہ تو کہیں رگڑ لگی ہے اور آپ تو کہیں تشریف بھی نہیں لے گئے۔ فرمایا ایک آ گبوٹ ڈوبا جاتا تھا۔ اس میں ایک تمہارا دینی اور سلسلے کا بھائی تھا۔ اس کی گریہ زاری نے مجھے بے چین کر دیا۔ اور آ گبوٹ کو کمر کا سہارا دے کر اُوپر کو اُٹھایا۔ جب آگے چلا' اور بندگانِ خدا کو نجات ملی' اسی سے چھل گئی ہوگی اور اسی وجہ سے درد ہے مگر اس کا ذکر نہ کرنا''۔ (کرامات امدادیہ ص ۱۸)

اس واقعہ میں بزرگوں کو عالم الغیب ماننا' اپنی حاجتوں میں غیروں کو پکارنا' ان سے نفع کی اُمید رکھنا اور پھر واقعی ان کا مدد کو پہنچنا سب کچھ موجود ہے۔ اور یہ بھی کہ جہاز غرق ہونے لگے تو اللہ تعالیٰ کی بجائے پیر روشن ضمیر کا خیال کرنا چاہیے۔

دوسری حکایت:

② ارواحِ ثلثہ یعنی حکایاتِ اولیاء جس کے مرتب مولانا اشرف علی تھانوی ہیں' میں مولانا قاسم نانوتوی کی روایت ہے۔ الفاظ یہ ہیں:

''خاں صاحب نے فرمایا کہ مولانا نانوتوی فرماتے تھے کہ شاہ عبدالرحیم صاحب ولائتی کے ایک مرید تھے جن کا نام عبداللہ خاں تھا' اور قوم کے راجپوت تھے اور حضرت کے خاص مریدوں میں تھے۔ ان کی حالت یہ تھی کہ اگر کسی کے گھر میں حمل ہوتا اور وہ تعویذ لینے آتا تو آپ فرما دیا کرتے

تھے کہ تیرے گھر میں لڑکی ہو گی یا لڑکا اور جو آپ بتلا دیتے تھے وہی ہوتا تھا"۔ (ارواح ثلثہ ص ۱۵۰ مطبوعہ دارالاشاعت کراچی)

گویا نانوتوی صاحب کے عقیدہ کے مطابق غیب کی پانچ چابیوں میں سے ایک چابی عبداللہ خاں کے پاس بھی تھی۔

تیسری حکایت:

③ حاجی دوست محمد خاں دہلوی مولانا رشید احمد گنگوہی کے ایک نہایت مخلص خادم تھے۔ ایک بار اُن کی اہلیہ کی طبیعت سخت خراب ہو گئی۔ اب اس کے بعد کا واقعہ تذکرۃ الرشید' کے مصنف کی زبانی سنیے۔ علالت کی سنگینی کا حال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"ہاتھ پاؤں کی نبضیں چھوٹ گئیں' غشی طاری ہو گئی اور تمام جسم ٹھنڈا ہو گیا۔ حاجی صاحب کو اہلیہ سے محبت زیادہ تھی۔ بے قرار ہو گئے۔ پاس آ کر دیکھا تو حالت غیر تھی' صرف سینہ میں سانس چلتا ہوا محسوس ہوتا تھا۔ زندگی سے مایوس ہو گئے' رونے لگے اور سرہانے بیٹھ کر "یٰسین شریف" پڑھنی شروع کر دی۔ چند لمحے گزرے تھے کہ دفعتہً مریضہ نے آنکھیں کھول دیں اور ایک لمبا سانس لے کر پھر آنکھ بند کر لی۔ سب نے سمجھ لیا کہ اب وقت اخیر ہے۔ حاجی دوست محمد خاں اس حیرت ناک نگاہ کو دیکھ نہ سکے بے اختیار وہاں سے اُٹھے اور مراقب ہو کر حضرت امام ربانی کی طرف متوجہ ہوئے کہ وقت آ گیا ہو تو خاتمہ بالخیر ہو اور زندگی باقی ہے تو یہ تکلیف جو متواتر تین دن سے ہو رہی ہے رفع ہو جائے۔ مراقبہ کرنا تھا کہ مریضہ نے آنکھیں کھول دیں اور باتیں کرنی شروع کر دیں۔ نبضیں ٹھکانے آ گئیں اور افاقہ ہو گیا دو تین دن میں قوت بھی آ گئی اور بالکل تندرست ہو گئیں"۔ (تذکرۃ الرشید ج ۲ ص ۲۲۱)

گویا بیماری میں مایوسی ہو تو اللہ تعالیٰ کی بجائے مولانا رشید احمد گنگوہی کی طرف متوجہ ہو کر عرض معروض کی جاتی تھی۔ اور ایسا کرتے ہی بیماری غائب ہو جاتی۔ اس میں بھی بزرگوں کا علم غیب' ان سے مدد چاہنا اور ان کا مدد کرنا موجود ہے۔

چوتھی حکایت:

④ مولانا اشرف علی تھانوی کا سوانح نگار اشرف السوانح میں تھانوی صاحب کے پر دادا محمد فرید صاحب کی وفات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ:

''کسی بارات میں تشریف لے جا رہے تھے کہ ڈاکوؤں نے آ کر بارات پر حملہ کیا۔ ان کے پاس کمان تھی اور تیر تھے۔ انہوں نے ڈاکوؤں پر دلیرانہ تیر برسانا شروع کیے' چونکہ ڈاکوؤں کی تعداد کثیر تھی اور ادھر سے بے سرو سامانی تھی۔ یہ مقابلہ میں شہید ہوئے''۔

اس کے بعد کیا ہوا؟

''شہادت کے بعد ایک عجیب واقعہ ہوا۔ شب کے وقت اپنے گھر مثل زندہ کے تشریف لائے اور اپنے گھر والوں کو مٹھائی لا کر دی۔ اور فرمایا' اگر تم کسی سے ظاہر نہ کرو گے تو اس طرح سے روز آیا کریں گے۔ لیکن ان کے گھر کے لوگوں کو یہ اندیشہ ہوا کہ گھر والے جب بچوں کو مٹھائی کھاتے دیکھیں گے تو معلوم نہیں کیا شبہ کریں گے اس لیے ظاہر کر دیا اور آپ تشریف نہیں لائے۔ یہ واقعہ خاندان میں مشہور ہے''۔ (اشرف السوانح ج ا ص ۱۲)

شہادت کے بعد زندوں کی طرح آنا' مٹھائی لانا' روزانہ آنے کا مشروط وعدہ کرنا' پھر قبر میں ہی جان لینا کہ اہل خانہ نے لوگوں کو بتا دیا ہے اور پھر نہ آنا' بزرگوں کے علم اور قدرت کے واضح نمونے ہیں۔

پانچویں حکایت:

⑤ علمائے دیوبند کے عقیدہ کا بہترین اظہار اس حکایت سے بھی ہوتا ہے جو ارواحِ

ثلثہ میں حکایت نمبر ۲۴۶ کے عنوان سے لکھی ہے۔ سنیے:

''حضرت عم محترم مولانا حبیب الرحمان مرحوم نے فرمایا کہ مولوی احمد حسن امروہی اور مولوی فخر الحسن گنگوہی میں باہم معاصرانہ چشمک تھی اور اس نے بعض حالات کی بنا پر ایک مخاصمۃ اور منازعۃ کی صورت اختیار کر لی اور مولوی محمود الحسن گو اصل جھگڑے میں نہ شریک تھے نہ انہیں اس قسم کے اُمور سے دلچسپی تھی مگر صورتِ حال ایسی پیش آئی کہ مولانا بھی بجائے غیر جانبدار رہنے کے کسی ایک جانب جھک گئے اور یہ واقعہ کچھ طول پکڑ گیا۔ اسی دوران میں ایک دن علی الصبح بعد نمازِ فجر مولانا رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا محمود الحسن صاحب کو اپنے حجرہ میں بلایا (جو دارالعلوم دیوبند میں ہے) مولانا حاضر ہوئے اور بند حجرہ کے کواڑ کھول کر اندر داخل ہوئے موسم سخت سردی کا تھا۔ مولانا رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا' پہلے یہ میرا روئی کا لبادہ دیکھ لو۔ مولانا نے دیکھا تو تر تھا اور خوب بھیگ رہا تھا فرمایا کہ واقعہ یہ ہے کہ ابھی ابھی مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ جسد عنصری (ظاہری جسم) کے ساتھ میرے پاس تشریف لائے تھے جس سے میں ایک دم پسینہ پسینہ ہو گیا اور میرا لبادہ تر بتر ہو گیا۔ اور فرمایا کہ محمود حسن کو کہہ دو کہ وہ اس جھگڑے میں نہ پڑے' بس میں نے یہ کہنے کے لیے بلایا ہے۔ مولانا محمود الحسن صاحبؒ نے عرض کیا کہ حضرت میں آپ کے ہاتھ پر توبہ کرتا ہوں کہ اس کے بعد میں اس قصہ میں کچھ نہ بولوں گا''۔

(ارواحِ ثلثہ ص ۲۲۳ شائع کردہ دارالاشاعت کراچی)

اس پر مولانا اشرف علی تھانوی حاشیہ چڑھاتے ہیں:

''یہ واقعہ روح کا تمثل تھا اور اس کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں' ایک یہ کہ جسد مثالی تھا مگر مشابہ جسد عنصری کے۔ دوسری یہ کہ رُوح نے خود عناصر میں

تصرف کر کے جسدِ عنصری تیار کر لیا ہو''۔ (ص ۲۲۲ ارواح ثلثہ)

اس واقع کو بیان کرنے والے ہیں قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیو بند۔

بیان کرتے ہیں اپنے چچا مولانا حبیب الرحمٰن صاحب سے وہ بھی اپنے زمانے کے مہتمم دارالعلوم دیو بند تھے۔ انہوں نے واقعہ بیان کیا مولانا رفیع الدین کا' وہ بھی اپنے زمانہ کے مہتمم دارالعلوم دیو بند' واقعہ سنایا گیا مولانا محمود الحسن کو جو صدر المدرسین دیو بند اور شیخ الہند سے ملقب ہیں۔ انہوں نے واقعہ سن کر اپنے شریکِ منازعہ ہونے سے توبہ کی۔

ان سب حضرات کا عقیدہ یہی تھا کہ مردے جسدِ عنصری کے ساتھ آتے ہیں۔ پچھلوں کی خبر رکھتے ہیں۔ ان کے جھگڑوں کو مٹانے کے لیے دخل بھی دیتے ہیں۔ اور جسدِ عنصری کے ساتھ آنے والے بھی بانی دیو بند مولانا قاسم نانوتوی اور حکیم الامت حضرت تھانوی نے روح میں یہ قوت بھی مان لی کہ وہ جب چاہے عناصر (مٹی' پانی' آگ' ہوا) میں تصرف کر کے ایک جسم تیار کر لے۔

اب فرمایئے بزرگوں کا عالم الغیب ہونا' مصیبت کے وقت ان کا مدد کو آنا' اس سے نکلتا ہے یا نہیں؟

ان پانچ حکایتوں میں سے دوسری اور پانچویں حکایت ارواحِ ثلاثہ سے ہے جو میرے پاس موجود ہے۔ باقی تین حوالے میں نے ایک نہایت معتبر مآخذ سے نقل کیے ہیں۔ اگر آپ ان حوالوں کو غلط کہیں تو سب اصل کتابیں مہیا ہو سکتی ہیں۔ ان شاء اللہ

تبلیغی جماعت کا عقیدہ:

اس بحث کے آخر میں تبلیغی جماعت کے لیے شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب کی تصنیف کردہ فضائل کی کتابوں کا مختصر ساذکر ضروری سمجھتا ہوں کیونکہ موجودہ تبلیغی جماعت نے اسے اپنا نصاب قرار دے رکھا ہے اور جماعت کے تعلیمی حلقوں

میں بھی یہی پڑھی جاتی ہیں' اور درس و وعظ کے موقعہ پر بھی قرآن مجید کی اُردو تفسیر یا حدیث کے ترجمے کی بجائے یہی پڑھ کر سنائی جاتی ہیں۔ عام طور پر جماعت کا کوئی مبلغ جب زبانی وعظ کرتا ہے تو کہتا ہے کہ کلمہ کے دو حصے ہیں۔ پہلے حصہ کا معنی یہ ہے کہ اللہ سے سب کچھ ہو سکنے کا یقین اور غیر اللہ سے کچھ نہ ہو سکنے کا یقین۔

مگر آپ مندرجہ ذیل حکایات جو انہوں نے فضائل حج میں ذکر فرمائی ہیں کو پڑھیں اور دیانتداری سے بتائیں کہ کیا ان میں رسول اللہ ﷺ کو عالم الغیب سمجھا گیا ہے یا نہیں' ان کو حاجات میں پکارا گیا یا نہیں۔ انہیں نفع وضرر پہنچانے والا بنایا گیا ہے یا نہیں؟

بھوک میں آنحضرت ﷺ سے عرض اور آپ کا روٹی عطا کرنا:

حکایت نمبر ۸: شیخ ابوالخیر اقطع فرماتے ہیں۔ میں ایک دفعہ مدینہ طیبہ حاضر ہوا اور پانچ دن ایسے گزر گئے کہ کھانے کو کچھ بھی نہ ملا۔ کوئی چیز چکھنے کی بھی نوبت نہ آئی۔ میں قبر اطہر پر حاضر ہوا اور حضور اقدس ﷺ اور حضرات شیخین پر سلام عرض کر کے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں آج رات کو حضورؐ کا مہمان بنوں گا۔ یہ عرض کر کے وہاں سے ہٹ کر منبر شریف کے پیچھے جا کر سو گیا۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ حضور اقدس ﷺ تشریف لائے ہیں۔ دائیں جانب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں اور بائیں جانب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سامنے ہیں۔ حضرت علیؓ نے مجھ کو بلایا اور فرمایا دیکھ حضور اقدس ﷺ تشریف لائے ہیں۔ میں اٹھا تو آپؐ نے مجھے ایک روٹی مرحمت فرمائی' میں نے آدھی کھائی اور جب میری آنکھ کھلی تو آدھی میرے ہاتھ میں تھی۔ (فضائل حج از مولانا زکریا ص ۱۲۸' مکتبہ اشرفیہ رائے ونڈ)

حکایت نمبر ۲۳ میں بھی تقریباً یہی چیز بیان ہوئی ہے۔ ص ۱۳۲

حکایت نمبر ۲۲ میں ہے کہ ایک صاحب نے بھوک سے تنگ آ کر عشاء کے وقت قبر اطہر پر حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ! بھوک...... چنانچہ آ گے ان کے کھانے

کا انتظام ہونے کا ذکر لکھا ہے۔ ص ۱۳۳

ظاہر ہے کہ یہ حضرات جنہوں نے پانچ پانچ دن یا اس سے بھی زیادہ کئی دن تک بھوک کی سختی اُٹھائی۔ اللہ تعالیٰ سے تو مانگتے ہی رہے ہوں گے مگر مشکل تبھی حل ہوئی جب رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا۔ آنحضرت ﷺ نے فوت ہونے کے باوجود ہزاروں من مٹی اور کئی دیواروں کے پیچھے سے فریاد سن کر ان کی بھوک دور کرنے کا انتظام فرمایا۔ اب کون عقیدت مند ہے جو حضرت شیخ الحدیث کی تحریر پڑھے اور پھر مدینہ میں بھوکا ہونے کی صورت میں رسول اللہ ﷺ سے فریاد نہ کرے۔

آپ ؐ کا ایک بھوکے کو درہم عطا فرمانا:

حکایت نمبر ۲۴ ص ۱۳۳ میں ہے کہ ایک بھوک کے ستائے ہوئے شخص کی درخواست پر آپ ؐ نے ان کے ہاتھ میں چند درھم رکھ دیے ہاتھ کھولا تو اس میں درہم رکھے ہوئے تھے۔ مفصل واقعہ کتاب میں دیکھیں۔

معلوم ہوا آنحضرت ﷺ سوال کرنے والوں کو بنفس نفیس درہم بھی عطا فرماتے ہیں۔ کم از کم مدینہ میں تو آپ ؐ سے ہی سوال ہونا چاہیے۔

آنحضرت ﷺ کا دستِ مبارک قبر سے نکلنا:

حکایت نمبر ۱۳: سید احمد رفاعی مشہور اکابر صوفیہ میں سے ہیں۔ ان کا قصہ مشہور ہے کہ جب ۵۵۵ھ میں حج سے فارغ ہو کر زیارت کے لیے حاضر ہوئے اور قبر اطہر کے مقابل کھڑے ہوئے تو یہ دو شعر پڑھے۔

فِیْ حَالَةِ الْبُعْدِ رُوْحِیْ کُنْتُ اُرْسِلُهَا ۔۔۔ تُقَبِّلُ الْاَرْضَ عَنِّیْ وَهِیَ نَائِبَتِیْ
وَهٰذِهٖ دَوْلَةُ الْاَشْبَاحِ قَدْ حَضَرَتْ ۔۔۔ فَامْدُدْ یَمِیْنَکَ کَیْ تَحْظٰی بِهَا شَفَتِیْ

''دُوری کی حالت میں میں اپنی روح کو خدمتِ اقدس میں بھیجا کرتا تھا وہ میری نائب بن کر آستانہ مبارک چومتی تھی۔ اب جسموں کی حاضری کی باری آئی ہے۔ اپنا دستِ مبارک عطا کیجیے تاکہ میرے ہونٹ اس کو چومیں''۔

اس پر قبر شریف سے دستِ مبارک باہر نکلا اور انہوں نے اس کو چوما (الحاوی للسیوطی) کہا جاتا ہے کہ اس وقت تقریباً نوے ہزار کا مجمع مسجد نبوی میں تھا جنہوں نے اس واقعہ کو دیکھا اور حضور انور ﷺ کے دستِ مبارک کی زیارت کی، جن میں شیخ عبدالقادر جیلانی کا نام بھی لیا جاتا ہے۔(اَلْبُنْیَانُ الْمُشَیَّدُ)

دیکھئے فضائل حج از مولانا زکریا ص ۱۳۱، ۱۳۰۔

معلوم ہوا آنحضرت ﷺ کو اتنی قدرت حاصل ہے کہ فوت ہونے کے باوجود جب چاہیں ہاتھ باہر نکال کر بوسہ کا شرف عطا فرما دیں۔ معلوم نہیں قرآن میں یہ آیت کیوں اُتری ہے کہ:

﴿ اِنَّکَ مَیِّتٌ وَّاِنَّھُمْ مَّیِّتُوْنَ، ثُمَّ اِنَّکُمْ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ عِنْدَ رَبِّکُمْ تَخْتَصِمُوْنَ﴾

پھر لطف یہ کہ دیکھا نوّے ہزار نے مگر روایت انہی لفظوں سے ہے کہ کہا جاتا ہے۔ کہنے والے کا پتہ ہی نہیں کون ہے؟ اب یہ حکایت پڑھ کر کون مسلمان ہے جو سلام کہتے وقت یہ انتظار نہ رکھے کہ حضور ﷺ کا ہاتھ ابھی نکلا اور ابھی بوسہ کی سعادت نصیب ہوئی۔ حکایت نمبر ۱۴ اور ۱۵ میں کانوں کے ساتھ قبر سے وعلیکم السلام کی آواز سننے کا واقعہ بیان کیا ہے۔(دیکھئے ص ۱۳۱)

ایک عورت کی آنحضرت ﷺ سے فریاد اور اسے ستانے والوں کی موت:

حکایت نمبر ۱۶: یوسف بن علی کہتے ہیں کہ ایک ہاشمی عورت مدینہ طیبہ میں رہتی تھی اور بعض خدام اس کو ستایا کرتے تھے۔ وہ حضور اقدس ﷺ کی خدمتِ اقدس میں فریاد لے کر حاضر ہوئی تو روضہ شریفہ سے آواز آئی:

اَمَالَکِ فِیْ اُسْوَۃٍ فَاصْبِرِیْ کَمَا صَبَرْتُ اَوْنَحْوَ ھٰذَا.

”کیا تیرے لیے میرے اتباع میں رغبت نہیں جس طرح میں نے صبر کیا تو بھی صبر کر“۔

وہ عورت کہتی ہیں کہ اس آواز کے بعد جس قدر کوفت مجھے تھی وہ سب جاتی رہی اور وہ تینوں خادم جو مجھے ستایا کرتے تھے مر گئے۔ (الحاوی) (فضائل حج ص ۱۳۱)

معلوم ہوا کہ مدینہ میں اگر کوئی ستائے اس کی فریاد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں کی جائے تو آپ تسلی بھی دیتے ہیں اور دشمنوں کا بھی ستیاناس ہو جاتا ہے۔

یہ الگ بات ہے کہ وہ ہاشمی عورت کون تھی، سچی تھی یا جھوٹی۔ ہمیں اس سے کیا غرض، ہمارا تو کام ہی ان لفظوں سے چلتا ہے۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں۔ ایک عورت کا واقعہ لکھا ہے۔ وغیرہ، وغیرہ

ایک مؤذن کی آپؐ سے شکایت اور اسے مارنے والے پر فالج گرنا اور موت:

حکایت نمبر ۲۶: ثابت بن احمد ابوالقاسم بغدادی فرماتے ہیں، کہ انہوں نے ایک مؤذن کو دیکھا کہ وہ مدینہ پاک میں مسجد نبوی میں صبح کی اذان دے رہے تھے۔ اذان میں مؤذن نے کہا "اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ" تو ایک خادم نے آ کر انہیں تھپڑ مار دیا۔ وہ مؤذن رویا اور عرض کرنے لگا یا رسول اللہ! آپ کی موجودگی میں میرے ساتھ یہ ہو رہا ہے اس خادم پر فالج گر گیا۔ لوگ اُٹھا کر اس کو گھر لے گئے اور تین دن بعد وہ مر گیا۔ (وفاً) (فضائل حج از مولانا زکریا ص ۱۴۴)

اس سے بڑھ کر کیا نفع پہنچایا جا سکتا ہے کہ دشمن کو ختم ہی کر دیا۔ معلوم ہوا مدینہ میں کوئی تھپڑ مارے تو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں عرض کرنا چاہیے۔ آپ خود ہی بندوبست فرما لیں گے کیا اسی کا نام ہے غیر اللہ سے کچھ نہ ہو سکنے کا یقین؟

مندرجہ بالا حکایات سے آنحضرت ﷺ کا مدینہ جانے والوں کی مدد کرنا نکلتا ہے، جو مدینہ میں نہیں شیخ الحدیث مولانا زکریا سہارن پوری نے ان کی مشکل بھی آسان فرما دی ہے۔ چنانچہ سنیے:

مدینہ سے دُور رہنے والوں کا مدینہ کی طرف درخواست لکھ کر بھیجنا:

حکایت نمبر ۳۵: ابو محمد اشبیلی کہتے ہیں کہ غرناطہ کا ایک شخص اس قدر بیمار ہوا

کہ حد نہیں، اطباء اس کے علاج سے عاجز آ گئے۔ زندگی سے مایوسی ہو گئی۔ وزیر ابوعبداللہ محمد بن ابی ضال نے ایک خط حضور اقدس ﷺ کی خدمتِ اقدس میں لکھا۔ اس میں چند شعر بھی لکھے جو وفاء الوفاء میں مذکور ہیں۔ وہ خط حجاج کے قافلہ میں سے ایک شخص کو دے دیا۔ اس میں بیماری سے صحت کی دُعا کی درخواست تھی۔ وہ قافلہ جب مدینہ پاک پہنچا اور وہ خط قبر شریف پر پڑھا گیا۔ اسی وقت وہ بیمار اچھا ہو گیا۔ جب وہ شخص جس کے ہاتھ خط گیا تھا حج سے واپس آیا تو اس نے دیکھا کہ وہ بیمار ایسا تھا گویا کوئی بیماری اس کو پہنچی ہی نہیں۔ (وفاء) (فضائل حج ص ۱۳۸ از مولانا زکریا صاحب)

معلوم ہوا جو مدینہ نہ جا سکیں وہ خط لکھ کر بھیج دیں، اور صحت کے لیے خط بھیجا جا سکتا ہے تو دولت، اولاد، اور دوسری نعمتوں کے لیے کوئی نہیں بھیجا جا سکتا۔ رہی یہ بات کہ خط میں درخواست تو دعا کی ہی ہے تو جن لوگوں پر شرک کے فتوے لگائے جاتے ہیں وہ بھی فوت شدہ بزرگوں سے دعا ہی کرواتے ہیں۔ پوچھ کر دیکھ لیجیے۔

میں نے یہ اور اس سے پہلی حکایات اس لیے لکھی ہیں کہ آپ نے مندرجہ ذیل عقائد رکھنے والوں کو کافر و مشرک قرار دیا ہے۔

ا: نبیوں، بزرگوں کو عالم الغیب ماننا۔

ب: اپنی حاجتوں میں غیروں کو پکارنا۔

ج: ان سے نفع کی اُمید رکھنا اور ان کے ضرر سے ڈرنا۔

اور یہ عقائد رکھنے والوں کو کافر و مشرک سمجھنے والوں کو اہل حق قرار دیا ہے۔

اب فیصلہ آپ کے ہاتھوں میں ہے کہ یہ حکایات لکھنے والے اور انہیں سچا سمجھنے والے اہل حق ہیں۔ یا اہل کفر و شرک۔ اور ان کا اختلاف اُصول دین میں ہے یا فروع دین میں۔ اللہ تعالیٰ حق سمجھنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

ائمہ کا اختلاف اور فرقہ سازی:

آپ فرماتے ہیں: اسی طرح چار اماموں میں کئی فروعی مسائل میں اختلاف

تھا بتائیے آپ کس کو کافر کہیں گے یا یہ فرمائیے کہ آیت ولاتفرقوا اس وقت نہیں تھی۔

حقیقتِ حال:

چار اماموں بلکہ اُمت کے بے شمار ائمہ کے درمیان اختلاف بے شک موجود تھا مگر الگ الگ فرقے انہوں نے نہیں بنائے تھے اس لیے وہ ولاتفرقوا' کی زد میں نہیں آتے۔ دین کو ٹکڑے ٹکڑے تو ان لوگوں نے کیا جنہوں نے تقلید شخصی کو واجب قرار دیا اور حق وانصاف واضح ہونے کے باوجود امام کی غلط بات پر اڑ گئے۔ اعتبار نہ ہو تو شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب صدر مدرس دارالعلوم دیوبند کا فرمان ان کی تقریر ترمذی ص ۳۹ پر دیکھ لیجیے۔ باب البیعان بالخیار کے تحت آخر میں فرماتے ہیں:

اَلْحَقُّ وَالْاِنْصَافُ اَنَّ التَّرْجِیْحَ لِلشَّافِعِیِّ فِیْ هٰذِهِ الْمَسْئَلَةِ وَنَحْنُ مُقَلِّدُوْنَ یَجِبُ عَلَیْنَا تَقْلِیْدُ اِمَامِنَا اَبِیْ حَنِیْفَةَ.

یعنی حق اور انصاف یہ ہے کہ اس مسئلہ میں ترجیح شافعی کے مسلک کو ہے اور ہم مقلد ہیں ہم پر ہمارے امام ابوحنیفہ کی تقلید واجب ہے۔

شیخ الہند کا حق تسلیم کرنے کے بعد انکار:

اب بتائیے یہ اختلاف ائمہ میں تھا کہ حق واضح ہونے کے بعد بعض امام اسے مان لیتے تھے اور بعض کسی شخصیت کی آڑ لے کر حق و انصاف کا انکار کر دیتے تھے۔ کیا یہ اختلاف بھی فروعی ہے کہ حق وانصاف مان لینے کے بعد بھی انکار کر دیا جائے اور جب ہند کے شیخ کا یہ حال ہو اور وہ اپنی دھڑے بندی میں اتنا پختہ ہو کہ اس فعل شنیع کو واجب قرار دیتا ہو تو شاگردوں کا کیا حال ہوگا۔

اِذَا کَانَ رَبُّ الْبَیْتِ بِالطَّبْلِ ضَارِبًا
فَلَا تَلُمِ الْاَوْلَادَ فِیْهِ عَلَی الرَّقْصِ

"جب گھر کا مالک ہی ڈھول بجانا شروع کر دے تو اگر بچے رقص کرنے لگیں تو انہیں ملامت مت کرو"۔

اسی کا نتیجہ ہے کہ موجودہ سعودی حکومت سے پہلے عین حرم میں چار مصلّے حنفی' شافعی' مالکی' حنبلی قائم تھے۔ کیا ائمہ اربعہ اور صحابہؓ نے بھی عین حرم میں چار مصلّے بنائے تھے۔ معلوم ہوا قصور امام مالک' شافعی' احمد' ابوحنیفہ کا نہیں ان کی تقلید کی بنا پر فرقے بنانے والوں کا ہے جنھوں نے ایک دین حق کو چار مذہب بنا کر دین نبیؐ میں رخنے ڈال دیئے۔ وَلَنِعْمَ مَا قِيْلَ ؎

دین حق راچار مذہب ساختند
رخنہ در دین نبی انداختند

کیا صرف سند یافتہ عالم ہی کسی کو قرآنی آیات کا مطلب سمجھا سکتا ہے؟:

آپ فرماتے ہیں میرے عزیز! اخیر میں آپ سے عرض ہے کہ جاہل آدمی کو قطعاً یہ حق نہیں کہ قرآنی آیات کی تفسیر کرتے پھریں یا آیات کا مطلب دوسروں کو سمجھائیں۔ جس کو قرآن کا ترجمہ نہ آتا ہو وہ خاک تفسیر کرے گا۔

حقیقتِ حال:

یہ واقعی دُرست ہے کہ جاہل کو ان قرآنی آیات کی تفسیر یا مطلب سمجھانے کا حق نہیں جن سے وہ جاہل ہے۔ لیکن اگر کسی شخص کو بعض آیات کا مطلب معلوم ہو بعض کا معلوم نہ ہو تو جو اسے معلوم ہے اس کا مطلب بھی کسی کو سمجھا سکتا ہے یا نہیں۔ اگر آپ کہیں کہ جب تک تمام آیات کا مطلب معلوم نہ ہو کسی آیت کا مطلب بھی نہیں سمجھا سکتا تو کیا آپ کو تمام آیات کا مطلب معلوم ہے۔ علمائے دیوبند کو تمام آیات کا مطلب معلوم ہے۔ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر آپ لوگوں کو بھی کوئی حق نہیں کہ لوگوں کو آیات کا مطلب سمجھاتے پھریں اور اگر حکم یہ ہے کہ بَلِّغُوْا عَنِّيْ وَلَوْ آيَةً تو پھر ہر مسلمان کو جتنا معلوم ہو آگے پہنچانا اس پر فرض ہے۔

قاضی صاحب کا دوسروں کے لیے اندازِ تحقیر:

آپ فرماتے ہیں: آپ اپنے استاد سے کھڑے دریافت کریں کہ

قرآن میں کبد کا لفظ آیا ہے اس کا معنی کیا ہے وہ کسی ترجمہ کے دیکھے بغیر آپ کو نہیں بتا سکے گا۔ الخ

حقیقتِ حال:

معلوم نہیں آپ کی مراد کون سا اُستاذ ہے کیونکہ اُستاد کئی ہوتے ہیں۔ خیر آپ کی مراد کوئی خاص اُستاد ہو یا سب اُستاد ہوں آپ کی یہ تعلی عالم الغیب ہونے کے دعوے کے مترادف ہے کہ آپ کو یہ بھی معلوم ہوگیا کہ استاد کو سارے قرآن میں سے خاص طور پر لفظ کبد کا معنی ترجمہ دیکھنے کے بغیر نہیں آئے گا۔ اللہ سے ڈریں جہاں تک راقم الحروف کا تعلق ہے آپ کی تحریر پڑھتے وقت کسی ترجمہ کو دیکھنے کے بغیر اللہ کے فضل سے کم از کم اس لفظ کا معنی ضرور معلوم تھا اور وہ ہے ''مَشقت'' اور میں نے اب تک اس لفظ کا ترجمہ قرآن سے نہیں دیکھا۔

ترک رفع الیدین کی روایات:

آپ فرماتے ہیں: رفع یدین چھوڑنے کی بہت سی روایات ہے۔ ایک عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت ہے:

اَلاَ اُصَلِّیْ بِکُمْ صَلٰوۃَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَصَلّٰی فَلَمْ یَرْفَعْ یَدَیْہِ اِلَّا فِیْ اَوَّلِ مَرَّۃٍ. صَحَّحَہُ ابْنُ حَزْمٍ وَ قَالَ التِّرْمَذِیُّ حَدِیْثُ ابْنِ مَسْعُوْدٍ حَدِیْثٌ حَسَنٌ.

مطلب یہ ہے کہ ابن مسعودؓ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کی مجمع میں یہ بات کہی کہ آپ ﷺ سوی تکبیر تحریمہ کے اپنے ہاتھ نہیں اُٹھاتے تھے اور کسی نے اس کی تردید نہیں کی' اس کے نقل کرنے والے ترمذی ہے اور ابن حزم ہے۔

حقیقتِ حال:

اس عبارت میں کئی چیزیں قابل غور ہیں:

① آپ نے فرمایا ہے ''رفع یدین چھوڑنے کی بہت سی روایات ہیں'' لیکن رفع

یدین کرنے کی روایات جو تواتر تک پہنچی ہوئی ہیں ان کے متعلق آپ نے کچھ نہیں فرمایا۔ یہی فرقہ پرستی کا تلخ ثمر ہے کہ آپ نے زیر تبصرہ کتاب ''الاسلام اور مذہبی فرقے'' میں رفع یدین کے ثبوت کی بہت سی احادیث پڑھنے کے باوجود ان کا ذکر ہی گول کر دیا ہے ع

حَفِظْتَ شَیْئًا وَغَابَتْ عَنْکَ اَشْیَاءُ

آپ واضح طور پر فرمائیں کہ وہ احادیث ثابت ہی نہیں یا آپ کے نزدیک عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث سے منسوخ ہیں۔ پھر مزید اس موضوع پر بات ہو گی۔

② آپ نے حدیث لکھ کر جو مطلب بیان کیا ہے فرمایئے مندرجہ ذیل الفاظ کن لفظوں کا مطلب ہیں؟

قاضی صاحب کا ذہنی مفروضوں کو حدیث کا مطلب قرار دینا:

ا۔ ''ابن مسعودؓ نے صحابہؓ کے مجمع میں یہ بات کہی'' صحابہ رضی اللہ عنہم کا مجمع آپ نے کس لفظ سے نکالا ہے۔

ب۔ پھر آپ نے مطلب بیان کرتے ہوئے روایت کو ابن مسعودؓ کی قولی روایت بنا دیا ہے۔ حالانکہ نقل آپ نے فعلی روایت کی ہے اور مطلب قولی روایت کا بیان کیا ہے جو نقل نہیں کی۔ اگرچہ ثابت دونوں ہی نہیں۔

ج۔ پھر آپ فرماتے ہیں ''کسی نے اس کی تردید نہیں کی'' یہ کسی لفظ کا مطلب ہے یا صرف زورِ خطابت ہے؟ روایت کے الفاظ میں تو نہ کسی کے تائید کرنے کا ذکر ہے نہ تردید کرنے کا۔

③ آپ نے رفع یدین چھوڑنے کی بہت سی روایات ہونے کے دعوے کے باوجود صرف ایک مرفوع روایت ذکر کی ہے معلوم ہوتا ہے باقی روایات پر آپ کو بھی اعتماد نہیں ورنہ آگے افعالِ صحابہؓ ذکر نہ کرتے۔ اور حقیقت بھی یہی ہے کہ ترک رفع الیدین کی ایک روایت بھی ثابت نہیں۔ سب سے اچھی یہی روایت ہو سکتی

ہے جو آپ نے نقل کی مگر اس کا حال یہ ہے کہ بہت سے جلیل القدر محدث اسے ثابت نہیں مانتے۔

وَقَالَ الْحَافِظُ فِي التَّلْخِيصِ: وَهٰذَا الْحَدِيْثُ حَسَّنَهُ التِّرْمَذِيُّ وَصَحَّحَهُ ابْنُ حَزْمٍ وَ قَالَ ابْنُ الْمُبَارَكِ: لَمْ يَثْبُتْ عِنْدِيْ وَقَالَ ابْنُ اَبِيْ حَاتِمٍ عَنْ اَبِيْهِ: هٰذَا حَدِيْثٌ خَطَاءٌ وَقَالَ اَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ وَ شَيْخُهُ يَحْيَى بْنُ آدَمَ: هُوَ ضَعِيْفٌ. نَقَلَهُ الْبُخَارِيُّ عَنْهُمَا وَ تَابَعَهُمَا عَلٰى ذَالِكَ وَقَالَ اَبُوْدَاؤدَ لَيْسَ هُوَ بِصَحِيْحٍ وَقَالَ الدَّارَقُطْنِيُّ: لَمْ يَثْبُتْ وَقَالَ ابْنُ حِبَّانَ فِي الصَّلٰوةِ: هٰذَا اَحْسَنُ خَبَرٍ رُوِيَ لِاَهْلِ الْكُوْفَةِ فِيْ نَفْيِ رَفْعِ الْيَدَيْنِ عِنْدَ الرُّكُوْعِ وَعِنْدَ الرَّفْعِ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْحَقِيْقَةِ اَضْعَفُ شَيْئٍ يُعَوَّلُ عَلَيْهِ لِاَنَّ لَهُ عِلَلًا تُبْطِلُهُ.

(تحفۃ الاحوذی ص ۲۲۰ ج ۱)

ترک رفع یدین کی روایت کا ثابت نہ ہونا:

مطلب یہ ہے کہ حافظ ابن حجر تلخیص میں لکھتے ہیں کہ ''حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی اس روایت کو امام ترمذیؒ نے حسن اور ابن حزمؒ نے صحیح کہا اور عبد اللہ بن مبارکؒ فرماتے ہیں کہ وہ میرے ہاں ثابت نہیں اور ابو حاتم کہتے ہیں یہ روایت خطا ہے اور امام احمد بن حنبلؒ اور ان کے استاد یحییٰ بن آدمؒ دونوں فرماتے ہیں۔ وہ روایت ضعیف ہے۔ امام بخاریؒ نے ان دونوں بزرگوں کا یہ فیصلہ ان دونوں سے نقل فرمایا اور اس فیصلہ پر ان دونوں کی متابعت و موافقت کی اور امام ابوداؤدؒ فرماتے ہیں وہ روایت صحیح نہیں اور دارقطنیؒ فرماتے ہیں وہ ثابت نہیں۔ اور ابن حبانؒ کہتے ہیں کوفیوں کے لیے نماز میں رکوع جاتے اور اس سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین کی نفی میں جتنی روایات ہیں ان میں یہ روایت سب سے اچھی ہے اور درحقیقت وہ سب سے کمزور شئے ہے کیونکہ اس میں کئی علتیں ہیں جو اسے باطل ٹھہراتی ہیں۔

حافظ ابن القیمؒ تہذیب السنن میں لکھتے ہیں:

وَضَعَّفَهُ الدَّارِمِيُّ وَالدَّارَقُطْنِيُّ وَالْبَيْهَقِيُّ.

اور اس روایت کو امام دارمیؒ امام دارقطنیؒ اور امام بیہقیؒ نے ضعیف کہا۔

نیز مرعاۃ المفاتیح میں ہے:

وَقَالَ الْبَزَّارُ: لَا يَثْبُتُ وَلَا يُحْتَجُّ بِمِثْلِهِ وَقَالَ ابْنُ عَبْدِالْبَرِّ: هُوَ مِنْ آثَارٍ مَّعْلُوْلَةٍ ضَعِيفَةٍ عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ. (ج۲ص۳۲۳)

حافظ بزارؒ فرماتے ہیں۔ وہ ثابت نہیں اور نہ ہی اس جیسی روایات سے دلیل پکڑی جا سکتی ہے اور حافظ ابن عبدالبرؒ فرماتے ہیں وہ اہل علم کے نزدیک معلول اور ضعیف روایات سے ہے۔

تو محترم اس روایت کو غیر ثابت قرار دینے والے بہت سے محدثین میں سے یہ بارہ امام یاد رکھیے۔

(۱) امام ابوحنیفہ کے شاگرد رشید عبداللہ بن مبارک (۲) حضرت امام احمد بن حنبل (۳) حضرت امام احمد بن حنبل کے شیخ حضرت یحییٰ بن آدم (۴) حضرت امام بخاری (۵) امام ابوداؤد (۶) امام ابوحاتم (۷) حافظ دارقطنی (۸) حافظ ابن حبان (۹) امام دارمی (۱۰) امام بیہقی (۱۱) حافظ بزار (۱۲) اور حافظ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہم۔

ان کے مقابلے میں دو شخص آپ نے ذکر فرمائے ہیں: (۱) امام ترمذیؒ، (۲) ابن حزمؒ۔

امام ترمذیؒ کے حدیث کو حسن کہنے کا تو کوئی اعتبار ہی نہیں کیونکہ وہ حدیث ضعیف کو بھی حسن کہہ دیتے ہیں۔ اگر آپ کو انکار ہو تو لکھیں میں ان شاء اللہ العزیز باحوالہ تفصیل لکھ دوں گا۔ امام ترمذی کا حدیث کو حسن کہنے میں تساہل محدثین کے ہاں مشہور ہے اور جب اتنے بڑے بڑے محدثین کے مقابلہ میں حسن کہیں تو خود ہی اندازہ لگا لیں۔

رہے ابن حزم تو کیا ان کی تصحیح کی وجہ سے آپ نے رفع الیدین ترک کی ہے؟ کیا ابن حزم نے ان علتوں کا کوئی جواب دیا ہے جو مندرجہ بالا محدثین خصوصاً امام بخاریؒ اور ابو حاتم نے اس روایت میں بیان کی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان اساطین فن کے مقابلے میں ابن حزم کے صحیح کہنے کا کوئی اعتبار نہیں۔

اب دیکھیے ایک طرف متفق علیہ صحیح متواتر احادیث ثبوتِ رفع الیدین کی موجود ہیں اور ایک طرف غیر ثابت روایات ترکِ رفع یدین کی یا زیادہ سے زیادہ ایک روایت جو مختلف فیہ ہے۔ کیا ان غیر ثابت روایات کے ساتھ متفق علیہ صحیح متواتر احادیث کو ترک کرنا انصاف ہے؟

آپ فرماتے ہیں: دوسری اسود کی روایت ہے رایت عمر الی الخ مطلب یہ ہے کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ تحریمہ میں ہاتھ اُٹھاتے پھر نہیں اُٹھاتے تھے آخر تک۔

حقیقتِ حال:

آپ لوگوں کے نزدیک دلیلیں چار ہیں: کتاب' سنت' اجماع' قیاس۔

کیا صحابہؓ کے افعال شرعی حجت ہیں:

فرمایئے صحابہؓ کے یہ افعال اگر ثابت بھی ہوں تو کتاب ہیں یا سنت یا اجماع یا قیاس؟ اور اگر آپ اصرار کریں کہ صحابہؓ کے اقوال و افعال بھی حجت ہیں تو پھر اپنی اُصولِ فقہ میں ترمیم کر دیجیے کہ دلائل شرع پانچ ہیں: کتاب' سنت' اجماع' قیاس' اقوال و افعالِ صحابہؓ۔

چونکہ یہ چیز دلیل کے طور پر پیش ہی نہیں کی جا سکتی اس لیے میں اس کے صحیح ثابت یا غیر ثابت ہونے پر بحث نہیں کرتا۔ اگرچہ اس کی بھی گنجائش ہے۔

آپ فرماتے ہیں: جن روایات میں رفع یدین کا حکم آیا ہے ان میں سے بعض کے اندر یہ بھی حکم ہے کہ سجدہ کرتے وقت بھی ہاتھ اُٹھاؤ جیسا کہ نسائی کی روایت

میں صاف موجود ہے۔ الی قولکم اور آپ لوگ سجدہ کے وقت ہاتھ نہیں اُٹھاتے۔ اب آپ جو جواب دیں گے وہی ہمارا جواب ہوگا۔

نسائی میں سجدوں میں رفع یدین کا حکم دینے کی حدیث نہیں ہے

حقیقتِ حال:

آپ نے جو فرمایا ہے کہ ''جن روایات میں رفع یدین کا حکم آیا ہے ان میں سے بعض کے اندر یہ بھی حکم ہے کہ سجدہ کرتے وقت بھی اُٹھاؤ''۔ یہ حکم کسی روایت میں موجود ہی نہیں کہ آپؐ نے فرمایا ہو کہ ''سجدہ کرتے وقت بھی ہاتھ اُٹھاؤ'' نسائی میں بھی نہیں۔ اللہ سے ڈرو۔ آنحضرت ﷺ پر بہتان نہ باندھو۔ یا پھر اس روایت کے لفظ اور باب لکھو۔

باقی رہی یہ بات کہ ہم سجدوں میں رفع یدین کیوں نہیں کرتے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ سجدوں میں رفع یدین کرنے کی ایک روایت بھی ثابت نہیں اور اس کے مقابلے میں صحیح بخاری کی ابن عمر رضی اللہ عنہما کی صریح حدیث موجود ہے کَانَ لَایَفْعَلُ ذَالِکَ فِی السُّجُوْدِ کہ آنحضرت ﷺ سجدوں میں رفع یدین نہیں کرتے تھے۔ اب میں نے تو یہ جواب دے دیا ہے کہ سجدوں والی رفع یدین ثابت نہیں۔ کیا آپ کا جواب بھی یہی ہے کہ رکوع جاتے اور اُٹھتے وقت کی رفع یدین ثابت نہیں؟ صاف طور پر لکھئے۔

آمین بالجہر:

آپ فرماتے ہیں: مسلم کی روایت میں ہے جب امام ولا الضالین کہے تم آمین کہو۔ اس روایت سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں ایک یہ کہ جس طرح تکبیر کا حکم ہے اور وہ خفی ہے تو آمین کا حکم بھی خفی پڑھنے کا ہے ورنہ پھر اللہ اکبر بھی مقتدی زور سے پڑھے۔

حقیقتِ حال:

اس روایت میں اللہ اکبر نہ آہستہ پڑھنے کا حکم ہے نہ زور سے پڑھنے کا

فرمایئے اس حدیث کے کون سے لفظ کا معنیٰ ہے کہ اللہ اکبر آہستہ کہو۔ اللہ اکبر جو آہستہ کہی جاتی ہے تو وہ دوسرے دلائل کی بنا پر آہستہ کہی جاتی ہے۔ اگر آمین کے متعلق بھی دوسرے دلائل سے ثابت ہو جائے کہ آہستہ کہنی چاہیے تو ٹھیک ہے آہستہ کہہ لیں مگر آہستہ کہنا کسی دلیل سے ثابت نہیں۔

آپ فرماتے ہیں: دوسری بات یہ ہے کہ مقتدی الحمد نہیں پڑھے گا کیونکہ آپؐ نے فرمایا امام ولا الضالین کہے گا اور مقتدی آمین۔

کیا مقتدی الحمد نہ پڑھے؟

حقیقتِ حال:

آپؐ کے فرمان "جب امام ولا الضالین کہے تو تم آمین کہو" کے کون سے لفظ کا مطلب ہے کہ امام آمین نہ کہے اور مقتدی ولا الضالین نہ کہے۔ آنحضرت ﷺ کا آہستہ آمین کہنا اور بقول شما تعلیم کے لیے بلند آواز سے آمین کہنا تو آپ نے خود تسلیم کیا ہے تو آپؐ نے پھر نعوذ باللہ اپنے فرمان کی خود ہی خلاف ورزی فرمائی کہ حکم یہ دیا کہ امام صرف ولا الضالین کہے آمین نہ کہے اور مقتدی صرف آمین کہے سورت فاتحہ نہ پڑھے۔ اور پھر خود امام بن کر آمین بھی کہی۔ سچ ہے دلیل نہ ہو تو کشید ہی کی جاتی ہے۔ خواہ ہوتی ہو یا نہ ہوتی ہو۔

آپ فرماتے ہیں ابوداؤد نے روایت نقل فرمائی کہ آپؐ ولا الضالین کے بعد سکتہ فرماتے تھے اسی طرح احمد دار قطنی نے بھی نقل کیا ہے۔

حقیقتِ حال:

ابوداؤد کی روایت جو آپ نے نقل کی ہے وہ صحیح نہیں۔ کیا آپ اسے صحیح سمجھتے ہیں۔ اور اگر صحیح سمجھتے ہیں تو کیا پوری حدیث پر آپ کا عمل ہے؟ سوچ سمجھ کر لکھیں۔

وَاَخْفٰی بِهَا صَوْتَهٗ

آپ فرماتے ہیں: ترمذی طیالسی اور حاکم مستدرک نے بھی ان الفاظ سے نقل کیا ہے:

"وَاَخْفٰی بِهَا صَوْتَهٗ" یعنی آمین کو زور سے نہیں پڑھتے تھے۔

حقیقتِ حال:

طیالسی اور مستدرک حاکم تو میرے پاس اس وقت موجود نہیں' ترمذی موجود ہے۔ مگر آپ نے جو الفاظ ترمذی کی طرف منسوب کیے ہیں "وَاَخْفٰی بِهَا صَوْتَهٗ" وہ ترمذی میں نہیں ہیں۔ اللہ سے ڈریں حوالہ غلط نہ دیا کریں۔ اللہ بہتر جانتا ہے طیالسی اور مستدرک میں بھی ہیں یا نہیں۔ آپ کا نقل میں ثقہ نہ ہونا تو اس حوالہ سے اور سجدتین میں رفع یدین کے حکم کے حوالہ سے ثابت ہو چکا ہے۔ یاد رہے خَفَضَ بِهَا صَوْتَهٗ اور اَخْفٰی بِهَا صَوْتَه' کا مفہوم بالکل جدا جدا ہے خفضِ صوت اور چیز ہے اور اخفاءِ صوت دوسری چیز۔ ایک میں آواز ہوتی ہے دوسری میں نہیں۔

آپ فرماتے ہیں: اور جن روایات میں زور سے آمین آیا ہے تو یہ جہر کبھی کبھی تعلیم کے لیے آپ فرماتے تھے جیسے حافظ ابن قیمؒ نے زاد المعاد میں بھی تصریح فرمائی ہے کہ آمین پوشیدہ ہے البتہ تعلیم کے لیے جہر جائز ہے۔ اب ابن قیمؒ بھی کافر ہو گئے۔ العیاذ باللہ

کیا ابن القیم نے بلند آواز سے آمین کو تعلیم کے لیے قرار دیا ہے

حقیقتِ حال:

ابن قیمؒ سے جو بات آپ نے نقل کی ہے اُسے دکھانا آپ کی ذمہ داری ہے۔ فرمایئے کون سے باب یا صفحے میں انہوں نے یہ فرمایا ہے۔ میں نے تو زاد المعاد میں متعلقہ مقام کھول کر دیکھا تو اس میں لکھا ہے:

فَاِذَا فَرَغَ مِنْ قِرَاْءَةِ الْفَاتِحَةِ قَالَ آمِیْنُ فَاِنْ کَانَ یَجْهَرُ بِالْقِرَاْءَةِ رَفَعَ بِهَا صَوْتَهٗ وَقَالَهَا مَنْ خَلْفَهٗ. (زاد المعاد ج ۱ ص ۵۲' مطبوعہ دار الکتاب بیروت)

یعنی جب آنحضرت ﷺ فاتحہ پڑھ کر فارغ ہوتے تو آمین کہتے' اگر جہر کے ساتھ قراۃ کر رہے ہوتے تو آمین بلند آواز سے کہتے اور جو لوگ آپؐ کے پیچھے ہوتے

وہ بھی آمین کہتے۔

بلکہ حافظ ابن قیمؒ نے تو اعلام الموقعین میں سنت محکمہ صحیحہ کو رد کرنے کی مثالیں بیان کرتے ہوئے انسٹھویں مثال یہی بیان کی کہ کچھ لوگوں نے آمین بالجہر کی سنت محکمہ صحیحہ کو رد کر دیا ہے پھر پوری تفصیل سے مسئلہ بیان کیا ہے اور آمین بالجہر کے منکروں کو سنت محکمہ صحیحہ کو رد کرنے والے قرار دیا ہے۔ دیکھئے اعلام الموقعین ج ۲ ص ۴' ۵' طبع ہند۔

خدا نہ کرے آپ نے ابن قیمؒ پر بھی بہتان ہی نہ باندھا ہو۔

سجدہ میں جاتے وقت پہلے ہاتھ رکھے جائیں یا گھٹنے:

آپ فرماتے ہیں: سجدہ میں جاتے وقت ہاتھ پہلے زمین پر نہ لگائیں بلکہ گھٹنے لگائیں اور حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث میں جو آیا ہے کہ ہاتھ پہلے لگاؤ تو امام ترمذی نے اس کو ضعیف کہا ہے امام بخاریؒ نے کہا ہے اس کی سند متصل نہیں۔ ابن قیمؒ نے لکھا ہے کہ ابو ہریرہؓ کی حدیث میں قلب ہے۔

حقیقتِ حال:

ترمذی نے پوری سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی جو حدیث نقل کی ہے اسے بالکل ضعیف نہیں کہا۔ صرف عبداللہ بن سعید مقبری کے طریق کا حوالہ دے کر اس کے راوی عبداللہ بن سعید کو ضعیف قرار دیا ہے۔ ضعیف روایت کو اس پوری سند کے ساتھ امام صاحب نے نقل ہی نہیں کیا۔ اب آپ کی ذمہ داری ہے کہ دکھائیں کہ ترمذی نے اس حدیث کو کہاں ضعیف لکھا ہے جسے انہوں نے پوری سند کے ساتھ ابوالزناد عن الاعرج عن ابی ہریرہؓ کے طریق سے روایت فرمایا ہے۔

اور آپ نے جو فرمایا ہے کہ امام بخاریؒ نے لکھا ہے کہ اس کی سند متصل نہیں اس کا حوالہ بھی آپ کے ذمہ ہے کہ امام بخاریؒ کے لفظ باحوالہ نقل فرمائیں تاکہ دیکھا جائے کہ ان الفاظ کا یہی ترجمہ ہے کہ اس کی سند متصل نہیں؟

اور ابن قیمؒ نے قلب والی جو بات لکھی ہے وہ صحیح نہیں۔ اگر آپ صحیح سمجھتے ہوں تو دلائل بیان کریں ان شاء اللہ حقیقت واضح کر دی جائے گی۔

آپ فرماتے ہیں: اسی طرح ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے ہاتھ پہلے لگاؤ۔ اس کو بھی دارقطنی، بیہقی اور امام احمد بن حنبل نے ضعیف ٹھہرایا ہے۔ امام نسائی نے لکھا ہے حدیث منکر۔ ابوزرعہ نے لکھا ہے اس کی سند میں ابو حاتم ہے اور اس کا حافظہ خراب تھا۔ اور ابن حجر نے میزان میں یہی بات لکھی ہے۔

حقیقتِ حال:

آپ جس کتاب پر تبصرہ کر رہے ہیں یعنی ''الاسلام اور مذہبی فرقے'' اس میں مصنف نے بخاری سے ان الفاظ کا ترجمہ نقل کیا ہے وَقَالَ نَافِعٌ كَانَ ابْنُ عُمَرَ يَضَعُ يَدَيْهِ قَبْلَ رُكْبَتَيْهِ یعنی نافع فرماتے ہیں کہ ابن عمرؓ ہاتھوں کو گھٹنوں سے پہلے رکھتے تھے۔ بخاری نے اسے جزم و یقین کے لفظ کے ساتھ بیان کیا ہے اگر چہ سند حذف کر دی ہے مگر دوسری کتابوں میں سند موجود ہے۔ مثلاً صحیح ابن خزیمہ وغیرہ۔

اب ایک روایت کے راوی بھی معتبر ہیں بخاری میں بھی وہ ہے آپ اس پر جرحیں نقل کرتے ہیں جن کی نہ وجہ اور علت بیان کی گئی ہے نہ ہی آپ نے حوالہ دیا ہے کہ ان ائمہ نے خاص اس حدیث کو کہاں ضعیف کہا ہے اور کیا وجہ بیان کی ہے۔ آپ وہ علتیں بیان فرمائیں حقیقت واضح کر دی جائے گی۔ ان شاء اللہ

ابوزرعہ کے ذمہ بات لگانا:

ہاں ایک بات کا حوالہ ہم آپ سے ضرور طلب کریں گے جو آپ نے ابوزرعہ کے ذمہ لگائی ہے کہ انہوں نے لکھا ہے کہ اس کی سند میں ابو حاتم ہے اور اس کا حافظہ خراب تھا۔ اب آپ کی ذمہ داری ہے کہ بتائیں کہ ابوزرعہ نے کہاں کہا ہے کہ اس کی سند میں ابو حاتم ہے اور اس کا حافظہ خراب تھا۔ ہمیں تو اس کی کوئی سند ایسی نہیں ملی جس میں ابو حاتم ہو۔ بیچارے ابوزرعہ پر بھی یہ الزام ہی معلوم ہوتا ہے۔

میزان کو ابن حجر کی تصنیف قرار دینا

اور آخر میں آپ فرماتے ہیں ابن حجر نے میزان میں یہی بات لکھی ہے۔

فرمایئے ابن حجرؒ نے بھی ''میزان'' نامی کوئی کتاب لکھی ہے؟ یہ تو وہی معاملہ ہوا ؎

چہ خوش گفت است سعدی در زلیخا

اَلَا یٰٓاَیُّهَا السَّاقِیُ اَدِرْ کَاْسًا وَ نَاوِلْهَا

گھٹنے پہلے رکھنے کی حدیث:

آپ فرماتے ہیں: امام ابوداوٗد نے وائل بن حجر کی روایت نقل کی ہے جس میں ہے کہ گھٹنے پہلے لگاؤ۔

حقیقتِ حال:

اس کی سند میں شریک کوفی ہے جن کا حافظہ قاضی بننے کے بعد خراب ہو گیا تھا۔ دیکھئے تقریب۔

بعض احادیث پر متعارض ہونے کا بہتان:

آپ فرماتے ہیں: آخر میں آپ سے سوال ہے کہ آپ سب احادیث پر عمل کرتے ہیں یا بعض پر۔ سب پر عمل آپ کر ہی نہیں سکتے کیونکہ بعض احادیث متعارض ہیں اور اگر بعض پر عمل کرتے ہیں تو پھر بعض پر دوسرے لوگ بھی عمل کرتے ہیں تو آپ کی خصوصیت کیا ہے کہ آپ تو اہل حدیث بن گئے اور دوسرے اہل کفر بن گئے۔

بایں عقل و دانش بباید گریست

حقیقتِ حال:

یہ سوال اس سے پہلے ہم نے کسی مسلمان سے نہیں سنا ہمیشہ منکرین حدیث یا منکرین اسلام سے سنتے آئے ہیں کیونکہ مسلمان کے عقیدہ کی رُو سے احادیث میں تعارض ہو ہی نہیں سکتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ﴾

اللہ کے کلام میں تعارض واختلاف نہیں ہوسکتا اور یہی اس کی حقانیت کی دلیل ہے۔تعارض کا ہونا باطل ہونے کی دلیل ہے۔ حدیث بھی چونکہ وحی ہے اس لیے اس میں تعارض ہوتو نعوذ باللہ وحی الٰہی میں تعارض لازم آتا ہے۔ آپ نے غور ہی نہیں کیا کہ کیا کہہ رہے ہیں۔

میں ائمہ محدثین کی کاوشوں کا ادنیٰ سا خوشہ چین ہونے کی حیثیت سے آپ کو چیلنج کرتا ہوں کہ آپ وہ احادیث پیش کریں جن میں آپ کو تعارض نظر آتا ہے ان شاء اللہ آپ کو سمجھا دوں گا کہ تعارض نہیں فہم کا قصور ہے۔ ہاں غیر ثابت روایات کا احادیثِ رسول اللہ ﷺ ہونا ثابت ہی نہیں ان کے تعارض کو احادیث رسول اللہ ﷺ میں تعارض نہیں کہا جاسکتا۔

قاضی صاحب کی خدمت میں تھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ ان کا اپنا سوال:

اب یہی سوال تھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ آپ سے کیا جاتا ہے۔''آخر میں آپ سے سوال ہے کہ آپ امام ابوحنیفہ کے تمام اقوال پر عمل کرتے ہیں یا بعض پر۔ سب پر آپ عمل کر ہی نہیں سکتے کیونکہ بہت سے اقوالِ ابوحنیفہ متعارض ہیں۔ اور اگر بعض پر عمل کرتے ہیں تو پھر بعض پر دوسرے لوگ بھی عمل کرتے ہیں تو آپ کی خصوصیت کیا ہے کہ آپ تو پکے مذہبی بن گئے اور دوسرے لا مذہب۔

بریں عقل و دانش بباید گریست

یاد رہے اس سوال میں وہ خرابی بھی نہیں جو آپ کے سوال میں تھی کیونکہ امام ابوحنیفہ پر وحی نہیں آتی تھی۔ ان کے اقوال میں تعارض ہوسکتا ہے اور ہے' اگر آپ فرمائیں تو ان کے کلام میں تعارض کا ثبوت پیش کرنا میری ذمہ داری ہے۔ ان شاء اللہ

الحمدللہ! بھائی صاحب کے کہنے پر میں نے اس تبصرہ کی حقیقت واضح کردی ہے جو آپ نے ان کے کہنے پر بشیر احمد صاحب مسلم کی کتاب ''الاسلام اور مذہبی

فرقے'' پر لکھا ہے۔ میری غرض اس سے یہی ہے کہ آپ کے سامنے' بھائی صاحب اور تمام پڑھنے والوں کے سامنے حق واضح ہو جائے۔ آپ اس کا جواب مجھے جمعہ کے دن مسجد طیبہ میں پہنچا سکتے ہیں یا ڈاک کے ذریعے رجسٹری کر کے جامعہ محمدیہ جی ٹی روڈ کے پتہ پر بھیج سکتے ہیں۔

راقم

عبدالسلام بھٹوی

خطیب مسجد طیبہ اہلحدیث وحدت کالونی

گوجرانوالہ

خط کا پتہ

عبدالسلام بھٹوی

مدرس جامعہ محمدیہ جی ٹی روڈ

گوجرانوالہ



مولانا قاضی حمید اللہ صاحب کی تحریر نمبر ۲

مکرمی مولانا صاحب السلام علیکم!

میرے اور آپ کے درمیان جو شخص واسطہ بنا تھا۔ اس کا تو واسطہ فی العروض والثبوت بننا درکنار وہ تو واسطہ فی الاثبات بھی نہ بن سکا کیونکہ اس نے میرا پیغام آپ تک پہنچایا نہیں۔ میں نے ان سے عرض کیا تھا کہ میرا وقت معیار ہے' اس میں تضعیف کا امکان نہیں' لہٰذا مولانا صاحب میرے سامنے تشریف لے آئیں یا مجھے بلائیں۔ آپ سے بھی یہی عرض معروض ہے۔ دُور سے تیر مارنے کی کیا ضرورت ہے۔ والسلام

خویدم حمید اللہ

یہ خط ۵ محرم ۱۴۰۴ھ کو موصول ہوا



حافظ عبدالسلام صاحب کی تحریر نمبر۲

از عبدالسلام بخدمت مکرم جناب قاضی حمید اللہ صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

آپ کا خط مجھے کل ۵ ؍محرم ۱۴۰۵ھ کو ملا۔ گزارش یہ ہے کہ آپ بھی جانتے ہیں کہ اس سے پہلے میری آپ سے کوئی راہ ورسم نہ تھی۔ نہ ملاقات ہوئی کسی جھگڑے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا جسے حل کرنے کے لیے میں آپ کے پاس حاضر ہوں یا آپ کو آنے کی تکلیف دوں۔ بات تو صرف اتنی ہے کہ آپ نے اپنی مرضی سے ایک تحریر لکھی' اور اپنی مرضی سے ہی خالد صاحب کے ہاتھ جواب کے لیے میرے پاس بھیج دی۔ وہ بیچارہ نہ واسطہ فی العروض' نہ فی الثبوت' نہ فی الاثبات' وہ تو تحریر پہنچانے میں سفیر محض تھا۔ میں نے آپ کی تحریر غور سے پڑھی' اس میں بہت سی باتیں حق کے خلاف تھیں مثلاً اُصول وفروع کی خودساختہ تقسیم' آنحضرت ﷺ کی ثابت شدہ سنتوں کو غیر ثابت قرار دینے کی کوشش' اس کوشش میں کئی غلط حوالے اور آخر میں احادیث رسول ﷺ کو متعارض قرار دے کر جمیع احادیثِ رسول کو ناقابل عمل قرار دینا۔ میں نے اس کے جواب میں آپ سے ان باتوں کی وضاحت طلب کی۔ اور آپ کے پیش کردہ حوالوں کا ثبوت مانگا۔ اب فرمایئے اس میں کون سے مناظرہ کی ضرورت ہے جس کے لیے آپ مجھے للکار رہے ہیں کہ خود آجاؤ یا مجھے بلالو آپ سیدھے طریقے سے اپنی ہی لکھی ہوئی باتوں کا ثبوت پیش کریں۔

اور آپ نے جو لکھا ہے کہ ''میرا وقت معیار ہے اس میں تضعیف کا امکان نہیں'' تو عرض یہ ہے کہ آپ کا وقت کب سے معیار بنا ہے۔ وہ تحریر لکھنے سے پہلے یا میرا جواب پہنچنے کے بعد۔ اگر پہلے ہی معیار تھا تو تحریر کے لیے کس طرح گنجائش نکل

آئی اور اگر بعد میں معیار بنا تو یہ انصاف نہیں کہ اپنی بات لکھنے کے لیے تو وقت میں گنجائش نکال لی جائے مگر جب اس کا ثبوت طلب کیا جائے تو وقت معیار بن جائے۔

تِلْکَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى.

اور یہ بھی فرمائیے کہ اگر آپ کا وقت معیار ہے تو آنے کے لیے کس طرح وقت نکالیں گے' اور بلا کر کس طرح گفتگو کریں گے۔ وہی گنجائش جو اس وقت نکالیں گے ابھی نکال کر اپنی لکھی ہوئی باتوں کا ثبوت لکھ بھیجیں اور وہی زور علم جو واسطہ فی الثبوت' فی العروض' فی الاثبات اور معیار وغیرہ کی اصطلاحات استعمال کرنے پر بلاضرورت و بلا مناسبت صرف فرما رہے ہیں' اپنی باتوں کا ثبوت لکھنے پر صرف فرمائیں۔ آپ یہ بات تصور سے بھی نکال دیں کہ میں تحریر کا بہترین طریقہ چھوڑ کر آپ کے للکارنے پر جھگڑے کے لیے آپ کو بلاؤں گا یا خود آپ کے پاس آؤں گا۔ اگر آپ تحریر کو دُور سے تیر چلانا سمجھتے ہیں تو یہ تیر تو خود آپ نے پہلے چلایا ہے۔

فقط والسلام

عبدالسلام

مدرس جامعہ محمدیہ وخطیب مسجد طیبہ

وحدت کالونی' گوجرانوالہ

۶ رمحرم ۱۴۰۵ھ



کشف الظلام

اس کتاب میں قاضی حمید اللہ صاحب کے رسالہ اظہار المرام کی حقیقت واضح کی گئی ہے جو انہوں نے "ایک دین اور چار مذہب" کے جواب میں لکھا۔

از

عبدالسلام بھٹوی حفظہ اللہ

فہرست عنوانات



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

گذارش احوال واقعی

تقریباً ڈیڑھ دو برس قبل مدینہ مسجد وحدت کالونی گوجرانوالہ کے قریب رہنے والے ایک طالب علم خالد[1] ابراہیم نے جناب قاضی حمید اللہ صاحب الموصوف بالقابہ کی خدمت میں جناب بشیر احمد مسلم کی ایک کتاب ''الاسلام اور مذہبی فرقے'' پیش کی۔ قاضی صاحب نے اس پر تبصرہ لکھا اور خالد صاحب کے ہاتھ جواب کے لیے میرے پاس بھیج دیا۔ میں نے اس تبصرہ کو پڑھا۔ اگر اس میں مذکورہ کتاب کی ان غلطیوں کی نشاندہی ہوتی جو کتاب میں واقعی موجود ہیں تو مجھے جواب لکھنے کی ضرورت ہی نہ تھی مگر اس تبصرہ میں کئی صحیح باتوں کی تردید تھی' بہت سی باتیں خلاف واقعہ تھیں اور کئی حوالے بالکل غلط تھے۔ اس لیے میں نے اس کا جواب پہلے دستی اور پھر رجسٹری کے ذریعے بھیج دیا۔ قاضی صاحب نے جواب میں ایک خط لکھا کہ ''میرا وقت معیار ہے اس میں تضعیف کا امکان نہیں لہٰذا آپ میرے سامنے تشریف لے آئیں یا مجھے بلائیں''۔ میں نے عرض کیا۔ ''آپ نے پہلے اپنی مرضی سے ایک تحریر بھیجی ہے۔ اب آپ اس کے حوالے صحیح ثابت کیجیے۔ میں آپ سے لڑنے جھگڑنے پر تیار نہیں ہوں۔ وہ وقت جس میں آپ میرے ہاں تشریف لائیں گے یا مجھے بلائیں گے اسی میں اپنی لکھی ہوئی باتوں کا ثبوت لکھ بھیجیے۔'' مگر ظاہر ہے جب کسی شخص کے ہاں وقت میں تضعیف کا امکان ہی نہ ہو وہ تحریر کے لیے کس طرح وقت نکال سکتا ہے۔ چنانچہ قاضی صاحب نے میرا دوسرا رقعہ پہنچنے کے بعد سکوت اختیار فرمالیا۔

---

[1] خالد ابراہیم صاحب نہایت ہونہار اور صالح نوجوان اور ایم اے کے طالب علم تھے پچھلے دنوں ایک ایکسیڈنٹ میں ان کا انتقال ہوگیا اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے۔ آمین

قریباً آٹھ ماہ انتظار کرنے کے بعد اہل حدیث یوتھ فورس کے نوجوانوں نے قاضی صاحب کی اور میری وہ تحریریں ''ایک دین اور چار مذہب'' کے نام سے شائع کر دیں۔ ان کے شائع ہونے کے تقریباً آٹھ ماہ بعد وہ کام جو سولہ ماہ قبل ممکن ہی نہ تھا واقع ہو گیا۔ قاضی صاحب کے معیار میں تضعیف ہو گئی اور انہوں نے میری تحریر کا جواب ''اظہار المرام'' کے نام سے شائع کر دیا مگر اپنے اس خادم کو جو ان کا اولین مخاطب تھا یاد ہی نہیں فرمایا کہ ایک نسخہ مجھے بھی بھیج دیتے غرض میں نے ایک طالب علم کو بھیج کر وہ رسالہ منگوایا اور اب اس کی حقیقت واضح کرتا ہوں۔

مختصر جواب اس کا تو یہ ہے کہ جو صاحب ''ایک دین اور چار مذہب'' اور ''اظہار المرام'' کو سامنے رکھ کر پڑھیں گے۔ انشاء اللہ ان پر واضح ہو جائے گا کہ قاضی صاحب میرے سوالات میں سے ایک کا جواب بھی نہیں دے سکے بلکہ انہوں نے اپنی تحریر میں مزید کئی غلطیاں اور بہت سی خلاف واقعہ باتیں کی ہیں۔ اب آپ اختصار کے ساتھ ان کے جوابات کا حقیقت میں جواب نہ ہونا ملاحظہ فرمائیے۔ اس کے ساتھ ساتھ میں نے ان کی چند جدید خلاف واقعہ باتوں کی نشان دہی بھی کی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو حق سمجھنے اور قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

عبدالسلام بھٹوی جامعہ محمدیہ

جی ٹی روڈ گوجرانوالہ

شعبان ۱۴۰۶ھ



خلاف واقعہ دعوے

کسی کے خلاف کچھ نہ لکھنے اور کہنے کا دعویٰ:

قاضی صاحب نے اپنی معصومیت کے اظہار کے لیے اپنی تحریر کی ابتداء ہی ایک خلاف واقع بلکہ ناممکن الوقوع دعوی سے کی ہے۔ فرماتے ہیں:

"بندہ پندرہ بیس سال سے اس شہر گوجرانوالہ میں اکابرین دیوبند کے نقش قدم پر چل کر مثبت انداز میں حسب طاقت دین کی خدمت کر رہا ہے آج تک نہ تو میں نے کسی کے خلاف قلم اٹھایا اور نہ ہی زبان ہلائی ہے۔"

(اظہار المرام ص ۳)

قاضی صاحب کا آج تک کسی کے خلاف نہ قلم اٹھانا اور نہ زبان ہلانا اور اس کام کو اکابرین دیوبند کے نقش قدم پر چلنا قرار دینا ان کے وہ متوسلین تو شاید درست تسلیم کرلیں جو قاضی صاحب کے دن کو رات کہنے پر بھی سبحان اللہ کہنے کے عادی ہوں وہ شخص جسے اللہ نے تھوڑی سی بصیرت بھی دی ہے ہرگز نہیں مان سکتا کہ کوئی مبلغ (خواہ کسی مکتب فکر سے تعلق رکھتا ہو) ایسا ہوسکتا ہے کہ وہ کسی کے خلاف زبان نہ ہلائے۔ دنیا میں سب سے بڑے مبلغ رسول کریم ﷺ کی بات بھی مشرکین، یہود و نصاریٰ، منافقین اور دوسرے گمراہ لوگوں کے خلاف ہوتی تھی اللہ تعالیٰ نے صاف فرمایا: قُلْ يَا أَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ لَا أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ . اب بھی کوئی شخص اگر غیر اللہ سے مدد مانگنا جائز قرار دے گا تو اس کی بات ایک اللہ سے مدد مانگنے والوں کے خلاف ہوگی اگر وہ صرف ایک اللہ سے مدد مانگنے کی بات کرے گا تو وہ غیر اللہ سے استغاثہ کرنے والوں اور قبروں پر جا کر اہل قبور سے روٹیاں اور اشرفیاں مانگنے والوں کے خلاف ہوگی۔ مدح صحابہ کرے گا تو شیعوں کے خلاف ہوگی۔ حدیث نہ ماننے والوں کو گمراہ قرار دے گا تو منکرین حدیث کے خلاف ہوگی۔ صرف کتاب و سنت پر جمع ہونے کی دعوت

دے گا تو مقلدین کے خلاف ہو گی۔ تقلید ترک کرنے والوں کو گمراہ قرار دے گا تو کتاب وسنت کے متبعین کے خلاف ہو گی اور اگر نہی عن المنکر کرے گا تو بدقماش لوگوں کے خلاف ہو گی اور یقیناً ان چیزوں میں سے کئی چیزیں قاضی صاحب اور ان کے اکابر لکھتے بھی ہیں اور بیان بھی کرتے ہیں۔ بندہ سے ان کی تحریری گفتگو اور اکابرین دیوبند کی بیسیوں تصانیف اس کی واضح دلیل ہیں۔ قاضی صاحب کو غور فرمانا چاہیے تھا کہ وہ اتنی صاف خلاف واقعہ بات ایسی جرأت سے کس طرح تحریر فرمار ہے ہیں۔

(تَجَاوَزَ اللّٰهُ عَنْ ذَنْبِكَ الْجَلِيِّ وَالْخَفِيِّ)

خلاف واقعہ باتوں کے لیے حیلۂ جواز:

میں نے غور کیا کہ یہ حضرات صاف خلاف واقعہ باتیں اتنی دلیری سے کس طرح کر لیتے ہیں اور جو کام دن رات کرتے ہیں اس سے انکار کس طرح کر دیتے ہیں تو مجھے اس سوال کا جواب شیخ الحدیث مولانا زکریا کاندھلوی سے مل گیا وہ فرماتے ہیں:

”میں نے اپنے والد صاحب نور اللہ مرقدہٗ سے ایک قصہ اکثر سنا' وہ فرماتے تھے کہ ایک شخص کو پانی پت ایک ضرورت سے جانا تھا راستہ میں جمنا پڑتی تھی جس میں اتفاق سے طغیانی کی صورت تھی کہ کشتی بھی اس وقت نہ چل سکتی تھی یہ شخص بہت پریشان تھا لوگوں نے اس سے کہا کہ فلاں جنگل میں ایک بزرگ رہتے ہیں۔ ان سے جا کر اپنی ضرورت کا اظہار کرو اگر وہ کوئی صورت تجویز کر دیں تو شاید کام چل جائے ویسے کوئی صورت نہیں ہے لیکن وہ بزرگ اول اول بہت خفا ہوں گے' انکار کریں گے اس سے مایوس نہ ہونا چاہیے چنانچہ یہ شخص وہاں گیا اس جنگل میں ایک جھونپڑی پڑی ہوئی تھی اس میں ان کے اہل وعیال بھی رہتے تھے اس شخص نے بہت رو کر اپنی ضرورت کا اظہار کیا کہ مقدمہ کی کل کو تاریخ ہے جانے کی کوئی صورت نہیں۔ اول تو انہوں نے حسب عادت خوب ڈانٹا کہ میں کیا کر سکتا ہوں

میرے قبضہ میں کیا ہے؟ اس کے بعد جب اس نے بہت زیادہ عاجزی کی تو انہوں نے فرمایا کہ جمنا سے جا کر کہہ دو کہ ایسے شخص نے مجھے بھیجا ہے جس نے عمر بھر نہ کبھی کچھ کھایا نہ بیوی سے صحبت کی۔ یہ شخص واپس ہوا اور ان کے کہنے کے موافق عمل کیا جمنا کا پانی ایک دم رک گیا اور یہ شخص پار ہو گیا۔ جمنا پھر حسب معمول چلنے لگی۔ لیکن اس شخص کے واپس ہونے کے بعد ان بزرگ کی بیوی نے رونا شروع کر دیا کہ تو نے مجھے ذلیل اور رسوا کیا۔ بغیر کھائے تو خود پھول کر ہاتھی بن گیا اس کا تو تجھے اختیار ہے اپنے متعلق جو چاہے جھوٹ بول دے لیکن یہ بات کہ تو کبھی بیوی کے پاس نہیں گیا اس بات نے مجھے رسوا کر دیا۔ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ یہ اولاد جو پھر رہی ہے یہ سب حرام کی اولاد ہوئی ان بزرگ نے اول تو عورت سے یہ کہا کہ تجھ سے اس کا کوئی تعلق نہیں جب میں اولاد کو اپنی اولاد بتاتا ہوں تو پھر کیا اعتراض ہے؟ مگر وہ بے تحاشا روتی رہی کہ تو نے مجھے زنا کرنے والی بنا دیا اس پر ان بزرگ نے کہا، غور سے سن! میں نے جب سے ہوش سنبھالا ہے کبھی اپنی خواہش نفس کے لیے کوئی چیز نہیں کھائی ہمیشہ جو کھایا محض اس ارادہ اور نیت سے کھایا کہ اس سے اللہ کی اطاعت کے لیے بدن کو قوت پہنچے اور جب بھی تیرے پاس گیا ہمیشہ تیرا حق ادا کرنے کا ارادہ رہا۔ کبھی اپنی خواہش کے تقاضہ سے صحبت نہیں کی۔ قصہ ختم ہوا۔'' (فضائل صدقات ص ۳۸۹)

معلوم ہوا کہ بزرگ کھانے پینے اور بیوی سے صحبت کرنے کے باوجود بغیر کسی مجبوری کے بھی ان کاموں سے صاف انکار کر سکتے ہیں اور ان کے اس صدق و صفا کی برکت سے جمنا کا پانی بھی تھم کر راستہ دے دیتا ہے تو قاضی صاحب بھی چونکہ کسی کے خلاف کہتے ہیں تو اللہ کی خاطر کہتے ہیں اس لیے انہیں حق پہنچتا ہے کہ اس سے انکار کریں اور اس قصہ کی رو سے ان کے اس انکار سے کئی کرامات ظہور پذیر

ہونے کا امکان بھی ہے۔

رہا یہ سوال کہ ''رسول اللہ ﷺ بھی ہر کام اللہ کے لیے کرتے تھے مگر انہوں نے تو کبھی کھانے پینے' بیویوں کے پاس جانے یا کسی کے خلاف بات کرنے سے انکار نہیں فرمایا۔ بلکہ جب کافروں نے اعتراض کیا کہ یہ پیغمبر تو کھاتا پیتا ہے اس کی بیویاں اور بچے ہیں تو بجائے اس کے کہ آپ انکار فرماتے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا کہ صرف یہی رسول نہیں پہلے تمام رسول بھی کھاتے پیتے تھے اور ان کی بیویاں اور بچے تھے''۔ تو یہ سوال یہاں بے محل ہے کیونکہ بزرگوں کی باتیں قرآن و حدیث کی رو سے نہیں دیکھی جاتیں نہ ہی ان کے باطنی علوم و معارف کو ظاہر بین لوگ سمجھ سکتے ہیں۔ یہ صرف نکتہ شناس لوگوں کا کام ہے۔

میں تو ان اکابر کرام کے متعلق جب سنتا ہوں کہ نبی کریم ﷺ کے طریقے کے برعکس فلاں صاحب چالیس چالیس سال تک عشاء اور صبح کی نماز ایک وضو سے پڑھتے تھے فلاں صاحب مدت ہائے دراز تک کچھ نہیں کھاتے تھے اور فلاں صاحب اچھا خاصا صحت مند جسم رکھتے ہوئے چوبیس گھنٹوں میں صرف ایک گھنٹہ آرام فرماتے ہیں۔ تو سمجھ لیتا ہوں کہ یہ سب چیزیں بیان کرنے والے وہی حیلۂ شرعی استعمال فرما رہے ہیں جو جمنا والے بزرگوں نے استعمال فرمایا تھا۔

تہذیب کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑنے کا دعویٰ:

قاضی صاحب فرماتے ہیں:

> ''میں نے کوشش کی ہے کہ مولانا صاحب کے بارے میں کہیں بے ادبی کے الفاظ تحریر میں نہ لائیں نہ اس کو ڈرایا دھمکایا ہے نہ ان کو طعنہ دیا ہے نہ عار اور شرم دلایا ہے اور نہ ان کو جھوٹا کہا ہے اور نہ ہی ان کے اکابر پر ہاتھ صاف کرنے کی کوشش کی ہے غرضیکہ کہیں بھی تہذیب کا دامن ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔'' (اظہار المرام ص ۴)

یہ سب قاضی صاحب کی عنایت ہے۔ ویسے مجھے سمجھ نہیں آئی کہ میں نے چند حوالے پوچھ لیے یا اکابر کی چند عبارتیں نقل کر کے یہ پوچھ لیا کہ ان عبارات والوں پر آپ کیا فتویٰ صادر کریں گے تو اس میں قاضی صاحب کو مجھے ڈرانے دھمکانے کا حق کس طرح حاصل ہو گیا کہ وہ اسے استعمال نہ کرنے کا احسان جتلا رہے ہیں؟ میرا رسالہ ''ایک دین اور چار مذہب'' سب کے سامنے ہے۔ میں کوئی دعویٰ نہیں کرتا اس کا دائرہ تہذیب میں ہونا یا نہ ہونا ہر شخص دیکھ سکتا ہے۔ البتہ قاضی صاحب کے تہذیب کے دامن کو نہ چھوڑنے اور میرے اکابر پر ہاتھ صاف نہ کرنے کی صرف ایک مثال پیش کرتا ہوں جو میرے مرحوم استاذ کے متعلق ہے میرے متعلق انہوں نے تہذیب کا جو انداز اختیار کیا ہے ناچیز اس سے قطع نظر کرتا ہے۔

هنيئا مريئا غير داء مخامر

لعزة من اعراضنا ما استحلت

تہذیب کا نمونہ:

استاذ مرحوم مولانا حافظ محمد صاحب گوندلوی نے خیر الکلام کے شروع میں اختلاف کی دو قسمیں بیان کی ہیں' اصولی اختلاف اور فروعی اختلاف۔ اور ان کی اصولی وفروعی کی تقسیم قاضی صاحب والی تقسیم سے ہے بھی بالکل مختلف' جیسا کہ آئندہ آئے گا۔ مجھے نہ قاضی صاحب والی اصولی فروعی تقسیم کی دلیل مل سکی نہ حضرت استاذ صاحب والی کی۔ اس لیے میں اسے ان کی اپنی اپنی اصطلاح مان سکتا ہوں مگر یہ کوئی شرعی تقسیم نہیں۔ آپ زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ میں نے دلیل معلوم نہ ہونے کی وجہ سے اپنے استاذ کی ایک بات سے اتفاق نہیں کیا مگر قاضی صاحب کی تہذیب ملاحظہ فرمائیں لکھتے ہیں:

''اب آپ کے لیے دو ہی راستے ہیں یا تو حافظ مرحوم کی بھی تردید فرمائیں تاکہ غیر مقلدین پر بھی عیاں ہو جائے کہ خیر الکلام جھوٹ کا پلندا ہے یا پھر

میری بات تسلیم کریں''۔ (اظہار ص ۷)

مجھے یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ اگر میں حافظ مرحوم کی ایک بات سے اختلاف کروں تو اس سے خیر الکلام جھوٹ کا پلندا کیسے ثابت ہو جائے گی۔ اگر امام محمد اور امام ابو یوسف کے اپنے استاذ امام ابو حنیفہ سے سینکڑوں مسائل میں اختلاف کے باوجود ان کے استاذ کے اقوال کے مجموعے جھوٹ کا پلندا نہیں بنتے تو اس ناچیز کے صرف ایک بات میں اختلاف کرنے سے اس کے استاذ کی کتاب جھوٹ کا پلندہ کیسے بن گئی؟ (تَجَاوَزَ اللّٰهُ عَنْ ذَنْبِكَ الْجَلِيِّ وَالْخَفِيِّ)

اکابر دیوبند کے متعلق صحابہ کے قافلہ کے افراد ہونے کا دعویٰ:

قاضی صاحب لکھتے ہیں:

''بقول سید عطاء اللہ شاہ بخاری مرحوم کہ صحابہ کا قافلہ جا رہا تھا اور قاسم نانوتوی شیخ الہند محمود الحسن' شاہ انور شاہ' مولانا اشرف علی تھانوی شیخ الاسلام حضرت سید حسین احمد مدنی لوگوں کی رہنمائی کے لیے پیچھے رہ گئے۔''

(اظہار ص ۴)

آپ بے شک جو چاہیں اپنے اکابر کی تعریف کریں مگر انہیں صحابہ کے ساتھ نہ ملائیں کیونکہ کوئی صحابی بھی رسول اللہ ﷺ کی اتباع چھوڑ کر امام ابو حنیفہ کی تقلید واجب قرار نہ دیتا تھا نہ ہی ان میں سے کوئی اپنے آپ کو حنفی' قادری یا نقشبندی کہلاتا تھا اور یہ حضرات تو حق و انصاف کا اقرار کرنے کے بعد اس کا انکار اس دلیل سے کر دیتے تھے کہ:

وَالْحَقُّ وَالْإِنْصَافُ اَنَّ التَّرْجِيْحَ لِلشَّافِعِيِّ فِيْ هٰذِهِ الْمَسْئَلَةِ وَ نَحْنُ مُقَلِّدُوْنَ يَجِبُ عَلَيْنَا تَقْلِيْدُ اِمَامِنَا اَبِيْ حَنِيْفَةَ.

''یعنی حق اور انصاف یہ ہے کہ اس مسئلہ میں ترجیح شافعی کے مسلک کو ہے اور ہم مقلد ہیں ہم پر ہمارے امام ابو حنیفہ کی تقلید واجب ہے۔

(تفصیل کے لیے دیکھئے ایک دین اور چار مذہب ص ۳۴) فرمائیے کسی صحابی کے منہ سے یہ الفاظ نکل سکتے ہیں؟

علاوہ ازیں صحابہ کرام کبھی غیر اللہ سے مدد نہیں مانگتے تھے نہ جہاز غرق ہونے کے وقت امداد کے لیے پیر روشن ضمیر کا خیال جائز سمجھتے تھے' نہ بیماری کے وقت مراقب ہو کر کسی امام ربانی سے درخواست کرتے تھے اور نہ ہی آنحضرت ﷺ کی قبر پر جا کر عرض معروض یا لکھے ہوئے رقعے پڑھنا ان کا معمول تھا آپ کی بڑی مہربانی ہوگی کہ اور تعریفیں جو چاہیں کریں مگر غیر اللہ سے مدد مانگنے کی تعلیم دینے والوں کو صحابہ کرام کے قافلے کا فرد نہ کہیں۔ اکابر دیوبند کے استغاثہ غیر اللہ کے یہ واقعات باحوالہ "ایک دین اور چار مذہب" میں بیان ہو چکے ہیں ضرورت پڑنے پر مزید حوالہ جات پیش کیے جائیں گے ان شاء اللہ۔

اکابر دیوبند کی تصانیف عادۃً محال ہونے کا دعویٰ:

قاضی صاحب نے تھانوی صاحب' عثمانی صاحب' مفتی شفیع صاحب اور مولانا اعزاز علی صاحب کی چند تصانیف وحواشی ذکر کر کے لکھا ہے:

"یہ تصانیف اگرچہ محال عقلاً نہیں مگر محال عادۃً ضرور ہیں۔" (اظہار ص ۲۹)

محال عادۃً کا مطلب یہ ہے کہ ایسا ہونا عقلاً تو ناممکن نہیں مگر عادت کے لحاظ سے ناممکن ہے یعنی علماء دیوبند سے ہی یہ خرق عادت ظاہر ہوا ہے کسی اور سے یہ کام ممکن نہیں ہے۔ کتنی زبردست تعلّی ہے؟

اہل علم جانتے ہیں کہ ائمہ ستہ' امام طبری' حافظ ابن حجر' ابن جوزی' ابن حبان بیہقی' ابن حزم' سیوطی' ابن تیمیہ' ابن قیم' خطیب بغدادی' شوکانی اور سینکڑوں محدثین رحمہم اللہ کی اتنی کثیر اور عظیم تصانیف موجود ہیں کہ ان کے مقابلے میں کسی دیوبندی عالم کی تصانیف ان کا عشر عشیر بھی نہیں۔ تو جب دیوبندی علماء سے کئی گناہ زیادہ تصانیف کے مصنفین گزر چکے ہیں اور بعد کے لوگوں نے جو کچھ لکھا ہے ان سے لے کر لکھا ہے تو

ان حضرات سے کون سی محال عادۃً چیز کا صدور ہوا ہے کہ اُولٰٓئِکَ آبائی کا چیلنج دیا جا رہا ہے؟ اسی طرح حماسہ متنبی اور دوسری کتب کی شروح تو پہلے ہی موجود تھیں اگر مولانا اعزاز علی نے ان میں سے حاشیہ مرتب کر دیا تو فرمایئے وہ شارحین جنہوں نے خود محنت کی ان کی تصانیف تو عادۃً ممکن تھیں اور جنہوں نے ان کی دریوزہ گری کر کے حاشیہ لکھ دیا ان کی تصانیف عادۃً محال ہو گئیں۔ فیاللعجب خود ہندوستان میں نواب صدیق حسن خاں صاحب مولانا وحید الزمان' مولانا شمس الحق' مولانا عبدالرحمان مبارکپوری' مولانا ثناء اللہ امرتسری' مولانا امیر علی اور دوسرے علماء کی تصانیف کثیرہ کے موجود ہوتے ہوئے دیوبندی علماء کی تصانیف کا عادۃً محال ہونا تب ہی درست ہوسکتا ہے کہ قاضی صاحب نے محال عادۃً کا کوئی خانہ ساز مفہوم ذہن میں رکھا ہو۔ قاضی صاحب کو واسطہ کی بحث پر غور کرنے کے ساتھ محال عادۃً کی اصطلاح پر بھی غور کر لینا چاہیے تھا۔ معلوم نہیں یہ حضرات اپنے معتقدین کے سامنے اکابر دیوبند سے کون کون سی محال عادۃً چیزوں کا صدور بیان فرماتے رہتے ہوں گے۔

اصولی وفروعی اختلاف

قاضی صاحب نے اپنی پہلی تحریر میں دینی امور میں اختلاف کی دو قسمیں بنائی تھیں۔ اصول دین میں اختلاف اور فروع دین میں اختلاف۔ اصول دین میں اختلاف کو اسلام اور کفر کا اختلاف قرار دیا اور فروع میں اختلاف کے متعلق فرمایا کہ یہ اسلام اور کفر کا اختلاف نہیں۔

اس پر میں نے عرض کیا تھا کہ ''آپ اصول دین اور فروع دین کی جامع مانع تعریف بتائیں کہ آپ نے وہ تعریف کس آیت یا حدیث سے لی ہے''۔

اس کے جواب میں قاضی صاحب نے شرح عقائد وغیرہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ:

''احکام شرعیہ میں سے بعض کا تعلق کیفیت عمل سے ہے اور فروع کہلاتے ہیں اور بعض کا تعلق اعتقاد کے ساتھ ہے اور اصل کہلاتے ہیں دلیل میں یہ آیت لکھی ہے اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّ فَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ'' (اظہار ص ۶)

مگر اصول وفروع دین کی اس تقسیم وتعریف سے تو قاضی صاحب کو بہت ہی زیادہ مشکلات پیش آئیں گی۔

① جب عقائد اصول دین ہیں اور اعمال دین میں اختلاف بقول قاضی صاحب کفر و اسلام کا اختلاف ہے تو پھر امت میں عقیدے کا ہر اختلاف کفر و اسلام کا اختلاف ہوگا۔ کیا قاضی صاحب کو یہ منظور ہے؟

② قاضی صاحب کی پہلی تحریر میں لکھا تھا کہ ''صحابہ میں اختلاف تھا کہ نبی ﷺ نے معراج کی رات خدا پاک کا دیدار کیا تھا یا نہیں؟ مردے سنتے ہیں یا نہیں اس قسم کا اختلاف اسلام اور کفر کا اختلاف نہیں''۔ ظاہر ہے کہ مردوں کے سننے یا نہ سننے میں اختلاف عقیدے کا اختلاف ہے مگر قاضی صاحب نے پہلی تحریر میں عقیدہ کا اختلاف ہونے کے باوجود اسے فروع دین میں شامل کر دیا۔ اور اظہار المرام میں عقیدے کے اختلاف کو (بلا امتیاز) اصول دین میں اختلاف بنا دیا اور یہی تناقض اس تقسیم کے خودساختہ ہونے کی اور جامع مانع نہ ہونے کی دلیل ہے۔

نوٹ: میں نے لکھا تھا کہ ''یہ بات کہ مردہ ہر آنے والے کی ہر بات سنتا ہے اس میں بھی صحابہ کا اختلاف تھا یہ بات غلط اور بے دلیل ہے'' قاضی صاحب نے اس پر سکوت فرمایا ہے اور اس بات میں صحابہ کے درمیان اختلاف کی کوئی دلیل نہیں دی اسی طرح میں نے معراج کی رات آنحضرت ﷺ کے اللہ تعالیٰ کو آنکھوں کے ساتھ نہ دیکھنے میں صحابہ کے اختلاف سے لاعلمی ظاہر کی تھی۔ قاضی صاحب نے اس اختلاف کے وجود کی بھی دلیل نہیں فَهَلْ هٰذَا السُّكُوْتُ اِلَّا دَلِيْلُ التَّسْلِيْمِ؟

ج: قاضی صاحب عقیدہ کے اختلاف کو اصولی اور عمل کے اختلاف کو فروعی قرار دے رہے ہیں اور تائید میں میرے استاذ مکرم رحمہ اللہ کا قول پیش کر رہے ہیں جس میں انہوں نے فرمایا کہ:

”شیعہ اور سنی میں اختلاف اصولی ہے اور اہل سنت کے فرقوں میں جو اختلاف پایا جاتا ہے خواہ اعتقادی ہو۔ خواہ فقہی۔ فروعی ہے“۔

گویا استاذ مرحوم کے نزدیک اصولی فروعی کی تقسیم یہ نہیں کہ عقیدہ کا اختلاف ہو تو فروعی ہے بلکہ یہ ہے کہ شیعہ سنی کا اختلاف (عقیدہ میں ہو یا عمل میں) اصولی ہے اور سنیوں کا آپس میں اختلاف (عقیدہ میں ہو یا عمل میں فروعی ہے) فرمایئے قاضی صاحب کو اس سے کیا تائید حاصل ہوئی اور اگر انہیں اصرار ہے کہ یہ قول ان کی تائید میں ہے تو ”سخن فہمی عالم بالا معلوم شد“ کے علاوہ کیا عرض کیا جا سکتا ہے۔

لطف یہ ہے کہ کفر و اسلام کا فیصلہ کرنے والی اختلاف کی خود ساختہ اقسام کے متعلق یہ دعویٰ کر دیا ہے کہ وہ اقسام ساری امت سے چلی آ رہی ہیں۔ فرمایئے ساری امت میں سے کس نے کہا ہے کہ اصول دین (عقیدہ) میں اختلاف کفر و اسلام کا اختلاف ہے اور فروع دین میں اختلاف فروعی ہے اور کفر و اسلام کا اختلاف نہیں۔ یہ بات رسول اللہ ﷺ نے فرمائی ہو یا کسی صحابی نے یا تابعی نے یا تبع تابعی نے۔ کیا ساری امت میں یہ لوگ شامل نہیں؟ یہ بات تو تفتازانی نے بھی نہیں کہی۔ اگر چہ وہ کہہ بھی دیتے تو اس کی کوئی قدر و قیمت نہ تھی کیونکہ ان کا قول دین میں حجت نہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ اصول دین و فروع دین میں اختلاف کی تقسیم جو کفر و اسلام کا فیصلہ کرتی ہے قاضی صاحب کی طبع زاد تصنیف' اور بالکل بے دلیل بات ہے اور ستم بالائے ستم یہ کہ وہ اپنی گھڑی ہوئی بات کو پوری امت کی بات قرار دے رہے ہیں۔

(تجاوز اللہ عن ذنبك الجلی والخفی

علمائے دیوبند کی کرامات

جناب قاضی حمید اللہ صاحب نے اپنی پہلی تحریر میں نبیوں ولیوں کو عالم الغیب ماننے' اپنی حاجتوں میں غیروں کو پکارنے' ان سے نفع کی امید رکھنے اور ان کے ضرر سے ڈرنے کو کفر و شرک قرار دیا تھا۔ اس پر میں نے اکابر علماء دیوبند کے چند واقعات و عبارات انہی کی کتابوں سے نقل کر کے عرض کیا کہ حضرت! یہ سب کچھ تو ان اکابر میں بھی موجود ہے ان پر کیا فتویٰ ہے۔

قاضی صاحب نے اس پر کہا ہے کہ یہ واقعات عالم مثال اور کرامات سے متعلق ہیں پھر عالم مثال کے اثبات کے لیے احادیث سے چند مثالیں پیش کی ہیں۔ اسی طرح قرآن و حدیث سے چند کرامات نقل کی ہیں۔ اور اس تاویل کے ساتھ اپنے اکابر کے صریح شرکیہ عقاید کو کرامات کا جامہ پہنا دیا ہے۔

عالم مثال شاہ ولی اللہ صاحب کی ایک اصطلاح ہے اور اس اصطلاح کا جو مفہوم وہ مراد لیتے ہیں اس میں مناقشہ کی گنجائش ہے مگر مجھے اس سے غرض نہیں آپ عالم مثال کے اس خاص مفہوم کو مان بھی لیں تو میری تحریر میں اس کے متعلق بات ہی نہیں اسی طرح بات یہ نہیں کہ اکابر دیوبند سے کرامات ظاہر ہوئیں یا نہیں۔ بات تو یہ ہے کہ آپ کے فرمان کے مطابق نبیوں ولیوں کو عالم الغیب ماننا' اپنی حاجتوں میں غیروں کو پکارنا' ان سے نفع کی امید رکھنا اور ان کے ضرر سے ڈرنا کفر و شرک ہے اور ان حکایات و واقعات میں اکابر علمائے دیوبند اپنی مصیبتوں اور حاجتوں میں غیر اللہ کو پکارنے اور ان کے اس پکار کو سن کر مدد کو پہنچنے کا ذکر فرما رہے ہیں۔ فرمایئے کیا مصیبت کے وقت اللہ کو چھوڑ کر غیر اللہ کو پکارنا کرامت ہے؟ نہیں' یہ ہرگز کرامت نہیں یہ تو پرلے درجے کی دنائت ہے۔ کرامت تو یہ ہے کہ انسان سخت سے سخت مصیبت اور حاجت میں بھی اللہ تعالیٰ کے در کا ہی سائل رہے کسی غیر سے سوال نہ کرے اور اللہ تعالیٰ

اپنے بندے کو خرق عادت کے طور پر مصیبت سے بچا لے یا اسباب کے بغیر نعمتیں عطا فرمادے۔ آپ نے قرآن و حدیث سے جتنی مثالیں کرامات کی بیان کی ہیں کیا ان لوگوں نے غیر اللہ کو پکارا تھا؟ فرمایئے مریم علیہا السلام نے رزق کے لیے' جریج رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی بے گناہی کے اثبات کے لیے' ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کھانے میں برکت کے لیے' اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ اور عباد بن بشر رضی اللہ عنہ نے اندھیرے میں روشنی کے حصول کے لیے اور سفینہ رضی اللہ عنہ نے جنگل میں راستہ معلوم کرنے لیے کسی بزرگ یا نبی کو پکارا تھا؟ جب کہ اکابر دیوبند کے مذکورہ واقعات میں مرکزی نکتہ ہی یہ ہے کہ مصیبت میں بزرگوں کو مدد کے لیے پکارا گیا اور وہ مدد کے لیے پہنچے۔ وہ واقعات میرے رسالہ ''ایک دین اور چار مذہب'' میں تفصیل سے باحوالہ مذکور ہیں۔ یہاں میں اشارۂ محل استدلال کی طرف آپ کو توجہ دلاتا ہوں۔

① کرامات امدادیہ میں جو مذکور ہے کہ حاجی امداد اللہ صاحب کے مرید کا جہاز طوفان میں گھر گیا اور ''انہوں نے جب دیکھا کہ اب مرنے کے سوا چارہ نہیں اس مایوسانہ حالت میں گھبرا کر اپنے پیر روشن ضمیر کی طرف خیال کیا اس وقت سے زیادہ اور کون سا وقت امداد کا ہوگا الخ'' اور اس کے بعد حاجی صاحب کے جہاز کو پیٹھ دے کر بچانے کا ذکر ہے فرمایئے مریدوں کا یہ عقیدہ رکھنا کہ حاجی صاحب فریاد سنتے ہیں اور انہیں مدد کے لیے پکارنا بھی کرامت ہے؟ مکے کے مشرک تو جہاز غرق ہوتے وقت اپنے تمام مشکل کشاؤں کو چھوڑ کر ایک اللہ کو پکارتے تھے مگر اکابر دیوبند کے تربیت یافتگان اس وقت بھی اللہ کو نہیں بلکہ اپنے پیر روشن ضمیر کو پکارتے ہیں اور بیان کرتے ہیں کہ پیر روشن ضمیر اپنے کمرہ میں بیٹھا ہوا ان کی حالت سے مطلع ہو کر اپنی کمر چھلوا کر ان کا جہاز ڈوبنے سے بچا دیتا ہے اور ہمارے قاضی صاحب ان خرافات پر کرامات کا لیبل لگا رہے ہیں۔ غیر اللہ کو پکارنے والوں اور ان کو اس بات کی تعلیم دینے والے مرشدوں کو اللہ کی طرف سے کرامت کا حصول! ایں خیال است و محال است و جنوں۔

② مولانا رشید احمد صاحب کے مرید کا اپنی اہلیہ کی بیماری اور اس کی زندگی سے مایوسی کے وقت مراقب ہو کر گنگوہی صاحب سے عرض کرنا کہ وقت آ گیا ہو تو خاتمہ بالخیر ہو اور زندگی باقی ہے تو یہ تکلیف رفع ہو جائے الخ اللہ تعالیٰ نے تو ابراہیم علیہ السلام کی تعلیم ذکر فرمائی ہے وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ کہ جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہی مجھے شفا دیتا ہے اور یہاں بیماری میں زندگی سے مایوسی کے وقت حضرت گنگوہی کے فیض یافتہ حضرات اللہ کے سامنے درخواست کرنے کی بجائے گنگوہی صاحب سے خاتمہ بالخیر یا بیماری رفع ہونے کی درخواست کر رہے ہیں اور گنگوہی صاحب کے علم وقدرت کی وسعت کی بدولت فوراً بیماری دور ہو جاتی ہے۔ گویا گنگوہی صاحب ان کی درخواست سنتے بھی ہیں اور زندگی' موت اور صحت و مرض بھی انہی کے قبضہ میں ہے اور قاضی صاحب کا اصرار ہے کہ اس بدعقیدگی کو بھی ہم کرامت سمجھیں۔

③ مولانا قاسم نانوتوی نے عبداللہ خاں کی یہ حالت بیان کی ہے کہ اگر کسی کے گھر میں حمل ہوتا اور وہ تعویذ لینے آتا تو آپ فرما دیا کرتے تھے' تیرے گھر میں لڑکی ہوگی یا لڑکا اور جو آپ بتلا دیتے تھے وہی ہوتا تھا۔ (ارواح ثلاثہ)

میں نے اس پر لکھا تھا ''گویا نانوتوی صاحب کے عقیدہ کے مطابق غیب کی پانچ چابیوں میں سے ایک چابی عبداللہ خاں کے پاس بھی تھی''۔

اس پر قاضی صاحب نے لکھا ہے یہ علم غیب نہیں یہ نشانوں سے یا الہام سے پوشیدہ چیزوں کی خبر دینا ہے۔ مثال کے لیے انہوں نے تیز گام کے پہلے سے اعلان کردہ وقت پر کراچی پہنچنے اور محکمہ موسمیات کی پیش گوئیوں کا تذکرہ فرمایا ہے۔

قاضی صاحب کی تحریر سے ظاہر ہوتا ہے کہ دیوبندی حضرات کا بریلویوں سے صرف لفظی نزاع ہے۔ آپ نے بھی مان لیا کہ عبداللہ خاں کے پاس تعویذ کے لیے آنے والے ہر شخص کے ہاں ہونے والے بچے کا علم تھا کہ لڑکا ہوگا یا لڑکی۔

آپ صرف اسے علم غیب کہنے سے انکار کرتے ہیں بریلوی حضرات بھی

اپنے بزرگوں کے لیے اس چیز کے قائل ہیں اور اس کا نام وہ علم غیب رکھتے ہیں۔

حقیقت یہ کہ کسی ایک آدھ موقع پر الہام کے ذریعے علم ہو جانا اور بات ہے اور تعویذ کے لیے آنے والے ہر شخص کے ہاں ہونے والے بچے کا علم بالکل دوسری بات۔ آنحضرت ﷺ نے پیدا ہونے والے بچے کے علم کو ان پانچ چیزوں میں شمار کیا ہے **لَا یَعْلَمُھُنَّ اِلَّا اللّٰہُ** جنہیں اللہ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔ رہا علامتوں سے یا اسباب کے ذریعے پیش گوئی کرنا تو ان پانچ چیزوں کی پیش گوئی کتنی بھی علامتوں کو یا اسباب کو ملحوظ رکھ کر کی جائے کبھی درست نکلتی ہے کبھی غلط۔ تیز گام کا عملہ دو بجے اعلان کرتا ہے کہ گاڑی کل دس بجے کراچی پہنچ جائے گی تو کبھی پہنچتی ہے کبھی نہیں۔ کبھی ڈرائیور صاحب ہی چل بستے ہیں۔ اسی طرح محکمہ موسمیات کی پیش گوئی کبھی ٹھیک نکلتی ہے کبھی غلط۔ ان کی ہر پیش گوئی ہرگز پوری نہیں ہوتی اور جس کی پیش گوئیوں میں سے ایک فیصد بھی غلط نکل آئے باقی کا یقین ہی ناممکن ہوتا ہے کہ صحیح ہی نکلیں گی۔ قرآن مجید میں مذکور پانچ غیب کی چیزوں کے متعلق کسی کی پیشگوئیاں سو فیصد درست ہو جائیں، کوئی شخص آنے والے کل کی ہر بات جان لیتا ہو یا پیدا ہونے والے ہر بچے کے متعلق بتا دیتا ہو بالکل ناممکن بات ہے اور قرآن و حدیث سے صاف انکار ہے۔ فرمایئے کیا رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کے بتانے سے ان پانچ چیزوں میں سے کسی چیز کا کلی علم حاصل تھا؟ اگر انہیں حاصل نہ تھا عبداللہ خاں کو کیسے حاصل ہو گیا؟

④ قاضی حمید اللہ صاحب عالم مثال کی بات کرتے ہیں اور دارالعلوم دیوبند کے تین مہتمم صاحبان فرماتے ہیں کہ مولانا نانوتوی مرنے کے بعد جسد عنصری کے ساتھ مولانا رفیع الدین صاحب کے پاس آئے اور مولانا تھانوی روح میں یہ قوت مانتے ہیں کہ وہ عناصر میں تصرف کر کے جسد عنصری تیار کر سکتی ہے۔ کیا جسد عنصری اور عناصر میں تصرف بھی عالم مثال ہی ہے؟ تفصیل اور حوالہ جات کے لیے دیکھئے ایک دین اور چار مذہب۔

تبلیغی جماعت کی کتب فضائل میں شرک کی تعلیم پر مشتمل حکایات

میں نے مولانا زکریا سہارنپوری صاحب کے مشہور سلسلہ فضائل سے چھ سات حکایات فضائل حج میں سے نقل کی تھیں جن میں کئی اشخاص کا بھوک کے وقت آنحضرت ﷺ کی قبر پر جا کر درخواست کرنا اور آپ کا انہیں روٹی عطا فرمانا مذکور ہے یہ بھی لکھا ہے کہ بعض کو درخواست پر آپ نے درہم عطا فرمائے۔ کسی کی درخواست پر آپ نے دست مبارک قبر سے نکال کر مصافحہ فرمایا اور نوے ہزار کے مجمع نے اسے دیکھا۔ کسی عورت نے ستانے والوں کی شکایت قبر پر آ کر کی تو وہ ستانے والے مر گئے۔ ایک مؤذن نے تھپڑ مارنے والے کی شکایت قبر پر آ کر کی تو تھپڑ مارنے والے پر فالج گر گیا۔ غرناطہ کا ایک بیمار خود مدینہ میں قبر پر نہیں پہنچ سکتا تھا اس نے رقعہ لکھ کر حاجیوں کے ہاتھ بھیج دیا انہوں نے قبر شریف پر رقعہ پڑھا تو بیمار غرناطہ میں بیٹھا ہوا تندرست ہو گیا۔ تفصیل وحوالہ جات کے لیے دیکھئے ''ایک دین اور چار مذہب''۔

میں نے عرض کیا تھا کہ آپ نے نبیوں ولیوں کو عالم الغیب ماننے والوں' اپنی حاجتوں میں غیروں کو پکارنے والوں' ان سے نفع کی امید رکھنے والوں اور ان کے ضرر سے ڈرنے والوں کو کافر و مشرک قرار دیا ہے۔

اب آپ فرمائیں کہ یہ حکایات لکھنے والے اور انہیں سچا سمجھنے والے اہل حق ہیں یا اہل کفر و شرک اور ان کا اختلاف اصول دین میں ہے یا فروع دین میں؟

قاضی صاحب اس پر لکھتے ہیں:

'' ہمارے اکابر نے صرف آپ کے سلام کے بارے میں لکھا ہے اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ آپ کی روح مقدس مجھے ظاہر

ہو گئی الخ‘‘۔ (اظہار المرام ص ۲۶)

قاضی صاحب نے یہاں نہ قرآن کی کوئی دلیل پیش کی نہ سنت کی کہ قبر پر جا کر مانگنا جائز ہے شاہ ولی اللہ صاحب کا جو کلام انہوں نے نقل کیا ہے اس میں بھی یہ بات نہیں کہ شاہ صاحب نے آنحضرت ﷺ کی قبر پر جا کر روٹی‘ درہم‘ شفا یا دشمنوں کی بربادی کی درخواست آنحضرت ﷺ سے کی اور آپ نے ان کی درخواست کو شرف قبول بخشا۔

بالفرض اگر وہ بھی کسی قبر پر جا کر کچھ مانگیں گے تو ان کی بات بھی غلط ہو گی۔ رجال کو پرکھنے کا پیمانہ حق ہے نہ کہ حق کو پرکھنے کا پیمانہ رجال۔

قاضی صاحب کو یہ غور فرمانا چاہیے تھا کہ جس وقت انہوں نے اظہار المرام میں یہ الفاظ ثبت فرمائے تھے کہ ’’ہمارے اکابر نے صرف آپ کے سلام کے بارے میں لکھا ہے‘‘ تو کیا وہ واقعی سچ لکھ رہے تھے کہیں انہوں نے جمنا والے بزرگوں کا کام تو نہیں کیا؟ کیا قبر پر جا کر بھوک کی شکایت یا مہمان بنانے کی درخواست اور آپ کا روٹی دینا صرف سلام ہے؟ خرچ ختم ہونے کی شکایت پر اشرفیاں ملنا صرف سلام ہے؟ مظلوموں کا ظالموں کی شکایت کرنا اور ان کی ستیاناس ہونا صرف سلام ہے؟ احمد رفاعی کا دست بوس کی درخواست کرنا‘ آپ کا ہاتھ نکلنا ان کا چومنا اور نوے ہزار کے مجمع کا اسے دیکھنا صرف سلام ہے؟ بیماروں کا دعا کی درخواست لکھ کر حاجیوں کے ہاتھ مدینہ بھیجنا اور قبر پر پڑھا جانا صرف سلام ہے؟ ہرگز نہیں۔ یہ ساری تعلیم تو صاف اس بات کی ہے کہ قبر پر جا کر آنحضرت ﷺ سے مانگو تو آپ دیتے ہیں اور ہمارے قاضی صاحب ہیں کہ اسے صرف سلام کہہ رہے ہیں حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ مولانا سہارنپوری نے یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ سے نہ ہو سکنے اور نبی ﷺ سے ہو سکنے کا یقین پیدا کرنے کے لیے لکھا ہے ورنہ قبر پر درخواستوں کا کیا مطلب؟

سچی بات یہ ہے کہ مجھے قاضی صاحب کے متعلق بہت خوش فہمی تھی کہ اتنی

صریح مشرکانہ باتیں دیکھ کر وہ ان سے اظہار برأت کر دیں گے میرے حاشیہ خیال میں بھی یہ بات نہ تھی کہ قاضی صاحب جیسا توحیدی مبلغ مشرکانہ عقائد پر مشتمل تحریروں کی وکالت شروع کر دے گا مگر معلوم ہوا کہ وہ اسی طرز عمل پر کار بند ہیں کہ ؎

وھل انا الا من غزیہ ان غوت

غویت وان ترشد غزیۃ ارشد

یہی وجہ ہے کہ انہوں نے ان حکایات کی مکمل حمایت کی اوران سب چیزوں کو ''صرف سلام'' کہہ کر بزعم خود جواب مکمل کر دیا۔

سوچنے کی بات یہ ہے کہ بریلوی حضرات جو اہل قبور سے مدد مانگتے ہیں وہ بھی آپ کی طرح یہ تو کہہ ہی سکتے ہیں کہ ہم نے صرف سلام ہی عرض کیا تھا ان پر کافر ومشرک کے فتوے آپ کیوں لگاتے ہیں؟

محترم قاضی صاحب اچھی طرح سوچ لیں کہ ہم سب نے دنیا سے رخصت ہو کر اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہونا ہے۔ وہاں نہ ہماری مشیخت کام آئے گی نہ سبحان اللہ کہنے والے معتقدین کا ہجوم۔ نہ غلط راہ پر چلانے والے سادات وکبراء کی سفارش پھر شرک کی تبلیغ کی بے جا حمایت وہاں کیا رنگ دکھائے گی۔

(تجاوز اللہ عن ذنبک الجلی والخفی)

محدثین کی الفاظ حدیث نقل کرنے میں امانت اور درود شریف کا التزام

علم حدیث ایک ایسا نازک فن ہے کہ معمولی سے لفظ کے بدلنے سے بات کہیں سے کہیں جا پہنچتی ہے اس لیے محدثین کسی استاد سے جو لفظ سنتے ہیں وہی آگے بیان کرتے ہیں۔ بعض اوقات مجبوراً روایت بالمعنی بھی کر لیتے ہیں مگر جب کسی کتاب

سے کوئی بات نقل فرماتے ہیں تو اس میں ایک لفظ کی تبدیلی بھی جائز نہیں سمجھتے دیکھئے مقدمہ ابن صلاح ص ۱۰۵ البتہ وہ درود شریف کے التزام میں استاد سے سننا شرط نہیں سمجھتے۔

محدثین کی احتیاط اور امانت علمی تبلیغی جماعت کے شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب سہارنپوری کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیے:

''آداب میں سے یہ ہے کہ اگر کسی تحریر میں نبی کریم ﷺ کا پاک نام گزرے تو وہاں بھی درود شریف لکھنا چاہیے۔ محدثین رحمہم اللہ تعالیٰ کے یہاں اس مسئلہ میں انتہائی تشدد ہے کہ حدیث پاک لکھتے ہوئے کوئی ایسا لفظ نہ لکھا جائے جو استاد سے نہ سنا ہو حتیٰ کہ اگر کوئی لفظ استاد سے غلط سنا ہو تو اس کو بھی یہ حضرات نقل میں بعینہ اسی طرح لکھنا ضروری سمجھتے ہیں جس طرح استاذ سے سنا ہے۔ اس کو صحیح کر کے لکھنے کی اجازت نہیں دیتے۔ اسی طرح اگر توضیح کے طور پر کسی لفظ کے اضافہ کی ضرورت سمجھتے ہیں تو اس کو استاد کے کلام سے ممتاز کر کے لکھنا ضروری سمجھتے ہیں تا کہ یہ شبہ نہ ہو کہ یہ لفظ بھی استاد نے کہا تھا۔ اس سب کے باوجود جملہ حضرات محدثین اس کی تصریح فرماتے ہیں کہ جب حضور اقدس ﷺ کا نام نامی آئے تو درود شریف لکھنا چاہیے اگرچہ استاد کی کتاب میں نہ ہو الخ''۔ (فضائل درود شریف ص ۹۵)

درود کے متعلق شیخ الحدیث صاحب نے یہ بھی لکھا ہے کہ:

''جب اسم مبارک لکھے صلوۃ وسلام بھی لکھے یعنی صلی اللہ علیہ وسلم پورا لکھے اس میں کوتاہی نہ کرے صرف ''ﷺ'' یا صلعم پر اکتفاء نہ کرے''۔

یہی بات مقدمہ ابن صلاح ص ۹۲ میں بھی موجود ہے۔ مگر قاضی صاحب نے ان تمام باتوں کی خلاف ورزی کی ہے۔

درود شریف سے بے پروائی

آنحضرت ﷺ کے نام نامی کے ساتھ درود لکھنے سے قاضی صاحب نے بے حد لاپروائی اختیار کی ہے اظہار المرام میں صرف چند مقامات پر آپ کے نام کے ساتھ صلی اللہ علیہ وسلم لکھا ہے ورنہ اکثر ؐ لکھا ہے یا صلعم اور بہت سے جگہوں پر آنحضرت ﷺ کا ذکر درود کے بغیر ہی کیا ہے ؐ یا صلعم بھی نہیں لکھا۔ بلکہ کتب حدیث سے جو روایتیں نقل کی ہیں اصل کتابوں میں پورا صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہے مگر قاضی صاحب نے کہیں ؐ کر دیا ہے کہیں صلعم مثلاً اظہار المرام کے ص ۹ پر نسائی کی روایت' ص۱۰ پر تعلیق آثار السنن سے منقول دو روایتوں' ص ۱۱ پر ترمذی کی ایک عبارت' ص ۱۷ پر طیالسی وغیرہ کے حوالے سے وائل رضی اللہ عنہ کی روایت' ص ۲۶ پر حجۃ اللہ سے شاہ صاحب کی عبارت ص ۲۷ پر مسلم سے جریج والی روایت ص ۲۸ پر بخاری مسلم سے عبد الرحمان بن ابی بکر کی روایت اور اسی صفحہ پر بخاری سے انس رضی اللہ عنہ سے لاٹھی روشن ہونے کی روایت میں آنحضرت ﷺ کے تذکرہ کے ساتھ صرف ؐ یا صلعم لکھا گیا ہے حالانکہ اصل کتابوں میں پورا صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہے۔ اور بعض جگہ درود شریف اصل کتاب میں موجود ہونے کے باوجود نقل کرتے وقت قاضی صاحب نے بالکل ہی اڑا دیا ہے۔ ؐ یا صلعم کا تکلف بھی روا نہیں رکھا مثلاً اظہار المرام کے ص ۶ پر ترمذی سے اَلاَ اُصَلِّیْ بِکُمْ الخ' ص ۱۱ پر نسائی سے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ص ۱۲ پر ابوداؤد سے ابن مسعود کی روایت نقل کرتے ہوئے آنحضرت ﷺ کے تذکرہ کے ساتھ درود شریف بالکل ہی چھوڑ دیا ہے ؐ یا صلعم بھی نہیں لکھا حالانکہ اصل ترمذی' نسائی اور ابوداؤد میں مکمل ''صلی اللہ علیہ وسلم'' موجود ہے۔ یہ طرز عمل درود کی اہمیت کے علاوہ نقل میں احتیاط کے تقاضے کے بھی خلاف ہے۔ اگر ایک دو مقامات پر نادانستہ درود رہ جاتا یا ؐ اور صلعم پر اکتفاء ہو جاتی تو میں گرفت نہ کرتا کہ ایسا ہو ہی جاتا ہے مگر چونکہ اکثر ایسا کیا

گیا ہے اس لیے میں نے یاددہانی ضروری سمجھی۔

درود سے لا پروائی کا سبب:

شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ محدثین کے برعکس حضرات احناف زندگی میں صرف ایک دفعہ درود پڑھنا فرض سمجھتے ہیں۔ چنانچہ مولانا زکریا صاحب نے تھانوی صاحب سے نقل کر کے لکھا ہے۔

مسئلہ ۱: ''عمر بھر میں ایک بار درود شریف پڑھنا فرض ہے بوجہ حکم صَلُّوْا کے جو شعبان ۲ھ میں نازل ہوا''۔ اور ایک مجلس میں کئی بار آنحضرت ﷺ کا نام ذکر ہو تو بقول مولانا تھانوی صاحب مفتیٰ بہ قول یہ ہے کہ ایک دفعہ پڑھنا واجب ہے پھر مستحب ہے۔ دیکھئے فضائل درود ص ۹۸۔

یہی وجہ ہے کہ فقہ حنفی کی کتابوں میں کہیں بھول کر درود شریف لکھا گیا ہو تو الگ بات ہے ورنہ آپ ہدایہ قدوری وغیرہ دیکھیں ہر جگہ علیہ السلام پر اکتفاء کیا جاتا ہے صلوٰۃ کی توفیق بہت کم ہوتی ہے۔ آنحضرت ﷺ کے نام نامی کے ساتھ بالالتزام صلی اللہ علیہ وسلم پڑھنا اور لکھنا صرف اہل حدیث کی خصوصیت ہے۔

نماز میں درود:

یہ حالت تو نماز کے علاوہ تھی۔ نماز میں بھی درود پڑھنا احناف کے ہاں فرض نہیں کیونکہ زندگی میں ایک دفعہ پڑھنے سے فرض ادا ہو چکا ہے۔ ہدایہ میں نماز کے فرض صرف چھ لکھے ہیں ان میں درود شریف نہیں ہے بلکہ نماز میں ان کے ہاں واجب اصطلاحی بھی نہیں ہے۔ ہدایہ میں جو واجبات ذکر کیے ہیں ان میں درود شریف شامل نہیں صرف سنت ہے وہ بھی آخری تشہد میں اس کے علاوہ مکروہ۔ چنانچہ فضائل درود ص ۹۸ میں درمختار کے حوالے سے لکھا ہے۔

''نماز میں بغیر تشہد اخیر کے دوسرے ارکان میں درود شریف پڑھنا مکروہ ہے۔''

ہمارا ایمان تو یہ ہے کہ جس طرح ''اِرْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا'' سے نماز میں رکوع وسجدہ

فرض ہے" وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ" سے نماز میں کپڑوں کی طہارت فرض ہے"قُومُوا لِلّٰهِ قَانِتِيْنَ" سے قیام فرض ہے اسی طرح"صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا" کی رو سے نماز میں تشہد اور درود دونوں فرض ہیں۔

نقل میں احتیاط کا فقدان:

قاضی صاحب نے درود شریف اصل کتابوں میں مذکور ہونے کے باوجود نقل کرتے ہوئے حذف کر دیا اور الفاظ حدیث جن کا بعینہ نقل کرنا ضروری تھا نقل کرتے ہوئے بدل دیئے۔ میں نے"ایک دین اور چار مذہب" میں اس بے احتیاطی اور علمی امانت و دیانت سے انحراف کی طرف توجہ دلائی۔ قاضی صاحب نے بجائے اس کے کہ اپنی اصلاح کرتے اظہار المرام میں یہ کام کیا ہے کہ وہ حوالے جو انہوں نے غلط دیئے تھے اور میں نے ان پر گرفت کی تھی کہ آپ کے نقل کردہ یہ الفاظ کسی کتاب میں موجود نہیں۔ قاضی صاحب نے اپنے وہ الفاظ جن پر میں نے گرفت کی تھی بدل کر نئے الفاظ بنا کر کہا ہے کہ میں نے تو یہ الفاظ لکھے تھے اور یہ فلاں کتاب میں فلاں صفحہ پر موجود ہیں۔

نسائی کا حوالہ:

مثلاً میں نے قاضی صاحب کے ان الفاظ پر گرفت کی تھی:

"جن روایات میں رفع یدین کا حکم آیا ہے ان میں سے بعض کے اندر یہ بھی حکم ہے کہ سجدہ کرتے وقت بھی ہاتھ اٹھاؤ۔ جیسا کہ نسائی کی روایت میں صاف موجود ہے اور طبرانی میں بھی ہے' ابن ماجہ میں بھی"۔

قاضی صاحب کی تحریر ا:

اس پر میں نے لکھا تھا کہ:

"آپ نے جو فرمایا ہے کہ جن روایات میں رفع یدین کا حکم آیا ہے ان میں سے بعض کے اندر یہ بھی حکم ہے کہ سجدہ کرتے وقت بھی ہاتھ اٹھاؤ۔ یہ حکم کسی

روایت میں موجود ہی نہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ہو کہ ''سجدہ کرتے وقت بھی اٹھاؤ''۔ نسائی میں بھی نہیں۔ اللہ سے ڈرو۔ آنحضرت ﷺ پر بہتان نہ باندھو یا پھر اس روایت کے لفظ اور باب لکھو''۔ (ایک دین ص ۴۲)

یہ گرفت اس بنا پر تھی کہ نسائی میں یہ ذکر ہے کہ آنحضرت ﷺ نے رکوع جاتے ہوئے، رکوع سے اٹھتے ہوئے، سجدہ کے وقت اور سجدہ سے سر اٹھا کر رفع یدین کی۔ مگر نسائی کی کسی روایت میں آنحضرت ﷺ کا یہ حکم موجود نہیں کہ آپ نے فرمایا ہو کہ ''سجدہ کرتے وقت بھی ہاتھ اٹھاؤ''۔ قاضی صاحب نے یہ کام کیا کہ آپ ﷺ کے رفع یدین کرنے کو آپ کا حکم بنا دیا۔ اس پر میں نے مطالبہ کیا کہ حکم کے الفاظ کہاں ہیں روایت کے الفاظ اور باب لکھو۔

اب قاضی صاحب نے بجائے اس کے کہ آنحضرت ﷺ کے حکم پر مشتمل الفاظ کا حوالہ لکھتے۔ اپنے الفاظ بدل دیئے اور لکھا کہ دیکھو یہ الفاظ نسائی کے فلاں صفحہ پر موجود ہیں۔

چنانچہ لکھتے ہیں:

''احقر نے یہ لکھا تھا کہ بعض وہ روایات جن میں رفع یدین کا ذکر آیا ہے تو انہی روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ آپ سجدہ کرتے وقت میں رفع یدین کرتے تھے الخ''۔ آگے لکھا ہے کہ حوالہ نسائی کے فلاں صفحہ پر موجود ہے۔

مجھے حیرت ہوتی ہے کہ قیامت کے دن کا یقین رکھتے ہوئے اتنی صاف غلط بیانی کیسے کی جاسکتی ہے۔

گوئیا باور نمے دارند روز داوری
کیں ہمہ قلب و دغل درکار داور مے کنند

قاضی صاحب! آپ نے ہرگز یہ نہیں لکھا تھا کہ ''بعض وہ روایات جن میں رفع یدین کا ذکر آیا ہے تو انہی روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ آپ سجدہ کرتے وقت میں

رفع یدین کرتے تھے'' بلکہ آپ نے یہ لکھا تھا کہ ''جن روایات میں رفع یدین کا حکم آیا ہے ان میں سے بعض کے اندر یہ بھی حکم ہے کہ سجدہ کرتے وقت بھی ہاتھ اٹھاؤ جیسا کہ نسائی کی روایت میں صاف موجود ہے۔'' ان الفاظ پر مشتمل آپ کی تحریر بعینہٖ میرے پاس موجود ہے اور ایک دین اور چار مذہب میں طبع بھی ہو چکی ہے۔

اگر قاضی صاحب ذکر اور حکم کے فرق کو نہ سمجھتے تو انہیں اپنا بیان بدل کر حکم کے لفظ کی بجائے ذکر کا لفظ لگا کر نسائی سے حوالہ دینے کی ضرورت نہ تھی۔

رہا ان کا یہ مناقشہ کہ ''اگر نسائی میں سجدے والی رفع یدین کا حکم نہیں تو رکوع والی کا حکم بھی تو نہیں'' تو گزارش یہ ہے کہ میں نے آپ کی طرح یہ دعویٰ کب کیا ہے کہ بعض روایات میں آنحضرت ﷺ کا یہ حکم موجود ہے کہ رکوع میں جاتے یا اٹھتے وقت رفع یدین کرو۔ میں نے تو یہ دعویٰ کیا ہی نہیں۔ میرے علم کی حد تک تو احادیث میں رسول اللہ ﷺ کے فعل کا ذکر ہے حکم موجود نہیں۔ اگرچہ آپ کا فعل بھی ہمارے لیے دین ہے مگر ہمیں یہ اجازت نہیں کہ حدیث کے الفاظ بدل کر آپ ﷺ کے فعل کو آپ کا حکم بنا دیں۔

رہا آپ کی تحریر کا سیاق وسباق وغیرہ تو وہ خود غلطیوں پر مشتمل ہے جن کی نشاندہی میں نے اپنے رسالہ کے ص ۳۷ پر کر دی تھی۔ بعض غلطیوں کو دوسری غلطیوں کے جواز کی دلیل بنانا بناء فاسد علی الفاسد ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت:

حضرت مولانا قاضی حمید اللہ صاحب نے اپنی پہلی تحریر میں رفع یدین چھوڑنے کے لیے بہت سی احادیث ہونے کا دعویٰ کرنے کے بعد مرفوع روایت صرف ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی ذکر کی تھی اس پر میں نے لکھا تھا۔ آپ نے فرمایا ہے: ''رفع یدین چھوڑنے کی بہت سی روایات ہیں''۔ لیکن رفع یدین کرنے کی روایات جو تواتر تک پہنچی ہوئی ہیں ان کے متعلق آپ نے کچھ نہیں فرمایا۔ یہی فرقہ پرستی کا تلخ ثمر ہے کہ آپ

نے زیر تبصرہ ''الاسلام اور مذہبی فرقے'' میں رفع یدین کے ثبوت کی بہت سی احادیث پڑھنے کے باوجود ان کا ذکر ہی گول کر دیا ہے حَفِظْتَ شَيْئًا وَ غَابَتْ عَنْكَ اَشْيَاءُ ۔ آپ واضح طور پر فرمائیں کہ وہ احادیث ثابت ہی نہیں یا آپ کے نزدیک عبد اللہ بن مسعود کی حدیث سے منسوخ ہیں۔ پھر مزید اس موضوع پر بات ہو گی''۔

(ایک دین اور چار مذہب ص ۳۷)

قاضی صاحب نے اس کے متعلق مکمل خاموشی اختیار کی ہے۔ کچھ تو کہنا چاہیے تھا کہ رفع یدین کرنے کی بیسیوں احادیث آپ کے نزدیک ثابت ہی نہیں یا منسوخ ہیں؟ یا آپ نے ویسے ہی انہیں نہ ماننے کا تہیہ کر رکھا ہے؟

قاضی صاحب نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کا جو مطلب بیان کیا تھا میں نے اس میں تین اغلاط کی نشاندہی کی تھی دیکھئے'' ایک دین ص ۳۷'' قاضی صاحب نے صرف ایک غلطی کا جواب دینے کی کوشش کی ہے دو پر سکوت فرمایا ہے گویا انہیں تسلیم ہے کہ واقعی وہ دونوں باتیں غلط ہیں۔ جس غلطی کو انہوں نے درست بنانے کی کوشش کی ہے وہ یہ ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے قول " اَلَا اُصَلِّیْ بِكُمْ صَلَاةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ" کا مطلب انہوں نے بیان کیا تھا۔ ''ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے صحابہ کے مجمع میں یہ بات کہی الخ'' میں نے اس پر لکھا کہ'' صحابہ کا مجمع آپ نے کس لفظ سے نکالا ہے؟ میرے سوال کی بنیاد اس بات پر تھی کہ مزعومہ روایت میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے جو فرمایا ہے کیا میں تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز نہ پڑھاؤں اس میں ان کے مخاطب ہمیں معلوم نہیں صرف تابعین تھے یا صرف صحابہ یا دونوں ملے جلے۔ کیونکہ اس وقت ان کے مخاطب تینوں طرح کے ہو سکتے ہیں۔ یہ دعویٰ کہ ان کے مخاطب صحابہ ہی تھے اس روایت کے کسی لفظ سے ظاہر نہیں ہوتا جب کہ قاضی صاحب مطلب یہ بیان کر رہے ہیں کہ'' ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے صحابہ کے مجمع میں یہ بات کہی'' اپنی اس غلطی کو درست کرنے کے لیے قاضی صاحب نے میرے ذمے وہ

لفظ لگادیئے جو میں نے لکھے ہی نہیں چنانچہ لکھتے ہیں:

''حضرت مولانا صاحب فرماتے ہیں کہ ابن مسعود کا خطاب الا اصلی بکم میں صحابہ سے نہیں تابعین سے فرمایا''۔ (اظہار المرام ص ۱۴۔۱۳)

پھر میری اس بات کا جواب دیا ہے جو میں نے لکھی ہی نہیں۔ قاضی صاحب کسی کے ذمے وہ لفظ لگانا جو اس نے لکھے ہی نہیں' دیانت کی کون سی قسم ہے؟ فرمایئے یہ الفاظ جو آپ نے مجھ سے منسوب کیے ہیں میرے رسالہ ''ایک دین اور چار مذہب'' میں کس صفحہ پر لکھے ہوئے ہیں؟

اس کے بعد میں نے تحفۃ الاحوذی میں سے تلخیص الحبیر کے حوالے سے' حافظ ابن قیم کی تہذیب السنن سے اور مرعاۃ المفاتیح سے بارہ ائمہ نقل کیے تھے جنہوں نے عبداللہ بن مسعود کی روایت کو ضعیف کہا ہے۔ قاضی صاحب نے ان میں سے بعض ائمہ کے ضعیف کہنے کی تاویل یا تردید کی کوشش کی ہے۔

عبداللہ بن مبارک:

چونکہ عبداللہ بن مبارک امام ابو حنیفہ کے شاگرد ہیں' اس لیے ان کا اس روایت کو غیر ثابت قرار دینا ایک خاص مقام رکھتا ہے اس لیے قاضی صاحب نے یہ بات بنائی ہے کہ ''درحقیقت ترک رفع یدین کے سلسلہ میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے دو حدیثیں منقول ہیں۔ ایک کے الفاظ یہ ہیں ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم (کذا) لَمْ یَرْفَعْ یَدَیْهِ اِلَّافِیْ اَوَّلِ مَرَّةٍ۔ تعلیقات آثار السنن ص ۱۰۴ اور دوسری روایت کے الفاظ ہیں: اَلَا اُصَلِّیْ بِکُمْ صَلَاةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ (کذا) فَصَلّٰی فَلَمْ یَرْفَعْ یَدَیْهِ اِلَّا فِیْ اَوَّلِ مَرَّةٍ۔ عبداللہ بن مبارک جو فرماتے ہیں ولم یثبت حدیث ابن مسعود۔ یہ پہلی روایت کے بارے میں ہے نہ کہ دوسری روایت کے متعلق الخ''۔ (اظہار المرام ص ۱۰)

قاضی صاحب کی یہ بات درست نہیں اس لیے کہ عبداللہ بن مبارک نے

فرمایا ہے۔ قَدْ ثَبَتَ حَدِیْثُ مَنْ یَرْفَعُ وَ ذَکَرَ حَدِیْثَ الزُّھْرِیِّ عَنْ سَالِمٍ عَنْ اَبِیْهِ وَلَمْ یَثْبُتْ حَدِیْثُ ابْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَمْ یَرْفَعْ اِلَّا فِیْ اَوَّلِ مَرَّةٍ ۔یعنی جولوگ رفع یدین کرتے ہیں ان کی حدیث ثابت ہے اور عبداللہ بن مبارک نے زہری کی حدیث ذکر فرمائی جوانہوں نے سالم سے اور انہوں نے ابن عمر سے روایت کی ہے اور ابن مسعود کی حدیث ثابت نہیں کہ نبی ﷺ نے رفع یدین نہیں کی مگر پہلی مرتبہ۔

تو یہاں انہوں نے عبداللہ بن عمر کی حدیث کے مقابلے میں ابن مسعود کی عدم رفع کی روایت کو مطلقاً غیر ثابت قرار دیا ہے ورنہ وہ فرماتے کہ عبداللہ بن مسعود کی فلاں الفاظ والی حدیث تو ثابت ہے اور فلاں الفاظ والی ثابت نہیں۔

عبداللہ بن مبارک نے عاصم بن کلیب والی روایت کو غیر ثابت کہنے کی ایک بہت بڑی دلیل یہ بھی ہے کہ یہ طریق ان کے علم میں ہے اور انہوں نے خود اسے روایت کیا ہے جیسا کہ نسائی میں ہے اور اسی پر ان کا حکم ہے دوسرے طریق کے متعلق ان کا یہ حکم تب ہوسکتا ہے جب وہ ان کے علم میں ہو اور اس بات کی کوئی دلیل نہیں کہ وہ طریق ان کے علم میں ہے رہے وہ الفاظ جو عبداللہ بن مبارک نے غیر ثابت قرار دیتے ہوئے بولے ہیں وہ بالمعنی استعمال کیے گئے ہیں۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ حنفی علماء نے اس قول کو عاصم بن کلیب والے طریق کے متعلق مان کر اس کا جواب دیا ہے دیکھئے الجوہر النقی میں علاؤ الدین ماروینی حنفی کا کلام اور نصب الرایہ میں حافظ زیلعی کا کلام جو انہوں نے اس حدیث پر ذکر فرمایا ہے۔

ابوداؤد:

قاضی صاحب نے لکھا ہے:

”مولانا عبدالسلام صاحب فرماتے ہیں کہ” ابن مسعود کی روایت ابوداؤد

کے نزدیک صحیح نہیں"۔ یہ ابوداؤد پر بہتان ہے۔ ابوداؤد نے ابن مسعود کی روایت کے بارے کچھ نہیں فرمایا بلکہ براء بن عازب[1] کی روایت کے متعلق لکھا ہے کہ صحیح نہیں"۔ (اظہار ص ۱۱)

اس کے بعد قاضی صاحب نے ابوداؤد کے ایک نسخہ سے عبداللہ بن مسعود کی روایت دو سندوں کے ساتھ سفیان سے نقل کر کے لکھا ہے کہ اب آپ بتائیے ابوداؤد نے ان دو روایتوں کو کب غیر صحیح کہا ہے؟

قاضی صاحب کو معلوم ہونا چاہیے کہ کتب حدیث کے کسی معتبر نسخے میں کوئی لفظ مذکور ہو تو وہ اس کتاب میں موجود مانے جاتے ہیں اگر دوسرے نسخے میں وہ لفظ مذکور نہ بھی ہوں تو اس سے ان الفاظ کی نفی نہیں کی جا سکتی۔ اگرچہ ہندو پاک میں طبع کردہ عام نسخوں میں یہ الفاظ موجود نہیں۔ مگر ابوداؤد کے بہت سے نسخوں میں موجود ہے۔

① علامہ ابن عبدالبر اپنی کتاب "التمہید" شرح موطا میں عبداللہ بن مسعود کی روایت کے متعلق لکھتے ہیں:

فَإِنَّ أَبَا دَاؤُدَ قَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ مُخْتَصَرٌ مِنْ حَدِيْثٍ طَوِيْلٍ وَ لَيْسَ بِصَحِيْحٍ عَلٰى هٰذَا الْمَعْنٰى.

"یعنی ابوداؤد نے کہا ہے یہ حدیث ایک لمبی حدیث سے مختصر ہے اور اس معنی پر صحیح نہیں"۔

اس سے ثابت ہوا کہ حافظ ابن عبدالبر کے پاس موجود ابوداؤد کے نسخہ میں یہ الفاظ مذکور تھے۔

② حافظ ابن حجر نے "التلخیص" میں ابوداؤد کا یہ قول ذکر کیا ہے جس سے ثابت

---

[1] قاضی صاحب نے یہ لفظ اسی طرح لکھا ہے۔

ہوتا ہے کہ ان کے نسخہ میں بھی یہ الفاظ موجود تھے۔

③ علامہ شوکانی نے فرمایا ہے:

وَ تَصْرِیْحُ اَبِیْ دَاوٗدَ بِاَنَّہٗ لَیْسَ بِصَحِیْحٍ. (نیل الاوطار ص ۱۹۴ مجلد اول ج ۲)

”یعنی ابوداود نے تصریح کی ہے کہ یہ صحیح نہیں۔“

معلوم ہوا کہ شوکانی کے نسخہ میں یہ الفاظ موجود تھے۔

④ مشکوٰۃ ص ۶۹ میں ہے:

وَقَالَ اَبُوْدَاوٗدَ لَیْسَ ھُوَ بِصَحِیْحٍ عَلٰی ھٰذَا الْمَعْنٰی.

”یعنی ابوداود نے فرمایا یہ حدیث اس معنی پر صحیح نہیں۔

معلوم ہوا خطیب تبریزی کے نسخہ ابوداود میں یہ الفاظ موجود تھے۔

⑤ ملا علی قاری حنفی نے مشکوٰۃ کی شرح مرقاۃ میں صاحب مشکوٰۃ پر تعاقب کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ علامہ میرک حنفی نے کہا ہے کہ ابوداود میں صرف یہ لفظ ہیں ”لَیْسَ بِصَحِیْحٍ“ یعنی یہ صحیح نہیں۔ ثابت ہوا کہ علامہ میرک حنفی کے پاس ابوداود کا جو نسخہ تھا اس میں بھی یہ لفظ موجود تھے کہ ”یہ صحیح نہیں“ ورنہ وہ فرماتے کہ ابوداود میں یہ الفاظ سرے سے موجود ہی نہیں۔

ان حوالہ جات سے عبداللہ بن مسعود کی حدیث کے متعلق ابوداود کا یہ فیصلہ ان کی کتاب کے کئی صحیح نسخوں میں موجود ہونا یقیناً ثابت ہوتا ہے۔ ورنہ یہ کہنا پڑے گا کہ ابن عبدالبر‘ حافظ ابن حجر‘ شوکانی‘ صاحب مشکوٰۃ اور میرک حنفی سب خائن تھے۔ اور اگر یہ الفاظ ابوداود پر بہتان ہیں تو مندرجہ بالا بزرگوں نے جن میں حنفی بزرگ بھی ہیں یہ بہتان ابوداود پر لگایا ہے۔

تقلید کیا ہے؟

قاضی صاحب فرماتے ہیں:

”آپ نے تحفۃ الاحوذی کی تقلید کر کے فرمایا کہ ابوداود نے ابن مسعود کی

روایت کو غیر صحیح کہا ہے اور اتنی توفیق آپ کو نہیں ہوئی کہ خود ابوداؤد اٹھا کر دیکھتے۔ معلوم ہوا کہ آپ اپنے لیے تقلید بھی جائز کر دیتے ہیں''۔

(اظہار ص ۱۲)

ابوداؤد کا ابن مسعود کی روایت کو غیر صحیح کہنا مدلل طور پر اوپر گزر چکا ہے۔ یہاں صرف یہ بات قابل غور ہے کہ میں نے تحفۃ الاحوذی سے تلخیص میں موجود حافظ ابن حجر کا کلام نقل کیا ہے اور باقاعدہ اس کا حوالہ دیا ہے۔ قاضی صاحب نے اسے تقلید قرار دیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ قاضی صاحب کو تقلید کا پتہ ہی نہیں کہ وہ کیا چیز ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ کسی کتاب سے کوئی عبارت نقل کرنا اور ساتھ اس کا حوالہ دے دینا تقلید ہے ہی نہیں۔ کیوں کہ دنیا کا کوئی مجتہد بھی ایسا نہیں جس نے کسی دوسرے سے نقل نہ کیا ہو اس طرح تو امام شافعی' مالک' احمد بن حنبل' امام محمد' ابو یوسف بلکہ امام ابوحنیفہ بھی مجتہد نہیں بلکہ مقلد ٹھہریں گے کیونکہ نقل تو ان سب نے بھی دوسروں سے کیا ہے۔ کیا آپ کو امام ابوحنیفہ کا مقلد ہونا تسلیم ہے؟

علاوہ ازیں حضرت مولانا قاضی حمید اللہ صاحب بہت سی باتیں آثار السنن سے نقل کرنے کی وجہ سے آثار السنن کے مصنف کے مقلد ٹھہریں گے حالانکہ ان کو فخر امام ابوحنیفہ کی تقلید پر ہے اور انہی کا مقلد وہ کہلاتے ہیں نیموی صاحب کا مقلد کہلانا وہ بھی یقیناً پسند نہیں فرمائیں گے۔ تو جو متاع کا سد اپنے لیے پسند نہیں فرماتے وہ دوسرے کو کیوں پیش فرماتے ہیں؟

اصل یہ ہے کہ کسی سے نقل کرنا تقلید نہیں۔ تقلید نام ہے کسی کی اس بات کو تسلیم کرنے کا جو کتاب وسنت کے منافی ہو جیسا کہ مولانا محمود الحسن نے ایک بات کو حق والانصاف قرار دے کر اس کے منافی کو ماننا تقلید کی وجہ سے واجب قرار دیا ہے اللہ کا شکر ہے کہ اس نے ہماری بے شمار خطاؤں کے باوجود ہمیں اس منحوس چیز سے محفوظ رکھا ہے۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی اِحْسَانِهٖ۔

ابوداؤد سمجھنے کی اہلیت:

اب آپ قاضی صاحب کی ابوداؤد کو سمجھنے کی اہلیت ملاحظہ فرمایئے لکھتے ہیں:

''علاوہ ازیں براء بن عازب[1] کی روایت کو ضعیف کہنا بھی غلط ہے کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ امام ابوداؤد نے یہ حدیث تین طریقوں سے روایت کی ہے۔ شروع کے دو طریقوں میں حدیث کا مدار یزید بن ابی زیاد ہیں اور ایک طریق میں عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ ہیں۔ ابوداؤد نے پہلے دو طریقوں کو ضعیف قرار نہیں دیا بلکہ اس آخری طریق کو ضعیف کہا ہے جو عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ سے مروی ہے''۔ (اظہار المرام ص ۱۲)

قاضی صاحب نے جو کہا ہے کہ ''شروع کے دو طریقوں کا مدار یزید بن ابی زیاد ہیں اور ایک طریق میں عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ ہیں'' اور یہ کہ ''ابوداؤد نے پہلے دو طریقوں کو ضعیف نہیں کہا بلکہ اس آخری طریق کو ضعیف کہا ہے جو عبدالرحمان بن ابی لیلیٰ سے مروی ہے'' تو قاضی صاحب کو معلوم ہونا چاہیے کہ وہ تین طریق جن میں سے آخری طریق کا عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ سے مروی ہونا آپ بیان فرما رہے ہیں۔ تینوں ہی عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ سے مروی ہیں۔ باور نہ ہو تو دوبارہ ابوداؤد نکال کر دیکھ لیجئے۔ ہم نیازمند عالم بالا کی سخن فہمی پر تعجب کے اظہار کے علاوہ کیا عرض کر سکتے ہیں۔

البتہ یہ بات ضرور عرض کریں گے کہ ہر ابن ابی لیلیٰ' عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ نہیں ہوتا ہے۔

وَمَا كُلُّ مَخْضُوْبِ الْبَنَانِ بثينة
وَلَا كُلُّ مَصْقُوْلِ الْحَدِيْدِ يَمَانِيْ

اگر مان بھی لیں کہ ابوداؤد نے یزید والے طریق کو ضعیف نہیں کہا تو یزید بن

---

[1] قاضی صاحب نے یہ لفظ اسی طرح لکھا ہے۔

ابی زیاد کی اس میں موجودگی کے بعد ضعیف کہنے کی کیا ضرورت رہ جاتی ہے۔ اس سے پہلے آپ نے براء کی روایت بیان ہی نہیں کی تھی نہ میں نے کسی سے اس کا ضعیف ہونا نقل کیا نہ یہ روایت کچھ وزن رکھتی ہے یہی وجہ ہے کہ آپ کے ممدوح صاحب آثار السنن نے براء سے منسوب اس روایت کو اس قابل ہی نہیں سمجھا کہ اسے ترک رفع کی دلیل کے طور پر نقل کریں۔ اور آپ ہیں کہ اس بالکل ہی غیر ثابت روایت کا بھی دفاع فرما رہے ہیں۔ (تجاوز الله عن ذنبك الجلي والخفي)

ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں بخاری کی بیان کردہ علت:

قاضی صاحب فرماتے ہیں:

''امام بخاری نے معلولیت کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ اس روایت میں ''ثُمَّ لَمْ يَعُدْ'' کی زیادتی عاصم بن کلیب کے شاگردوں میں سے صرف سفیان ثوری نقل کرتے ہیں اور عاصم بن کلیب کے ایک دوسرے شاگرد عبداللہ بن ادریس کی کتاب میں یہ زیادتی موجود نہیں اس کا ایک جواب یہ ہے کہ اگر یہ زیادتی ثابت نہ ہو تب بھی حنفیہ کے لیے مضر نہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ زیادتی ثابت ہے اس لیے کہ سفیان ثوری کی زیادتی ہے اور سفیان' عبداللہ بن ادریس کے مقابلے میں احفظ ہیں الخ''۔ (اظہار المرام ص ۱۳)

اس کلام میں چند باتیں قابل غور ہیں:

① اس روایت میں یہی علت بخاری کے علاوہ ابو حاتم اور احمد بن حنبل وغیرہ نے بیان کی ہے مگر قاضی صاحب نے ان حضرات کی طرف یہ منسوب کر دیا ہے کہ وہ اس حدیث کی علت عاصم بن کلیب کا تفرد بتاتے ہیں حالانکہ عاصم بن کلیب کے تفرد کی علت بیان کرنے والے محدثین اور ہیں۔

② قاضی صاحب نے جو فرمایا ہے کہ ''ثُمَّ لَمْ يَعُدْ'' کی زیادتی ثابت نہ ہو تب بھی حنفیہ کے لیے مضر نہیں'' یہ درست نہیں کیونکہ مطلب یہ نہیں کہ صرف لفظ ثُمَّ لَا

یَــعُــوْدُ ثابت نہیں بلکہ یہ ہے کہ وہ الفاظ جو سفیان سے مختلف راویوں نے بیان کیے ہیں اور عبد اللہ بن ادریس کی روایت میں موجود نہیں سب غیر ثابت ہیں۔ کیونکہ مقابلہ سفیان اور عبد اللہ بن ادریس کی روایتوں کا ہے اور سفیان کے بیان کردہ الفاظ خواہ ثُمَّ لَا یَعُوْدُ ہوں یا اس کے ہم معنی الفاظ' عبد اللہ بن ادریس کی کتاب میں موجود نہیں ہیں۔ تو حنفیہ کا مدار جن الفاظ پر ہے ان میں سے کوئی بھی ثابت نہ ہو تو حنفیہ کے لیے کیوں مضر نہیں؟ شاید اس لیے مضر نہ ہوں کہ حنفیہ کو اس سے غرض ہی نہیں کہ کوئی لفظ حدیث میں ثابت ہے یا غیر ثابت ان کے لیے حجت ان کے خود ساختہ پیشواؤں کی بات ہوتی ہے نہ کہ حدیث۔

③ امام بخاری کے اعتراض کا جواب جو قاضی صاحب نے دیا ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ بخاری کی بات کو نہیں سمجھے۔ بخاری نے سفیان اور عبد اللہ بن ادریس کے حافظے کا مقابلہ کیا ہی نہیں کہ عبد اللہ بن ادریس کو احفظ قرار دے کر سفیان کی زیادتی کو معلول قرار دیا ہو۔ اگر ایسا ہوتا تو قاضی صاحب کا یہ کہنا درست تھا کہ ''یہ زیادتی ثابت ہے اس لیے کہ سفیان ثوری کی زیادتی ہے اور سفیان عبد اللہ بن ادریس کے مقابلے میں احفظ ہیں الخ'' بخاری نے تو مقابلہ کیا ہے سفیان کے حافظہ کا اور عبد اللہ بن ادریس کی تحریر کردہ کتاب کا۔ اور کتاب کا احفظ ہونا اظہر من الشمس اور قرآن مجید کی نص سے ثابت ہے وَلَا تَسْـئَـمُوْا اَنْ تَكْتُبُوْهُ صَغِيْرًا اَوْ كَبِيْرًا اِلٰٓى اَجَلِهٖ ذٰلِكُمْ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَاَدْنٰٓى اَلَّا تَرْتَابُوْٓا تو لکھی ہوئی بات کا حافظہ کی بہ نسبت شہادت میں زیادہ مضبوط ہونا اور شک سے بعید ہونا قرآن مجید سے ثابت ہے۔ اور اسی بنا پر امام بخاری اور دوسرے محدثین نے سفیان کی زیادتی کو غلط قرار دیا ہے۔ محترم قاضی صاحب کو تعجب ہوا ہے کہ وہی سفیان جسے آمین کی روایت میں شعبہ کے مقابلے میں احفظ قرار دیا گیا تھا یہاں لا یعود کے الفاظ اس

کی بھول قرار دیئے جاتے ہیں۔ اس تعجب کی وجہ یہ نہیں کہ یہ بات فی الواقع قابل تعجب ہے بلکہ یہ نتیجہ ہے اس بات کا کہ قاضی صاحب یہ نہیں سمجھے کہ یہاں مقابلہ ہے سفیان کے حافظے اور عبداللہ بن ادریس کی کتاب کا اور وہاں مقابلہ ہے شعبہ اور سفیان دونوں کے حافظے کا جس میں شعبہ کو خود اقرار ہے کہ سفیان ان سے احفظ ہیں' فَيَالِلْعُقُوْلِ الْقَاصِرَةِ وَالْقَرَايِحِ الْفَاتِرَةِ عَنْ اِدْرَاكِ الْفَرْقِ بَيْنَ مُقَابَلَةِ الْكِتَابِ وَالْحِفْظِ وَ بَيْنَ مُقَابَلَةِ الْحِفْظِ وَالْحِفْظِ.

ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں عاصم بن کلیب کا تفرد:

حضرت ابن مسعود سے منسوب روایت کے ضعف کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ اس روایت کا مدار عاصم بن کلیب پر ہے جو اگرچہ ثقہ راوی ہیں مگر اتنے مضبوط حافظے والے نہیں کہ وہ اکیلے کوئی روایت بیان کریں تو حجت ہوں چنانچہ بخاری کے استاذ علی بن مدینی فرماتے ہیں لَا يُحْتَجُّ بِهٖ اِذَا انْفَرَدَ (التھذیب ص ۵٦ ج ۵) منقول از جلاء العینین از سید بدیع الدین اور اس روایت میں وہ اکیلے ہیں اس لیے یہ روایت صحیح نہیں یہی بات ابن عبدالبر نے التمہید میں تحریر فرمائی ہے۔ ہاں ان کا کوئی اور ثقہ متابع یا ان کی روایت کا کوئی صحیح شاہد مل جائے تو پھر وہ قبول ہوگی۔

قاضی صاحب فرماتے ہیں:

> ''اس کا جواب یہ ہے کہ عاصم بن کلیب صحیح مسلم کے رواۃ میں سے ہیں اور ثقہ ہیں لہٰذا ان کا تفرد مضر نہیں''۔

قاضی صاحب نے غور نہیں کیا' عاصم بن کلیب پر یہ اعتراض نہیں کہ وہ ثقہ نہیں یا مسلم کے راوی نہیں اعتراض یہ ہے کہ وہ اس پائے کے حافظ نہیں کہ اکیلے کی روایت حجت ہو۔ رہا مسلم کا راوی ہونا تو وہ درست ہے مگر مسلم میں ان کی کوئی روایت ایسی نہیں جس میں وہ اکیلے ہیں اور ان کی روایت کا کوئی متابع یا شاہد نہ ہو اور پھر بھی مسلم نے ان کی روایت کو حجت مانا ہو۔

خلاصہ یہ ہے کہ ابن مسعود کی ترک رفع یدین کی روایت کئی علتوں کی وجہ سے غیر ثابت ہے۔ قاضی صاحب نے اپنی پہلی تحریر میں ترمذی کا اسے حسن کہنا اور ابن حزم کا صحیح کہنا بیان کیا تھا اس کا جواب میری پہلی تحریر میں گزر چکا ہے اب انہوں نے ان بزرگوں کے علاوہ ابن عبدالبر اور ابن حجر وغیرہ کو بھی اسے صحیح یا حسن کہنے والوں میں شمار کیا ہے' مگر بلا حوالہ۔ مجھے ان کے حوالہ کا انتظار رہے گا کہ انہوں نے یہ کہاں فرمایا ہے؟

کیا کسی صحابی کا قول دین میں حجت ہے؟

قاضی صاحب نے ترک رفع کے لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایک اثر پیش کیا تھا۔ میں نے اس پر لکھا تھا:

''آپ لوگوں کے نزدیک دلائل چار ہیں کتاب' سنت' اجماع اور قیاس۔ فرمایئے صحابہ کے یہ افعال اگر ثابت ہوں تو کتاب ہیں یا سنت یا اجماع یا قیاس الخ''۔ (ایک دین اور چار مذہب ص ۱۸)

قاضی صاحب فرماتے ہیں:

''جواباً عرض ہے کہ صحابی کا قول ہمارے ہاں حجت ہے اگر تخصیص کی کوئی دلیل نہ ہو مَعَ بَاقِي الشُّرُوْطِ الْمَذْكُوْرَةِ فِيْ كُتُبِ الْأُصُوْلِ اور دلائل بھی چار کے چار رہتے ہیں اس لیے کہ صحابی کا قول اگر مدرک بالعقل ہے تو وہ قیاس ہے اور اگر مدرک باالعقل[1] نہ ہو یعنی عقل اس کو سمجھنے سے قاصر ہو اور عقل دخل نہ دے سکے جیسے ثواب عقاب کی بات ہوئی تو ایسا قول محمول علی السماع ہے تو پہلی قسم قیاس میں اور دوسری قسم حدیث میں داخل ہے الخ''۔

---

[1] قاضی صاحب نے یہ لفظ اسی طرح لکھا ہے۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ صحابی کا قول سنت یا قیاس میں شامل ہو سکے تو آپ کے نزدیک دلیل ہوگا ورنہ نہیں۔ پھر صحابی کا قول یا فعل ہونے کی کیا قیمت ہوئی؟ پھر تو اصل حجت سنت اور قیاس ہی ٹھہرے احناف کے ہاں صحابہ کے اقوال کو حجت ماننے کا نقشہ آگے آ رہا ہے۔

صحابہ کی نقل معتبر ہونا:

اس مقام پر قاضی صاحب نے ایک مفروضہ قائم کر کے خوب اپنے دل کی بھڑاس نکالی ہے وہ یہ کہ میں (نعوذ باللہ) صحابہ کی نقل کو معتبر نہیں سمجھتا۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

> ”صحابہ کے اقوال اگر معتبر نہ ہوں تو سارا دین خطرہ میں پڑ جاتا ہے کیا قرآن کا نقل صحابہ کا عمل نہیں پورے دین کا نقل قرآن مجید کو جمع کرنا صحابہ کا عمل نہیں جب آپ کے ہاں صحابی ناقل قابل اعتبار نہیں تو منقول بھی معاذ اللہ قابل اعتبار نہیں ہوگا“۔ (اظہار التحریص ۱۵)

قاضی صاحب کا طریقہ یہ ہے کہ جہاں وہ جواب نہ دے سکتے ہوں دوسرے کے ذمے اپنے پاس سے ایک بات لگا دیتے ہیں پھر زور شور سے اس کی تردید فرماتے ہیں۔ کیا یہ ربانی علماء کا طریقہ ہے؟ (تجاوز الله عن ذنبك الجلی والخفی)

فرمایئے میرے سارے رسالے میں کس مقام پر کہا گیا ہے کہ صحابی کی نقل معتبر نہیں۔ صحابی کی نقل معتبر ہونا اور صحابی کا اپنا قول وفعل شرعی دلیل ہونا کیا ایک بات ہے؟ جو بات صحابی نے نقل کی وہ تو رسول اللہ ﷺ سے سنا ہوا اللہ کا کلام یا آنحضرت ﷺ کا قول یا فعل ہے۔ رہا اس کا آگے پہنچانا اور نقل کرنا تو وہ آنحضرت ﷺ کے فرمان بَلِّغُوا عَنِّیْ وَلَوْ آيَةً کی تعمیل ہے جو صحابہ نے بھی کی اور بعد کے ائمہ نے بھی۔ مگر کسی صحابی یا تابعی یا بعد کے ثقہ راوی کے نقل میں معتبر ہونے کے باوجود اس کا اپنا قول یا فعل ہمارے لیے شریعت نہیں ہے۔ اگر کسی صحابی کے قول وفعل کو حجت اور دلیل شرعی نہ سمجھنے کا مطلب یہ ہے کہ اس صحابی کی نقل معتبر نہیں تو اس کا مطلب تو یہ ہے کہ

آپ لوگ تمام تابعین، تبع تابعین، امام مالک، شافعی احمد بخاری مسلم ابوداؤد اور دوسرے تمام ائمہ حدیث وفقہ کی نقل معتبر نہیں سمجھتے کیونکہ یقیناً آپ کے نزدیک ان میں سے کسی کا اپنا قول یا فعل شرعی دلیل نہیں۔ یہ عجیب بات ہے کہ ہم کسی کی بات کو شریعت مانیں اور اسے صاحب شریعت کا مقام دیں تو ہم نے اس کی نقل کو معتبر جانا ورنہ نہیں۔

اس کے بعد قاضی صاحب نے شدت غیظ وغضب میں ہمیں منکرین حدیث سے ملا دیا ہے فرماتے ہیں:

''میرے عزیز! منکرین حدیث لعنہم اللہ تو یہی وجہ پیش کرتے ہیں کہ حدیث اس لیے حجت نہیں کہ اس کے ناقلین کا اعتبار نہیں۔ آپ کیوں بے ایمانوں کی حوصلہ افزائی فرما کر مواد فراہم فرماتے ہیں''۔ (اظہار المرام ص ۱۵)

اس پر میں اس کے علاوہ کیا کہہ سکتا ہوں کہ ؎

وہ بات سارے فسانے میں جس کا ذکر نہیں
وہ بات اس کو بہت ناگوار گزری ہے

ہم تو صحابہ کرام کو امت میں سب سے افضل، مغفورلہم اور جنت کے وارث سمجھتے ہیں اور بلا استثناء ہر صحابی کو سچا اور عادل قرار دیتے ہیں۔ کسی صحابی کی بات جو وہ رسول اللہ ﷺ سے نقل کرے ہم رد نہیں کرتے بلکہ اسے قبول کرنا فرض سمجھتے ہیں البتہ اس کی اپنی بات یا اپنے فعل کو ہم شریعت نہیں سمجھتے کیونکہ لَا حُجَّةَ فِيْ قَوْلِ اَحَدٍ مِّنَ النَّاسِ وَلَا فِعْلِهٖ دُوْنَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

صحابہ کی نقل کو غیر معتبر سمجھنے والے کون ہیں؟

آیئے میں آپ کو بتاتا ہوں کہ صحابہ کی نقل کو غیر معتبر سمجھنے والے کون لوگ ہیں۔ یہ لوگ حضرات احناف ہیں کیونکہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی احادیث کو دو قسموں میں تقسیم کر دیا ایک قسم وہ احادیث جو ان صحابہ نے روایت کی ہیں جو بقول

احناف فقیہ اور مجتہد تھے ان کی روایت کردہ حدیث کو انہوں نے حجت قرار دیا کہ اس کے مقابلے میں قیاس کو ترک کر دیا جائے گا چنانچہ حنفی اصول فقہ کی مسلم کتاب ''نور الانوار'' میں ہے:

وَالرَّاوِیُ اِنْ عُرِفَ بِالْفِقْهِ وَالتَّقَدُّمِ فِی الْاِجْتِهَادِ كَالْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِیْنَ كَانَ حَدِیْثُهٗ حُجَّةً یُتْرَكُ بِهِ الْقِیَاسُ.

''یعنی اگر راوی فقہ اور اجتہاد کے اندر مہارت سے معروف ہے جیسا کہ خلفائے راشدین ہیں ان کی حدیث حجت ہوگی اس کے ساتھ قیاس کو ترک کر دیا جائے گا''

دوسری قسم وہ احادیث جو ان صحابہ نے روایت کی ہیں جو بقول احناف عدالت اور ضبط میں معروف تھے مگر فقہ میں نہیں ان کی حدیث قیاس کے مطابق ہوگی تو اس پر عمل ہوگا اگر مخالف ہوگی تو ضرورت پڑنے پر اسے ترک کر دیا جائے گا۔ چنانچہ نور الانوار ہی میں ہے:

وَ اِنْ عُرِفَ بِالْعَدَالَةِ وَالضَّبْطِ دُوْنَ الْفِقْهِ كَاَبِیْ هُرَیْرَةَ وَ اَنَسٍ اِنْ وَافَقَ حَدِیْثُهُ الْقِیَاسَ عُمِلَ بِهٖ وَ اِنْ خَالَفَهٗ لَمْ یُتْرَكْ اِلَّا بِالضَّرُوْرَةِ وَهِیَ اِنَّهٗ لَوْ عُمِلَ بِالْحَدِیْثِ لَانْسَدَّ بَابُ الرَّاْیِ مِنْ كُلِّ وَجْهٍ.

''اور اگر وہ عدالت اور ضبط میں معروف ہے فقہ میں نہیں جیسے ابو ہریرہ اور انس ہیں تو اگر اس کی حدیث قیاس کے مطابق ہو تو اس پر عمل ہوگا اگر خلاف ہو تو اسے نہیں چھوڑا جائے گا مگر ضرورت کے وقت اور وہ ضرورت یہ ہے کہ اگر حدیث پر عمل کیا جائے تو رائے کا دروازہ بالکل بند ہو جائے گا''۔

اس سے معلوم ہوا کہ احناف نے اپنے امام کے قیاس کے خلاف ان صحابہ کی روایت کردہ صحیح احادیث کو بھی حجۃ نہیں مانا ان کا قاعدہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے

روایت کردہ صحیح حدیث جو قیاس ابی حنیفہ کے خلاف ہو اسے بیان کرنے والے امت محمدیہ ﷺ کے سب سے بڑے محدث حضرت ابوہریرہ ہوں یا دس سال آنحضرت ﷺ کی خدمت میں رہنے والے حضرت انس ہوں اسے رد کر دیا جائے گا صرف یہی نہیں بلکہ ان جیسا جو بھی صحابی ہو اس کی حدیث سے یہی سلوک کیا جائے گا۔

فرمایئے جو لوگ ان صحابہ کی رسول اللہ ﷺ سے روایت کو اپنے امام کے قیاس کے خلاف حجت نہیں مانتے کیا وہ ان صحابہ کی نقل کو معتبر قرار دے رہے ہیں؟ اور جب ان کی روایت کردہ حدیث رسول اللہ ﷺ حجت نہیں مانی گئی تو ان کا اپنا قول و فعل کیسے حجت مانا گیا؟

حضرت ابوہریرہؓ اور انسؓ کی احادیث رد کرنے کی اصل وجہ:

قدرتی طور پر ذہن میں سوال ابھرتا ہے کہ ان حضرات نے خصوصاً ابوہریرہؓ، انسؓ اور ان جیسے صحابہ کا نام لے کر یہ قاعدہ کیوں بنایا ہے؟ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ اصل میں اہل الرائی کے راستے میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ تقریباً پانچ ہزار احادیث رسول ﷺ اور انس کی بھی بہت سی احادیث تھیں جن میں سے اکثر احادیث کی ان کے امام نے مخالفت کی تھی اب ایک ہی صورت ہو سکتی تھی یا امام کا قول حدیث رسول ﷺ کے مقابلے میں ترک کیا جائے یا حدیث رسول ﷺ کو کسی بہانے رد کر دیا جائے۔ انہوں نے دوسرا راستہ اختیار کیا۔ گو اس مقصد کے لیے انہیں ابوہریرہ اور انسؓ جیسے تسلیم شدہ فقہاء صحابہ کو غیر فقیہ قرار دینا پڑا اور گو احادیث رسول ﷺ کو ایک امتی کے مقابلے میں رد کرنا پڑا مگر امام کی محبت کی مجبوریوں نے سب مشکلیں آسان کر دیں وَأُشْرِبُوا فِي قُلُوبِهِمُ الْإِمَامَ۔

اب فیصلہ آپ کے ہاتھ میں ہے کہ صحابہ کی نقل کو غیر معتبر قرار دینے والے ہم ہیں جو ہر صحابی کی روایت کردہ ہر حدیث کو حجت مانتے ہیں یا آپ کہ بعض صحابہ کی روایت کردہ ہونے کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ کی احادیث کو بھی رد کر دیتے ہیں؟

قاضی صاحب کا ایک اور وہم:

قاضی صاحب فرماتے ہیں:

''اور کیا امام بخاری نے باب رَفْعِ الْيَدَيْنِ اِذَا قَامَ مِنَ الرَّكْعَتَيْنِ میں عبد اللہ بن عمر کے عمل سے استدلال نہیں فرمایا؟ تو امام بخاری کے بارے میں کیا فرمان ہوگا آیا وہ بھی غلطی پر تھے؟ (اظہار المرام ص ۱۵)

قاضی صاحب کو غور سے دیکھ لینا چاہیے تھا کہ اس باب میں امام بخاری جو ابن عمر کا عمل لائے ہیں اس کے آخر میں یہ لفظ موجود ہیں یا نہیں وَرَفَعَ ذٰلِكَ ابْنُ عُمَرَ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ یعنی ابن عمر نے یہ فعل نبی ﷺ سے بیان فرمایا۔ کیا مرفوع الی النبی ﷺ سے استدلال ابن عمر کے عمل سے استدلال ہے۔ اور کیا کتاب کے بعض حصے کو چھپا جانا علمائے ربانیین کو زیب دیتا ہے؟

(تجاوز الله عن ذنبك الجلى والخفى)

آمین بالجہر:

آمین بالجہر کے متعلق جو کچھ قاضی صاحب نے اظہار المرام میں لکھا ہے اس کا موازنہ ''ایک دین اور چار مذہب'' میں مذکور بحث کے ساتھ کرلیا جائے مزید لکھنے کی ضرورت نہیں صرف تین باتوں کے متعلق کچھ عرض کرتا ہوں۔

① قاضی صاحب نے ولا الضالین کے بعد آپ ﷺ کے سکتہ فرمانے کی حدیث نقل کی تھی میں نے اس پر لکھا تھا:

''ابوداؤد کی روایت جو آپ نے نقل کی ہے وہ صحیح نہیں کیا آپ اسے صحیح سمجھتے ہیں؟ اور اگر صحیح سمجھتے ہیں تو کیا پوری حدیث پر آپ کا عمل ہے؟ سوچ سمجھ کر لکھیں''۔ (ایک دین ص ۴۵)

اس پر قاضی صاحب نے حدیث کے صحیح ہونے کو اختیار کیا ہے اور کہا ہے سمرہ سے حسن کا سماع ثابت ہے۔ اگر ہم سمرہ سے حسن کا یہ حدیث سننا مان بھی لیں، تو

روایت میں کہیں دو سکتوں کا ذکر ہے کہیں تین کا اور جن روایات میں دو کا ذکر ہے ان کے مقامات مختلف بیان ہوئے ہیں۔ آخر اس اضطراب کا حل کیا ہے؟ اگر آپ کہیں کہ تینوں سکتے ثابت ہیں تو پھر کیا احناف تین سکتے کرتے ہیں۔ یہی بات ہے جو میں نے پوچھی تھی مگر قاضی صاحب نے اس پر خاموشی میں ہی عافیت سمجھی ہے کیونکہ ان کے پاس اس بات کا کوئی جواب نہیں کہ جب وہ اس روایت کو صحیح مانتے ہیں تو اس پر عمل کرتے ہوئے تین سکتے کیوں نہیں کرتے۔

اگر یہ روایت ثابت ہو جیسا کہ کئی اہلحدیث بھی کہتے ہیں تو اس کا مطلب صاف ہے کہ آنحضرت ﷺ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ کے بعد بلند آواز سے آمین کہہ کر سکوت اختیار فرماتے اور پھر آگے قراءۃ شروع کرتے اس کی دلیل وہ صحیح روایات ہیں جن میں مذکور ہے کہ آنحضرت ﷺ نے بلند آواز سے آمین کہی کیونکہ کسی ایک حدیث کا مفہوم دوسری صحیح احادیث کو ساتھ ملا کر ہی سمجھا جائے گا۔

ترمذی اور مستدرک کا غلط حوالہ:

قاضی صاحب نے اپنی پہلی تحریر پر میں لکھا تھا:

> ''ترمذی' طیالسی اور حاکم مستدرک نے بھی ان الفاظ سے نقل کیا ہے'' و اخفی بها صوته ''یعنی آمین کو زور سے نہیں پڑھتے تھے''۔

میں نے اس پر لکھا تھا کہ:

> ''طیالسی اور مستدرک حاکم تو میرے پاس اس وقت موجود نہیں ترمذی موجود ہے مگر آپ نے جو الفاظ ترمذی کی طرف منسوب کیے ہیں'' واخفی بها صوته '' ترمذی میں نہیں ہیں اللہ سے ڈریں غلط حوالہ نہ دیا کریں۔ اللہ بہتر جانتا ہے طیالسی اور مستدرک میں بھی ہیں یا نہیں آپ کا نقل میں ثقہ نہ ہوتا تو اس حوالہ سے اور سجدتین میں رفع یدین کے حوالہ سے ثابت ہو چکا ہے یاد رہے خَفَضَ بِهَا صَوْتَهٗ اور اَخْفٰى بِهَا صَوْتَهٗ کا مفہوم بالکل جدا جدا ہے

خفض صوت اور چیز ہے اور اخفاء صوت دوسری چیز۔ ایک میں آواز ہوتی ہے دوسری میں نہیں''۔ (ایک دین اور چار مذہب ص ۴۵)

چاہیے تو یہ تھا کہ قاضی صاحب ترمذی طیالسی اور مستدرک کے وہ صفحے لکھتے جہاں ''واخفی بھا صوتہ'' لکھا ہے مگر انہوں نے پھر اپنے اصل ماخذ تعلیق آثار السنن کی طرف ہی رجوع کیا ہے اور صاف طور پر مانا ہے کہ واقعی ترمذی میں یہ الفاظ نہیں ہیں بلکہ حاکم میں بھی نہیں دونوں میں خفض بھا صوتہ کے الفاظ ہیں۔ دیکھئے

(اظہار المرام ص ۱۸)

قاضی صاحب کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں یہ غلطی آثار السنن پر اعتماد کی وجہ سے لگی ہے جس میں اخفاء صوت اور خفض صوت کے فرق کو ملحوظ نہیں رکھا گیا بہر حال اللہ کے فضل سے میں نے جو نشاندہی کی تھی کہ " اخفی بھا صوتہ" ترمذی میں موجود نہیں اور حوالہ غلط دیا گیا ہے۔ قاضی صاحب اس کی تردید نہیں کر سکے بلکہ ان کی تحریر سے ثابت ہو گیا کہ ترمذی کے علاوہ مستدرک کا حوالہ بھی غلط تھا۔

اس کے بعد قاضی صاحب نے جو کچھ شعبہ کے الفاظ خفض بھا صوتہ کے متعلق لکھا ہے بے محل ہے کیونکہ اہل حدیث اس سے استدلال نہیں کرتے بلکہ وہ '' مَدَّ بِهَا صَوْتَهُ ''اور'' رَفَعَ بِهَا صَوْتَهُ '' سے استدلال کرتے ہیں جو دونوں سنداً ثابت ہیں اور ایک دوسرے کی تفسیر ہیں چنانچہ ابوداؤد نے باب التامین وراء الامام میں پہلی حدیث صحیح سند کے ساتھ وائل بن حجر سے نقل فرمائی ہے جس میں قال آمین و رفع بھا صوتہ کے الفاظ ہیں یعنی آپ نے بلند آواز سے آمین کہی۔ قاضی صاحب کو شاید یہ روایت معلوم نہیں ہو سکی کہ انہوں نے لکھ دیا ہے کہ ''جس روایت میں جھر باالتامین[1] آیا ہے تو اس کا راوی علاؤ[2] ابن حسن ہے جو ضعیف ہے''۔ (اظہار ص ۱۹)

۱۔ ۲۔ قاضی صاحب نے یہ لفظ اسی طرح لکھا ہے۔

بات یہ ہے کہ قاضی صاحب اصل کتابیں دیکھتے ہی نہیں عموماً آثار السنن اور اس کی تعلیق سے نقل کرتے ہیں اور اس کو بھی اچھی طرح نہیں سمجھتے ورنہ یہ کبھی نہ کہتے کہ جس روایت میں جھـر بـاالتـامیـن (کذا) آیا ہے تو اس کا راوی علاؤ بن حسن (کذا) ہے جو ضعیف ہے۔ کیونکہ رفع بھا صوته کی ہر روایت کا راوی علاؤ بن حسن نہیں خود صاحب آثار السنن نے رفع بھا صوته کے الفاظ کی دو روایتیں نقل کی ہیں ایک حضرت وائل کی اور ایک ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی۔ اگر غور سے آثار السنن کو ہی پڑھ لیا جاتا تو یہ غلطی نہ ہوتی فَیَاقِلَّةَ التَّدَبُّرِ وَالتَّفَكُّرِ۔

اور یرتج کے الفاظ پر مسئلہ کے اثبات کا مدار نہیں کہ اس کی تضعیف سے ثابت شدہ الفاظ بھی غیر ثابت ہو جائیں گے۔

ابن قیم کا حوالہ:

قاضی صاحب نے لکھا تھا: حافظ ابن قیم نے زاد المعاد میں تصریح فرمائی ہے کہ آمین پوشیدہ ہے البتہ تعلیم کے لیے جہر جائز ہے'' میں نے اس پر عرض کیا تھا: ''ابن قیم سے جو بات آپ نے نقل کی ہے اسے دکھانا آپ کی ذمہ داری ہے فرمایئے کون سے باب یا صفحے میں انہوں نے یہ فرمایا ہے الخ۔'' دیکھئے۔

(ایک دین اور چار مذہب ص ۴۶)

اس مقام پر میں نے صرف حوالہ طلب کیا تھا جو سائل ہونے کی حیثیت سے میرا حق تھا قاضی صاحب کا قلم اس جگہ بے قابو ہو گیا ہے لکھتے ہیں:

''احقر نے آمین بالجہر کا جواب دیتے ہوئے حافظ ابن القیم کی کتاب زاد المعاد کا حوالہ دے کر لکھا تھا کہ ابن قیم فرماتے ہیں کہ یہ جہر تعلیم کے لیے تھا اس پر مولانا نے فٹ انکار کر دیا اور فرمایا کہ زاد المعاد کا متعلقہ مقام کھول کر دیکھا اس میں کچھ اور لکھا تھا اصل میں مولانا عبدالسلام کو کتاب شائع کرنے کا بہت شوق تھا اس لیے مطالعے کی زحمت گوارہ کیے بغیر انکار پر انکار کرتا

گیا اور لکھتا گیا''۔ (اظہار المرام ص ۱۶)

قارئین خود دیکھ سکتے ہیں کہ آیا میں نے اس حوالہ سے انکار کیا ہے؟ میں نے تو صرف پوچھا ہے کہ آپ بتائیں یہ حوالہ کہاں ہے؟ مجھے نہیں ملا بلکہ مجھے ابن قیم کی عبارتیں اس کے خلاف ملی ہیں اور میں نے وہ عبارتیں نقل بھی کر دیں جو اس کے خلاف ہیں۔ کیا حوالہ پوچھنے کا نام انکار ہے؟

وہ حوالے جن کا میں نے انکار کیا تھا:

انکار تو میں نے دو اور حوالوں کا کیا تھا اور ان کی بنا پر ہی قاضی صاحب کو نقل میں غیر ثقہ قرار دیا تھا ایک یہ کہ نسائی میں رفع یدین بین السجدتین کا حکم موجود ہے اور ایک یہ کہ ترمذی میں واخفی بھا صوته کے الفاظ موجود ہیں حالانکہ یہ دونوں حوالے غلط تھے اور ان کا غلط ہونا اوپر واضح ہو چکا ہے۔

رہا ابن قیم کی عبارت کا حوالہ تو جو الفاظ انہوں نے اب نقل کیے ہیں تو اگر اس عبارت کا مابعد بھی ساتھ پڑھا جائے تو قاضی صاحب جو مفہوم اس سے نکال رہے ہیں اس میں مناقشہ ہو سکتا ہے مگر میں طوالت سے بچنے کے لیے صرف یہی عرض کرتا ہوں کہ اگر ابن قیم آمین بالجہر کے متعلق یہ سمجھتے ہیں کہ آمین پوشیدہ ہے اور جہر تعلیم کے لیے تھا تو۔

① انہوں نے آمین بالجہر کے منکروں کو سنت صحیحہ محکمہ کو رد کرنے والے کیوں قرار دیا ہے؟

② کم از کم تعلیم کے لیے آمین بالجہر تو سنت ہو گیا کیا آپ نے کبھی تعلیم کے لیے بھی اس پر عمل کیا ہے؟

ویسے آنحضرت ﷺ کا ہر عمل ہی تعلیم کے لیے تھا یہ بہانہ بنا کر کہ فلاں عمل تعلیم کے لیے تھا جو عمل دل چاہے چھوڑا جا سکتا ہے۔

سجدہ میں جاتے وقت گھٹنے پہلے رکھنے کی روایت کی حقیقت:

قاضی حمید اللہ صاحب نے اپنی پہلی تحریر میں فرمایا تھا کہ ''سجدہ میں جاتے وقت ہاتھ پہلے زمین پر نہ لگائیں بلکہ گھٹنے لگائیں'' اس موقف کو ثابت کرنے کے لیے انہوں نے لکھا تھا: ''امام ابوداؤد نے وائل بن حجر کی روایت نقل کی ہے جس میں ہے کہ گھٹنے پہلے لگاؤ''۔

میں نے اس روایت کی تردید دلیل کے ساتھ کر دی تھی آپ ''ایک دین اور چار مذہب ص ۵۰'' پر ملاحظہ فرما سکتے ہیں میں نے عرض کیا تھا کہ: اس کی سند میں شریک کوفی ہے جن کا حافظہ قاضی بننے کے بعد خراب ہو گیا تھا۔ دیکھئے تقریب''۔

اب قاضی صاحب کا تازہ فرمان پڑھیے لکھتے ہیں:

> ''بندہ نے لکھا تھا کہ سجدہ میں جاتے وقت گھٹنوں کو پہلے اور ہاتھوں کو بعد میں زمین پر رکھنے چاہیے (کذا) اور دلیل وائل بن حجر کی روایت جس کو ترمذی نے باب وضع الرکبتین قبل الیدین ص ۵۶ ج ۱ میں نقل فرمائی ہے حضرت مولانا عبدالسلام صاحب اس روایت کی تردید تو نہ کر سکے البتہ اپنی روایت کی توثیق کے لیے پریشان ہو گئے''۔

(اظہار المرام ص ۱۹)

فرمایئے کیا واقعی میں نے اس روایت کی تردید نہیں کی؟ شریک پر جرح جو میں نے نقل کی تھی وہ آپ کی پیش کردہ روایت کی توثیق تھی یا تردید؟ قاضی صاحب نے اظہار المرام کے صفحہ ۱۹ پر تو اس روایت کی تردید کی نفی کی ہے لیکن پھر آگے چل کر ص ۲۲ پر خود ہی فرماتے ہیں: ''اس پر مولانا عبدالسلام صاحب نے اعتراض کیا ہے کہ اس حدیث میں شریک کوفی ہے اور اس کا حافظہ خراب ہوا تھا''۔

اب کیا سمجھا جائے کہ قاضی صاحب کی یہ بات درست ہے کہ میں اس روایت کی تردید نہیں کر سکا یا یہ درست ہے کہ میں نے اس روایت پر اعتراض کیا ہے

شاید تردید کو اعتراض کا نام دے دیا جائے تو وہ خود بخود ختم ہو جاتی ہے انکار و اقرار کی یہ کیفیت عجیب ہے!۔

گفتم کہ نمے آئی' آرے و نعم گوید
اقرار در انکارے' انکار در اقرارے

قاضی صاحب نے اس تردید کا جو جواب دیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے' لکھتے ہیں:

''جواباً عرض ہے کہ اس روایت کو ترمذی نقل کرتے ہیں اور فرماتے ہیں حسن غریب اور حاکم فرماتے ہیں صحیح علی شرط مسلم اور ابن حبان نے ابن حجر سے نقل کیا ہے کہ اس حدیث کا صرف دوسرا جملہ ضعیف ہے''۔

(اظہار ص ۲۱)

قاضی شریک پر مفسر جرح کی موجودگی میں کسی کی تحسین یا تصحیح کا اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ جرح مفسر مقدم ہوا کرتی ہے خصوصاً یہ دو بزرگ تو حسن اور صحیح کہنے میں بہت ہی متساہل واقع ہوئے ہیں چنانچہ محدثین نے فرمایا ہے لَا تَغْتَرَّ بِتَحْسِيْنِ التِّرْمَذِيِّ وَ تَصْحِيْحِ الْحَاكِمِ۔ اس لیے اصل یہی ہے کہ قاضی شریک کا حافظہ درست نہ ہونے کی وجہ سے یہ روایت پایۂ اعتبار سے ساقط ہے۔ اور قاضی صاحب نے جو لکھا ہے کہ ابن حبان نے ابن حجر سے نقل کیا ہے تو محترم مولانا قاضی حمید اللہ صاحب الموصوف بالقابہ کو کون سمجھائے کہ ابن حبان ابن حجر سے نقل کر ہی نہیں سکتے کیونکہ ابن حبان' ابن حجر سے سینکڑوں برس پہلے گزرے ہیں۔ شاید عالم مثال کی کسی ملاقات اور کراماتی اخذ و استفادہ و نقل و روایت کا ذکر قاضی صاحب نے کیا ہو کیونکہ یہ تاویل وہ ہر الجھن میں امرت دھارے کی طرح استعمال کرتے ہیں۔

قاضی صاحب فرماتے ہیں:

''اگر ہم مان بھی لیں کہ شریک ضعیف ہے مگر ابوداؤد نے تو یہی روایت دو اور طریقوں سے بھی نقل فرمائی ہے ایک طریق عبد الجبار کا ہے اور دوسرا

طریق شقیق کا''۔ (اظہار ص ۲۱)

حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں طریق بھی ناقابل اعتبار ہیں کیونکہ عبدالجبار نے یہ روایت اپنے والد سے ذکر کی ہے اور انہوں نے اپنے والد سے کچھ سنا ہی نہیں اور شقیق والا طریق مرسل بھی ہے اور اس کا راوی شقیق ابو اللیث مجہول بھی ہے جیسا کہ حافظ نے تقریب میں' ذہبی نے میزان میں اور طحاوی نے شرح الآثار میں صراحت کی ہے۔ دیکھئے (مرعاۃ المفاتیح ص ۴۵۶ ج ۲)

سجدہ میں جاتے وقت ہاتھ پہلے زمین پر رکھنے کی روایت:

ترمذی وغیرہ میں محمد بن عبداللہ بن حسن عن ابی الزناد عن الاعرج کے طریق سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے گھٹنوں سے پہلے زمین پر ہاتھ رکھنے کا حکم دیا۔ چونکہ یہ حدیث احناف کے خلاف ہے اس لیے قاضی صاحب نے اپنی پہلی تحریر میں اس پر ان الفاظ میں تین اعتراض کیے تھے۔ ''حضرت ابوہریرہ کی روایت میں جو آیا ہے کہ ہاتھ پہلے لگاؤ تو امام ترمذی نے اس کو ضعیف کہا ہے۔ امام بخاری نے لکھا ہے اس کی سند متصل نہیں۔ ابن قیم نے لکھا ہے کہ ابو ہریرہ کی حدیث میں قلب ہے''۔

ترمذی کا ضعیف کہنا:

چونکہ ترمذی نے اس حدیث کو ضعیف نہیں کہا اس لیے میں نے اس پر گرفت کی اور لکھا کہ ترمذی نے پوری سند کے ساتھ جو حدیث نقل کی ہے اسے بالکل ضعیف نہیں کہا۔ دیکھئے (ایک دین ص ۴۷)

قاضی صاحب نے اس کے جواب میں لکھا ہے:

''جواباً گزارش ہے کہ امام ترمذی نے اس کو فقط غریب کہا ہے ص ۵۶ ج ا۔'' (اظہار المرام ص ۱۹)

معلوم ہوتا ہے قاضی صاحب ضعیف کو اور فقط غریب کو ایک سمجھ بیٹھے ہیں۔

میں گوجرانوالہ کے فن حدیث سے کچھ مناسبت رکھنے والے دیوبندی علماء سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ حضرت مولانا حمید اللہ صاحب الموصوف بالقابہ کوضعیف اور غریب کے درمیان نسبت ضرور سمجھا دیں۔

بخاری:

قاضی صاحب نے جونقل کیا تھا کہ ''امام بخاری نے لکھا ہے کہ اس کی سند متصل نہیں''۔اس پر میں نے لکھا تھا:

> ''اورآپ نے جوفرمایا ہے کہ امام بخاری نے لکھا ہے کہ اس کی سند متصل نہیں اس کا حوالہ بھی آپ کے ذمہ ہے کہ امام بخاری کے لفظ باحوالہ نقل فرمائیں تاکہ دیکھا جائے کہ ان کے الفاظ کا یہی ترجمہ ہے کہ اس کی سند متصل نہیں''۔(ایک دین ص۴۸)

قاضی صاحب نے اپنے اصل ماخذ آثار السنن کی تعلیقات سے بخاری کا قول نقل کیا ہے:

> قَالَ الْبُخَارِیُّ : مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ الْحَسَنِ لَا یُتَابَعُ عَلَیْہِ وَ قَالَ لَا اَدْرِیْ اَسْمِعَ مِنْ اَبِی الزِّنَادِ اَمْ لَا.

اورترجمہ یہ کیا ہے:

> ''امام بخاری فرماتے ہیں محمد بن عبد اللہ بن الحسن لا یتابع علیہ اورفرمایا کہ معلوم نہیں ابوالزناد نے[1] سنایا نہیں''۔(اظہارالمرام ص۳۰)

معلوم ہوا کہ بخاری نے اس روایت کے متعلق جوکچھ فرمایا دوباتوں پر مشتمل ہے پہلی بات یہ کہ اس روایت میں محمد بن عبد اللہ بن حسن جونفس زکیہ کے نام سے مشہور ہیں ثقہ ہیں اورظاہر ہے کہ راوی ثقہ ہوتواس کا متابع نہ بھی موجود ہوتو روایت

---

[1] قاضی صاحب نے یہ لفظ اسی طرح لکھا ہے۔صحیح یوں ہے ابوالزناد سے سنایا نہیں۔

ثابت ہوتی ہے۔

دوسری بات یہ کہ امام بخاری کو معلوم نہیں ہو سکا کہ محمد بن عبد اللہ نے ابوالزناد سے سنایا نہیں۔ کیا اس کا ترجمہ یہ ہے کہ اس کی سند متصل نہیں؟ ہر گز نہیں۔ بخاری نے یہ نہیں فرمایا کہ ''محمد بن عبداللہ نے ابوالزناد سے نہیں سنا''۔ اگر یہ فرمایا ہوتا تو آپ واقعی ترجمہ کر سکتے تھے کہ اس کی سند متصل نہیں۔ بخاری تو صرف اپنے علم کی نفی کر رہے ہیں اور بخاری کی شرط کہ زمانہ ایک ہونے کے باوجود سماع کا ثبوت ضروری ہے بشمول امام مسلم جمہور محدثین نے حدیث کے صحیح ہونے کے لیے ضروری تسلیم نہیں کی اس لیے بخاری کا یہ قول بھی کوئی علت نہیں کیونکہ ابوالزناد ۱۳۰ھ میں مدینہ میں فوت ہوئے اور محمد بن عبداللہ بھی مدینہ کے رہنے والے تھے مدینہ پر ان کا تسلط بھی ہو گیا تھا پھر ۱۴۵ھ میں قتل کر دیئے گئے دونوں ایک طویل مدت تک ایک زمانہ میں زندہ رہے اور محمد بن عبد اللہ مدلس بھی نہیں اس لیے ان کی روایت سماع پر محمول ہو گی۔ تفصیل کے لیے دیکھئے (مرعاۃ ص ۴۵۹ ج ۲)

قلب:

رہا یہ دعویٰ کہ ابوہریرہ کی حدیث میں قلب ہے تو اس پر میں نے لکھا تھا کہ:

''ابن قیم نے قلب والی جو بات لکھی ہے وہ صحیح نہیں۔ اگر آپ صحیح سمجھتے ہوں تو دلائل بیان کریں انشاءاللہ حقیقت واضح کر دی جائے گی''۔ (ایک دین ص ۴۸)

الحمد للہ قاضی صاحب نے دلیل پیش کرنے کی جرأت نہیں کی اور حقیقت یہ ہے کہ یہ دعویٰ ہے بھی بالکل بے دلیل۔ اگر اس طرح مفروضوں سے قلب بنائے جائیں تو پھر مشکل سے کوئی حدیث قلب کے بغیر رہ سکے گی۔

ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت:

— ترمذی میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے جو حدیث مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گھٹنوں سے پہلے ہاتھ رکھنے کا حکم دیا صحیح بخاری میں اس کے مطابق ابن عمرؓ کا عمل

مذکور ہے کہ وہ سجدہ کے لیے جاتے وقت ہاتھوں کو گھٹنوں سے پہلے زمین پر رکھتے تھے اس موقوف روایت سے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت کو قوت حاصل ہوتی ہے۔ قاضی صاحب نے یہاں فرمایا ہے کہ دیکھئے آپ صحابی کے قول وفعل کے دین میں حجت ہونے سے انکار کے باوجود یہاں صحابی کا فعل حجت مان رہے ہیں۔محترم! صحابی کا یہ فعل سنت رسول ﷺ کے مطابق ہے اس پر عمل سنت رسول ﷺ پر عمل ہے نہ کہ صحابی کے قول وفعل کو حجت اور شریعت ماننا۔

کتاب ''الاسلام اور مذہبی فرقے'' جس پر قاضی صاحب نے تبصرہ لکھ کر میری طرف بھیجا تھا اس میں گھٹنوں سے پہلے ہاتھ رکھنے کے لیے ایک مرفوع روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی نقل کی گئی ہے اور ایک صحیح بخاری سے ابن عمر رضی اللہ عنہ کا فعل۔ بعض کتب حدیث میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے ایک مرفوع روایت بھی مروی ہے مگر مصنف نے وہ درج ہی نہیں کی تھی۔ قاضی صاحب نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے اس حدیث کے راویوں پر جرح شروع کر دی جو مصنف نے لکھی ہی نہ تھی۔ بلکہ کسی نے جو جرحیں ایک دوسری روایت پر کی تھیں انہوں نے حوالہ دیئے بغیر وہ بخاری کی روایت پر جڑ دیں۔ میں نے اس پر گرفت کی کہ:

> ''ایک روایت کے راوی بھی معتبر ہیں' بخاری میں بھی وہ ہے آپ اس پر جرحیں نقل کرتے ہیں جن کی نہ وجہ اور علت بیان کی گئی ہے نہ ہی آپ نے حوالہ دیا ہے کہ ان ائمہ نے خاص اس حدیث کو کہاں ضعیف کہا ہے اور کیا وجہ بیان کی الخ''۔ (ایک دین ص ۴۹)

الحمد للہ قاضی صاحب اس روایت پر کوئی جرح نہیں کر سکے البتہ اب یہ لکھا ہے کہ ''ابن عمر نے آپ ﷺ سے بھی نقل فرمایا کہ كَانَ إِذَا سَجَدَ يَضَعُ يَدَيْهِ قَبْلَ رُكْبَتَيْهِ ''۔اب معلوم ہوا کہ قاضی صاحب کی جرح ابن عمر رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت پر تھی جو ذکر ہی نہ کی گئی تھی۔ اور یہ بھی کھلا کہ قاضی صاحب نے وہ جرح تعلیقات آثار

السنن سے نقل کی تھی۔

قاضی صاحب کا مبلغ علم اور سخن فہمی:

معلوم ہوتا ہے قاضی صاحب نے جو کچھ لکھا ہے زیادہ تر آثار السنن اور اس کی تعلیقات سے نقل کیا ہے اور انہیں سمجھنے کا حال بھی یہ ہے کہ اپنی پہلی تحریر میں آثار السنن سے اس کا حوالہ دیئے بغیر نقل کر دیا کہ سجدہ میں جاتے وقت ہاتھ پہلے زمین پر رکھنے کی حدیث کے متعلق ابوزرعہ نے لکھا ہے ''اس کی سند میں ابو حاتم ہے اور اس کا حافظہ خراب تھا اور ابن حجر نے میزان میں یہی بات لکھی ہے''۔ دیکھئے قاضی صاحب کی پہلی تحریر جو ایک دین اور چار مذہب کے صفحہ ۱۱ پر حرف بحرف درج کی گئی ہے۔

اس پر میں نے عرض کیا:

''ہاں ایک بات کا حوالہ ہم آپ سے ضرور طلب کریں گے جو آپ نے ابوزرعہ کے ذمہ لگائی ہے کہ انہوں نے لکھا ہے کہ اس کی سند میں ابو حاتم ہے اور اس کا حافظہ خراب ہے ہمیں تو کوئی ایسی سند نہیں ملی جس میں ابو حاتم ہو بیچارے ابوزرعہ پر بھی یہ الزام ہی معلوم ہوتا ہے''۔

(ایک دین اور چار مذہب ص ۴۹)

یہ بات میں نے اس لیے لکھی تھی کہ ابو حاتم بالاتفاق زبردست حافظ اور محدث ہیں ابوزرعہ ان کا حافظہ خراب کس طرح کہہ سکتے ہیں؟ علاوہ ازیں اس روایت میں ابو حاتم ہیں ہی نہیں کہ ان پر جرح کی ضرورت ہو۔

اب قاضی صاحب نے آثار السنن کی تعلیقات سے میزان کی وہ عبارت نقل کی ہے جس کا مطلب مندرجہ بالا الفاظ میں انہوں نے بیان کیا تھا۔ عبارت یہ ہے: ''وَقَالَ اَبُوْ حَاتِمٍ لَا يُحْتَجُّ بِهٖ وَ قَالَ اَبُوْ زُرْعَةَ سَيِّئُ الْحِفْظِ'' اس عبارت کا ترجمہ پہلی تحریر میں جناب قاضی حمید اللہ صاحب الموصوف بالقابہ نے یہ کیا تھا ''ابوزرعہ نے لکھا ہے اس کی سند میں ابو حاتم ہے اور اس کا حافظہ خراب تھا''۔ یہ ترجمہ بالکل غلط

ہے اب میری گرفت کے بعد اظہار المرام ص ۲۱ میں اس کا ترجمہ کیا ہے: ''ابو حاتم فرماتے ہیں:

''حجت نہیں جب کہ ابوزرعہ فرماتے ہیں حافظہ خراب ہے''۔

پہلی تحریر میں ابوزرعہ' ابو حاتم کا حافظہ خراب بتا رہے تھے اور دوسری تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ ابوزرعہ اور ابو حاتم دونوں کسی اور پر جرح فرما رہے ہیں۔

عبارت کا مطلب بالکل غلط کرنے کے علاوہ ایک بوالعجبی قاضی صاحب نے یہ فرمائی تھی کہ لکھا تھا ''اور ابن حجر نے میزان میں یہی بات لکھی ہے''۔ اس پر میں نے پوچھا تھا: ''فرمایئے ابن حجر نے بھی میزان نامی کوئی کتاب لکھی ہے؟''۔

قاضی صاحب اس پر فرماتے ہیں:

''میرے عزیز! مذکورہ بالا حوالہ اگر میزان میں ہے اور یقیناً ہے تو پھر اس بحث میں پڑنے سے کیا سروکار کہ میزان ذہبی کی کتاب ہے یا ابن حجر کی حوالے کا انکار فرمائیں تو بتانا میرا فرض ہے''۔ (اظہار ص ۲۱)

محترم! میزان اگر ذہبی کی بجائے ابن حجر کی تصنیف بنانے پر ہمیں بولنے کی اجازت نہیں تو چلو نہ سہی مگر آپ کا فرمانا کہ مذکورہ بالا حوالہ میزان میں یقیناً ہے' بالکل غلط ہے۔ میزان میں وہ الفاظ موجود نہیں جو آپ کی پہلی تحریر میں تھے اور جن کا میں نے آپ سے حوالہ طلب کیا تھا۔ وہ لفظ یہ تھے: ''ابوزرعہ نے لکھا ہے اس کی سند میں ابو حاتم ہے اور اس کا حافظہ خراب تھا''۔ یہ الفاظ ہرگز میزان میں نہیں ہیں۔ یہ میزان پر بھی بہتان ہے اور ابوزرعہ پر بھی اور جو حوالہ آپ نے میزان سے اب نقل کیا ہے اس میں وہ بات ہے ہی نہیں جس کا حوالہ میں نے آپ سے طلب کیا تھا اور جسے بتانا آپ کا فرض تھا۔

مجھے قاضی صاحب کے حوصلہ و جرأت پر تعجب ہوتا ہے کہ اتنی فاش غلطیوں کے باوجود بولتے چلے جاتے ہیں حالانکہ ایک ناصح مشفق نے ان جیسے حضرات کو

نصیحت کی ہے ۔

مَنْ کَانَ ھٰذَا الْقَدْرُ مَبْلَغَ عِلْمِہٖ

فَلْیَسْتَتِرْ بِالصَّمْتِ وَالْکِتْمَانِ

احادیث میں تعارض:

قاضی صاحب نے اپنی پہلی تحریر میں احادیث کو نا قابل عمل ٹھہرانے کے لیے لکھا تھا: ''آخر میں آپ سے سوال ہے کہ آپ سب احادیث پر عمل کرتے ہیں یا بعض پر؟ سب پر آپ عمل کر ہی نہیں سکتے کیونکہ بعض احادیث آپس میں متعارض ہیں الخ ''۔

میں نے اس پر لکھا تھا:

''یہ سوال ہم نے اس سے پہلے کسی مسلمان سے نہیں سنا۔ ہمیشہ منکرین حدیث یا منکرین اسلام سے سنتے آئے ہیں کیونکہ مسلمان کے عقیدہ کی رو سے احادیث میں تعارض ہو ہی نہیں سکتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وَلَوْ کَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰہِ لَوَجَدُوْا فِیْہِ اخْتِلَافًا کَثِیْرًا۔ اللہ کے کلام میں تعارض و اختلاف نہیں ہو سکتا اور یہی اس کی حقانیت کی دلیل ہے' تعارض کا ہونا باطل ہونے کی دلیل ہے۔ حدیث بھی چونکہ وحی ہے اس میں تعارض ہو تو نعوذ باللہ وحی الٰہی میں تعارض لازم آتا ہے آپ نے غور ہی نہیں کیا کہ کیا کہہ رہے ہیں۔ میں ائمہ محدثین کی کاوشوں کا ادنیٰ سا خوشہ چین ہونے کی حیثیت سے آپ کو چیلنج کرتا ہوں کہ آپ وہ احادیث پیش کریں جن میں آپ کو تعارض نظر آتا ہے انشاء اللہ آپ کو سمجھا دوں گا کہ تعارض نہیں فہم کا قصور ہے''۔ (ایک دین چار مذہب ص ۵۱)

اللہ کا شکر ہے کہ قاضی صاحب جو پہلے کہہ رہے تھے کہ ''سب احادیث پر عمل آپ کر ہی نہیں سکتے کیونکہ بعض احادیث متعارض ہیں'' میری گزارشات ملاحظہ

فرمانے کے بعد اب اسی بات پر آ گئے ہیں جو میں نے عرض کی تھی کہ احادیث میں: ''تعارض نہیں، فہم کا قصور ہے''۔ البتہ قاضی صاحب نے لفظ دوسرے استعمال کیے ہیں لکھتے ہیں: ''دو حدیثوں میں ہمارے علم کے اعتبار سے تعارض ہو سکتا ہے۔ نفس الامر میں تعارض نہیں''۔ (اظہار المرام ص۲۲)

میں نے عرض کیا تھا کہ احادیث میں ''تعارض نہیں فہم کا قصور ہے'' قاضی صاحب نے بھی فرمایا: ''احادیث میں نفس الامر (حقیقت) میں تعارض نہیں ہمارے علم کے لحاظ سے تعارض ہو سکتا ہے''۔ بس صرف لفظ فہم اور علم کا فرق باقی رہ گیا اور وہ کوئی فرق نہیں۔ امید ہے آہستہ آہستہ پورے اتفاق کی منزل بھی آ جائے گی ۔

آ ملیں گے سینہ چاکان چمن سے سینہ چاک

باد گل کی ہم نفس باد صبا ہو جائے گی

اس کے بعد بظاہر متعارض احادیث سے تعارض ختم کرنے کا طریق حافظ ابن حجر سے نقل کیا ہے وہ ٹھیک ہے اور اسی کی طرف میں قاضی صاحب کو توجہ دلانا چاہتا تھا۔

میں نے بظاہر متعارض احادیث کو سمجھانے کی جو پیش کش کی تھی اس پر قاضی صاحب فرماتے ہیں: ''اور جناب نے جو فرمایا ہے کہ لاؤ میں تطبیق کروں گا تو کیا آپ کی تطبیق نص قطعی ہے کہ جو تطبیق آپ فرمائیں گے وہی تطبیق نفس الامری بھی ہو گی یا آپ جس حدیث کو ترجیح دیں گے وہ نفس الامر میں رائج ہو گی''۔ (اظہار المرام ص۲۲)

اس کے متعلق میں صرف دو باتیں عرض کرتا ہوں:

① میری اور میرے رہنما تمام ائمہ حدیث کی تطبیق یا ترجیح نص قطعی یعنی فرمان الٰہی کی ہی تعمیل ہے جس کے الفاظ اوپر گزر چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا۔ اب ان احادیث کو تعارض پر باقی رکھنا اور احادیث کے متعارض ہونے کا پروپیگنڈہ کر کے یہ باور کروانا کہ

سب احادیث پر ہم عمل کر ہی نہیں سکتے اس نص قطعی کی تردید ہے اس کی بجائے آیات واحادیث میں غور وفکر کے ساتھ اس تعارض کو دور کرنے کی کوشش اس نص قطعی کی تعمیل ہے۔ آگے اس تطبیق یا ترجیح کا نفس الامری یا نص قطعی ہونا ضروری نہیں ہمارا کام کوشش کرنا ہے اگر ہم درست تطبیق یا ترجیح تک پہنچ گئے تو ہمیں دو اجر ملیں گے اور اگر غلطی ہوگئی تو ایک اجر ملے گا۔ جیسا کہ بخاری اور مسلم میں عبد اللہ بن عمرو اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اِذَا حَکَمَ الْحَاکِمُ فَاجْتَهَدَ وَ اَصَابَ فَلَهٗ اَجْرَانِ وَاِذَا حَکَمَ فَاجْتَهَدَ وَ اَخْطَأَ فَلَهٗ اَجْرٌ وَّاحِدٌ. (مشکوٰۃ ص ۳۲۴)

② اگر آپ میری یا ائمہ حدیث کی تطبیق وترجیح کو اس بنا پر توجہ کے قابل نہیں سمجھتے کہ وہ نص قطعی یا نفس الامری نہیں تو فرمایئے امام ابوحنیفہ کے تمام آراء وقیاسات جن کی طرف لوگوں کو بلانے کے لیے آپ احادیث کو متعارض قرار دے کر ناقابل عمل ٹھہرا رہے ہیں ان میں سے ایک بھی نص قطعی یا نفس الامری ہے؟ کیا ان پر وحی الٰہی کا نزول ہوتا تھا کہ آپ نے ان کے آراء وقیاسات کو جزو ایمان بنایا ہوا ہے۔ تعارض اٹھانے کی کوشش تو اللہ کے کلام کی تعمیل ہے یہ تمام آراء وقیاسات اللہ کے کون سے حکم کی تعمیل ہیں؟ یہاں آپ کو نص قطعی کا مطالبہ کیوں بھول جاتا ہے مثلاً مندرجہ ذیل ارشادات نص قطعی ہیں یا نفس الامری؟

① شرعی محرمات (ماں بہن بیٹی وغیرہ) سے نکاح کر کے جماع کرے تو اس پر حد نہیں (حالانکہ اس جرم کی حد یہ ہے کہ اسے قتل کر دیا جائے مگر یہاں اسے قتل نہیں کیا جائے گا) (ہدایہ ص ۲۱۲ ج ۲ طبع سراج دین)

② کسی عورت کو زنا کے لیے اجرت پر لا کر زنا کرے تو اس پر حد نہیں۔ (عالمگیری ص ۵۳ ج ۲ مطبع احمدی)

③ ہر نشہ آور چیز حرام نہیں۔ (ہدایہ اخیرین ص ۴۸۰ امین کمپنی دہلی)

④ کوئی شخص کسی کو ڈبو کر مار دے تو اس پر قصاص نہیں۔ (ہدایہ کتاب الجنایات)

⑤ کوئی شخص کسی کا سر پتھر سے کچل کر قتل کر ڈالے تو قصاص نہیں۔

(ہدایہ کتاب الجنایات)

⑥ قرآن اور فقہ کی تعلیم کے لیے کسی کو اجرت پر رکھنا جائز نہیں۔ (ہدایہ اخیرین ص ۲۸۷)

⑦ دودھ پلانے کی مدت اڑھائی سال ہے۔ (ہدایہ کتاب الرضاع)

⑧ چور کا ہاتھ کاٹنے کا فیصلہ ہو چکے پھر مال کا مالک اسے وہ چیز ہبہ کر دے یا بیچ دے تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ (ہدایہ ص ۶۵ ج ۲)

نوٹ: چوری کے مسئلہ کی تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمایئے میری کتاب ''چوری کے متعلق قانون الٰہی اور قانون حنفی۔

⑨ ہاتھ کاٹنے کا فیصلہ کر دیئے جانے کے بعد چور چھوٹ کر بھاگ جائے اور اسی وقت نہ پکڑا جائے بلکہ کچھ وقت بعد پکڑا جائے تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

(عالمگیری ص ۶۵ ج ۲۔ احمدی)

(اصل عربی عبارات اور ان کا مکمل ترجمہ اختصار کے پیش نظر نہیں لکھا گیا۔ ضرورت پڑنے پر دونوں لکھ دیئے جائیں گے۔ انشاء اللہ)

تو جب یہ اقوال نہ نص قطعی ہیں نہ نفس الامری بلکہ نصوص قطعیہ کے منافی اور نفس الامر کے خلاف ہیں اور اس کے باوجود آپ کے اکابر مثلاً مولانا محمود الحسن وغیرہم صاحب اقوال کی تقلید اپنے لیے واجب قرار دیتے ہیں تو آپ دوسرے لوگوں سے ان مقامات پر نص قطعی کے لیے کیوں اصرار کرتے ہیں جن پر نص قطعی پیش کرنے کی تکلیف اللہ تعالیٰ نے دی ہی نہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت (جس میں سجدہ کرتے وقت ہاتھ گھٹنوں سے پہلے رکھنے کا حکم ہے) پر قاضی صاحب نے یہاں پھر وہ دو اعتراض دہرائے ہیں جن کا جواب پہلے گزر چکا ہے جن میں سے ایک بخاری کا کلام ہے اور ایک ابن قیم کا

کلام۔ایک اعتراض یہاں نیا کیا ہے کہ ''مشکوٰۃ میں ہے کہ یہ منسوخ ہے'' یہ بات بھی درست نہیں کیونکہ وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب روایت جس میں گھٹنے پہلے رکھنے کا ذکر ہے ثابت ہی نہیں ناسخ کیسے بن گئی؟ اور اگر ثابت بھی ہو تو نسخ کے لیے تاریخ کا علم ضروری ہے فرمایئے وہ ان دونوں روایتوں کے کون سے لفظ سے نکلتی ہے۔

اقوال ابی حنیفہ میں تعارض:

یہ بات واضح کرنے کے بعد کہ احادیث رسول ﷺ میں تعارض نہیں، میں نے لکھا تھا کہ اقوال ابی حنیفہ میں تعارض ہے اگر آپ فرمائیں تو ان کے کلام میں تعارض کا ثبوت پیش کرنا میری ذمہ داری ہے انشاء اللہ۔ (ایک دین ص ۵۲)

الحمد للہ قاضی صاحب نے اس پر سکوت فرمایا کیونکہ امام صاحب کے اقوال کا آپس میں متعارض ہونا روز روشن کی طرح واضح ہے اگر قاضی صاحب انکار کرتے تو میں اس کی مثالیں پیش کرتا۔

محترم قاضی صاحب ایک طرف آیات و احادیث ہیں جن کے متعلق آپ خود مانتے ہیں کہ نفس الامر (حقیقت) میں ان کے اندر تعارض نہیں اور وہ ہیں بھی اللہ کی طرف سے اور ایک طرف اقوال امام ہیں جن کا باہمی تعارض سب دنیا کو معلوم ہے اور وہ اللہ کی طرف سے بھی نہیں۔تو اگر آپ نے اقوال امام کو آیات و احادیث پر ترجیح دی تو وہ جواب سوچ رکھیں جو قیامت کے دن آپ اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کریں گے میرے ساتھ بات کرتے ہوئے ہوسکتا ہے آپ تاویلات کرتے جائیں اور حق کو تسلیم نہ کریں مگر اس دن کو بھی یاد رکھیں جب رسول اللہ ﷺ عدالت الٰہیہ میں امت کے ترک قرآن و حدیث کا استغاثہ دائر کریں گے۔کیا وہاں بھی تاویلات کا یہ چکر چل سکے گا؟

واسطہ کی بحث:

قاضی صاحب نے اپنی پہلی تحریر جب خالد صاحب کے ہاتھ میری طرف

بھیجی اور میں نے اس کی فروگذاشتوں کی نشاندہی اور غلط حوالوں کی تصحیح کے مطالبہ پر مشتمل تحریر قاضی صاحب کی خدمت میں بھیجی تو قاضی صاحب نے بجائے اس کے کہ حوالے صحیح کرتے اور فروگذاشتوں کی اصلاح کرتے' چند سطروں پر مشتمل دوسری تحریر بھیجی جس میں دو کام کیے ایک تو یہ مبارزت کی کہ سامنے آ جاؤ یا بلا لو۔ میں نے اس پر عرض کیا کہ آپ نے پہلے تحریر بھیجی ہے اب اس میں لکھی ہوئی باتوں کا ثبوت بھی تحریری دیجئے یہ تصور ہی دل سے نکال دیجئے کہ میں تحریر کا بہترین طریقہ چھوڑ کر آپ کے للکارنے پر جھگڑنے کے لیے آپ کو بلاؤں گا یا خود آپ کے پاس آؤں گا۔

اور ایک کام انہوں نے یہ کیا کہ بلاضرورت و بلا مناسبت علوم عقلیہ میں مروج اصطلاحات عام گفتگو میں استعمال فرمائیں جن کا ایک مقصد عقلی علوم میں آنجناب کی مہارت کا رعب ڈالنا تھا اور دوسرا مقصد اصل موضوع بحث یعنی اکابر دیو بند کے مشرکانہ عقائد اور اپنی تحریر میں پیش کردہ حوالوں کے ثبوت سے توجہ ہٹا کر غیر متعلق بحث میں الجھانا تھا۔ اگرچہ قاضی صاحب نے اصطلاحات کا استعمال بلا سلیقہ کرنے کے ساتھ بعض اصطلاحات غلط بھی استعمال کی تھیں تاہم میں نے ان سے صرف نظر کیا۔ تاکہ اصل مقصد نگاہوں سے اوجھل نہ ہو جائے۔ اب ''اظہار المرام'' میں چونکہ قاضی صاحب نے یہ بحث شروع کر ہی دی ہے اس لیے میں ان کی عقلی علوم میں مہارت کو بھی آشکارا کرتا ہوں۔

قاضی صاحب نے اپنی دوسری تحریر میں لکھا تھا: ''میرے اور آپ کے درمیان جو شخص واسطہ بنا تھا اس کا تو واسطہ فی العروض والثبوت بننا درکنار' وہ تو واسطہ فی الاثبات بھی نہ بن سکا کیونکہ اس نے میرا پیغام آپ تک پہنچایا نہیں''۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اگر وہ قاضی صاحب کا مزعومہ پیغام پہنچا دیتا تو وہ واسطہ فی الاثبات بن جاتا' پیغام نہ پہنچانے کی وجہ سے واسطہ فی الاثبات نہ بن سکا۔ یہاں قاضی صاحب نے واسطہ فی الاثبات کی اصطلاح بالکل غلط استعمال کی ہے کیونکہ واسطہ فی الاثبات

وہی ہے جسے اہل علم حد اوسط کے نام سے پہچانتے ہیں جو صغری کبری دونوں میں پایا جاتا ہے اور اس کو دونوں قضیوں سے حذف کر دیں تو نتیجہ نکل آتا ہے۔ یہ واسطہ قضایا میں ہوتا ہے۔ مفردات میں ہوتا ہی نہیں۔ اب غور کیجئے کہ پیغام پہنچانے والا قاضی صاحب کے اور میرے درمیان واسطہ فی الاثبات کس طرح بن سکتا ہے؟

علاوہ ازیں آپ کے نزدیک خالد صاحب نے پیغام پہنچانے کی صورت میں واسطہ فی الاثبات بننا تھا۔ میں نے ثابت کر دیا کہ وہ تحریر پہنچانے میں سفیر محض تھا۔ تحریر بھی تو پیغام ہے۔ اب آپ کی رو سے اسے واسطہ فی الاثبات ہونا چاہیے جب کہ میں نے اسے سفیر محض قرار دیا اور آپ نے اس پر سکوت فرمایا۔ ثابت ہوا کہ آپ بھی پیغام پہنچانے والے کا سفیر محض ہونا اور واسطہ فی الاثبات نہ ہونا مان گئے ہیں ورنہ ضرور سفیر محض ہونے کی تردید کرتے۔

میں نے اپنی دوسری تحریر میں لکھا تھا: ''بات تو صرف اتنی ہے کہ آپ نے اپنی مرضی سے ایک تحریر لکھی اور اپنی مرضی سے ہی خالد صاحب کے ہاتھ جواب کے لیے بھیج دی وہ بیچارہ نہ واسطہ فی العروض' نہ فی الثبوت نہ فی الاثبات وہ تو تحریر پہنچانے میں سفیر محض تھا''۔

اس پر قاضی صاحب لکھتے ہیں: ''جواباً گزارش ہے کہ واسطہ سفیر یہ تو واسطہ فی الثبوت کی ایک قسم کا نام ہے نہ کہ واسطہ فی الثبوت سے خارج ہے اور آپ نے واسطہ سفیر یہ کو واسطہ فی الثبوت سے خارج ایک قسم بتایا ہے۔ میرے عزیز یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ واسطہ فی الثبوت کی نفی ہو اور اس کی ایک قسم سفیر یہ ثابت بھی ہو۔ کیا عام اور کلی کے انتفاء سے خاص اور جزئی کی انتفاء لازم نہیں؟ الخ''۔

قاضی صاحب کو غور کرنا چاہیے تھا کہ جب میں نے یہ کہا کہ وہ واسطہ فی العروض بھی نہیں' واسطہ فی الثبوت بھی نہیں اور فی الاثبات بھی نہیں اور ساتھ ہی اس کے سفیر محض ہونے کی تعیین کر دی تو یہ صاف دلیل ہے اس بات کی کہ میں نے جس

واسطہ فی الثبوت کی نفی کی ہے وہ ہے جو سفیر محض کے مقابلے میں ہے نہ وہ جس کی ایک قسم واسطہ سفیریہ ہے۔ اہل علم جانتے ہیں کہ واسطہ فی الثبوت کا لفظ اس واسطہ پر بھی بولا جاتا ہے جس کی ایک قسم سفیریہ ہے اور اس پر بھی بولا جاتا ہے جو سفیریہ کے مقابلے میں ہے۔ اس کے باوجود قاضی صاحب فرما رہے ہیں کہ میں نے اس واسطہ فی الثبوت کی نفی کی ہے جو عام ہے اس سے خاص کی نفی بھی ہوگئی۔ حالانکہ میں نے عام کی نفی کی ہی نہیں صرف خاص کی نفی کی ہے کیونکہ اس کو بھی اصطلاح میں واسطہ فی الثبوت کہتے ہیں اور اس کا واضح قرینہ یہ ہے کہ میں نے اس کی نفی سفیر محض کے مقابلے میں کی ہے۔

لیکن اگر قاضی صاحب اصرار فرمائیں کہ واسطہ فی الثبوت کا لفظ صرف عام پر ہی بولا جاتا ہے خاص پر نہیں بولا جاتا تو اگرچہ یہ بات غلط ہے تاہم اس صورت میں بھی قاضی صاحب کا اعتراض غلط ہے۔ کیونکہ بعض اوقات عام لفظ بول کر اس کی نفی کر دی جاتی ہے۔ مگر مراد اس کے کسی خاص فرد کی نفی ہوتی ہے نہ کہ عام کے تمام افراد کی' بشرطیکہ اس بات کی کوئی دلیل موجود ہو۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَ هُمْ مُّهْتَدُوْنَ۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مستحقین امن اور اصحاب ہدایت ان لوگوں کو قرار دیا ہے جن کے ایمان میں ظلم کی کوئی آمیزش نہ ہو۔ یہاں لفظ میں اگرچہ ظلم کی ہر آمیزش کی نفی کی گئی ہے مگر اس مقام پر ظلم کا صرف ایک فرد شرک مراد ہے نہ کہ ظلم کا ہر فرد۔ کیونکہ اس بات کی دلیل موجود ہے۔ اسی طرح میں نے جو واسطہ فی الثبوت کی نفی کی ہے اس سے مراد عام نہیں بلکہ اس کا صرف ایک فرد ہے دلیل اس کی یہ ہے کہ میں نے خود ہی اس کے دوسرے فرد واسطہ سفیریہ کا اثبات کیا ہے۔

اس کے بعد قاضی صاحب نے حسب عادت ایک بات اپنے پاس سے گھڑ کر میرے ذمے لگائی ہے اور اس پر ایک بیوقوف طالب علم کی انڈوں والی مثال منطبق

کر کے تمسخر اڑایا ہے۔ محترم قاضی صاحب! کیا میں نے کہا ہے کہ ایک واسطہ فی العروض ہے ایک واسطہ فی الثبوت ہے ایک واسطہ فی الاثبات ہے اور ایک ان تینوں کا مجموعہ سفیر یہ ہے؟ یہ خوب انصاف ہے کہ آپ اپنے پاس سے امکان پیدا کر کے ایک غلط بات گھڑ کر میرے ذمے لگائیں اور پھر اس کی پھبتی اڑائیں۔ یہ تضحیک میری کسی بات کی نہیں آپ کی میرے ذمے گھڑ کر لگائی ہوئی بات کی ہے جس سے مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ یہ کوئی نئی بات نہیں بلکہ یہ طریقہ شروع سے ہی چلا آیا ہے۔

هُمْ يَشْتِمُوْنَ مُذَمَّمًا وَ مُحَمَّدٌ
فِيْ مَعْزِلٍ عَنْ شَتْمِهِمْ وَ صِيَانْ

امکان کی اصطلاح:

واسطہ کی اصطلاح پر بات ختم کرتے ہوئے ہم قاضی صاحب کو امکان اور عدم امکان کی بحث کی طرف بھی توجہ دلائیں گے کہ عقلی علوم میں غیر ممکن کا معنی ایسی چیز ہوتا ہے جو محال ہو اور وجود میں آ ہی نہ سکتی ہو۔

میں نے جب قاضی صاحب کی پہلی تحریر کا جواب لکھ کر ان کی خدمت میں بھیجا تو انہوں نے جواب دیا تھا کہ ''میرا وقت معیار ہے اس میں تضعیف کا امکان نہیں الخ اس عبارت میں تحریری جواب کے لیے وقت میں گنجائش نکالنا ناممکن قرار دیا گیا ہے۔ تو جب وقت میں گنجائش نکالنا محال تھا تو اب اظہار المرام کیسے وجود میں آ گئی۔ اس کا مطلب تو یہ ہے کہ حضرت صاحب محالات پر بھی قادر ہیں اور معیار میں تضعیف پر بھی۔ حقیقت یہ ہے کہ قاضی صاحب نے امکان اور معیار دونوں اصطلاحوں کی آبرو خراب کر دی ہے۔

فرقہ سازی:

قاضی صاحب اظہار المرام ص ۲۳ پر فرماتے ہیں: ''حضرت مولانا عبد السلام صاحب اپنی کتاب (ایک دین چار مذہب) ص ۳۲ پر لکھتے ہیں: اختلاف اپنی

جگہ ٹھیک ہے لیکن فرقہ بنانا غلط ہے۔ جواباً عرض ہے کہ آپ بھی تو ایک فرقہ ہیں اور اس فرقہ کو بچانے اور بڑھانے کے لیے آپ کیا کچھ نہیں کرتے کیا آپ کے مدارس فرقہ بڑھانے کے لیے کیا کچھ نہیں کرتے (کذا)''۔

بہتر یہ ہے کہ یہاں ''ایک دین اور چار مذہب'' سے اصل عبارت نقل کر دی جائے کیونکہ قاضی صاحب کے سوال کا جواب اسی میں موجود ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں: ''چاروں اماموں بلکہ امت کے بے شمار ائمہ کے درمیان اختلاف بیشک موجود تھا مگر الگ الگ فرقے انہوں نے نہیں بنائے اس لیے وہ ''ولا تفرقوا'' کی زد میں نہیں آتے۔ دین کو ٹکڑے ٹکڑے تو ان لوگوں نے کیا جنہوں نے تقلید شخصی کو واجب قرار دیا اور حق و انصاف واضح ہونے کے باوجود امام کی غلط بات پر اڑ گئے'' اس کے بعد میں نے شیخ الہند کی ایک عبارت نقل کر کے آخر میں لکھا ہے: ''اسی کا نتیجہ ہے کہ موجودہ سعودی حکومت سے پہلے عین حرم میں چار مصلے حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی قائم تھے کیا ائمہ اربعہ اور صحابہ نے بھی عین حرم میں چار مصلے بنائے تھے؟ معلوم ہوا قصور امام مالک شافعی احمد ابوحنیفہ کا نہیں، ان کی تقلید کی بنا پر فرقے بنانے والوں کا ہے جنہوں نے ایک دین حق کو چار مذہب بنا کر دین نبی ﷺ میں رخنے ڈال دیئے''۔

رہی یہ بات کہ ''آپ بھی تو ایک فرقہ ہیں'' تو یہ ٹھیک ہے مگر بعد میں بنایا ہوا فرقہ نہیں بلکہ ہماری جماعت اس پر قائم ہے جس پر رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ قائم تھے۔ ہماری نسبت نہ کسی شخص کی طرف ہے نہ کسی شہر کی طرف اور نہ کسی بدعقیدے کی طرف۔ یہ جماعت شروع سے ہے نئے فرقے وہ ہیں جنہوں نے اتباع نبی ﷺ کی بجائے امتیوں کی تقلید پر اپنی بنیاد رکھی۔ ان غلط اور بعد میں پیدا ہونے والے فرقوں کے مقابلے میں اصل دین پر قائم لوگ الگ ملت ہیں اسی وجہ سے آنحضرت ﷺ نے جہنم میں جانے والوں کے مقابلے میں نجات پانے والوں کو بھی ایک الگ ملت قرار دیا۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

اَلَا اِنَّ مَنْ قَبْلَکُمْ مِنْ اَھْلِ الْکِتَابِ افْتَرَقُوْا عَلٰی ثِنْتَیْنِ وَ سَبْعِیْنَ مِلَّۃً وَ اِنَّ ھٰذِہِ الْمِلَّۃَ سَتَفْتَرِقُ عَلٰی ثَلَاثٍ وَّ سَبْعِیْنَ. ثِنْتَانِ وَ سَبْعُوْنَ فِی النَّارِ، وَ وَاحِدَۃٌ فِی الْجَنَّۃِ، وَ ھِیَ الْجَمَاعَۃُ.

(اَخْرَجَهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالدَّارِمِیُّ وَغَیْرُھُمْ)

''تم سے پہلے اہل کتاب بہتر ملتوں میں متفرق ہو گئے اور یہ ملت تہتر میں بٹ جائے گی۔ بہتر آگ میں ہوں گے اور ایک جنت میں اور وہ جماعت ہے''۔

تو محترم مولانا صاحب! جب وہ ملتیں جو آنحضرت ﷺ سے عرصہ دراز کے بعد تقلید شخصی کی بناء پر وجود میں آئیں وہ اپنی اپنی پیشوا بنائی ہوئی شخصیت کے اقوال و آراء و قیاسات کی حفاظت اور اپنے دھڑے کو مضبوط بنانے کے لیے مدارس بناتی ہیں اور تبلیغ کرتی ہیں تو ہم جو اصل پہلی جماعت کے طریق کے پابند ہیں اپنی ملت کی حفاظت کے لیے کیوں مدارس نہ بنائیں اور کیوں کوشش نہ کریں۔ اگر دوسرے لوگ دین کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے کی محنت کرتے ہیں تو ہم پر بھی فرض ہے کہ ہم سب مسلمانوں کو اس اصل ملت پر لانے کی محنت کریں جس پر آنحضرت ﷺ اور آپ کے صحابہ تھے جب کہ ابھی تک امام ابوحنیفہ، مالک، شافعی، احمد وغیرہ کا نام و نشان بھی نہ تھا اور نہ کوئی دیوبند یا بریلی کو جانتا تھا۔

اہلحدیث کے مدارس کی ضرورت:

قاضی صاحب فرماتے ہیں:

''کیا یہ مدارس فرقہ بڑھانے کے لیے نہیں ورنہ کتابیں آپ سب مقلدین کی پڑھتے ہیں، استاد آپ کے دیوبندی علماء ہیں تو دیوبندی مدارس میں پڑھا کریں، مستقلاً ادارہ بنانے کی کیا ضرورت ہے؟ مگر آپ نے اپنی چار دیواری بنا رکھی ہے''۔ (اظہار المرام ص ۲۴)

گزارش یہ ہے کہ ہمارے مدارس تمام فرقوں کو ختم کر کے مسلمانوں کو اصل پہلی ملت کی طرف لوٹانے کے لیے ہیں۔ فرقے بڑھانے کے لیے مختلف ائمہ کے مقلدین کے مدارس ہیں اور یہ جو آپ نے ہمارے متعلق فرمایا ہے کہ کتابیں ہم سب مقلدین کی پڑھتے ہیں یہ بہت بڑا بہتان ہے۔ ہم سب سے پہلے جس کتاب کو پڑھتے ہیں وہ قرآن مجید ہے فرمایئے یہ کس مقلد کی تصنیف ہے پھر احادیث رسول ﷺ کس مقلد کی تصنیف ہیں؟ اگر آپ کہیں کہ احادیث کے مجموعے مرتب کرنے والے امام بخاری مسلم ابوداؤد وغیرہم مقلد تھے تو یہ ان ائمہ پر اتہام ہے یہ ٹھیک ہے کہ بعض لوگوں نے اپنا اپنا فرقہ چمکانے کے لیے ان کو اپنے اپنے فرقہ میں شمار کیا ہے چنانچہ ایک ہی امام کے متعلق ایک فرقہ والے کہتے ہیں کہ وہ شافعی کے مقلد تھے دوسرے کہتے ہیں وہ احمد بن حنبل کے مقلد تھے اور تیسرے کہتے ہیں وہ ابوحنیفہ کے مقلد تھے۔ مگر ان میں سے صرف اس کی بات درست ہوسکتی ہے جو کسی امام کا اپنا اقرار ثابت کرے کہ وہ مقلد تھے اور فلاں کے مقلد تھے مقلدین ان ائمہ کو لاکھ مقلد کہتے پھریں جب وہ ائمہ خود مانتے ہی نہیں کہ ہم مقلد ہیں تو کسی دوسرے کے کہنے کا کیا اعتبار ہے؟ آپ کے پاس اگر ان کا صحیح سند کے ساتھ ثابت کوئی قول موجود ہے کہ ہم مقلد ہیں تو پیش فرمایئے۔

اور یہ جو آپ نے فرمایا ہے کہ ''استاد آپ کے دیوبندی ہیں'' تو اول تو یہ غلط ہے کہ ہمارے سب استاد دیوبندی ہیں اگر ایک آدھ استاذ دیوبندی ہو تو اس سے سب اساتذہ کا دیوبندی ہونا لازم نہیں۔ علاوہ ازیں دارالعلوم دیوبند کا صد سالہ جشن تو کچھ عرصہ پہلے منایا گیا ہے اس ایک سو سال سے پہلے دیوبندی اساتذہ کہاں تھے؟ ویسے دیوبندی یا بریلوی اساتذہ سے پڑھنا کوئی عیب کی بات ہے بھی نہیں۔ آنحضرت ﷺ نے بدر کے کافر اسیروں سے مسلمان بچوں کو تعلیم دلوائی تھی۔ یہ حضرات تو ہمارے کلمہ گو بھائی ہیں۔

اور آپ نے جو لکھا ہے کہ ''دیوبندی مدارس میں پڑھا کریں الگ مدارس بنانے کی کیا ضرورت ہے' تو گزارش یہ ہے کہ ہم تو تیار ہیں ہمیں دیوبندی مدارس میں پڑھنے کے علاوہ کسی دیوبندی عالم کو اپنے مدرسہ میں رکھنے پر بھی کوئی خطرہ نہیں کیونکہ اللہ کے فضل سے ہمارا عقیدہ ودین کچا دھاگہ نہیں کہ تھوڑی سی کشاکش سے ٹوٹ جائے گا۔ مگر دیوبندی حضرات اپنے تقلیدی دین کی کمزوری کی وجہ سے اتنے زبردست حساس ہو گئے ہیں کہ اپنے مدارس میں اہلحدیث استاذ تو دور کی بات ہے اہلحدیث طالب علم کو بھی برداشت نہیں کر سکتے۔ سنت پر عمل انہیں گوارا ہی نہیں۔ دارالعلوم دیوبند سے کتنی دفعہ اہلحدیث طالب علم نکالے گئے۔ دیوبندی مدارس میں کوئی اہلحدیث طالب علم چھپ کر پڑھ لے تو الگ بات ہے ورنہ ظاہر ہو جانے پر انہیں نکالنے کا عمل اب بھی جاری ہے الا ماشاء اللہ۔ آپ نے ہمیں برداشت نہ کیا اور نکلنے پر مجبور کیا تو ہم نے اپنے الگ مدارس قائم کیے۔ دوسری وجہ الگ مدارس بنانے کی آپ کا یہ طرز عمل تھا کہ آپ اپنے مدارس کی آٹھ دس سالہ پوری مدت تعلیم کے ہر سال میں اپنے امام کے اقوال وآراء وقیاسات تو پابندی سے پڑھاتے ہیں تاکہ وہ طلبہ کے رگ وریشہ میں رچ جائیں۔ مگر دانستہ طور پر پوری مدت تعلیم میں ان کو رسول اللہ ﷺ کی حدیث سے ناآشنا رکھتے ہیں صرف آخری سال میں دورہ حدیث کے نام پر انہیں حدیث کی چھ کتابوں سے گزار دیتے ہیں۔ اور دورہ میں شیخ الحدیث کا کام یہ ہوتا ہے کہ وہ ہر اس حدیث کا جواب سمجھائے جو حنفی مذہب کے خلاف ہے فرمایئے یہ حدیث کی تعلیم ہے یا اس کی تردید کی تعلیم؟ ہم نے اپنے الگ مدارس بنائے ہیں تو جس طرح آپ ہر سال اپنے امام کے آراء وقیاسات پابندی سے پڑھاتے ہیں ہم بھی اپنے رسول ﷺ کی احادیث کی کم از کم ایک کتاب ہر سال پابندی سے پڑھاتے ہیں اس سے احادیث اسی طرح ذہن میں نقش ہو جاتی ہیں جس طرح آپ کے ذہنوں میں آراء وقیاسات اور ایک فائدہ اس کا یہ ہے کہ اگر کوئی بچہ حالات سے مجبور ہو کر تعلیم

مکمل کرنے سے پہلے مدرسہ چھوڑ جائے تو حدیث سے بالکل جاہل نہیں رہتا۔ ویسے ہم حدیث کے ساتھ پہلے دو سال چھوڑ کر ہر سال میں آراء و قیاسات کی ایک کتاب بھی ضرور پڑھاتے ہیں تا کہ طالب علم حدیث رسول ﷺ اور آراء و قیاسات کا موازنہ کر سکے۔ تو محترم یہ مجبوریاں ہیں جن کی وجہ سے ہم نے الگ مدارس بنائے ہیں ورنہ آپ سے جدائی ہمیں بھی گوارا نہ تھی ۔

ضرورت است وگرنہ خدائے مے داند

کہ ترک صحبت جاناں نہ اختیار من ست

مثال کے لیے ایک مدرسہ کی بنیاد رکھنے کا باعث جو واقعہ ہوا پیش کرتا ہوں۔

مدرسہ اوڈانوالہ کیوں بنایا گیا:

مولانا فضل الٰہی وزیر آبادی کی سوانح میں لکھا ہے کہ:

"مدرسہ اوڈانوالہ کو شروع کرنے کی وجہ یہ تھی جس کو خود صوفی (عبداللہ) صاحب (بانی مدرسہ) نے بایں الفاظ بیان فرمایا کہ ایک دفعہ آٹھ آدمی (جماعت مجاہدین کی طرف سے) بطور سفارت ہندوستان دورہ پر جا رہے تھے رات ہم پشاور مختلف مسجدوں میں چلے گئے۔ ہم دو آدمی جس مسجد میں ٹھہرے وہاں کے مولوی صاحب ہم کو کریدنے لگے ہم بہت پریشان تھے کہ کیا کہیں کیونکہ انگریز کی جاسوسی بڑے زوروں پر تھی بالآخر میں نے کہا ہم درویش ہیں اور علم حاصل کرنا چاہتے ہیں اس نے کہا یہاں کوئی مدرسہ نہیں تم دیوبند کے مدرسہ میں چلے جاؤ میں نے کہا ہمارے پاس تو اتنے روپے نہیں کہ ہم وہاں جاسکیں اس نے کہا خرچ ہم دیتے ہیں۔ میں نے کہا ہم آٹھ آدمی ہیں اس نے کہا خواہ بیس ہوں ہم خرچہ دیں گے۔ میں نے کہا تم اتنا خرچہ کہاں سے دو گے اس نے کہا ہم کو دیوبند کی طرف سے تنخواہ ملتی ہے ہم طلباء کو بھی بھیجتے ہیں اور ان کے اخراجات کے لیے ہمیں باقاعدہ

وظیفہ ملتا ہے۔ خیر ہم نے مصلحت اسی میں سمجھی کہ ان سے روپے لے لیں چنانچہ انہوں نے ہم کو پچاس روپے دے دیئے میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ یہ مال ہمارے لیے جائز نہیں ہے۔ مدرسہ کی رقم ہم کیسے لے سکتے ہیں جبکہ ہم نے تحصیل علم کے لیے جانا ہی نہیں چنانچہ یہ طے پایا کہ چونکہ میرا سفر منتہائے صوبہ بہار تھا اس لیے میں ہی جاتے ہوئے پچاس روپے دیوبند میں جمع کرادوں۔ چنانچہ میں دیوبند گیا تو اس وقت مولانا انور شاہ صاحب ترمذی شریف کا سبق پڑھا رہے تھے اور ایک حدیث جو مسلک اہلحدیث کے موافق تھی اس کی بڑی پرزور تردید فرما رہے تھے۔ مجھ سے نہ رہا گیا تو کہہ ہی دیا کہ حضرت صاحب آپ حدیث پڑھا رہے ہیں یا اس کی تردید کر رہے ہیں؟ انہوں نے پوچھا تو کون ہے۔ میں نے کہا اہلحدیث ہوں۔ میرا یہ کہنا ہی تھا کہ طلباء مجھ کو زدوکوب کرنے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔ انور شاہ صاحب نے انہیں روکا اور مجھے کہا تم یہاں سے چلے جاؤ ورنہ طلباء تمہیں ماریں گے۔ میں نے کہا میں مجاہدین کا آدمی ہوں جہاں جاؤں گا تمہیں بدنام کروں گا۔ چنانچہ انور شاہ صاحب نے طلباء کو سختی سے روکا کہ انہیں کچھ نہ کہنا ورنہ تمہیں بدنام کر دے گا۔ چنانچہ مجھے ایک طالب علم کے سپرد کیا جس کے متعلق غالبًا انور شاہ صاحب جانتے تھے کہ وہ ابھی اصل میں اہلحدیث ہے جب وہ طالب علم مجھے اسٹیشن پر چھوڑنے آیا تو اس نے بتایا کہ ہم تین سو اہلحدیث طلباء ہیں جو یہاں پڑھتے ہیں چونکہ ہمارا کوئی اتنا بڑا مدرسہ نہیں ہے جس میں ہم جاسکیں دہلی کا مدرسہ رحمانیہ اور امرتسر کا مدرسہ غزنویہ اتنے چھوٹے ہیں کہ اتنے زیادہ طلباء کا انتظام نہیں کر سکتے اس لیے ہم مجبوراً یہاں پڑھتے ہیں اور حنفی بن کر پڑھتے ہیں ورنہ ہم کو داخل ہی نہیں کرتے۔

چنانچہ صوفی صاحب جب وہاں سے سوار ہو کر صوبہ بہار میں گئے اور ان کی جماعت کو ترغیب دی کہ تم کوئی تعلیمی ادارہ بناؤ ورنہ حدیث کا نام و نشان اس سرزمین سے مٹ جائے گا۔ میرے ترغیب دلانے پر انہوں نے مدرسہ احمدیہ سرائے لہریہ دربھنگہ میں قائم کیا۔ چونکہ وہ مدرسہ بھی صوبہ بہار کے لیے ہی مفید ہو سکتا تھا اور پنجاب کے طلباء کے لیے ابھی کوئی جگہ کافی نہ تھی چنانچہ صوفی صاحب نے خود مدرسہ بنانے کا فیصلہ کر لیا (چنانچہ اس طرح مدرسہ اوڈانوالہ جو اب ماموں کانجن میں منتقل ہو گیا ہے) وجود میں آیا۔

(سوانح مولانا فضل الٰہی وزیر آبادی از مولانا خالد گھرجاکھی ص۱۲۲)

اہلحدیث یوتھ فورس:

قاضی صاحب فرماتے ہیں:

''اور یہ یوتھ فورس کس لیے ہے؟ کیا افغانستان میں مجاہدین کی مدد اور روس کے خلاف جہاد کے لیے ہے؟ بلکہ اپنا گروہ بچانے اور بڑھانے کے لیے ہے''۔ (اظہار ص۲۴)

مولانا! اہلحدیث نوجوانوں کی قوت منظم ہونے پر آپ اتنے خفا کیوں ہیں؟ ہاں ٹھیک ہے اہلحدیث یوتھ فورس دین کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے والوں کے خلاف اس طریقے کی حفاظت کے لیے ہے جس پر اللہ کے رسول ﷺ اور آپ کے صحابہ تھے۔ افغانستان کے مجاہدین کی مدد اور روس کے خلاف جہاد بھی اس کا مشن ہے۔ بلکہ روس کے ایجنٹوں کے خلاف جہاد بھی اس کا مشن ہے وہ ایجنٹ کہ جب تمام علماء نے متفقہ فتویٰ دیا تھا کہ سوشلزم کفر ہے تو روس کے ان گماشتوں نے کہا تھا سوشلزم اسلام ہے اور سرخ الحاد کے علم بردار پہلی مرتبہ انہی نام نہاد علمائے دین کے کندھوں پر سوار ہو کر پاکستان پر اپنا تسلط قائم کرنے میں کامیاب ہوئے تھے۔ اہلحدیث یوتھ فورس کی جنگ

روس کے خلاف بھی ہے اور اس کے ایجنٹوں کے خلاف بھی۔ جو اس کے ایسے وفادار ہیں کہ باپ سرخ طوفان کا دروازہ کھولنے والوں کا سرخیل تھا تو اس کے دنیا سے چلے جانے کے بعد بیٹا بھی اسی سرخ کفر کی حمایت میں تن من دھن قربان کرنے پر کمر بستہ ہے۔ اللہ تعالیٰ پاکستان کو ان کے مشئوم ارادوں سے محفوظ رکھے آمین۔

کیا خطابت سے برطرف کرنا کافر قرار دینا ہے؟

قاضی صاحب فرماتے ہیں:

”اور گروہ بچانے کے لیے اس سے مذموم کوشش کیا ہو سکتی ہے کہ آپ کے مقامی گروپ کے کسی مسجد میں برادر محترم مولانا حافظ محمد الیاس صاحب خطیب تھے جب مقامی حضرات کو پتہ چلا کہ مولانا کا تعلق دوسرے گروپ سے ہے تو خطابت سے برطرف کر دیا اور اگر مولانا کل پھر آپ کے گروپ میں آ جائیں تو پھر مسلمان بن کر خطابت کے قابل ہو جائیں گے“۔

(اظہار المرام ص ۲۴)

قاضی صاحب! کیا واقعی اس مسجد والوں نے اس لیے حافظ صاحب کو نکالا کہ دوسرے گروپ کا ہونے کی وجہ سے وہ مسلمان نہیں ہیں اور اگر وہ مسجد کے گروپ والوں میں آ جائیں تو مسلمان ہو جائیں گے۔ مولانا صاحب! اللہ سے ڈریں مسجد سے جا کر پوچھ لیں خود حافظ الیاس صاحب سے پوچھ لیں یقیناً سب یہی کہیں گے کہ مسجد کی خطابت سے برطرف کرنے والوں میں سے ایک شخص بھی ایسا نہیں جو یہ سمجھتا ہو کہ حافظ صاحب دوسرے گروپ سے تعلق کی وجہ سے مسلمان نہیں ہیں عالم دین اور ایسا صاف اور صریح بہتان! (تجاوز اللہ عن ذنبك الجلي والخفي)

اصل یہ ہے کہ امام اور مقتدیوں میں جس باہمی اعتماد اور ہم آہنگی کی ضرورت ہوتی ہے وہ باقی نہ رہے تو خطابت کوئی خوشگوار چیز رہتی ہی نہیں یہ کوئی دینی اختلاف نہیں ہے۔ بعض لوگوں کے ہاں تو امام کی بیوی میں خوبصورتی کی کمی ہو یا کسی

عضو میں مخصوص شرائط نہ ہوں تو اسے ان اوصاف کے حامل کے حق میں دستبردار ہونا پڑتا ہے تو اگر ہمارے کسی خطیب کو مقتدیوں سے اتفاق نہ ہونے کی وجہ سے خطیب نہ رہنے دیا گیا ہو تو کون سی تعجب کی بات ہے؟

وہ دعا جو آپ نے آخر پر لکھی تھی کہ رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَ بَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَ اَنْتَ خَيْرُ الْفَاتِحِيْنَ.

اس کے متعلق عرض یہ ہے کہ:

اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَ كُمُ الْفَتْحُ وَ اِنْ تَنْتَهُوْا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَاِنْ تَعُوْدُوْا نَعُدْ وَلَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْئًا وَلَوْ كَثُرَتْ وَ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ.

سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ وَ سَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ.



سورۂ فاتحہ اور احناف

تحریری مناظرہ

امام منفرد اور مقتدی کی نماز میں سورۂ فاتحہ کی اصل اہمیت
کو احناف نے جس طرح ختم کیا ہے اس کی تفصیل اور اس پر مدلّل تنقید

اور

اس مسئلہ پر مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ کے مفتی عبدالشکور
اور مفتی محمد عیسیٰ صاحبان کی دو تحریروں کا جائزہ

از

عبدالسّلام بھٹوی حفظہ اللہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

تعارف

از مولانا حافظ عبدالمنان صاحب نور پوری

برادران اسلام! آپ جانتے ہیں مسلمانوں میں اختلاف کی خلیج آئے دن وسیع تر ہوتی جارہی ہے جس سے کئی ایک سادہ لوح بے دلی کا شکار ہو جاتے ہیں اور ہمت وجرأت کے ساتھ اس اختلاف سے حقیقت کی تلاش کی بجائے یقین وایمان سے ہی برگشتہ ہو بیٹھتے ہیں جب کہ مالی' اقتصادی اور سیاسی امور میں بے حدوحساب اختلاف کے باوجود وہ ان امور میں سے کسی چیز سے دستبردار ہونے کو تیار نہیں حالانکہ اختلافی امور کو حل کرنے کا لائحہ عمل خود اللہ تعالیٰ نے بتا دیا ہے:

﴿فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ﴾ (۵۹/۴)

''پھر اگر جھگڑ پڑو کسی چیز میں تو اس کو لوٹاؤ طرف اللہ کے اور رسول کے اگر یقین رکھتے ہو اللہ پر اور قیامت کے دن پر''۔

اہل انصاف وخرد کو اس اصول کی روشنی میں اختلاف کے مواقع میں صحیح نتیجہ تک پہنچنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آتی وہ ہمیشہ ہر قول کو کتاب وسنت کی کسوٹی پر پرکھنے کے بعد اس پر صحیح اترنے والی بات کے قائل وعامل رہے ہیں اور اب بھی ان کا یہی طرۂ امتیاز ہے اور یہی لوگ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے مستحق ومصداق ہیں:

﴿فَبَشِّرْ عِبَادِ الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ

هَدٰهُمُ اللّٰهُ وَاُولٰٓئِكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ﴾

''سو تو بشارت سنا دے میرے بندوں کو جو سنتے ہیں بات پھر چلتے ہیں اس پر جو اس میں سب سے اچھی ہے وہی ہیں جن کو رستہ دیا اللہ نے اور وہی ہیں عقل والے''۔

صحیح بخاری میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لَا صَلَاةَ لِمَنْ لَّمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ. (ج ا صفحہ ۱۰۴)

''نہیں کوئی نماز اس کی جو نہ پڑھے سورۂ فاتحہ''۔

اس صحیح حدیث کی رو سے کوئی سی نماز بھی سورۂ فاتحہ پڑھنے کے بغیر نہیں ہوتی خواہ وہ نماز امام کی ہو یا اکیلے کی یا مقتدی کی۔

اُدھر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک امام کے پیچھے تو پورے قرآن مجید سے کوئی ایک آیت پڑھنے کی بھی گنجائش نہیں نہ سورۂ فاتحہ سے اور نہ ہی کسی اور سورۃ سے۔ امام محمد رحمہ اللہ موطا میں لکھتے ہیں:

لَا قِرَاءَةَ خَلْفَ الْإِمَامِ فِيْمَا جَهَرَ فِيْهِ وَلَا فِيْمَا لَمْ يَجْهَرْ فِيْهِ بِذٰلِكَ جَاءَتْ عَامَّةُ الْآثَارِ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ. (ص ۹۴)

''امام کے پیچھے کوئی قرأت نہیں نہ جہری نماز میں اور نہ ہی سری نماز میں اسی کے ساتھ عام آثار آئے ہیں اور یہی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے''۔

امام اور اکیلا نمازی قرآن مجید سے کسی سورۃ کی کوئی ایک ہی آیت پڑھ لے تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک قرأت کا فرض ادا ہو جائے گا خواہ وہ سورۂ فاتحہ سے ایک لفظ بھی نہ پڑھیں تو امام اور اکیلے نمازی کے لیے سورۂ فاتحہ اور اس کے بعد کوئی سورۃ پڑھنا امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک فرض نہیں امام محمد رحمہ اللہ موطا ہی میں فرماتے ہیں۔

اَلسُّنَّةُ اَنْ تَقْرَأَ فِي الْفَرِيْضَةِ فِي الرَّكْعَتَيْنِ الْاُوْلَيَيْنِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ

وَسُوْرَةٍ وَفِي الْأُخْرَيَيْنِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَإِنْ لَّمْ تَقْرَأْ فِيْهِمَا أَجْزَاكَ وَإِنْ سَبَّحْتَ فِيْهِمَا أَجْزَاكَ وَهُوَ قَوْلُ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ. (ص۱۰۱)

''سنت ہے کہ تو فرض نماز کی پہلی دو رکعتوں میں تو پڑھے سورۃ فاتحہ اور کوئی اور سورۃ بھی اور دوسری دو رکعتوں میں صرف سورۃ فاتحہ اور اگر تو ان آخری دونوں میں قرأت نہ کرے تو بھی تجھے کافی ہے اور اگر تو ان آخری دونوں میں تسبیح پڑھ لے تو بھی تجھے کافی ہے اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا بھی یہی قول ہے''۔

بعض لوگ کہتے ہیں:

''امام محمد رحمہ اللہ کے کلام میں فیصلہ سنت کا تعلق پہلی دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ کے بعد ایک سورۃ پڑھنے اور دوسری دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ پڑھنے پر اکتفا کرنے کے ساتھ ہے رہا پہلی دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ اور کوئی اور سورۃ یا سورۃ کے بقدر قرآن پڑھنا تو وہ ہمارے ہاں واجب ہے''۔

مگر یہ ان بعض لوگوں کا اپنا ذاتی یا جماعتی خیال ہے اس کو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول قرار دینے کے لیے ان تک صحیح سند درکار ہے جو اب تک مجھے تو نہیں ملی تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک امام یا اکیلا نمازی قرآن مجید کے کسی مقام سے کوئی ایک ہی آیت پڑھ لے سورۂ فاتحہ سے بے شک ایک لفظ بھی نہ پڑھے تو بھی نماز ہو جائے گی کیونکہ ان کے قول کے مطابق قرأت کا فرض ادا ہو گیا۔

غور کیجیے نمازی اکیلا ہو یا امام سورۂ فاتحہ نہ پڑھے قرآن مجید کی کوئی اور ایک ہی آیت پڑھ لے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اس کی نماز ہو گئی اور مقتدی سورۂ فاتحہ یا کوئی آیت پڑھے تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے قول کے مطابق گنہگار ٹھہرے تو سوچئے پھر رسول اللہ ﷺ کا فرمان: ''نہیں کوئی نماز اس کی جو نہ پڑھے سورۃ فاتحہ'' کون سے نمازی کی کون سی نماز کے متعلق ہے؟

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا بالخصوص نام اس لیے ذکر کیا گیا کہ ہمارے ہاں کئی لوگ

ان کی تقلید کا دعویٰ کرتے ہیں ورنہ جو کوئی عالم یا بزرگ اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ہمنوا ہے ہمارے نزدیک وہ اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرح ہی ہے نیز دیگر مسائل میں بھی اہل علم کے اقوال وفتاویٰ حجت نہیں کیونکہ دین میں حجت صرف کتاب وسنت ہے۔

ہمارے قابل احترام حنفی بھائیوں کے لیے لمحہ فکریہ یہ ہے کہ اس صورت میں انہیں کون سی راہ اختیار کرنا ہے اگر وہ یہ کہیں کہ امام اور اکیلے کی نماز سورۂ فاتحہ پڑھنے کے بغیر نہیں ہوتی تو وہ اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مقلد نہیں رہیں گے اور اگر کہیں کہ امام اور اکیلے کی نماز بھی سورۂ فاتحہ پڑھنے کے بغیر ہو جاتی ہے تو ان کی اس مسئلہ میں تقلید تو قائم رہے گی مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان:

''نہیں کوئی نماز اس کی جو نہ پڑھے سورۂ فاتحہ''۔

ہاتھ سے جاتا رہے گا ایمان کا تقاضا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کو ہاتھ سے ہرگز نہ جانے دیا جائے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ یا کسی اور کا قول چھوٹتا ہے تو بے شک چھوٹے اس کی پروا نہ کی جائے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو خاتم الانبیاء والمرسلین ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ تو خالی پیغمبر بھی نہیں پھر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس تو اجتہادی خطا والا عذر موجود ہے اور آپ اس سے بھی تہی دست اور تہی دامن' غور فرمائیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان پڑھ سن کر صرف تقلید امام کی آڑ میں اسے نہ ماننا کہاں کا انصاف ہے؟ کل اللہ تعالیٰ کے ہاں کیا جواب دیں گے؟ نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت وحدیث کے مقابلہ میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی اپنے قول کو چھوڑ دینے والی تلقین کو ملحوظ خاطر رکھیں۔

مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ کے ایک مفتی صاحب کا خیال ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے عندیہ ''کم از کم قرأت جو نماز میں کفایت کر جاتی ہے وہ ایک آیت ہے'' میں ''ایک آیت'' سے مراد سورۂ فاتحہ کے بعد ''ایک آیت'' ہے چونکہ ان کا یہ خیال بالکل خطا تھا اس لیے جب ان کی تحریر ہمارے محترم ساتھی حافظ عبدالسلام

صاحب بھٹوی حفظہ اللہ کی خدمت میں پیش کر کے مطالبہ کیا گیا کہ آپ اس کے تعاقب میں قلم اٹھائیں تو حافظ صاحب موصوف نے اپنی ایک ہی تحریر میں ان کے اس خیال کی خطا کو خوب واضح کیا اور باحوالہ بتایا کہ ان کے نزدیک تو اگر اکیلا اور امام بھی چاروں رکعات میں سے کسی ایک رکعت میں بھی سورۂ فاتحہ نہ پڑھے تو نماز ہو جاتی ہے جب کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ''نہیں کوئی نماز اس کی جو نہ پڑھے سورۂ فاتحہ'' یہ تضاد رفع کرنا ابھی تک مفتی صاحب موصوف کے ذمہ ہے۔

بعض دوستوں نے تجویز پیش کی کہ مفتی صاحب اور حافظ صاحب حفظہما اللہ تعالیٰ کی ان تحریرات کو منظر عام پر آنا چاہیے تاکہ عوام و خواص مستفید ہوں نیز انہیں پتہ چلے کہ حنفی حضرات کا اکیلے اور امام کے نماز میں سورۃ فاتحہ پڑھنے نہ پڑھنے کے متعلق موقف کیا ہے؟ اور ان کے دعویٰ ''رسول اللہ ﷺ کا فرمان ''نہیں کوئی نماز اس کی جو نہ پڑھے سورۂ فاتحہ'' اکیلے اور امام کے متعلق ہے'' کی قدر و قیمت کیا ہے؟ اس تمام تر سعی و کوشش سے غرض کسی کی ''پتہ اچھائی'' نہیں مقصود صرف اور صرف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان ٹوٹی پھوٹی سطروں کو ہی کسی کی ہدایت کا سبب بنا دے تو یہ اس کے لیے کوئی مشکل نہیں۔ وما ذلك على الله بعزيز.

قارئین کرام سے پرزور اپیل ہے کہ وہ عدل و انصاف کا دامن تھامے ہوئے اس رسالہ کو گہری نگاہ سے دیکھیں، غور سے اس کا مطالعہ فرمائیں، کسی نتیجہ تک پہنچے بغیر تدبر و تفکر میں نہ ہاریں اور اختلافات کی وجہ سے بے دل نہ ہوں بلکہ انہیں کتاب و سنت کی کسوٹی پر پرکھیں اللہ تعالیٰ ہم سب کو صحیح معنوں میں کتاب و سنت پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین!

ابن عبدالحق بقلمہ

۱۷/۲/۱۴۰۶ھ

سرفراز کالونی۔ جی۔ ٹی روڈ۔ گوجرانوالہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سببِ تحریر

قرآن مجید کی سورتوں میں سے سورۃ فاتحہ کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اسے قرآن مجید کی سب سے بڑی سورۃ قرار دیا ہے دیکھئے صحیح بخاری ص ۷۴۹ ج ۲۔

اسی حدیث میں آپ ﷺ نے اسے سبع مثانی اور قرآن عظیم بھی قرار دیا ہے۔ صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث قدسی میں اس کا نام ''صلاۃ'' (نماز) رکھا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے ''صلاۃ'' کو اپنے اور اپنے بندے کے درمیان نصف نصف تقسیم کرلیا ہے اس کے بعد ساری نماز کی بجائے صرف سورۃ فاتحہ کی تقسیم کی تفصیل بیان کی گئی ہے کہ بندہ جب ''الحمدللہ رب العلمین'' کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ''میرے بندے نے میری حمد کی'' پوری حدیث صحیح مسلم ص ۱۷۰ ج ۱ میں ملاحظہ فرمائیں۔

اس کے علاوہ آنحضرت ﷺ نے اسے نماز کا ایک ایسا رکن قرار دیا ہے جس کے بغیر کوئی نماز ہوتی ہی نہیں صحیح بخاری اور حدیث کی تقریباً تمام کتابوں میں آپ ﷺ کا فرمان موجود ہے کہ:

''لَا صَلَاةَ لِمَنْ لَّمْ يَقْرَءْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ''.

امام بخاری نے جزء القراءۃ میں فرمایا ہے کہ آنحضرت ﷺ سے تواتر کے ساتھ یہ حدیث آئی ہے کہ:

''جو شخص سورۃ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں''۔

مگر اہل الرائی کے امام حضرت ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن مجید پڑھنے کی وہ مقدار جس کے بغیر نماز نہیں ہوتی صرف ایک آیت مقرر کی ہے۔ اکیلا نمازی ہو یا امام' کوئی ایک آیت پڑھ لے تو نماز ہو جائے گی مقتدی کو ان کے نزدیک یہ ایک آیت پڑھنا بھی ناجائز ہے۔

مسلمان ہونے کی حیثیت میں ہر مسلم کی طرح حضرات احناف کا حق تھا کہ جب صحیح احادیث سے ان پر واضح ہو گیا کہ سورۃ فاتحہ پڑھنے کے بغیر نماز نہیں ہوتی تو وہ اپنے امام کی بات چھوڑ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کو کھلے دل سے قبول کر لیتے کیونکہ امام صاحب کے پاس تو حدیث نہ پہنچنے یا اجتہادی غلطی کا عذر ہو سکتا ہے مگر اب صحیح احادیث واضح ہو جانے کے بعد ہمارے ان بھائیوں کا کیا عذر ہو سکتا ہے؟

مگر انہوں نے کہا کہ ہمارے امام کا مذہب یہ ہے کہ ایک آیت پڑھ لینے سے نماز تو ہو جائے گی مگر سورۂ فاتحہ پڑھنا واجب ہے اس کے چھوڑنے سے گناہ گار ہوگا۔

اگر واقعی امام صاحب کا یہ مذہب ہوتا تو درست یہ بھی نہیں تھا کیونکہ سورۂ فاتحہ نہ پڑھنے سے صرف ایک واجب چیز چھوڑنے کا گنہگار نہیں ہوگا بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق اس کی نماز ہوگی ہی نہیں۔

لیکن اس کا کیا کیا جائے کہ یہ بات کہ "ایک آیت پڑھنا فرض ہے باقی سورۂ فاتحہ پڑھنا واجب ہے" امام صاحب سے ہرگز ثابت نہیں امام محمد بن حسن نے مؤطا میں ان سے سورۃ فاتحہ کے لیے صرف سنت کا لفظ نقل کیا ہے جیسا کہ ہمارے محترم بھائی حافظ عبدالمنان صاحب کے تحریر فرمودہ تعارف میں باحوالہ گذر چکا ہے۔

قرأت میں فرض اور واجب کی یہ تقسیم بہت بعد کے لوگوں نے حدیث کی مخالفت پر پردہ ڈالنے کے لیے ایجاد کی ہے۔ اگرچہ اس ایجاد کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان میں اور امام صاحب کے قول میں بنیادی تضاد پھر بھی بدستور قائم ہے

کہ فرمان رسول اللہ ﷺ کی رو سے کوئی نماز (امام کی ہو یا مقتدی کی یا اکیلے کی) سورۃ فاتحہ کے بغیر نہیں ہوتی اور امام صاحب کے نزدیک مقتدی کے لیے تو ایک آیت پڑھنا بھی ناجائز ہے اور اکیلے نمازی اور امام کی نماز کوئی ایک آیت پڑھنے سے ہو جائے گی۔ یہ بات پھر بھی تسلیم نہیں کی گئی کہ ان کی نماز سورۂ فاتحہ نہ پڑھے جانے کی وجہ سے نہیں ہوگی۔

برادرِ عزیز ماسٹر خالد صاحب نے کوہلو والا کے جناب مشتاق صاحب کے تقاضے پر اس تضاد کی نشاندہی پر مشتمل ایک سوال لکھ کر ان کو دیا جس کا جواب وہ مدرسہ نصرۃ العلوم کے دو مفتی صاحبان سے لکھوا کر لائے اور اصرار کیا کہ اس کا جواب تم اپنے مدرسہ کے کسی استاد سے لکھواؤ جس پر مدرسہ کی مہر لگی ہوئی ہو تو پھر میں اس کا جواب لاؤں گا خالد صاحب نے مجھے جواب لکھنے کے لیے کہا میں نے اس کا جواب لکھا خالد صاحب نے پہلے وہ مشتاق صاحب کے ہاتھ مفتی صاحبان کی خدمت میں بھیجا مسلسل تقاضوں کے باوجود جب مشتاق صاحب جواب نہ لائے تو خالد صاحب نے وہ تینوں تحریریں مفتی صاحبان کو رجسٹری کر کے بھیج دیں مگر آج تک انہیں اس کا جواب نہیں ملا۔ ایک سال تک جواب کا انتظار کرنے کے بعد اب اس تحریری گفتگو کو افادۂ عوام کے لیے شائع کیا جا رہا ہے۔ خالد صاحب نے مفتی صاحبان کو میری تحریر رجسٹری کرتے وقت جو مکتوب تحریر کیا تھا چونکہ اس میں اس گفتگو کے اسباب و واقعات پر روشنی پڑتی ہے اس لیے پہلے وہ مکتوب ملاحظہ فرمائیں اس کے بعد اصل گفتگو پر مشتمل تحریرات ملاحظہ فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو حق سمجھنے' اسے قبول کرنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

کتبہ: ...... عبدالسلام بھٹوی

ذوالقعدہ ۱۴۰۶ھ

مفتی محمد عیسیٰ و مفتی عبدالشکور صاحبان کی خدمت میں

ماسٹر محمد خالد صاحب کا مکتوب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۸/صفر المظفر ۱۴۰۶ھ ۲۳/اکتوبر ۱۹۸۵ء

مکرمی جناب مفتی عبدالشکور و مفتی محمد عیسیٰ صاحبان حفظہما اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ!

گذارش ہے کہ ۲۱ جولائی ۱۹۸۵ء کی بات ہے کہ قاری عطاء اللہ گرل ساز بختے والا ساکن کھیالی میرے پاس تشریف لائے اور کہا کہ جناب مشتاق صاحب ساکن کوہلو والا نے مجھے آج رات کوہلو والا میں مولانا محمد امین اوکاڑوی کی تقریر سننے کی دعوت دی ہے اور کہا ہے کہ اپنے کسی مولوی کو ساتھ لے کر آؤ اور جس طرح جی چاہے بات چیت کرلو۔ البتہ اس وقت تقریر کا موضوع سورۃ فاتحہ ہے۔

چونکہ میں اس سے پہلے دو دفعہ ماسٹر امین صاحب سے زبانی بات چیت کر چکا تھا اور مجھے تجربہ ہو چکا تھا کہ زبانی بات چیت میں فائدہ محدود اور جھگڑے کا امکان زیادہ ہوتا ہے اور بعد میں لوگ غلط دعوے کرنا شروع کر دیتے ہیں کہ ہم نے یہ کر دیا اور وہ کر دیا بلکہ بعض اوقات اپنی کہی ہوئی بات سے انکار کر جاتے ہیں۔ اس لیے میں نے قاری صاحب سے عرض کیا:

> ”بہتر یہ ہے کہ بات چیت تحریری ہوتا کہ کوئی شخص غلط دعویٰ نہ کر سکے اور نہ ہی اپنی بات سے انکار کر سکے۔ میں آپ کو سورۃ فاتحہ کے متعلق ہی ایک سوال لکھ دیتا ہوں کیونکہ اسی پر بات کرنے کی آپ کو دعوت ملی ہے اور کہا گیا ہے جس طرح جی چاہے بات کرلو۔ آپ ماسٹر امین صاحب سے اس کا تحریری جواب لے آئیں اس پر مزید تحریری گفتگو ہوگی تو حق واضح ہو جائے گا“۔

چنانچہ میں نے قاری صاحب کو سوال لکھ کر دے دیا جو کہ ساتھ والی تحریر کے شروع میں درج ہے۔

قاری عطاء اللہ صاحب نے یہ سوال رات کو کوہلو والا میں ماسٹر امین صاحب

کی خدمت میں پیش کیا کہ اس کا تحریری جواب دیں لیکن ماسٹر صاحب نے صرف زبانی جواب اپنی سمجھ کے مطابق دیا' تحریری جواب نہ دیا۔

۲۲/ جولائی ۱۹۸۵ء عثمان ابراہیم (ایم پی اے) ایڈووکیٹ کے دفتر کے پاس ضلع کچہری گوجرانوالہ میں جناب مشتاق صاحب اور قاری عطاء اللہ صاحب دونوں کی مجھ سے ملاقات ہوئی۔ میں نے مشتاق صاحب سے پوچھا کہ کیا آپ ماسٹر امین صاحب سے میرے سوال کا تحریری جواب لائے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ کیسٹ میں موجود ہے۔ میں نے کہا: تحریری سوال کا تحریری جواب چاہیے۔ مشتاق صاحب نے رفع الیدین پر تحریری بات چیت کرنے کی دعوت دی۔ میں نے کہا آپ پہلے اس سوال کا جواب دے لیں پھر ان شاء اللہ اس پر بھی بات کرلیں گے مشتاق صاحب نے ماسٹر امین صاحب سے تحریری جواب لانے کے لیے چھ ماہ کی مہلت مانگی۔ پھر ایک ہفتہ میں مدرسہ نصرۃ العلوم سے تحریری جواب لانے کا وعدہ فرمالیا۔ میں نے ان کے مطالبہ پر سوال کی ایک اور نقل ان کے حوالے کردی۔ کچھ عرصہ بعد مشتاق صاحب نے نصرۃ العلوم سے تحریری جواب لا کر دیا اور ساتھ یہ شرط عائد کی کہ اس کا جواب مدرسہ کے کسی استاد سے لکھوایا جائے اور ساتھ مدرسہ کی مہر بھی ثبت ہو۔ جس طرح ہمارے جواب پر نصرۃ العلوم کی مہر ثبت ہے۔ چنانچہ میں نے حافظ عبدالسلام بھٹوی مدرس جامعہ محمدیہ جی ٹی روڈ گوجرانوالہ سے گذارش کی کہ وہ اس جواب کی حقیقت واضح فرمائیں۔ چنانچہ انہوں نے جواب الجواب لکھا اور مہر جامعہ محمدیہ بھی ثبت کی۔ میں نے بذریعہ قاری عطاء اللہ صاحب مشتاق صاحب کے حوالے تحریر مذکور عیدالاضحیٰ سے قبل کردی۔ مشتاق صاحب نے کئی بار پوچھنے کے باوجود تادم تحریر آپ کی طرف سے کوئی جواب لا کر نہیں دیا اس لیے میں بذریعہ رجسٹری تینوں تحریریں' بندہ کا سوال' آپ کا جواب اور حافظ عبدالسلام صاحب کا جواب الجواب آپ کی خدمت میں بھیج رہا ہوں تا کہ آپ اس کا جواب لکھ سکیں۔

والسلام: محمد خالد بن منظور احمد

ساکن سرفراز کالونی جی ٹی روڈ گوجرانوالہ

سوال از ماسٹر محمد خالد صاحب

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ ثَنَا سُفْيٰنُ قَالَ ثَنَا الزُّهْرِيُّ عَنْ مَحْمُوْدِ ابْنِ الرَّبِيْعِ عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَاصَلٰوةَ لِمَنْ لَّمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ. (صحيح البخاری جلد اوّل كتاب الاذان باب وجوب القراء ة......)

''ہم سے علی بن عبداللہ مدینی نے بیان کیا کہا کہ ہم سے سفیان بن عیینہ نے بیان کیا کہ ہم سے زہری نے بیان کیا محمود بن ربیع سے انہوں نے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جس شخص نے سورۂ فاتحہ نہ پڑھی اس کی نماز نہیں ہوتی''۔

مندرجہ بالا فرمان حضرت نبی کریم ﷺ کا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ جس نے سورۃ فاتحہ نہ پڑھی اس کی نماز نہیں ہوتی ہے اور حضرت الامام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا ارشاد ہے:

"وَاَدْنٰى مَا يُجْزِئُ مِنَ الْقِرَاءَ ةِ فِي الصَّلٰوةِ اٰيَةٌ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ."

(هداية اولين ص ٨١ كتاب الصلوة فصل فی القراء ة)

''یعنی نماز میں اگر ایک آیت پڑھ لی جائے تو نماز ہو جاتی ہے''۔

نبی علیہ السلام نے سات آیتوں والی سورۂ فاتحہ کو نماز کے لیے ضروری قرار دیا ہے اور حضرت الامام نے صرف ایک آیت کو ضروری قرار دیا ہے۔ وضاحت فرمائی جائے۔

آج مورخہ ۲۲/ جولائی ۱۹۸۵ء تحریر مندرجہ بالا کی نقل جناب مشتاق احمد صاحب ساکن کوہلووالا گوجرانوالہ نے برائے تحریری جواب موصول پائی۔

دستخط مشتاق صاحب

الراقم

محمد خالد ساکن سرفراز کالونی جی ٹی روڈ گوجرانوالہ

جواب از مفتی محمد عیسیٰ صاحب نصرۃ العلوم گوجرانوالہ

صاحب ہدایہ نے یہ عبارت صرف قراءت کے بارے لکھی ہے جو سورۃ فاتحہ کے بعد پڑھی جاتی ہے۔ اس عبارت کا موضوع اور عنوان ص ۱۱۵ میں یوں ذکر کیا ہے۔ فصل فی القراءۃ۔ اس سے پہلے ص ۱۰۴ میں ہے:

ثُمَّ یَقْرَءُ فَاتِحَۃَ الْکِتَابِ وَسُوْرَۃً اَوْثَلٰثَ اٰیَاتٍ مِنْ اَیِّ سُوْرَۃٍ شَاءَ.

''یعنی سورۃ فاتحہ پڑھے اور اس کے ساتھ ایک پوری سورۃ یا تین آیات پڑھے''۔

سائل عبارت کا مفہوم نہیں سمجھا۔ البتہ فاقرء وا ما تیسر من القرآن فاتحہ اور غیر فاتحہ سب کو شامل ہے۔ اس کی پوری تفصیل حضرت مولانا مفتی عبدالشکور نے لکھ دی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عیسیٰ عفی عنہ

نصرۃ العلوم گوجرانوالہ

۱۳/ ذیقعدہ ۱۴۰۵ھ

مہر

مدرسہ نصرۃ العلوم



جواب از مفتی عبدالشکور صاحب نصرۃ العلوم گوجرانوالہ

الجواب ومنه الصدق والصواب

مذکورہ بالا روایت سے مطلقاً فاتحہ خلف الامام پر استدلال کرنا درست نہیں کیونکہ دعویٰ خاص اور دلیل عام ہے نہ اس میں مقتدی کی قید موجود ہے اور نہ خلف الامام کی اور جب تک دعویٰ اور دلیل میں مطابقت نہ ہوتو دعویٰ قابل[1] مسموع نہیں ہوسکتا ائمہ حدیث میں حضرت امام احمدؒ حضرت سفیان ثوری حضرت ابن عیینہؒ، حضرت امام زہریؒ جیسے ائمہؒ راویان حدیث نے امام اور منفرد کے حق میں قرار دیا ہے مقتدی کو اس میں شامل نہیں کیا کیونکہ حضرت جابر ابن عبداللہ صحابی رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً اور موقوفاً ثابت ہے:

"مَنْ صَلّٰی رَکْعَةً لَمْ یَقْرَءْ فِیْهَا بِاُمِّ الْقُرْاٰنِ فَلَمْ یُصَلِّ اِلَّا وَرَاءَ الْاِمَامِ".

مؤطا امام مالک، طحاوی، ترمذی میں موجود ہے جس نے کوئی رکعت پڑھی جس میں سورۃ فاتحہ نہیں پڑھی اس نے نماز نہیں پڑھی مگر امام کے پیچھے (ہوتو نماز ہو جائے گی) امام ترمذی کہتے ہیں کہ امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا کہ رسولؐ اللہ کا یہ ارشاد:

لَا صَلٰوةَ لِمَنْ لَّمْ یَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْکِتَابِ.

کا مطلب یہ ہے کہ جب تنہا نماز پڑھے تو سورۃ فاتحہ کے بغیر نماز نہ ہوگی۔ دیکھیے جابر بن عبداللہ صحابی رضی اللہ عنہ اس حدیث کا یہی مطلب بیان فرماتے ہیں دوسرا صحیح حدیث سے ثابت ہے:

مَنْ کَانَ لَهٗ اِمَامٌ فَاِنَّ قِرَاءَتَهٗ لَهٗ قِرَاءَةٌ.

جو کسی امام کے پیچھے نماز پڑھے اس کی قرأت اس کے لیے بھی قرأت ہے تو اب یہ کہنا صحیح نہیں کہ مقتدی نے سورۃ فاتحہ نہیں پڑھی جب امام نے پڑھ لی ہے تو اس نے بھی حکماً پڑھ لی ہے گو زبان سے نہیں پڑھی کیونکہ مقتدی کو حدیث صحیح میں قراءۃ

---

[1] یہ لفظ مفتی صاحب نے اسی طرح لکھا ہے۔

امام کے وقت خاموش رہنے کا حکم ہے: اِذَا قَرَأَ الْاِمَامُ فَاَنْصِتُوْا .
اور یہی قرآن میں حکم ہے۔

❶ حضرات احناف اس حدیث کے منکر نہیں بلکہ احناف کے نزدیک بھی فاتحہ کا پڑھنا ضروری ہے منفرد اور امام کو خود پڑھنا ضروری ہے اور مقتدی کو پڑھنا ضروری نہیں کیونکہ امام کی قراءۃ مقتدی کی قراءۃ ہے۔

❷ نماز میں سورۃ فاتحہ کا پڑھنا بھی واجب ہے اور اس کے ساتھ سورۃ ملانا بھی واجب ہے۔

اگر کوئی منفرد یا امام سورۃ فاتحہ نہ پڑھے اور باقی قرآن شریف پڑھ لے تو نماز ناقص اور واجب الاعادہ ہے۔ اسی طرح اگر سورۃ فاتحہ پڑھ لی جائے اور قرآن کریم کی کوئی سورۃ ساتھ نہ ملائی جائے تو نماز ناقص ہے کیونکہ واجب چھوٹ گیا۔ یہ تو تفصیل واجب کی ہوئی' ایک ہے قراءۃ کی فرض مقدار جو ایک بڑی آیت یا چھوٹی تین آیات ہے اگر کسی نے نماز میں قرآن پاک سے بڑی ایک آیت یا چھوٹی تین آیات پڑھ لی تو قراءۃ کی فرض مقدار ادا ہو گی لیکن واجب کے چھوٹ جانے سے نماز ناقص اور واجب الاعادہ ہو گی۔

امام صاحب کی ہرگز یہ مراد نہیں اور نہ آپ کا مذہب ہے کہ صرف ایک آیت کے پڑھنے سے نماز کامل ہو جاتی ہے۔ بلکہ اس میں قراءۃ کی مقدار فرض کا ذکر ہے اور کوئی شخص نماز میں مالک یوم الدین تک سورۃ فاتحہ پڑھ لے تو قراءۃ فرض کی مقدار پوری ہو جاتی ہے کیونکہ سورۃ فاتحہ بھی تو قرآن کا جزو ہے لہٰذا اس سے یہ تاثر دینا کہ امام صاحب سورۃ فاتحہ کے منکر ہیں درست نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب

احقر عبدالشکور عفا اللہ عنہ

دارالافتاء مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ

مہر مدرسہ نصرۃ العلوم

۱۴۰۵/۱۱/۶ھ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

دونوں مفتی صاحبان کے جواب کا ردّ

......از عبدالسلام بھٹوی......

ماسٹر محمد خالد صاحب کے ایک سوال کا جواب جو مدرسہ نصرۃ العلوم کے دو مفتی صاحبان نے لکھا ہے ماسٹر صاحب نے مجھے لا کر دیا تا کہ میں اس کی حقیقت واضح کروں۔ یہ تحریر اسی مقصد کے لیے لکھی گئی ہے۔ **وما توفیقی الا باللّٰہ**

سوال میں جو چیز دریافت کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

"جس شخص نے سورہ فاتحہ نہ پڑھی اس کی نماز نہیں ہوئی"۔

اور امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں: "نماز میں اگر ایک آیت پڑھ لی جائے تو نماز ہو جاتی ہے"۔

سائل سمجھنا چاہتا ہے کہ دونوں کے اقوال میں اتنا تضاد کیوں ہے؟ اور ایک مسلمان' اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان میں سے کون سا قول ماننے کا مکلف ہے؟

اس کے جواب میں دونوں مفتی صاحبان نے کوئی دلیل اس تعارض کو ختم کرنے کی نہیں لکھی۔[1]

پہلے ہم جناب مفتی محمد عیسیٰ صاحب کے موقف کا جائزہ لیتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا ہے:

"صاحب ہدایہ نے یہ عبارت صرف قرأت کے بارے لکھی ہے جو سورۂ فاتحہ کے بعد پڑھی جاتی ہے۔ اس عبارت کا موضوع اور عنوان ص ۱۱۵ میں یوں ذکر کیا ہے: **فَصْلٌ فِي الْقِرَاءَةِ**. اس سے پہلے ص ۱۰۴ میں ہے **ثُمَّ يَقْرَءُ فَاتِحَةَ الْكِتَابِ وَسُوْرَةً اَوْثَلٰثَ اٰيَاتٍ مِنْ اَيِّ سُوْرَةٍ شَاءَ** یعنی سورۃ فاتحہ پڑھے اور اس کے

---

[1] بلکہ حقیقت میں دونوں مفتی صاحبان کا جواب بھی آپس میں متعارض ہے۔ ایک صاحب "ادنی مایجزی من القراء ۃ آیۃ" کو سورۃ فاتحہ کے علاوہ قرار دے رہے جب کہ دوسرے کہہ رہے ہیں کہ اگر کسی نے نماز میں قرآن سے بڑی ایک آیت یا چھوٹی تین آیات پڑھ لی تو قراء ۃ کی فرض مقدار ادا ہوگئی۔ از عبدالسلام

ساتھ ایک پوری سورۃ یا تین آیات پڑھے سائل عبارت کا مفہوم نہیں سمجھا"۔

حقیقت یہ ہے کہ مفتی صاحب خود عبارت کا مفہوم نہیں سمجھے یا پھر انہوں نے دانستہ طور پر مغالطہ دیا ہے کیونکہ "ثُمَّ یَقْرَءُ فَاتِحَةَ الْكِتَابِ الخ" والی عبارت میں اور "اَدْنٰی مَا یُجْزِئُ مِنَ الْقِرَاءَةِ فِی الصَّلَاةِ اٰیَةٌ" والی عبارت میں پیوند نہیں لگایا جا سکتا۔ کیونکہ صاحب ہدایہ نے ثم یقرء فاتحۃ الکتاب یعنی سورہ فاتحہ پڑھے الخ اس سلسلہ کلام میں ذکر کیا ہے جس میں نماز کا طریقہ ذکر کیا ہے اور فرائض وسنن سب ذکر کیے ہیں یعنی وہ چیزیں بھی جن کے بغیر نماز نہیں ہوتی اور وہ بھی جن کے بغیر ہو جاتی ہے چنانچہ اس عبارت کے ساتھ ہی خود صراحت کر دی ہے:

فَقِرَاءَةُ الْفَاتِحَةِ لَا تَتَعَیَّنُ رُكْنًا عِنْدَنَا وَكَذَا ضَمُّ السُّوْرَةِ اِلَیْهَا.

یعنی سورہ فاتحہ ہمارے نزدیک ایک رکن کی حیثیت سے متعین نہیں ہے نہ ہی اس کے ساتھ سورۃ ملانا جب کہ شافعی اور مالک ہمارے خلاف ہیں مختصراً اور پھر اپنے مخالفین کی دلیل یہ حدیث لکھی ہے: لَا صَلٰوةَ لِمَنْ لَّمْ یَقْرَءْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ. اور اپنی دلیل: فَاقْرَءُوْا مَا تَیَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ. لکھی ہے اگر صاحب ہدایہ کا مطلب ہے کہ: اَدْنٰی مَا یُجْزِئُ مِنَ الْقِرَاءَةِ فِی الصَّلٰوةِ اٰیَةٌ. سے مراد سورۃ فاتحہ کے بعد ایک آیت ہے تو یہ تو انہوں نے امام مالک کا مذہب بتا کر اپنے خلاف قرار دیا ہے کیونکہ وہ سورۃ فاتحہ وما زاد کو نماز کا رکن قرار دیتے ہیں اور فصل فی القراءۃ میں امام ابوحنیفہ کا قول اس قراءت کے متعلق لکھا ہے جس کے بغیر نماز نہیں ہوتی جو مُجْزِی فِی الصَّلَاةِ ہے اور رکن ہے۔ اور وہ صرف ایک آیت ہے۔

اب آپ وہ ساری عبارت ملاحظہ فرمائیں جس میں صاحب ہدایہ نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور صاحبین کا مسلک اور ان کی دلیلیں ذکر کی ہیں اس سے صاف ظاہر ہے کہ ان کی مراد مطلق قرأت ہے سورۃ فاتحہ کے بعد قرأت نہیں، چنانچہ فرماتے ہیں:

"وَاَدْنٰی مَا یُجْزِئُ مِنَ الْقِرَاءَةِ فِی الصَّلَاةِ اٰیَةٌ عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَةَ وَقَالَا

ثَلٰثُ اٰیَاتٍ قِصَارٌ اَوْ اٰیَةٌ طَوِیْلَةٌ لِاَنَّهٗ لَا یُسَمّٰی قَارِیًا بِدُوْنِهٖ فَاَشْبَهَ قِرَاءَةً مَادُوْنَ الْاٰیَةِ وَلَهٗ قَوْلُهٗ تَعَالٰی فَاقْرَءُوْا مَا تَیَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ مِنْ غَیْرِ فَصْلٍ اِلَّا اَنَّ مَا دُوْنَ الْاٰیَةِ خَارِجٌ وَالْاٰیَةُ لَیْسَتْ بِمَعْنَاهُ''۔

''یعنی نماز میں کم از کم جتنی قرأت مجزی ہے (یعنی جس سے نماز ہو جاتی ہے) ابوحنیفہؒ کے نزدیک ایک آیت ہے اور صاحبین نے کہا: تین چھوٹی آیتیں یا ایک لمبی آیت۔ کیونکہ اس کے بغیر اسے قرآن پڑھنے والا نہیں کہا جاتا تو وہ ایک آیت سے کم پڑھنے کے مشابہ ہو جائے گا۔ اور امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان ''فاقرء وا ما تیسر من القران. یعنی پڑھو جو میسر ہو قرآن سے'' میں (چھوٹی یا بڑی آیت کا) کوئی فرق نہیں کیا گیا مگر ایک آیت سے کم ہو تو وہ خارج ہے اور پوری آیت پڑھنا اس کے معنی میں نہیں''۔

مفتی صاحب غور فرمائیں کہ یہ جو کہا گیا ہے کہ ایک لمبی یا تین چھوٹی آیتوں سے کم پڑھے تو وہ قرآن پڑھنے والا نہیں کہلاتا تو کیا اگر پوری سورۃ فاتحہ کے بعد صرف آدھی آیت پڑھی جائے' پوری ایک لمبی یا تین چھوٹی آیات نہ پڑھی جائیں تو یہ ساڑھے سات آیات پڑھنے والا بھی قرآن پڑھنے والا نہیں کہلا سکتا اور یہ ساڑھے سات آیات بھی خارج از اسم قرآن ہیں؟

حقیقت یہی ہے کہ صاحب ہدایہ امام صاحب کا قول ''صرف ایک آیت'' بیان کر رہے ہیں خواہ فاتحہ سے ہو یا کسی دوسری سورۃ سے۔ سائل نے درست سمجھا ہے۔ اور مفتی صاحب حدیث رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اس قول کی مخالفت دور نہ کر سکنے کی بنا پر مغالطہ دینے پر مجبور ہوئے ہیں۔

ایک اور دلیل:

اس کی ایک اور دلیل پیش خدمت ہے۔ صاحب ہدایہ نے ''اَدْنٰی مَایُجْزِئُ مِنَ الْقِرَاءَةِ فِی الصَّلَاةِ اٰیَةٌ'' سے پہلے جو مسئلہ بیان کیا ہے اس سے بھی صاف معلوم

ہوتا ہے کہ یہاں مجزی من القراءۃ سے سورۃ فاتحہ کے بعد ایک آیت مراد نہیں چنانچہ فرماتے ہیں:

"وَمَنْ قَرَءَ فِي الْعِشَاءِ فِي الْاُوْلَيَيْنِ السُّوْرَةَ وَلَمْ يَقْرَءُ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ لَمْ يُعِدْ فِي الْاُخْرَيَيْنِ الخ"۔[1]

"یعنی جو شخص عشاء کی پہلی دو رکعتوں میں کوئی سورۃ پڑھ لے مگر سورۃ فاتحہ نہ پڑھے وہ دوسری دو رکعتوں میں نہ لوٹائے"۔

یہاں ایک شخص نے پہلی دو رکعتوں میں سورۃ فاتحہ نہیں پڑھی کوئی دوسری سورۃ پڑھی دی ہے اسے دوسری دو رکعتوں میں بھی سورۃ فاتحہ پڑھنے سے روکا جا رہا ہے چنانچہ نہ پہلی دو رکعتوں میں فاتحہ پڑھی گئی نہ دوسری دو رکعتوں میں۔

اب آپ کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ "اَدْنٰی مَا يُجْزِئُ مِنَ الْقِرَاءَةِ اٰيَةٌ" والی عبارت صرف اس قرأت کے بارے لکھی ہے جو سورہ فاتحہ کے بعد ہے؟

مفتی عبدالشکور صاحب کے جواب کی حقیقت:

مفتی عبدالشکور صاحب نے اپنی تحریر کا نصف سے زیادہ حصہ ایک ایسے سوال کے جواب میں صرف فرمایا ہے جو سائل نے کیا ہی نہیں چنانچہ فرماتے ہیں:

"مذکورہ بالا روایت سے مطلقاً فاتحہ خلف الامام پر استدلال درست نہیں کیونکہ دعویٰ خاص اور دلیل عام ہے نہ اس میں مقتدی کی قید موجود ہے اور نہ خلف الامام کی' اور جب تک دعویٰ اور دلیل میں مطابقت نہ ہو تو دعویٰ قابل مسموع[2] نہیں ہوسکتا"۔

حالانکہ سائل کا سوال یہ ہے کہ "آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں جس شخص نے

---

[1] عالمگیری میں یہ عبارت ہدایہ کے حوالے سے نقل کی گئی ہے اس میں صراحت ہے "لم يعد الفاتحة في الاخريين" یعنی پچھلی دو رکعتوں میں سورۃ فاتحہ نہ لوٹائے۔ دیکھئے عالمگیری طبع احمدی ص ۲۶ ج ۱

[2] مفتی صاحب نے یہ لفظ اسی طرح لکھا ہے۔

سورۃ فاتحہ نہ پڑھی اس کی نماز نہیں ہوئی اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ نماز میں ایک آیت پڑھ لی جائے تو نماز ہو جاتی ہے'' فرمایئے سائل کے سوال میں کہیں عینک لگا کر دیکھنے سے بھی مقتدی یا خلف الامام نظر آتا ہے؟ چونکہ جواب کا یہ حصہ سوال سے غیر متعلق ہے اس لیے نہایت کمزور باتوں پر مشتمل ہونے کے باوجود میں اس سے صرف نظر کرتا ہوں صرف ایک بات واضح کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ جب آنحضرت ﷺ نے عام طور پر سورۃ فاتحہ نہ پڑھنے والے ہر شخص کی نماز کی نفی فرما دی تو اس سے سورہ فاتحہ نہ پڑھنے والے امام کی نماز کی بھی نفی ہو گئی' مقتدی کی بھی اور منفرد کی بھی۔ کیونکہ یہ مسلمہ قاعدہ ہے کہ عام کی نفی ہو جائے تو اس کے نیچے جتنے بھی خاص ہوں سب کی نفی ہو جاتی ہے۔ چنانچہ مولانا سرفراز خاں صاحب صفدر فرماتے ہیں: عام کی نفی سے خاص کی نفی عین عقلی اور منطقی قاعدہ ہے احسن الکلام ص ۱۵۲۔۱۵۳' طبع دوم۔ معلوم ہوا کہ آپ ؐ کے ارشاد: ''جس شخص نے سورۃ فاتحہ نہ پڑھی اس کی نماز نہیں'' میں عام کی نفی کی وجہ سے امام' منفرد اور مقتدی سب کی نماز کی سورۃ فاتحہ کے بغیر نفی ہو گئی۔

اس کے باوجود سمجھنے کی خاطر ایک منٹ کے لیے مفتی صاحب مقتدی کو نکال دیں صرف امام اور منفرد کو لے لیں۔ رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے مطابق سورۃ فاتحہ پڑھنے کے بغیر ان کی نماز نہیں ہو گی جب کہ امام ابوحنیفہ کے ارشاد کے مطابق ایک آیت سے ہو جائے گی۔ سائل کا سوال یہ ہے کہ یہ تضاد دور فرمائیں۔

تضاد دور کرنے کی کوشش:

جواب کے آخری حصہ میں مفتی صاحب نے اس تضاد کو دور کرنے کی کوشش فرمائی ہے مفتی محمد عیسیٰ صاحب کی طرح مغالطہ نہیں دیا بلکہ مفتی محمد عیسیٰ صاحب کی یکجا کردہ دونوں عبارتوں کو اپنی اپنی جگہ پر رکھا ہے۔ چنانچہ انہوں نے قرأت کے ضروری ہونے کی تین قسمیں بنائی ہیں۔ فرماتے ہیں:

''ایک ہے قرأت کی فرض مقدار جو ایک بڑی آیت یا چھوٹی تین آیات ہے اگر کسی نے نماز میں قرآن پاک سے بڑی ایک آیت یا چھوٹی تین

آیات پڑھ لی قراٗۃ کی فرض مقدار ادا ہوگئی۔ لیکن واجب کے چھوٹ جانے سے نماز ناقص اور واجب الاعادہ ہوگی امام صاحب کی ہرگز یہ مراد نہیں اور نہ آپ کا مذہب ہے کہ صرف ایک آیت پڑھنے سے نماز کامل ہو جاتی ہے بلکہ اس میں قراٗۃ کی مقدار فرض کا ذکر ہے اور کوئی شخص نماز میں مالک یوم الدین تک سورۃ فاتحہ پڑھ لے تو قراءۃ فرض کی مقدار پوری ہو جاتی ہے الخ''۔

اس سے پہلے لکھتے ہیں:

''نماز میں سورۃ فاتحہ کا پڑھنا بھی واجب ہے اور اس کے ساتھ سورۃ ملانا بھی واجب ہے اگر کوئی منفرد یا امام' سورۃ فاتحہ نہ پڑھے اور باقی قرآن شریف پڑھ لے تو نماز ناقص اور واجب الاعادہ ہے اس طرح اگر سورۃ فاتحہ پڑھ لی جائے اور قرآن کریم کی کوئی اور سورۃ ساتھ نہ ملائی جائے تو نماز ناقص ہے کیونکہ واجب چھوٹ گیا''۔

اس سے معلوم ہوا کہ مفتی صاحب نے ضروری قرأت کی تین قسمیں بنائی ہیں:

1. ایک بڑی آیت یا تین چھوٹی آیات کی مقدار فرض ہے اس کے بغیر نماز نہیں ہو گی نہ کامل نہ ناقص۔ (ہدایہ میں یہ مذہب صاحبین کا لکھا ہے امام ابوحنیفہ کا مذہب صرف ایک آیت لکھا ہے چھوٹی ہو یا بڑی)
2. سورۃ فاتحہ کی قرأت واجب ہے اس کے چھوڑنے سے نماز ناقص اور واجب الاعادہ ہوگی۔ مگر یہ نہیں فرمایا کہ وہ ہوگی ہی نہیں۔
3. سورۃ فاتحہ کے ساتھ قرآن کے کچھ اور حصہ کی قرأت' ایسا واجب ہے کہ اس کے چھوڑنے سے نماز ناقص ہے مگر یہاں اسے واجب الاعادہ نہیں فرمایا۔

ضروری قرأت کی تین قسمیں بنانے کے باوجود سائل کا سوال اپنی جگہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے جس شخص نے سورۃ فاتحہ نہیں پڑھی اس کی نماز نہیں ہوئی جب کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ایک آیت پڑھنے سے ہو جاتی ہے۔ آپ کو اتنی محنت کی ضرورت ہی نہ تھی تعارض صرف یوں اٹھتا تھا کہ جس طرح رسول اللہ ﷺ کے

فرمان کے مطابق سورۃ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی آپ فرماتے کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بھی سورہ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی اور اس کا حوالہ پیش فرما دیتے۔ اس کے بغیر آپ لاکھ کہیں سورۃ فاتحہ کے بغیر ناقص ہے' یہ ہے' وہ ہے' جب تک ''نہیں ہوتی'' امام صاحب سے ثابت نہ کریں تعارض نہیں اٹھ سکتا۔ مگر آپ نے یہ بات نہیں لکھی۔

سائل کا سوال تو حل نہ ہوا ہاں آپ کی اس تقسیم سے کئی اور سوال پیدا ہو گئے:

❶ ضروری قرأت کی یہ تین قسمیں امام ابوحنیفہؒ نے بنائی ہیں یا آپ اور آپ کے علماء نے؟ اگر امام صاحب نے بنائی ہیں تو آپ کی ذمہ داری ہے کہ حوالہ لکھیں جہاں صحیح سند کے ساتھ امام صاحب کا قول مذکور ہو کہ مطلق ایک آیت کی قرأت فرض ہے' سورۃ فاتحہ کی قرأت واجب ہے اس کے ترک سے نماز ناقص اور واجب الاعادہ ہوگی اور فاتحہ سے زائد کی قرأت ایسا واجب ہے کہ اس کے ترک سے نماز ناقص ہے۔ آخر امام صاحب کے شاگردان رشید کی کتابیں موجود ہیں جن میں وہ اپنے استاد کے اقوال ذکر فرماتے ہیں۔ امام صاحب کے ہم عصر مصنفین کی کتب میں ان سے سننے والوں سے آپ کے اقوال منقول ہیں۔ بعد کی بہت سی کتابوں میں بھی آپ کے اقوال باسند مل جاتے ہیں۔ اب آپ کی ذمہ داری ہے کہ یہ تینوں قسمیں امام صاحب سے ثابت کریں۔ اپنی اور اپنے علماء کی باتیں امام صاحب کے نام نہ لگائیں۔

❷ اور اگر یہ تقسیم آپ کی اور آپ کے علماء کی ہے تو جب امام صاحب نے بتائی نہیں آپ نے خود اجتہاد شروع کر دیا ہے تو آپ مقلد کیسے رہ گئے۔ پھر غیر مقلدیت سے بچنے کی آپ نے کیا صورت سوچی ہے؟

❸ واجب کا درجہ جو آپ نے ذکر کیا ہے کوئی شرعی درجہ ہے اور رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں موجود تھا یا صرف آپ لوگوں کا فن اور اصطلاح ہے؟

❹ سورۃ فاتحہ سے زائد قرأت کے ترک سے نماز کا اعادہ ضروری ہے یا صرف نماز ہی ناقص ہوتی ہے؟ یہ وضاحت آپ نے نہیں فرمائی۔

5. فاقرء وا ما تیسر من القران سے قرأت کی کسی مقدار کی فرضیت تو آپ کے وضع کردہ قواعد کے مطابق تب نکل سکتی ہے کہ یہ قطعی الثبوت ہونے کے ساتھ ساتھ قطعی الدلالہ بھی ہو یعنی اس کا ایک معنی اتنا واضح اور متعین ہو کہ دوسرے کی گنجائش ہی نہ ہو مگر یہاں امام ابوحنیفہؒ سے اس کا معنی ایک آیت نقل ہو رہا ہے چھوٹی ہو یا بڑی اور صاحبین سے تین چھوٹی آیات یا ایک لمبی آیت استاد اور شاگرد ہی ایک مفہوم پر متفق نہیں ہو سکتے کیا قطعی الدلالہ اسی کو کہتے ہیں کہ استاد اور شاگرد ہی متفق نہ ہو سکیں کہ اس کا معنی کیا ہے۔ پھر ان کے ایک مقلد جو قرآن کی تفسیر میں بھی اپنے حنفی ہونے پر فخر کرنے سے نہیں جھجکتے میری مراد آلوسی حنفی ہیں روح المعانی میں فرماتے ہیں:

فَاقْرَءُ وْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ اَیْ فَصَلُّوْا مَا تَيَسَّرَ لَكُمْ مِنْ صَلَاةِ اللَّيْلِ.

یعنی اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ رات کی نماز جتنی آسانی سے پڑھ سکتے ہو پڑھو تو جس آیت کے مفہوم آپ ہی کے گھر سے کبھی کچھ نکلتے ہوں کبھی کچھ وہ کسی چیز کی فرضیت کی دلیل بن سکتی ہے؟ تو جب آپ کی تقسیم کا پہلا فرد ''ایک آیت یا تین آیات کا فرض ہونا'' ہی آپ کے قواعد کے مطابق ثابت نہیں دوسرے دو فرد کس طرح ثابت ہوں گے جو آپ نے پہلے فرد کو قائم رکھنے کے لیے ایجاد کیے ہیں۔

6. آخر میں یہ وضاحت بھی آپ سے کروانا ضروری ہے کہ عشاء کی پہلی دو رکعتوں میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھنے اور کوئی اور سورۃ پڑھنے کی صورت میں جو دوسری دو رکعتوں میں سورۃ فاتحہ پڑھنے سے روکا گیا ہے یہ نماز واجب الاعادہ ہے یا نہیں؟ جب کہ اس صورت میں چاروں رکعتوں میں ہی سورۃ فاتحہ نہیں پڑھی گئی؟ فی الحال اسی پر اکتفاء کرتا ہوں: وان تعودوا نعد ان شاء الله ذوالود.

عبدالسلام بھٹوی

مہر جامعہ محمدیہ گوجرانوالہ | جامعہ محمدیہ۔ جی ٹی روڈ۔ گوجرانوالہ

۲۹ ر ذوالقعدہ ۱۴۰۵ھ